وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝

(اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے)

كَلَّآ اِنَّهٗ

تذکرہ

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

(ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اُسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مربوط علمی تبصرہ

جس میں مسلمانانِ عالم کو اُنکی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغامِ اخیر دیا گیا ہے

مجلد اوّل

مقدمہ کتاب، ماہیتِ ایمان و حکمتِ عبادات وغیرہ

مع فہرست، خاتمہ عربی و دیباچہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان

المشرقی

باہتمام شیخ عبدالعزیز ناشر و طابع

مطبع وزیر بازار امرتسر میں برقی قوت سے طبع ہوئی

وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

(اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے ۔ سورۂ انبیاء)

كَلَّآ اِنَّهٗ

تذکرہ

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

(ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اُسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمّل و مربوط علمی تبصرہ

جس میں
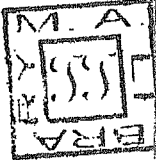
مسلمانانِ عالم کو اُن کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق آخری پیغام دیا گیا ہے

مجلّد اوّل

مقدمہ کتاب، ماہیتِ ایمان و حکمتِ عبادات، مع افتتاحیہ و دیباچہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان المشرقی الہندی

سنہ ۱۳۴۲ مطابق ۱۹۲۴

مطبع وکیل امرت سر میں باہتمام شیخ محمد عبدالعزیز ناظم مطبع ہو کر

ادارۃ الاشاعۃ التذکرہ امرتسر پنجاب سے شائع ہوئی

فهرس

المقالات التي جاءت في الافتتاحية العربية من كتاب تذكرة

المجلد الاول

تمت

ينبغى للقارئين ان يتدبروا هذه الافتتاحية اشد تدبر فانه قد تخصصت فيها روحا من امره تعالى بقدر استطاعتى وجدى وسعى وبينت فيها ما الدين العملى الذى جاء به الانبياء من ربهم ولم اكد ابين فى الفهرس معشا المقالات التى جاءت فى متن الكتاب الا اقل القليل الذى يجوز للايضاح فينبغى للقارى ان يطالعها ويخوض فى الفاظها الجلية والخفية اشد خوضا لاستقراء المطالب والاستقصاء فى ما انزل الله علينا لفلاحنا فى الدنيا والاخرة - وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين ٥

فہرست مضامین دیباچہ

تمت

فہرست مضامین تذکرہ

مجلد اوّل

جو مضامین کتاب کے متن میں وارد ہوئے ہیں اُن کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے جو حواشی میں آئے ہیں اُن کا قلم مہین ہے ۔

۴ تکیف ایمان و منتہائے اسلام

از صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۵

فہرس آیات القرآن

الّتی جاءت فی الافتتاحیّۃ العربیّۃ من کتاب تذکرہ (المجلد الاوّل)

العدد الاول اعنی ۲ فی نحو (۲: ۱۱۲) صفحۃ ۲۷ یشیر الی عدد السّورۃ والثّانی اعنی ۱۱۲- الی عدد الآیۃ
والثّالث اعنی ۲۷- الی عدد الصّفحۃ من الافتتاحیّۃ

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
الفاتحۃ ۱		۱۱۲:۲	۲۷	۶۳:۳	۵۴،۲۸	۴۰:۴	۳۳	۶۶:۵	۹۹
		۱۲۱:۲	۱۱۱	۶۶:۳	۵۲	۵۹:۴	۷۴،۷۳،۱۳	۷۳-۷۲:۵	۱۲۷
۱:۱	۷۲	۱۴۲:۲	۱۳۱	۷۵:۳	۱۰۵،۲۷		،۸۰	۷۳:۵	۹۱
۷-۱:۱	،۹۶،۲۷	۱۵۷-۱۵۵:۲	۳۲	۸۲:۳	۹۷	۶۴:۴	۷۴	۷۴:۵	۹۳
	،۱۲۹،۱۲۷	۱۵۷:۲	۳۳	۸۴:۳	۵۵،۴۸،۲۹	۷۰-۶۶:۴	۱۳۱	۱۱۲:۵	.۸۲،۸۰
	،۱۴۴	۱۵۹:۲	۱۰۰	۹۶:۳	۱۳۹،۳۲	۶۹:۴	۱۳۷	الانعام ۶	
۶-۵:۱	۶۶،۳۵	۱۶۰:۲	۹۲	۹۸:۳	۱۷	۷۱:۴	۶۲		
۷-۵:۱	۱۴۱،۹	۱۶۴:۲	۳۹	۱۰۲-۱۰۰:۳	۱۳۰	۷۶:۴	۱۱۸	۳۷:۶	۳۰
۶:۱	۴۱	۱۶۵:۲	۸۰،۷۳،۲۰	۱۰۲-۱۰۱:۳	۱۰۴	۸۰:۴	۷۳	۳۸:۶	۳۱،۳۹
۷-۶:۱	،۶۴،۵۰	۱۶۷-۱۶۶:۲	۱۶	۱۰۳:۳	۱۵،۱۸	۸۲:۴	۳۴	۳۹:۶	۳۱،۳۰
	۱۳۷،۷۱	۱۷۰:۲	۲۷	۱۰۴:۳	۱۷	۸۹:۴	۱۱۶	۴۵:۶	۲۵
۷:۱	۱۳۸،۱۳۷	۱۷۳:۲	۹۲	۱۲۸:۳	۳۳	۹۴:۴	۱۱۳	۴۷:۶	۷۶،۲۵
البقرۃ ۲		۱۷۴:۲	۱۰۱	۱۲۹:۳	۱۰۶	۱۰۴:۴	۶۲	۷۰:۶	۱۱۲
		۱۷۷:۲	۱۰۵،۲۷	۱۳۳-۱۳۲:۳	۱۰۵	۱۰۴:۴	۱۱۹	۸۳:۶	۷۶،۲۱،۱۵
۲:۲	۸۲	۱۹۱:۲	۷۴	۱۳۸:۳	۱۳۶،۲۴،۹	۱۱۰:۴	۹۲	۹۰-۸۹:۶	۴۹
۴-۲:۲	۱۰۶	۱۹۳:۲	۳۲،۲۱	.	۱۳۸،۸۱	۱۳۶:۴	۱۲۹	۹۲:۶	۴۸،۱۱
۴:۲	۸۲،۵۳	۱۹۴:۲	۱۰۶	۱۴۰:۳	۹۱	۱۳۹-۱۳۸:۴	۲۰	۹۴:۶	۷۸،۱۶
۷:۲	۲۴	۲۱۳:۲	۱۳۰،۷	۱۴۱:۳	۱۱	۱۴۵:۴	۱۵	۹۸:۶	۳۹
۸:۲	۱۲۴،۱۱	۲۱۸:۲	۹۳	۱۴۲-۱۴۱:۳	۱۲۵	۱۵۲-۱۵۰:۴	۱۲۸،۵۳	۱۱۵:۶	۱۱۱
	۱۲۴	۲۲۵:۲	۱۱۲،۹۲	۱۴۳:۳	۱۳۹	۱۶۷:۴	۱۳۸	۱۱۶:۶	۱۱۱
۹:۲	۲۴	۲۲۹:۲	۵۴،۳۲	۱۴۶:۳	۱۴۱	المائدہ ۵		۱۱۸-۱۱۷:۶	۱۳۴،۱۱۱
۲۱:۲	۱۰۴	۲۴۷:۲	۱۴۳	۱۵۵:۳	۱۱۶			۱۱۸:۶	۹۰
۲۴:۲	۱۱۳	۲۵۰:۲	۱۴۱	۱۶۷-۱۶۵:۳	۱۱۷	۸:۵	۱۰۶	۱۲۴-۱۲۳:۶	۱۳۷
۲۷-۲۶:۲	۶۲	۲۵۷:۲	۲۲	۱۶۹:۳	۵۵	۱۱:۵	۱۰۵	۱۲۶:۶	۱۰۹
۲۷:۲	۹۳،۶۲	۲۶۸:۲	۸۲	۱۷۴-۱۷۲:۳	۱۱۷	۱۳:۵	۵۴	۱۲۸-۱۲۶:۶	۱۳۷
۳۰:۲	۳۷	۲۸۶:۲	۱۴۱،۷۶	۱۹۷-۱۸۹:۳	۸۵	۱۶-۱۵:۵	۱۳۵	۱۲۹:۶	،۹۸،۱۵
۵۴:۲	۱۸	آل عمران ۳		۱۹۰:۳	۹	۱۸:۵	۲۵	۱۳۶-۱۲۹:۶	۹۹
۶۲:۲	۵۲			۱۹۹:۳	۸۱،۸۰	۲۳:۵	۸۱	۱۳۷:۶	۹۸
۶۳:۲	۶۳	۱۱:۳	۱۱۹	النساء ۴		۳۵:۵	۱۰۵	۱۴۹:۶	۳۶
۷۴:۲	۱۰۹	۱۳:۳	۱۹			۳۹:۵	۹۲	۱۵۴-۱۵۲:۶	۱۳۲
۷۸:۲	۵۰	۱۷:۳	۸۳	۹:۴	۱۰۶	۴۴:۵	۱۱۰	۱۶۰:۶	۱۴۴
۸۰:۲	۲۵	۱۸:۳	۵۵،۷	۱۷:۴	۹۲	۴۵:۵	۱۱۰	۱۶۴-۱۶۲:۶	۱۳۰
۸۵:۲	۵۸،۱۱	۳۱-۳۰:۳	۹۴	۱۸:۴	۹۲	۴۷:۵	۱۱۰	۱۶۶:۶	۱۴۲،۹۲،۳۶
۹۳:۲	۶۳	۵۳:۳	۱۱	۳۷:۴	۱۱۵	۵۷:۵	۱۰۷	الاعراف ۷	

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۷:۲۳	۱۴۱
۷:۲۷	۱۶
۷:۲۹	۱۰۳
۷:۳۴	۲۸
۷:۳۵	۲۷، ۶۶
۷:۳۷-۳۹	۱۰۴
۷:۴۰-۴۱	۱۷
۷:۵۲	۴۱
۷:۵۴	۳۱، ۱۴۰
۷:۵۶	۱۰۳، ۱۳۸
۷:۷۱	۲۷
۷:۹۶	۱۰۷
۷:۱۲۸	۲۶، ۳۸، ۱۱۶، ۱۰۵
۷:۱۵۳	۹۱
۷:۱۵۷	۹۱
۷:۱۵۹	۹۱
۷:۱۶۸-۱۷۰	۱۴۲
۷:۱۶۹	۱۰۷
۷:۱۷۳	۱۳۹
۷:۱۷۶	۱۶
۷:۱۷۹	۹۹
۷:۱۸۷	۳۵
۷:۱۸۸	۱۴
۷:۲۰۳-۲۰۴	۱۲۶

الانفال ۸

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۸:۱	۱۳، ۴۷، ۷۷، ۸۰، ۱۰۴
۸:۲-۴	۸۱
۸:۸	۹۱
۸:۱۶	۱۱۸
۸:۲۴، ۲۵	۲۲، ۳۰، ۱۱۶
۸:۲۴-۲۵	۱۰۴
۸:۲۵	۲۳
۸:۲۸	۳۰
۸:۲۹	۱۰۷
۸:۳۶-۳۷	۱۱۵
۸:۳۸	۲۸، ۱۱۹
۸:۳۹	۹۰
۸:۴۲	۹۸، ۸۴
۸:۴۶	۶۲، ۱۱۰
۸:۵۵-۵۶	۱۲۳
۸:۶۰	۴۲
۸:۶۳	۱۰
۸:۶۵	۱۱۹
۸:۷۴	۳، ۷۷، ۸۱

التوبة ۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۹:۴	۱۰۵
۹:۱۳	۳۰، ۷۵، ۷۷، ۸۰
۹:۱۶-۱۸	۱۲۶
۹:۲۳	۲۵
۹:۲۴	۲۵
۹:۲۵	۲۵، ۱۳۹
۹:۲۷	۹۳
۹:۳۰	۶۸، ۱۲۸
۹:۳۱	۱۴، ۶۸، ۱۲۸
۹:۳۳	۱۲، ۷۹
۹:۳۶	۱۰۵
۹:۴۴	۱۰۵
۹:۴۹	۱۱۶
۹:۵۴-۵۵	۱۱۶
۹:۷۳	۶۲
۹:۸۰	۹۵
۹:۸۲	۱۶
۹:۸۳-۸۵	۱۱۷
۹:۹۰	۱۱۷
۹:۹۴-۹۷	۱۱۸
۹:۹۹	۹۳
۹:۱۰۱-۱۰۲	۹۳
۹:۱۰۲	۱۴۰
۹:۱۱۱	۶۰
۹:۱۱۹	۱۰۵
۹:۱۲۰	۶۶، ۷۷
۹:۱۲۳	۱۰۵
۹:۱۲۸	۳۰

یونس ۱۰

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۰:۵	۴۱
۱۰:۶	۳۹، ۱۰۶
۱۰:۷-۸	۸۲
۱۰:۷-۹	۱۲۵
۱۰:۱۴	۱۴۲
۱۰:۱۹	۶
۱۰:۲۰	۱۴
۱۰:۲۵	۱۳۵
۱۰:۲۷	۳۱
۱۰:۲۸	۱۷
۱۰:۴۴	۳۱، ۳۲
۱۰:۴۷	۸۴
۱۰:۴۹	۱۴
۱۰:۶۲-۶۴	۲۲
۱۰:۶۴	۷۶
۱۰:۶۸	۱۲۲
۱۰:۶۹-۷۰	۱۲۲
۱۰:۸۴	۸۱
۱۰:۸۵-۸۶	۱۴۱
۱۰:۸۸	۱۴۱

هود ۱۱

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۱:۱۴	۳۹
۱۱:۵۰	۷۷
۱۱:۵۰-۵۲	۷۸
۱۱:۵۶	۱۳۲
۱۱:۸۴-۸۶	۸۱
۱۱:۸۸	۶
۱۱:۱۱۷	۹۵
۱۱:۱۱۸-۱۱۹	۱۸
۱۱:۱۱۹	۷

یوسف ۱۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۲:۲	۵۱
۱۲:۳۹	۱۵
۱۲:۸۷	۱۲۵
۱۲:۱۰۰	۳۲، ۳۸، ۹۲
۱۲:۱۰۳-۱۱۱	۷۹
۱۲:۱۱۱	۳۹

الرعد ۱۳

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۳:۶	۹۳
۱۳:۱۱	۲۸، ۹۷
۱۳:۱۳	۶۱
۱۳:۱۴	۱۲۱
۱۳:۳۳-۳۴	۱۱۳
۱۳:۴۲	۱۱۳

ابراهیم ۱۴

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۴:۲-۳	۱۱۴
۱۴:۴	۵۱
۱۴:۵	۱۳۶
۱۴:۷	۹۲، ۱۳۸
۱۴:۸	۳۱، ۱۳۹
۱۴:۱۲	۱۳۱
۱۴:۱۳-۱۵	۱۰۷
۱۴:۱۸	۹، ۱۳، ۱۴، ۱۲۰
۱۴:۲۸	۱۲۳

الحجر ۱۵

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۵:۲	۹
۱۵:۱۷	۳۸
۱۵:۴۵-۴۶	۱۰۸
۱۵:۴۹-۵۰	۹۲
۱۵:۶۶	۲۵
۱۵:۸۷	۱۳۹

النحل ۱۶

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۶:۷	۴۷
۱۶:۱۲	۳۸
۱۶:۱۹	۱۱۳
۱۶:۲۵	۱۰۹
۱۶:۲۶	۱۱
۱۶:۳۰-۳۱	۱۰۷
۱۶:۳۶	۸۴
۱۶:۳۸-۳۹	۱۳۴
۱۶:۴۹-۵۰	۴۰، ۶۰
۱۶:۵۷-۵۸	۱۲، ۹۸
۱۶:۶۶	۴۰
۱۶:۶۸-۶۹	۶۱
۱۶:۶۹	۴۰
۱۶:۷۲	۹
۱۶:۷۸	۱۲۲
۱۶:۷۸-۷۹	۸۲
۱۶:۸۳	۹، ۱۲۳
۱۶:۸۸	۱۲۱
۱۶:۸۹	۳۹، ۵۰، ۱۱۱
۱۶:۱۰۶-۱۰۹	۱۱۴
۱۶:۱۰۷	۲۴
۱۶:۱۰۸	۲۴
۱۶:۱۱۰، ۱۱۹	۹۳، ۹۱
۱۶:۱۲۰-۱۲۲	۱۳۰
۱۶:۱۲۵	۱۳۴

بنی اسرائیل ۱۷

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۷:۴-۸	۱۲۲
۱۷:۹	۷۸، ۱۲۲
۱۷:۱۶	۱۴۲
۱۷:۱۷	۹۵
۱۷:۱۸-۱۹	۸۲
۱۷:۱۸	۳۶
۱۷:۲۶-۲۷	۱۲۳
۱۷:۳۶	۹۰
۱۷:۴۴	۶۱، ۶۲
۱۷:۶۷	۱۱۵
۱۷:۷۲	۹، ۳۲، ۱۰۷
۱۷:۸۴	۳۴
۱۷:۸۶-۸۷	۴۹
۱۷:۸۸	۱۲۶، ۱۴۰

الکهف ۱۸

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۸:۷	۴۲
۱۸:۲۶	۸، ۱۴
۱۸:۴۷	۹۶
۱۸:۴۸	۳۰، ۹۶
۱۸:۵۶	۱۲۰
۱۸:۱۰۲	۱۶
۱۸:۱۰۲-۱۰۸	۱۲۱
۱۸:۱۰۳-۱۰۶	۱۳، ۴۸

مریم ۱۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۹:۳۷	۱۱۵
۱۹:۴۰	۷۷
۱۹:۷۱	۹۶
۱۹:۸۱	۲۰

طه ۲۰

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۰:۱۵	۱۳۶
۲۰:۵۰	۳۴، ۳۹
۲۰:۸۱	۷۱
۲۰:۸۲	۹۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۰:۱۱۳	۱۰۳

الانبیاء ۲۱

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۱:۱۱-۱۹	۱۴۲
۲۱:۲۲	۸، ۲۰، ۷۴
۲۱:۲۳	۲۸
۲۱:۴۸-۴۹	۱۰۶
۲۱:۵۲	۱۹، ۷۰
۲۱:۷۸-۸۱	۸۸
۲۱:۹۲	۷۲
۲۱:۹۵	۹۰، ۹۷
۲۱:۹۸	۱۴۴
۲۱:۱۰۵-۱۰۶	۳۸، ۶۳
۲۱:۱۰۷	۴۹

الحج ۲۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۲:۳-۴	۴۵
۲۲:۳۱	۲۱، ۲۳
۲۲:۴۷	۹۰
۲۲:۵۴	۴۱، ۱۴۴، ۱۳۶
۲۲:۶۷	۵۷
۲۲:۶۷-۶۹	۱۳۷
۲۲:۶۸-۷۰	۱۰۹
۲۲:۷۲	۱۲۶
۲۲:۷۸	۱۰

المؤمنون ۲۳

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۳:۳	۱۳۴
۲۳:۹	۶۳
۲۳:۱۴	۶۲، ۱۳۰
۲۳:۵۲	۱۴، ۱۰۴
۲۳:۵۳	۸، ۱۲
۲۳:۶۰	۷۵
۲۳:۶۶-۶۷-۶۸	۴۱، ۶۳، ۹۹
۲۳:۶۸-۷۰	۹۰، ۱
۲۳:۹۲	۲۹
۲۳:۱۱۵	۱۴۰
۲۳:۱۱۷	۲۹، ۱۱۴، ۱۱۹

النور ۲۴

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۴:۲	۸۲
۲۴:۵	۹۱
۲۴:۱۱	۱۱۲
۲۴:۱۲	۱۱۰
۲۴:۲۱-۲۳	۹۴
۲۴:۲۲	۹۳، ۱۳۹
۲۴:۳۵	۵۳
۲۴:۳۹-۴۰	۱۲۰
۲۴:۴۱	۶۱، ۶۲
۲۴:۴۲	۶۱
۲۴:۴۵-۴۶	۱۳۳
۲۴:۵۲، ۵۳	۷۴
۲۴:۵۵	۷۴، ۷۶، ۹۰
۲۴:۶۲	۸۰، ۹۴

الفرقان ۲۵

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۵:۳۰	۱۰۸
۲۵:۶۳	۱۳۴
۲۵:۷۰-۷۱	۹۲
۲۵:۷۲	۱۳۴

الشعراء ۲۶

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۶:۷۰	۷۰
۲۶:۷۱	۷۱
۲۶:۷۳	۷۱
۲۶:۷۶	۷۰
۲۶:۷۷	۷۰
۲۶:۸۳	۷۱
۲۶:۸۴	۷۱
۲۶:۸۵	۷۱
۲۶:۸۶	۷۱
۲۶:۸۷-۸۸	۷۰
۲۶:۸۹	۷۱
۲۶:۹۰	۷۱
۲۶:۹۱	۷۱
۲۶:۱۰۶-۱۱۰	۷۵
۲۶:۱۲۴	۱۴۲
۲۶:۱۳۹	۹۸
۲۶:۱۴۶	۱۳۹
۲۶:۱۹۲-۱۹۷	۸۶
۲۶:۱۹۸-۲۰۹	۸۶
۲۶:۲۲۴-۲۲۶	۵۱
۲۶:۲۲۷	۱۳۹

النمل ۲۷

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۷:۱۵-۱۶	۸۷
۲۷:۱۷	۸۷
۲۷:۳۱	۱۰۲
۲۷:۶۵	۱۴

القصص ۲۸

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۸:۵۵	۱۳۴
۲۸:۶۲	۱۶
۲۸:۷۶-۷۷	۱۱۶
۲۸:۸۲	۱۱۷

العنکبوت ۲۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۹:۲	۱۱
۲۹:۲-۳	۱۱، ۱۲۵
۲۹:۳	۱۱
۲۹:۶	۶۹، ۱۲۵
۲۹:۱۲-۱۳	۱۲۶
۲۹:۲۳	۱۲۵
۲۹:۳۴-۳۵	۶۵
۲۹:۴۱	۲۹
۲۹:۴۳	۴۸
۲۹:۴۴	۹، ۳۸، ۷۴، ۸۲، ۱۲۲
۲۹:۴۵	۶۴
۲۹:۴۷	۱۲۲
۲۹:۴۹	۸۴، ۱۳۵
۲۹:۵۱	۱۱۱
۲۹:۵۲	۹، ۸۹، ۱۳۳
۲۹:۵۶	۷۷
۲۹:۵۷-۵۹	۷۷
۲۹:۶۱	۶۶
۲۹:۶۳	۷۶، ۶۹، ۷۷
۲۹:۶۷	۱۲۳
۲۹:۶۹	۱۳۲

الروم ۳۰

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۰:۲۷	۳۰
۳۰:۳۰	۲۹، ۵۴
۳۰:۳۱-۳۲	۱۵، ۶۲، ۹۹
۳۰:۳۲	۱۱۳
۳۰:۴۱	۷
۳۰:۴۲	۲۵
۳۰:۴۷	۱۱
۳۰:۵۲-۵۳	۹۰

لقمٰن ۳۱

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۱:۱۱	۶۷
۳۱:۱۳	۱۵، ۲۱
۳۱:۲۰-۲۵	۷۰
۳۱:۲۵	۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۷
۳۱:۳۲	۱۱۴

السجدة ۳۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۲:۴	۳۰
۳۲:۵	۳۰
۳۲:۹	۱۲۲
۳۲:۱۰	۱۲۴
۳۲:۱۶	۶۱، ۶۷
۳۲:۱۶-۱۷	۶۳
۳۲:۱۶-۱۸	۳۶
۳۲:۱۹-۲۱	۳۶
۳۲:۲۶	۹۵

الاحزاب ۳۳

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۳:۵	۹۲
۳۳:۸	۱۱۳
۳۳:۱۸-۱۹	۱۱۷
۳۳:۲۵	۸۱
۳۳:۳۶	۸۰
۳۳:۶۲	۹۷
۳۳:۶۶-۶۸	۱۷، ۹۹
۳۳:۷۰	۱۰۶

السبا ۳۴

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۴:۱۰-۱۳	۴۵، ۸۸
۳۴:۲۲	۶۷
۳۴:۲۳	۱۴
۳۴:۳۷	۲۴
۳۴:۳۸	۱۷

فاطر ۳۵

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۵:۱	۴۸
۳۵:۵-۷	۱۱۴
۳۵:۲۶-۲۸	۴۲
۳۵:۲۸	۸۲، ۱۰۶
۳۵:۲۸-۳۰	۹۴
۳۵:۲۹-۳۱	۸۳
۳۵:۴۰	۶۷
۳۵:۴۳	۳۴

یٰس ۳۶

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۶:۳۱	۹۵
۳۶:۳۸	۶۲
۳۶:۴۰	۶۲
۳۶:۶۰-۶۱	۱۲۹
۳۶:۶۹	۵۱

والصّٰفّٰت ۳۷

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۷:۶۵	۲۷
۳۷:۱۱۴-۱۲۲	۶۵، ۱۳۷
۳۷:۱۶۲	۴۴
۳۷:۱۷۳	۴۴، ۱۱۹
۳۷:۱۸۰	۳۳

ص ۳۸

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۸:۱۷-۲۰	۸۸
۳۸:۲۷	۴۱، ۱۲۲
۳۸:۲۷-۲۸	۸۷، ۱۰۶
۳۸:۲۹	۸۷
۳۸:۳۶-۴۰	۸۸
۳۸:۴۵	۴
۳۸:۶۱-۷۳	۴۷
۳۸:۸۷	۴۹

الزمر ۳۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۹:۳	۱۱۵
۳۹:۸	۱۱۴
۳۹:۹	۸۴
۳۹:۱۰	۱۰۷
۳۹:۲۲	۱۰۹
۳۹:۲۳	۸۳
۳۹:۳۳	۱۰۵
۳۹:۳۸	۶۸
۳۹:۴۴	۱۴
۳۹:۴۹	۱۴۲
۳۹:۵۰	۱۴۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۵۱:۳۹	۱۴۳
۵۲:۳۹	۱۴۲
۵۳:۳۹	۲۴
۵۵-۵۳:۳۹	۹۵
۵۴:۳۹	۲۴
۶۳:۳۹	۴۷
۶۵-۶۳:۳۹	۱۰۸
۶۴:۳۹	۶۱،۶۹،۱۸
المؤمن ۴۰	
۶-۴:۴۰	۱۲۰
۵۸-۵۷:۴۰	۱۲۲،۸۷
۶۳-۶۲:۴۰	۱۱۵
۸۵-۸۳:۴۰	۱۲۷
حم السجدۃ ۴۱	
۳:۴۱	۴۱
۷-۶:۴۱	۱۱۶،۷۲
۱۱:۴۱	۷۴
۲۵:۴۱	۱۰۳
۲۶:۴۱	۱۲۵
۲۹:۴۱	۹۹
۳۲-۳۰:۴۱	۷۸
۴۲:۴۱	۷
۴۴:۴۱	۵۲،۵۱
الشوری ۴۲	
۱۳:۴۲	۱۵،۵۰،۷۲
۱۴:۴۲	۶
۱۵:۴۲	۶
۲۰:۴۲	۲۶
۳۰:۴۲	۳۲
۳۸:۴۲	۱۴۳
۳۹:۴۲	۲۷،۴۴،۱۳۳
۴۱:۴۲	۹۷
۵۲:۴۲	۱۳۶،۵۷
الزخرف ۴۳	
۳:۴۳	۵۱
۹:۴۳	۹۷
۲۳:۴۳	۲۷
۴۳:۴۳	۱۳۵،۴۹
۶۱:۴۳	۱۳۶
۶۲-۶۱:۴۳	۱۳۰
۶۴-۶۳:۴۳	۱۳۶
۶۵-۶۳:۴۳	۱۳۱
۸۷:۴۳	۶۷،۶۸،۶۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
الدخان ۴۴	
۲۶-۲۵:۴۴	۷۱
۳۲-۳۰:۴۴	۸۹
۳۹-۳۸:۴۴	۳۸،۳۰
۵۷-۵۱:۴۴	۱۰۸
۵۸:۴۴	۵۱
الجاثیۃ ۴۵	
۳:۴۵	۸۲،۳۸
۴:۴۵	۳۹
۵:۴۵	۳۸
۱۶-۱۳:۴۵	۳۸،۸۹
۱۷:۴۵	۱۰۸،۷
۲۰:۴۵	۵۰
۲۲-۲۱:۴۵	۸۹
۲۳:۴۵	۲۴
۲۴:۴۵	۸۲
الاحقاف ۴۶	
۳:۴۶	۱۲۴
۲۹:۴۶	۱۰۲
۳۰:۴۶	۱۰۳
۳۱:۴۶	۱۰۳
۳۲:۴۶	۱۰۳
۳۳:۴۶	۱۰۳
۳۵:۴۶	۲۵
محمد ۴۷	
۱:۴۷	۱۱۹
۲:۴۷	۱۲۰،۲۹
۳:۴۷	۱۲۳
۴:۴۷	۱۴۴
۵-۴:۴۷	۱۱۹
۸:۴۷	۲۹
۹-۸:۴۷	۱۱۹
۱۱-۱۰:۴۷	۱۴۰
۱۱:۴۷	۲۹
۱۲:۴۷	۱۲۰،۳۲،۲۹
۱۸:۴۷	۱۲۶
۳۱:۴۷	۱۲۴
۳۶-۳۵:۴۷	۱۰۵
الفتح ۴۸	
۲-۱:۴۸	۱۳۲
۲:۴۸	۱۳۹
۱۳-۱۱:۴۸	۱۱۸
۲۰:۴۸	۱۳۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۳-۲۲:۴۸	۱۱۹
۲۹:۴۸	۱۰
الحجرات ۴۹	
۳:۴۹	۱۰۴
۹:۴۹	۱۴
۱۰:۴۹	۱۰۴،۸۰،۱۳، ۱۱۰
۱۲:۴۹	۱۱۰
۱۴:۴۹	۱۱۳
۱۶:۴۹	۸۱
ق ۵۰	
۲۹:۵۰	۱۱۹،۱۰۱
۳۸:۵۰	۳۰
الذریت ۵۱	
۱۶-۱۵:۵۱	۱۰۸
۱۸-۱۵:۵۱	۶۳
۱۶:۵۱	۶۳
۱۷:۵۱	۷۶
۱۸-۱۷:۵۱	۶۱
۱۸:۵۱	۷۶
۴۸-۴۷:۵۱	۶۷
۵۱-۴۹:۵۱	۶۸
۵۶:۵۱	۲۲،۲۶،۶۳،۷۶
الطور ۵۲	
۲۰-۱۷:۵۲	۱۰۸
۲۱:۵۲	۱۱۲
۳۸:۵۲	۱۰۰
النجم ۵۳	
۲۳:۵۳	۱۰۸،۴۱
۳۰-۲۸:۵۳	۱۳۳
۳۱:۵۳	۱۳۴،۹۰
۳۹:۵۳	۱۱۲،۳۳،۱۳
الرحمن ۵۵	
۵:۵۵	۶۲
۶:۵۵	۶۱
۲۹:۵۵	۳۱
۳۳:۵۵	۹۷
۴۶:۵۵	۱۰۸
الواقعۃ ۵۶	
۳-۱:۵۶	۹۵
۱۱-۱۰:۵۶	۱۰
۷۶:۵۶	۵

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
الحدید ۵۷	
۸-۷:۵۷	۸۱
۱۲:۵۷	۱۰
۲۰:۵۷	۲۶
۲۵:۵۷	۴۳
۲۷:۵۷	۷۷
الحشر ۵۹	
۱۳:۵۹	۱۱۹
۱۴:۵۹	۱۱۹
۱۹:۵۹	۱۲۶
۲۱:۵۹	۱۲۶
۲۲:۵۹	۲۹
الممتحنۃ ۶۰	
۱۳:۶۰	۱۲۵
الصف ۶۱	
۲:۶۱	۱۱۲
۳-۲:۶۱	۱۱
۳:۶۱	۱۱۲،۹۶
۴:۶۱	۱۲۴
۹:۶۱	۱۲،۵۰،۱۳۷
الجمعۃ ۶۲	
۵:۶۲	۴۱
۸-۶:۶۲	۱۲۴
التغابن ۶۴	
۱۴:۶۴	۲۰
الطلاق ۶۵	
۳-۲:۶۵	۱۰۶
۵-۴:۶۵	۱۰۷
التحریم ۶۶	
۸:۶۶	۲۴
الملک ۶۷	
۲:۶۷	۳۶
۳:۶۷	۲۸
الحاقۃ ۶۹	
۴۸:۶۹	۵۰
المعارج ۷۰	
۲۳-۱۹:۷۰	۹۴
نوح ۷۱	
۳-۲:۷۱	۷۸
۱۲-۱۰:۷۱	۷۸
الجن ۷۲	
۲-۱:۷۲	۱۰۲
۴-۳:۷۲	۱۰۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۹-۵:۷۲	۱۰۳
۸:۷۲	۱۰۱
۲۸-۲۰:۷۲	۱۰۰
۲۱:۷۲	۱۴
۲۶:۷۲	۱۴
۲۷:۷۲	۱۴
المدثر ۷۴	
۵۵-۵۴:۷۴	۳۴
الدھر ۷۶	
۲:۷۶	۳۴
والنزعت ۷۹	
۳۴:۷۹	۳۰
عبس ۸۰	
۱۷:۸۰	۳۵
۲۰-۱۹:۸۰	۳۴
التکویر ۸۱	
۲۹:۸۱	۳۴،۳۳،۳۲
الانفطار ۸۲	
۸:۸۲	۳۴
الانشقاق ۸۴	
۲۲-۲۱:۸۴	۱۲۵
الاعلی ۸۷	
۱۴:۸۷	۵۹
الیل ۹۲	
۲۰-۱۹:۹۲	۷۷
التین ۹۵	
۶:۹۵	۱۴۳
البینۃ ۹۸	
۵-۴:۹۸	۷
الزلزال ۹۹	
۸-۷:۹۹	۳۱
الھمزۃ ۱۰۴	
۷-۶:۱۰۴	۳۱
الماعون ۱۰۷	
۷-۴:۱۰۷	۶۴
النصر ۱۱۰	
۲:۱۱۰	۵۴
الاخلاص ۱۱۲	
۱:۱۱۲	۴۱
الناس ۱۱۴	
۵-۴:۱۱۴	۷

تمت بالخیر

فہرست آیاتِ تذکرہ

(مجلد اوّل)

اس فہرست میں صرف اُن آیاتِ الٰہی کا حوالہ دیا گیا ہے جن کے الفاظ مع مطالب متن کتاب یا حواشی میں آئے ہیں۔ جہاں صرف آیت کا شمار لکھکر حوالہ دیا گیا اُن کو نظر انداز کر دیا گیا۔

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۱۰۱	(۴:۵)	۱۴۹
۱۰۲	(۴:۶)	۱۴۹
۱۰۳	(۴:۱۱)	۱۸۹
۱۰۴	(۴:۱۵)	
۱۰۵	(۴:۱۶)	۱۸۹
۱۰۶	(۴:۱۷)	۱۸۹
۱۰۷	(۴:۱۹)	۱۴۹
۱۰۸	(۴:۲۳)	۱۸۹
۱۰۹	(۴:۲۵)	۱۴۹
۱۱۰	(۴:۲۹)	۱۸۹
۱۱۱	(۴:۳۰)	۱۸۹
۱۱۲	(۴:۳۲)	۱۸۹
۱۱۳	(۴:۳۳)	۱۸۹
۱۱۴	(۴:۳۴)	۱۸۹
۱۱۵	(۴:۳۵)	۱۸۹
۱۱۶	(۴:۳۶)	۱۸۹
۱۱۷	(۴:۴۸)	۱۲۰
۱۱۸	(۴:۵۸)	۲۴۱
۱۱۹	(۴:۵۹)	۱۶۹، ۲۴۴
۱۲۰	(۴:۶۲)	۱۲۵
۱۲۱	(۴:۶۴)	۲۴۵
۱۲۲	(۴:۶۶)	۲۴۳
۱۲۳	(۴:۶۷)	۲۴۳
۱۲۴	(۴:۶۸)	۲۴۳
۱۲۵	(۴:۶۹)	۲۴۳، ۲۲۰
۱۲۶	(۴:۷۰)	۲۴۳
۱۲۷	(۴:۷۲)	۱۲۵
۱۲۸	(۴:۷۹)	۱۲۳، ۱۲۶
۱۲۹	(۴:۸۰)	۱۷۱
۱۳۰	(۴:۸۲)	۵۸
۱۳۱	(۴:۱۰۳)	۱۸۹، ۲۳۰
۱۳۲	(۴:۱۰۴)	۱۶۴
۱۳۳	(۴:۱۱۳)	۵۴
۱۳۴	(۴:۱۱۴)	۱۴۹
۱۳۵	(۴:۱۱۶)	۱۱۹
۱۳۶	(۴:۱۳۵)	۲۰۲، ۲۵۷
۱۳۷	(۴:۱۴۲)	۲۵۳
۱۳۸	(۴:۱۴۳)	۲۵۳
۱۳۹	(۴:۱۴۵)	۲۵۳
۱۴۰	(۴:۱۷۶)	۲۲۴
۹۷۷	۵-المائدة (۱۲۰)	
۱۴۱	(۵:۳)	۵۶، ۲۱۷

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۱۴۲	(۵:۶)	۲۱۷
۱۴۳	(۵:۷)	۲۱۸
۱۴۴	(۵:۸)	۲۰۲
۱۴۵	(۵:۱۱)	۱۷۸، ۲۱۶
۱۴۶	(۵:۱۲)	۲۶۴
۱۴۷	(۵:۱۳)	۲۶۶
۱۴۸	(۵:۱۵)	۱۷۶، ۲۳۵، ۲۷۰
۱۴۹	(۵:۱۶)	۲۳۵، ۲۷۰، ۱۷۲
۱۵۰	(۵:۲۰)	۲۱۵
۱۵۱	(۵:۲۲)	۲۱۹
۱۵۲	(۵:۲۳)	۲۱۹
۱۵۳	(۵:۳۵)	۱۵۶
۱۵۴	(۵:۴۴)	۸۹، ۹۶
۱۵۵	(۵:۴۵)	۹۶
۱۵۶	(۵:۴۶)	۸۹
۱۵۷	(۵:۴۷)	۹۶
۱۵۸	(۵:۴۸)	۱۳۵، ۱۹۳
۱۵۹	(۵:۵۰)	۹۲
۱۶۰	(۵:۵۵)	۱۰۷
۱۶۱	(۵:۵۶)	۱۵۰، ۱۵۳، ۱۷۹
۱۶۲	(۵:۵۷)	۲۵۰
۱۶۳	(۵:۵۸)	۲۵۰
۱۶۴	(۵:۱۰۶)	۱۲۶
۱۶۵	(۵:۱۰۹)	۲۲۱
۱۶۶	(۵:۱۱۰)	۲۲۱
۱۶۷	(۵:۱۱۲)	۱۷۹
۹۵۵	۶-الانعام (۱۶۶)	
۱۶۸	(۶:۴۴)	۲۵۴
۱۶۹	(۶:۴۵)	۲۵۴
۱۷۰	(۶:۴۷)	۸۱، ۲۵۶
۱۷۱	(۶:۴۸)	۸۱
۱۷۲	(۶:۸۷)	۲۳۴
۱۷۳	(۶:۸۸)	۲۳۴
۱۷۴	(۶:۹۲)	۸۹
۱۷۵	(۶:۹۹)	۱۵
۱۷۶	(۶:۱۰۰)	۱۰۳، ۱۱۵
۱۷۷	(۶:۱۱۵)	۸۹، ۹۲، ۹۳
۱۷۸	(۶:۱۱۶)	۴۰، ۹۲، ۹۳، ۱۵۱
۱۷۹	(۶:۱۱۷)	۹۳
۱۸۰	(۶:۱۱۸)	۹۳
۱۸۱	(۶:۱۲۶)	۲۳۸
۱۸۲	(۶:۱۲۷)	۲۳۸

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۱۸۳	(۶:۱۲۸)	۲۳۸
۱۸۴	(۶:۱۳۴)	۹
۱۸۵	(۶:۱۴۲)	۱۱۵
۱۸۶	(۶:۱۵۲)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۷	(۶:۱۵۳)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۸	(۶:۱۵۴)	۲۴۰، ۲۴۲
۱۸۹	(۶:۱۵۵)	۸۹
۱۹۰	(۶:۱۵۶)	۸۹
۱۹۱	(۶:۱۵۸)	۹۰
۱۹۲	(۶:۱۶۰)	۱۳۱
۱۹۳	(۶:۱۶۱)	۱۳۰
۱۹۴	(۶:۱۶۲)	۲۳۱
۱۹۵	(۶:۱۶۳)	۲۳۱
۱۹۶	(۶:۱۶۴)	۲۳۱
۱۹۷	(۶:۱۶۶)	۱۳
۱۱۶۱	۷-الاعراف (۲۰۶)	
۱۹۸	(۷:۱۶)	۱۹۵
۱۹۹	(۷:۱۷)	۱۹۵
۲۰۰	(۷:۱۸)	۱۹۵
۲۰۱	(۷:۲۷)	۲۰۷
۲۰۲	(۷:۲۸)	۲۰۷
۲۰۳	(۷:۲۹)	۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۵۷
۲۰۴	(۷:۳۴)	۱۳، ۱۷۷
۲۰۵	(۷:۳۵)	۱۳، ۴۳، ۱۷۷
۲۰۶	(۷:۵۲)	۵۸، ۹۰، ۹۲، ۱۷۵
۲۰۷	(۷:۵۴)	۱۴۱
۲۰۸	(۷:۵۶)	۲۰۵
۲۰۹	(۷:۹۵)	۱۲۷
۲۱۰	(۷:۱۲۸)	۳۹
۲۱۱	(۷:۱۲۹)	۹
۲۱۲	(۷:۱۳۰)	۱۲۷
۲۱۳	(۷:۱۳۷)	۱۹، ۴۰
۲۱۴	(۷:۱۳۸)	۴۰
۲۱۵	(۷:۱۵۲)	۲۲۳
۲۱۶	(۷:۱۵۴)	۸۹
۲۱۷	(۷:۱۵۶)	۱۵۶
۲۱۸	(۷:۱۵۷)	۱۷۲
۲۱۹	(۷:۱۵۸)	۲۰۴
۲۲۰	(۷:۱۶۲)	۲۶۰
۲۲۱	(۷:۱۶۸)	۱۲۷
۲۲۲	(۷:۱۷۶)	۸۵
۲۲۳	(۷:۱۸۲)	۹۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحۂ کتاب
۲۲۴	(۱۸۳:۷)	۹۸
۲۲۵	(۱۸۴:۷)	۶۳
۲۲۶	(۱۸۷:۷)	۸۴
۲۲۷	(۱۸۹:۷)	۴۰
۲۲۸	(۱۹۰:۷)	۴۰
۲۲۹	(۲۰۳:۷)	۵۷
۲۳۰	(۲۰۶:۷)	۱۰۷
۱۳۳۶	۸۔الانفال (۷۵)	
۲۳۱	(۱:۸)	۱۷۹، ۲۹۳
۲۳۲	(۲:۸)	۱۰۳، ۲۹۳
۲۳۳	(۳:۸)	۱۸۰، ۲۹۳
۲۳۴	(۴:۸)	۱۸۰، ۲۹۳
۲۳۵	(۷:۸)	۱۸۴
۲۳۶	(۸:۸)	۱۸۴
۲۳۷	(۱۱:۸)	۱۴۲، ۱۴۳
۲۳۸	(۱۲:۸)	۱۴۴
۲۳۹	(۲۰:۸)	۱۷۰
۲۴۰	(۲۱:۸)	۱۷۰
۲۴۱	(۲۲:۸)	۱۷۰
۲۴۲	(۲۴:۸)	۱۷۱
۲۴۳	(۲۵:۸)	۱۷۱، ۲۴۵
۲۴۴	(۲۶:۸)	۱۲، ۱۲۳
۲۴۵	(۲۹:۸)	۱۵۲
۲۴۶	(۳۱:۸)	۷۱
۲۴۷	(۳۵:۸)	۱۱۱
۲۴۸	(۴۵:۸)	۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۰
۲۴۹	(۵۳:۸)	۲۱۲
۲۵۰	(۶۳:۸)	۱۷۶، ۱۹۸
۲۵۱	(۶۴:۸)	۷۶
۲۵۲	(۶۵:۸)	۱۶۴
۲۵۳	(۶۶:۸)	۱۶۴
۲۵۴	(۷۲:۸)	۱۲، ۱۲۵
۱۳۶۵	۹۔التوبۃ (۱۲۹)	
۲۵۵	([illegible]:۹)	۱۹۹
۲۵۶	([illegible]:۹)	۱۵۷، ۱۵۸
۲۵۷	(۲۰:۹)	۱۱۷
۲۵۸	(۲۱:۹)	۱۱۵
۲۵۹	(۲۲:۹)	۱۱۵
۲۶۰	(۳۱:۹)	۱۸۶
۲۶۱	(۳۲:۹)	۱۸۴، ۲۷۱
۲۶۲	(۳۳:۹)	۱۸۴

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحۂ کتاب
۲۶۳	(۳۴:۹)	۱۳۸
۲۶۴	(۳۵:۹)	۱۳۸
۲۶۵	(۳۹:۹)	۹
۲۶۶	(۴۴:۹)	۱۵۸
۲۶۷	(۴۵:۹)	۱۵۸
۲۶۸	(۵۰:۹)	۱۲۵
۲۶۹	(۶۷:۹)	۱۴۹
۲۷۰	(۷۰:۹)	۷۶
۲۷۱	(۷۱:۹)	۱۵۰
۲۷۲	(۸۴:۹)	۱۳۳
۲۷۳	(۸۸:۹)	۱۳۴
۲۷۴	(۸۹:۹)	۱۳۴
۲۷۵	(۹۷:۹)	۸۰
۲۷۶	(۹۹:۹)	۱۳۲
۲۷۷	(۱۰۳:۹)	۱۳۳، ۱۸۱
۲۷۸	(۱۰۴:۹)	۱۳۹
۲۷۹	(۱۰۷:۹)	۲۵۵
۲۸۰	(۱۰۸:۹)	۲۵۵، ۲۵۷
۲۸۱	(۱۰۹:۹)	۲۵۵
۲۸۲	(۱۱۰:۹)	۲۵۵
۲۸۳	(۱۱۱:۹)	۱۳۰
۱۴۷۴	۱۰۔یونس (۱۰۹)	
۲۸۴	(۱:۱۰)	۵۳
۲۸۵	(۱۲:۱۰)	۱۰
۲۸۶	(۱۹:۱۰)	۱۹۱
۲۸۷	(۲۵:۱۰)	۲۳۵
۲۸۸	(۲۷:۱۰)	۱۲۸
۲۸۹	(۳۴:۱۰)	۲۴
۲۹۰	(۴۴:۱۰)	۱۳۱
۲۹۱	(۷۷:۱۰)	۵۰
۲۹۲	(۹۲:۱۰)	۱۵۸
۲۹۳	(۹۳:۱۰)	۱۵۸
۲۹۴	(۹۴:۱۰)، ۸۲	۱۵۸-۱۸۵
۲۹۵	(۱۰۴:۱۰)	۱۶۶
۱۵۹۶	۱۱۔ھود (۱۲۳)	
۲۹۶	(۱:۱۱)	۵۵
۲۹۷	(۱۰:۱۱)	۱۲۸، ۲۱۴
۲۹۸	(۱۳:۱۱)	۶۵، ۶۶
۲۹۹	(۱۴:۱۱)	۶۶
۳۰۰	(۸۸:۱۱)	۲۰۳
۳۰۱	(۵۷:۱۱)، ۸۸	۹، ۲۰۳

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحۂ کتاب
۳۰۲	(۱۱۸:۱۱)	۱۹۴
۳۰۳	(۱۱۹:۱۱)، ۱۲۰	۱۹۴، ۴۲، ۹۰
۱۷۰۸	۱۲۔یوسف (۱۱۱)	
۳۰۴	(۱:۱۲)	۵۷، ۶۱
۳۰۵	(۲:۱۲)	۶۱، ۶۶
۳۰۶	(۶:۱۲)	۲۱۳
۳۰۷	(۱۲:۱۲)	۱۹۲
۳۰۸	(۲۴:۱۲)	۲۰۸
۳۰۹	(۲۸:۱۲)	۲۴۷
۳۱۰	(۱۱۱:۱۲)	۸۶، ۹۰، ۹۲
۱۷۵۱	۱۳۔الرعد (۴۳)	
۳۱۱	(۴:۱۳)	۱۱۵
۳۱۲	(۶:۱۳)	۱۳۷
۳۱۳	(۲۲:۱۳)	۱۲۹
۳۱۴	(۳۴:۱۳)	۱۱۹
۳۱۵	(۳۷:۱۳)	۹۰
۳۱۶	(۳۸:۱۳)	۲۴۷
۱۸۰۳	۱۴۔ابرٰھیم (۵۲)	
۳۱۷	(۱:۱۴)	۵۵، ۲۶۹
۳۱۸	(۴:۱۴)	۴۶، ۹۶
۳۱۹	(۵:۱۴)	۲۷۰
۳۲۰	(۶:۱۴)	۲۱۵
۳۲۱	(۷:۱۴)	۲۴۸
۳۲۲	(۸:۱۴)	۱۳۱
۳۲۳	(۱۲:۱۴)	۲۲۷
۳۲۴	(۱۳:۱۴)	۴۳، ۹۶
۳۲۵	(۱۴:۱۴)، ۱۵	۴۳، ۹۶، ۱۵۹، ۱۶۰
۳۲۶	(۲۳:۱۴)	۲۷۰
۳۲۷	(۲۶:۱۴)	۱۴۳
۳۲۸	(۳۴:۱۴)	۲۱۲
۱۹۰۲	۱۵۔الحجر (۹۹)	
۳۲۹	(۱:۱۵)	۵۷
۳۳۰	(۹:۱۵)	۹۲
۳۳۱	(۲۱:۱۵)	۱۲۹
۳۳۲	(۸۷:۱۵)	۲۶۸
۳۳۳	(۹۰:۱۵)	۷۴
۳۳۴	(۹۱:۱۵)	۷۴، ۱۴۳
۳۳۵	(۹۲:۱۵)	۷۴
۳۳۶	(۹۳:۱۵)	۷۴

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۲۰۳۰	۱۶-النحل (۱۲۸)	
۳۳۷	۱۶:۸	۲۵
۳۳۸	۱۶:۳۰	۱۵۹
۳۳۹	۱۶:۳۶	۱۸۶
۳۴۰	۱۶:۴۴	۵۹، ۸۶، ۱۵۱
۳۴۱	۱۶:۴۵	۱۲۸
۳۴۲	۱۶:۴۹	۱۰۷
۳۴۳	۱۶:۵۳	۲۱۴
۳۴۴	۱۶:۶۴	۹۰
۳۴۵	۱۶:۷۱	۲۱۴
۳۴۶	۱۶:۷۲	۲۱۴
۳۴۷	۱۶:۷۹	۱۰۲
۳۴۸	۱۶:۸۱	۲۱۴
۳۴۹	۱۶:۸۳	۱۵۴، ۲۱۴
۳۵۰	۱۶:۸۹	۵۶، ۹۰، ۹۲، ۱۶۷
۳۵۱	۱۶:۹۰	۲۰۸
۳۵۲	۱۶:۹۱	۱۹۸
۳۵۳	۱۶:۹۳	۱۹۲
۳۵۴	۱۶:۱۰۲	۹۰، ۱۴۴
۳۵۵	۱۶:۱۰۳	۹۱
۳۵۶	۱۶:۱۱۴	۲۱۶
۳۵۷	۱۶:۱۲۰	۲۳۲
۳۵۸	۱۶:۱۲۱	۲۳۲
۳۵۹	۱۶:۱۲۲	۲۳۲
۳۶۰	۱۶:۱۲۵	۹۵
۳۶۱	۱۶:۱۲۶	۱۵۲
۳۶۲	۱۶:۱۲۸	۱۵۲
۳۱۴۱	۱۷-بنی اسرآءیل (۱۱۱)	
۳۶۳	۱۷:۲	۸۹
۳۶۴	۱۷:۵	۱۳۰
۳۶۵	۱۷:۶	۱۳۰
۳۶۶	۱۷:۷	۱۳۰
۳۶۷	۱۷:۹	۴۵، ۲۷۰
۳۶۸	۱۷:۱۱	۱۸۹
۳۶۹	۱۷:۳۶	۸۳
۳۷۰	۱۷:۳۷	۲۰۰
۳۷۱	۱۷:۳۹	۸۳
۳۷۲	۱۷:۴۹	۲۹
۳۷۳	۱۷:۵۰	۲۹
۳۷۴	۱۷:۵۱	۲۹
۳۷۵	۱۷:۵۳	۱۸۹
۳۷۶	۱۷:۵۶	۱۵۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۳۷۷	۱۷:۵۷	۱۵۷
۳۷۸	۱۷:۶۰، ۸۱	۲۰۱۷
۳۷۹	۱۷:۸۲	۲۱۳
۳۸۰	۱۷:۸۸	۷۱
۳۸۱	۱۷:۱۰۶	۷۲
۳۸۲	۱۷:۱۱۰	۱۱۲
۲۲۵۱	۱۸-الکہف (۱۱۰)	
۳۸۳	۱۸:۱	۱، ۵۵
۳۸۴	۱۸:۲	۱
۳۸۵	۱۸:۵	۱۹۶
۳۸۶	۱۸:۲۳	۱۶۲
۳۸۷	۱۸:۵۴	۱۸۹
۲۳۴۹	۱۹-مریم (۹۸)	
۳۸۸	۱۹:۵۶	۲۲۰
۳۸۹	۱۹:۵۷	۲۲۰
۳۹۰	۱۹:۵۸	۲۲۰
۳۹۱	۱۹:۵۹	۲۲۶
۳۹۲	۱۹:۹۷	۶۶، ۷۹، ۱۵۱
۳۹۳	۱۹:۹۸	۷۹
۲۴۸۴	۲۰-طٰہٰ (۱۳۵)	
۳۹۴	۲۰:۱۴	۱۰۹
۳۹۵	۲۰:۴۹	۱۱
۳۹۶	۲۰:۵۰	۱۱
۳۹۷	۲۰:۸۰	۲۲۳
۳۹۸	۲۰:۸۱	۲۲۳
۳۹۹	۲۰:۸۲	۲۲۳
۳۵۹۶	۲۱-الانبیاء (۱۱۲)	
۴۰۰	۲۱:۵	۸۸
۴۰۱	۲۱:۳۰	۲۰، ۲۲
۴۰۲	۲۱:۳۱	۲۲
۴۰۳	۲۱:۳۲	۲۲
۴۰۴	۲۱:۳۳	۲۲
۴۰۵	۲۱:۴۸	۸۹
۴۰۶	۲۱:۵۰	۹۰
۴۰۷	۲۱:۷۳	۱۰۸، ۱۳۶
۴۰۸	۲۱:۹۰	۱۱۰، ۱۳۶، ۲۴۷
۴۰۹	۲۱:۱۰۵	۴۰، ۸۷
۴۱۰	۲۱:۱۰۶	۴۰، ۸۷
۴۱۱	۲۱:۱۰۷	۸۶

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۲۶۷۴	۲۲-الحج (۷۸)	
۴۱۳	(۲۲:۳۴)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۳	(۲۲:۳۵)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۴	(۲۲:۳۷)	۲۳۲
۴۱۵	(۲۲:۴۶)	۸۳
۴۱۶	(۲۲:۴۷)	۱۶
۴۱۷	(۲۲:۵۴)	۲۲۷
۴۱۸	(۲۲:۶۷)	۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۷
۴۱۹	(۲۲:۶۸)	۲۳۳
۴۲۰	(۲۲:۶۹)	۲۳۳
۴۲۱	(۲۲:۷۲)	۱۵۰
۴۲۲	(۲۲:۷۴)	۱۱
۴۲۳	(۲۲:۷۷)	۱۰۵
۴۲۴	(۲۲:۷۸)	۱۰۵
۲۷۹۲	۲۳-المؤمنون (۱۱۸)	
۴۲۵	(۲۳:۱۹)	۱۱۵
۴۲۶	(۲۳:۴۵)	۱۰۹
۴۲۷	(۲۳:۴۶)	۱۰۹
۴۲۸	(۲۳:۴۷)	۱۰۹
۴۲۹	(۲۳:۵۰	۲۲۲
۴۳۰	(۲۳:۵۲)	۴۹، ۷۹
۴۳۱	(۲۳:۵۳)	۴۹، ۷۴
۴۳۲	(۲۳:۵۴)	۴۹
۴۳۳	(۲۳:۵۵)	۱۳۵
۴۳۴	(۲۳:۵۶)	۱۳۵
۴۳۵	(۲۳:۶۰)	۱۴۷
۴۳۶	(۲۳:۶۱)	۱۳۵
۴۳۷	(۲۳:۶۶)	۸۸
۴۳۸	(۲۳:۶۷)	۸۸
۴۳۹	(۲۳:۶۸)	۸۸
۴۴۰	(۲۳:۶۹)	۸۸
۴۴۱	(۲۳:۷۰)	۸۸
۴۴۲	(۲۳:۷۲)	۲۲۷
۴۴۳	(۲۳:۷۳)	۲۲۷
۳۸۵۶	۲۴-النور (۶۴)	
۴۴۴	(۲۴:۳۱)	۲۰۹
۴۴۵	(۲۴:۴۵)	۳۷
۴۴۶	(۲۴:۴۶)	۳۷
۴۴۷	(۲۴:۵۵)	۱۲۷، ۲۹۵، ۲۱۰
۳۹۳۳	۲۵-الفرقان (۷۷)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۴۸	(۶ : ۲۵)	۹۵
۴۴۹	(۳۰ : ۲۵)	۴۶
۴۵۰	(۳۱ : ۲۵)	۴۶
۴۵۱	(۳۲ : ۲۵)	۴۶، ۷۲
۴۵۲	(۶۳ : ۲۵)	۲۰۰، ۲۰۱
۴۵۳	(۷۲ : ۲۵)	۲۰۱
۳۱۶۰	۲۶-الشعرآء (۲۲۷)	
۴۵۴	(۳ : ۲۶)	۸۰
۴۵۵	(۴ : ۲۶)	۸۰
۴۵۶	(۲۲ : ۲۶)	۱۱۰، ۲۱۲
۴۵۷	(۵۷ : ۲۶)	۱۱۶
۴۵۸	(۵۸ : ۲۶)	۱۱۶
۴۵۹	(۵۹ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۰	(۱۳۲ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۱	(۱۳۳ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۲	(۱۳۴ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۳	(۱۴۷ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۴	(۱۴۸ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۵	(۲۲۴ : ۲۶)	۶۴
۴۶۶	(۲۲۵ : ۲۶)	۶۴
۴۶۷	(۲۲۶ : ۲۶)	۶۴
۳۲۵۳	۲۷-النمل (۹۳)	
۴۶۸	(۱ : ۲۷)	۵۷، ۱۶۵
۴۶۹	(۲ : ۲۷)	۹۰، ۱۶۵
۴۷۰	(۶ : ۲۷)	۵۴
۴۷۱	(۲۴ : ۲۷)	۱۰۷
۴۷۲	(۴۶ : ۲۷)	۱۲۷
۴۷۳	(۶۰ : ۲۷)	۱۰۲، ۱۹۱
۴۷۴	(۷۷ : ۲۷)	۹۰
۴۷۵	(۸۹ : ۲۷)	۱۳۱
۴۷۶	(۹۰ : ۲۷)	۱۳۱
۳۳۴۱	۲۸-القصص (۸۸)	
۴۷۷	(۲ : ۲۸)	۵۷
۴۷۸	(۵ : ۲۸)	۱۸
۴۷۹	(۶ : ۲۸)	۱۸
۴۸۰	(۳۴ : ۲۸)	۶۵
۴۸۱	(۴۳ : ۲۸)	۸۹
۴۸۲	(۴۷ : ۲۸)	۱۲۵
۴۸۳	(۴۹ : ۲۸)	۸۹، ۹۱
۴۸۴	(۵۴ : ۲۸)	۱۲۹
۴۸۵	(۵۵ : ۲۸)	۲۰۰
۴۸۶	(۵۸ : ۲۸)	۱
۴۸۷	(۵۹ : ۲۸)	۱، ۸۱
۴۸۸	(۶۷ : ۲۸)	۳۳
۴۸۹	(۶۸ : ۲۸)	۳۳، ۱۹۱
۴۹۰	(۸۴ : ۲۸)	۱۲۸
۳۴۱۰	۲۹-العنکبوت (۶۹)	
۴۹۱	۳-۲ (۶ : ۲۹)	۱۴۳، ۱۸۱، ۱۱۴
۴۹۲	(۱۹ : ۲۹)	۲۴
۴۹۳	(۲۰ : ۲۹)	۲۴
۴۹۴	(۲۹ : ۲۹)	۱۵۰
۴۹۵	(۴۵ : ۲۹)	۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۰
۴۹۶	(۴۹ : ۲۹)	۹۴
۴۹۷	(۵۰ : ۲۹)	۹۴
۴۹۸	(۵۱ : ۲۹)	۹۰، ۹۴
۴۹۹	(۵۲ : ۲۹)	۹۴
۵۰۰	(۶۷ : ۲۹)	۲۱۸
۵۰۱	(۶۹ : ۲۹)	۲۴۲
۳۴۷۰	۳۰-الرّوم (۶۰)	
۵۰۲	(۹ : ۳۰)	۳۹، ۷۶
۵۰۳	(۲۷ : ۳۰)	۲۴
۵۰۴	(۳۰ : ۳۰)	۴، ۱۰۰، ۱۱۶
۵۰۵	(۳۶ : ۳۰)	۱۲۷
۵۰۶	(۴۷ : ۳۰)	۱۶۶
۳۵۰۴	۳۱-لقمٰن (۳۴)	
۵۰۷	(۲ : ۳۱)	۵۳
۵۰۸	(۳ : ۳۱)	۹۰
۵۰۹	(۲۰ : ۳۱)	۲۱۴
۵۱۰	(۳۱ : ۳۱)	۲۱۲
۵۱۱	(۳۴ : ۳۱)	۱۶۲
۳۵۳۴	۳۲-السّجدۃ (۳۰)	
۵۱۲	(۴ : ۳۲)	۱۴
۵۱۳	(۵ : ۳۲)	۱۴
۵۱۴	(۶ : ۳۲)	۱۴
۵۱۵	(۷ : ۳۲)	۱۴
۵۱۶	(۸ : ۳۲)	۱۴
۵۱۷	(۹ : ۳۲)	۱۴
۵۱۸	(۱۳ : ۳۲)	۱۹۶
۵۱۹	(۱۶ : ۳۲)	۲۴۶، ۲۶۳
۵۲۰	(۲۳ : ۳۲)	۸۹
۵۲۱	(۶۲ : ۳۲)	۴
۳۶۰۷	۳۳-الاحزاب (۷۳)	
۵۲۲	(۹ : ۳۳)	۳۲، ۲۱۶
۵۲۳	(۳۲، ۳۳×، ۳۴-۳۳ : ۳۳)	۲۱۹×، ۱۳۳
۵۲۴	(۵۶×، ۷۲ : ۳۳)	۱۳۲×، ۳۲
۳۶۶۱	۳۴-السبا (۵۴)	
۵۲۵	(۱۷ : ۳۴)	۹۶
۵۲۶	(۲۸ : ۳۴)	۲۰۴
۵۲۷	(۳۹ : ۳۴)	۱۰
۳۷۰۶	۳۵-الفاطر (۴۵)	
۵۲۸	(۱ : ۳۵)	۳۲
۵۲۹	(۳ : ۳۵)	۲۱۴
۵۳۰	(۱۵ : ۳۵)	۳۴
۵۳۱	(۱۶ : ۳۵)	۳۴
۵۳۲	(۱۷ : ۳۵)	۳۴
۵۳۳	(۲۷ : ۳۵)	۲۸
۵۳۴	(۳۶ : ۳۵)	۱۳۶
۵۳۵	(۳۹ : ۳۵)	۲۶۵
۵۳۶	(۴۳ : ۳۵)	۱۹۳
۵۳۷	(۴۴ : ۳۵)	۳۹
۳۷۸۹	۳۶-یٰسٓ (۸۳)	
۵۳۸	(۱ : ۳۶)	۵۳
۵۳۹	(۲ : ۳۶)	۵۳
۵۴۰	(۳ : ۳۶)	۵۳
۵۴۱	(۴ : ۳۶)	۵۳
۵۴۲	(۳۴ : ۳۶)	۱۱۵
۵۴۳	(۳۸ : ۳۶)	۲۳
۵۴۴	(۳۹ : ۳۶)	۲۳
۵۴۵	(۴۰ : ۳۶)	۲۳
۵۴۶	(۶۰ : ۳۶)	۲۲۸
۵۴۷	(۶۱ : ۳۶)	۲۲۸
۵۴۸	(۶۶ : ۳۶)	۱۷۳
۵۴۹	(۶۷ : ۳۶)	۱۷۳
۵۵۰	(۶۹ : ۳۶)	۶۴
۵۵۱	(۷۰ : ۳۶)	۶۴
۵۵۲	(۷۷ : ۳۶)	۱۷۴
۵۵۳	(۷۹ : ۳۶)	۳۱
۵۵۴	(۸۰ : ۳۶)	۳۱

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۹۷۱	۳۷-الصّٰفّٰت (۱۸۲)	
۵۵۵	(۱۱:۳۷)	۱۵
۵۵۶	(۱۱۴:۳۷)	۲۴۶
۵۵۷	(۱۱۵:۳۷)	۲۴۶
۵۵۸	(۱۱۶:۳۷)	۲۴۶
۵۵۹	(۱۱۷:۳۷)	۲۴۶، ۸۹
۵۶۰	(۱۱۸:۳۷)	۲۴۶
۵۶۱	(۱۱۹:۳۷)	۲۴۶
۵۶۲	(۱۲۰:۳۷)	۲۴۶
۵۶۳	(۱۲۱:۳۷)	۲۴۶
۵۶۴	(۱۲۲:۳۷)	۲۴۶
۵۶۵	(۱۷۱:۳۷)	۱۶۵
۵۶۶	(۱۷۲:۳۷)	۱۶۵
۵۶۷	(۱۷۳:۳۷)	۱۶۵
۴۰۵۹	۳۸-صٓ (۸۸)	
۵۶۸	(۵:۳۸)	۲۱
۵۶۹	(۲۶:۳۸)	۲۳۴
۵۷۰	(۲۹:۳۸)	۵۹
۵۷۱	(۴۵:۳۸)	۲۵۸، ۲۶۰
۵۷۲	(۸۲:۳۸)	۱۹۶
۵۷۳	(۸۳:۳۸)	۱۹۶
۵۷۴	(۸۴:۳۸)	۱۹۶
۵۷۵	(۸۵:۳۸)	۱۹۶
۴۱۳۴	۳۹-الزّمر (۷۵)	
۵۷۶	(۱:۳۹)	۵۳
۵۷۷	(۲:۳۹)	۱۷۲
۵۷۸	۵، (۳:۳۹)	۱۷۲، ۲۱
۵۷۹	(۸:۳۹)	۲۱۴
۵۸۰	(۱۰:۳۹)	۱۵۹
۵۸۱	(۱۱:۳۹)	۱۶۱
۵۸۲	(۱۲:۳۹)	۱۶۱
۵۸۳	(۱۴:۳۹)	۱۶۱
۵۸۴	(۲۷:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۵	(۲۸:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۶	(۴۰:۳۹)	۱۲۸
۵۸۷	(۴۹:۳۹)	۱۷۴، ۲۱۳
۵۸۸	(۵۱:۳۹)	۱۲۸
۵۸۹	(۶۳:۳۹)	۱۲۹
۵۹۰	(۷۴:۳۹)	۴۱
۴۲۱۹	۴۰-المؤمن (۸۵)	
۵۹۱	(۲:۴۰)	۵۳
۵۹۲	(۱۴:۴۰)	۱۹۷
۵۹۳	(۲۱:۴۰)	۳۹
۵۹۴	(۲۲:۴۰)	۹۶
۵۹۵	(۵۱:۴۰)	۱۶۶
۵۹۶	(۵۴:۴۰)	۸۹
۵۹۷	(۵۷:۴۰)	۱۵
۵۹۸	(۶۰:۴۰)	۲۴۸، ۲۵۴
۵۹۹	(۸۲:۴۰)	۳۹
۴۲۷۳	۴۱-حٰمٓ (۵۴)	
۶۰۰	(۳:۴۱)	۵۸
۶۰۱	(۱۸:۴۱)	۱۶۶
۶۰۲	(۳۰:۴۱)	۱۲۶، ۱۶۵
۶۰۳	(۳۱:۴۱)	۱۶۵
۶۰۴	(۳۲:۴۱)	۱۶۵
۶۰۵	(۳۷:۴۱)	۱۰۷
۶۰۶	(۴۲:۴۱)	۵۵
۶۰۷	(۴۴:۴۱)	۹۰
۶۰۸	(۵۱:۴۱)	۲۱۳
۴۳۲۶	۴۲-الشّوریٰ (۵۳)	
۶۰۹	(۳۰:۴۲)	۱۲۵
۶۱۰	(۴۸:۴۲)	۱۲۷
۶۱۱	(۵۱:۴۲)	۱۹۱
۶۱۲	(۵۲:۴۲)	۲۲۷
۴۴۱۵	۴۳-الزّخرف (۸۹)	
۶۱۳	(۲:۴۳)	۵۷، ۶۰
۶۱۴	(۳:۴۳)	۶۰، ۶۶، ۷۷
۶۱۵	(۴:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۶	(۵:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۷	(۴۳:۴۳)	۲۳۶
۶۱۸	(۵۹:۴۳)	۲۲۱، ۲۲۲
۶۱۹	(۶۰:۴۳)	۱۰، ۱۹
۶۲۰	(۶۱:۴۳)	۲۳۶
۶۲۱	(۶۳:۴۳)	۲۳۵
۶۲۲	(۶۴:۴۳)	۲۳۵
۶۲۳	(۶۵:۴۳)	۲۳۵
۴۴۷۴	۴۴-الدّخان (۵۹)	
۶۲۴	(۲:۴۴)	۵۷
۶۲۵	(۲۵:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۶	(۲۶:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۷	(۲۷:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۸	(۲۸:۴۴)	۱۱۶
۶۲۹	(۵۸:۴۴)	۵۷، ۶۶
۴۵۱۱	۴۵-الجاثیۃ (۳۷)	
۶۳۰	(۲:۴۵)	۵۳
۶۳۱	(۲۰:۴۵)	۵۸، ۹۰
۴۵۴۶	۴۶-الاحقاف (۳۵)	
۶۳۲	(۲:۴۶)	۵۳
۶۳۳	(۱۲:۴۶)	۸۹، ۹۰
۶۳۴	(۱۵:۴۶)	۲۱۳
۶۳۵	(۳۵:۴۶)	۸، ۱۱
۴۵۸۴	۴۷-محمّد (۳۸)	
۶۳۶	(۳۱:۴۷)	۱۱۸
۶۳۷	(۳۸:۴۷)	۱۰، ۱۸۱
۴۶۱۳	۴۸-الفتح (۲۹)	
	(۱:۴۸)	۲۴۲
۶۳۸	(۲:۴۸)	۲۱۷، ۲۴۲
۶۳۹	(۲۰:۴۸)	۲۳۳
۶۴۰	(۲۷:۴۸)	۱۸۴
۶۴۱	(۲۸:۴۸)	۱۸۴
۶۴۲	(۲۹:۴۸)	۱۶۸
۴۶۳۱	۴۹-الحجرات (۱۸)	
۶۴۳	(۱۰:۴۹)	۱۶۰، ۶۷
۶۴۴	(۱۲:۴۹)	۷۵
۶۴۵	(۱۳:۴۹)	۱۶۰، ۲۳۷
۶۴۶	(۱۵:۴۹)	۱۱۵
۴۶۷۶	۵۰-قٓ (۴۵)	
۵۴۷	(۹:۵۰)	۱۱۵
۵۴۸	(۳۸:۵۰)	۲۵
۴۷۳۶	۵۱-الذّٰریٰت (۶۰)	
۶۴۹	(۵۶:۵۱)	۱۱۸
۶۵۰	(۵۷:۵۱)	۱۱۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۴۷۸۵	۵۲-الطّور (۴۹)	
۶۵۱	(۲۹:۵۲)	۸۵
۶۵۲	(۳۰:۵۲)	۸۵،۷۱
۶۵۳	(۳۱:۵۲)	۸۵
۶۵۴	(۳۳:۵۲)	۷۱
۶۵۵	(۳۴:۵۲)	۷۱
۴۸۴۷	۵۳-النّجم (۶۲)	
۶۵۶	(۱:۵۳)	۲۰
۶۵۷	(۲:۵۳)	۲۰
۶۵۸	(۳:۵۳)	۲۰
۶۵۹	(۴:۵۳)	۲۰
۶۶۰	(۵:۵۳)	۲۰
۶۶۱	(۶:۵۳)	۲۰
۶۶۲	(۷:۵۳)	۲۰
۶۶۳	(۸:۵۳)	۲۰
۶۶۴	(۹:۵۳)	۲۰
۶۶۵	(۱۰:۵۳)	۲۰
۶۶۶	(۱۱:۵۳)	۲۰
۶۶۷	(۱۲:۵۳)	۲۰
۶۶۸	(۲۳:۵۳)	۸۴،۸۲
۶۶۹	(۲۸:۵۳)	۸۷
۶۷۰	(۲۹:۵۳)	۸۷
۶۷۱	(۳۰:۵۳)	۸۷
۶۷۲	(۳۱:۵۳)	۸۷
۶۷۳	(۳۹:۵۳)	۱۲
۶۷۴	(۶۲:۵۳)	۱۰۷
۴۹۰۲	۵۴-القمر (۵۵)	
۶۷۵	(۱۷:۵۴)	۵۷
۶۷۶	(۲۲:۵۴)	۵۷
۶۷۷	(۲۶:۵۴)	۱۶۲
۶۷۸	(۳۴:۵۴)	۲۱۲
۶۷۹	(۳۵:۵۴)	۲۱۲
۶۸۰	(۴۰:۵۴)	۵۷
۴۹۸۰	۵۵-الرّحمٰن (۷۸)	
۶۸۱	(۶:۵۵)	۱۰۷
۶۸۲	(۱۴:۵۵)	۱۵
۶۸۳	(۲۹:۵۵)	۲۴
۶۸۴	(۵۶:۵۵)	۵۲
۶۸۵	(۷۰:۵۵)	۱۳۶
۶۸۶	(۷۴:۵۵)	۵۲
۵۰۷۶	۵۶-الواقعۃ (۹۶)	
۶۸۷	(۱:۵۶)	۸۴
۶۸۸	(۲:۵۶)	۸۴
۶۸۹	(۳:۵۶)	۸۴
۶۹۰	(۲۳:۵۶)	۵۱
۶۹۱	(۷۵:۵۶)	۵۱
۶۹۲	(۷۶:۵۶)	۵۱
۶۹۳	(۷۷:۵۶)	۱۹۹،۵۱
۶۹۴	(۷۸:۵۶)	۱۹۹،۵۱
۶۹۵	(۷۹:۵۶)	۱۹۹،۵۲،۵۱،۵۰
۶۹۶	(۸۰:۵۶)	۱۹۹،۵۱
۶۹۷	(۸۱:۵۶)	۵۱
۶۹۸	(۸۲:۵۶)	۵۱
۶۹۹	(۸۳:۵۶)	۵۱
۷۰۰	(۸۴:۵۶)	۵۱
۷۰۱	(۸۵:۵۶)	۵۱
۵۱۰۵	۵۷-الحدید (۲۹)	
۷۰۲	(۷:۵۷)	۹
۷۰۳	(۱۱:۵۷)	۱۳۷
۷۰۴	(۱۲:۵۷)	۲۷۱
۷۰۵	(۱۸:۵۷)	۱۸۰
۷۰۶	(۲۲:۵۷)	۱۲۵
۷۰۷	(۲۳:۵۷)	۱۲۵
۵۱۲۷	۵۸-المجادلۃ (۲۲)	
۷۰۸	(۷:۵۸)	۱۴۸
۷۰۹	(۲۲:۵۸)	۱۷۹،۱۰۴
۵۱۵۱	۵۹-الحشر (۲۴)	
۷۱۰	(۲:۵۹)	۱۵۵
۷۱۱	(۱۳:۵۹)	۱۶۳
۷۱۲	(۱۴:۵۹)	۱۶۳
۷۱۳	(۱۸:۵۹)	۱۶۲
۷۱۴	(۲۳:۵۹)	۱۲۲
۷۱۵	(۲۴:۵۹)	۱۲۲
۵۱۷۴	۶۰-الممتحنۃ (۱۳)	
۵۱۸۸	۶۱-الصّف (۱۴)	
۷۱۶	(۳:۶۱)	۱۴۸
۷۱۷	(۸:۶۱)	۲۷۱،۱۸۴
۷۱۸	(۹:۶۱)	۲۱۰،۱۸۲
۷۱۹	(۱۰:۶۱)	۱۸۲
۷۲۰	(۱۱:۶۱)	۱۸۲
۷۲۱	(۱۲:۶۱)	۱۸۲
۷۲۲	(۱۳:۶۱)	۱۸۲
۵۱۹۹	۶۲-الجمعۃ (۱۱)	
۷۲۳	(۲:۶۲)	۵۴
۵۲۱۰	۶۳-المنٰفقین (۱۱)	
۷۲۴	(۷:۶۳)	۱۴۱
۵۲۲۸	۶۴-التّغابن (۱۸)	
۷۲۵	(۱۱:۶۴)	۱۲۶
۷۲۶	(۱۴:۶۴)	۱۳۷
۵۲۴۰	۶۵-الطّلاق (۱۲)	
۵۲۵۲	۶۶-التّحریم (۱۲)	
۷۲۷	(۸:۶۶)	۲۷۱
۷۲۸	(۱۲:۶۶)	۲۲۲
۵۲۸۲	۶۷-الملک (۳۰)	
۷۲۹	(۲:۶۷)	۲۶
۷۳۰	(۱۵:۶۷)	۲۹
۵۳۳۴	۶۸-القلم (۵۲)	
۷۳۱	(۲:۶۸)	۲۱۸
۷۳۲	(۴۹:۶۸)	۲۱۲
۵۳۸۶	۶۹-الحاقّۃ (۵۲)	
۷۳۳	(۴۱:۶۹)	۷۲
۷۳۴	(۴۲:۶۹)	۷۲
۷۳۵	(۴۳:۶۹)	۷۲
۵۴۳۰	۷۰-المعارج (۴۴)	
۷۳۶	(۴:۷۰)	۱۶
۷۳۷	(۱۹:۷۰)	۲۵۲
۷۳۸	(۲۰:۷۰)	۲۵۲
۷۳۹	(۲۱:۷۰)	۲۵۲
۷۴۰	(۲۲:۷۰)	۲۵۲
۷۴۱	(۲۳:۷۰)	۲۵۲

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۴۵۸	۷۱- نوح (۲۸)	
۷۴۲	(۷۱:۱۳)	۱۷
۷۴۳	(۷۱:۱۴)	۱۷
۷۴۴	(۷۱:۱۶)	۱۷
۵۴۸۶	۷۲- الجن (۲۸)	
۵۵۰۶	۷۳- المزمل (۲۰)	
۷۴۵	(۷۳:۴)	۷۳
۷۴۶	(۷۳:۲۰)	۱۳۸
۵۵۲۶	۷۴- المدثر (۵۶)	
۷۴۷	(۷۴:۳)	۲۰۶
۷۴۸	(۷۴:۴)	۲۰۶
۷۴۹	(۷۴:۵)	۲۰۶
۵۶۰۲	۷۵- القیامۃ (۴۰)	
۵۶۴۳	۷۶- الدھر (۳۱)	
۵۶۸۳	۷۷- المرسلت (۵۰)	
۷۵۰	(۷۷:۴۸)	۱۰۸
۷۵۱	(۷۷:۴۹)	۱۰۸
۵۷۲۳	۷۸- النبا (۴۰)	
۵۷۶۹	۷۹- النزعت (۴۶)	
۵۸۱۱	۸۰- عبس (۴۲)	
۵۸۴۰	۸۱- التکویر (۲۹)	
۵۸۵۹	۸۲- الانفطار (۱۹)	
۵۸۹۵	۸۳- التطفیف (۳۶)	
۵۹۲۰	۸۴- الانشقاق (۲۵)	
۵۹۴۲	۸۵- البروج (۲۲)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۹۵۹	۸۶- الطارق (۱۷)	
۵۹۷۸	۸۷- الاعلیٰ (۱۹)	
۶۰۰۴	۸۸- الغاشیۃ (۲۶)	
۶۰۳۴	۸۹- الفجر (۳۰)	
۶۰۵۴	۹۰- البلد (۲۰)	
۶۰۶۹	۹۱- الشمس (۱۵)	
۶۰۹۰	۹۲- اللیل (۲۱)	
۷۵۲	(۹۲:۱۹)	۲۱۸
۷۵۳	(۹۲:۲۰)	۲۱۸
۶۱۰۱	۹۳- الضحیٰ (۱۱)	
۷۵۴	(۹۳:۱۱)	۲۱۸
۶۱۰۹	۹۴- الانشراح (۸)	
۶۱۱۷	۹۵- التین (۸)	
۷۵۵	(۹۵:۴)	۱۲
۷۵۶	(۹۵:۵)	۱۲
۶۱۳۶	۹۶- العلق (۱۹)	
۷۵۷	(۹۶:۴)	۱۷۵
۷۵۸	(۹۶:۵)	۱۷۵
۷۵۹	(۹۶:۶)	۱۷۵
۷۶۰	(۹۶:۷)	۱۷۵
۷۶۱	(۹۶:۸)	۱۷۵
۶۱۴۱	۹۷- القدر (۵)	
۶۱۴۹	۹۸- البینۃ (۸)	
۶۱۵۷	۹۹- الزلزال (۸)	
۶۱۶۸	۱۰۰- العدیت (۱۱)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۱۷۹	۱۰۱- القارعۃ (۱۱)	
۶۱۸۷	۱۰۲- التکاثر (۸)	
۶۱۹۰	۱۰۳- العصر (۳)	
۶۱۹۹	۱۰۴- الھمزۃ (۹)	
۶۲۰۴	۱۰۵- الفیل (۵)	
۶۲۰۸	۱۰۶- القریش (۴)	
۶۲۱۵	۱۰۷- الماعون (۷)	
۷۶۲	(۱۰۷:۴)	۲۵۲
۷۶۳	(۱۰۷:۵)	۲۵۲
۷۶۴	(۱۰۷:۶)	۲۵۲
۷۶۵	(۱۰۷:۷)	۲۵۲
۶۲۱۸	۱۰۸- الکوثر (۳)	
۶۲۲۴	۱۰۹- الکفرون (۶)	
۷۶۶	(۱۰۹:۶)	۱۶۱
۶۲۲۷	۱۱۰- النصر (۳)	
۷۶۷	(۱۱۰:۱)	۱۶۱
۷۶۸	(۱۱۰:۲)	۱۶۱
۷۶۹	(۱۱۰:۳)	۱۶۱
۶۲۳۲	۱۱۱- اللھب (۵)	
۶۲۳۶	۱۱۲- الاخلاص (۴)	
۶۲۴۱	۱۱۳- الفلق (۵)	
۶۲۴۷	۱۱۴- الناس (۶)	

تمت بالخیر

قرآن حکیم کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے متذکرہ صدر حساب سے کم و بیش ۷۶۹ مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح (گویا تخمیناً قرآن کا آٹھواں حصہ) پہلی جلد میں آچکا ہے۔ عربی افتتاحیہ میں علی ہذا القیاس قریباً ۹۲۶ آیات آچکی ہیں گویا اس حصہ کتاب میں بھی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل)

البلاغ المبين

اعنی المقالة

الافتتاحية

البلاغية العربية من كتاب تذكرة الذی صنفه باللغة الهندية

المفتقر الی الله الرحیم الرحمن محمد عناية الله خان المشرقی الهندی بن عطا محمد خان

بن کمال الدین خان المغفور

فی مجلدات عشر لتبیان القرآن العظیم وتشریح حکمته وقانونه وعلمه

بل تشریح ما شرع الله فیه للناس من الدین العملی الذی جاء به کل الانبیاء علیهم السلام

المعول علیه لفلاح الانام والمرجوع الیه لاصلاح الاقوام صرفا عن الدین القولی الشرعی النظری الذی

اشاع به علماء الاسلام الذی یصرفنا عن سبیل السلام

وقد ابلغت فیها المسلمین المعاصرین المستضعفین الهالکین

بلاغا اخیرا

فی حیاتهم ومماتهم واوضحت لهم طریقا یهدیهم الی البقاء ویدخلهم فی زمرة الاحیاء من قبل ان یاتیهم العذاب

فانه قال

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

١٣٤٢ هجری ١٩٢٤ عیسوی

طبعت هذه المقالة بواسطة الشیخ محمد عبد العزیز

مطبوعة بالاربلده امرتسر فنجاب ونشرها ادارة الاشاعة المباركة امرتسر [uncertain]

تحفۂ

الی

اللہ

عزّوجلّ

فاطر السمٰوٰت والارض واحکم الحاکمین

رب انّنی قد جئتک بشیءٍ غریب

ممّا اٰتیتنی من لدنک وقلبی وجل انّہ انا الّذی اتیتک

بما لم یات بہ احد وقلبی وجل انّنی راجع الیک لیوم لاریب فیہ

فتسئلنی عمّا فعلت فتقبل منّی واصلح لی فی تدبّری وثبت بہ فؤادی

واجعل افئدۃ من النّاس تھوی الیہ فیعلموا انّہ الحق منک فتحبب لک قلوبھم

ربّ واصلح المسلمین واھدھم بنورک فی ھٰذا کما اصلحتھم وھدیتھم من قبل

فانّھم قوم لا یعلمون ربّ اخبرتنی انّھم لھالکون من قریب فاتیتھم

بنبأٍ عظیم من نور ربّ فالّف بینھم وجمّع شملھم واھدھم

الصّراط المستقیم صراط الّذین

انعمت علیھم

غیر المغضوب علیھم ولا الضّالّین ۝

الحمد لله العظیم * البارئ الفاطر الذی فطر السّموٰت والارض فی احسن تنظیم * القادر المقدّر السّمیع البصیر الّذی جعل الشّمس والقمر بحسبان * وسخّر ما فی الارض لنفع الانسان * حمدہ مقدّم علی کلّ امر جامع تهتمّ به الاعضاء والاذهان * واستعانته حریّ الّا تترك الّا فی لعنة البغی والعصیان * للملك حقًّا فما یخلق الّا لیطاع * ومن اطاع فاجرہ لا یضاع * منّةٌ من منّه ان خلق الانسان * ذا السّمع والبصر والفرقان * فجعله مکین المکان * و قوّمه علی مخلوق الزّمان * وفضّله مع ضعف جسمه علی سائر الحیوان * ذوات القرن و الاسنان * ثمّ حمله فی البرّ والبحر * وجعله خلیفة الجبل والقعر * والسّهل والصّخر * وقدّر له حظًّا من الغلبة والامر * فلمّا کشف الغطاء * وبرزت الاشیاء والاسماء * اعترف الانسان بانّ علیه نصیبًا من دون الحکم والجمال من الطّاعة والامتثال بامر ربّه شدید المحال * والحاکم المتعال * فسبحان الحیّ الّذی لا یموت * وبیدہ الملکوت * الّذی اسّس بنیان التّدوین * تدوین الدّین المستقیم * بل تکوین الکون العظیم *

على الحكم والتسليم • والتنظم والتنظيم • وعُسر التعبد ويسر الامارة • وحلاوة الحكومة
ومُرّ الطاعة ❁ الذى جعل مع كل يُسر عُسرا • ومع كُل حلاوة مُرّا ❁ الملك العادل
الذى يحكم بين النّاس عند التخالف والجدال • ويزن بقسطاس العدل ❁ سوآءٌ عليه
البيض والسّود • والنّصارى واليهود • والمسلم والهنود • وسائر المخلوق والمولود ❁ الّذى
لامبدّل لكلماته • ولامصرّف لاٰياته • ولن تجد تبديلاً لحكمه وعادته • وتحويلاً
لامره وسُنّته ❁ فتبارك الذى يطاع ولايطيع • ويمال اليه ولايميل ❁ من لاغاية
لقوّته وسلطنه • ولاحدّ لجلاله وبرهانه ❁ مرجع الانام بين رفع وخفض • ومصرف
الاقوام بين بسط وقبض ❁ من هلك من حكمه فقد هلك عن بيّنة • ومن سلم سلم من
اصول مسلّمة ❁ مالك الكون والفساد • وهالك كل باغٍ وعاد ❁ بارئ الموت والحيات * و
الخبير بماهوات ❁ الذى من اطاعه فرفع درجاته • ومن عصاه فقد لاقى مماته ❁
احمده لانى لااجد لاحدٍ منّا من دونه ملجأ ومجيرًا * ولا وليا ولا نصيرًا ❁ شديد
العقاب ❁ ولى الطّول والعذاب ❁ المعزّ لمن اهتدى ❁ والمذلّ لمن اعتدى ❁ الّذى
يرزق ويسلب ويرفع ويخفض ويقبض ويبسط ويسئل ويجيب لِمن اتّقى اوطغى
بقدر حساب ❁ احمده لانّى اخاف عذاب يوم عظيم للامّة التى عصت عن امره وبغت
عن طاعته ثمّ لم يكن لها من مآب ❁ احمده لانه هدى الانسان صراطه والهمه حياته
ومماته • وجعل له سمعه وبصره وفؤاده • وبيّن له فطرته وعادته • ثمّ على هذا
انزل عليه **الكتٰب** ❁ الكتٰب الّذى جاء به النّبىّ العربىّ خاتم الانبياء الى يوم الحساب ❁
القول الفيصل الّذى جُمع فيه روحٌ من امره تعالٰى ولبّ الالباب ❁ وسرّ السمٰوٰت والارض
وسرّ التّباب ❁ وسؤال البقاء والجواب† ❁ وعقدة فريضة الانسان فى الدّنيا وحلّها

† سياتى تشريح هذا فى كتاب التذكرة فى موضعه •

بالصواب ❋ وحکایة الثواب والعذاب ❋ الذی تمت کلمته صدقًا وعدلًا ۔ یصدقه
ماجری ومایجری نظرًا وعملاً ❋ لامحرف لایاته والفاظه ۔ ولامحاسب علی وجوبهٖ جوازهٖ
احمدهٗ لانه قد اکمل دینه واتمّ برهانه ۔ ورضی للانسان ما احسن لهٗ ❋ فلاحجة لنا الیوم ۔ و
لاهی یقظةٌ من النوم لاحد من القوم ۔ فانّ القول قد وقع ۔ والحکم قد وجب وفرض ❋
فامّا الرّحمة والثواب ۔ اَوِ المسکنة والعذاب ❋ فالحمد لله جلی البرهان ۔ عظیم السّلطٰن
الرّحیم الرّحمٰن ۔ الذی علمنا القراٰن ❋ نساق به الاقوام ۔ الی المعاد والمرام ۔ والتمکّن و
القیام ۔ والنّسق والنّظام ۔ وسائرالافضال والاکرام ❋ من اتبعه عملاً واسلم وجههٗ
لاحکامه معنًا واصلاً فجزآؤهم جنّٰت الارض تجری من تحتها الانهٰر ❋ وفی الاٰخرة
الجنّةُ الخلد التی یرثها الاخیار والابرار ❋ ومن انکره فعلاً دون القول واللّسان واصرّ علی
معصیة فاحلّه الله دار البوار ❋ سلبهم ما کان لهم من مُلك وفضل فی الدّنیا وطردهم من
الجنّة بالاستحقار ❋ فمن اسلم سلم ۔ ومن ابتغی دون ذٰلك وجهاً عدم وانهدم ❋ وهٰذا
هُوَالاَصلُ من اُصول الدّین ❋ الدّین المتین الذی جآء فی الکتب المبین ❋ وما ارسل
الله بهٖ خاتم المرسلین ❋ وصراط ربّك المستقیم بحقّ الیقین ❋ یجتمع فیه فلاح الدّنیا و
الدّین ۔ ویشترٰی به یُسر الحکومة بعُسر التّسلیم ۔ وطاعة من فی الارض بطاعة العلیّ
العظیم ۔ ونعمة الدّنیا والعقبیٰ بالصّراط المستقیم ۔ وجنّٰت الارض والجنّة المقیمة علی
رضوان الله ولقآء احکم الحٰکمین ❋ فاطر الشمس والنجوم ❋ ومالك ما ینزّله بقدر معلوم ❋
یسئله من فی السّمٰوٰت ومن فی الصّین ومن فی الرّوم ❋ فسبحٰن ربّنا ربّ العٰلمین ❋
والصّلوٰة والسّلام علی محمّد خاتم الانبیآء وسیّد العٰلمین ۔ وامام المخیّرین والمتّقین
واعظم المقننین الذی اٰمنا بقراٰن عظیم ۔ وهدی قومه الصّراط المستقیم ۔ و

❋ هٰذا ما فرّقت بین هٰذین اللفظین فی القراٰن وستأتی شهادته فی کتاب تذکرة علی صفحة ۱۱۵-۱۱۶ تحت المتن ❋

نجاہ من الکرب الالیم * وجعلھم من ورثۃ جنّت النعیم * ومکّنھم فی الارض تمکین المقیم
وبدّل ضعفھم قوّۃ وخوفھم بمقام امین * اُعِدّ للطائعین المسلمین * الّذین یتّبعون
عملاً ومعناً ما انزل اللہ من الدّین * ویقولون بہ نستعین * ویمسون ویصبحون معتصمین
بالحبل المتین * ویفعلون ما فعل النّبیّ الکریم * علیہ التحیّۃ والتسلیم * الّذی اثنی علیہ
العزیز العلیم * اصلیہ لانّہ اعظم النّاس واعلمھم * واکرمھم عند اللہ واتقھم * البطل
الجلیل الّذی فعل فی ھٰذہ الدّنیا مالم یفعل احدٌ اصلاً * وسلک سُبُل ربّہ طوعاً وذللاً *
فبعثہ ربّہ مقاماً جللاً * وجیھاً فی الدّنیا وماثوراً * وفی الاٰخرۃ ماجوراً ومشکوراً * فالحمد
لمن لاشریک لہ فی الحکم والامر * والسّلام علٰی من لامثیل لہٗ فی الطّاعۃ والعمل * للہ الغالب
علٰی امرہٖ جلّ وعلا * وعلی النّبیّ البالغ فی امرہٖ المجتبٰی والمصطفٰی * صلّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ
واصحابہٖ اجمعین * الٰی یوم الدّین *

واصلّی علٰی سائر الانبیاء الکرام والاتقیاء العظام * من دون النّبیّ العربی سیّد
الانام * الّذین شرعوا فی اصلاح العوام * وابتدؤا بتعلیم الانام کالانعام * اشرقت بہ الظّلمٰت
وظھرت علینا الصّٰلحٰت البٰقیٰت * وبدت لنا السّیّئات المھلکات * واکتشفت لنا طریقۃ
الحیات والممات * الّذین اصلحوا واحسنوا شاھدین مبشّرین ومنذرین وبیّنوا لنا ما ھوات *
اعلی اللہ مقامھم رفیع الدّرجات * لافرق بین احدٍ منھم وبین سیّدنا محمّد لانّھم کانوا من
عباد اللہ المخلصین * ورسلہ المصلحین * وخدامہ المسلمین المکرمین * اجلّۃ الخلق وائمّۃ
العصر * عبادہ ذوی الاید والبصر[*] * الّذین لم یبلغ مقامھم احدٌ من العوام * من العلماء
الطبعیّین * والحکماء المھندسین * والکبراء السّالفین * حتّی الفضلاء المتکبّرون المعاصرین
الّذین یظنّون انّھم بیّنوا اوّل مرّۃ حقائق الاشیاء * وکشفوا الغطاء * والقواعنھا الرّدا * و

[*] الاشارۃ الی قولہ تعالٰی وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸ : ۴۵) لکونھم اولی قوۃٍ وعلمٍ *

جلباب السّر والخفا ❊ فلا اقسم بآفاق النّجوم ۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (۵۶:۷۶) ۔ انّ الانبیاء قد
بیّنوا فی عهودهم مالم یبیّن احدٌ قطّ فی هذا الزّمان ۔ من وظائف الانسان ۔ ونتائج البغی والطّغیان
وتعبّد ماخلا الرّحمٰن ۔ وعبادة الاوثان والاصنام ۔ واصول بقاء الاقوام ۔ واسباب فناء
الامم ۔ واسلحة اصلاح الشّیم ❊ فالحقّ انّ علم الاشیاء الّذی دوّنه الطّبعیتون وغیرهم
من الحکماء فی زماننا هذا لیس بشیءٍ ولایقابل بالعلم الجلیل الّذی جاء به الانبیاء
فی عهدهم ❊ علمهم قد احاط بعلم حکماءنا الحاضره ۔ واحتوی علی اخبارهم الجاریه ۔ بل
سبق علمنا علی ما نحن علیه اسباقًا تامّة ۔ لانّهم ایضًا اصرّوا فی عصورهم علی تحصیل علم
حقائق الاشیاء ۔ وتدوین خواصّ الاجزاء والاعضاء ۔ من دون اصول الفناء والبقاء ۔ و
اوضحوا النّاس سیاسة المُدن والعمران من دون علم فرائض الانسان ❊ فاصلّی علیهم صلٰوة
الرّجل المتحیّر ۔ واحمدهم بتحسین المرء المتشکّر ❊ لانّهم اصلحوا بال ارضنا وجاءوا بدواء مرضنا
حین لم تکن الارض مشرقة بانوار العلم ۔ ولم یطّلع احد علی سرائر البدن والجسم ❊ ادام الله
اثر اصلاحهم فی الدّنیا واصلح الله امر فلاحهم فی العقبٰی صلواتنا وسلامنا علیهم اجمعین ۔
مخلصین لهم الدّین ✝ ❊

ولاشکّ فی انّ هذه الانبیاء الکرام والهادیّین العظام جاءوا من ربّهم حین
جاءوا **بکتاب واحد** ۔ جامع الاصول والعقائد ۔ وشارح الحقائق والفرائض ۔
الدّین الّذی اشاعوا به فی الارض وشرعوا للنّاس لابدّ من کون بناءه علی اساس واحد ۔
جامع النّاس لافارق ✝ ۔ ولابدّ من کونه مبنیًّا علی کلمة سواء بین البدو والحضر و
العجم والعرب والشّرق والغرب وساکن الجزیرة ومکین البرّ ۔ مشرّحًا لکل مایحتاج
الانسان من تشریح النّفع والضّرّ ۔ مفصّلًا لماینبغی له لبقاء نسله وتقویة جماعته

❊ ای طریقة سلامنا وصلوٰتنا ۱۲ ✝ تذکره صفحه ۱۹۰ ودیباچه صفحه ۶۲ - الخ -

وحفظ قوّته * واستخلافه فی الارض واستملاکه قوی الفطرة * واتباعه عادة الله الجارية وسنّته تعالی الجاریة * واستعماله اشیاء الطبیعة واجزاءها النافعة العجیبة الغریبة * موضحًا بالخلق الذی یهتم به ویلزم الانسان لاستحصال القوّة والامن فی هذه الدنیا دار السّعی والمحن * ولحصول رضوان الله ونعمائه فی الدنیا الی اخر الزّمن * فما جاء الانبیاء فی اوقات مختلفة بصحف متنوعة مختلفة فی اللسان مشترکة فی البیان الا لاحیاء العلم الذی کان الانسان علیه فصرف عنه * ولاجراء السّعی المشکور الذی شرع المتقدمون من الرّسل له فرغب عنه * وما جاءوا الا لتذکیر بما نسی الانسان من عهده الی الله تارة اخری * ولیبیّنوا له مرادًا ما فریضته فی الدّنیا * فوالله ما ابتدع احدٌ من الانبیاء من دین اصلًا ولکنّ النّاس اختلفوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٣: ١٨)† وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (١٠: ١٩) وتفرّقوا بزعم تائید هم رسلهم متتبعین بهم * الله أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (٢: ٢١٣) * شاهدًا علی التوحید والاتحاد * ودلیلًا علی وحدة الخاطب والخطاب * ووحدة اصل الانسان ومساواته عند ربّ الحساب * فاختلف من بینهم الاحزاب * وما جاء الکتب الا لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (٢: ٢١٣) * وما جاء الرّسل الا لیحکموا به ولیعدلوا ‡ ویصلحوا بینهم فذهب النّاس الی شقاق وتباب * فاتبعوا کتبهم صرفًا عن سائر الکتب الّتی جاء بها الانبیاء من قبل ومن بعد وتقطعوا امرهم بینهم حصصًا * وکبّروا اصغائر الامور وصغّروا کبائرها * وحرّفوها معنًا وعملًا ولفظًا * ومسخوا مطالبها ومقاصدها * وترجموها عن کلام کلامًا * والقوا علیها جلباب الغلوّ حسدًا وعصیانًا * واتّخذوا رسلهم اربابًا * وجعلوا یتوغلون فی حبّهم وتعظیمهم بعید ونهم ویعبدون الطّاغوت

† وکذا فی قوله تعالی وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٤٢: ١٤) وقوله فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٤٥: ١٧) اى کتابا واحدا

‡ وکذا فی القرآن الحکیم فی نبیّنا صلعم: وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (٤٢: ١٥) ای اسوّیکم وَلَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا (٤٢: ١٥) ای یوحّدنا وفی شعیب علیه السّلام إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (١١: ٨٨) ای المصالحة بین النّاس کذا فی الآیات الّتی فی غیرها تدل علی انّ الانبیاء قد جاء والتعدیل بین النّاس والمصالحة لا للتفریق والتجزیة *

فما تفرّق الّذين أوتوا الكتٰب إلّا من بعد ما جاءتهم البيّنة ۝ وما أمروا إلّا ليعبدوا الله (۹۸ : ۴-۵)
ربّ الارباب * جامع الاشتات والاحزاب * فمن ذٰلك ظهر الفساد في البرّ والبحر بما كسبت أيدي
النّاس (۳۰ : ۴۱) * من شرّ الوسواس ۵ الخنّاس ۵ الّذي يوسوس في صدور النّاس (۱۱۴ : ۴-۵) *
وتمّت كلمة ربّك لأملئنّ جهنّم من الجنّة والنّاس (۱۱ : ۱۱۹) * اشركوا فتفرّقوا فلات
حين مناص * فيا معشر الرّجال! هل لكم من حيلة عن هٰذا الجدال * ومن مفرّ عن هٰذا
التّخالف والقتال * وتحوّلكم حالًا عن حال * والقاء انفسكم بايديكم الى التّهلكة والزّوال *
هل لكم من مجال عن ان تنيبوا مرّة أخرىٰ الىٰ ربّكم شديد المحال * ومن محيص عن ان توبوا اليه
واجمعوا انفسكم علىٰ دين ربّكم من دون اديانكم الشّتّى صاحب الحول والجلال * وان تستمسكوا
كلّكم بالذّكر الواحد الّذي احفظ عن التّحريف والزّوال * بالقرآن المجيد * والفرقان
الحميد * وكتاب الله الحكيم الرّشيد * لّا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل مّن
حكيم حميد ۝ (۴۱ : ۴۲) * فيا ايّها النّاس! هل لكم من كتاب غيره تخوضوا فيه وفتّشوه وتورّوه
فتعلموا باليقين ما يشاء ربّكم بكم * وما يريد بقومكم * وما مشيئته * وما القانون الّذي يحكم به *
وما وظيفتكم في الدّنيا * وما بالكم في العقبىٰ * هل من صحيفة عندكم من دون القرآن
فتخرجوها لنا تبيّن لكم بلفظه وبعينه ماذا انزل الله علينا فنعلمه فانّ الصّحف القديمة و
الكتب المقدّسة كلّها قد ترجمت من لسان الىٰ لسان * وبدّلت حالًا عن حال * وغيّرت معنًا
عن معنى * حتّى مسخها النّاس كلّها * وغاب اصلها * وغوّرت حقيقتها ووحيها * وتبدّلت صورتها
مع امرها ونهيها * فلم يبق منها الّا ما فهم بعض الرّجال عند التّرجمة من مطالبها ومقاصد امورها
المهمّة الّتي بيّن ربّنا لنا فيها * فلا مجال لنا ان ندرك الآن ما عنى الله بنصوصها والفاظها * وما
محلّها ومقامها * بل ما حلالها وحرامها * فتعالوا الى القرآن العظيم! وخوضوا فيه خوض

ﷺ سياتي شرح الجملة على صفحة ۱۵ من هذه الافتتاحية يبيّن لكم ما شرّهم وتفريقهم ولمّا يوسوسون في صدور النّاس ۱۲

البصیر العلیم * وتدبروہ واحرثوہ بل تجسسوہ بوساطة العلم الجدید الذی یکشف عنکم الضر و یھدیکم الی صراط مستقیم * ویجمع بینکم ویرفعکم ویوحّدکم علی اختلافکم الالیم*

فَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (۳: ۱۰۲) واستمسکوا بعبادة الرب من دون عبادة الطاغوت الذی یغری بینکم العداوة والبغضاء * والله یرید ان یجمع بینکم و یحفظکم منه ومن شرّہ

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً (۱۶: ۹۳) * وانتم تشاءون ان تضلوا وتقتلوا انفسکم*

وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ (۱۶: ۹۳) * كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۲۳: ۵۳) *

وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱۶: ۹۳)

واصلی علی **السلف** من المسلمین المؤمنین الصالحین * الذین اتبعوا الانبیاء الکبراء بحق امکانہم عملاً ومعناً واتبعوھم بعین الیقین * الذین صدقوا ولم یکذبوا ولم یستھزءوا بالدین المتین * واتموا مدة قیامھم فی الارض طائعین * وداموا ماداموا فی الارض غالبین * واستاجروا القوم ھم العزة والعظمة واستداموھا فی الاٰخرین * وتخلقوا باخلاق الله العزیز العظیم * صاحب العزة والعظمة الذی یرث السمٰوٰت والارض وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ أَحَدًا (۱۸: ۲۶) من العالمین * وَلَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱: ۲۲) بالیقین * فاطاعوا فوجدوا اجرھم عند ربھم وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِينَ (۳۹: ۷۴) * فسلام علی المتقین‡ * الذین لم یغادروا من الارض قطعاً ولا ملکاً ولا صعیداً ولا جرزاً ولا جبلاً ولا سھلاً ولا براً ولا بحراً ولا مافوق البر وماتحت البحر ومافی جو السماء ومافی جوف الارض الا کانوا علیھا قابضین * ویملکونھا بتحکم خلیفة الله فی الارض وعلی ارث ممن خلق الانسان منھا ومن

---

* قد ضل الشارحون ضلالاً بعیداً فی شرح ھذہ الاٰیة الشھیرة وبترت معناہ ھھنا بالتوکید علی لفظ الله - اعنی الله یشاء ان یجمع بینکم و یوحدکم وانتم لاتشاءون ھذہ الوحدة بغیاً بینکم فانه لا یداخل مشیئته فی مشیئتکم واطلقکم لیعذبکم ویسئل عن اعمالکم - فیترشح من ھذہ الاٰیة انه تعالیٰ لا یرضی لعبادہ الاشتات والافتراق بل یرضی ان یکون الناس امة واحدة لئلا یفسدوا فی الارض - ‡ سیاتی تفسیرھا الاتقاء علی صفحة ۳۰ ا - الخ من ھذہ الافتتاحیة نبذاً امنه وعلی صفحة ۷۷ ا تحت المتن من کتاب التذکرة نبذاً امنه - فیتبین لکم ان المتقین ھم الذین یرثون الارض فی لغة القرآن +

طين * ويقولون رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (٣: ١٩٠) وخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (٢٩: ٤٤)
فاجعل لنا خاصّةً كُلّ ما خلقت بالحقّ فى الدّنيا وفى يوم الدّين * وابعثنا فيها على مقام امين *
ولا تترك لاحدٍ سوانا فى هٰذه الارض يملك من قشر التّين * ولا تشرك فى حكمنا احدًا لئلّا نكون
من المفسدين * واصلح الارض لنا وللباقين * وطهّر الارض من الكافرين * الّذين
مثل اعمالهم كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَىْءٍ (١٤: ١٨)
ويفسدون فى الارض ولا يصلحون * والّذين يؤمنون بالباطل وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ
(١٦: ٧٢) * والّذين يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ (١٦: ٨٣) * واِهْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (١: ٥-٧) *
الضّآلّين الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (٢٩: ٥٢) * واعرضوا عن
الحقّ وصاروا من الاخسرين * وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ (١٧: ٧٢) من العمين *
من المغضوبين الضّآلّين * فسلامٌ على المنعمين المتطوّعين * رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ
كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (١٥: ٢) * اعنى الطّائعين الوارثين * الّذين يرثون الفردوس يرثون الارض بتمكين
المهين * على رغم العادين والعالين * وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٣: ١٣٩) *

ويا معشر المخلصين المتشرّعين المتفرّقين الحاضرين ! المتعارفين فى زماننا اهلًا بالمسلمين
المؤمنين * الّذين يزعمون انّهم يتّبعون السّلف من الصّالحين * وانّهم على اٰثارهم لمهتدون *
ويظنّون انّهم ابناۤؤ الله وانّهم هم المقرّبون الخاصّون من دون العالمين * المغضوبين الضّآلّين *
قد فسدت اموردنياكم وخربت دياركم وهلكت عظمتكم وجلالكم وفقدت اموالكم و
ضاعت بلادكم وذهب الله بنوركم وهدايتكم واهلككم فلم يبق منكم الّا حكاياتكم * ودنى
امركم من البوار واثركم من الزّوال * صرتم فى الدّنيا كالعضو المتعطّل * وفى النّادى كالحلق للتكحّل

فلا حركة لجسمكم من الموت والنوم * ولا سماع لصريخكم اليوم * ازعمتم انكم تتبعون الاسلاف الاخيار وتقلدونهم * وقد اتتنا انباء المؤمنين الذين خلوا من قبلكم * وقد جاءنا اخبارهم واحوالهم * و اعمالهم وافعالهم فى التاريخ وصلاحية بالهم * وماكان فى هذه الدنيا لهم * وماكان عندهم من العلم والنور ومن معرفة الاراء الصائبة التى دفعوا بها مضرة الاعداء وخلصوا بها من السيئات والمهالك * والمصائب والنوائب * وما استصانوا بها الرفع مقامهم فى الدنيا نفائس المدن وعظيم الممالك * وما استملكوا فى هذه الارض من عجائب القدرة وغرائب الطبيعة للاستنفاع و التجارة * وما طبلوا فى الارض طبل لمن الملك اليوم * وماكان فيهم من العصبية و حماية القوم * من الطاعة والعمل والجد والجهد دون القول والنظر * وتصديق ايمانهم بالامتثال بالامر * لا بالتاويل والمكر * واتيانهم الله بقلب سليم * وخوفهم من نار الجحيم * وجهادهم فى الله حق جهاده * واعتصامهم بالله حق امكانه * وتعبدهم ربهم بقلب فرح * و تثبيتهم منه ان الله ما جعل عليهم فى الدين من حرج[†] * ومسابقتهم بانعامات ربهم وتقدمهم الى الخيرات * ومسارعتهم الى ما هوات * واضطرابهم لتحصيل الدرجات * يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷: ۱۲) وتتبعهم عروس السلطنة تبعكم عبيدكم والاموات[جمع آية] فما عبدها الا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۴۸: ۲۹) * وَلَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (۸: ۶۳) * فيا ايها المسلمون المرتسمون المعاصرون! هل انتم الاعلون وهل انتم مؤمنون *

فما الاشتراك بينكم وبين المتقدمين المقدمين * لا انتم ما كانوا عليه ولا انتم لها سابقون * ولا انتم مقدمون فى الارض بل انتم ساكنون * بل الى الزوال لراجعون * ولا تسارعون الا الى العذاب المهين * وَالسّٰبِقُوْنَ[‡] السّٰبِقُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ (۵۶: ۱۰-۱۱) * واولٰئك هم المؤمنون *

[†] اى على كونه مشكلا لانهم كانوا يفعلون ما امرهم الله بالتثبيت من انفسهم وليرضوا الله وهذا ما عنى الله بقوله وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (۲۲: ۷۸) ولينظر القارى الى صفحة ۳۱۱ من كتاب التذكرة (تحت المتن) لتصديق هذه المعانى *

[‡] السابقون فى لغة القرآن الذين يسعون فى الارض سعيا بليغا ليسبقوا ويستبقوا انعامات ربهم *

وانتم لا تسبقون فتُسبَقون * قد قبحت امور دنیاکم فانتم فی الاٰخرة ایضاً من المقبوحین * و ضللتم عن الصراط فانتم منه عمون * بل لا تستطیعون * ونسیتم ما کنتم علیه فنسیکم الله فکنتم من المنسیّین * وعصیتم فعصی الله عنکم وقد قال لکم کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (٣٠:٤٧) * فاتخذتم مکر الاعتقاد والالفاظ والنظریات والاقوال دون ایمان الافعال والاعمال والاشکال * وصرتم من المؤمنین النظریّین المعتقدین * والمسلمین اللفاظین القوالین * فشرعتم فی تاویل حدیث ربکم الی ما شئتم * وتسهیل دینکم عن حرج واشکال* و تشریحه من حالٍ الی حالٍ * وترکتم کلّ ما کان فیه من اشکال العمل وبطئ الحصول * واتّخذتم حکم ربکم سخریًا * ودینکم لهوًا ولعبًا * وبدّلتموه قولًا ومعنًا * وکبّرتم صغائر الامور وصغّرتم کبائرها عمدًا ومکرًا * وجعلتم تتوغّلون فی دینکم تُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (٢:٨٥) تقولون بافواهکم نؤمن به کلًّا * واخذتم تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ کَثِیْرًا (٦:٩٢) منه کالیهود لتخادعوا انفسکم فعلًا وعملًا * فیا ایها الذین زعمتم انکم اٰمنتم لم تقولون بافواهکم ما لیس فی قلوبکم ولِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (٦١:٢-٣) * فمکرتم وَمَکَرَ اللهُ وَاللهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ○ (٣:٥٤) * قَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَی اللهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ (١٦:٢٦) * احسبتم ان تترکوا ان تقولوا اٰمنّا وانتم لا تفتنون * ولقد فتن الله الذین من قبلکم فلیعلمنّ الله الذین صدقوا ولیعلمنّ الکٰذبین (٢٩:٣)† * وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○‡ (٢:٨) * اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (٣:١٤٢) * فانتم لا تصبرون علی مصیبتکم بل تبصرون * ولا تجهدون بل تجدون * وتنظرون و

---

† الاشارة الی قوله تعالی اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ○ (٢٩: ٢-٣) فالحق انّ الایمان بالقول لیس بشئ عند الله وسیاتی تشریحه فی الصفحات الاٰتیة +

‡ هٰذا هو القول الفیصل الذی یصلح منه انّ القول من دون العمل لیس بشئ عند الله +

تقولون ولا **تفعلون** * مستشهدين بنهاية مكركم على ان القران نهٰكم عن هذه الدنيا و
والاعتناء بها وزخارفها وانتم تريدون الاخرة فهل لكم من خلاق فى الاخرة ان كنتم ههنا من
الاخسرين * وقد اختلقتم هذا الكذب حين الدنيا لم تردكم * ودينكم المحرّف لم يزدكم * وحين
بدّل الله مكانكم الحسنة السيّئة * ولم يغفر لذنوبكم * فجعلتم القران عضين * ومزّقتموه
كل ممزّق وجعلتموه احاديث المكر والرّيا تحرّفون الكلم عن مواضعه لتسكين شهواتكم وانتم
تراءون الناس وتقتسمون * فتقطّعوا امرهم بينهم زبرًا كل حزب بما لديهم فرحون (۲۳: ۵۳) *
فبما مالت الدنيا الى الاوّلين؟ * وبما شغفوها شغف المتطلّبين؟ * وبما لانت لهم فتغشّوها
تغشّى العاشقين؟ * ولما ارسل الرّسول بالهدى ودين اليقين؟ * **ليظهره على الدّين**
كلّه ولو كره المشركون (۹: ۳۳) (۶۱: ۹) * فلما **القتال** بالسّيف مع الكفرين؟ * ولما
الجهاد بالمال والانفس * ولما الهجرة * ولما الصّوم والصّلوة * ولما الحج والزّكوة * ولما التلقين
بالاتحاد والصّلح * وبطاعة اولى الامر منكم * وبالاعتصام بالله * ولما النّهى عن عبادة الطّاغوت *
والامر بما وصّكم به الله مزدونها لعلكم تعقلون * فهل هذا الا ليغلبكم وليظهركم على اعداء الدّين *
ولما اسوة خلفاءكم الرّاشدين * وسلاطينكم الاوّلين * وشهداءكم المجاهدين * وجنودكم
السّائحين * التى انتم فى التاريخ تقرءون * الا ليصلح بالكم فى الدّنيا ولتكونوا من الّذين
لاخوف عليهم ولاهم يحزنون * ولئلّا تكونوا من الخسرين * فى الحيٰوة الدّنيا وتكونوا فى الاخرة
من المكرمين * فهل نسخ لكم كلّ الدّين * وكل ايات الكتب المبين * وما انتم بها من
المكلّفين * وبقى لكم ما بقى من كلمة الشّهادة * وللحى مقشّرعة [جمعية] * وعمائم متطوّية * وانتظار
الجنة فانتظروا انى معكم من المنتظرين * افلهم البنات ولكم البنون؟ [†] * ولكم الجنة بغير اذى

[†] اعنى انجعلون لمسلمى القرون الاولى نصيبًا سيّئًا من الجهد والعسر والعمل وتجعلون لانفسكم اليسر وايمان الاقوال وهذا ما عنى الله بقوله وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (۱۶: ۵۷ - ۵۸) يعنى يجعلون له حظًّا ناقصًا من السّعى والعمل والمال غيرها ولا نفسهم حظًّا معظمًا وطيّبًا وهذا ما يفعل المسلمون فى زماننا هذا صارفين عن ربّهم *

ولهم فرح ما داموا فی الارض وما لا يطاق به وخسران مبين * "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ
أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا *
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا * ذَٰلِكَ
جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا" (۱۸: ۱۰۳-۱۰۶) * فلم تمكرون مكر الثعلب عنبا *
وتقولون ما نبالی الدنيا نفرا * افليس الله باحكم الحاكمين فی هذه الدنيا ومن يوم الدين *
وهل يعلن بكم احد من دونه بهذا العذاب المهين * فلم تحرفون دينكم ولا تصلحون * وتقطعون
القرآن فتقطعون ۝

يا حزب المسلمين! ويا زحمة المتشتتين! المستضعفين فی الارض العالمين! قد قال الله
لكم "فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" (۸: ۱) * وقد قال لكم
"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" (۴۹: ۱۰) * فهل انتم تصلحون
بين اخويكم وهل انتم مؤمنون * وهل انتم فی السلك منسلكون * او فی الاخوة شاملون *
هل فيكم من النظم والنسق ووحدة الامة والطاعة والمواخاة والموانسة والمعاونة وخوف
العذاب وطمع الثواب ورهب الفساد ورغب الصلاح فتكونوا من المؤمنين * هل انتم تطيعون
اولی الامر منكم ✱ وتردون نزاعكم الی الله ان تنازعتم فی شیء والله يامركم به إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ (۴: ۵۹) *
بل هل لكم الامير والجماعة * هل لكم من امر او امير او امارة * بل هل من امر من شیء ومن
جمع من شیء * ومن نظم * ومن صورة * تقذفون فی الارض كالاناء المكسور * وتنتشرون
كالهباء المنثور * فكيف لا يؤاخذكم الله ولا يحاسبكم بها ان كنتم من المفسدين * اعمالكم كرماد

✱ فيعلم من هذه الآيات انه من خاب سعيه وحبط عمله ولم يقدر بما كسب علی شیء فی هذه الدنيا فهم الذين كفروا وهم الذين لا يجدون فی الآخرة الا الخسران فالنصرة والفتح والغلبة هی الاعلام لفلاح الآخرة عند الله والذين يحسبون انهم يحسنون صنعا علی ضعفهم وخوفهم من الاعداء ولا يجهدون ان يغلبوا فی الارض فهم يكيدون انفسهم كيدا عظيما، وهم الذين يكفرون بالله حقا كما قال الله عز وجل مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ (۱۴: ۱۸) (كما فی علی صفحة ۱۳-۱۴ من هذه الافتتاحية) فالنظم والنسق والجهد العمل لحصول الغلبة هی ما يوافق بالايمان وما ينافی الكفر. فتدبر ✱ الاشارة الی قوله تعالی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (۴: ۵۹) +

اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (۱۴: ۱۸) لا تقدرون مما کسبتم علی شیٔ بکفرکم فهل انتم تفعلون الا ما یفعل لکفرون ٭ وقد نبهکم الله: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ٭ (۲۳: ۵۲) ٭ فهل فیکم من الاتقاء من شیٔ وهل انتم متقون ٭ فاختلقتم مذاهب و شرائع و مسالک وطرائق عاما بعد عام وقرنا بعد قرن فی دینکم الذی رضی الله لکم وتتبعتم اراء علمائکم وقیاسات کبرائکم وظنون جهلائکم وسفهائکم ٭ متصرفا کل واحد منکم عن الذی اشار الله والرسول الیه من وحدة امتکم ٭ وخلقتم افکا بعد افک واخترعتم جمعا بعد جمع اتباع الصلحائکم الذین ما قالوا لکم ان تتبعوهم وابدعتم مللا ونحلا حسدا وبغیا بینکم ٭ واتخذتم احبارکم ورهبانکم واصفیائکم واولیائکم واهل الغرض منکم واهالی الشر منکم اربابا من دون الله٭ ٭ واخذتم تعبدونهم لیقربوکم الی الله زلفی ٭ ولتبتغوا الیه الوسیلة ٭ ولتتخذوا مصانعکم فی الجنة ٭ ولتعلموا الغیب منهم ٭ ولیشفعوا لکم ٭ ولیقضوا حاجاتکم ٭ ویرفعوا درجاتکم ٭ وانما امرتم ان تعبدوا الله مخلصین له الدین ٭ لتعتصموا بالحبل المتین ٭ وقد قال الله لکم انه لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (۲۷: ۶۵) ٭ وقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ (۱۰: ۲۰) ٭ وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِهٖٓ اَحَدًا (۱۸: ۲۶) ٭ وعٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا (۷۲: ۲۶) ٭ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (۷۲: ۲۷) ٭ وقد قال الله لرسوله قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا (۳۹: ۴۴) ٭ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (۳۴: ۲۳) ٭ وقد قال له قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (۷۲: ۲۱) ٭ بل مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (۴۶: ۹) ٭ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ (۷: ۱۸۸) ٭ وَلَآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (۱۰: ۴۹) ٭ فاتونی بشهادة علی ان اولیائکم وکبرائکم خیر من الرسول او من رسل او اقرب منه عند الله ان انتم لهم عابدون ٭ فقبحا لکم وترحا هل عندکم من سلطن لکل هذا الاختلاق و

٭ فیصدر من هذه الایة ان وحدة الامة هو الاتقاء والذی یتقی ربه حق تقته فهو یوحد بین الناس ٭ والذی یصلح بین الناس یتقیه بالحق ٭ وهذا فرع من فروع الاتقاء بل فرع مهتم منها کما یاتی۔ ٭ الاشارة الی قوله تعالی فی الیهود اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (۹: ۳۱)

الاختلاف فی الدین ان کنتم صٰدقین ٭ وقد قال اللہ لکم اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ (١٣:٤٢) فانّ المشرکین لایزالون مختلفین ٭ وقد قال اللہ لکم ان لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (٣٠: ٣١-٣٢) ٭ فقد کبُر علیکم الاتّحاد ورضیتم بالشتّ والافتراق ٭ وشرعتم فی التّباین والشّقاق ٭ ومردتم علی البغی والنّفاق ٭ بعد ان اَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ٭ فهل لکم من محیص عن ان اصبحتم بالحق من المشرکین ٭ فلذٰلک ظهر اللہ بعذابه وفار التّنّور! ٭ وتزخّرت البحور! ٭ وزلزلت الانهار من غیظه وغضبه! وجاشت بحور غیرته وعزّته! ٭ فقیل للارض اطروی وللسّماء اسقطی علی هٰذا القوم لانّهم من المشرکین الکفّار! ٭ فالملٰئکة ینزلون فی کل مکان یضربون وجوهنا والادبار ٭ لانّکم صرتم مرّة اخرٰی علی شفا حفرة مّن نّار ٭ وصرتم فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ٭ واتّخذتم الٰهتکم رهبانکم والاحبار ٭ واخیارکم والابرار ٭ واتّخذتم اربابًا لکم شیاطین الانس والاشرار ٭ واتّبعتم طواغیتکم الذین اتوکم من بین ایدیکم ومن خلفکم وعن ایمانکم وعن شمائلکم لیضلّوکم عن اللہ القادر الجبّار ٭ وانتم تظنّون انّهم اغنیاء عنکم لانّهم کانوا یکتّون ویجنّون انفسهم فی بطون حجراتهم مسجّین ومصلّین بالاستغفار ٭ معشر الجنّ الذین استکثر کلّ واحد منهم من الانس لیقطّعوکم ویضعفوکم فتفشلوا وتذهب ریحکم ولیحلّوکم دار البوار ٭ فیا للعذاب! ویا للعار! الیوم تعذّبون بشرککم الشّرک الذی لا یغفر اللہ لاحد من النّاس ویغفر ما دون ذٰلک لمن یّشاء لانّه رحیم غفّار ٭ یؤاخذکم بشرککم الظّلم العظیم الذی من لبس ایمانه به فلا امن لهم فی الدّنیا ولا قرار ٭ ومن دونها جهنّم وبئس القرار ٭ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (٣٩:١٢) ٭ فتخرّبون وتضربون وتضرّون

---

٩ الاشارة الی قوله عزّ وجلّ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ (٣:١٠٣) - والی قوله اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا (٤:١٤٥) ١٠ ولذٰلک سمّاهم الجنّ فی القراٰن + فالذین یهدمون النّاس بامرهم هم الجنّة فی لغته + وکبرآء الخلق هم الجنّة لانّهم (البقیة تاتی علی صفحة ١٦)
١١ الاشارة الی قوله تعالی یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَکْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ (٦:١٢٩) ١٢ الاشارة الی قوله تعالی یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (٣١:١٣) والی قوله اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (٦:٨٣) +

وتجرّرون وتقذفون وتطردون فِى غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا اَيْدِيْهِمْ تتوفّٰكم اَخْرِجُوٓا اَنْفُسَكُمْ

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (٦:٩٣) *

فلا يقضٰى عليكم فتموتوا ولا يخفف عنكم العذاب لانّكم اصررتم على ما كنتم تفعلون * فلا اُصلّى

عليكم اليوم ولا استغفر لكم فان استغفر لكم سبعين مرّة فلن يّغفر الله لكم ولا انتم حريّون به و

الله لا يهدى القوم المشركين * فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (٩:٨٢) *

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا (١٨:١٠٢)

واِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (٧:٢٧) * فمثلكم كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ

اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (٧:١٧٦) لا تحتسون اصلًا ما يفعل الله بكم * وعباده او لو باس يلكل فنكم ينعالكم

ترهقكم ذلّة ما لكم من الله من عاصم كانّما اغشيت وجوهكم قطعًا من الليل مظلمًا ذلك مثل القوم

الذين لبسوا ايمانهم بظلم وصاروا من المشركين * فهل لكم من محيص عن جنود ربّكم اليوم التى

كنتم تكفرون بها وكنتم بها تستهزءون * وهل انتم بخارجين من هذه النّار ولو انتم تشتهون *

وهل لكم من مستغاث ممّا كنتم تعبدون * فَاَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (٢٨:٦٢) * ائتوا

باصفيائكم واوليائكم الذين كنتم تظنّون بهم ظنونا وجنّتكم وشيٰطينكم الذين كانوا يوحون اليكم

لتطيعوهم فليستجمعوا لكم ويشاوروا فيكم ويشفعوا لكم عند ربّكم ويقرّبوكم الى الله ويقولوا ربّنا

لا تؤاخذ هذه الامّة فانّهم عبادنا وانّما نحن من عبادك الصّٰلحين * لا تهلكهم بما فعل الصّلحاء

منّا . وما فعلنا الّا لنقرّبهم اليك ولنصلح بين اخواننا وليبتغوا اليك وسيلة منّا فان تعذّبهم

فعذّبنا واعف عنهم فانّهم عبادك وان تغفر لهم نكن من الشّٰكرين * فاليوم ادعوهم بزفيركم

(البقية من صفحه ١٥) يجنّون انفسهم من النّاس لكونهم هداتهم وسادتهم ، وكلّ القرآن يشهد على انّ الله عنى بالجنّ هذا القوم ، وانّما ترون تجدون هذين الفريقين من النّاس احدٌ يطيعون واخر يطاعون ، احدٌ يتّبعون من خاصّة النّاس اخر يتّبعون من عامّتهم ، فالاوّل سمّاهم الله الجنّ والاخر سمّاهم الانس كما قال تعالى فيهم اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (٢:١٦٦-١٦٧) وفى موضع اخر قال يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (٣٣:٦٦-٦٨) ولينظر القارى على صفحة ٩٧ - الحزن هذه الافتتاحية للتصدّق المزية

شهيقكم وابكوا بدموع فائضة على خراب بلادكم وفساد احوالكم وذهاب اموالكم واشكوا
اليهم ضعف قوتكم وقلت حيلتكم وفقدان حكمكم وفساد امركم فى الدنيا فليستجيبوا لكم
وليخلصوكم من هذه المصيبة ان كانوا قادرين * فلا يستجيبون لكم الا انهم يكفرون بعبادتكم
كلا ويقولون ما كنتم ايانا تعبدون (٢٨:١٠) * ولم تقل لكم ان نعبدنا ان عبدتم وما نحن
بماخوذين بما فعل الجهلون * وما انتم الا انكم تكفرون بعبادتهم وتقولون ما نعبدهم
بل نتّبعهم دينًا ومسلكًا انّ الله جعلهم حفظين علينا وهاديين لنا وما اختلفنا بل ستحكم
ديننا ولنستقم الى اسلامنا ولندخل الجنّة مستمسكين باذيال اوليائنا * ولعلّ الله يفتح
ابواب السّماء لنا * وكل هذا اجاز الله لنا * وما اختلاف امّتنا الا رحمة لنا † * فما نعبد الا الله و
لا نشرك به فى القول شيئًا وما نحن الا من الموحّدين * فلن يقبل منكم هذا المكر
فانكم تعبدونهم بالحق عملًا ومعنًا وتتخذونهم اربابًا والهة وتفعلون ما يامرونكم من دون
ما يامركم الله فما الله بغافل عن عبادتكم وما الله بغافل عمّا تعملون (٣: ٩٨) * فوالله لا تفتح
لكم ابواب السّماء ولا تدخلون الجنّة حتى يلج الجمل فى سمّ الخياط فانكم كذبتم بايات الله و
استكبرتم عنها ‡ وذلك جزاء المجرمين * وسعيتم فى ايات الله معجزين ‡ * معاندين عليها بينكم
مستضعفين بعضكم بعضًا مظاهرين ومعاونين على الاثم والعدوان والشتّ الاليم *
والّذين يسعون فى ايتنا معجزين اولٓئك فى العذاب محضرون (٣٤:٣٨) * افلم يقل ربّكم لكم
ولا تكونوا كالّذين تفرّقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البيّنت واولٓئك لهم عذاب عظيم (٣: ١٠٤) *
فلا حجّة لكم اليوم فانكم اشركتم فتفرّقتم وظلمتم انفسكم فضربت عليكم الذّلّة والمسكنة

---

† هذا ما اخترع المسلمون من احاديث نبيّنا صلعم ولا شك فى الله من اشرّ الاحاديث فانّ المسلمين يعوذون به ويستشهدون منه فى تفرقتهم هذا وصاروا
شيعًا نظرًا اليه ولا يخافون انّ الافتراق والاشتات هو الّذى يدمّرهم ويهلكهم *
‡ الاشارة الى قوله تعالى انّ الّذين كذّبوا بايتنا واستكبروا عنها لا تفتّح لهم ابواب السّماء ولا يدخلون الجنّة حتّى يلج الجمل فى سمّ الخياط،
وكذلك نجزى المجرمين ۝ لهم من جهنّم مهاد ومن فوقهم غواش وكذلك نجزى الظّلمين ۝ (٧: ٤٠-٤١) *
‡ اعنى سعيتم ان تجعلوا ايات الله لتعاجزوا بينكم ولتضعفوا بعضكم بعضًا ١٢

وبئتم بغضب من الله فتوبوا الى بارئكم فاقتلوا انفسكم ذلكم خير لكم لو كنتم تعلمون ❋ وان لم تفعلوا فاعلموا ان عذاب الآخرة هو اشق من هذا العذاب واتقوا النار التى اعدت للمشركين ❋ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۱۱: ۱۱۸) ووحدهم بوحدة الٰهھم و بتوحيده والنّاس يشاءون ان يفرّقوا بالشرك وعبادة الجنّ ولذلك لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (۱۱: ۱۱۸) ٭ فما يشاء النّاس اصلاً ما يشاء الله بهم اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (۱۱: ۱۱۹) وما خلق الله الجنّ والانس الا ليعبدوه فيكونوا امّة واحدة بتعبده وعبادته وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (۱۱: ۱۱۹) ٭ فما الاتّحاد الا فطرة الله التى فطر النّاس عليها لو كنتم تعلمون ❋ فالطّاغوت لا يزال يغرى بينهم العداوة والبغضاء ويزيد الاشتات والافتراق بين احزابهم و شياطين الانس من الاشرار والجنّة لا يزالون يستكثرون من النّاس ليصلحوا بال انفسهم فى الدّنيا وليخرّبوهم ويقطعوهم فيكونوا على شفا حفرة من النّار وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (۱۱: ۱۱۹) ❋

يا معشر المتوحّدين ويا محفل الميحادين المنتشرين! الموحّدون فى القول والمشركون فى العمل بربّ العٰلمين ❋ ازعمتم انّكم لا تعبدون الّا الله ولا تشركون به شيئا ولا يتّخذ احدٌ منكم اربابا من دون الله ٭ فقفوا اثبّت لكم انّكم بالحق من المشركين ❋ لا شكّ فى اقراركم بافواهكم بالله وبتوحيده ودعوتكم ليلاً ونهارًا باسمائه ٭ وتكرار صفاته فى صلوٰتكم كرّة ومرّة ٭ ولا شك فى مكر خوفكم من كلمات الكفر المضرّة ٭ و فى شهادتكم بالسنتكم على كونه تعالى واحدًا وفى اعترافكم لسانًا بكونه شاهدًا وحاضرًا وناظرًا ٭ ولكن اشكّ فى ما انتم تعملون ❋ لا قول لنا فى اقوالكم ولا حجّة لنا فى ما تصف السنتكم وافواهكم وما

❋ الاشارة الى قوله تعالى وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲: ۵۴) ومعنى تُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ هو ان تُوْبُوْا وان لم تفعلوه فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ❋ وقد يسّرت ههنا معنى هذه الاٰية الشهيرة التى ضلّ الشارحون ضلالاً بعيدًا فى تشريح معانيها فيصلح منها ان الله خلق الجنّ (اى كبرآء الخلق) والانس (اى العامّة من النّاس) للاتّحاد والمصالحة لا للتفريق والتخريب ٭

یظہر من کلامکم واقوالکم ولکن انبئونی بما فی قلوبکم ان کنتم من الصدقین ❊
اشرحوا صدورکم وبیّنوالی ما انتم فی القلب مستترون ❊ فما هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا
عَاكِفُونَ (۲۱: ۵۲) ❊ وما الاوثان التی انتم فی صدورکم مزیّنون ❊ تثنون صدورکم
لتخفوها منّا وانتم فی الحق لمبرزون ماتریدون ان تسرّوا فی قلوبکم ماکرین ❊ فما هٰذا
الحُبّ لاولادکم التی انتم بها تعتنون ❊ وما شغفکم ببنیکم وبناتکم ❊ وما وثن حُبّکم
هٰذا الی اموالکم وانفسکم وصنم تغشینکم ازواجکم وعشیرتکم واله رغبتکم الی الآباء
واُمّهاتکم ❊ وما هذا الولع بالمال والاشتغال بالنّساء والرجال عن الرّب المتعال ❊ و
استیثارکم علی ربّکم نفائس الاشیاء ومعظم الاموال ❊ وما وثن حُبّکم للقناطیر المُقَنطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (۳: ۱۴) واقطاع الارض ونفائس
الطّرث† ❊ وما صنم اشتہائکم الی الاطعمة اللّذیذة ❊ واله اشیائکم النّفیسة ❊ ووثن شہواتکم
المرضیّة ❊ وبعل ہوآئکم النّفسیّة ❊ ومالات حُبّکم الحیوٰة الدُّنیا ❊ ومنوة عشقکم بالاعمال العاجلة
ویغوث بخلکم بالمال ❊ وُدّ شغفکم بالجمال ❊ وهُبل جیفة الدُّنیا ❊ وعُزّی العزّة السّابعة
الاُخریٰ ❊ والاخرون من اصنام الملاهی والملاعب ماسواها ونُستثنی ❊ ما لا تعدّ ولا تحصی ❊ فلا
تنبئونی بما انتم تعبدون فی قلوبکم ولکن بیّنوالی ما انتم لا تعبدون ❊ من دون الله الٰهکم بحق الیقین ❊
افحُبّکم بالاموال لربّ العٰلمین ❊ وبالاولاد لاعلآء الدّین المتین ❊ وبالشّہوات
لابتغاء وجه العزیز الحکیم ❊ وبالاہوآء لحصول رضوانه العلیّ العظیم ❊ اتطیعونه کما
تطیعون اولادکم الاقربین ❊ فی الشّفاء وحین یمرضون ❊ ام انتم تجاهدون فی الله
کجهادکم فی البنین ❊ وسعیکم لاولی الارحام الاخرین ❊ باللّیل وبالنّهار مبیتین ومصبحین ❊
افلا تعبدون حکّامکم المکرمین المنعمین ❊ وتدعونهم رغبًا ورهبًا لهم خٰشعین ❊ وتعرضون

† ای مساکن طیّبة ❊

عليهم صفًّا رُكّعًا سُجّدًا كالمجرمين المقبوحين ۔ مدهشين مستغفرين من الذلّ فى الاصفاد

مقرّنين * الّذين بعث الله عليكم ليعذّبكم ولتكونوا من المدمّرين * عبادًا له اولو باس شديد

اعدّهم الله ليقطعوا دابركم وليخرّبوا دياركم وبلادكم والباقين * فقذف الله فى قلوبكم

الرّعب منهم فانتم بهم عابدون * مستمسكين بهم ولولا تنتهون * افانتم تخشونه كافل

خشيتكم منهم وتعبدونه معشار ما تعبدونهم واللهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۹: ۱۳) *

فبشّر المُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ (۴: ۱۳۸-۱۳۹) * الّذين اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ (۱۹: ۸۱) * كلّا سيقطعون دابركم ويقطّعون اسبابكم ويكونون عليكم ضدًّا *

افانتم تؤمنون بالله وتحبّونه ام تحبّون حكّامكم المعبودين ۔ واولادكم المخدومين ۔ واهوائكم و

اموالكم وانفسكم الاعزّة ونسائكم وابنائكم المكرّمين * وقد قال الله لكم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (۶۴: ۱۴) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۸: ۲۸) * فما شغفكم بهٰذه وبالاصنام الباقين من ثلثمائة

وستّين او يزيدون التى انتم فى كعبة قلبكم مزيّنون * وبما ادّعائكم بالايمان بعد هٰذا التّزيين *

فالّذين اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (۲: ۱۶۵) ولا يدخلون فى جوف قلوبهم احدًا من العٰلمين * وَمِنَ النَّاسِ

مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ (۲: ۱۶۵) فما هٰذه الاوثان والارباب لا اندادكم

باليقين ۔ من دون الله اله العٰلمين ۔ اِلٰهٍ واحدٍ لا اله الّا هو لئلّا تكون للنّاس حجّة بعد العذاب

ان كانوا غافلين ۔ ربّ السّمٰوٰت والارض واحكم الحاكمين ۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۲۱: ۲۲) * فاتّخذتم اٰلهة من دونه فافسد الله امركم فى الدّنيا

وجعل عاليكم سافلكم ودمّر اهليكم حقًّا عليه يفسد المفسدين * وقضى الله على تخريب بالكم

فی العقبیٰ انّہ انقم النّاقمین * فلاتشرکوا باللہ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ؕ(۳۱: ۱۳) * وانّہٗ
لَعَلَمٌ للفساد المقیم * ودلیلٌ علی العذاب الالیم * وانّہ لحسرۃٌ علی الظّٰلمین * یستدرجہم
من حیث لایعلمون * یفرّقہم ویقطّعہم فما یشتغل احدٌ الّا بالٰہہ صرفاً عن الباقین * و
یمزّقہم کُلّ ممزّق فیتخطّفہم النّاس عن کُلّ مکانٍ امین * وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ
السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُہُ الطَّیۡرُ اَوۡ تَہۡوِیۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ مَکَانٍ سَحِیۡقٍ ؕ(۲۲: ۳۱) فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ؕ
(۲: ۱۹۳) * وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡاَمۡنُ وَہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ؕ(۶: ۸۳) *
فیا ایّھا المشرکون الظّٰلمون المعاصرون! ءانتم بالتّوحید تدّعون * وانتم علی اللہ مفترون *
وعلی اسلامکم تمنّون * افلیس اللہ بعالم ما تسرّون وما تعلنون * اما ھو بخبیر بما تبدون وما انتم
تکتمون * اَوَلا ھو یحول بین المرءِ وقلبہ ویعلم ما فی قلوبکم وما تظھرون * افلیس اللہ باعلم
العٰلمین * واحکم الحاکمین * وامکر الماکرین * فتقولون بافواھکم ما لیس فی قلوبکم
وتصف السنتکم الکذب وتشھد علی ایمانکم وتوحیدکم ایدیکم وارجلکم شاھدۃ علی ما فی
صدورکم من اٰلھتکم الّتی انتم لھا تسجدون * والّتی انتم بھا مکلّفون * فانّکم تفعلون ما یامرونکم
لیلاً ونھاراً وما انتم بفاعلین ما یامرکم ربّ العٰلمین * فیحسرۃ علی المسلمین! عبدۃ الاصنام
المعاصرین * ما تاتیھم من شھادۃ شرکھم الّا کانوا بھا کافرین * ویقولون انّما نحن نعبدہ ولا نشرک
بہ شیئًا ونحن علی ذٰلک من الشّٰھدین * ما قوالنا والسنتنا وصلوٰتنا وکلماتنا ولحانا وعمائمنا
اِلٰھنا اِلٰہٌ واحدٌ وما نحن بماخوذین بما نفعل بل بما نقول من کلمات الکفر وبما نحن
فی اللہ قائلون * بل اللہ کلّفنا بالقول وقال لنبیّہ قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ(۱۱۲: ۱) فما نحن بصارفین
عمّا جاء فی الکتٰب المبین * فالیوم طائرکم معکم وتشھد علی ایمانکم احوالکم السّیّئۃ فلم
یعذّبکم اللہ بذنوبکم ان کنتم من الموحّدین المؤمنین * اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ

(۲: ۲۵۷) مّن ظُلُمٰتِ الخوف والحزن الی نور الغلبة والامن ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (۱۰: ۶۲-۶۴) * فلهم فی الدّنیا ما یشاءون وما یشتهون * وما بشرکم فی هذه الحیوة ایّها القائلون الجاهلون ! الّا ان تخذلون وتعذّبون بالعذاب الالیم * فالقول لیس بشیٔ عنده لانّکم تقولون ما لا تفعلون * وما الشرک الّا فی العمل وما یرید الله منکم من شیٔ الّا ان لا تسلموا وجوهکم لغیر ان کنتم ایّاه تقرّون * وقد قال الله ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾† (۵۱: ۵۶) * فما العبادة الّا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون * وان لا تطیعوا من دونه شیئًا ولا تصنموه ولا تشرکوا به ما لم ینزّل به من سلطٰن مبین * وان کان الشرک سجودکم للاوثان المحجّرة خاصّة من دون سائر الالهة فما نهٰکم الله عن اهوآئکم ولذّاتکم وشهواتکم الّتی تشغلکم عن ربّکم ولقال لنبیّه اتّق الحجارة واتّخذ من دونها ما شئت سکینة لقلبک لانّ الحجارة هی المعبودون الّذین یغیظوننی اشدّ غیظا فلا تشرک بی حجرًا ولا بعبادتهم تکفرن * وان لم یکسّر رسولکم فی عهده وثنًا من اوثان قلوبکم الباطنة سوی الاصنام المحجّرة الظّاهرة من ثلثمائة وستّین الّتی کانت تخدم فی جوف الکعبة وان کان هذا مبلغ سعیه ومعظم دینه و اشدّ جهاده فی الاسلام فوالله لا اجد ذکر هذه الحکایة المهمّة فی الکتب المبین * بل اوثانکم معکم وفی قلوبکم وتجیئکم عن ایمانکم وعن یسارکم لترغبکم عن ربّکم وتنهٰکم عن طاعته وعبادته وخوفه وتمنعکم عن کل ما یصلح بالکم وما یوحّدکم ویقوّیکم فلذلک منعکم الله عن الشرک وهذا ما کسّر رسولکم فی عهده کسرة تامّة لو کنتم تعلمون * افتزعمون انّکم تعبدون ربّکم بصلواتکم والحقّ انّکم لا تعبدون الّا انفسکم ولا تخدمون * فوالله ما اشتغل الهنود باصنامهم الظّاهرة المحجّرة قطّ مثل ما تشغلکم اصنامکم الباطنة المفرّقة ووالله ما هم بمشرکین فی عبادتهم الاحجار

† ای الله خمّر فی طینة الجنّ والانس وجبلّتهم ان یتّبعوا قانونه تعالٰی فان یعصوا عنه یعذّبهم ویهلکهم ۔ ولینظر القاری الی کتاب التذکرة صفحه ۱۱۸ لتشریحها *

معشار ما انتم تشرکون * فما التعبد الا بالعمل وما العبادة الا بخدمة المولیٰ وما الخدمة الا
بطاعته وما الطاعة الا الاعتناء بما امر الآمرون * وما صلوٰتکم من عبادة وصومکم من
طاعة وزکوٰتکم من صدقة او بحجکم من خدمة حتیٰ تسلموا وجوهکم لله کافّة وقاطبة و
تجاهدوا فیه حق جهاده وتقدروه حق قدره وتفعلوا به اقل ما انتم تفعلون بحکامکم
المحبوبین المعززین ۔ واولادکم الاقربین ۔ وطواغیتکم المعبودین ۔ واوثانکم المخلوقین
وشهواتکم المعززة ۔ واهوآءکم المکرمة * فهل انتم تصرون علیٰ عصیانکم من بعد ما
جاءتکم البیّنة * فاتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصّة (۸:۲۵) * واعلموا ان
الله یحول بین المرء وقلبه (۸:۲۴) * ویحول بینکم وقلوبکم المستنکرة * واعلموا انه عزیز
ذو انتقام * فیا ایها المسلمون القوالون! ایکفیکم ان تقولوه واحدًا بافواهکم وتتخذوا من دونه
اربابًا بعد ارباب لتعبدوهم عملًا وتجاهدوا فیهم ثم تسئلوا الله علیه حق هذه الخدمة ۔
واجر هذه العبادة ۔ والجنة الآخرة ۔ وجنات الارض المخضرة ۔ ایلیق بکم ان تسئلوه
من اجر علیٰ ما انتم تفعلون * فنبئونی بمالک او مولیٰ یؤدی اجر عبده الیه ویثنی علیه و
یضعف له اجره والعبد لا یزال یخدم جاره ویعبد عدوه ویسجد لخصمه ومع هذا لا یزال
یشهد علیٰ کونه واحدًا بلسانه لیلًا ونهارًا وانبئونی بمالک رضی عن عبده او وفّٰه حسابه
مع عصیانه وطغیانه لان العبد سمّاه واحدًا او قال له احد بلسانه کرة بعد مرة
فهل یجب علیه من اجر او یلزمه من حق بهذا القول والتکرار ان کنتم صادقین * بل هل
انتم موفون عهودکم او مؤدون اجورکم لخادمکم الذی یسمیکم احدًا ولا یفعل شیئًا مما تأمرون *
فلن تجدوا التجارة رابحة مثل هذه فی هذه الدنیا ولو حرصتم کل الحرص فاعترفوا بانکم
بالحق من المشرکین * وان قلوبکم تشهد علیٰ مکرکم وانتم الاعلمون بما یمکر الماکرون * وان

الله یعدّ بنا بشرکنا فی الدّنیا وان نحن الا من المغضوبین الضّالّین* من الذین ختم الله علیٰ قلوبهم وعلیٰ سمعهم وعلیٰ ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظیم (٢: ٧)* ذٰلک بانّهم استحبّوا الحیٰوة الدّنیا علی الاٰخرة وانّ الله لا یهدی القوم الکٰفرین (١٦: ١٠٧)* اولٰٓئک الذین طبع الله علیٰ قلوبهم وسمعهم وابصارهم واولٰٓئک هم الغٰفلون (١٦: ١٠٨)* ومن النّاس من یقول اٰمنّا بالله وبالیوم الاٰخر وما هم بمؤمنین (٢: ٨)* یخٰدعون الله والذین اٰمنوا وما یخدعون الّا انفسهم وما یشعرون (٢: ٩)* افرءیت من اتّخذ الٰهه هوٰه واضلّه الله علیٰ علم وّختم علیٰ سمعه وقلبه وجعل علیٰ بصره غشٰوة فمن یّهدیه من بعد الله افلا تذکّرون (٤٥: ٢٣)* فتوبوا الی الله توبة نّصوحًا (٦٦: ٨) وطهّروا انفسکم من رجز الشّیطٰن* ومحّصوا قلوبکم من الاوثان* وابنوا فی صدورکم بناءً مشیّدًا للرّحمٰن* حنفاء لله غیر مشرکین به (٢٢: ٣١) احدًا من الاصنام فیٰٓایّها الذین اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رّحمة الله انّ الله یغفر الذّنوب جمیعًا انّه هو الغفور الرّحیم (٣٩: ٥٣)* انیبوا الیٰ ربّکم واسلموا له من قبل ان یّاتیکم العذاب ثمّ لا تنصرون (٣٩: ٥٤)* وما اموالکم ولا اولادکم بالّتی تقرّبکم عندنا زلفٰی الّا من اٰمن وعمل صالحًا فاولٰٓئک لهم جزاء الضّعف بما عملوا وهم فی الغرفٰت اٰمنون (٣٤: ٣٧)* فیٰٓایّها الذین زعموا ان اٰمنوا توبوا الی الله توبة نّصوحًا عسٰی ربّکم ان یّکفّر عنکم سیّاٰتکم ویدخلکم جنّٰت تجری من تحتها الانهٰر (٦٦: ٨) التی اخرجکم منها وذٰلک هو الفوز العظیم* ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مّؤمنین (٣: ١٣٨)

یا حزب المعدّبین ویا معشر الظّٰلمین! المشرکین بالحقّ ربّ العٰلمین: ان کان اٰبآؤکم وابنآؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومسٰکن

* فیصل زمن الخوض فی هذه الاٰیات (اعنی (٢: ٧) و(١٦: ١٠٧-١٠٨) و(٢: ٨-٩) و(٦٦: ٨)) انّه من استحبّ الحیٰوة الدّنیا علی الاٰخرة فهم الذین طبع الله علیٰ قلوبهم وعلیٰ سمعهم وعلیٰ ابصارهم غشاوة لانّهم لا یفهمون ما عاقبة هذه الاعمال العاجلة فی الدّنیا وشهد القراٰن علیٰ انّهم هم الکٰفرون الغافلون بقوله تعالیٰ وانّ الله لا یهدی القوم الکٰفرین (١٦: ١٠٧) وقوله واولٰٓئک هم الغٰفلون (١٦: ١٠٨)۔

تَرۡضَوۡنَهَآ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ‏(۲۴:۹) * وقد قال لكم ان لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡـكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ‏(۲۳:۹) * المشركون و فاعلو الظلم العظيم * فاتخذتم الحيوة الدنيا الهكم فذهب الله بدنياكم وجعلتم تفسدون فيها تتخذون الهة من الارض وسعيتم لتفسد و امر الله ففسد الله امركم ودمّركم وهو ذو القوة المتين * وعلوتم فى الارض تقولون نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (۱۸:۵) وَلَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ (۸۰:۲) فبعث الله عليكم عبادًا له اولى باس شديد فجاسوا خلال دياركم حاكمين * و غزوا فى عقر داركم حاتمين * فتحكمتم فصرتم من المحكومين * وعصيتم ربكم فعصت الارض عنكم وعن باقين * فضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ (۲۵:۹) وشنّت عليكم الغارات * وصرتم غرضا يرمى فى العرصات * وعباده اولو باس يخرجونكم من دار الى دار * وظهر الفساد فى بركم وبحركم بما كسبت ايديكم ليذيقكم بعض الذى عملتم لعلكم ترجعون[۱] * فاصررتم على معصيتكم وتنازعتم وتعاجزتم بينكم وتواكلتم وتخاذلتم فذهب الله بريحكم وشغلتكم اموالكم واهلوكم من دون الله ورسولكم شغلا تامًا وكثرت فيكم الاحداث والذنوب وازددتم كفرا وظلما و فسقا وشركا فَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰ لِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَۤاءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ (۶۶:۱۵) * فلم يبق من بلادكم قطعا او ملكا الا وكلها بقوم ليسوا به بكفرين * فَهَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ (۳۵:۴۶) * وهَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ‏ (۴۷:۶) * كفرتم فاخذكم الله فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّشۡرِكِيۡنَ (۴۲:۳۰) * فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (۴۵:۶) * فيا من يعذبون ولا يصلحون ! ويأتيهم الله من حيث لا يشعرون ! الدنيا محبوبة عجوز عاقر طليقة اللسان حسناء الوجه التى

[۱] الاشارة الى قوله (۴۱:۳۰)

تنکح بعلاً جدیدًا کل یوم ولا تزال تتدلل ببعلها وتعجل له کل مایشاء ویشتهی لنفسه حتی تضعف قواه واعضائه وتوهن امره فتترکه اوتطرده ولا تلد لزوجها الا الخزی والخسران فی العاقبة ولا تداوم وتصاحب الا من انکرها واهملها ومن اخل بها ولم یمد عینیه الیها بل نظر من طرف خفی الی حلیها وغض طرفه عن زخارفها وزینتها فلا تدنوا هذه العقیم الا ممن ابعدها ولا عبدها ومن دنا منها فتقصیه ومن مال الیها فترغب عنه وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۵۷: ۲۰) وهذا سر حبها وتسخیرها وتعشقها بکم وفی ذلک فلیتوسم للمتوسمون ولذلک قال الله وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ (۴۲: ۲۰) ولذلک قال مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (۱۷: ۱۸) وذلک جزآء الکٰفرین ٭ الذین یریدون الدنیا فالدنیا تطردهم فی النار داخرین ٭ والذین یعبدونها فتبعدهم خاسئین ٭ وقد قال الله وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۱: ۵۶) ومن یعبد یورثه الارض اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (۷: ۱۲۸) فسلام علی المتقین ٭ الذین یرثون الارض ولا یزالون امة واحدة وبربهم یتقون ٭ والذین لا یشرکون به شیئًا فی العمل ویطهرون قلوبهم من رجز الاوثان ویقولون انما الٰهنا الله واحد وبه نستعین ٭ والذین یجاهدون اعدائهم بالسیف باموالهم وانفسهم ویهاجرون فی سبیله لتقویة قومهم ویهجرون کل ما یشغلهم من المعبودین ٭ والذین یطیعون اولی الامر منهم ویردون نزاعهم الی الله واماهم ان تنازعوا فی شیٔ لئلا یکونوا من المفسدین ٭ وداموا ما داموا فی الارض منظمین ٭ وفی السالک منسلکین ٭ وفی الاخوة شاملین ٭ الجمآء الغفیر الذین یخذل الناس عنهم وهم لا یخشون احدًا الا عذاب احکم الحاکمین ٭ اشدآء علی الاعدآء رحمآء بینهم فلا یعدون الا علی الظٰلمین ٭ المشرکین المتفرقین المستضعفین من الرجال فیتخطفونهم خطفة العقاب الشاهین ٭ ویقولون

لا تذر فی الارض احدًا من المشرکین • ودیارًا من الکفرین • اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (۲۶: ۸۹) • وسالک صراطہ المستقیم • وطاع واسلم وتنظم وتطوّع ولم یخش الا اللّٰہ واتقی فتقوٰی واحسن فاولٰئک من المفلحین * وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ (۴۲: ۳۹) * وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا (۲: ۱۷۷) وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۲: ۱۷۷) * بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (۳: ۷۶) * فسلامٌ علی المتقین الذین لا یزالون شاھدین علی الناس لربھم وعلی توحیدہ عملًا ومعنًا ویموتون مدۃ حیاتہم فی اعلاء سُنّۃ العلیّ العظیم * بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ (۲: ۱۱۲) فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۷: ۳۵) * فیحسرۃً علی المسلمین المعاصرین ! یکاد سنا البرق یخطفھم وکسفٌ من السماء یسقط علیھم وھم غافلون * عسی ان یاتی اللّٰہ بامرہ وھم فی غفلۃٍ یعمھون • ویقولون اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ (۴۳: ۲۳) • وانما نحن الموحدون مرّ من العٰلمین الذین ھم اصحٰب النار والجحیم • طلعھا کانّہ رءوس الشیٰطین (۳۷: ۶۵) * وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ (۲: ۱۷۰) * فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۷: ۷۱) * وشدّ وا رحالکم فانکم من المرتحلین • فی صبحٍ خامسۃ او اقرب منہ بالیقین • ومظنتکم الجحیم • ومحلکم بحفرۃ من نار وقودھا الحجارۃ واشرارکم المقلدون * والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد وایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝ (۱: ۱-۷) *

فیا مؤتمر المسافرین ! ویا فوج المنتھضین ! ھل انتم تدعون ان تبدلوا سُنّۃ اللّٰہ فی الارض بمکرکم او ترضونہ بقولکم مھللین • مکبرین مبسملین وحامدین وجامدین * ھل انتم

تسعون ان تغیّروا ما بکم بالخدع • او تغیّروا عادته بالجزع والفزع • او تخرقوا الارض وتکسّروا السّماء کسرًا مکسّرًا لتمشوا فی الارض مرحین ٭ ء انتم تهمّون بان تبدّلوا ههنا ارضًا غیر الارض وسماءً غیر السّماء وسنّةً غیر سنّته تعالیٰ الجاریة لتفعلوا فیها ما انتم تشتهون ٭ هل ترون فی خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (۶۷:۳) • وفی الارض من ضُعفٍ • وفی السّماء من نقصٍ وفی سنّته من لینٍ او تحوّل لیلین لکم او یکادیرکن الیکم فتصنعوا فیها ما تشاؤن ٭ بل بناها قصرًا مشیّدًا وسقفًا محفوظًا و بناءً غیر محوّل لا مبدّل لعادته وفطرته وحفظها مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (۱۵:۱۷) ٭ من شیطینکم الّذین یوحون الی اولیاءهم انّهم هم القادرون علی ان یبدّلوا امره وحکمه بدعاءهم وشفاعتهم وهم فی هٰذه الارض لا یملکون من نقیرٍ ولا یقدرون ٭ ولن تستطیعوا ان تغیّروه مقدار حبّة خردلٍ ولو اجتمعتم له انتم ومن فی الارض جمیعًا فلما لا ترجعون ٭ بلیٰ وهو الملیک العظیم ٭ والا قار العلیّ الحکیم ٭ والبنّاء المقیم ٭ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (۲۱:۲۳) وانتم تسئلون ٭ فهل تنظرون الّا سنّة الاوّلین ٭ فسیحوا فی الارض وانظروا کیف کان عاقبة المکذّبین ٭ واخر المجرمین ٭ وذلّة الکٰفرین ٭ ان تنتهوا یغفر لکم ما قد سلف وان تعودوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (۸:۳۸) ٭ سنّة الکفّار المعذّبین ٭ عسیٰ ان یکونوا من المقبوحین ٭ فواللہ ما انتم بمعجزین اللہ فی هٰذه وما کان لکم ان تغیّروا عادته ولٰکنّکم انتم من المخیّرین ٭ او مغیّرین ما بانفسکم من قبل ان یاتیکم الیقین ٭ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۳:۱۱) ولا یدّمر احدًا حتّیٰ دنا امره الی الحین ٭ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (۷:۳۴) ٭ فتعالوا الی القراٰن العظیم • واهجروا الشّرك والکفر هجرًا مهجورًا فسحقًا لاصحٰب الجحیم ٭ و تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳:۶۳) فهل انتم مسلمون ٭ فاطر السّمٰوٰت والارض وما بینهما

وخالق مالا تعلمون ❊ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (۲۳:۹۲) فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۲۳:۹۲) ❊ وهذا هو الاسلام
الذى أسس عليه السمٰوٰت والارض ونظام كل التكوين ٭ وتنظيم الكون المتين ٭ و
ترتيب كل ما اصلح وافلح فى العٰلمين ❊ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰:۳۰) ❊ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ
بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳:۱۱۷) ❊ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا
فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۳: ۸۵) ❊ وانه فى هٰذه الدنيا من الاخسرين ❊
افتدرون ما فى هذه الارض للموحدين المسلمين ٭ وما اجر العٰملين الصّٰبرين المؤمنين الفاعلين
من دون القائلين الكٰفرين ٭ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷:۱۲) بما
كانوا يكفرون ❊ والذين اٰمنوا بما نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ
اَصْلَحَ بَالَهُمْ (۴۷: ۲) ٭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴۷:۸) ٭ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (۴۷:۱۱) ❊ فيا ايها المسلمون المعاصرون ! كيف
تدّعون بالايمان وبالايمان على محمد وبالكم بال الكٰفرين ❊ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲۹:۴۱) ❊ فيا من يزعمون انهم يحسنون ويصلحون باتخاذهم الاولياء تمتّعوا
فى هٰذه الارض حتى حين ❊ ويا من ضل سعيهم فى الدنيا امشوا فى الارض مشتهى قلبكم
فرحين ٭ بما هى اٰتية لكم فى يوم الدّين ٭ وما لكم فى الاٰخرة من النّعيم ٭ من فضل و رحمة
وشراب وفاكهة ومن حور عين ❊ تباشروا وتمارحوا وتفاخروا بينكم فانّ لكم نار الجحيم ❊ و
عذاب ربّكم المقيم ❊ ومن دون عذابكم فى الدّنيا عذاب يوم الدّين ❊ فان الدّين هو

الدّنیا وانّ الدّنیا هی الدّین ❊ الدّنیا مزرعة الاخرة فهما تزرعوا ههنا تجدوه عند ربّکم غیر ممنون ❊ وما تقدّموا للغد فهو فی الاخرة یبین ❊ ولنعم اجر العٰملین ❊ وبئسما اشتروا بغفلتهم القائلون ❊ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی (۷۹: ۳۴) ٭ وعُرِض النّاسُ علی ربّهم صفًّا صفًّا ٭ وانّی حین توفیة حسابهم فی العقبٰی ٭ وجآءوا ربّهم فرادًا فرادٰی وقیل للانسان اِئت بما فعلت یداك فی الدّنیا ٭ لان لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳: ۳۹) ٭ وانّه له نصیبًا فی الاٰخرة من دون نصیبه الادنٰی ٭ وعذابًا من حیث الفرد علی عذابه جمعًا ٭ وثوابًا من فوق ثوابه فی الاولٰی ٭ ولعذاب الاٰخرة اشقّ وابقٰی ٭ وثواب العاقبة خیرٌ واشهٰی ٭ فیا اسفًا وعجبًا ! تحیّرت العقول بما ارٰی ٭ القائلون فی عذاب الیم ٭ و العاملون فی الجنّة والنّعیم ٭ الموحّدون فی زمرة المشرکین ٭ والمشرکون المتعارفون علی الارائك متّکئون والرّسول شاهدٌ علیهم انّهم هم المؤمنون ٭ الّذی هو بالمؤمنین رءوفٌ رّحیم[‡] ❊ ادخلوا کافّة انّکم کنتم تفعلون ٭ ما تقولون وتعملون ولا تنظرون ❊ وکنتم انتم تؤمنون بما نزّل علی محمّدٍ عملًا ومعنًا من دون العٰلمین ❊ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۴۴: ۳۸-۳۹) ❊ انّ فی ذٰلك لاٰیٰت للعٰلمین المتوسّمین ❊ فالقول لیس بشیءٍ عندی و لو اصطفینا القول لجعلنا لکلّ من یقول فی الارض لبیوتهم سُقُفًا من فضّةٍ وابوابًا من ذهبٍ واباریق من زبرجدٍ وما کنّا فٰعلین ❊ وانّی انا الله العمّال الخلّاق الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (۳۰: ۲۷) ❊ وَیُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۳۲: ۵) ❊ والّذی ینزّل من السّمآء مآءً ٭ ویفلق الحبّ و النّوٰی ٭ وینبت الاشجار ویرسل الرّیاح یومًا بعد یوم ٭ والَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (۳۲: ۴) ٭ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰: ۳۸) ٭ یجری الفلك فی البحر بامره الا له

❊ الاشارة الی قوله تعالٰی وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا ۝ (۱۸: ۴۸) ‡ الاشارة الی قوله (۹: ۱۲۸) ٭

الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ٥(٧:٥٤) • يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ(٥٥:٢٩) فكيف لا احبّ العاملين * بل نرى عمل كل عامل فى الدنيا وسعيه ونعطيه اجره مقدار جهده ووسعه وبقدر سعيه اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ٥(١٠:٤٤) * فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۚ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ٥(٩٩: ٧-٨) * فما انا بطارد العاملين من الجنة وقابل القائلين * هم الذين مازالوا فى الارض مكررين اسمى وعاصين عن امرى ولم يعلموا من انا حين دعونى ولم يكرمونى او يعظمونى معشار ما اكرموا الهتهم غيرى فكيف اكرم ههنا الظٰلمين العادين * وَاِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ(١٤:٨) فانى انا الله ذو القوة العزيز العليم * احبّ كل صاحب قوة وعزة وعلم من الناس الذين احسنوا صنعهم فى الدنيا وداموا ما داموا خلائف فيها وخلائف منى مسخرين كل ما سخر الله لهم فى السماء والارض متفكرين فى خلقهما وما بينهما شاكرين بما اتٰهم الله من فضله ورحمته حق شكرهم وقدرهم الذين احرثوا الارض وتوسموها ومشوا فى مناكبها وفتشوا برها وبحرها لتعرفوا من انا ومن اين كل هذه وماهى ولماهى وماكنهها وكيفها وليشهدوا امنا فع لهم وليبتغوا من فضله سائحين * جبارون فى الارض قاهرون على من ضعف وكسل ومكرمون من شجع وبسل متخلقون باخلاقى واخلاق فطرتى وعادتى فاننى انا الجبار القهار القوى العظيم * ولا احبّ المستضعفين الافلين الذين ضربت عليهم الذلة والمسكنة ينظرون من طرف خفى الى الناس من ذل وغى يسئلون عبادنا الحافا ومفتقرا لا يقدرون على شئ ولا يملكون نقرا الذين يسجدون لكل مالك قويا كان او ضعيفا ويعبدونهم حيا ولفيفا لاصقين بهم من الضعف والفقر لا يحسون ما بانفسهم من نار السقر • نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ(١٠٤: ٦-٧) • فتحرقهم محرقة ممهلة • تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ(١٠:٢٧) • اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ(١٠:٢٧) • و

املئت ثيابهم البالية المسترقعه فوجًا من القمل مكلمًا ، يَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ (۴۷: ۱۲) لا تحسبهم الا حزبًا من قردة خاسِئين * لا اجبهم ولا آمن عليهم لانهم ما قدروا وناحق قدرنا و ما عرفونا حق معرفتنا وانا الذی جعلت لهم السمع والبصر والافئدة ليعرفوا ربهم شكرين * فقليلًا ما كانوا يشكرون فی الارض وقليلًا ما يشكرون * فلا أشكران لسعيهم اليوم وما هم فی جنتنا بداخلين * اخرجوا واهبطوا من هٰذه ان هٰذا دكم الجحيم * وان جهنم لمحيطة بالكفرين * فبما تزعمون انكم احق بالجنة ولستم بجديرين لها وحريين بانعمها لو كنتم تعلمون * فمن يليق بنعمة الجنة الخلد الباطنة ان لم يكن له نصيب من نعمة الارض الظاهرة افلا تعقلون * وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (۱۷: ۷۲) ومن الضالين * فما الجنة الا الوارثی جنات الارض وعيونها وما العاقبة الا للمتقين *

ويا ايها المسلمون المنهزمون المعاصرون ! الذين يظنون انهم يظلمون فی هٰذه الارض وان الله يظلمهم بمشيئته منصرفًا عما يفعلون ويعتقدون ، ما ربكم بظلام للعالمين * اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۱۰: ۴۴) * يفعل ما يشاء وهو لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۱۲: ۱۰۰) * فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۲: ۱۹۳) * الذين يتعدون حدود الله وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲: ۲۲۹) * وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (۴۲: ۳۰) فمن شاء فليرجع الی قانونه وحدوده ويتخذ الی ربه سبيلًا ويصبر عليه و يستقم اليه وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ، الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲: ۱۵۵، ۱۵۶) * ومن شاء فليصر على معصيته فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۳: ۹۷) * وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۸۱: ۲۹) * ما مشيئتك الا ان ليس للانسان الا ما يجهد وما مشيئتكم

* يجوز للقاری ان يتدبر هٰذه الاية اشد تدبر وقد يسرت معناها ههنا باستعمالها كرة بعد مرة - فالمعنٰى هو انكم ما تشاءون شيئًا الا انه يساهمكم مهما تشاءون وان اردتم ان تسعوا فی الدنيا سعيًا بليغًا لتفوزوا فهو يؤدی اليكم اجوركم بقدر ما انتم تسعون - فلا شك فی ان معنٰى هٰذه الاية يترادف بما عنى الله بقوله اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳: ۳۹) لا ازيد منه ولا انقص ما فهم بعض الرجال منه انما ما نشاء شيئًا حتى يشاء الله ولا نقدر على شیء حتى يقدرنا الله عليه من لدنه فهو ليس بصحيح +

الا ما تفعلون وما توثرون * وما مشیئتہ الا قانونہ * فارجعوا الی قانونہ وعادتہ مرۃً اخری لیکون لکم فی الدنیا والعقبی ما تشاءون * مہما تجہدون فہو یساعدکم ویؤدی اجرکم الیکم غیر منقوص لانہ لا یکاد ان یدخل فی مشیئتکم او یعارض سعیکم حتی تنتہون * لیجزیکم او یعذبکم بالعدل * ویزن سعیکم بالقسطاس المستقیم * فما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین ۰ (۲۹:۸۱) * ومن قال انی راجع الیہ یجد اجرہ عندہ من فورہ * اولئک علیہم صلوٰت من ربہم ورحمۃ و اولئک ہم المہتدون ۰ (۲:۱۵۷) * فلا تجہدوا وتنتظروا بل انیبوا الی ربکم وارجعوا الیہ وجاہدوا فیہ حق جہادہ لیشاء ربکم بکم ما تشتہون * فانہ لا یشاء بکم شیئاً حتی تشاءون * ولا یجزی حتی تجہدون * فما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین (۲۹:۸۱) بکم مقدار ما تعملون * فسبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون ۰ (۳۷:۱۸۰) * ویقولون لا خیرۃ لنا فی اعمالنا وما لنا من الامر من شیٔ فکیف نغیر ما بانفسنا حتی یشاء ربنا ما نشاء وما نحن بشائی شیٔ الا ما یشاء العزیز الحکیم * یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء (۳:۱۲۸) وان نحن الا من المظلومین المجبورین * فما ہذا الا مکرکم بانفسکم ولتفروا من السعی وتمکروا السیئات وما اللہ بمغیر ما بکم حتی تغیروا ما بانفسکم وما اللہ بغافل عما تعملون * ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضٰعفہا (۴:۴۰) فسبحٰن ربک عما یصف القدریون الجبریون الذین قالوا ما ربنا الا ملک مستبد لا قانون لہ ولا یحکم الا ما یشتہی من فورہ متصرفاً عما یجوز لہ عدلاً واصولاً * ویجبرنا علی ما نفعل ویعذبنا مہما یشاء * وقدر لنا کل ما فعلنا وما نفعل من قبل فلا محیص لنا عما یرید * اللہ علی کل شیٔ قدیر * بل قانونہ مشیئتہ * وما مشیئتہ الا قانونہ وامرہ * وما یشاء الا ما یوافق بامرہ * وما یامر الا ما یطابق بمشیئتہ * وما یعذب الا من بعد اتمام حجتہ وتبیان قانونہ * وما الانسان الا بقادر علی فعلہ * ولا یکلف اللہ احداً الا وسع نفسہ

وحدّ استطاعته * ولا یزر وازرۃ الا وزرہ * ولو کان فیھما ملك مستبدٌ مثل ما یصفونه
لفسدت السمٰوٰت والارض * فلا طلعت الشمس مثل ھٰذہ * ولا جاء اللیل بھٰذا التتبع وھٰذہ
الصحة * ولا تغوّرت النجوم او طلع البدر بکلّ ھٰذا النظم والتسویة * ولا جرت الفلك فی البحر او
سال الماء فی الاودیة * او احترقت النار او جرت کل ما یجری فی عادة الله المؤکّدة المستمرة *
فوالله ما یقع کلّ ھٰذا لیلاً بعد لیلٍ ونھاراً بعد نھارٍ الّا بمشیئته * فما مشیئته الا عادته الجاریة *
وما عادته الّا ما یشاء انه اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (٢٠ : ٥٠) * كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (١٧ : ٨٤)
من اوّل یوم خُلق فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (٣٥ : ٤٣) * و
من ھٰذا القبیل خلق الانسان فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ (٨٢ : ٨) رَكَّبَهٗ * فجعل له سمعه وبصره وفؤاده
وبیّن له فطرته وعادته * وقدّر له وسعته وقدرته * والھمه فجوره وعصمته * خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ
ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (٨٠ : ١٩-٢٠) * ومع ھٰذا انزل علیه کتابه * فمن شاء من بعد ذلك فلیشکرہ
ومن شاء یکفرہ * وما کتابه بمضحکه * كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (٧٤ : ٥٤-٥٥) * اَفَلَا
يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (٤ : ٨٢) * افانّ الله
علیٰ کلّ شیءٍ قدیر بدلیل علیٰ انّ الانسان لا یقدر علیٰ شیءٍ شیئاً * بل قدّرہ لیقدر علیٰ ما یفعل
واعدّ لکلّ عمل اجراً * وان قدّر الانسان قادراً بمشیئته * وجعله سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا (٧٦ : ٢) برضائه
ورغبته ایھا الجھلون! ولم یضنّ علیه عن قدرته اوّل یوم خلقه * ولا یخالفکم الآن فیما
تفعلون بمشیئتکم * ولا یکفّ ایدیکم عمّا تعملون برضائکم ورغبتکم * فما تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (٨١ : ٢٩) * فما ھو الّا انّ مشیئتکم مشیئته * وان لم تکن مشیئتکم بتابعة مشیئته
فتقولوا ما نشاء شیئاً الّا ان شاءہ ربّنا من قبل فانّه اطلقکم وارسلکم رسالةً تامّة واعدّ اجورکم
بقدر سعیکم ووسع انفسکم * فھل لکم من حجّة بعد ھٰذہ القدرة والعدل ان کنتم صٰدقین *

فقتل الإنسان ما أكفره (۱۷:۸۰) * يفعل ما يرضيه * ثمّ يقول الله اجبره * فمن اين جبره * و يعمل العمل ويستعمل ارجله وايديه * ولا يخالفه احدٌ فيما يفعله * فيا ايها المسلمون القدريّون الجبريّون ! ما جُزيتم الا بما عملتم حتى الان * وهل تجزون بعد ذلك الا ما تعملون * اجبروا انفسكم واقدروها فانكم لن تؤتوا مثقال حبة اجرًا حتّى سعيتم لها * هذا ما قدر الله لنا وهذا ما اجبرنا عليه * فلا جبر علينا الا ان نفعل ما امرنا به احكم الحاكمين * الذى لا بُدّ لاحد منّا من حكمه * واتباع امره حكمًا لا ريب * وهو القوىّ العزيز الحكيم *

فيا معشر المسلمين المجهدين ! هل بقى لكم من بعد الذى تخيّرتم اليه من وسيلة الا ان تسعوا لانفسكم سعيًا متنا بعًا ليلًا ونهارًا ما لا يطاق به ولا يسبق * لترضوا الله فان الله لا يرضى الا عن القوم العاملين * اعملوا على مكانتكم حدّ امكانكم * واستميتوا لتفوزوا ولا تهنوا فى زعمكم الباطل ان امرنا قد تجاوز عن سعينا * فعسى الله ان يتجاوز عنا متعطفًا علينا واحسانًا لنا متصرّفًا عن سعينا وجهدنا او يرسل علينا مهديًّا مبشّرًا يهدينا ويقوّينا * ويخبر على اعدآئنا * فنكون من الغالبين * فما هذا الانتظار الا اماتة قويكم * وتوهين امركم * وتضعيف اعضائكم فى الدنيا * وما اشاع بهذا الكذب الا اشراركم المفسدون المخلّفون * فلا مهدى لكم اليوم الا من هداكم * وهداكم الصراط المستقيم صراط الذين (۱-۵-۶) انعم الله عليهم * ومن نصركم ومن بدّل ضعفكم قوةً وخوفكم امنًا * ولا شهادة على بعثة المهدى فى القرآن الا جاءت فى احاديثكم الضعيفة الموضوعة * وان كان لنا من نبى اورسول يأتى من بعد ختم الانبيآء اسمه مهدى فلما لا يبشّرنا الله بهذا الامر المهم فى الكتاب المبين * ولا تجهدوا من قولكم الشهير ان الامور اذا تناهت تغيّرت فانّه لا يتغيّر شيئًا فى هذه الدنيا حتى يغيّرون * وليس الذى انتم تنتظرون اليه وتزعمون من اثار القيامة * وما لكم من علم بعلائمها انما علمها عند ربى (۷:۱۸۷) تاتيكم بغتةً

وانتم لاتشعرون * ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون (٦:١١٦) * وماهی الا قد
قامت قیامتکم فانکم فی موتکم تجاهلون * وتخدعون انفسکم فی موت اعدائکم وتمارونهم
علیٰ ماترونهم وانکم لمیتون * فمایظن رجل احول الا ان الارض امتلأت من الاحولین * فلابد
لکم من ان تسعوا وتجهدوا ان اردتم ان تحبّوا البقاء * وتؤثرون ان تکونوا فی زمرة الاحیاء * فان
الله لایحی الموتیٰ وهو یحی الموتیٰ حتیٰ تحیوا انفسکم وتحرکوها جاهدین * فمالکم لاتستیقظون
من نومکم وموتکم وسائرالناس قد تیقظوا من نومهم * والشمس قد بلغت بمعدل النهار افلا
تشعرون * ومالکم تظنون ان خلقکم الله عبثاً وانکم الیه لاترجعون * هو الذی جعلکم
خلٰئف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم فی ما اٰتٰکم (٦:١٦٦) وخلق الموت و
الحیوٰة لیبلوکم ایکم احسن عملاً (٦٧:٢) افلاتعقلون * وان ربک سریع العقاب وانه لغفور
رحیم (٦:١٦٦) * فانتم تنامون فی مضاجعکم والذین یرجون لقاء ربهم یؤمنون ویعملون *
تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفاً وطمعاً ومما رزقنٰهم ینفقون ۰ فلا تعلم نفس ما
اُخفی لهم من قرة اعین جزاءً بما کانوا یعملون ۰ افمن کان مؤمناً کمن کان فاسقاً لایستوٗن
(٣٢:١٦-١٨) * ومالکم تضعفون وتفسقون * وتغلبون ولا تؤمنون * وتنظرون ولاتعملون *
وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۰ (٣:١٣٩) * واما الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت فلهم جنٰت المأویٰ
نزلاً بما کانوا یعملون ۰ واما الذین فسقوا فماوٰهم النار کلما ارادوا ان یخرجوا منها اعیدوا
فیها وقیل لهم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم به تکذبون ۰ ولنذیقنهم من العذاب الادنیٰ
دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون ۰ (٣٢-١٩-٢١) * ارجعوا فان العذاب الادنیٰ قد وقع ولعل الله
یحدث بعد ذٰلک عذاباً اٰخر فتکونوا من المدقرین * اعملوا ولا تظنوا انکم بمعجزی الله او تستطیعون
ان تفروا منه او تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض بل لاتقدرون مما کسبتم علیٰ شیء افلا تذکرون *

اتقدرون على ان تكونوا اشدّآء على حكّامكم الّذين بعثهم الله عليكم اولتضرّوهم شيئًا ولو حرصتم * فكيف
تطيقون على ان تضرّوا الله او تعجزوه مالك السّموٰت والارض واحكم الحاكمين * بل هل يسمعون
لكم اذا سالتموهم شيئًا * او يتوجّهون اليكم حين تعجيزهم * باسهم بينكم شديد * بعثهم الله
عليكم ليخذ لكم فى الدّنيا وليجعلكم نكالًا لما بين يديكم وما خلفكم فلا يردّ باسه عن القوم الكٰفرين *
كفرتم باحكام الله وكذّبتم بها وتولّيتم * فاستبدل قومًا غيركم لا تضرّونهم شيئًا ولا تضرّونه
فانقلبوا خٰسرين * عباده اولو باس فضّل الله بعضهم على بعضٍ درجٰتٍ * يرثون الارض على
سلطٰنٍ منه * لانّهم **احسنوا** فى هٰذه الدّنيا واصلحوا واتّقوا واسلموا وجوههم له * ولم يتّخذوا
اربابًا من دونه * ولم يعبدوا الّا الله * ولم يسجدوا لاحد غيره * ولم يتّخذوا اهوآءهم واوليآءهم
الٰهة * ولم **يتفرّقوا** * واعتصموا بحبل الله جميعًا * ولم يصيروا شيعًا * ولم يتقطّعوا امرهم بينهم
حزبًا * واطاعوا اولى الامر منهم بلا عذرٍ وحجّة * وردّوا نزاعهم الى الله حين تنازعوا * وجاهدوا
باموالهم وانفسهم * ولم يولّوا ادبارهم حين الباس * ولم يتحرّفوا عن القتال * وهاجروا من مُلكٍ
الى مُلكٍ لتقوية سلطنتهم واجرآء حكمهم فى الدُّنيا * وهجروا اكثر ما يلصق الانسان من رجز
الشّيطان * ومن لوث العداوة والبغضآء بينهم * واسلكوا انفسهم فى الاخوّة * ولم يغتب بعضهم
بعضًا * ولم يتجسّسوا بينهم * ولم يتزلزلوا فى ايفآء عهودهم * ولم يرفعوا اصواتهم فوق صوت
اميرهم * وغضّوا ابصارهم واصواتهم عند اولى الامر منهم * ولم يخشوا الّا الله * وتفكّروا فى خلق
السّمٰوٰت والارض حدّ امكانهم * وساحوا فى الارض ومشوا فى مناكبها حدّ سعيهم * وقدروا الله
حقّ قدره بدرس اعماله * وعرفوه حقّ معرفته بدرس فطرته * واختاروا كلّ ما يجرى فى العادة * و
تركوا كلّ ما يبعد فيها * وفعلوا اكثر ما امر الله من دونها فى الكتٰب * ونهوا عن نهيه فى الجملة * وصاروا
من الّذين **احسنوا واصلحوا** * فادخلهم الله فى الصّٰلحين المحسنين العٰبدين * واورثهم

* كلّ هذا ما امرنا الله فى القرآن فليرجع القارى الى القرآن للتّصديق ١٢

الارض ومسٰكنكم التى كنتم فيها امنين * وقد كتب الله فى الزبور من بعد الذكر ان الارض يرثها عبادى الصٰلحون ٥ ان فى هذا لبلٰغا لقوم عابدين (٢١: ١٠٥-١٠٦) * وقد قال لكم ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين (٧: ١٢٨) * ففتشوا ارض الله * ودرسوا صحيفة الفطرة * وعلموا قانونه * وطالعوا احوال مخلوقاتها * وطلعوا على عاداتها وخصائصها * واستوعبوا امر معاشهم وسعيهم فى الدنيا * واستقصوا بال فلاح الاقوام وصلاحهم * واستقرءوا البر وا ملكوت السمٰوٰت والارض * وليطلعوا على عادته تعالىٰ وسنته * وتركوا ما يبعد فى العادة قولا واعتقادا * واستمسكوا بما يجرى فيها عملا ونظرا * وتخلقوا باخلاق الله * وبما صلح من عادات مخلوقاته السفلية * وميزوا الخبيث من الطيب * ومحصوا الثواب عن الخطاء بجد امكانهم * واستعملوا سمعهم وبصرهم وفؤادهم ليطلبوا العلم من اعمال الله من دون الظن * فعرفوا اعماله تعالىٰ ليعرفوا ربهم * وليعلموا مايريد منهم وبهم * وما مشيئته فيهم * ولخصوا حقائق الفطرة * وبينوا دقائق الاشياء ليستنبطوا منها فريضة الانسان * ثم استسلموا لها * وصاروا من المفلحين * درسوا كتاب الله * بل حجته البالغة الكاملة * ولكنتم عن دراسته لغٰفلين * وقد قال الله لكم ان فى السمٰوٰت والارض لاٰيٰت للمؤمنين ٥ (٤٥: ٣) * وخلق الله السمٰوٰت والارض بالحق ان فى ذٰلك لاٰية للمؤمنين ٥ (٢٩: ٤٤) * وسخر لكم ما فى السمٰوٰت وما فى الارض جميعا منه ان فى ذٰلك لاٰيٰت لقوم يتفكرون ٥ (٤٥: ١٣) * وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بينهما لٰعبين ٥ ما خلقنٰهما الا بالحق ولٰكن اكثرهم لا يعلمون ٥ (٤٤: ٣٨-٣٩) * وسخر لكم الّيل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرٰت بامره ان فى ذٰلك لاٰيٰت لقوم يعقلون (١٦: ١٢) * واختلاف الّيل والنهار وما انزل الله من السماء من رزق فاحيا به الارض بعد موتها وتصريف الرٰيح اٰيٰت لقوم يعقلون ٥ (٤٥: ٥) * وان فى خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الّيل والنهار والفلك التى تجرى فى البحر بما ينفع الناس وما انزل

---

* اى يورثها من اجل دلها واحق بها لانه لطيف لما يشاء (١٢: ١٠٠) كما جاء على صفحة ٣٢ من هذه الافتتاحية ١٢

اللّٰہ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۲: ۱۶۴) * وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴۵: ۴) * وَاِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (۱۰: ۶) * وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶: ۹۸) * وقد قال الله لكم وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (۶: ۳۸) * فخاضوا فی احوال الدّواب والطّیور * واطّلعوا علیٰ عوائدها واخلاقها * وفتّشوا نظام مجامعها وعوالمها * وعلموا مستقرّها ومستودعها * وفحصوا عن نُظمها و نُسُقها بینها * صُنع الله الّذی علم کلّ مخلوق درسه * وَاَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۲۰: ۵۰) * الّا الانسان فلم یظهر علیه صراطه * الّا انّه اعطاه سمعه وبصره وفؤاده * لیعلم ما فریضته فی الدّنیا * ویدرس ما یرید الله منهم * ومن دون هذا اعطاه الکتاب الّذی جاء به الانبیاء ما فرّط الله فیه من شیءٍ * واظهر فیه کلّ ما یخذله وینفعه * واشار فیه الیٰ کلّ ما ینفعه ویضرّه * تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶: ۸۹) وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲: ۱۱۱) لعلّکم تتدبّرون * وتتفکّرون فیه حقّ فکرکم و تدبّرکم ولتکونوا من المفلحین * الّذی ما کان لکم ان تأتوا بمثله ولو اجتمعت الانس والجنّ له فَاِنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (۱۱: ۱۴) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۱: ۱۴) * فلا یزال الحکماء الطّبیعون من المغرب یطّلعون علیٰ سرائر الطّبیعة و عوائد العادة واحوال المَوالید الثّلاثة من الجماد والنّبات والحیوان حتّیٰ ظهرت علیهم مماثلة امم الانسانیة بامم المخلوقات السّفلیّة والمشاکلة بین قواعد مجامعها وبین عوائد الاحزاب الحیوانیّة الحاضرة * ولم یبرحوا کذٰلك حتّیٰ لاحت لهم الحقیقة * واتّضحت لهم الطّریقة * فاستنبطوا من کلّ هذا العلم القانون الّذی اُسّس

* یجوز ان یستدبر القاری مطالب هذه الآیة المهمّة النّافعة ویخوض فیها اشدّ خوضًا لانّه تعالیٰ قد بیّن فیها قانون بقاء الامم الانسانیّة بتشبیهها بالامم السّفلیّة وقضیٰ فیها انّه من سلك صراطه المستقیم وسجد للقانون الّذی یجری فی العادة (کما یفعل الدّوابّ والطیور) فهم الّذین افلحوا فی هذه الدّنیا واولٰئك من الخالدین فیها مادامت السّمٰوٰت والارض مثل المخلوقات السّفلیّة ـ ولذٰلك قال فی موضع اٰخر وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ (ای یطیعه) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا (باقی)

عليه نظام العالم * واصول حفظ الاقوام وبقاء الامم * وطلبوا فيها آيات الله البالغة النّافعة الّتى
تقدّم ذكرها * وصاروا بالحقّ من عباد الله المؤمنين المتفكّرين العالمين العاقلين
الموقنين المتقين * واتّخذتم آيات الله المتقدّمة هزوًا وسخرًا * وما سعيتم ان تحرثوها
لتعلموا منها من شئ * وقلتم ما انزل الله علينا فيها من امر ومن نهى * فما فى خلق السّموٰت والارض
من آيات لقوم يتفكّرون * ومن علم لقوم يعلمون * ومن اتّقاء لقوم يتّقون * بل كفانا ما
دوّن الفقهاء منّا وعلماؤنا من طرق الطّهارة واساليب الاستنجاء ومسائل الاستحاضة والنّفاس
وغيرها من العلوم الشّرعيّة الّتى لابدّ للانسان من علمها لتحصيل النّجاة ولحصول رضوان الله فى الآخرة
وما كان لنا ان نعلم ما المماثلة بيننا وبين امم الدّواب والطّيور * الّا انّنا نعتقد انّ الله ما غادر
وما فرّط فى قرآننا من شئ الّا وعلمها فيه * فلا يجب علينا ان نعلم كلّ ما جاء فى كتابنا الّا ما يكفينا
للنّجاة * فنبّئونى ما النّجاة فى زعمكم * وما رضوان الله فى ظنّكم ان كنتم صٰدقين * **فكذّبتم**
بآيات الله بالحقّ * وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٦: ٣٩) * فيا حاملى القرآن العظيم! ويا من يزعمون انّهم على صراط مستقيم
من الدّين المتين * وانّهم يعلمون القرآن ويتلون كتٰب الله من دون العٰلمين * افما انتم بالحقّ
صمّ بكم فى الظّلمٰت بتكذيب هٰذه الآيات * ام لا ضللتم عن الصّراط والحكماء الغربيّون
قد اقتبسوا **نورهم** منها ورفعوا انفسهم عليكم درجٰت * ءانتم عرفتم ما معناها * وفهمتم
مقاصدها ومعارفها * وتعلّمتم ما علمها وحكمتها * ام الّذين اكتسبوا الفضائل من **صحيفة**
الله الّتى عرضها السّمٰوٰت والارض بعد ان تفكّروا فى خلقها مدّة عمرهم * واسبغوا نعمه تعالى
الظّاهرة والباطنة على انفسهم * وهدوا الى الصّراط المستقيم * صراط الّذين انعم الله عليهم

(البقية من الصّفحة ٣٩) فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ، يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (١٦: ٤٩-٥٠) وبعد ذلك قال فى هذه السورة: اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً (١٦: ٦٦) وبعد ذلك قال فى النّحل فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (١٦: ٦٩) ونظرًا الى اغلاق مطالب الآية واهميّتها قال: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ (اى ما يبعد فى العادة) مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً (اى امرًا مهمًّا من قانونه) وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (ما معناه) (الباقى)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱ : ٦) ✻ فزعمتم ان تحملوا كتاب الله وفرقانه فما حملتم بل كذّبتم ✻ قد كانت اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ (۲۳ : ٦٦–٦٧) ✻ فمثلكم كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ (٦٢ : ٥) ✻ كالذين من قبلكم حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا (٦٢ : ٥) ✻ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (٦٢ : ٥) ✻ افما قال الله لكم فى القراٰن وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ (۳۸ : ۲۷) ✻ فكفرتم حين اعرضتم عن هذا الحق ✻ وآمنتم بأباطيلكم الشرعيّة الموضوعة الّتى مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ (۵۳ : ۲۳) ✻ والتى كنتم تتوغّلون بها فى الدّين المتين ✻ فما جزآؤ من يكفر الاّ خزىٌ فى الدّنيا وهم فى الاٰخرة من المخذولين ✻ اَوَما قال لكم فى الكتٰب هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۱۰ : ۵) ✻ فما علمتم من الشمس من شئٍ ✻ وما اقتبستم من القمر من نورٍ ✻ وعباده اولو علم ينظرون اليها من كلّ مكانٍ ليعلموا حقيقتها ✻ ويقدّروا كميّتها وكيفيّتها ✻ فيعرفوا خالقها فتؤمن به قلوبهم ✻ ويزيدهم ايمانًا ✻ وليكونوا من الشّاكرين ✻ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲ : ۵۴) ✻ افما قال الله لكم فى القراٰن انّه كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۴۱ : ۳) ✻ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۷ : ۵۲) ✻ افعلمآؤكم المتشرّعون الحاضرون العلمآء بالحق فى لغة القراٰن ام الحكمآء الغربيّون الطّبعيّون المعاصرون الّذين علموا عدد السّنين والحساب ✻ ورأوا ملكوت السّمٰوٰت باليقين ✻ أنزل القراٰن لهم ام لكم قوم جاهلين ✻ افكتابكم هدًى وّرحمة لكم ام

(البقيّة من الصفحة ۴۰) بجهلهم. وبعد ذٰلك جآء بالقانون وقال، وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (اى تقنون وتبقون بالقانون الّذى يجرى بينهم) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (اى لم نغادر فى القراٰن من امرٍ ومن نهى ومن قانونٍ الّا ذكرناه فيه لتنفعوا به) ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ (اى تحشرون ليقضى الله بينكم ايّكم احسن عملًا) . وبعد ذٰلك قال وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

لقوم اٰخرین * افما قال اللہ لکم فی القراٰن اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ
وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
غَفُوْرٌ ۝ (۳۵: ۲۷-۲۸) * افجھلاؤکم الّذین لم یعرفوا ما المآء * ولم یتدبّروا ثمرٰت الارض *
ولم یمیّزوا بین الوانھا المختلفة * ولم یسیروا فی الجبال لیعلموا جُدَدھا البیض و الحُمر * ولم یحرثوا
طبقھا السّود النّافعة الّتی احرثھا الغرب فاصلحھا وافلح * والّذین لم یفرّقوا بین الوان النّاس
والدّوآبّ وغیرھا من خلق اللہ * اھم حریّون بان یسمّوا العلمآء ام الغربیّون الّذین جعلوا عالی
الارض سافلھا * وبدّلوا سافلھا بعالیھا * وصعیدھا بجرزھا * وغوّروا فی بطنھا * وصعّدوا علی
جبالھا * ولم یغادروا من الارض شیئًا الّا عرفوا حسنھا وقبحھا * وزیّنوا الارض بزخارفھا * وحلّوھا
بحلیة العلم والایجاد والفضل والرّحمة * الّذین احسنوا فی ھٰذہ الدّنیا علمًا وعملًا * واصلحوا
بالھم فی الدّنیا والاٰخرة فائتونی بشھادة علمکم ان کنتم صٰدقین * افانتم اجدون بھٰذا
اللّقب فی قلوبکم علی جھالتکم التّامّة المتعدّیة * واذھانکم المختلّة الخالیة * وبراھینکم الشّتّی المعطّلة *
وحُججکم الّتی لیست ببالغة او نافعة * واجتھاداتکم المفرّقة المشتّتة * والسنتکم المتشرّعة * وعمائمکم
المتطوّیة * فأتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین * افما قال اللہ لکم فی الکتٰب اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ
زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (۱۸: ۷) * فنبّئونی بما احسنتم فی ھٰذہ الدّنیا وما عملتم *
وما الّذی علی الارض جعلتموہ زینة لھا * فالمغربیّون الّذین تسمّونھم الکفّار بلسانکم وتظنّونھم
اصحٰب النّار والمغضوبین علیھم فی زعمکم قد ساقوا علی برّ ھٰذہ الارض فروسًا من الخشب * وفی بحرھا
تماسیح من الحدید * وتحت البحر حیتانًا من الفلزّ * وفی جوّ السّمآء طیورًا من الرّصاص *
فینفخون فیھا فتکون طیرًا باذن اللہ یطیر فی الھوآء کالشّھاب الثّاقب * ویوقدون فی افرانھا و

* ای من یستعمل ما علیھا او یجعلہ زینة لھا فھو الّذی حسن عملًا ۱۲ * الاشارة الی ما صنعوا من القطارات والمراکب والطّیارات من الخشب والحدید والطّوطیا ۱۲

مجامرها فتجری فی البحر لیلاً و نهاراً کالحوت المبهوت * ویقلدون مقالیدها فتسعٰی فی الارض
کدآبة الغابة * وما کان فیکم مسحةٌ من علم هٰذہ العجائب و الغرائب * لا اجد فی صدورکم و
اذهانکم من شئ الا ما یستحی منه ویستهزء به العالمون * فلا شاغ انکم تخربون و تخذلون و
تُغلبون فی هٰذہ الارض لانکم لم تقدروا الله حق قدرہ * ولم تعرفوہ حق معرفته * ولم تشکروہ حق
شکرہ * اتخذتم السمٰوٰت و الارض و ما بینهما و ما علیها باطلاً و عبثًا * و احکام ربکم زهقًا و هزلًا *
فابطلکم الله وازهقکم * تسیرون فی الارض کالمخلوق المقهور * وفی دیارکم کالاخلاف الاجلاف
تطردون من دار الی دار من الضعف والذل خاسئین * والمغربیون العالمون الذین عرفوا
ربهم بوساطة صحیفة الفطرة ودرسوا کتاب الله فهم الذین یطئون فی الارض وطأة الغلاظ التی
تغیظکم وهم الذین ینالون منکم نیلاً فتعضون انا ملکم علیهم من الغضب و الاسف وتقولون ما
هٰذا الا انهم ارادوا الدنیا فعجل الله لهم فی الدنیا ما شاء * ونحن نرید الاخرة فما لهم من نصیب
فی الاخرة ان شاء ربنا رب العلمین * فناموا فی غفلتکم ایها الضالون الجهلون ! * وموتوا
بغیظکم علی قوتهم فلا خلاق لکم فیما انتم تزعمون * ان فی صدورکم الا کبرٌ و تفاخرٌ بینکم
فموتوا فی ضعفکم مفاخرین * ووالله ما یشاء ربکم بهم ما شئتم ولا ریب انکم انتم فی الاخرة
من المخذولین * انما قال الله لکم وَاَنزَلنَا الحَدِیدَ فِیهِ بَاْسٌ شَدِیدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعلَمَ اللّٰهُ
مَن یَّنصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالغَیبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیزٌ (۵۷:۲۵) * افانتم امنتم بهٰذہ الآیة ام الکفار
القویون المعززون * وانتم تخلقتم باخلاق الله القوی العزیز ام النصاری الوثنیون * و
انتم استنفعتم من الحدید ام الغربیون الحدادون الشدادون * اولو بأسٍ شدیدٍ الذین یحدّون
سکاکینهم وسیوفهم لیحدّوا علیکم ویشدّوکم فلا تستطیعون ان تحاذوهم عاجزین * و
یبتغون فضلاً من الله فی مناکب الارض وبه یربحون * فقد علم الله انکم لا تنصرونه ولا رسله

بالغيب فالذى نصر نفسه من اعدائه فقد نصر الله * صاحب القوة والعزة الذى لاحاجة له بنصرتكم * الا انه يشاء ان تنصروا انفسكم غالبين * والله لا يؤمن عنده احدٌ الا الذين اذا اصابهم البغى هم ينتصرون ٠ (۴۲: ۳۹)* والذين داموا ماداموا فى الارض منصورين * وانتم الاعلون ان كان فيكم من الايمان فالمؤمنون لهم المنصورون ٥ (۳۷: ۱۷۲) وان جندهم لهم الغٰلبون ٠ (۳۷: ۱۷۳) * فعملوا من هذا الفلز العجيب الغريب مغافيرهم ومجانّهم * واعدّوا اسلحتهم للحرب القتال * والاتهم للجرح والدّفاع * والبنادق والمدافع للهجوم والدّخول * وصنعوا موازينهم ومكائلهم ومقائسهم وغيرها من آلات المراصد والتجارب * وبنوا مراكبهم ومساكنهم واثّث بيوتهم وحصّنوا قلاعهم ومسالح خيلهم * حتى الآن الله لهم الحديد كما الان لداؤد وملكه * واسال لهم انهارًا من الذهب والفضة فى الارض * وما عملوا كل هذا الا ليعملوا صالحًا وليكونوا من المفلحين * فانبئونى بما اصلحتم فى هذه الدنيا * وبما تشترون به جنتكم فى العقبٰى * وما يعلم علما ائتكم الجهلون * الذين لا يعلمون من شئ * ولا يملكون من قطمير فى هٰذه الارض الا انهم اذا جاءهم امرٌ من الجهل واللغو اذا عوا به ويحبّون ان يشيع الذّل والمسكنة فى امتهم * ولا يكادون يفقهون ما يريد الله بهم * ويحرّفون القراٰن ليسكّنوا شهواتهم * ويبدّلون معانيه ليجعلوا خيرًا او ليجعلوا يسرًا لانفسهم * ويختصمون بينهم من الكبر والجهل وادّعا العلم * و يجادلون فى الله ليعرفوه وما هم بعارفيه * معجزين بينهم معاندين * وما بهم مثقال ذرة من علم اعمال الله وصحيفة الفطرة او قانونه وعادته * لا يستطيعون ان يميّزوا الابيض من الاسود * ولا يكادون يعلمون الخشب من الحديد * الا انهم يجهرون بادّعائهم فى الصرف والنحو ويرفعون اصواتهم ليناد وا انهم بلغوا اشدّ مبلغهم فى البلاغة والعروض والبدائع واللغة وغيرها

مهٖ كما قال الله عزّ وجل: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۚ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (الباقى)

من الفنون التى لا يجوز ان يقال لها علم فانّ **العلم** فى لغة القراٰن هو الّذى يترشّح من درس
الفطرة ومطالعة **اعماله** تعالىٰ ۔ ما كان للّٰه انْ يسمّى شيئًا **العلم** إن اخترعه الانسان ولم
تكن شهادة صدقه فى خلقه ۔ وما كان لكم ان تجادلوا فى اللّٰه بهذا المبلغ ۔ او تعلموا ما مشيّته
بواسطة الصّرف والنّحو ۔ او تدرسوا ما يريد بكم بوساطة اللّغة والعروض ۔ او تعرفوه بمنطقكم
وصنائعكم واجتهاداتكم فى الادب ۔ فانّه ما عرف احدٌ ربّه قطّ الّا من عرف نفسه ۔ ومن علم
قدرته وحكمته بسمعه وبصره ۔ ومن تعقّل ملكوته بفؤاده ۔ ومن استعمل قوٰه واعضائه
لدرك اعماله وقدر طاقته ۔ ومن عرفه فاولٰئك هم العالمون ✻ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ
السَّعِيْرِ۝ (٢٢: ٣-٤) ✻ فلا شكّ فى انّ علماءكم جادلوا فى اللّٰه بغير علم وهدوكم الى ما انتم عليه
بجهلهم ۔ وهدوكم الى الذّلّة والمسكنة لتتركوا هٰذه الدّنيا ولتكونوا من المخذولين ✻ وكيف
يدّعون انْ يفهمون كلام اللّٰه و**اقواله** اذ لم يكن لهم من علم **باعماله** ومالكم كيف تحكمون ✻
فواللّٰه ما تبيّن لعبد قطّ ما يعنى مولاه بكلامه واحكامه حتّى درس العبد اعماله بامعان النّظر وعلم
ما يعمل المولىٰ وما الّذى يرضيه او يغيظه ۔ وما عادته وسنّته ۔ وما معموله واخلاقه ۔ وبما يرفع
ويخفض ۔ ويغفر ويعذّب ۔ وما فعل بالعباد الّذين خلوا من قبله ۔ ولما فعل ۔ ولما عاقب
ولما دمّر ۔ فهذا علمه ومعرفته واشدّ قدره وشكره وحقّ عبادته ومبلغ طاعته ۔ وحقّ جهده
لو كنتم تعلمون ✻ وما قال حاكم ابدًا الّا ما يطابق بعمله ۔ وما عمل صالحًا الّا ما يوافق بقوله ۔ فلا شكّ
فى ان علم اعمال اللّٰه هو العلم الّذى يترشّح عن كلامه وعلم كلامه هو الّذى يصدر من اعماله ۔ وما
فهم قوم كتابه حتى درسوا صحيفة الفطرة اشدّ درسًا ۔ ومن درس صحيفة الفطرة فقد درس قراٰنه
ووجد قانونه ۔ واطّلع على امره ونهيه وصدّق به واولٰئك من العالمين ✻ افما قال اللّٰه لكم

(البقية من الصّفحة ٤٤) وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۝ (٣٤: ١٠-١٣) فقد بيّنت ههنا كيف الان اللّٰه الحديد لداؤد وكيف كانوا يعملون هو وقومه صالحًا (الباقى)

في اعدائكم ان أَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ
وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (٨: ٦٠) * فكذب علماؤكم بهذه الآية * وضلوكم
عن سبيله حين لم يدعوكم الى حكمتها * ولم يحثوكم على جمع قوتكم * ولم يحرضوكم على القتال و
الدفاع لترهبوا به اعدائكم * ولاشك في انهم هدوكم الى عذاب السعير * متصرفين عن علمها و
حكمة الله النافعة البالغة التي تخفى فيها * والمغربيون كلهم صدقوا بهذه الآية بالعمل وامنوا بها
ما استطاعوا * وبدلوا خوفهم امنا منها * واطاعوا الله ورسوله فصاروا من المفلحين * في الدنيا
ولاشك انهم في الآخرة من عباده المؤمنين * فسخر الله لهم بر الارض وبحرها * وسخر معهم
الجبال والانهار * والماء والهواء والجماد والنار * وسخر لهم البرق الذي يريكم خوفا ويريهم
طمعا * والريح تجري بامرهم‡ في البر والبحر * والنار تحترق باذنهم * والبلاد تضوء على حركة اصابعهم
وسخروا انعام الارض ليحملوا اوزارهم * والدواب ليزدادوهم ربحا ونفعا * وسخروا امثالكم من الجن
والناس ليخدموهم * واسالوا على الارض عيونا من الذهب والفضة والحديد اشياء التجارة
ليفرجوا كل ما بقي في الارض من الناس وما بقي من طرق معاشهم * ومن البلاد وما بقي من اساليب
تهذيبهم * نظرا الى تاليف قلوب الرعية * وسلب حقوقهم * فوالله ما جاهد قوم قط في هذه
الدنيا مثل ما جاهد الغربي في زماننا هذا * ولم يعرفوا الله مثل ما عرفوه * ولم يقدروه مثل ما قدروه
فكيف لا يؤدي الله اجورهم ويوفيهم حق عبادتهم في الدنيا ويتم نعمته عليهم ان كانوا شاكرين *
وكيف لا يستخلف في الارض الذين امنوا بالله بالحق وعملوا الصلحت‡ انه شكور
حليم * فالملئكة اكثرهم يسجدون لهذا القوم * وملك البرق يخدمهم ليلا ونهارا

(البقية من الصفحة ٤٥) وكيف اشال الله عين القطر بل كيف فعل الله كل هذا للمغربيين المعاصرين الذين يعملون من هذا الفلز الاشياء العجيبة الغريبة التي تقدم ذكرها فلاشك انهم يشكرون ربهم حق شكره ويقدسونه حق قدره والريح تجري بامرهم‡ كما كان تجري في عهد سليمن وغيرها من الاعمال الذي ذكرت على هذه الصفحة - وسياتي تشريح الجن‡ على صفحة ٨٨ - الخ من هذه الافتتاحية ١٢

‡ الاشارة الى قوله تعالى وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (٢٤: ٥٥) ١٢

يسوق مراكبهم على الارض ويرسل رسالاتهم وبلاغاتهم من المغرب الى المشرق فى طرفة العين * ويضئ بلادهم ومساكنهم بحركة اصابعهم * ويجري مراوحهم لكى يروحهم فى الحر * ويحمى مساكنهم فى القر * ويقدرهم على المكالمة بين البلاد فى لمحة البصر * ليشكروا الله ويثنوا عليه * فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (١:٣٥) * وملك البخار يعبدهم بكرة واصيلا يسوق قطاراتهم ويجر اثقالهم الى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ (١٦: ٧) * وينسج ثيابهم * ويزرع ارضهم * ويطبع كتبهم * ويصنع اثاثهم * ويعمل لهم الاشياء النافعة * وغيرها من الاعمال العجيبة الغريبة مالا تعد ولا تحصى باجنحته الشتى * والاخرون من الملٰئكة لما يسجدوا لهم حتى الان * وهم يجهدون بجد امكانهم ان يعبدهم طائعين * خليف الارض حقا * فهم الذين قال الملٰئكة لربهم فيهم حين اراد الله ان يجعل فى الارض خليفة : اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (٢: ٣٠) فاجاب لهم ربهم ناظرا الى اعمالهم الاتية وشاهدا على افكارهم البالغة اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٢: ٣٠) * فعلمهم الله الاسماء كلها * ومن حقائق الاشياء معظمها * واقدرهم على استعمالها * وملٰئكته يدخلون عليهم من كل باب سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ (٣٩: ٧٣) فى هذه الارض احسنتم * اراحكم الله فالبثوا فيها الى الحين * وهم الذين قال فيهم ربهم للملٰئكة وفى رجال مثلهم اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (٣٨: ٧١-٧٣) * فسوّٰهم الله ونفخ فيهم من روحه لانهم هم القادرون على ما يكسبون * سميعون وبصيرون وعليمون مثله وانتم لا تقدرون مما كسبتم على شئ ولا تسمعون من شئ ولا تبصرون ولا تعلمون * و

* فهذا ما عنى الله باجنحة الملٰئكة فالمراد انهم يفعلون افعالا شتى بقواٰءهم المختلفة وهذا ما عنى الله بسجودهم اى امرهم الله ان يطيعوا الانسان حق اطاعته * واما الشيطٰن (اى القوة البهيمية التى تسرى فى الانسان) فلا يكاد يطيعه بل يعصى عنه ومن عبده فهو الذى يفلح فى الدنيا كما يأتى فى وصف التوحيد على صفحة ٧٢ - الخ

الملٰئكة لا يسجدون لكم الآن ويقولون نحن خير منكم خلقنا مما هو افضل وخلقتم مما هو الابتر* نسبّح له ونقدس* ولا نطيع من لا يطيع لرب العٰلمين * وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ٥ (٢٩: ٤٣) * فيا ايها المسلمون الجٰهلون المستضعفون المعاصرون ! اروني ماذا احسنتم في هذه الدنيا * وما سعيتم فيها * ما الذى فى الارض يسجد لكم * وما الذى سخّرتموه لينفعكم * ما استنفعتم من الحديد * وما اخذتم من الجدد السود والبيض * ما استنبطتم من الفطرة * وما استقرءتم من العادة * الا انكم اتخذتم انتم وعلماؤكم كتاب الله هزوًا وسخرًا * ودينه لهوًا ولعبًا * وفطرته باطلًا وعبثًا * وملٰئكته هزلًا وهجرًا * تهجرون بالقرآن وحكمته * وتنبذون وراءكم علمه ونبوّته * مظاهرين بكتمانكم شهادة حكمته ونبأه على انه مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (٦: ٩١) * وشاهدين بتحقيركم اشياء الفطرة على انه ما خلق الله فى السمٰوٰت والارض من شيء * فلا والله انتم قوم تجهلون * اتظنون انكم تحسنون فى هذه وان المغربيين هم الخٰسرون * قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ٥ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ٥ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا (١٨: ١٠٣-١٠٦)

فابكوا على قسمتكم ايها الجٰهلون * وذوقوا مما كنتم تحسنون *

يا ايها المسلمون المرتسمون افلا انتم فى اسلامكم الضالّون * وعن الصراط لناكبون * افما انتم تفعلون هو الاسلام ام ما يفعل الكٰفرون * وقد قال الله لكم وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ (٣: ٨٥) * فلم يقبل الله منهم ولا يقبل منكم * ويتم نعمته عليهم ويعرض عنكم * ويرفعهم ويخفضكم * ويقبض المسلمين ويبسط الكٰفرين * فالحق انه ما فيكم من الاسلام من شيء وانهم هم المسلمون * عليكم الاسلام رسولكم * فدمتم عليه ما دمتم * ونلتم اجركم ما دمتم * فلما اخذتم تنسون ما ذكرتم به ذهب الله بنوركم وهدايتكم

فسلبکم فضیلتکم علی العلمین ۞ وفسقتم عن امر ربکم فاستدرجکم من حیث لا تعلمون ۞
فکنتم تنقصون فی ایمانکم واسلامکم وعباده الصلحون الذین ورثوا الارض منکم کانوا یزیدون
ایمانا واسلاما فی اعمالهم حتی ظننتم انکم تقیمون القرآن مثل ما کنتم علیه وما انتم بقائمیه ۞ و
ظننتم انهم هم الکفرون ۞ وانه ما کان لکم ان تدخلوا فی زمرة الکفار ابدا بعد ان اشهدتم بالسنتکم
ولو عصیتم کل المعصیة عن امر رب العلمین ۞ فذهب الله **بقرآنکم** علی کبرکم ومکرکم ۞ و
انسکم ما کان فی اذهانکم من علم عادته وخبر سنته وکیفیة قانونه ۞ وانسکم ما کان بکم
من **النبأ العظیم** الذی جاء به خاتم المرسلین ۞ لیحبیکم ویرضیه عنکم ۞ فخطف وراثة
الارض منکم ودمر حلمکم ۞ واورثها کلها قوما اخرین ۞ فلتضحکوا قلیلا ولتبکوا کثیرا
جزاء بما کنتم تکسبون ۞ والمغربیون هداهم هذا **العلم والنبوة** الی **التوحید** و
الایمان ۞ وبهذا القرآن وان لم یروه او یدرسوه کدرسکم الی الفلاح والعمران ۞ وبقی
ما بقی بکم من کلماتکم وجهلکم ومکر اللسان ۞ وحبطت اعمالکم بهذا النسیان والطغیان ۞ ذلک
هدى الله يهدي به من يشاء من عباده ۚ ولو اشركوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون ۝ اولئك الذين
آتيناهم **الكتاب والحكم والنبوة** ۚ فان يكفر بها هؤلاء فقد وكلنا بها قوما ليسوا بها بكافرين
(۶: ۸۹-۹۰) ۞ وقد نبهکم الله بوساطة رسوله وقال فاستمسك بالذي اوحي اليك ۖ انك على صراط
مستقيم (۴۳: ۴۳) بل قال ولئن شئنا **لنذهبن** بالذي اوحينا اليك ثم لا تجد لك به علينا وكيلا
الا رحمة من ربك ۚ ان فضله كان عليك كبيرا (۱۷: ۸۶-۸۷) ۞ فبئس ما اشتریتم به ضلالتکم
وساء ما کنتم تحکمون ۞ افامنتم ان یذهب الله بما بقی عندکم من کتابکم کله ویورثه الذین
یصطفی من عباده الصلحین ۞ لیفلحوا به لیکون رحمة لهم فانه قال فی نبیکم وما ارسلناك الا
رحمة للعالمين (۲۱: ۱۰۷) ۞ وفی کتابکم ان هو الا ذكر للعالمين (۳۸: ۸۷) ۞ وانه لتذكرة

لِلْمُتَّقِيْنَ ۰ (۴۸:۱۶۹) ۞ وهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۰ (۱۶:۸۹) الطّائعين ۞ وبَصَائِرُ لِلنَّاسِ

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۰ (۴۵:۲۰) ۞ ومامن حيّ فى هذه الارض اتّقىٰ واصلح ثمّ افلح الّا

يتّبعه باليقين ۞ ومايبخل اللّٰه كتابه وامانته عن احد فان يترکه هؤلآء او يهجره فيعرضه

علىٰ قومٍ اٰخرين ۞ ليحملوه ومن حمله فاولٰئك هم المفلحون ۞ فسلامٌ على المسلمين * الّذين

يحملون القراٰن العظيم فى زماننا هٰذا وبشّرهم بجنّٰت النّعيم ۞ فى الدّنيا ولهم فيها نعيم

مقيم ۞ خٰلدين فيها ماداموا على الصّراط المستقيم ۞ صراط الّذين انعم اللّٰه عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۰ (۱:۶-۷) ۞ ولاتظنّوا انّ قراٰنكم هوالّذى تحفظون الفاظه فى صدوركم

امانىّ[†] من اوّله الى اٰخره كالببّغاء * اوتزيّنون به طيقانكم * اويغلفونه فى غُلف السّندس و

القزّ * اوالجلد المتعارف الّذى جآء به النّبىّ العربىّ * فانّه معكم ومن اثاث بيتكم * وماكان

لاحدٍ ان يسرقه عنكم * ولكن كتاب اللّٰه هوالهدى ودين الحقّ الّذى ارسل[‡] به رسوله ليظهركم

فانّ الهدىٰ قدغاب منكم ودين الحقّ قدصرف عنكم * وغوّرت حقيقته عنكم * فلاتعلمون

القراٰن الّا امانىّ * ولاتعرفون ماحكمته وعلمه وصدقه وعدله ووحيه وقانونه الّا ماهجر

به علمآؤكم الجٰهلون ۞ وقد نبّهكم اللّٰه انّه شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى (۴۲:۱۳) وماوصّٰى به كلّ قوم صٰلحين ۞ و

نبّهكم اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۰ (۴۲:۱۳) ۞ فماالدّين بقراٰن عربىّ الّذى تؤمنون بالفاظه امانىّ

ولاتعلمون ماكتب اللّٰه عليكم فيه * وماهو باقرار باللّسان الّذى تمرّون فيه ليلًا ونهارًا * وماهو

بالّذى تفرّقتم فيه * اوبالّذى صنعتم فيه شرائع ومسالك اتباعًا لاوليآئكم وصلحآئكم * وماهو

[†] امانىّ: اى امانة ـ لاتزيدون الفاظه ولاتنقصون بها كالامانة وهٰذا ماعنى اللّٰه بقوله وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ (۲:۷۸) ـ وما فهم اكثر الشّارحين منه انّه جمع اُمنية فهو ليس بصحيح + [‡] الاشارة الى قوله عزّوجلّ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۶۱:۹) ـ فماقال ارسله بالقراٰن او بالفاظه بل بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اى الهداية الّتى تصدر من اتباع القراٰن عملًا ومعنًا والصّراط المستقيم الّذى يهدى القراٰن متّبعيه اليه ۰

بقولكم ان القرآن هو ابلغ وافصح واشعر من كل الكتب الكتبون ۞ فما من نوح ولا ابراهيم او موسیٰ
او عیسیٰ او غیرهم من الانبیاء بقرانكم هذا * وما كانت الامم المسلمة التی خلت من قبلكم تكرر
بافواههم كلمات كم الشهادة وادعیتكم العربیة * او یقرءون قرانًا عربیًا * او یؤمنون بفصاحة
القران الذی یبزاید یكم * او بكونه شعرًا كما امنتم لیسلموا * فنبئونی بما الدین الذی شرع الله
لكم ولكل الانبیاء ان كنتم صادقین ۞ وقد قال الله لكم فی القران فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ (٤٤ : ٥٨) * وقد قال لكم وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ
(٣٦ : ٦٩) * وقد قال وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ
مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (٢٦ : ٢٢٤ - ٢٢٦) ۞ فما الدین بما زعمتم وما كان الله لیهدیكم الی الاسلام بشعره
وحسن كلامه * ولكن الدین ما ذكر كم به وما بین لكم من الامر والنهی فی القران المبین ۞ وانه
هو القانون الذی دون الله فی الكتاب الحكیم ۞ صرفًا عن اللسان الذی جاء فیه فاللسان لیس
بشیٔ عنده وعند احد من المتقنین ۞ وما عربیتكم بدینكم وقد جاء دینه تعالیٰ فی السنة
شتی * وقد قال الله لكم وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (١٤ : ٤) وقد قال
لكم اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (٤٣ : ٣) * وَاِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
(١٢ : ٢) ۞ وانزل الله القرآن بلسان العرب لئلا تكون للعرب حجة بعده لانه قال فیهم وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (٤١ : ٤٤) * فاللسان لیس بشیٔ عنده * وما دینكم الا الامتثال
باوامر ربكم * والاعراض عن نهیه * والتذكیر بما نسیتم من درس مطالبه وتعقل قانونه وتتبع سنته
وما وظیفتكم فی لسان القرآن الا انه علیكم حفظ الفاظه * وتصیینكم عن تحریف كلمته ومطالبه
نظرًا الی حفظ مقاصد الله * ولتعلموا بعینه وبلفظه ما امركم الله * لا تقدیسه بالجهل وبقولكم
ان القرآن قد جاءنا بلسان عربی فلا یسلم احد عندنا ولن یدخل قوم فی دین الاسلام حتی یؤمنوا

بذا القراٰن العربیّ بافواههم * فما یرید بکم الله ان تقدّسوا لسان العرب او تحقّروا العجم ولکن یرید ان تطیعوه وتتّبعوا احکامه * فانّه لا یؤمن احدٌ عنده حتّٰی یتّبع احکام القراٰن عملاً ومعنًا لو کنتم تعلمون ۞ ولذٰلك قال الله ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ط قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ ط وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ط اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ (۴۱:۴۴) ۞ وایّا ما تدعوه وفی ایّ لسان تسلموه فهو یقبله ویؤدّی الیکم اجورکم الله غنیّ عن العٰلمین ۞ سوآءٌ علیه کلّ ما خلق من النّصارٰی والیهود * والمسلم والهنود * وغیرهم من الاقوام * الّا انّه من اطاعه فهو الّذی اٰمن و اسلم عنده * ومن انکر حکمه فقد کفر عنده * فالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲:۶۲) ۞ لیست الیهود علٰی شیءٍ عنده ولیست النّصارٰی علٰی شیءٍ عنده ولیس المسلمون علٰی شیءٍ عنده حتّٰی یعملوا ویقیموا الکتٰب الّذی جآء به موسٰی وعیسٰی وخاتم النّبیّین والنّبیّون غیرهم من قبل * نزّلها عن اللّسان الّذی ارسل فیه * وان کان اللّسان من شیءٍ او التّوحید من قولٍ عنده فلم سمّی الله ابرٰهیم مسلمًا وقال: مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (۳:۶۶) ۞ ولم سمّی الله النّبیّین من قبل نبیّنا علیهم الصّلٰوة مسلمین ومؤمنین ولم یؤمنوا بهذا القراٰن * ولا بذا الکتٰب العربیّ فی اللّسان * ولم سمّی الله کلّ امم صالحة من قبل الاسلام مؤمنة ومسلمة فی القراٰن وما قالوا بافواههم من کلمة الشّهادة وغیرها الّتی تروّج فینا فی هٰذا الزّمان * فتدبّروا ان کنتم قومًا تتفکّرون ۞ فلا الاسلام الّا فی العمل * ولا الدّین الّا ما جآء فی الکتٰب * وما الکتٰب الّا قانونه تعالٰی * وما القانون الّا ما بیّن الله لنا بلسان العرب فی القراٰن او فی الکتب الّتی جآء به الانبیآء من قبل * وانّه لا یسلم قوم عند ربّنا الّا من اتّبع قانونه عملاً و فعلاً دون القول واللّسان فانّ قانونه قانونٌ واحدٌ الّا انّ القراٰن هو اکمل کتبه واٰخرها * وابین صحفه واحسنها * وحفظه الله من کلّ تحریفٍ لفظیّ * المعوّل علیه

* ای طائعًا وساجدًا لامر ربّه عملاً ومعنًا +

عند التصديق * والمرجوع الیه للتوثیق * فهذا دیننا ومسلکنا فی الاعتقاد * وهذا ما کلفنا الله به
لان دینه دینٌ واحدٌ جامع الناس لا فارق * لا دین الیهود ولا دین النصاری * لا متسلماً ولا متهوداً
لا عربیاً ولا اعجمیاً * لا شرقیاً ولا غربیاً * مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ
كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (۲۴: ۳۵) وشرع اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (۲۴: ۳۵)
لنا من نوره ما وصّی به کل الانبیاء ولذلک کلف الله المسلمین بان یؤمنوا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ ۚ (۲: ۴) کله ومن هذا القبیل فلیؤمن المؤمنون ویعمل العاملون ۞ ولذلک لا یختص الله احداً
من الاقوام بنوره ووحیه فی ای زمانٍ * بل یذهب بالذی اوحی الی قوم ویؤکله بقوم اخرین یشاء
وینقل دینه من امة الی امة لیؤدی الیهم اجورهم بقدر اعمالهم وصلاحهم * ویقبض ویبسط ویرفع
ویخفض نظراً الی اعمالهم لا الی اقوالهم واعتقاداتهم فانه لا یضیع اجر المحسنین ۞ وهذا هو
القانون الذی یحکم به الله بین الناس * والدین الذی سماه الاسلام * صرفاً عن کل ما قال
فیه علماؤنا والمجتهدون ۞ وهم الذین فرقوا بین الناس باجتهاداتهم الواهیة وقالوا نحن نتبع
نبینا محمداً والنصاری یتبعون نبیهم عیسیٰ ونحن بریئون مما یقولون ویعتقدون ۞ لا هم منا ولا
نحن منهم * وما قال نبینا الذی قال نبیهم * بل ضرب کلهم عن المسلک الذی اشار الیه سولنا
فلا شک انهم فرقوا بین الله ورسلهم * وزعموا ان الرسل جاءوا ارسلت شتی من ربهم
وقد قال الله فی رجال مثلهم فی القران اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ (۴: ۱۵۰-۱۵۲) ۞ فضیقوا حدود

الاسلام بل تعدّ واحدو دالله وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲:۲۲۹) * ولو اٰمنوا
بالرّسل كلّهم علماً وحسبوا انّهم كلّهم جاءوا بكتب واحد من عند ربّهم وبالدّين الواحد الّذى
شرع الله لنا منه من اوّل يوم وبالّذى وُصّى به ابرٰهيم وموسٰى وعيسٰى وغيرهم من النّبيّين اَنْ اَقِيْمُوا
الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (۴۲:۱۳) * ولم يتفرّقوا فيه واشاعوا بذ الاعتقاد * وقالوا لاهل الكتٰب تَعَالَوْا
اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ (۳:۶۴) لكان خير الهم ولجماعتهم * فلجمع الله النّاس كلّهم على الاسلام ولدخلوا فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا
(۱۱۰:۲) * ولجمعوهم على الهدٰى * ولكثرت جماعتهم * ولصاروا من المفلحين ۞ فيا ايّها المسلمون
المتشرّعون المتفرّقون! ما الاسلام بما زعم علماؤكم * وما الدّين بما ظننتم بل سماه الله فِطْرَتَ اللّٰهِ
الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰:۳۰) لانّه اجبر كافّة النّاس عليه بل جبلهم عليها * ولهذا لا مفرّ لاحدٍ
من النّاس منها * وان من قوم اصلحوا ثمّ افلحوا فى هٰذه الارض الّا اسلموا له * وان من ارض خاب
اهلها الّا انّهم صرفوا عنه * لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ
(۳۰:۳۰) ۞ فلا شكّ فى انّ عُلمآءنا كلّهم نسوا اصل ديننا والفطرة هى الّتى لا تخفى على الّذى
فُطر عليها اصلاً ولا شكّ فى انّهم نسوا فطرتهم وَنَسُوْا حَظًّا (معظمًا) مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۵:۱۳) وكلّهم
ضربوا عن بثّ هٰذه السّرائر الى دين الاقوال والعقائد * وشرعة الكلمات والمناسك * من دون
الحقائق والفرائض * وكبّروا اصغائر الامور وصغّروا اكبائرها ابتغاء الفتنة وجهلا * واتّخذوا
دينهم لهوًا ولعبًا * ولم يتدبّروه ولم يتفقّهوا فيه حقّ تدبّره وتفقّهه * فاوهنوا امرنا فى الدّنيا * و
اضعفوا بالنا فى العقبٰى * واضلّوا سعينا وجعلونا من الاخسرين ۞ فيا ايّها العلمآء المتكبّرون
المعاصرون! نبّئونى بما الدّين وما الاسلام ان كنتم صٰدقين ۞ ما فى اسلامكم من الفطرت الّتى
فُطر النّاس عليها ان كنتم قومًا تتفكّرون ۞ وما الّذى شرع الله لنا منه * والّذى وُصّى به ابرٰهيم و

موسیٰ وعیسیٰ وغیرھم من الانبیاء الیٰ رسولنا سید المرسلین ۞ وما الذی اجبل اللہ الناس
علیہ فلا مجال لھم ان یفرّوا منہ منکرین ۞ وان سائر الناس سوٰکم یفرّون من فطرتہم فلما
لا یعذّبون * من فوریلا تہ ماکان للباغین عن الفطرۃ ان یستعتبون ۞ فما الذی قال اللہ فیہ
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (۳:۸۴) ولما لا تقبلون * فی ھٰذہ الدنیا وھم
یقبلون ۞ من دون الاٰخرۃ فستعلمون ایکم من الاخسرین ۞ واین المطلوب الذی قال اللہ فیہ
اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۸) افلا تعقلون ۞ واین السیئۃ من عندہم التی تصیب
الذین لا یدخلون فی زمرتکم * ولا یقولون مثل ما تقولون * ولا یصلون مثل ما تصلون * ولا
یرکعون او یسجدون او یسبحون مثل ما فعلتم * ولا یؤمنون مثل ما اٰمنتم * ولا یتعمتون او یتأزرون مثل
ما تعممتم وتأزرتم * جزاءً فی زعمکم ببغیھم عن الفطرۃ افلا تذکرون ۞ افقولکم بافواھکم انہ
احدٌ ھو الاسلام فاکثر الناس من دونکم لا یکادون یقولون ھٰذا وما کادوا یعذّبون ۞ افصومکم
عاماً بعد عامٍ فی ایامٍ معدودات ھی الفطرۃ فالناس من دونکم ینکرون اصلاً ھٰذہ الفطرۃ وھم لا
یُعتبون ۞ اوصلواتکم الخمسۃ التی تقیمونہا فی مساجدکم او فی دیارکم وتکررون ارکانہا بغیر
علمٍ وبکل صحۃ صرفاً عما تقولون فی قوماتکم وقعداتکم ھی الدین فالناس غیرکم لا یصلون مثلکم
صلوٰۃً واحدۃً وھم یُستعتبون ۞ افزکوٰتکم التی تنشرونہا فی الارض کالرماد عاماً بعد عامٍ فالریح
تجری بہ فی جو السماء لتخذلکم وتشیع المسکنۃ فی قومکم فتذرکم مستضعفین فی الارض
غیر قادرین مما کسبتم علی شیءٍ ھی الاسلام فسائر الناس لا ینفقون حبۃ مثل ھٰذا فی سبیل اللہ
وھم لا یخذلون ۞ افحجکم وھجرتکم فی اواخر عمرکم الی مکۃ للفلاح ھی الاسلام فاکثر الناس
فی الارض لم یسمعوا اسم مکتکم قط وھم مفلحون ۞ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۳:۱۶۹) ۞

فما الفطرت التی فطر الله النّاس علیها ۔ وما الذی بُنی علیه الاسلام لو کنتم تعلمون ۞ وما صلّی
الانبیاء من قبلکم صلوٰة مثل ما انتم علیه ۔ ولا صاموا صوماً علیٰ نحجکم فی شهر رمضان ۔ ولا انفقوا
مثل ما انفقتم ۔ ولا ارتحلوا من دیارهم الیٰ مکة لیقضوا مناسکهم ۔ ولا انشدوا کلماتکم الشّهادة
العربیة ۔ ولا تحتسوا او تأزّروا مثل ما انتم تفعلون اصلاً ۔ ولکنّنی اقسم بربّ السّماء والارض انّهم
کانوا من عباد الله المؤمنین المسلمین ۞ وما کانت الامم التی اتّبعتهم الّا اُمماً مُسلمة من دونکم
ومن دون العٰلمین ۞ ولا شکّ فی انّ اسلامهم کان مبنیاً علیٰ ارکان من دون ما انتم تظنّون ۞
فلا اقسم بالله العلیّ العظیم ۞ ما بُنی الاسلام علیٰ ما انتم تزعمون ۞ وما کلمة الشّهادة و
الصّوم والصّلوٰة والحجّ والزّکوٰة التی تسمّونها **ارکان** الاسلام الّا **شعائر** الاُمّة المحمّدیة
او مناسکها التی تتمیّز بها امّتکم من الامم الاخریٰ ۔ ولکنّه ما اُسّس الاسلام علیها قطّ ۔ ولا هی فطرت
الله التی فطر النّاس علیها ۔ ولا هی ما یولد علیها ولدٌ ۔ ولا ما تفلح به اممٌ ۔ ولا ما ذکرّ الله به العٰلمین ۞
ولا ما وُصّی به النّبیّون ۞ بل ضرب الله فی القران عن تعیین کلمة الشّهادة والفاظها ۔ وتفصیل
ارکان الصّلوٰة ورکعاتها ۔ وعدّتها واوقاتها ۔ وتقدیر انفاق المال والزّکوٰة ۔ وتبیین مناسک الحجّ
الّا ما شاء ۔ وترک کلّ هذه للنّبیّ العربیّ لینفذها فی امّته انّیٰ یشاء ۔ الّا انّه صار اُمّتنا کرّة بعد مرّة
واکرهنا مراراً علیٰ هذه الشّعائر نظراً علیٰ اصلاح اعمالنا وتشکیل اخلاقنا فی هذه الدّنیا ۔ ولادخال
الایمان فی قلوبنا ۔ ولنکون ما اراد الله بنا ۔ ولنکون من المفلحین ۞ فلا والله ما هو الّا انّه قد بُنی
الاسلام علیٰ عشرة اصول (١) **التّوحید فی العمل دون القول** (٢) و **وحدة
الامّة** (٣) و **اطاعة اولی الامر منکم** (٤) و **الجهاد بالمال مع الاعداء**
(٥) و **الجهاد بالسّیف وبالانفس** (٦) و **الهجرة الی البلاد** وهجر کلّ ما یشغلکم عن السّعی
(٧) و **الاستقامة فی السّعی** مع التّوکل فی النّتائج (٨) و **مکارم الاخلاق** (٩) والعلم

(١٠) و **الایمان بالآخرۃ** لو کنتم تعلمون ۔ ومن اتبع ھذہ العشرۃ علماً ومعناً فاولٰئک ھم المسلمون ۔

وکل واحد من ھذہ العشرۃ المبشرۃ الکاملۃ من اصول الاسلام یتفرع من الاصل الاول اعنی التوحید

فی العمل کما یاتی ۔ وکل اوامر القرآن ونواھیہ یتفرع من ھذہ الاصول ویؤیدھا کما یاتی ۔ وکل ما بنی

علیہ الاسلام یوجد فی التوحید ویھدی العامل الی الغلبۃ والامن والتمکن فی الارض والاستخلاف فیھا

وکل ھذہ ھی الفطرت التی فطر الناس علیھا ۔ فمن اطاع اللہ حق اطاعتہ فی ھذہ الامور وجد اجرہ من

عند ربہ فی الدنیا ۔ ومن عصاہ اوبغی علیہ لاقی عذابہ فیھا ۔ وکل ھذہ ھو ما وصّی بہ النبیون من قبل

الا انھم اوتوا اجزءً ونبذاً منہ حتی اکمل اللہ دینہ واتم شریعتہ واسبغ نعمتہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ

والسلام ۔ وما کلمۃ الشھادۃ والصوم والصلوٰۃ والحج والزکوٰۃ التی تسمی فینا ارکان الاسلام بشئ الا

اسلحۃ ووسائل لاجراء ھذہ الاصول فی امتنا ولاستمساک بالذی اوحی اللہ الینا ۔ فما **کلمۃ**

الشھادۃ الا مظھر التوحید فی العمل المصداق ما فی قلب الانسان ۔ وما **الصوم** الا جھاد بالانفس

والاحتساب علیھا ۔ وما **الصلوٰۃ** الا توحید الامۃ واطاعۃ الامام ۔ وما **الزکوٰۃ** الا الجھاد بالمال

وما **الحج** الا اظھار وحدۃ الامۃ ۔ وکل ھذہ من ارکان الاسلام نصبت لتاسیس الجماعۃ ولتوحیدھا

وتقویتھا نظراً الی استقلالھا فی الارض واستخلافھا فیھا ۔ وما ھذہ العشرۃ من اصول الاسلام

الا روح من امرہ تعالی ای قانونہ کما قال: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ

تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲:۵۲) ۞ فما ھذہ الارکان الا مناسک الامۃ وظواھر الایمان وما ھی باصل الدین

قط بل فروع من امرہ ۔ بل مستخرجۃ منہ ۔ ولذلک قال اللہ عزوجل لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا

هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲:۶۷) ۞ فجعل

اللہ لکل امۃ طریقۃ عبادۃ ربھا واسلوب التعبد بقانونھا ۔ فلتستمسک کل امۃ بھذہ الطریقۃ

وتداوم عليها * ولكن **امره** وقانونه شیٔ اخر * يستوى فى كل الامم * فمهما تستمسك أمة بامره واياما تاخذه فسوآءٌ عليه فهو يؤدّى اليهم اجورهم بقدر سعيهم ويوفّى حسابهم * فيجب على الناس ان لا يتنازعوا بينهم فى الامر * فالنزاع فى الامر هو ما ينافى الاسلام وينافض دينه تعالىٰ * والنزاع فى المناسك هو الذى يفرّق بين الاقوام لا بين افرادهم * ولا يعذّب الله قومًا حتّٰى تنازعوا فى الامر وضلوا عن سبيله المستقيم ❋ وان امة من الامم استمسكت بمناسكها ثم توغّلت فيها معرضة عن مقاصدها المهمّة التى تخفى فيها واخلّت بامره تعالىٰ واهملته او تنازعت فيه فلا شكّ فى انها قد ضلّت عن سبيله ووجب عليها العذاب كما وجب على المسلمين المعاصرين الذين قالوا ما الاسلامُ الّا اقامة الصلوٰة وايتاء الزكوٰة والصوم والحجّ واقراره تعالىٰ باللّسان * فما كان لنا ان نؤمن بما سوٰيها * كتب الله علينا هٰذه الخمسة * وما نحن الّا من المفلحين ❋ وما هو الّا انّه قد غاب اصل الدّين عنهم * وغوّرت حقيقته * ولمسوا سطحه وظاهره * وصرفوا عن مُخّه وباطنه * اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (٢: ٨٥) ❋

ولا شكّ فى انّ هٰذه العشرة من اصول الاسلام وما يليها من الاوامر فى القراٰن هى **الفطرة** لانّه فى اىّ ارض تجدوها واىّ قوم يتّبعها فهم لا يزالون ينتفعون منها * يُرفعون بها من مقام الى مقام حتّٰى يمكّنهم الله من الارض ويغلّبهم ويبدّل خوفهم امنًا * فالّذين جاهدوا فى هٰذه الاصول حقّ جهادها * وبلغوا اشدّ مبلغهم فيها * وسعوا فيها ما استطاعوا * ولم يتزلزلوا عنها * فاولٰئك هم المفلحون ❋ واولٰئك هم **المؤمنون المسلمون** ❋ وقد استنبط الحكماء من المغرب كلّ هٰذا الاسلام من دراسة احوال الطبيعة وعوائد المخلوقات السّفليّة * ومن مطالعة ما يماثل ويشاكل بين مجامع الناس واُمم الطيور والدّوآبّ * اشار الله اليه فى الاٰيٰت التى تقدّم ذكرها†

† ولينظر القارى الى صفحة ٣٩ من هٰذه الافتتاحية *

بجدّ مالم يتقدّم عليهم احد من حكماء القرون الخالية • ففتّشوا مواليد الارض ونوّروا طبقاتها الباقية ومخلوقاتها البالية والرّكازات والمتحجّرات • ودرسوا غيرها من العلم وحقائق الاشياء وتاريخ الامم الخالية • فاستقصوا فيها واستقرءوا انّه ماهو الاٰن نظام كلّ العالم الّا مبنيّ على السّعي والعمل و الجدّ والجهد • والنّظم والنّسق • وانّه لا يفلح فيها احدٌ الّا من اصلح • ولا يصلح الّا من حفظ نفسه من كلّ الاعداء والبليّات والحوادث والنّوائب • واعدّ لها ما استطاع من قوّةٍ ونظمٍ وعلمٍ ثمّ استقام السّعي واستدام في تقدّمه • فانّه ليس للانسان في هٰذه الدّنيا الّا ما سعیٰ له سعياً بليغاً • فالسّعي والتّقدّم وحفاظة النّفس هي المنتهیٰ في الدّنيا • وانّما يوفّى النّاس اجر هذا السّعي في العقبیٰ • فلا بدّ للانسان اذا اراد ان يبتغي وجه الله من ان يجهد هٰهنا جهداً متتابعاً لتقوية قومه وتزكية نفسه • فما هذه الارض الّا مصرعٌ للابطال ومقتل للشّجعاء ليصرع بعضهم بعضاً في المجادلة للحياة والتّنازع للبقاء • وليحفظوا انفسهم من تطاول الاعداء • و ليكفّوا ايدي النّاس عنهم فيكونوا في زمرة الاحياء • وانّه لا يبلغ قوم عندهم هٰذا المقام الحصين حتّی يزكّوا قلوبهم من رجز الاوثان • وعبادة الاصنام • وحبّ الحيٰوة الدّنيا • والشّغف بالمال والاولاد والمساكن وغيرها من الاوثان الّتي تشغلهم عن السّعي والعمل والجدّ والجهد • وما هٰذه الّا اقرار التّوحيد في الاعمال • واشعار القلوب بالحاكم المتعال • والاعراض عن الطّاغوت والدّجّال • وهٰذا ما اسّس عليه اصلاح الانسان عندهم • وما بُني عليه كلّ اصولهم • ويوجد فيه معظم سياستهم • وهٰذا ما عُرّف به الصّلاح والارتقاء عندهم • واساس الابقاء في علمهم • فمن عرف هذا فقد عرف سرّ الحيٰوة والممات • واكتشف له حقيقة الفناء والبقاء في الدّنيا • ومن اعرض عنه فقد هلك بل استهلك واستمات • وما هٰذه التّزكية الّا تهيئ للصّلاح وتمهيد • فقد افلح من تزكّٰی (۸۷:۱۴) عندهم كما قال الله عزّ وجلّ • ولكنّه لا يفلح قوم في علمهم حتّی ينظّموا انفسهم ويوحّدوا ويالفوا بين

قلوبہم بھذہ التزکیۃ * ویعتصموا بنظم وقانون * ویطیعوا امیرھم بحدّ استطاعتھم * ولا یصلح

قومٌ فی اصطلاحہم حتی یجاھدوا باموالھم وانفسھم لتکفیف اعدآئہم عنہم * وحتّٰی یعدّوا لھم

ما استطاعوا من قوۃٍ واسلحۃ * ویھاجروا من مُلکٍ الی مُلکٍ لامضاء حکمہم علی النّاس وتقویۃ

امرھم وجماعتہم * وحفظ نفوسہم عند الضُعف * وتقذیف رعبہم فی الاعداء * وتحصین عزّتہم

وغلبتہم * وتمکینہم من الارض * ولا یستأھل ھٰذا المقام قومٌ اصلاً فی ھٰذہ الدنیا حتّٰی استقاموا

فی سعیہم وسعوا لحصولہا سعیًا متتابعًا لیلاً ونہارًا * وداموا مادامواْ فی الارض فاولٰئک ھم المفلحون

ولا شکّ فی ان کلّ ھٰذا ھو ممّا یفعل الوحوش والطیور والدوآبّ والانعام وغیرھا من المخلوق السّفلی

فی مساکنہا بقدر استطاعتہا وحدّ امکانہا وھم الذین یسجدون لسنّۃ اللہ وللاصول التی ودّع اللہ

فی جبلّتہم وخمّر فی طینتہم بل اوحٰی فی خلقہم * فانّہم یدافعون عن انفسہم الاعداء حین الباس ویتّخذون

بیوتًا من الجبال لیحفظوا انفسہم ویجاھدون ویہاجرون فی دیارھم ویسعون سعیًا متواترًا لیخرجوا

اعدآئہم من الارض ولیحرّموھا علیہم حتی الانسان * ولیستخلفوا انفسہم فیہا علی ارث من اللہ * ولیتسلّطوا

علی صعیدھا وجرزھا وسہلہا وصخرھا * وعلی ما فوق الارض ما تحت السّمآء * وعلی سطح البحور وفی قعورھا

علی کرہٍ منہ * ویتخطّفون اعدآئہم خطفۃً کاملۃً فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ (۹: ۱۱۱) لیحفظوا انفسہم * ویقاتلون

اعدآئہم کافّۃً حیث وجدوھم * ویقتلونہم جمیعًا حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ (۸: ۳۹)

ان کانوا قادرین ❁ ولا شکّ فی ان کلّ ھٰذا الدّرس والوحی من اللہ فانّہ علّمہم ولم یعلّمہم احدٌ غیرہ

ولم یقدر علی تسویۃ خلقہم او یحُطّ علی فعالھم سواہ * ولا شکّ فی انّہم لہ ساجدون ❁ ولذلک

قال اللہ فیہم وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ یَخَافُوْنَ

رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۱۶: ۴۹-۵۰) ❁ فھٰذہ سجودھم ورکوعہم لربّ العٰلمین ❁ و

ھٰذہ ما یؤمرون بہا وھٰذہ ما یفعلون ❁ ومن ذٰلک قال اللہ فی احدھم وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ

اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ۝ ثم کلی من کل الثمرت **فاسلکی سبل ربك ذللا** یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذلك لایة لقوم یتفکرون (١٦: ٦٨-٦٩) ❋ احفظی نفسك یا عبدة الله وبیتك من الاعداء * وان احد اراد ان یخرجك منه فاهجمی علیه * واقطعی ابره * واسعی سعیا بلیغا لما امرك الله فی الحفظ والامن وافعلی ما تؤمرین ❋ فهذا صراط ربکم **مستقیما** فی هذه الدنیا * وهذا **سجود** ما فی السموت وما فی الارض من دآبة والملئکة له ومن فی الارض من الانسان لا یسجد له ولا یطیعه فسحقا للکفرین ❋ وهذا **صلوٰة** الدوآب و **تسبیح** الطیور لله ربکم فاطر الجبال وفاطر الصخور * والنجم والشجر یسجدن (٥٥: ٦) له لو کنتم تعلمون ❋ ویسبح الرعد بحمده والملئکة من خیفته (١٣: ١٣) * والشمس والقمر والارض له یعبدون ❋ الم تر ان الله یسبح له من فی السموت والارض والطیر صفت کل قد علم **صلاته وتسبیحه** والله علیم بما یفعلون (٢٤: ٤١) * ولله ملك السموت والارض (٢٤: ٤٢) والی الله ترجعون ❋ تسبح له السموت السبع والارض ومن فیهن وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون **تسبیحهم** (١٧: ٤٤) فبای حدیث بعده تؤمنون ❋ فیا ایها المسلمون المستکبرون المعاصرون ! الذین یزعمون انهم لربهم لساجدون ❋ وانهم هم المصلون * فی الارض من دون العلمین ❋ ویظنون انهم بحمده مسبحون * "وقلیلا من الیل ما یهجعون † وبالاسحار هم یستغفرون" (٥١: ١٧-١٨) * **هذا** ما عنی الله بسجودکم وصلوتکم * وهذا تسبیح مخلوقه غیرکم بل **کیفیة** ما یرید الله ان تختروا لکم فما یرید الله منکم من شیء الا ان تعتوا فی الارض طائعین ❋ ساجدین لحکمه وقانونه فنعم اجر العملین (٣٩: ٧٤) ❋ وان تتخذوا من الجبال والقلاع والحصون بیوتا لکم لتحفظوا انفسکم من اعدائکم ولتکونوا من الغالبین ❋ وان تجاهدوا فی هذه الارض حق جهادکم وحد وسعکم واشد مبلغکم لتمتنوا

† ای لا ینامون الا قلیلا من اللیل لکونهم مسبحین بالعشی ومعتکفین فی المساجد". هذا ما عنی المسلمون المعاصرون بهذه الایة بل بقوله تعالی تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا وطمعا (٣٢: ١٦) وقد مر شرحه علی صفحة ٣٦ من هذه الافتتاحیة وسیاتی شرح الایة (٥١: ١٧) علی صفحة ٦٧ منها یبین لکم انه ما عنی الله بها الاعتکاف او الرهبانیة بل السعی والعمل بالعشی والابکار لتقویة القوم کما قد مر شرح قوله تعالی علی صفحة ٣٦ جزاء بما کانوا یعملون (٣٢: ١٧) وقوله نزلا بما کانوا یعملون (٣٢: ١٩) علی صفحة ٣٦ ایضا ‡

فی مناکبها امنین ✽ وتنظموا قُواکم وتوحّدوا انفسکم وتألّفوا بین قلوبکم کالنّحل ولتسلکوا سُبُل

ربّکم مذلّلین ✽ وان لا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا فَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (۸: ۴۶) انّه یحبّ القوّامین المعززین ✽

وان تخافوا ربّکم من فوقکم کالدّوآبّ وتفعلوا ما انتم تؤمرون ✽ وتجاهدوا اعدآئکم وتغلظوا علیهم†

کالجبّارین المقهّرین ✽ وان تاخذوا حِذْرَكُمْ† کالنّحل والعنکبوت والدّوآبّ والطّیر والبعوضة

التی لا یستحیی‡ الله ان یضرب لکم مثلها وما فوقها فتنفروا‡ ثبات او تنفروا مجموعین ✽ عُبیداتٌ لله اولات

باس فهنّ اللّاتی لا ینقضن عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ (۲: ۲۷) من اوّل یوم ولا یقطعن مَآ اَمَرَ اللهُ بِهٖ

اَنْ يُّوْصَلَ (۲: ۲۷) ولا فی الارض یفسدن ومن ینقض عهده من بعد میثاقه فاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

(۲: ۲۷) ✽ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (۲۴: ۴۱) من اوّل یوم خُلق وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(۱۷: ۴۴) مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (۲۳: ۶۷) ✽ لا یقیمون صلوتهم کسالٰی * فَتَبٰرَكَ اللهُ اَحْسَنُ

الْخٰلِقِيْنَ (۲۳: ۱۴) ✽ فوالله ما یرید ربّکم من صلوتکم وتسبیحکم من شیء الّا ان تصلّوا کالصّواعق

وتسبّحوا کالرّعد بحمده مهلّلین ✽ لتصیبوا به من تشاؤن وما تشتهون ✽ وتطئوا الارض وطأة

الغُلّاب المعذّبین ✽ وان لا تغنّوا فی زوایاکم معتکفین ✽ مزمّلین من الذّل والعجز کالمساکین ✽

وان تسجدوا کالنّجم مبیّتین ومصبحین ✽ وتسجدوا الاحکامه کالشّمس والقمر بحسبانٍ تابعین ✽

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶: ۴۰) ✽ وان

تجروا لمستقرّ لکم قادرین مقدّرین ✽ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ

(۳۶: ۳۸) ✽ وما یرید الله اصلًا من سجودکم من شیء الّا ان تطیعوه عابدین ✽ کالنّجم بمیزان

† الاشارة الی قوله تعالٰی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۹: ۷۳)۔ فیصهد من هٰذه الاٰیة انّ الغلظة علی الاعداء هی ما یتوقّع الله عزّ وجلّ من عباده لیحفظوا انفسهم منهم ۱۲ † کما قال الله عزّ وجلّ فی القراٰن الحکیم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (۴: ۷۱)۔ وقال فی موضع اٰخر توکیدًا: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (۴: ۱۰۲)۔ فلیتفکّر القاری فی هٰذه الاٰیة اشدّ تفکّر کانّ الله اکره المسلمین فیما علی اخذ اسلحتهم کرّة بعد مرّة ۱۲ ‡ الاشارة الی قوله تعالٰی اِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً الخ (۲: ۲۶-۲۷) وقد بیّنت هٰهنا ما عنی الله بهٰذا القول الشّهیر ۱۲ ‡ الاشارة الی قوله (۵: ۵۵)

مستقیم* والطیر صٰفّٰت مبتغین ❀ والشجر من الاصل الی الفرع منظّمین ❀ کخلیاتہ ملحقین ❀
لامر ربّهم ساجدین ❀ فاعلین بل فعّالین ❀ جاذبین میاههم من الارض فمقتسمین ❀ وبالنهر
مستسقین ❀ مسامحین بینهم بل متطاوعین ❀ مصالحین بل متوافقین ❀ ثم المونعون
المثمرون ❀ فضاحکون وآمنون ❀ لانهم کانوا لا یَنقُضُونَ عَهدَ اللهِ مِن بَعدِ مِیثَاقِهٖ (۲: ۲۷) ولا
یَقطَعُونَ مَآ اَمَرَ اللهُ بِهٖٓ اَن یُّوصَلَ (۲: ۲۷) ولا یفسدون ❀ رفع الله فوقهم بمیثاقه الجبل العظیم ❀
فما هم عن وزره بمعرضین ❀ اٰخِذِینَ مَآ اٰتٰهُم رَبُّهُم† (۵۱: ۱۶) بقوّة وذاکرین ما فیه لعلهم یغلبون❀
ومن اطاع واصلح فاولٰٓئك من الصّٰلحین ❀ واولٰٓئك من الذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون ❀
فی جنّٰت الارض وعیون ❀ علی رغم العادین ❀ لانهم کانوا عابدین ❀ وَلَقَد کَتَبنَا فِی الزَّبُورِ مِن
بَعدِ الذِّکرِ اَنَّ الاَرضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُونَ ۝ اِنَّ فِی هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَومٍ عٰبِدِینَ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۶) ❀ فمن
تنظّم وتطوّع فاولٰٓئك هم العابدون ❀ واولٰٓئك هم السّاجدون ❀ والمصلّون ❀ والمسبّحون ❀
وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ (۵۱: ۵۶) ❀ فالعابدون هم الطّائعون الفاعلون ❀ الذین
هم فی صلوٰتهم مواحدون ❀ وَالَّذِینَ هُم عَلٰی صَلَوٰتِهِم یُحَافِظُونَ (۲۳: ۹) ❀ ویسامحون و
یرابطون ❀ والذین یجهدون فی تقویة جماعتهم مبیتین ومصبحین ❀ یخافون عذاب ربهم من
فوقهم ویطمعون ان یکونوا من الغالبین ❀ تَتَجَافٰی جُنُوبُهُم عَنِ المَضَاجِعِ یَدعُونَ رَبَّهُم خَوفًا وَّ
طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقنٰهُم یُنفِقُونَ ۝ فَلَا تَعلَمُ نَفسٌ مَّآ اُخفِیَ لَهُم مِّن قُرَّةِ اَعیُنٍ جَزَآءً بِمَا کَانُوا
یَعمَلُونَ (۳۲: ۱۶-۱۷) ❀ افعلمتم ما فی هٰذه الارض من قرّة اعین للمتقین المصلّین ❀ اِنَّ المُتَّقِینَ
فِی جَنّٰتٍ وَّعُیُونٍ اٰخِذِینَ مَآ اٰتٰهُم رَبُّهُم‡ اِنَّهُم کَانُوا قَبلَ ذٰلِكَ مُحسِنِینَ ۝ کَانُوا قَلِیلًا مِّنَ الَّیلِ مَا
یَهجَعُونَ ۝ وَبِالاَسحَارِ هُم یَستَغفِرُونَ (۵۱: ۱۵-۱۸) ❀ والموسعة قلوبهم فهم الذین لا یمنعون

† الاشارة الی قوله عزّوجل وَاِذ اَخَذنَا مِیثَاقَکُم وَرَفَعنَا فَوقَکُمُ الطُّورَ خُذُوا مَآ اٰتَینٰکُم بِقُوَّةٍ (۲: ۶۳) و (۲: ۹۳) ای حُمّل علیهم التوراة التی اعطاها الله علی جبل الطور فحمّلهم الله الوزر العظیم بمیثاقه بل رفع فوق رءوسهم جبلا عظیمًا به لیاخذوه بقوّة ویشهد علی هٰذه المعانی قوله وَرَفَعنَا فَوقَهُمُ الطُّورَ بِمِیثَاقِهِم وَقُلنَا لَهُمُ ادخُلُوا البَابَ سُجَّدًا وَّقُلنَا لَهُم لَا تَعدُوا فِی السَّبتِ وَاَخَذنَا مِنهُم مِّیثَاقًا غَلِیظًا (۴: ۱۵۴) فما کان میثاقهم الا کجبل رُفع فوقهم ۱۲

ما يستطيعون ❁ ونسيتم صلوتكم ايها الضالون المتشرعون! ❁ تركعون وتسجدون لبريكم الناس وانتم لربكم لا تسجدون ❁ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (١٠٧: ٤-٧) ❁ فهل انبئكم بما الصلوة فى قرانكم ايها الساهون ❁ الصلوة هى التى تنهكم عن فحشاء البخل ومنكر النفاق وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ (٢٩: ٤٥) ❁ فوالله إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ (٧٠: ١٩-٢٣) ❁ المداومون وحدتهم والموسعون عطاياهم للسائلين والمحرومين ❁ الذين ان تقضوا حاجاتهم فتنفعوا جماعتكم وتكونوا من الغالبين ❁ لا الذين يسئلون الناس ملحفين ❁ فما الصلوة بما انتم تزعمون ❁ ما هى الا النظم والنسق ووحدة الامة واطاعة الامير وتاليف القلوب وحفاظة النفس والجهاد والغلظة على الاعداء والحسبان والميزان لوكنتم تعلمون ❁ والتمكين من بر الارض وبحرها كالدواب ومن جو السماء كالطيور ومن تحت البحر كالحيتان فما لكم لا تصلون ولا تفلحون ❁ والمغربيون كلهم قد علموا صلاتهم وخطفوا الارض من فوقها ومن تحتها واتخذوا بيوتا من سهلها وصخرها ❁ وبنوا مساكن ومراكب فى برها وبحرها ليسبحوا لله ويحمدوه وهم الذين هدوا الى الصراط المستقيم ❁ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (١: ٦-٧) ❁ وما علمتم ما الصراط المستقيم ايها الجاهلون ❁ وقد قال الله لكم فى الكتاب المبين ❁ فى موسى وهرون ❁ اللذان ابعثنا قومهما على مقام امين ❁ واورثهم جنت الارض وعيون ❁ التى تركوها قوم اخرون ❁ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۝ وَهَدَيْنَاهُمَا

❁ الاشارة الى قوله تعالى اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ (٢٩: ٤٥) وقد بينت فى كتاب التذكرة على صفحات ١٤٥-١٥١ (تحت المتن) ان الله عنى بلفظ المنكر النفاق والتفريق فى الامة وعلى صفحات ٢٠٦-٢٠٩ (تحت المتن) منه الله عنى بلفظ الفحشاء البخل فى انفاق المال والمشاحة وضيقة القلوب وغيرها من السيئات التى تمنع الرجال عن الملاطفة والموانسة والمواخاة بينهم ❁ ولا شك فى ان الصلوة فى المساجد المخالطة التى اراد الله بها والملاقاة بين المصلين هى التى تنهى الرجال عن التفريق والتخريب بل توسع قلوبهم وتلينها وليبنظر القارى الى صفحات ٥١-٥٢ من كتاب التذكرة للتشريح المزيل ❁ ❁ سياتى تفصيل ما عنى الله بهذا على صفحات ١٢٩ الخ من هذه الافتتاحية ❁

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ٭ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ٭ سَلَامٌ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ ٭ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِينَ ٭ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ٭ (٣٧: ١١٤-١٢٢) ٭ وان كان التسبيح تكرار كم اسمائه على
سبح ايها الجهلون! ٥ فما استعمل رسولكم هذا السلاح العجيب الغريب في حياته قط ليكون من
المفلحين ٭ فما لكم لا تتدبرون وتجهلون ٭ وتحرفون مقاصد كتاب الله فتخذلون ٭

وعلى كل ما نفقه العلماء الطبعيون والحكماء الغربيون من تسبيح الطيور والدواب والملئكة
وصلوة الاشياء وحمدها وخيفتها وركوعها وسجودها وعلى كل ما تفكروا في قانون غير محول الذي
يسري بين اشياء الفطرة سراية تامة فقد ذهبوا الى ان دراسة اشياء الطبيعة ومخلوقاتها وحقائقها وعوائدها
لا تخلوا عن النقائص والعيوب لان الاصول والفروع التي تخرج من هذه المطالعة او تصدر من
دراسة حقائق الاشياء لا تطابق في اكثر الاحوال بعوائد الانسان وفطرته ولذلك لا يجوز للانسان
ان يتبعها اتباعاً تاماً ومن هذا اعترف الغربيون بان مبلغهم من العلم الذي دونوه في كتبهم
لا يكاد يحتوي على ما يكفي الانسان لفلاحه وبقاء نسله وتدوير قوته وتمكينه من الارض فصرفوا
عن هذا السبيل ليكملوا علمهم بدراسة احوال التواريخ واسباب ارتقاء الاقوام وبمطالعة السياسيات
الخالية وسياسة المدن المتمدنة الماضية وبالخوض في آثار الصناديد واحوال الامم وتدوين
اصولها في المعاش وتبيين فهرس الاعداد وغيرها من علوم التواريخ التي اشار الله اليها في قوله
إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ٭ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ٭ (٢٩: ٣٤-٣٥) فلا شك في انهم صاروا من قوم يعقلون سنته ويفقهون عادته بل صاروا
من المفلحين ٭ ونظراً الى كل ما تقدم من اجتهادهم في اشياء الفطرة ومبلغهم من عادة الله استقصائهم
في قانونه واستقرائهم سنته القول الحق الذي لا يشك فيه هو ان كل هذه ما ذهب اليها الغرب من

٭ فيحصل من هذه الآيات الجليلة انه من فعل مثل ما فعل موسى وهرون عليهما السلام بقومهما فقد سلك "الصراط المستقيم" وهو الذي عبد ربه حق عبادته بل آمن
به حق ايمانه لانه سماها "عبادنا المؤمنين"، فما العبادة الا سلوككم سبل ربه واتباعكم قانونه لتفلحوا انفسكم في الدنيا ولتكونوا فيها من الغلبين. وما اختص عز وجل قط
في اي موضع في القرآن "صراط مستقيم" بالالف واللام الا في هذا الموضع (صرفاً عما قال في سورة الفاتحة) ولذلك ما قصد الله من قوله اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ٭ بمراط (الباقي)

اصول الاسلام بل دینه تعالیٰ بل فطرت الله التی فطر النّاس علیها والدّین الّذی وصّی به النّبیّون لانّهم افلحوا بذا القانون واصلحوا بالهم بذا المسنون فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۷: ۳۵) * واِمّا الاختلاف بین القراٰن وبینهم فی اسالیب نفاذها وطریق اتّباعها فهو من الفروع لیس باصل الدّین ولذٰلک یجزیهم الله بما کسبوا ویستخلفهم فی الارض ویمکّن لهم دینهم الّذی ارتضٰی لهم (۲۴: ۵۵) اِنَّ اللهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (۹: ۱۲۰) * فیا من تجهلون ولا تعقلون ! ۝ انبئونی بما استنبطتم من القراٰن العظیم * وما القانون المتّفق علیه الّذی استخرجتم منه فانتم له تسجدون * استنبطتم من القراٰن انّه من اعترف بلسانه بانّ الله خالق السّمٰوٰت والارض فهو المسلم عنده وهو الّذی دخل فی دینه ۝ او اٰمن بتوحیده تعالیٰ ۝ فلا شکّ فی انّ کثیرًا من العرب قبل ظهور الاسلام والاعراب والنّصارٰی والیهود والمنٰفقین وغیرهم من معاصری النّبیّ اکثرهم کانوا یقرّون بلسانهم انّه خالق السّمٰوٰت والارض وما کادوا یعتقدون بعقیدة غیرها لو کنتم تعلمون * فلذٰلک قال الله فیهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۱: ۲۵) * فما کان قولهم من دون العلم والیقین الّا ما انتم تقولون الاٰن بافواهکم بغیر علم ۝ فلما لا ادخلهم الله فی زمرة المسلمین بل سمّاهم المشرکین * ولا شکّ فی انّ اکثرهم کانوا یقولون انّه سخّر الشّمس والقمر کما تافکون بالسنتکم لانّه قال فیهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ۝ (۲۹: ۶۱) * ولا شکّ فی انّهم کانوا یعتقدون بافواههم بغیر تعقّل وعلم انّ الله منزّل الماء من السّماء ۝ وانّه هو یحیی الارض بعد موتها کما تعتقدون الاٰن ۝ فانّه قال فیهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ

فی انّ العلم یصدّ من التّوحید و یولج فیه ـ

(البقیة من صفحة ٦٥) اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝ (۱: ۵ ـ ۶) الافلاح القوم ونعمة الغلبة فی الدّنیا ولذٰلک عنی بالْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ و الضَّآلِّیْنَ الّذین هلکوا من فقدان حکمهم فی الدّنیا وقد بیّنت ما عنی الله بلفظ نعمة فی کتاب التّذکرة علی صفحات (۲۱۰ ـ ۲۲۳) فلیرجع القاری الیها للتّشریح المزید + وسیاتی تفصیل ما صراط مستقیم بل ما الصّراط المستقیم علی صفحات (۱۲۹ ـ ۱۳۸) من هذه الافتتاحیة یبیّن لکم ما الاعمال الّتی تلزم الانسان منه فالمراد ههنا هو انّ الصّلوٰة هی الّتی قد یکمل الی (الباقی)

مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (۲۹: ۶۳) ✻ ولاشك فی ان کثیرا منهم کانوا یقرون بالسنتهم اوصافه تعالیٰ واسمائه کما تکررونها الان لیلاً و نهاراً ○ فانه قال وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ○ (۴۳: ۹) ✻ ولاشك فی ان معاصری النبیّ اکثرهم کانوا یعترفون بان الله خلقهم من دون الشمس و القمر و السمٰوٰت والارض کما تعترفون وتلاسنون بینکم وتافکون باقوالکم فی زماننا هذا کرّة بعد مرّة ○ لانه قال وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (۴۳: ۸۷) ✻ فان کان التوحید قولکم بافواهکم او افککم بالسنتکم انه خالق السمٰوٰت والارض او خالقکم ○ او خالق الشمس والقمر ○ او منزّل الماء من السماء ○ وان لم یدخل فی هذا الاقرار علم خلقه و تعقّل ملکوته ○ وتدبّر سمٰوٰته وارضه ○ ومعرفته بدراسة اعماله ○ وتفتیش سنته وعادته بالتفکر فی مخلوقاته ○ فلِما لا سمّی الله معاصری النبیّ المسلمین الموحدین ○ ولِما سمّاهم المشرکین الکافرین ✻ بل لای شیٔ ارسل الرسول لیهدیهم ○ ولِما قال فیهم علیٰ اقرارهم باللسان بکونه خالقاً بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۳۱: ۲۵) وبَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (۲۹: ۶۳) ✻ ولای شیٔ فاخر و تفخر ○ و فخر و تفخر ○ بل فخر نفسه علیٰ سائر الخلائق الکاذبة وقال أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ (۳۵: ۴۰) ○ وقال هٰذَا خَلْقُ اللهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ (۳۱: ۱۱) ○ وقال ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ○ (۳۴: ۲۲) ○ بل لای شیٔ استکبر وتکابر فی سمائه وارضه وقال وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ○ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ○ (۵۱: ۴۷-۴۸) ✻ ولای شیٔ استدل الرسول بل دلکم علیٰ مخلوقه لمعرفته ○ واشهدکم علیٰ خلقه لتحصیل قربه و ذکره وقال وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

(البقیة من صفحة ٦٦) الصراط المستقیم والصراط هو الذی یغلبکم فی الدنیا فلیتدبر القاری هذه الآیات اشد تدبر +

✻ فیصدق من کل هذه الآیات ان معاصری النبیّ کلهم او اکثرهم من اهل الکتب و الکفار وغیرهم کانوا یعتقدون بالسنتهم بالله کما یعتقد المسلمون فی زماننا هذا ولکنه صلعم جاءهم لیبشرهم علمه تعالیٰ فیهم ولیتدبروا من هو وما قدرته وعظمته جلاله وحکمته بل لیصدقوا ایمانهم بالله بالجهد فی سبیله باطاعة احکامه فالحق ان القول بیس بشیٔ وما تصدق الله من الایمان الاقوال فقط +

تذكرون ففروا الى الله اني لكم منه نذير مبين ۰ ولا تجعلوا مع الله الها آخر اني لكم منه نذير مبين ۰ (٥١ : ٤٩ - ٥١) * وان كان التوحيد اقراركم بالسنتكم انه احد او خالق كل شيء * او عزيز فوق كل ذی عزة * او عليم فوق كل ذی علم كما قال الكفار فی عهد النبی * وان لم يشتمل عليه تعبده فی العمل * وطاعة امره * واتباع قانونه * وشدة حبه * وترك ما سواه * وان لم ينافه اتخاذكم اربابا من دونه عملا ومعنا * وعبادتكم اولياءكم وكبراءكم * وتوغلكم فی حكامكم واعزاءكم * وعبادة الشهوات واللذات * والشغف بالمال والاولاد * والاعتناء بكل ما يعجبكم او يشغلكم عن احكام الله * واوثان القلوب التی تعبدونها من دون الله * والتی كان الكفار يعبدونها قبلكم * فلما لا اصبر الله على اقوالهم الظاهرة * ولما سماها افك وقال فانی يؤفكون ۰ (٤٣ : ٨٧) * وهو الذی قال فيهم ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله قل افرءيتم ما تدعون من دون الله ان ارادنی الله بضر هل هن كشفت ضره او ارادنی برحمة هل هن ممسكت رحمته قل حسبی الله عليه يتوكل المتوكلون ۰ (٣٩ : ٣٨) * وان كان التوحيد كله لفظيا فلما لا ادخل الله اليهود فی زمرة المسلمين واكثرهم كانوا يعتقدون بالله لفظا * الا قليل منهم قالوا عزير ابن الله (٩ : ٣٠) بافواههم * ولما قال فيهم انهم اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله (٩ : ٣١) * ولم يسمهم احد اربابه بلسانه * فتدبروا ان انتم قوم تتفكرون فما التوحيد الا بالعمل * وصاركم الله عليه لتعلموا ربكم بوساطة اعماله وتعقلوا سنته * وصاركم على العلم والتعقل لتسخروا اشيائه * وصاركم على تسخيرها لمعرفته * ومعرفة قانونه * ولتكونوا فی الدنيا من الغالبين * وما التوحيد بان تهجروا الاحجار خاصة وتعبدوا سائر الاصنام الباطنة التی تشغلكم عن السعی او تعكفكم عن العمل * بل صاركم الله عليه لتوحدوا انفسكم به * وتالفوا بين قلوبكم بواسطته * ولتجهدوا فی هذه الارض اشد جهدكم مجتمعين * شاغلين عن كل ما يضعف

* ای سارعوا الی الايمان بالله وبتوحيده لانه ما كان لاحد ان يخلق مثله شيئا * فالتفكر فی اعمال الله وتدبر مخلوقاته هو الذی يهدينا الی معرفته وما كان لاحد ان يعرف الله معتكفا فی بيته ولهذا توغل الصوفياء فی ما عنى الله بمعرفته توغلا عظيما بالاعتكاف فی بيوتهم ولذلك ما عرفوه حق معرفته قط بل لم يطلعوا على عادته وسنته اصلا *

قواكم منظمين ومعاونين بينكم لتكونوا فى الارض من الغالبين * وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ
لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (٢٩: ٦) * وهو غنيٌّ عن ان تسموه احدًا او اثنين او ثلاث
الّا انه من اتخذ الٰها غيره فى العمل وظلّ له عاكفًا فلهم خزىٌ فى الحيٰوة الدّنيا ما داموا مشركين*
فوالله ما جاهد قوم فى زماننا هٰذا فى التّوحيد قطّ مثل ما جاهد الغرب لانّهم جاهدوا فى ربّهم بعلمهم
وعقلهم * وطهّروا قلوبهم من رجز الاوثان عملاً ومعنًا * ولم تخلقوا افكًا بافواهم واقوالهم *
بل هم الّذين راوا فى زماننا هٰذا ماهنّ بكشفت ضرّه * او ممسكت رحمته * وما رايتم هذه قطّ
فصرتم من الاخسرين * فما شرك القراٰن بسجودكم للاصنام الحجرة خاصّةً ايّها المسلمون الجاهلون*
ان هو الّا قولكم بافواهكم انّه احدٌ وعلى هٰذا شغلكم باصنام القلوب واعتكافكم لها * وعبادتكم
اولياءكم وكبرآءكم * واتّخاذكم احباركم ورهبانكم اربابًا من دون الله * وافككم بلسانكم انّه ربّكم
ورازقكم وعلى هذا عبادتكم حكّامكم والٰهتكم من الارض * وشغفكم باوثان القلوب وجهادكم فيها
وشغلكم عن الجهاد فى الله واحكامه * ونفرتكم من السّعى والعمل فى سبيله * وكونكم من الذين لا يعلمون
(٣١: ٢٥) سمٰوٰته وارضه * وكونكم من الّذين لا يَعْقِلُوْنَ (٢٩: ٦٣) ملكوته وقانونه * وعدم معرفته
بدراسة صحيفة الفطرة * وعدم تسخيركم اشياء الطّبيعة * بل جهلكم عن مشيئته * ومجادلتكم
فيه بغير علم * وسلوككم سُبُله بغير هدًى * وقولكم بافواهكم بغير عمل * وهجركم بكتاب
الله ومع هٰذا ادّعاءكم انّكم تعلمونه * وكونكم من الذين يُؤْفَكُوْنَ (٤٣: ٨٧) باقوالهم انّهم يعبدونه و
يسلمون له * لو كنتم تعلمون * ولذلك قال الله لكم اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ † وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ

† قد بيّنت على صفحة ٢٥ من هٰذه الافتتاحيّة انّ العلم فى لغة القراٰن هو الّذى يحصل من دراسة احوال الطّبيعة او الّذى يحصل من استعمال السّمع والبصر والفؤاد اى من بعد المشاهدة والتّجربة فهٰذا ما عنى الله بالعلم فى هٰذه الاٰية ـ واما الهدى فهو الاستعداد للعمل الّذى يحرك قلب الانسان من بعد علم قانونه تعالى. واما كتٰب منير فهو القانون الّذى جاء به الانبياء من ربّهم والّذى سمّاه الله الكتٰب فى القراٰن. او هو صحيفة الفطرة الّتى هى بين ايديكم؛

الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (٣١: ٢٠-٢٥) * فيا من لا يعلمون ربهم بوساطة خلقه ! ويا من يقولون بافواههم ما ليس فى قلوبهم ! ما التوحيد بما انتم تزعمون * ان هو الا علمكم اعمال ربكم * وهجركم كل ما يشغلكم عن السعى * والاستقامة اليه * لو كنتم تعلمون * والله عليم بما تسرون وما تعلنون * لا تسلمون وجوهكم الى الله و لا تحسنون * ولا تسخرون لانفسكم ما فى السمٰوٰت وما فى الارض * ولا تسبغون عليكم نعمه ظاهرة وباطنة بل تجادلون فى الله بغير علم * وهدًى * وقانون * ولا تستمسكون بالعروة الوثقى * بل تتبعون ما وجدتم عليه اٰباءكم فلذلك يمتعكم الله قليلاً فى هٰذه الارض ليقطع دابركم مبلسين * فاذا جاء اجلكم لا تستاخرون ساعة ولا تستقدمون * فلا شك فى انكم فى توحيدكم تجهلون * بل تتجاهلون * ولا تعلمون ولا تعقلون * وتحرفون القراٰن لتجعلوا يسراً لكم فتخذلون * فيا من لا يتدبرون القراٰن انما قال نبيكم ابرٰهيم لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (٢٦: ٧٠) * وَمَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ (٢١: ٥٢) * انما كانت هذه التماثيل الا اصنامهم التى كانت تشغلهم عن السعى و العمل بل تفرقهم وتقطعهم عن العٰلمين * اصنام المال والبنين * واوثان الملاهى والملاعب * والهة النفع والربح * من دون ما صنع من الحجر اَبَاۗؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ (٢٦: ٧٦) * ليمزقوهم كل ممزق ويهدوهم الى عذاب الجحيم * فلذلك قال ابرٰهيم فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢٦: ٧٧) * ولذلك دعا ربه يا رب لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ (٢٦: ٨٧-٨٨) * التى كان

* يجوز للقارئ ان يتدبر هذه الاٰيات اشد تدبر - فالله حرض الناس فيها على تحصيل العلم من دراسة الطبيعة ليهدى اقوامهم الى القانون الذى يجرى فى العادة وليسلموا وجوههم له ومن بعد ذلك نهى الله الناس عن تقليد اٰباءهم كالعميان بل امرنا ان نتقدم الى العلم والهدى يوماً فيوماً صرفاً عما خلق المتقدمون من اٰباءنا من الكذب والظن ومكر اللسان ومكر الاقوال من دون السعى والعمل ليقتدوا من قانونه تعالى كما صنع علماء امتنا فى زماننا هذا - ولذلك قال فى معاصرى النبى صلى الله عليه وسلم انهم يعتقدون بافواههم بالله ولكن ما لهم يغابونه وعادته من علم * * اى يبعث الله الاولاد والاٰباء والازواج وسائر الارباب يوم القيٰمة ليكونوا شهداء على ما كان الانسان يعبدهم *

النّاس يظلّون لها عٰكفين (۲۶: ۷۱) * والّذين كانوا لا يسمعونهم اذ يدعون * ولا ينفعونهم اَوْ يَضُرُّوْنَ (۲۶: ۷۳) * اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶: ۸۹) * بالّذى يسلم وجهه له صرفا عن الباقين من المعبودين * والّذى يطيعه ولا يطيع احدًا من العٰلمين * والّذى لا يسجد للمال و البنين * ليجاهد النّاس فى سبيل اللّٰه باموالهم وانفسهم وليكونوا من الغٰلبين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربّه قال ربّ هَبْ لِىْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۲۶: ۸۳) * بالّذين يرثون الارض فانّ الارض يرثها عبادهُ الصّٰلحون * وقال وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْاٰخِرِيْنَ (۲۶: ۸۴) * ليصل النّاس عليه يسلّموا عليه ما دامت السّمٰوٰت والارض مسلّين * وقال وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (۲۶: ۸۵) * فانّ الجنّة لوارثى جنّٰت الارض من عُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (۴۴: ۲۵-۲۶) * وما هى الّا للّذين قالوا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (۳۹: ۷۴) * لانّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۷: ۱۲۸) * ولذلك قال ابرٰهيم وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۲۶: ۹۰) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ (۲۶: ۹۱) * للضّالّين الّذين لم يرثوا من الارض قطعة وكانوا مستضعفين * وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (۱۷: ۷۲) ومن الضّالّين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربّه وقال وَاغْفِرْ لِاَبِىْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (۲۶: ۸۶) * من الّذين لم يسلكوا صراط المستقيم * صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۱: ۶-۷) * فالضّالّون هم الّذين لم يقدروا على انعامهم فى هٰذه الدّنيا واولٰئك هم المغضوبون * والمغضوبون هم الّذين لم يرثوا من الارض قطعة فصاروا مستضعفين * والمستضعفون هم الهالكون المغضوبون * فانّه قال وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ فَقَدْ هَوٰى (۲۰: ۸۱) وصار من الهالكين * فسلام على المتّقين * الّذين يرثون جنّٰت الارض ثمّ

---

* اى ما تعبدون من اصنامكم عٰكفين لها فهم لا يستطيعون ان يملكوا لكم نفعًا او ضرًّا واللّٰه هو الّذى يملك لهم خيرًا بل شرًّا + انّما قول ابرٰهيم ربّ هب لى حكمًا (۲۶: ۸۳) فيصدر منه انّه عليه السّلام كان يحثّ قومه على التّوحيد علمًا و معنًا ليزيدوا اصنام القلوب على ما صنعوا من الحجر. فيسعوا فى الدّنيا سعيًا بليغًا ليتسلّطوا على الارض +

يتبوءون من الجنة حيث يشاءون ❊ فنعم اجر العملين السّاعين الموحّدين المتّقين ❊ والحمد لله رب العلمين (۱:۱) ❊

فما الشّرك الّا ما يشغلكم عن السّعي ايها الضّآلّون المغضوبون! وكل ما يصرفكم عن وحدة الامّة والاتّحاد الى الاشتات والافتراق هو الشّرك لو كنتم تعلمون ❊ ولذلك قال الله لكم اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (۴۲:۱۳) لانّ الشّرك يكفّهم عن الصّلح والاتّحاد والمشركون هم الّذين يفسدون فى الارض ولا يرابطون ولا يصلحون ❊ كل واحد منهم يشتغل بصنمه ويفرح بما لديه صرفا عن الباقين ❊ والله يوحّدكم ويجمع بينكم ويقوّيكم لو كنتم تعلمون ❊ وان من قوم فى هٰذه الارض اتحدوا ثمّ اصلحوا الّا انهم طهّروا قلوبهم من اوثان الاهوآء واللّذّات فالّف بينهم الله وصاروا من الموحّدين ❊ ولذلك قال الله لكم وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰:۳۱-۳۲) ❊ ومن اشرك تقطّع فصار من المدمّرين ❊ ولذلك قال الله لكم فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ (۲۶:۲۱۳) ❊ ولذلك قال الله لكم اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (۲۱:۹۲) ❊ فما التّوحيد الا وحدة الامّة لو كنتم تعلمون ❊ وكل من يؤمن بالله ويهجر رجز الشّيطن ويطهّر قلبه من الاوثان ويزكّى نفسه ولا يدخل فى جوف قلبه الّا الرّحمٰن يتيسّر له لتقوية قومه الجهاد بالمال لانّه لا يصنّم المال ولا يتّخذه الٰهه من دون الله ولا يشرك ولا يلبس ايمانه بظلم ويؤمن بانّه سوف يؤتى اجره من عند ربّه ولذلك قال الله لنبيّه قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (۴۱:۶-۷) ❊

ومن يؤمن بالله وبتوحيده يتيسّر له الجهاد بالانفس والهجرة لانّه من يؤمن به عملا ومعنا

فى انّ وحدة الامّة توجد فى التوحيد وتصدر منه وما الشّرك الا ما ينافى التوحيد۔

فى انّ الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة تصدر من التوحيد وتوجد فيه۔

فلا یحب نفسه من الله فالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (٢: ١٦٥) ○ ولذلك قال الله فيهم وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (٨: ٧٤) ❋ فما التوحيد الا الجهاد والهجرة من دون ما تقدم ايها المسلمون المتوحدون! وما يؤمن احدٌ عنده حتى جاهد وهاجر لتقوية قومه بل هجر كل ما يشغله عن السعي والعمل ومن يفعل ذلك فاولٰئك هم المؤمنون ○ حقًّا واولٰئك هم الموحدون ❋ صرفًا عما قال القائلون وكذب الكذبون ❋ ومن يؤمن بالله وبتوحيده ويزكى قلبه يتيسر له اطاعة اميره لانه لا يجد فى قلبه وثنًا يامره بشئ اخر اوينهاه عنه فلذلك قال الله لكم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (٤: ٥٩) ❋ ولا تظنوا ان اطاعة الرسول فى زماننا هذا

> فى ان اطاعة الامير تصدر من التوحيد وتوبجرئيه - وما اطاعة الرسول الان الا اطاعة اولى الامر منكم

هى ما يهجر به فقهاءكم الجهلون ❋ الذين قالوا انما هى اتباع احاديث النبى ليمكروا فيها مثل ما مكروا فى القران ○ وليحرفوها مثل ما حرفوه عملًا ومعنًا ○ ويضربوا بعضها بعضًا ○ وليضربوها بكتاب الله ○ فيمشوا فى الارض جامدين وصابرين وقائلين ومتعمين ❋ شاكرين بان الله ما جعل عليهم فى الدين من حرج وبانهم هم المفلحون ❋ بل طاعة الرسول هى طاعة ما كان الرسول يامر المؤمنين فى عهده يومًا فيومًا مشافهة ومواجهة من كونه اميرًا على جماعتهم وسيدهم ليظهرهم على اعدآئهم ○ وما كان يدعوهم لما يحييهم اويخرجهم من الظلمت الى النور ○ لينصروا على اعدآئهم غالبين ❋ ومن كان يطيعه اويستجيب لاحكامه من فوره فى عهد النبوة فهو الذى قد اطاعه ○ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (٤: ٨٠) وما كان للرسول ان ياتى بامر غير ما امركم الله ○ او يحكم بينكم الا بما انزل الله ○ فما طاعة الرسول الان الا طاعة اميركم ○ والاستجابة لصاحب الامر منكم ○ اولمن خلف من بعده ليامركم ○ اولمن

قام مقام الرسول فیکم ۞ بل من قام مقام امیرکم فیکم ۞ ولذلک قال الله لکم ان اطیعوا اولی الامر منکم فالطاعة هی المقصود منه ۞ لانه من اطاع امیره فقد افلحوا وفازوا فی هذه الدنیا ۞ ولا شک فی انهم فی الاخرة من المفلحین ۞ ولذلک قال الله عزوجل لمعاصری النبی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۲۴: ۵۲) ۞ ولذلک قال الله لهم وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴) فالطاعة هی التی یرید الله منکم اجمعین ۞ فلا تیسروا دینکم بالمکر والتاویل و لَا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ† اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۲۴: ۵۳) ۞ امرکم الله ان تطیعوا ذا الامر منکم ۞ ولا تعصوه فی ای حال واشکال ۞ وان اختلفتم فی شئ منه او تنازعتم فلا تزالوا تتبعوه ۞ وردوا نزاعکم الی خلیفة الرسول لیحکم بینکم بما انزل الله ۞ او بما کان الرسول یفعل فی عهده ۞ ولیؤاخذه بما فعل ویحاسبه ۞ فهذا ما عنی الله بقوله فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۴: ۵۹) ۞ لان الفتنة اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۲: ۱۹۱) ۞ وما یرید بکم الله من شئ الا ان تطیعوا امیرکم طائعین ۞ ولذلک ذهب السلف من علماء الدین الی انه من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمن‡ ۞ لان الطاعة هی التی بنی علیها نظام العالم ۞ وهی التی یحصل الامن منها فی هذه الدنیا ۞ ولئن لم یسجد لله من فی السموٰت والارض طوعًا وکرهًا لفسدت السموٰت والارض ۞ وَلَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱: ۲۲) ۞ ولذلک قال الله لِلسَّمَآءِ وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (۴۱: ۱۱) ۞ فما الایمان الا اطاعة الامیر من دون ما تقدم بل ما التوحید الا ان تنظموا انفسکم ساجدین وخائفین ۞ ولذلک قال الله لمعاصری النبی فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۸: ۱) ۞ ومن یخش احدًا الا الله یجعل فی جوف قلبه الهًا غیره ۞ وهذا ما ینافی التوحید وما ینافض الایمان ۞ فلذلک قال الله

---

† ای لا تعتذروا الی رسولکم بالمکر ولا تقسموا فالطاعة هی التی لا تخفی علی احد ان تطیعوا بالتثبیت من انفسکم فلا حاجة لکم ان تقسموا بالله للایقان ۔

‡ هذا ما کتب السلطان محمد تغلق ومن خلف بعده علی سکّهم نظرًا الی تشدید ملکهم وتقویة حکمهم فی الهند فلا شک فی ان المسلمین فی عهودهم کانوا یعلمون فاقصہ الله من اطاعته ولا شک فی انهم کانوا یعلمون ان اطاعة الرسول انما هی اطاعة السلطان ۔

أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ (٩: ١٣) ✻ فما الايمان والاتّقاء والتوحيد الّا شئٌ واحدٌ فى الاصل يصدر من ان يطهّر الانسان قلبه من رجز الاوثان * ولا شكّ فى انّ اطاعة الامير فرعٌ من فروع الايمان * وما هى الّا التّوحيد اصلاً وعملاً لو كنتم تعلمون ✻ وهذه ما وصّى به كلّ الانبياء من قبل نبيّنا صلى الله عليه وسلم من الدّين الّذى شرع الله لنا * والفطرت الّتى فطر الله النّاس عليها * لانّ انبياءنا نوحًا وهودًا وصٰلحًا ولوطًا وشعيبًا وعيسٰى وغيرهم كلّهم قالوا لاقوامهم يا قوم الا تتّقون ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ (٢٦: ١٠٦-١١٠) ✻ فما اصرّ الّا على اتّقاء الله واطاعة الامير * لانّ الاطاعة سرّ الفلاح والامن فى هذه الدّنيا * والاتّقاء سرّ الايمان والتّوحيد * والمتّقون والمطيعون هم الآمنون و اولٰئك هم المفلحون ✻

ونظرًا الى كلّ ما تقدّم فى شرح التّوحيد القول الحقّ الّذى لا يشكّ فيه هو انّ كلّ واحد من اصول الاسلام الّتى تقدّم ذكرها اعنى وحدة الامّة واطاعة الامير والجهاد بالانفس والجهاد بالمال والهجرة والاستقامة فى السّعى ومكارم الاخلاق والعلم والايمان بالآخرة يولج فى اصل التّوحيد لانّ كلّ هٰذه الاعمال يصدر من القلب الّذى لا يتّخذ الٰهًا غيره * ولا يعبد الطّاغوت * ولا يصنّم نفسهٗ * ولا يحبّ شيئًا غيره * ولا يخشٰى احدًا الّا الله * والّذى يسعٰى فى الدّنيا سعيًا بليغًا ليعرفه والّذى لا يسئل على ما يفعل من اجر الّا على ربّ العٰلمين ✻ وما يفعل كلّ هٰذه الّا الّذين يخافون ربّهم من فوقهم وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُونَ (٢٣: ٦٠) ✻ ومن يفعل هٰذه الاعمال فاولٰئك هم الفائزون * فى هذه الدّنيا اينما تنظرون ✻ صرفًا عمّا يقولون ويعتقدون فلا شكّ فى انّ التّوحيد فى العمل هو الّذى بُنى عليه الاسلام * بل الّذى فُطر عليه النّاس * بل ما خُلقت عليه الجنّ والانس فلذٰلك قال الله عزّ وجلّ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا

✻ فيصدر من هٰذه الآيات الجليلة النّافعة ان الاتّقاء واطاعة الامير هو ما يريد الله من النّاس وسيأتى تفصيل ما الاتّقاء وما لوازمه على الصّفحات الآتية (١٠٣-١٠٩) من فتح الافتتاحية فيتبيّن لكم انّ الاتّقاء هو الايمان ويبيّن لكم الله من فعل اعمال الاتّقاء واطاع اميره فقد افلحوا فى هذه الدّنيا وهم الّذين يبدّل الله خوفهم امنًا وضعفهم قوّةً فلذٰلك قال كلّ الانبياء لاقوامهم إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ (٢٦: ١٠٧) اى جئتكم بالقانون الّذى يبدّل خوفكم امنًا ، لا ما فهم اكثر الشّارحين منه اعنى جئتكم بامانة فهو ليس بصحيح ✻

لیعبدون (۵۱:۵۶) ❁ وکل من یصرف عن ھٰذہ الاعمال یصرف عن التوحید * ویشرک باللہ *
بل یظلم نفسہ * فاولٰئک ھم الھالکون ❁ فی الدنیا اینما تنظرون ❁ ولا شک انھم فی الاخرۃ
من المخذولین ❁ والذین یعبدون اللہ مخلصین لہ الدین * ولا یتخذون اربابا غیرہ عملا ومعنا
فی قلوبھم ابدا * ویسعون فی توحیدھم سعیا بلیغا لیلا ونھارا لیغلبوا * ویستفتحون علی
اعدائھم بتوحیدھم * فاولٰئک ھم الغٰلبون ❁ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا
وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (۳۲:۱۶) ❁ وقَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ (۵۱:۱۷) ❁ لیجاھدوا فی
سبیلہ بایدیھم وارجلھم حق جھادہ ولیغیروا ما بانفسھم جاھدین ❁ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ
(۵۱:۱۸) ❁ لیغفر اللہ لھم ما تقدم من ذنبھم وغفلتھم وما تاخر * ولیرجعوا الیہ مضاعفین سعیھم
مقدمین ❁ ھم الذین قالوا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ، (فی مساعینا) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ
اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ، (لنستفتح علی اعدآءنا) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ، وَاعْفُ عَنَّا
(نظرا الی وسع انفسنا وقلۃ حیلتنا) وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ
(۲:۲۸۶) ❁ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ، لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ، ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ
(۱۰:۶۴) ❁ افرء یتکم اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَھْرَۃً ھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶:۴۷)
المشرکون ❁ ورایتم انہ من اٰمن ولم یلبس ایمانہ بظلم اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (۶:۸۲)

فیا من یزعمون انہ ما العبادۃ الا اعتکافکم فی بیوتکم او مساجدکم متصرفین عن خلق اللہ
راغبین عما خلق اللہ فی السمٰوٰت والارض وما بینھما بالحق * حاسبین خلقہ باطلا وعبثا * مکررین
اسمائہ بلھا وھزلا * ما العبادۃ بما زعمتم * وما ھی جمودکم فی زوایاکم الذی یستدرجکم
الی الذلۃ والمسکنۃ * او عزلۃ تضعف قوٰکم وتفشلکم * فتقولوا ما انزل اللہ علینا
فی القراٰن من شئ * وما ھو شئ یصلح بالنا فی الدنیا بل یخرّبنا ویجبننا * بل ھو الذی

فی ان ما العبادۃ الا اطاعۃ احکامہ تعالٰی والسعی والعمل وما ھی برھبانیۃ۔

بشيع الذلة والمسكنة فينا ۞ وما هذا الا اساطير الاولين ۞ بل نهٰكم الله عن هٰذه الرّهبانيّة
ايها الجٰهلون ۞ ابتدعها رهبانكم واحباركم واصفياؤكم ليصلحوا بال انفسهم ويخرّبوكم ۞ اويكيدوا
الله ۞ ماكتبها الله عليكم قط اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (٥٧: ٢٧) افلا تعقلون ۞
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (١١: ٥٠) ۞ على الله فانكم تقولون على الله ما لا تعلمون ۞ مايريد الله من
تعبّدكم من شئ بل ما عبادته من شئ الّا ان تسعوا فى الارض جاهدين ۞ وما ابتغاء رضوانه
الّا ان تعملوا وتستقيموا اليه وتصبروا وتوكّلوا عليه مبيتين ومصبحين ۞ لتبتغوا فضلة
منه ورحمة ونعمة فمن ابتغى نعمته وسعى لها سعيها فهو الذى ابتغى وجهه باليقين ۞ وَمَا
لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (٩٢: ١٩-٢٠) افلا تتدبّرون ۞ ومايريد
الله من عبادتكم من شئ الّا ان لا تصنّموا شيئًا فى جهادكم فتنقلبوا اخسرين ۞ وان لا تتخذوا شيئًا
ربًّا لكم فتظلّوا عليه عاكفين ۞ شاغلين عن سعيكم فتكونوا من الخائبين ۞ وان تفرّوا اليه لتفرّوا
عمّا خلاه ۞ ولترهبوا له لترهبوا عمّا سواه راهبين ۞ لترثوا الارض فانّه من ورث الارض فاولٰئك
قوم عابدون ۞ واولٰئك عباده الصّٰلحون ۞ فلذٰلك قال الله لكم يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ
وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (٢٩: ٥٦) بوراثة الارض الواسعة فانّما نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ (١٩: ٤٠)
ونورثها من نشاء من عبادنا الصّٰلحين ۞ فما العبادة الّا ان تستثبتوا فى ارضه الواسعة فائزين ۞
وان تسعوا فى مناكبها غالبين ۞ فانّه قال كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (٢٩: ٥٧-٥٩) فى نتائج سعيهم اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (٩: ١٢٠) ۞ فيامن
لَا يَعْلَمُوْنَ (٣١: ٢٥) وَلَا يَعْقِلُوْنَ (٢٩: ٦٣) ! ما العبادة الّا مدا ومتكم على التوحيد مازلتم ۞ وتعبّدكم
له ما استطعتم ۞ واستقامتكم اليه ليلًا ونهارًا ۞ لتسعوا فى الارض جاهدين ۞ ليوحّدكم ويقوّيكم

ويغلبكم على العالمين ❊ ويحييكم باحياء قواكم ۞ ويلين قلوبكم بتزكية نفوسكم ۞ ويشرح صدوركم
باجلاء الاوثان منكم ۞ فتمشوا في الارض قاهرين ❊ مرسلين انعم ربكم على انفسكم مدرارًا كالسماء
والكلين من فوقكم ومن تحت ارجلكم فرحين ❊ ولذلك قال هود لقومه يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى
قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (١١: ٥٠-٥٢) ❊ ولذلك قال نوح لقومه يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۙ (٧١: ٢-٣) وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ
مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ† وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ (٧١: ١٠-١٢) ۞ ولذلك
قال الله عزّ وعلا اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا
تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (٤١: ٣٠-٣٢) ❊ فما العبادة
الا ما يزيدكم قوّةً ويضعفكم نعمةً ايها الضآلون المفترون الرّاهبون ❊ والّذى يجعل لكم جنّٰت
فى هذه الارض ويجعلكم مالكى الانهار والعيون ❊ والّذى يمدّكم باموال وبنين ❊ والذى يبدّل
خوفكم امنًا ويستخلفكم فى الارض ويبشّركم فى الحيٰوة الدّنيا ليكون لكم فيها ما تشتهون ❊ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (٦: ٩٣) وقال انّ هٰذا القراٰن لا يفلحنى ولا يهدينى ❊ كلّا اِنَّ هٰذَا
الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ (١٧: ٩)
❊ افلا تذكّرون ❊ ومن اجل بعذاب الله لانّكم لا تعلمون كتابه او تحرّفون معناه الّا انفسكم فتخذلون
ووالله لا اجد فى كلّ ما جرى فى القرون الاولٰى فى عهد نبيّنا صلعم صلوٰةً غير هٰذه الصّلوٰة او توحيدًا غير

† فيصدّ من الخوض فى هذه الايات الله تعالى ماعنى بقوله جنّٰت تجرى من تحتها الانهٰر "الا جنّٰت الارض وعيونها لا الجنّة" الاخرة قطّ كما فهم كلّ الشارحين علماء الدّين منه ـ فما قصد عزّ وجلّ منه فى اىّ مقام الّا الاستخلاف فى الارض والتمكين من برّها وبحرها ويؤيّد هذا القول قوله تعالى فى هذه الايات يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وقوله يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وقوله يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ـ فما فهم علماؤنا من لفظ جنّٰت الجنّة الاخرة الّا بالمكر و (البلغ)

هذا التوحيد اوعبادة غير هذه العبادة التى كانت تنصرهم على عدآئهم غالبين ❋ ولا اجد فى كلامه تعالى من اوله الى اخره مسحة من خبر الا انه اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (٩:٣٣) ❋ فهل انتم تؤمنون بهذا القرآن من هذا القبيل لتظهروا على اعدائكم عابدين ❋ وبذا الصلوة لتخطفوا كفار الارض مهللين ❋ وبذا التوحيد لتقبضوا على الارض راهبين ❋ وبذا العبادة لتعبدوا اقوام الارض سجدين ❋ ومن اطاع الله يطوع له جنّت الارض ايها الغفلون ❋ فلستم بمؤمنين به ولستم له عابدين ❋ اومصلين ❋ اوموحدين ❋ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰىٓ اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ[†] وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (١٢: ١٠٣-١١١) ❋

ولاشك فى انّ كل واحد من اصول الاسلام اعنى التوحيد فى العمل ووحدة الامّة واطاعة الامير والجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة والاستقامة الى السّعى ومكارم الاخلاق و

(البقيّة من صفحة ٧٨) بتحريف كلمات الله عن مواضعها و تبديل مقاصد القرآن ليجعلوا يسرًا لانفسهم وقد بيّنت فى كتابى تذكرة انّ الله قصد من لفظ جنّت ، جنّت الارض بالاستشهاد على انه جاء فى هذا المعنى فى القرآن فى مواضع شتّى صراحة فليرجع القارى الى صفحات ١١٥-١١٦- تحت المتن للتشريح المزيد ॰ † اى هذا القرآن يقصّ عليكم كل ما يجرى فى العادة يومًا فيومًا لتعتبروا ॰

العلم والایمان بالآخرة التی تقدم ذکرها من **لوازم الایمان** بل **شرائطه** التی ماکانت لها ان تُفك عن الایمان ○ فمن لزمها استقام فی ایمانه ○ ومن صرف عنها سقط ایمانه ○ فتدبّروا ان انتم قومٌ یتفکرون ❁ فامّا **التوحید فی العمل** او تعبّده تعالٰی فلا یخلوا عمله عز من کلا الحالین ○ إمّا باشدّ خشیته واتقائه ○ او باشدّ حبّه وابتغاء وجهه ○ حمل الله کلاهما علی **الایمان** وقال فی خشیته: اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ (۹: ۱۳) ❁ وفی اتقائه: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ (۵: ۱۱۲) ❁ وفی حبّه: وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲: ۱۶۵) ○ فلا یدخلون فی جوف قلوبهم احدًا من العٰلمین ❁ وامّا **وحدة الامّة** فحملها الله علی **الایمان** بل الزمها علینا بقوله اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ○ (۴۹: ۱۰) ❁ وبقوله يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○ (۳: ۱۹۹) ○ وبقوله فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ (۸: ۱) ❁ وامّا **اطاعة الامیر** فدلّ علی کونها من **الایمان** قوله تعالٰی لمعاصری النبیّ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ (۸: ۱) ❁ وقوله مَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا ○ (۳۳: ۳۶) ❁ بل قوله يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ○ (۴: ۵۹) ❁ وقوله اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاِذَا كَانُوۡا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمۡرٍ جَامِعٍ لَّمۡ يَذۡهَبُوۡا حَتّٰى يَسۡتَاۡذِنُوۡهُ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِبَعۡضِ شَاۡنِهِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ (۲۴: ۶۲) ❁ وامّا **الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة** فحملها کلّها علی

فی ان وحدة الامّة واطاعة الامیر من لوازم الایمان

الایمان ویؤیّد هذا القول قوله اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (١٦:٤٩) ❊ وقوله وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (٧٤:٨) ❊ وقوله اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٥٧: ٧-٨) ❊ وقوله وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا (٢٥:٣٣) ❊ وَاَمّا **الاستقامة فی العمل** مع التوکّل فی النتائج فجعلها على **الایمان** بقوله وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (١٣٨:٣) ❊ وبقوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (١٩٩:٣) ❊ وبقوله اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (٨: ٢-٤) ❊ وبقوله تعالٰی فی بنی اسرآءیل قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٢٣:٥) ❊ وبقوله يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (٨٤:١٠) ❊ واَمّا **مکارم الاخلاق** اعنی السّعی للاعمال لاٰخرة من دون الاعمال العاجلة الّتی تؤدّی الیکم اجورکم من فور وما تبقی لکم من ثواب الله الی یوم القیٰمة الا عذابًا فجعلها الله على **الایمان** فی قول شعیب وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (١١: ٨٤-٨٦) ❊ وفی قوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا

فی انّ الجهاد بالمال و الانفس والهجرة من الایمان

فی انّ الاستقامة فی العمل من الایمان

فی انّ مکارم الاخلاق من الایمان

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢:٢٤) ✽ وفی قوله اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢:٢٤) ✽ واما **الایمان بالاخرة** فمعظم القراٰن یشهد علی انه من عمل الاعمال العاجلة لیاخذ اجره من فوره ✽ ولم یَکِلْ اجره علی الله ✽ ولم یرج لقائه تعالیٰ یوم القیٰمة ✽ ولم یرد الا الحیٰوة الدنیا ✽ وقال مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (٢٤:٤٥) ✽ وامر نفسه بالسوء لیهلك قومه ✽ فلم یؤمن عنده ✽ ولم یسلم وجهه له ✽ فلذلك قال الله مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (١٧:١٨-١٩) ✽ ولذلك قال اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (١٠:٧-٨) ✽ فلا شك ان الایمان بالاخرة فرع من فروع **الایمان** التی ما کانت لها ان تفك عنه ویشهد علی ذلك قوله هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (٢:٢) ✽ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (٢:٤) مع قوله اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (٥:١١٢) ✽

فی ان الایمان بالاخرة من الایمان

واما **العلم** فجعل الله تحصیله علی **الایمان** وقال اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٤٥:٣) ✽ وقال خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢٩:٤٤) ✽ وقال وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (١٦:٧٨-٧٩) ✽ وما کان للعلم ان یفك عن الایمان ویشهد علی ذلك قوله وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ (٣٥:٢٨) مع قوله اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (٥:١١٢) ✽

فی ان العلم هو الذی یمد من الایمان بل هو من لوازمه وما العلم الا درس اعمال الله ومطالعة صحیفة الفطرة۔

فلاشك فى ان العلم هو الذى يصدر من دراسة اشياء الطبيعة ومطالعة صحيفة الفطرة باستعمال السمع والابصار والافئدة * ومن علم اعماله تعالى مشاهدة ومواجهة * ودرس كتاب الله الذى هو بين يديه شاهدًا عليه فهو الذى قد علم ربه * وهو الذى عرفه حق معرفته * بل خشيه حق خشيته * فالعلماء هم الذين يتقون بالله بالحق واولٰئك الذين يؤمنون به اينما ننظرون ✵ تقشعر من درسه جلودهم ثم تلين قلوبهم الى ذكر الله (۳۹: ۲۳) * لانهم شهدوا اعماله العظيمة الجليلة باعينهم بل شهدوا ملٰئكته وجنوده التى لا يعلم وسعها وعددها الا هو بسمعهم وابصارهم فلما عجزوا شهدوا انه هو العزيز الحكيم البارئ الفاطر الجبار القهار الذى لا اله الا هو وهو على كل شئ قدير ✵ فلذلك شهد الله (على نفسه بعظمة اعماله) انه لا اله الا هو والملٰئكة (شهدوا عليه بقدرتهم ووسعتهم) واولوا العلم قائمًا بالقسط (شهدوا على وحدته وعظمته بمشاهداتهم انه) لا اله الا هو العزيز الحكيم (۳: ۱۷) ✵ فلاشك ان اولى العلم هم الذين يورثهم الانبياء فى زماننا هذا * لانهم يرثون علمهم ونبأهم بعد ختم الانبياء * بل ياتون بالنبا العظيم الذى جاء به الانبياء من قبل نبذًا منه * ليهدوا اقوامهم قائمين بالقسط الى صراط مستقيم ✵ وهم الذين يعرفون ربهم بوساطة قانونه * ويطمعون ان يبتغوا وجهه باتباع مسنونه * ويخافونه ليرجوا ثوابه * وينهون جماعتهم عن البغى والنفاق ليتقوا عذابه * ويسجدون له عملًا ومعنًا ليبتغوا فضله * بل يصلون صلٰوة النجم والشجر[†] لينظموا جماعتهم * ويجاهدون باموالهم وانفسهم ليهدوا قومهم * ويهدونهم بعلمهم لعلهم يفلحون ✵ ولذلك قال الله لكم ان الذين يتلون كتٰب الله (اى صحيفة الفطرة) واقاموا الصلٰوة وانفقوا مما رزقنٰهم سرًا وعلانية يرجون تجارة لن تبور ليوفيهم اجورهم ويزيدهم من فضله انه غفور شكور ○ والذى اوحينا اليك من الكتٰب[‡] هو الحق مصدقًا لما بين يديه ان الله بعباده لخبير بصير ○ (۳۵: ۲۹-۳۱) ✵ فلاشك فى ان

[†] ولينظر القارئ الى صفحة ۶۳-۶۴ لتشريح هذه الصلٰوة * [‡] اى ما خصصت لك من القانون من صحيفة الفطرة وما اوحيت اليك منه فهو يصدق ما يجرى بين يديه *

القرآن هو الفطرة * بل هو الذی تُحِسّ فیه روحٌ من امرہٖ تعالٰی * ولا شكّ فی انّ قانون ذلك الكتٰب هو ما یصل الیه من دراسة كتٰب الله اعنی صحیفة الفطرة * ولا شك فی انّ قانونه یصدّق لما یجری فی العادة وما یجری بین یدیه یومًا فیومًا * فمن فاز فی هٰذه الدّنیا فقد افلح بهٰذا القانون * ومن هلك هلك عن بیّنة (۸:۴۲) منه * فتدبّروا ان انتم قوم یتدبّرون ❋ ونظرًا الی كلّ ما تقدّم من قوله تعالٰی فی حقیقة العلم القول الفیصل الذی لا یشكّ فیه هو انّ علماء الطّبیعة هم الذین یؤمنون بتوحیده تعالٰی بالحق * بل یؤمنون بكتٰب الله الذی عرضه السمٰوٰت والارض بالحق * بل بالكتٰب الذی اوحٰی الله الی نبیّنا صلعم * فانّه قال بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (۲۹:۴۹) ❋ فما العلم الّا فرع من فروع الایمان الّتی ما كانت لها ان تنفكّ عنه * و من علم اعماله تعالٰی بجدّ وسعه وبلغ فیه اشدّ مبلغه فهو الّذی قد اٰمن به * فلذٰلك قال الله فیهم نظرًا الی سجودهم لیلًا ونهارًا لاحكامه وخیفتهم عذابه ورجاءهم رحمته بل قیامهم بالقسط لیحذروا اقوامهم من عاقبة امرهم فی الدّنیا والعقبٰی: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۹:۹) ❋ وسمّی الله العلماء اُولُوا الْاَلْبَابِ لكونهم متفكّرین فی خلق سمٰوٰته وارضه لیعلموا قانونه ویدركوا مشیّته * ولیفهموا ما یرید الله منهم ومن قومهم * ولیتّقوا عذابه فیؤمنوا به ویفعلوا ما یؤمرون ❋ فلذٰلك قال الله فیهم اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

❋ ای نظرًا الی الرّسول الّذی بعث الله فیهم فانّه قال وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (۱۶:۳۶) وقال وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (۱۰:۴۷) +

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (٣: ١٨٩-١٩٨) ※ فلاشك فی ان علماء الطبیعة واولی الالباب الذین یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض هم الذین یذکرون الله قیامًا وقعودًا وعلی جنوبهم * لانهم یفتشون خلقه لیلًا ونهارًا لیعرفوا قانونه * ویخوفون قومهم عذابه لیتبعوا سنته * ویؤمنون بالقران علمًا ومعنًا لیکفروا عنهم سیاتهم فی الدنیا * و یعملون الاعمال الاخرة لیبدلوا خوفهم امنًا * ویهاجرون ویخرجون من دیارهم ویؤذون فی سبیله و ویقتلون ویقتلون لیدخلوا جنت الارض خلدین ※ وکل هذا ما یفعل لغربیون النصرانیون فی زماننا هذا علمًا وعملًا لانهم یعلمون قانونه ویعملون الصلحت ویستفضلون فی جنت الارض بعلمهم تفکرهم * ولا یغرهم تقلبکم فی بلادکم الباقیة لانهم یعلمون انکم لا تتمتعون فیها الا قلیلًا ثم تخذلون وتخرجون ※ فهل انزلهم من عند الله علی هذه الارض لانهم یخرجونکم من دار الی دار فیمشون فی جناتهم امنین ※ بعلمهم صحیفة الفطرة وبایمانهم بکتاب الله الذی هو بین ایدیهم * بل بایمانهم بالقران الذی هو بین ایدیکم * ولاشك فی انهم هم الابرار الذین امنوا وعملوا الصلحت فی هذه الارض فی زماننا هذا * ولاشك انهم هم المفلحون ※ ولا تظنوا الله ما کان للنصرانیین الغربیین المعاصرین ان یؤمنوا بقرانکم هذا وان لم یروه اویدرسوه کل سکم فالله شهد علی ایمانهم به وعلمهم فی القران فی ما یلی الایت التی تقدم ذکرها وقال وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ

؎ فیصدق من قوله من عند الله ان الاجر هو اجر الدنیا ای جنت الارض لانه قال بعد ذلك وما عند الله (فی الاخرة هو) خیر منه ؎ ای اجرهم فی الدنیا لانه سریع الحساب +

الحساب (١٣: ١٩٨) ۞ بل شهد على ايمان علماء اليهود به فى القرون الخالية حين كانوا ياكلون من فوقهم ومن تحت ارجلهم لكونهم مقيميه وقال وانه لتنزيل رب العلمين ○ نزل به الروح الامين ○ على قلبك لتكون من المنذرين ○ بلسان عربى مبين ○ وانه لفى زبر الاولين ○ اولم يكن لهم اية ان يعلمه علمؤا بنى اسراءيل ○ (٢٦: ١٩٢-١٩٧) ۞ بل قال فيكم نظرًا الى فقدان علمكم وعملكم وايمانكم به فى زماننا هذا ولو نزلنه على بعض الاعجمين ○ فقراه عليهم ما كانوا به مؤمنين ○ كذلك سلكنه فى قلوب المجرمين ○ لا يؤمنون به حتى يروا العذاب الاليم ○ فياتيهم بغتة وهم لا يشعرون ○ فيقولوا هل نحن منظرون ○ افبعذابنا يستعجلون ○ افرءيت ان متعنهم سنين ○ ثم جاءهم ما كانوا يوعدون ○ ما اغنى عنهم ما كانوا يمتعون ○ وما اهلكنا من قرية الا لها منذرون ○ ذكرى وما كنا ظلمين ○ (٢٦: ١٩٨-٢٠٩) ۞ فلا شك فى انكم لا تعلمون القران ولا تؤمنون به ايها الاعجمون المجرمون الهالكون وما يغنى عنكم ما انتم تتمتعون فى الدنيا عدة سنين ۞ فانه هوات ما انتم به توعدون ۞ وما انتم بمؤمنين بالقران حتى تروا العذاب الاليم ۞ افبعذاب ربكم تستعجلون ۞ فياتيكم بغتة وانتم لا تشعرون ۞ والمغربيون هم الذين يؤمنون بالقران العظيم ۞ بعلمهم وعملهم فى زماننا هذا ولو كره المسلمون المرتسمون ۞ لانهم هم الذين خاضوا فى السموت والارض اشد خوضًا فى هذا الزمان ۞ واستنبطوا من هذا الكتب الجليل المبين ايات الله البالغة النافعة التى هم بها مستمسكون ۞ فلا شك فى انهم هم المؤمنون ۞ فانه من امن بسموته وارضه التى خلقهما الله بالحق وعمل صالحًا فهو الذى قد امن به بالحق ۞ وهو الذى اشهد على وحدته وقانونه بل راى ملكوت السموت والارض بعينه ۞ وهو الذى امن بقرانه ۞ واسلم وجهه له ۞ وتنظم واصلح فتقوى ۞ واتقى عذابه ۞ واولئك من المتقين المصلحين ۞ ولذلك قال الله لكم وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلًا ذلك ظن الذين كفروا فويل للذين كفروا من النار ○ ام نجعل الذين امنوا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (۳۸: ۲۷-۲۸) ❁ ومن بعد ذلك اشار الى
كتابه ليتدبّره أولوا الالباب الّذين يتفكّرون فى خلقه نظرًا الى استنباط قانونه منه ويتّبعوه فيفلحوا
وقال كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸: ۲۹) ❁ ولذلك حرّض الله
النّاس على مشاهدة خلقه وقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا
مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۰: ۵۷-۵۸) ❁ بل لذلك اثنى الله على انبيآءه وحمل علمهم وتفكّرهم فى خلقه و
استعمالهم اشيآء الطّبيعة ومواليدها اشدّ مصرفها على الايمان وقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ
عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ (۲۷: ۱۵-۱۶) ❁ فما كان
منطق الطّير هذا الّا ما جهد سليمٰن عليه السّلام فى استعمال الطّيور واستخدامها لاجراء حكمه من بلدٍ
الى بلدٍ * او لابلاغ رسالته حين الباس و الجهاد فى سبيل الله مثل ما استخدم داوٗد وسليمٰن الشّجعان
والابطال وغيرها من الّذين كانوا يعوذون فى غيابات الجبال والسّواحل * من البنّآء والغوّاص والعمّال
والصّنّاع * سمّاهم بنو اسرآءيل الجنّ والشّيٰطين لفطانتهم ولكونهم صُنعى الايدى فى اعمالهم * و
الّذين كانوا يهاجرون الى مُلك بنى اسرآءيل ويأتون من كلّ فجّ عميق ليخدموهم * وليبنوا مصانع لهم
ويرفعوا مساكنهم ومساجدهم * وليحرثوا طبقات الجبال لهم * ويسوقوا مراكبهم على البرّ والبحر نظرًا
الى تسخيرهم الرّيح * ويعدنوا الاحجار والمعادن لهم نظرًا الى تسخيرهم الجبال و اقطاع الارض * كما يعبّدكم
او يستخدمكم المغربيّون الآن لطلب النّفع منكم * وليسخّروا ما خلق الله فى السّمٰوٰت والارض جميعًا لهم *
ومع هذا يسمّونكم تسمية الفقرآء والحفوآء بل يقرّنونكم فى الاصفاد لتعبدهم فتوزعوا لهم فلذلك
قال الله فيهم وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (۲۷: ۱۷) ❁ ولذلك اثنىٰ

علیہما التسخیرھم اشیاء الطبیعۃ * وسعیہم لاجراء الصنعۃ والتجارۃ والعلم فی ملکھم وقال فی داود وسلیمن اذ یحکمن فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شھدین ففھمنھا سلیمن وکلا اتینا حکما وعلما وسخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر وکنا فعلین وعلمنہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم فھل انتم شاکرون ولسلیمن الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی برکنا فیھا وکنا بکل شیء علمین ٥ (٢١: ٧٨-٨١) ۞ وقال فی تسخیر سلیمن البحر واجراء حکمہ علیہ فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب والشیطین کل بناء وغواص واخرین مقرنین فی الاصفاد ٥ ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب وان لہ عندنا لزلفی وحسن ماب ٥ (٣٨: ٣٦ - ٤٠) ۞ وسمی اللہ داود ذا الاید لکونہ عمالا وبناء فی ملکہ * ولانہ عمر ارضہ اشد عمارۃ * ومدن المدائن * واشاع العمران فی ملکہ وسخر الجبال والطیر لتقویۃ قومہ وتشدید ملکہ فقال واذکر عبدنا داود ذا الاید انہ اواب ٥ انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق ٥ والطیر محشورۃ کل لہ اواب ٥ وشددنا ملکہ واتینہ الحکمۃ وفصل الخطاب (٣٨: ١٧-٢٠) * واثنی علیہ اشد ثناء لانہ بلغ اشد مبلغہ فی صناعۃ الحدید وعمل السبغت * وتقدیر السرد * وثنی علیہما کل تثنیۃ وحمد لانھما اسالا علی الارض عیونا من الحدید والقطر من الجبال التی سخرھا بوساطۃ الجن والشیطن وحمل کل ھذا علی الصلاح والایمان وعبادۃ الرب وشکرہ وقدرہ حق قدرہ وقال ولقد اتینا داود منا فضلا ط یجبال اوبی معہ والطیر والنا لہ الحدید ٥ ان اعمل سبغت وقدر فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون بصیر ٥ ولسلیمن الریح غدوھا شھر ورواحھا شھر واسلنا لہ عین القطر ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر ٥ یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور رسیت اعملوا آل داود شکرا ط وقلیل من عبادی الشکور ٥ (٣٤: ١٠-١٣) ۞ فھذا ما کان لھم بھا من علم ومن عقل وفکر فی مخلوقاتہ وھذا ما کانوا یعملون ۞ لیعملوا صالحا فی الدنیا ولیکونوا

فی الاٰخرۃ من الصّٰلحین ٭ فنبئونی بما صلاحکم فی ھٰذہ الدّنیا ایھا الغافلون الجاھلون ٭ و بما تشترون نجاتکم فی العقبیٰ ان کنتم صٰدقین ٭ فالمغربیون ھم الذین اٰمنوا باللّٰہ علیٰ علمھم[1] وعملوا الصّٰلحٰت بایدیھم وارجلھم بالحق فاولٰئک ھم المفلحون ٭ وقد قال اللّٰہ لکم فی اُمم خلت من قبلکم وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِن فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ[1] عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (۴۴: ۳۰ - ۳۲) ٭ وقد قال اللّٰہ لکم وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (۴۵: ۱۳ - ۱۶) ٭ فما فضلوا الا لانھم تفکروا فی خلق السّمٰوٰت والارض ٭ وسخروا لانفسھم ما فیھما وما بینھما وما علیھا نبذ امنہ ٭ واٰمنوا بالذی خلقہ اللّٰہ بالحق وعملوا صالحًا بالقطر والحدید فجزاھم اللّٰہ بما کانوا یکسبون ٭ وانتم لا ترجون ایام اللّٰہ ولا تبتغون فضلًا منہ لانکم لا تؤمنون ولا تصلحون بل تؤمنون بالظن من دون العلم وتؤمنون باباطیلکم الشرعیۃ المفرقۃ ٭ و ظنونکم المھلکۃ المعطّلۃ ٭ ومسائلکم الفقھیۃ الواھیۃ ٭ ما انزل اللّٰہ بھا من سلطٰن وبینۃ ٭ تحسبون خلقہ عبثًا وباطلًا ٭ وتتخذون اٰیاتہ سخرًا وھزلًا ٭ تمرون فی نحوکم وبلاغتکم وشعرکم انکم اولو علم ٭ وتعتقدون بالجان والقبور والاولیاء لتفلحوا بھم ٭ وتتخذون اٰلھۃ من الارض لتمکروا فی توحیدکم ٭ فلا واللّٰہ انتم قوم تجھلون ٭ وقد قال اللّٰہ لکم وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (۲۹: ۵۲) ٭ وقد قال أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (۴۵: ۲۱ - ۲۲) ٭ وقد نبّھکم اللّٰہ فی صفۃ العلم بقولہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ

[1] ای من کونھم اولی علم ٭

لك به علم إن السمع و البصر و الفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا ۝ (۱۷: ۳۶) افلا تذكرون ۞

فما العلم الا ما يصدر من استعمال السمع والبصر والفؤاد ه وما العلم الا ما تشهدون بابصاركم وتسمعون بسمعكم

وتجربونه ليلا و نهارا بفؤادكم ٭ والذی لم تشهد عليه سمعكم وبصركم وفؤادكم هو الظن فما تتبعون

الا الظن وان انتم الا تخرصون ۞ ان ربك هو اعلم من يضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين ۝

وللہ ما فی السموت وما فی الارض ليجزی الذين اساءوا بما عملوا ويجزی الذين احسنوا بالحسنى ۞ (۱۸: ۳۱)

افلا تعقلون ۞ فالذين امنوا واحسنوا واصلحوا فی هذه الارض ولم يبتغوا الا العلم ولم (۳۱: ۱۵۳)

يؤمنوا الا بالحق يجزون بالحسنى ويفلحون ۞ وانتم لا تصلحون ولا تؤمنون فلا تجزون الا ما تكسبون ۞

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فی الارض كما استخلف الذين

من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذی ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا ۚ يعبدوننی

لا يشركون بی شيئا ۚ ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفسقون ۝ (۲۴: ۵۵) ۞ فلما لا يستخلفكم

الله ولما لا يبدل خوفكم امنا وهم يخلفون ۞ وتبدلون بقوم غيركم فتصيرون ۞ ولن يخلف الله وعده

ابدا افلا تسمعون ۞ فلا شك انكم لا تؤمنون ولا تعملون الصلحت ولا تعبدونه بل (۲۲: ۴۷)

تشركون به واكثركم الفسقون ۞ والمغربيون هم الذين امنوا وعملوا الصلحت فی زماننا هذا

فيستخلفهم الله ويستدرجكم من حيث لا تعلمون ۞ اكرهو كل هذا اولا تكرهوه وسبوا قائله اولا تسبوه

لكنكم لهالكون ۞ فانك لا تسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين ۝ وما انت بهد العمی

عن ضللتهم ان تسمع الا من يؤمن بايتنا فهم مسلمون ۝ (۳۰: ۵۲-۵۳) ۞ وحرام على قرية

اهلكنها انهم لا يرجعون ۝ (۲۱: ۹۵) ۞

فيا معشر الهالكين! ويا زحمة الميتين المستهلكين! المتعارفين فی زماننا هذا بالمسلمين

المؤمنين! ما لكم لا تتبعون الرسول النبی الذی يضع عنكم اصركم والاغلال التی تقيدكم فالذين

اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷: ۱۵۷) ❋ یدعوکم
لما یحییکم بالعلم والعمل وما اسلامه الا العلم والعمل بل ما ایمانه بشیٔ اٰخر فاتبعوه لعلکم
تهتدون (۷: ۱۵۸) ❋ ومن قوم عیسٰی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ (۷: ۱۵۹) ❋ ومالکم لا تؤمنون و
لا تصلحون ❋ النصرانیون قد بلغوا اشدّ مبلغهم فی العلم والعمل ومالکم لا تعلمون ولا تعملون ❋ لقد
ورثوا الارض صعیدها وجرزها وبرها وبحرها فصاروا من عباده الصّٰلحین ❋ لقد اٰمنوا بالتوحید علما
وعملا الا علی قولهم اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (۵: ۷۳)† ❋ ولقد انتهوا عما کانوا یقولون فاستحق الله منهم العذاب
بل صاروا من المحبوبین ❋ ومالکم لا تخطفون ارضهم بل تخرجونهم من ارضکم ومالکم کیف تحکمون ❋
افامنتم ان یذروکم فی ما بقی من دیارکم اٰمنین وقد قبضوا علی ارض مکتکم والبیت المقدس
مهللین ❋ او امنتم ان یغفر الله لکم ما قد سلف انه غنی عن العٰلمین ❋ وکم من امة ذات
قوة اهلك الله من قبل وما بلغتم معشار ما بلغوا فهل تحسون منهم من احد او تسمعون لهم رکزا
سائحین ❋ فالحق انکم لا تسمعون اذ تدعون ❋ تبکون فی زوایاکم کربات الحجال فلما لا تحلون
من اساور من ذهب ولؤلؤا لتبکوا علی قسمتکم مشتهی قلبکم صاکین ❋ وتلك الایام یداولها
الله بین الناس لیمحص الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ (۳: ۱۴۱) ❋ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۸: ۸) ❋ وان انتم تکرهون کل هذا فلما لا ترجعون ❋ او تتوبون ❋ ولم
تقولون مکرا انه لغفور رحیم ❋ فوالله ان ربکم لیس لکم بغفور رحیم ❋ فانه قال وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا
السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۷: ۱۵۳) ❋ بل قال ثُمَّ اِنَّ
رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
(۱۶: ۱۱۹) ◎ وقال اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۲۴: ۵) وقال الامر

† الاشارة الی قوله تعالی لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۵: ۷۳-۷۴)۔ ولا شك فی النصرانیین فی زماننا هذا قد استغفروا الله وقد تابوا الیه لانهم لا یعتقدون الآن بالوهية المسیح بالعمل الا ما قال الجهلاء منهم بافواههم ولا یحصّنونه کما کانوا یحصّنونه فی القرون الخالیه ولا یؤمنون فی قلوبهم انه ابن الله۔ ولذلك قال استغفهم (الباقی)

تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئك يبدل الله سيئاتهم حسنت وكان الله غفورا رحيما ٥ ومن تاب
وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا ٥ (۲۵: ۷۰-۷۱) * وقال الا الذين تابوا واصلحوا وبينوا فاولئك
اتوب عليهم وانا التواب الرحيم ٥ (۲: ۱۶۰) ✵ فما انتم تعملون السيات بجهالة * وما انتم بتائبين الى الله *
وما تؤمنون * وما تصلحون * وما تعملون الصلحت * وما تبينون بل تكتمون شهادة الله * فكيف يبدل
الله سياتكم حسنت * وكيف يكفر عنكم بالكم السوء * او يغفر لكم بظلم وانتم ظالموا انفسكم ببغيكم * وعملكم
عمل الكفرين ✵ فانه قال واني لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اهتدى (۲۰: ۸۲) افلا تعقلون ✵
بل قال نبئ عبادي اني انا الغفور الرحيم ٥ وان عذابي هو العذاب الاليم ٥ (۱۵: ۴۹-۵۰) ✵ وقال اعلموا
ان الله شديد العقاب وان الله غفور رحيم ٥ (۵: ۹۸) ✵ وقال رفع بعضكم فوق بعض درجت ليبلوكم
في ما اتكم ان ربك سريع العقاب وانه لغفور رحيم ٥ (۶: ۱۶۶) ✵ فما هو الا انه يرفع بعضكم على
بعض بعد ان ابتلاكم في انعمكم التي اتكم * فمن يكفر بانعمه يظلم نفسه فانه يعذبهم * ومن يشكر يغفر لهم *
بل يزدهم فضلا ورحمة * فانه قال لئن شكرتم لازيدنكم (۱۴: ۷). وما ربكم بظلام للعلمين ✵ فمن
تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله يتوب عليه ان الله غفور رحيم ٥ (۵: ۳۹) ✵ وانما التوبة على الله
للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم (۴: ۱۷) والله بصير
بما تعملون ✵ وليست التوبة للذين يعملون السيات حتى اذا حضر احدهم الموت قال اني تبت الئن
ولا الذين يموتون وهم كفار (۴: ۱۸) * فمن امن واصلح من قريب غير باغ ولا عاد * ومن يعمل سوء
او يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفورا رحيما ٥ (۴: ۱۱۰) ومن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم
عليه ان الله غفور رحيم ٥ (۲: ۱۷۳) ✵ وليس عليكم جناح فيما اخطاتم به ولكن ما تعمدت قلوبكم
وكان الله غفورا رحيما ٥ (۳۳: ۵) ✵ افلا تستعجلون بتوبتكم خشعين ✵ يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم
(۲: ۲۲۵) فان تبتم يتوب الله من بعد ذلك على من يشاء (وهو لطيف لما يشاء (۱۲: ۱۰۰)) ان الله

(البقية من صفحة ۹۱) الاعظم لا يجلس على الاعلان في مجمع الاحبار الذي يستامرون فيه ويشاورون حاجا بعد عام نظرا الى ابلاغ دينهم اتنا ومن معنا لا نعتقد بالوهيت المسيح (الباقی)

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٩: ٢٧) ❋ فيايها المسلمون المتجاهلون المعاصرون! ويا ايها المتساهاون الباغون العادون! الذين يعملون السيئات بالتعمد وماهم بمضطرين ❋ والذين لا يتوبون إلى الله ويستغفرونه والله غفور رحيم ۝ (٥: ٧٤) ❋ الا تحبون ان يغفر الله لكم والله غفور رحيم ۝ (٢٤: ٢٢) ❋ ماكان الله ان يتوب عليكم ولستم بتائبين اليه من فور بل تنتظرون ❋ ان يحل عليكم غضبه ومن يحلل عليه غضبه فاولئك هم الظلمون الهالكون ❋ وكيف تزعمون ان يكون الله لكم غفورا رحيما ولستم بفاعلين ما يامركم رب العلمين ❋ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (١٣: ٦) افلا تعقلون ❋ فوالله ما ربكم لكم بغفور رحيم ❋ ان هو بغفور الا للمغربين النصرانيين المؤمنين الذين يداومون فى زماننا هذا على جهادهم بالسيف فى الانفس ليكفوا ايدى الاعداء عنهم ❋ والذين يهاجرون من ملك الى ملك لتقوية قومهم والذين يصبرون فى سعيهم صبرا تاما فانه قال ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (١٦: ١١٠) ❋ وقال إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٢: ٢١٨) ❋ وماهو بغافر لاحد او راحم الا بالذين داوموا على جهادهم بالمال والايمان بالاخرة والايمان بالله وعلى توحيدهم عملا ومعنا فانه قال وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٩: ٩٩) ❋ ومايغفر الا للذين لم يتفرقوا ولم يمردوا على النفاق بل داوموا على وحدة الامة فانه قال وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝ وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٩: ١٠١-١٠٢) ❋ وللذين داوموا على اطاعة اميرهم وامنوا به

(البقية من صفحة ٩٢) او بكونه ابن الله الا فى الاستعارة والتشبيه وانما نعتقد انه كان بشرا مثلنا الا انه قد جاء من ربنا ليهدينا، فتدبر.

ما داموا في الأرض فأولٰئك الذين يحبهم الله ويغفر لهم ذنوبهم ويؤيد هٰذا قوله لمعاصري النبي ﷺ
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا
اللّٰهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ۝ (٣: ٣٠-٣١) ❋ والذين يستأذنون أميرهم
لبعض شأنهم وإذا كانوا معه على أمر جامع لم يذهبوا حتّٰى يستأذنوه وغضوا أصواتهم عنده ولم يرفعوا
أصواتهم فوق صوته فأولٰئك الذين يغفر الله لهم فإنه قال إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ
وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلٰى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ
يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۚ
إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٢٤: ٦٢) ❋ وما هو بغفور رحيم إلا للذين يجهدون جهدًا بليغًا في مكارم
الأخلاق ويسعون أن يزكوا أنفسهم عن رجز الشيطٰن فإنه قال يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِينَ وَالْمُهٰجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ
أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٢٤: ٢١-٢٢) ❋ بل يغفر للذين يدرسون صحيفة الفطرة
ويستنبطون منها قانونه وعلمه فيشكرهم ويزيدهم من فضله ورحمته فإنه قال وَمِنَ
النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ
غَفُورٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُونَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ (٣٥: ٢٨-٣٠) ❋
فيا من لا يعلمون ولا يعملون! ويا من حق عليهم القول إنهم لهالكون! والله ما ربكم لكم بغفور

❋ فالمعنى هو أنه من يدرس أعمال الله والكتٰب الذي هو بين يديه فيغفر له بل يزيده من فضله كما زاد الله النصرانيين علمًا وفضلًا وحكمًا في زماننا هٰذا وقد جاء تشريح ما عنى الله بهٰذه الآيات المغلقة البليغة على صفحة ٨٣ من هٰذه "الافتتاحية" وسيأتي تثبيته في كتاب التذكرة كرة بعد مرة - وأما قوله تعالى شكور فقصد منه أنه يشكر الناس يعظمهم بقدر سعيهم ويوفيهم أجورهم مقدار ما قدروا الله بدراسة صحيفة الفطرة ❋

رَّحِيْمٌ ✻ ان هو بغفور الا للذين يتبعون العشرة المبشرة من اصول الاسلام عملاً و معناً و من تبعها فاولٓئِك هم المفلحون ✻ و من صرف عنها فهم لا يستبعتون ✻ لا فی الدنيا و لا فی الاخرة ايما تنظرون ✻ وان تستغفروا الانفسكم سبعين مرّة اوتتوبوا اليه اكثرمنه باقوالكم اوكلما تكم المستغفرة فلن يغفر الله لكم ذٰلك بانّكم كفرتم بالله ورسوله وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ† (۹: ۸۰) ✻ وان تعملوا و تعالموا فانّ الله غفور رّحيم ✻ يؤتيكم اجوركم من فور والله ذو الفضل العظيم ✻ يستخلفكم فی الارض لتاكلوا من فوقكم و من تحت ارجلكم خٰلدين ✻ وان تولّوا فان هٰذا الّا البلٰغ المبين ✻ و عليكم اسرافكم ان اصبحتم فی الارض مذلّلين ✻ وانّه قال لكم يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۳۹: ۵۳-۵۵) ✻ وان لم يستحی الله من ان يهلك قوم نوح و ابراهيم و صالح و لوط و شعيب و موسٰی و غيرهم من انبيآئه فلما يستحی من ان يهلك امة محمد افلا تعقلون ✻ وقد قال لكم وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ (۱۷: ۱۷) مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء) ✻ وقال اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (۳۲: ۲۶) ✻ وقال اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (۳۶: ۳۱) ✻ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (۱۱: ۱۱۷) ✻ فيا ايها المسلمون! توبوا الی الله من قبل ان ياتيكم اليقين ✻ فالله لا يستحی منكم و من العٰلمين ✻ وانّه هو الدّمار ذو القوّة المتين ✻ واعلموا انّ كلّ واحد منكم فی الاخرة من الماخوذين ✻ يؤاخذكم فرادٰی فرادٰی و لو نلتم هٰهنا اجوركم مجموعين ✻ لئلا تقولوا لعلّ الله يعفوا عنّی او يغادرنی فاكون من المفلحين ✻ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (۵۶: ۱-۳) ✻ وسيرت الجبال وترى

† الاشارة الی قوله تعالٰی اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۹: ۸۰)

الأرض بارزة (٤٧:١٨) ❁ وعرض الناس على ربهم صفوفا مسوية ❁ فقيل لنفس ايتى بما كنت تفعلين فى الدنيا فردا مفردة ❁ لانه ماكانت الدنيا الامزرعة للأخرة ❁ ايتى بما كنت تشركين بالله سرا وعلانية ❁ فان عليك ماكنت تفعلينه وعلينا مانفعله ❁ واهلى بكاء وتعزية ❁ فعلت لترضى قلبك وتجعلى يسرا لك فالان نفعل مارضينا وترضيه ❁ ادخلى فان لكم نارا حامية ❁ لانكم كنتم تستحبون الحيوة الدنيا وتذرون العاقبة ❁ وماكنتم تفعلون ماامرتكم لتكونوا فى الدنيا فى عيشة راضية ❁ متكئين على سرر متقابلة ❁ فادخلوا نار الله الموقدة ❁ فيها ظمأ ونصب وتصلية ❁ خالدة باقية ❁ فياايتها النفس اهلى جزعا وفزعا ❁ وان منكم الا واردها كان على ربك حتما مقضيا (٧١:١٩) ❁ فانه قال وحشرنهم فلم نغادر منهم احدا (٤٧:١٨) ❁ لقد جئتمونا كما خلقنكم اول مرة فرادا فرادى بل زعمتم الن نجعل لكم موعدا (٤٨:١٨) ❁ فيا اسفا وعجبا ! مالكم تشركون بالله ولا تصلحون ❁ وتقولون ولا تفعلون ❁ كبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون (٣:٦١) ❁ افعلوا فان الله غفور رحيم ❁ والحمد لله رب العلمين ○ الرحمن الرحيم ○ ملك يوم الدين ○ اياك نعبد واياك نستعين ○ اهدنا الصراط المستقيم ○ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ○

ونظرا الى كل ماتقدم فى لوازم الايمان وشرائطه القول الفيصل الذى لا يرتاب به هوان كل هذه العشرة من اصول الاسلام هى الايمان ٭ فمن صرف عنها فى اى زمان ومكان سقط ايمانهم بالله بل كفروا به اشد كفرا ٭ ومن سعى لها سعيا تاما ليلا ونهارا فهم الذين اسلموا بل امنوا عنده ٭ واولئك الذين يغفر الله لهم ويرحمهم فى الدنيا والاخرة من وزن العلمين ❁ وما الايمان بان تقولوا امنا بافواهكم بل ان تصدقوا ما فى قلوبكم بالجهد والعمل فى سبيله لو كنتم تعلمون ❁ وما الايمان اصلا الا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون ❁ فوالله ما امرء باحد

حتیٰ اسلم وجھہٗ لہ * ولم یقبل منہ قولہ حتیٰ اعتصم بامرہ وقانونہ * ومن اعتصم بمولاہ

ثم استقام فلاشک فی انہ کان من الناجین * وواللہ مایفعل احدٌ کل ھٰذہ العشرۃ حتیٰ فعلہ

الا من اشعر نفسہ التوحید * واستعمر اللہ قلبہ من دون سائر الالھۃ * وشرح صدرہ للعمل

لیشاکل قولہ فعلہ * ومن قدّم لنفسہ ھٰذہ الاعمال الاٰخرۃ بردّ جماعتہ الیٰ معاد ومن افازقومہ

بھا فاولٰئک من الصّٰلحین * وماھٰذہ العشرۃ الا قانون مولٰکم اللہ فی ھٰذہ الارض وسنتہ *

وسنّۃ کل امّۃ مسلمۃ التی اصلحت ثمّ افلحت فی الدنیا * بل سنّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (٣٣: ٦٢) افلا تذکرون * وانّ منکم لمن یؤمن بحکمۃ ھٰذا

القانون علیٰ علمہٖ فیھدی قومہٖ علیٰ بصیرۃ من ربّہٖ * وانّ منکم لمن یعتقد بذالقانون مرتسمًا

فیتبعہ اتباعًا لکبرآئہ * وانّ منکم من یتبع بعملہ ومن یُتبع بعلمہ * ومنکم من یطیع بایدیہ

وارجلہ ومن یطاع بسمعہٖ وبصرہٖ وفؤادہٖ * ومنکم سابقٌ بالخیرٰت ومقتصدٌ ومن ھو ظالمٌ

لنفسہٖ * فیا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (لتفرّوا

من ھٰذا القانون) فَانْفُذُوْا ۚ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ (٥٥: ٣٣) منہ فانہ ماخلق الجن والانس

الا لیعبدہ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (٣: ٨٢) * ارجعوا یاایھا

الثقلان من قبل ان یاتیکم الیقین * وانیبوا الیٰ ربکم ان اردتم ان تکونوا من المفلحین *

انیبوا لانّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (١٣: ١١) وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ

لَا یَرْجِعُوْنَ (٢١: ٩٥) * وذروا شرکآء الجن والھتکم التی تشغلکم عن السّعی والعمل کلًّا وقاطبۃً

ان کنتم مؤمنین * ارجعوا افرادًا وارجعوا جمیعًا فانکم الیٰ ربکم لتحشرون * وواللہ لا یفلح

احدٌ منکم فی الاٰخرۃ حتیٰ یفلح قومہ فی الدّنیا ومن افلح قومہ وانْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ (٤٢: ٤١) وشرکہ

فاولٰئک من المفلحین * ومن یفعل کل ھٰذہ العشرۃ ومایلیھا من الاوامر ویصدق ایمانہ بالعمل

فہم الذین یفلحون فی ھذہ الدنیا اینما تنظرون ❁ وھم الذین یدومون ما داموا فی الارض غالبین ❁
ومن صرف عنہا وکذب فاولئک من الھالکین ❁ فمن امن امن * ومن اسلم وجھہ لہ سلم * واولئک
ھم المسلمون المؤمنون حقًا صرفًا عمّا قال القائلون وکذب الکذبون ❁ لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ
بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ (۸: ۴۲) وان اللہ لیس بظلام للعلمین ❁ ولذلک قال اللہ لکم فی
الامم الھالکۃ التی خلت من قبلکم فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ
(۲۶: ۱۳۹) ❁ فما الایمان الآن تمشوا فی الارض امنین ❁ لتصلحوا بالکم فی الدنیا ولتکونوا
فی الاخرۃ من المامونین ❁ ویوم یحشرکم جمیعًا فیقول لجنتکم واولیاء کم الذین قالوا لکم
ان الدین ھو دین القال والقیل * لیضلوکم عن سواء السبیل * یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
(۶: ۱۲۹) لتصلحوا بال انفسکم فی الدنیا وخربتم عبادی فانھم کانوا قومًا لا یفقھون ❁ قد استمتعتم
من عبادی الذین لم یعبدونی وکانوا یعبدونکم بجد ما لم استمتع منھم * ولم اردمنھم من رزق ولم
اردمنھم ان یطعمون ❁ قد استنفعتم منھم کثیرًا لانھم کانوا یریدونکم ولم یریدونی * وکانوا
یعوذون بکم ولم یعوذوابی * وصاروا مریدیکم ولم یصیروا مریدیّ * وکانوا یحبونکم اشد حبًا
ولم یحبونی معشار حبھم لکم * فانھم کانوا یفعلون ما امرتم وما کادوا یفعلون ما امرتھم * یقرضونی
قرضًا سیئًا ویقرضونکم قرضًا حسنًا * یجعلون للہ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ (۶: ۱۳۷) ولمال نصیبًا
خبیثًا ویجعلون لکم نصیبًا طیبًا * بَلْ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ (۱۶: ۵۷) ولکم ما تشتھون ❁
وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ (۱۶: ۵۸) ❁ وکنتم تجرون اذیالکم علی الارض
من التنعم * وتتخذون بیوتًا لکم من الذھب والفضۃ * وجنت لکم من العسل واللبن * وکنتم تجنون
انفسکم منھم لیعبدوکم اشد عبادۃ ولوکنت غائبًا عنھم فی غیبت السماء والارض فلم یعبدونی * وکانوا
ینفقون فی سبیلکم لیعلموا الغیب منکم وکنت اعلم الغیب فلم ینفقوا حبۃ خردل فی سبیلی * بل

كانوا يقيمون دينكم ليخذلوا ولم يقيموا دينى ولو انهم اقاموا دينى لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم
(٥: ٦٦) ✽ فقال اولياؤهم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا اجلنا الذى اجلت لنا ط قال النار
مثوٰكم خٰلدين فيها الا ما شاء الله ان ربك حكيم عليم ○ وكذٰلك نولى بعض الظٰلمين بعضا بما كانوا
يكسبون ○ يٰمعشر الجن والانس الم يأتكم رسل منكم يقصون عليكم اٰيٰتى وينذرونكم لقاء يومكم
هٰذا ط قالوا شهدنا على انفسنا وغرتهم الحيٰوة الدنيا وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كٰفرين ○ ذٰلك ان
لم يكن ربك مهلك القرٰى بظلم واهلها غٰفلون ○ ولكل درجٰت مما عملوا ط وما ربك بغافل عما
يعملون ○ وربك الغنى ذو الرحمة ط ان يشا يذهبكم ويستخلف من بعدكم ما يشاء كما انشاكم من ذرية
قوم اٰخرين ○ ط ان ما توعدون لاٰت وما انتم بمعجزين ○ قل يٰقوم اعملوا على مكانتكم انى عامل فسوف
تعلمون من تكون له عاقبة الدار ط انه لا يفلح الظٰلمون ○ (٦: ١٢٩-١٣٦) ✽ ولقد ذرانا لجهنم كثيرا
من الجن والانس ز لهم قلوب لا يفقهون بها ز ولهم اعين لا يبصرون بها ز ولهم اٰذان لا يسمعون
بها ط اولٰئك كالانعام بل هم اضل ط اولٰئك هم الغٰفلون ○ (٧: ١٧٩) ✽ ويوم تقلب وجوههم فى النار
يقولون يٰليتنا اطعنا الله واطعنا الرسولا ○ وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وكبراءنا فاضلونا السبيلا ○ ربنا اٰتهم ضعفين
من العذاب والعنهم لعنا كبيرا ○ (٣٣: ٦٦-٦٨) ✽ وقال الذين كفروا ربنا ارنا الذين اضلانا من الجن والانس نجعلهما تحت
اقدامنا ليكونا من الاسفلين ○ (٤١: ٢٩) كما جعلونا اسافل فى لة وضعا فى اثاثا ورئيا ✽ فيا ايها الغٰفلون
من الجن والانس لما لا تسمعون هٰذا القراٰن الذى يهديكم الى الرشد ويهديكم صراطا مستقيما ✽
ويا كبراء الخلق من الجن واحبار الاسلام لم تستكثرون من الانس افواجا ويجمعون وراء ظهوركم
احزابا ✽ لتقطعوا قومكم وتفرقوا دينكم فريقا فريقا ✽ ولتشركوا بالله فانه قال ولا تكونوا من المشركين ○
من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا ط (٣٠: ٣١-٣٢) ✽ لما لا تجمعون الذين يدعون ويحصون الانس على الهدى
لا تهدونهم طريقا سويا ✽ كبراء الخلق من الامم الاخرى والجنة يهدون اناسهم الى الحق والفرقان لحكم

وانتم تضعفونهم ليفشلوا هم ومن لحقوا بهم جميعًا ❊ العامة من الناس يؤمنون بكم لتهدوهم بعلمكم ونبأكم وفطانتكم ❊ وهم لا يزالون يستمسكون باذيالكم ويظنون بكم ظنونًا ليفلحوا فى الدنيا بوساطة النور الذى يسعى فى اذهانكم والنار التى تسرى فى اعضائكم وطينتكم وانتم تستعملون نوركم وناركم لتصلوهم صليًا مقضيًا ❊ خلق الانس من طين وعجل وحماء وانتم خلقتم من نار ونور ونباء ❊ كانكم اعلام فى رأسها نار لتأتم الهداة بكم ❊ ولكن شيطينكم من السادات والاحبار والرهبان يفسقون عن امر ربهم ويجعلون للناس فخوخًا ومصالى ليضلوهم ضللًا مبينًا ❊ ما للناس اتخذوكم اربابًا من دون الله وما لكم تشركون بالله وتحثون الناس على عبادتكم لتجمعوا خيرًا لانفسكم ولتجمعوا اشرًا لهم وما لكم تدعون انكم تملكون لهم ضرًا ورشدًا ❊ تدعون ان تجيرونهم من عذاب الله وتعلمون الغيب لتستكثروا لانفسكم من الخير ولتتبعوا سببًا ❊ ام عندكم خزآئن ربكم ام انتم المصيطرون ❊ فى الارض منصبًا ونسبًا ❊ ام لكم سلّم (٥٢ : ٣٨) تستمعون فيه سرآئر ربكم فليأت مستمعكم بسلطن مبين من العرش هبطًا ❊ وقد نبأه الله رسولكم السيد الامير الذى لم يكن مثله فى الدهر ابدًا ❊ نبهه انه يبلغ رسلته فقط ولا يدعى من دونه شيئًا ❊ وقال قُلْ إِنَّمَآ أَدْعُوا رَبِّى وَلَآ أُشْرِكُ بِهِۦٓ أَحَدًا ۝ قُلْ إِنِّى لَآ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝ قُلْ إِنِّى لَن يُجِيرَنِى مِنَ ٱللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِۦ مُلْتَحَدًا ۝ إِلَّا بَلَٰغًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِسَٰلَٰتِهِۦ ۚ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَإِنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۝ حَتَّىٰٓ إِذَا رَأَوْا۟ مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ إِنْ أَدْرِىٓ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُۥ رَبِّىٓ أَمَدًا ۝ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ٱرْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُۥ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا۟ رِسَٰلَٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًۢا ۝ (٧٢ : ٢٠-٢٨) ❊

فما لكم لا تبلغون رسلت ربكم لا زيادةً ولا نقصًا ❊ ولا يجيرون انفسكم منه باتباع سنته معنًا وعملًا وما لكم تكتمون ما انزل الله من البينت والهدى من بعد ما بينه للناس فى الكتب (٢ : ١٥٩) وتقولون ما كتب الله

علینا القتال والهجرۃ والجہاد بالمال ۞ وما کتب علینا اطاعۃ الامیر والاستقامۃ فی الافعال ۞ ووحدۃ الامۃ وتوحید فی الاعمال ۞ والایمان بالاخرۃ ومکارم الاخلاق وعلم السموٰت والارض والجبال ۞ بل ما کتب علی الاختلاف الا العقائد والاقوال ۞ فالَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ (۲: ۱۷۴) و اعد اللہ لھم عذابا نکرا ۞ وان استطعتم یمعشر الجن ان تنفذوا من اقطار السموٰت والارض لتفروا من قانونہ تعالٰی او تعجزوہ ھربا لا تعجزونہ فرارا وعدوا ۞ ولو لمستم السماء ھا آتین بغراء من ملکوتہ و حکمہ لکونکم اولی علم ونبا وفطانۃ فی زعمکم لوجدتموھا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُھُبًا (۸:۷۲) ۞ فلما لا کتب اللہ علیکم القتال وسائر مخلوقاتہ من الدآبۃ والطیور والانعام وغیرھا یقتلون ویقتلون لیحفظوا انفسھم من اعدائھم حفظا ۞ والی ای حیوان او نبات نظرتم وجدتموہ حافظا لنفسہ شوکۃ ومنقارا اواسنانا وقرنا ۞ وفی ای ثمر او فرع او اصل تنظرون تجدونہ جاھدا فی سبیلہ سعیا وعملا ۞ و النجم تجدونہ سالکا سُبُل ربہ طوعا وذللا ۞ افرءیتم صنع کل ھذہ ام من شرکائکم واولیائکم واحد سوٰی ۞ افھم یسجدون لحکمکم ام لاحد سواکم الجبار المھیمن الاعلٰی ۞ ام لکم شرک فی السموٰت فتقولوا نحن نصرف حیث نشاء ملکوتہ الادنٰی ۞ ام کان لکم علم بالملا الاعلٰی فتھجروا نحن نصرف سنتہ فی الارض لیکون للانسان ما یرضٰی ۞ فتبٰرک الذی یسجد لہ کل من خلق ولا یسجد لاحد سواہ اصلا ۞ ولما لا کتب اللہ علیکم التوحید فی العمل من دون ما تمرونہ قولا ولفظا ۞ فالعملون والحفظون والطائعون ھم الذین یؤتون من عند ربھم اجرا حسنا ۞ فی زماننا ھذا اینما تنظرون الیہ نظرا ۞ والقائلون لا یبالیھم اللہ نقرا ابدا ۞ وان وجب علی معاصری النبی القتال ونسخ لکم فھل تحسون فی سنۃ اللہ بدلا ۞ ام کنتم تقعدون من السماء مقاعد للسمع حین یبدل اللہ کلمتہ وقد قال مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (۵۰: ۲۹) ولا ابدل وعدا ۞ وان لم یکن للانبیاء ان یقاتلوا الکفار والاعداء الا للدفاع

وحين الباس كما تقولون فلما ارسل سليمٰن الى امرأة سبا كتابا والقى عليها قولا غلظا ❊ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ
وَاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۲۷: ۳۱﴾ تُتركون فى بيوتكم وجنّاتكم حفظا وامنا ❊ وان لم تنتهوا اعذّ بكم عذابا
بئسا ❊ فيا معشر الجن والانس لم تفترون على الله كذبا وهجرا ❊ وتقولون انّما الاعمال للذين خلوا
وانّ لنا ما نقول نظرا وعقدا ❊ وان كان الاسلام قولكم بافواهكم فلما قال نبيّكم للذى سئله ما الاسلام
انّما هو السمع والطاعة والجهاد بالسّيف والهجرة والايمان بالله سعيا وعملا ❊ ولما لا قال يكفيك ان تسمّيه
احدا وان لا تشرك به حجرا ❊ وانّه كان فى عهد النبىّ من اليهود رجال مثلكم من الجنّ يستعاذون
برجال من الانس وكانوا يجيرونهم كما يعوذ النّاس بكم وتجيرونهم الان ❊ وينبّئون النّاس بالغيب فى زعمهم
كما تفعلون باحزابكم ❊ ويلمسون السّماء ليفرّوا من الله اويعجزوه بمكرهم وبتحريفهم سنّة الله ❊ ويزعمون
انهم اتّخذوا فى السّماء مقاعد السمع كما تزعمون الان ليخدعوا النّاس ❊ صرفوا الى رسولنا يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ
فَلَمَّا حَضَرُوۡهُ قَالُوۡۤا اَنۡصِتُوۡا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوۡا اِلٰی قَوۡمِهِمۡ مُّنۡذِرِیۡنَ ﴿۴۶: ۲۹﴾ كلا ❊ قَالُوۡا یٰقَوۡمَنَاۤ اِنَّا سَمِعۡنَا
كِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡ بَعۡدِ مُوۡسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ یَهۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ ﴿۴۶: ۳۰﴾ وانّا سمعنا قرانا عجبا ۙ یهدی الی
الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ﴿۷۲: ۱-۲﴾ ❊ يصدّق ما يجرى بين يديه فى العادة و
ويؤيّد ما يجرى بين يديكم من سنّة الله نظرا وعملا ❊ یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوۡا بِهٖ یَغۡفِرۡ لَكُمۡ
مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَیُجِرۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۴۶: ۳۱﴾ من دون ما نجيركم كذبا ومكرا ❊ وَمَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰهِ
فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَیۡسَ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءُ ﴿۴۶: ۳۲﴾ فبئس ما اتّخذتمونا اولياءكم وارباباكم
وبئسما تزعم ان نعجز الله هربا ❊ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ یَقُوۡلُ
سَفِیۡهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۷۲: ۳-۴﴾ ❊ وانّا امتنا قولكم واحبطنا اعمالكم بالشّرك والظّلم فلا نقدر
الان ان نبعثكم حيا ❊ بل جعلنا قلوبكم قسية ان لن يبعث الله الى يوم القيمة احدا ❊ فلا يبعثكم
الان بعد موتكم شئ الّا ان لا تشركوا بربّكم احدا اصلا ❊ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

الارض ولم يعى بخلقهن بقدر على ان يحيى الموتى (٤٦: ٣٣) بلى ان ربنا يقدر على كل شئ جدًا ❁ و

انا ظننا ان لن تقول الانس والجن على الله كذبا ۝ وانه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن

فزادوهم رهقا ۝ وانهم ظنوا كما ظننتم ان لن يبعث الله احدا ۝ (وقالوا) انا لمسنا السماء فوجدنها ملئت

حرسا شديدا وشهبا ۝ وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجد له شهابا رصدا ۝ وانا

لا ندرى اشر اريد بمن فى الارض ام اراد بهم ربهم رشدا ۝ وانا منا الصلحون ومنا دون ذلك كنا

طرائق قددا ۝ وانا ظننا ان لن نعجز الله فى الارض ولن نعجزه هربا ۝ وانا لما سمعنا الهدى امنا به

فمن يؤمن بربه فلا يخاف بخسا ولا رهقا ۝ وانا منا المسلمون ومنا القاسطون فمن اسلم فاولئك

تحروا رشدا ۝ واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا ۝ وان لو استقاموا على الطريقة لاسقينهم ماء

غدقا ۝ لنفتنهم فيه ومن يعرض عن ذكر ربه يسلكه عذابا صعدا ۝ وان المسجد لله فلا تدعوا مع الله

احدا ۝ وانه لما قام عبد الله يدعوه كادوا يكونون عليه لبدا ۝ (٧٢: ٥-١٩) ❁ فيا معشر الجن

المعاصرين لم تتخذون مساجد الناس لكم ليلا ونهارا الستم كروا انكم تستقيمون على الطريقة وقد قال الله

واقيموا وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين ۝ (٧: ٢٩) وادعوه خوفا وطمعا (٧: ٥٦) ❁

ولما قيضت لكم قرناء[†] فزينوا لكم ما بين ايديكم وما خلفكم من عذاب ربكم جهلا وبلها ❁ فانه قد حق

عليهم القول فى امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس (٤١: ٢٥) وقد حق عليكم ربكم عذابا نكرا ❁

ولو انكم اقمتم دين الله وسنته لاكلتم انتم ومن تبعكم من فوقكم ومن تحت ارجلكم ملء

اعينكم جدًا ❁ فتعلى الله الملك الحق (٢٠: ١١٤) وقولوا لا نشرك لربى احدا ❁ وقولوا لا نشرك لربى ابدا ❁

[†] الاشارة الى قوله تعالى وقيضنا لهم قرناء فزينوا لهم ما بين ايديهم وما خلفهم وحق عليهم القول فى امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس انهم كانوا خسرين ۝ (٤١: ٢٥) يعنى جعل الله لهم اولياء فى الدنيا من تابعيهم يقولون لهم انهم يحسنون ما يصنعون وقد احسنوا ما قد سلف فلذلك لا يزالون يضلون الناس عن سبيله حتى يدمر الله كلهم من الجن والانس اى اكابرهم واصاغرهم ، ولا شك فى ان كبراء الخلق هم الذين يضلون العامة من الناس والناس لا يزالون يثنون عليهم ليضلوهم فيشهد على قولى ان الله ما عنى بالجن الا اكابر الخلق قوله : حتى اذا جاءتهم رسلنا يتوفونهم قالوا اين ما كنتم تدعون من دون الله قالوا ضلوا عنا وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كفرين ۝ قال ادخلوا فى امم قد خلت من قبلكم من الجن والانس فى النار كلما دخلت امة (اى حزب من الانس) لعنت اختها (اى حزبا من الجن) حتى اذا اداركوا فيها جميعا قالت اخرىهم (اى الانس) لاولىهم (اى الجن) ربنا هؤلاء اضلونا فاتهم عذابا ضعفا من النار قال لكل ضعف ولكن لا تعلمون ۝ وقالت اولىهم (اى حزب الجن) لاخرىهم (اى حزب الانس) فما كان لكم علينا من فضل فذوقوا العذاب بما (الباقى)

فى انّ العشرة المبشّرة من اصول الاسلام تصدر من الاتّقاء وما الاتّقاء الّا اتّباع هٰذه الاصول *

ولاشكّ فى انّ كلّ واحد من العشرة المبشّرة الّتى تقدّم ذكرها من لوازم الاتّقاء من دون الايمان فمن اتّبعها عملاً وّمعناً وسعى لها سعياً بليغاً فاولٰئك هم المتّقون * صرفاً عمّا قال فقهاءكم الّذين لايعلمون * الّذين قالوا انّه من يتعمّم او يتأزّر مثل ما تعمّموا وتأزّروا وارسلوا لحاهم فاولٰئك من المتّقين * فامّا **التّوحيد فى العمل** فحمله الله على **الاتّقاء** وقال يٰايّها النّاس اعبدوا ربّكم الّذى خلقكم والّذين من قبلكم لعلّكم تتّقون (۲:۲۱) * لانّه من يتّق ربّه اشدّ خشية فهو الّذى يعبده بالحقّ ومن يعبده بالحقّ فهو الّذى يتّقيه من دون العٰلمين * وامّا **وحدة الامّة** فهى الّتى تصدر من **اتّقاء** الله خاصّة ويدلّ على هٰذا قوله وانّ هٰذه امّتكم امّة واحدة وّانا ربّكم فاتّقون ۝ (۲۳:۵۲) * لانّه من يتّق ربّه حقّ تقٰته فلا يكادون ان يتنازعوا بينهم من خوف عذابه لانّه قال فيهم يٰايّها الّذين اٰمنوا اتّقوا الله حقّ تقٰته ولا تموتنّ الّا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا بحبل الله جميعاً وّلا تفرّقوا ۝ واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداءً فالّف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخواناً وكنتم على شفا حفرة من النّار فانقذكم منها كذٰلك يبيّن الله لكم اٰيٰته لعلّكم تهتدون ۝ (۳:۱۰۲-۱۰۳) * ولذٰلك قال انّما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتّقوا الله لعلّكم ترحمون ۝ (۴۹:۱۰) * وامّا **اطاعة الامير** فهى الّتى تصدر ايضاً من **اتّقاء** الله ويشهد عليه قوله فاتّقوا الله واصلحوا ذات بينكم واطيعوا الله ورسوله ان كنتم مؤمنين ۝ (۸:۱) * وقوله للاعراب اذ كان الرّسول يامر عليهم انّ الّذين يغضّون اصواتهم عند رسول الله اولٰئك الّذين امتحن الله قلوبهم للتّقوٰى لهم مغفرة وّاجر عظيم ۝ (۴۹:۳) * لانّه من يتّق اميره يتّق الله ويخاف عذابه الّذى يصدر من عصيان الامير فلذٰلك قال الله عزّوجلّ يٰايّها الّذين اٰمنوا استجيبوا لله وللرّسول اذا دعاكم لما يحييكم واعلموا انّ الله يحول بين المرء وقلبه وانّه اليه تحشرون ۝ واتّقوا فتنة لّا تصيبنّ الّذين ظلموا منكم خاصّة واعلموا انّ الله شديد العقاب (۸:۲۴-۲۵) *

(البقية من صفحة ۱۰۳) كنتم تكسبون ۝ (۶:۳۷-۳۹) * وليرجع القارى الى قوله تعالى (۱۴:۲۱) و (۴۰:۴۷) على ما سلف على صفحات ۱۵-۱۶ تحت المتن (الباقى)

واما **الجهاد بالمال والانفس والهجرة** فحملها الله كلها على **الاتقاء** ويؤيد هذا قوله
تعالى يا ايها الذين امنوا قاتلوا الذين يلونكم من الكفار وليجدوا فيكم غلظة واعلموا ان الله مع
المتقين (٩: ١٢٣) * وقوله وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة واعلموا ان الله مع المتقين
(٩: ٣٦) * وقوله يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون
(٥: ٣٥) * وقوله لا يستاذنك الذين يؤمنون بالله واليوم الاخر ان يجاهدوا باموالهم وانفسهم والله
عليم بالمتقين (٩: ٤٤) * وقوله وسارعوا الى مغفرة من ربكم وجنة عرضها السموات والارض اعدت
للمتقين الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب
المحسنين (٣: ١٣٢-١٣٣) * واما **الاستقامة في السعي** فحملها الله على **الاتقاء** ويعينني
عليه قوله تعالى والصابرين في البأساء والضراء وحين البأس اولئك الذين صدقوا واولئك هم
المتقون (٢: ١٧٧) * وقوله فلا تهنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون والله معكم ولن يتركم اعمالكم
انما الحيوة الدنيا لعب ولهو وان تؤمنوا وتتقوا يؤتكم اجوركم ولا يسئلكم اموالكم (٤٧: ٣٥-٣٦) * وقوله
قال موسى لقومه استعينوا بالله واصبروا ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين
(٧: ١٢٨) * وقوله يا ايها الذين امنوا اذكروا نعمت الله عليكم اذ هم قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم فكف
ايديهم عنكم واتقوا الله وعلى الله فليتوكل المؤمنون (٥: ١١) * واما **مكارم الاخلاق**
فحمل الله معظمها على **الاتقاء** ويشهد على هذا قوله في التصديق بالعمل والذي جاء بالصدق وصدق
به اولئك هم المتقون (٣٩: ٣٣) * وقوله في ايفاء العهد بلى من اوفى بعهده واتقى فان الله يحب المتقين
(٣: ٧٥) * وقوله في ايفاء العهود بالاعداء الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا ولم
يظاهروا عليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم ان الله يحب المتقين (٩: ٤) * وقوله في
التصديق بالعمل يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين (٩: ١١٩) * وقوله وليخش

(البقية من صفحة ١٠٤) من هذه الافتتاحية للتوضيح المزيد.

الذين لو تركوا من خلفهم ذرية ضعفا خافوا عليهم فليتقوا الله وليقولوا قولا سديدا (٤: ٩) * وقوله يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا (٣٣: ٧٠) * وقوله في الربوا يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا الربوا اضعافا مضعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون (٣: ١٢٩) * وقوله في العدل يا أيها الذين امنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنان قوم على الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى واتقوا الله ان الله خبير بما تعملون (٥: ٨) * وقوله في القصاص فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقين (٢: ١٩٤) * وغيرها من الاقوال التي لم اذكرها ههنا بخوف الطوالة * واما **العلم** فجعله الله على **الاتقاء** واستسند عليه قوله ان في اختلاف اليل والنهار وما خلق الله في السموت والارض لايت لقوم يتقون (١٠: ٦) * وقوله وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلا ذلك ظن الذين كفروا فويل للذين كفروا من النار ام نجعل الذين امنوا وعملوا الصلحت كالمفسدين في الارض ام نجعل المتقين كالفجار (٣٨: ٢٧-٢٨) * لانه من حسب خلقه باطلا ولم يستمتع منه فقد كفر وفجر * ومن طلب العلم منه فاولئك هم المتقون * ويشهد على هذا قوله انما يخشى الله من عباده **العلموا** (٣٥: ٢٨) فالعلماء هم الذين يعرفونه **حقا** وبه يتقون * واما **الايمان بالاخرة** فجعله الله على **الاتقاء** بقوله ذلك الكتب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين **يؤمنون بالغيب** ويقيمون الصلوة ومما رزقنهم ينفقون والذين يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك وبالاخرة هم يوقنون (٢: ٢-٤) * وما **يؤمن** احد منكم **بالغيب** حتى يتقي ربه **بالغيب** فلذلك قال الله ولقد اتينا موسى وهرون الفرقان وضياء وذكرا للمتقين الذين يخشون ربهم بالغيب وهم من الساعة مشفقون (٢١: ٤٨-٤٩) وغيرها من الاقوال التي لم اذكرها ههنا فتدبروا ان انتم قوم يتفكرون * ولا شك في ان كل هذه الاعمال التي تصدر من **الاتقاء** من لوازم **الايمان** لانه قال فاتقوا الله ان كنتم

مُؤْمِنِیْنَ (٥:٥٧) ٭ ومن یتق اللہ حق تقتہٖ ویفعل کل ھٰذہ الاعمال لتصدیقہ لابد لھم من ان یغلبوا فی ھٰذہ الدنیا مادامو فی الارض ولابد لھم من ان ینصرون ٭ ولذلک قال اللہ عزوجل فیھم وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا ای بالعمل فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ (٧:٩٦) ٭ وقال قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (٣٩:١٠) ٭ ومن یتق اللہ مثل ھذا فی ھٰذہ الدنیا لابد لھم من ان یبدل اللہ مکانھم السیئۃ الحسنۃ ویکفر عنھم سیاٰتھم فی ھٰذہ الدنیا ویفضلھم علی العٰلمین ٭ فلذلک قال اللہ فیھم یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (٨:٢٩) ٭ ومن یتق لابد لھم من ان یورثہ اللہ الارض فلذلک قال اللہ فیھم فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِھِمْ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ (١٤:١٣-١٥) ٭ ومن یتق اللہ بفعل ھٰذہ الاعمال لابد لھم من ان یصیروا فی ھذہ الدنیا من الفائزین ٭ فلذلک قال اللہ فیھم وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ (٦٥:٢-٣) ٭ وقال وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ۝ ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَہٗٓ اِلَیْکُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗٓ اَجْرًا ۝ (٦٥:٤-٥) ٭ ومن یتق اللہ مثل ھٰذا لابد لھم من ان یکون لھم فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ فلذلک قال اللہ فیھم وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ لَھُمْ فِیْھَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰہُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ (١٦:٣٠-٣١) ٭ وقال وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (٧:١٦٩)

ولذلك قال ولمن خاف مقام ربه جنتن (۵۵:۴۶)* وقال ان المتقين في جنت وعيون
اخذين ما اتهم ربهم انهم كانوا قبل ذلك محسنين (۵۱:۱۵-۱۶)* وقال ان المتقين في جنت
ونعيم فكهين بما اتهم ربهم ووقهم ربهم عذاب الجحيم كلوا واشربوا هنيئا بما كنتم تعملون
متكين على سرر مصفوفة وزوجنهم بحور عين (۵۲:۱۷-۲۰)* وقال ان المتقين في جنت وعيون
ادخلوها بسلم امنين (۱۵:۴۵-۴۶)* وقال ان المتقين في مقام امين في جنت وعيون
يلبسون من سندس واستبرق متقبلين كذلك وزوجنهم بحور عين يدعون فيها بكل
فاكهة امنين لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى ووقهم عذاب الجحيم فضلا من ربك
ذلك هو الفوز العظيم (۴۴:۵۱-۵۷) * وقال في بالهم في الاخرة وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة
زمرا حتى اذا جاءوها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها سلم عليكم طبتم فادخلوها خلدين وقالوا
الحمد لله الذي صدقنا وعده واورثنا الارض (من قبل) نتبوا من الجنة حيث نشاء فنعم اجر العملين
وترى الملئكة حافين من حول العرش يسبحون بحمد ربهم وقضي بينهم بالحق وقيل الحمد لله رب
العلمين (۳۹:۷۳-۷۵) * فتدبروا يا ايها الفقهاء الجهلون المعاصرون * ما الاتقاء
بما زعمتم وما هي بالذي انتم به تهجرون * ان انتم الا تقولون على الله ما لا تعلمون * وما
تفرقتم الا من بعد جاءكم العلم بغيا بينكم ان ربك يقضي بينكم يوم القيمة فيما كنتم فيه تختلفون **
وقال الرسول يرب ان قومي اتخذوا هذا القران مهجورا (۲۵:۳۰) افلا تذكرون * وقالوا انما الاتقاء
هو عمائم وتسابيح والاقوال والاسماء ولحا واساليب الاستنجاء والالبسة وغسل الجنابة وكلمات
الكفر والنوافل وحفظ القران كالببغاء من وزن الاعمال ما انزل الله بها من سلطن (۵۳:۲۳) فسحقا لاصحب
الجحيم * افلم يدبروا القول ام جاءهم ما لم يات اباءهم الاولين ام لم يعرفوا رسولهم فهم له

---

* اى جنت الارض والجنة الاخرة. واشار الله عز وجل في كل ما يلي هذه الاية (اى الايات (۵۱:۱۵-۱۶) و(۵۲:۱۷-۲۰) و(۱۵:۴۵-۴۶) و(۴۴:۵۱-۵۴))
الى جنت الارض لا الى الجنة الاخرة. وفي قوله (۳۹:۷۳-۷۵) الى الجنة الاخرة ووراثة الارض واما قوله زوجنهم بحور عين في الايات الباقية على صفحة ۱۰۹

** الاشارة الى قوله تعالى واتينهم بينت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم ان ربك يقضي بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون (۴۵:۱۷)

مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ (٢٣: ٦٨-٧٠) ❋ فوالله

ماقال رسولكم لكم ان تحفظوا الفاظ القرآن فى صدوركم كالببغاء او تحملوها مثل الحمار يحمل اسفارا

بل اصر على ان تحفظوا مطالبها ومقاصدها واوامرها ونواهيها ليتبين لكم ما الاتقاء عند الله وما

شرآئطه ولوازمه مثل ما تقدم * ولتذكروا فى انفسكم ما الايمان ولوازمه وكيفيته وكميته

وثوابه واجره فى الدنيا والاخرة كما ذكر كم الله بها فى الكتب * فتجاهدوا فيها حق جهادها وسعيها

فتكونوا من المفلحين ❋ فما هى الا انكم فررتم من دين الاعمال والاشكال الى دين الكلمات

والاقوال لتيسروا بال انفسكم واصررتم على البغى والعصيان لتفروا من الله فاعلموا ما انتم بمعجزى

الله فى هذه الارض هربا ان انتم الا تخرصون ❋ فذهب الله بنوركم وجعل صدوركم ضيقة و

انسيكم ما كنتم عليه بل انسيكم نفسه واقسى قلوبكم وقلوب تابعيكم فهى كالحجارة او اشد قسوة ؕ

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (٢: ٧٤) فلتحملوا اوزاركم كاملة يوم القيمة ومن اوزار

الذين تضلونهم بغير علم[1] الا ساء ما تزرون ❋ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ

رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (٣٩: ٢٢) ❋ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ

يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (٦: ١٢٦) ❋ فهل انتم تائبون من هذه ايها الجهلون! ❋

وان لم تفعلوا فانتظروا انى معكم من المنتظرين ❋

ويا ايها **المفتيون** المعاصرون! الذين يتغانى الناس اليهم فيرسلون فتاويهم كالسماء

مدرارا ليصيبوا بها من يشاءون ❋ والذين يظنون انهم هم المصيطرون فى الارض ليحلوا غضب الله

(البقية من صفحة ١٠٨) (٥٢: ٢٠) و (٤٤: ٥٤) فما عنى الله بهذا شيئا الا ازواجا مطهرة حسناء الوجه بيضاء الجلد التى زوج المسلمين من بعد تمكينهم من الارض + ولم يذكرهن عز وجل قط فى اى موضع فى القرآن فى توصيف الجنة الا انه اشار اليهن فى توصيف جنت كرة بعد مرة - فتدبر

[1] الاشارة الى قوله تعالى لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ (١٦: ٢٥)

على النّاس برسلهم لعبين ❁ ازعمتم انّكم تعلمون كتٰب الله وقانونه ولو علمتموه لخررتم على اذقانكم خاشعين ❁ متصدّعين من خشية الله ولكسّرتم اقلامكم ومزّقتم قراطيسكم كلّ ممزّق تائبين ❁ تعاندون بينكم وتعاجزون لتضعفوا قوآء امّتكم فتفشلوا وتذهب ريحكم (٨:٤٦) ماتركتم على ظهر الارض من نفر سوٰكم الّا اتّهمتموه بالكفر والفسق والشّرك فهل عندكم من سلطٰن انزل الله اليكم بكفرهم او بايمانكم ان كنتم صٰدقين ❁ وان اخرجتم كلّ المسلمين من جماعتكم وانفضّ النّاس من حولكم فمن يستفتيكم من بعده الّا تبصرون ❁ وانّى تقدرون من بعد ذٰلك على ان يعوّل النّاس عليكم لتمشوا فى الارض كابرين ❁ افتزعمون انّكم مسلمون من دون النّاس والمسلم من سلم المسلمون من يده ولسانه عند سوٰكم والمؤمنون والمؤمنٰت يظنّون بانفسهم خيرًا (٢٤:١٢) عند الله افلا تذكرون ❁ وقد قال لكم يٰايّها الّذين امنوا اجتنبوا كثيرًا من الظّنّ انّ بعض الظّنّ اثمٌ وّلا تجسّسوا ولا يغتب بّعضكم بعضًا ايحبّ احدكم ان يّاكل لحم اخيه ميتًا فكرهتموه واتّقوا الله انّ الله توّاب رّحيم (٤٩:١٢) ❁ وقد قال لكم انّما المؤمنون اخوةٌ فاصلحوا بين اخويكم واتّقوا الله لعلّكم ترحمون (٤٩:١٠) وان صار النّاس مسلمين عندكم بلحاهم والبستهم وعمائمهم وصاروا كٰفرين بتركهم البستكم وعمائمكم او مسائلكم التى ابدعتم فى دينكم بغير علمٍ وسلطٰنٍ فاروني بماذا انتم تحكمون ❁ تستشهدون من كتبكم الفقهيّه واباطيلكم الشّرعيّة المخترعة الّتى لا يجوز لاحد ان يثق بها ❁ وتنبذون كتٰب الله ورآء ظهوركم لتتّخذوه مهجورًا ❁ وتتساندون الى ارآء اسلافكم وقياسات كبرآئكم وظنون جهلائكم الّذين تسمّونهم العلمآء لتحرّفوا دينكم وتبدّلوا كلمٰت الله ❁ وتحكمون بما جاء من غير الله ❁ ماكرين انّ القراٰن لم يفصّل لكم من ايٰات الله حقّ تفصيلها ولم يبيّن لكم من كلماته حقّ تبيينها ❁ فما لكم لا تتّقون انّه قال لكم وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٥:٤٥) ❁ بل قال وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (٥:٤٧) ❁ وقضى ربّكم انّه مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (٥:٤٤)

افغیر اللہ تبتغون حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا (۶:۱۱۵) والذین اٰتیھم اللہ الکتٰب یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ (۶:۱۱۵) فلا تکونن من الممترین ❋ فالحق انکم ما انتم اوتیتم کتابا بہ ولا انتم تعلمونہ بالیقین ❋ وھو الذی قال لکم وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۶:۱۱۶) ❋ وھو الذی نبہ رسولکم نظرا الی ما انتم تفعلون الان وقال وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (۶:۱۱۷-۱۱۸) ❋ وقد قال لہ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۱۶:۸۹) ❋ فقد کفرتم وفسقتم فی فتاوٰکم ایھا المفتیون الجاھلون المعاصرون ! ❋ وقد ظلمتم انفسکم باتخاذکم ما وجدتم علیہ اٰباءکم ٭ وبتقلیدکم ما ظنوا واخترعوا من الشرع من انفسھم ٭ ولم تؤمنوا بانہ کلمت ربکم قد تمت فی القراٰن صدقا وعدلا فحسبنا کتابہ ٭ بل طعتم اکثر من فی الارض لیضلوا الناس عن سبیل اللہ ٭ واتبعتم الظن من دون العلم الذی جاءکم فی الکتٰب المبین ❋ افما قال اللہ لرجال مثلکم الذین لم یؤمنوا بالقراٰن حق ایمانہ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۲۹:۵۱) ❋ فالحق انکم ما استنبطتم من الکتٰب من ذکر و من رحمۃ ٭ بل ما اٰمنتم بہ ٭ ولو اٰمنتم بہ وقرأتم اٰیٰتہ حق قراتہ لصرتم من المفلحین ❋ فی الدنیا ابدا و فی الاخرۃ ابدا انہ لا یضیع اجر المحسنین ❋ وقد قال لکم اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۲:۱۲۱) ❋ فلا واللہ ما اٰمنتم بالقراٰن حق ایمانہ وما درستموہ حق درسہ وتلاوتہ بل کفرتم فصرتم من الاخسرین ❋ احسبتم ان الکفر ھو اقوالکم وکلماتکم ٭ ونسیانکم اسالیب الغسل والطھارۃ التی ابدعتم من انفسکم ٭ ونسیانکم مسائل الحیض والنفاس ونسیانکم

الفاظ القرآن واعرابہا حین التکرار * اوسجدات السہو فی صلوٰتکم * اوتوجہکم الی الکعبۃ فی
الغائط * اوتصرّفکم فی مناہج التعمم والتازر * اواعتقاداتکم اللفظیہ * وغیرہا من الاباطیل
التی یستہزء بہا النّاس والتی لاتعدّ ولاتحصٰی * انتم تتخذون اللہ ھزوًا ودینہ لھوًا ولعبًا ایّھا
الجٰھلون! ❊ وان کان الکفر مثل ھٰذہٖ او دین اللہ مثل ھٰذا اللّغو فاتوا بشہادۃ حکمکم فی الکتٰب
ان کنتم صٰدقین ❊ انّما الکفر نسیانکم درس اللہ * وتتبعکم اٰراءکم الشتّٰی * واستمساککم
مذاہبکم المختلفۃ * واتباعکم ظنونکم الواہیۃ * بل اتیانکم بانفسکم بالکبر والجہل لوکنتم
تعلمون ❊ وانّما الکفر ھو الاعمال من دون الکلمات والاقوال * بل ما انتم تکسبون بایدیکم
وارجلکم ایّھا الغٰفلون! ❊ فانّہ قال لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (۱۱:۲۴) وَکُلُّ امْرِیٍٔ
بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ ۝ (۲۱:۵۲) ❊ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۳۹:۵۳) فھل تجزون الا ما انتم
تکسبون ❊ وانّما الاعمال بالنیّات * فلا یواخذکم اللہ باللّغو فی اقوالکم بل یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ
قُلُوْبُکُمْ (۲:۲۲۵) * بل بما کسبت ایدیکم وارجلکم بالتصدیق من قلوبکم باغین عن احکام
اللہ وفطرتہ ایّھا الجٰھلون! ❊ وھو الذی قال وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا وَّغَرَّتْھُمُ
الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَذَکِّرْ بِہٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا کَسَبَتْ ۖ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ
وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا ۭ اُولٰۗئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا ۚ لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ
اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝ (۶:۷۰) ❊ فغرّتکم الحیٰوۃ الدّنیا حین اتخذتم دینکم لعبًا ولھوًا
بل کفرتم * لانکم صرفتم عن دین الاعمال والاشکال الی دین الکلمات والاقوال * وقلتم علی
اللہ مالاعلمتم * وطفقتم تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱:۲) لتیسّر وادینکم جامدین ❊ کَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱:۳) ❊ فما الکفر بما زعمتم ایّھا الزّاعمون الجٰھلون! ❊ انّما
ھو اعمالکم واعمال امّتکم السیّئۃ التی تھدیکم الی الضّعف والخوف * وتکذیبکم اٰیات اللہ بالعمل * و

تکذبیکم رسوله بجحودکم وقساوة قلوبکم لوکنتم تعلمون ✿ ولو علمتم کتب الله لما هجرتم
مثل هٰذا بل ما قلتم لمن القٰی الیکم قولا لَسْتَ مُؤْمِنًا (۴: ۹۴) ابدًا ٭ الّا من کفر ربّه بالعمل ٭ و
عصاه عملاً و معنًا ٭ ومن لم یعتصم بحبله وصار مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ
بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰: ۳۲) ✿ وان کنتم علی بیّنة من ربکم فی فتاوٰکم من الکفر والفسق و
الشرك والجحود او ترسلونها علی بصیرة منه فاتونی بشهادة حکمکم ان کنتم صٰدقین ✿ و
اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (۲: ۲۴) فقفوا اثبّت لکم ما الکفر بما جاء فی القراٰن المبین ✿ افما قال
الله لکم فی الکتٰب اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ (یودّ ان تؤدّی النفس اجرها بما قالت
ولا فعلت) وَ(النّاس) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ (فی اعمالهم باتّخاذهم اربابًا واولیاء من دونه عملاً ومعنًا
علی قولهم انّهم یؤمنون بالله بافواههم) قُلْ سَمُّوْهُمْ (وبیّنوا الی مالهم من شرك فی السمٰوٰت والارض
فیکونوا اجدرین له) اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ (تسعون ان تخدعوا الله) بِظَاهِرٍ مِّنَ
الْقَوْلِ (او تمکروا مکرًا بافواهکم والسنتکم) بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مَکْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ
وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۔(۱۳: ۳۳-۳۴) ✿ قَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَکْرُ جَمِیْعًا یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُ
کُلُّ نَفْسٍ وَسَیَعْلَمُ الْکُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَی الدَّارِ (۱۳: ۴۲) ✿ فما الکفر الّا ما تصفون بالسنتکم
من الکذب وظاهر من القول فی الله ٭ بل ما تحثّون الناس علیه من الکلمات والاقوال لیکونوا
انّهم اٰمنوا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (۴۹: ۱۴) ایها القائلون الجٰهلون! ✿ وما الکفر الّا ان
تقولوا فی الله ما لا تفعلون ✿ فانّه لا یؤمن احدٌ عنده الّا من صدّق فی ایمانه بالعمل
ولا یؤاخذ احدًا الّا بما یکسبون ✿ فانّه یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۱۶: ۱۹) ✿ وانّه اَمکر
الماکرین ✿ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (۸: ۲۴) ویعلم ما یفعل وما تصنعون ✿ وما الکفر

✿ ولذٰلك سمّی الله الذین کذّبوا ایمانهم بالعمل الکٰفرین فی قوله لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا (۳۳: ۸)

عبادتکم اولادکم واموالکم * وشغفکم ببنیکم وبناتکم * واتخاذکم اولیاء کم اربابًا لکم * واتخاذکم مساکنکم وحکامکم اصنامًا لکم * وحبکم للقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة * لتحلوا قومکم دار الذلة والمسکنة * وتکفروا من شدة عذابه وتذروا عاقبة قومکم والاخرة * فانه قال اللہ الذی لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِۣ ۙ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ (۱۴:۲-۳) * وقال مَنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۰ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۰ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۰ (۱۶:۱۰۶-۱۰۹) * وقال یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۖ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۰ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ۰ (۳۵:۵-۷) * فما الکفر الا اعراضکم عن التوحید ✝ عملًا ومعنًا وعبادتکم الشیطن فی انفسکم وصدورکم ایها القائلون * وما الکفر الا عدم سدادکم علی التوحید لیلًا ونهارًا

> فی ان الکفر هو الاعراض عن التوحید

واتخاذکم اصنامًا لکم من امتعة الحیٰوة الدنیا یومًا فیومًا * واستعمارکم قلوبکم الشهوات واللذات کرة بعد مرة * لتشرکوا باللہ وتشغلوا عن ذکره واحکامه عملًا ومعنًا فانه قال وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِکُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۰ (۳۹:۸) * وقال وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۰ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَی الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ (ای احکامنا) اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوْرٍ ۰ (۳۱:۳۲) * وقال وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ

✝ وفی موضع اخر حال اللہ الاعراض عن التوحید علی الکفر وقال وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ۰ (۲۳:۱۱۷)

إلَّا إيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا (۱۷:۶۷) ✽ بل قال في بال المشركين مثلكم الى يوم القيمة الذين يقولون الآن لا ندعوا الا الله بالسنتنا وفي صلوتنا ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۙ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِينَ (۴۰:۷۲-۷۳) ✽ وقال في المشركين الكفارين الذين اتخذوا احبارهم واصفياءهم وابرارهم اربابا من دونه ليقربوهم الى الله زلفى في زعمهم وليقطعوا قومهم فريقا فريقا ويصيروا شيعا متخالفة مختلفة وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (ليختلف الاولياء من بينهم وبين الناس فيقطعهم يقولون لكونهم في زعمهم عابدي الله كذبا ومكرا) مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (۳۹:۳) ✽ فما الكفر الا اختلافكم بينكم بظلمكم وشرككم واعراضكم عن وحدة الامة ايها الغفلون! ✽ وما الكفر الا بخلكم بالمال لتقوية قومكم من اتخاذكم المال وثنا لكم فانه قال الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۚ (۴:۳۷) ✽ بل ما الكفر الا انفاقكم اموالكم في سبيل حكامكم الذين بعثهم الله عليكم ليعذبوكم ويضعفوا قوآء امتكم فيدمروكم فانه قال إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۙ لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۚ (۸:۳۶-۳۷) ✽ وما الكفر الا انفاقكم اموالكم في سبيل الله بالاكراه لتجمعوا خيرا لانفسكم وشرا لامتكم فانه نبه رسولكم وقال وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ ۚ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ

في ان الكفر هو الاعراض عن وحدة الامة والجهاد بالمال۔

✽ و في موضع آخر حمل الله النفاق والاختلاف على الكفر وقال: فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۹:۳۷)

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۹: ۵۴-۵۵) ❊ وقال فی اتخاذهم المال وثنًا لهم ليشركوا بالله فيستغنوا عن عاقبة قومهم وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (۴۱: ۶-۷) ❊ فما الكفر الا اعراضكم عن الجهاد بالمال[†] ايها المفتيون المعاصرون! ❊ وما الكفر الا فراركم بالاستئذان من اميركم واعتذاركم عن طاعته اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۸: ۲۴) ❊ واعراضكم عن الاستجابة لخليفة الرسول منكم اذا ذكّركم بايام الله اودعاكم ليوم النفير ۞ فانّه قال فی الّذین كانوا يستاذنون الرّسول فرارًا من الموت

فی ان الکفر هو الاعراض عن اطاعة الامیر

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (۹: ۴۸) ❊ فما الكفر الا عصيانكم اميركم واعراضكم عن طاعته لو كنتم تعلمون ❊ ومن لا يهاجر او يهجر كل ما يشغله عن السّعی والعمل لتقوية قومه فهو الّذی كفر عند الله واولٰئك هم الكٰفرون ❊ فانّه قال فی منافقی القرون الاولٰی وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (۴: ۸۹) ❊ فما الكفر

فی ان الکفر هو اعراضکم عن الهجرة والجهاد بالسیف.

❊ الّا اعراضكم عن الهجرة لتقوية قومكم او مدافعة انفسكم ايها المضعفون العالون! ومن لا يقاتل اعدآءه حد استطاعته حين الباس ليكف ايدی النّاس عن قومه ومن فرّ من الموت فشلًا وجبنًا ❊ واعتذر الی اميره ليتخلّف ومن صدّ النّاس عن الجهاد تخويفًا وترهيبًا فهو الّذی كفر عند الله واولٰئك هم الكٰفرون ❊ فانّه قال لمؤمنی القرون الاولٰی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳: ۱۵۵) ❊ بل قال لهم وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ

[†] ولذلك قال الله عزوجل فی قارون اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۞ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ (ای انفق المال فی سبیله لتكون الدار الآخرة لك) وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (ای لا تنس انه عليك ان تنفق فی سبيله من المال) وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ (ای ببخلك) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ (۲۸: ۷۶-۷۷) فحمل اسمه بخله على الكفر وقال من بعد ذلك (الباقی)

وليعلم الذين نافقوا وقيل لهم تعالوا قاتلوا في سبيل الله او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لا اتبعناكم هم للكفر يومئذ اقرب منهم للايمان يقولون بافواههم ما ليس في قلوبهم والله اعلم بما يكتمون الذين قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرءوا عن انفسكم الموت ان كنتم صدقين (۳: ۱۶۵-۱۶۷) ✽ وقال فی بسالتهم یوم خرجوا من دیارهم الی بدر الصغری الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظيم انما ذلكم الشيطن يخوف اولياءه فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين ولا يحزنك الذين يسارعون في الكفر انهم لن يضروا الله شيئا يريد الله الا يجعل لهم حظا في الاخرة ولهم عذاب عظيم ان الذين اشتروا الكفر بالايمان لن يضروا الله شيئا ولهم عذاب اليم (۳: ۱۷۲-۱۷۶) ✽ وقال فی موضع آخر فی متمسلی القرون الاولی والمنافقین منهم فان رجعك الله الى طائفة منهم فاستاذنوك للخروج فقل لن تخرجوا معي ابدا ولن تقاتلوا معي عدوا انكم رضيتم بالقعود اول مرة فاقعدوا مع الخالفين ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فسقون ولا تعجبك اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا وتزهق انفسهم وهم كفرون (۹: ۸۳-۸۵) ✽ وفی المعذرین منهم وجاء المعذرون من الاعراب ليؤذن لهم وقعد الذين كذبوا الله ورسوله سيصيب الذين كفروا منهم عذاب اليم (۹: ۹۰) ✽ وفی المعوقین منهم قد يعلم الله المعوقين منكم والقائلين لاخوانهم هلم الينا ولا ياتون البأس الا قليلا اشحة عليكم فاذا جاء الخوف رايتهم ينظرون اليك تدور اعينهم كالذي يغشى عليه من الموت فاذا ذهب الخوف سلقوكم بالسنة حداد اشحة على الخير اولئك لم يؤمنوا فاحبط الله اعمالهم وكان ذلك على الله يسيرا (۳۳: ۱۸-۱۹) ✽ وفی المخلفین المنافقین المعذرین منهم سیقول لك المخلفون من

(البقیة من صفحہ ۱۱۶) وتجارة لا يفلح الكفرون (۲۳: ۱۱۷) + فنزل تبر

الاعراب شغلتنا اموالنا واهلونا فاستغفر لنا یقولون بالسنتہم مالیس فی قلوبہم قل فمن یملک لکم من اللہ شیئا ان اراد بکم ضرا او اراد بکم نفعا بل کان اللہ بما تعملون خبیرا ۰ بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الی اھلیہم ابدا وزین ذلک فی قلوبکم وظننتم ظن السوء وکنتم قوما بورا ۰ ومن لم یؤمن باللہ ورسولہ فانا اعتدنا للکفرین سعیرا ۰ (۴۸: ۱۱-۱۳) ❊ وقال یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیہم قل لا تعتذروا لن نؤمن لکم قد نبانا اللہ من اخبارکم وسیری اللہ عملکم ورسولہ ثم تردون الی علم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون ۰ سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیہم لتعرضوا عنہم فاعرضوا عنہم انہم رجس وماوھم جہنم جزاء بما کانوا یکسبون ۰ یحلفون لکم لترضوا عنہم فان ترضوا عنہم فان اللہ لا یرضی عن القوم الفسقین ۰ الاعراب اشد کفرا ونفاقا واجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ واللہ علیم حکیم ۰ (۹: ۹۴-۹۷) ❊ وما الکفر الا قتالکم فی سبیل حکامکم واعداءکم وطواغیتکم الذین بعث اللہ علیکم لیعذبکم فتبتغوا عندھم العزۃ وتتخذوھم اولیاء من دون المسلمین فتقتلوا انفسکم فانہ قال الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطن ان کید الشیطن کان ضعیفا ۰ (۴: ۷۶) ❊ فما الکفر الا اعراضکم عن الجھاد بالسیف وفرارکم من الموت الا تبصرون ❊ ومن لا یقاتل عداءہ فی سبیل اللہ حق قتالہ ویدعھم الی السلم حذر الموت فیھن ویحزن ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ (۸: ۱۶) فیوھن امرہ فی الدنیا ومن لا یغلب ولا ینصر من اللہ فھو الذی کفر عند اللہ واولئک ھم الکفرون ❊ فانہ قال لمؤمنی القرن الاول بل فی کل من ادخل الایمان فی قلبہ یوم خلق السموت والارض الی یوم القیمۃ ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا ۰ سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ

فی ان الکفر ھو الاعراض عن الجھاد بالسیف مع الاعداء وھو الا اعراضکم عن الاستقامۃ فی العمل والنظم والنسق

اللہِ تبدیلًا (۴۸: ۲۲-۲۳) ❊ وقال قُل لِلّذِینَ کفرُوا ستُغلبُونَ وتُحشرُونَ اِلیٰ جہنّم
وَبِئسَ المِہادُ ۰ (۳: ۱۱) اِنّہٗ لایُفلِحُ الکٰفِرُونَ ۰ (۲۳: ۱۱۷) ❊ فالحق انّ الکٰفرین ہم الذین یُغلبون فی
ہٰذہ الدّنیا اینما تنظرون ❊ من اوّل یوم خُلق السّمٰوٰت والارض الیٰ یوم القیٰمۃ فالمغلوبون
ہم الکٰفرون ابدًا والمؤمنون لہُمُ المنصورُونَ ابدًا وانّ جندہم لہُمُ الغٰلِبُونَ (۳۷: ۱۷۳) ❊ ولن تجدوا
فی سنّتہٖ تبدیلًا ولو حرصتم ایّھا الجٰھلون! ❊ تحبّون ان تبدّلوہ بمکرکم وقد قال مایُبدّلُ القولُ
لَدَیَّ (۵۰: ۲۹) ایّھا الماکرون! ❊ فہٰذہ سنّتہ الاٰن وقد مضت سُنّتُ الاَوّلِینَ ۰ (۸: ۳۸) ❊
فالکٰفرون ہم الذین یولّون الادبار ثمّ لا یُنصرون ❊ یغلبون لکونہم موہنین فی امرہم و
مستضعفین فی سعیہم بل یائسین من رحمتہٖ فی جہدہم یخشون النّاس ولا یخشون اللہ وامیرہم
حقّ خشیتہٖ تحسبُہُم جمیعًا وّ قُلُوبُہُم شتّیٰ ذٰلِکَ بِاَنّہُم قومٌ لّا یعقِلُونَ ۰ (۵۹: ۱۴) ❊ والمؤمنون
اشدّ رہبۃً فی صُدُورِہِم مِّنَ اللہِ ذٰلِکَ بِاَنّہُم قومٌ لّا یفقہُونَ ۰ (۵۹: ۱۳) ❊ یرجون من اللہ ما لا
(۴: ۱۰۴) یرجو الکٰفرون وان یکن منہم مِّائۃٌ یّغلِبُوا اَلفًا مِّنَ الّذِینَ کفرُوا بِاَنّہُم قومٌ لّا یفقہُونَ ۰
(۸: ۶۵) سنّۃ اللہ فی ہٰذہ الارض ولا یعلمون ❊ لا یستطیعون ان یتنظّموا ویُنظّموا انفسہم
فی الاخوّۃ ویعاندون بینہم ویتخاذلون ویتواکلون فی تدبیر امرہم ویستغنون عن عاقبۃ بالہم
وآخرۃ سعیہم بل ینکرون عن اجر الاٰخرۃ فلذٰلک یحبط اللہ اعمالہم ویضلّ سعیہم فی الدّنیا و
ویجعلہم من الاخسرین ❊ ولذٰلک قال اللہ فیہم اَلّذِینَ کفرُوا وصدّوا عن سبیلِ اللہِ اَضَلَّ
اَعمالَہُم ۰ (۴۷: ۱) والّذِینَ قُتِلُوا فی سبیلِ اللہِ فلن یُّضِلَّ اَعمالَہُم سیہدِیہِم ویُصلِحُ بالَہُم ۰
(۴۷: ۴-۵) وقال والّذِینَ کفرُوا فتعسًا لّہُم واَضَلَّ اَعمالَہُم ۰ ذٰلِکَ بِاَنّہُم کرِہُوا مَا اَنزَلَ اللہُ
(من سنّتہٖ) فَاَحبَطَ اَعمالَہُم ۰ (۴۷: ۸-۹) وقال فی ما یلی ہاتین الاٰیتین لیُرینا کیف یحبط اللہ
اعمالہم فی الدّنیا بتدمیر حکمہم وسلب قوّتہم وملکہم اَفَلَم یَسِیرُوا فی الاَرضِ فَیَنظُرُوا کیفَ کانَ

عاقبة الذین من قبلهم دمّر الله علیهم وللکفرین امثالها ۰ ذلک بانّ الله مولی الذین امنوا و
وانّ الکفرین لا مولی لهم ۰ (۴۷: ۱۰-۱۱) * بل قال فی مایلی هاتین الآیتین لیبیّن لنا ما اجر المؤمنین
فی هذه الدّنیا وما بال الکفرین فیها انّ الله یدخل الذین امنوا وعملوا الصّلحت جنّت تجری
من تحتها الانهر والذین کفروا یتمتّعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنّار مثوی لهم (۴۷:
۱۲) * فالحقّ انّ الکفرین هم الذین لا یعلمون سنّة الله فی هذه الارض هم الذین لا یؤمنون بما
نزّل علی محمّد (۴۷: ۲) فلذلک لا یکفّر الله عنهم سیّاتهم ویذرهم یتمتّعوا فی الارض کالانعام خاسئین *
لا یسعون فی الدّنیا سعیاً بلیغاً ولا یعملون الصّلحت ولا یوحّدون انفسهم ولا ینظّمون جماعتهم بل لا یقدرو
ممّا کسبوا علی شئ ویحسبون انّهم یحسنون صنعاً غافلین * فلذلک قال الله فیهم مثل الذین
کفروا بربّهم اعمالهم کرماد اشتدّت به الرّیح فی یوم عاصف لا یقدرون ممّا کسبوا علی شئ
ذلک هو الضّلل البعید ۰ (۱۴: ۱۸) * وقال والذین کفروا اعمالهم کسراب بقیعة یحسبه الظمان
ماءً حتّی اذا جاءه لم یجده شیئاً وّوجد الله عنده فوفّه حسابه والله سریع الحساب او کظلمت
فی بحر لجّی یغشه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمت بعضها فوق بعض اذا اخرج یده
لم یکد یرها ومن لم یجعل الله له نوراً فما له من نور ۰ (۲۴: ۳۹-۴۰) افلا تتّقون * وهم الذین
یجادلون فی ایت الله (ای احکامه) لیحرّفوا مقاصدها ویجادلون بالظنّ لیدحضوا به العلم
ولیجعلوا الیسر الانفسهم ماکرین * فلذلک قال الله فیهم ما یجادل فی ایت الله الّا الذین کفروا فلا
یغررک تقلّبهم فی البلاد ۰ کذّبت قبلهم قوم نوح والاحزاب من بعدهم وهمّت کلّ امّة برسولهم
لیاخذوه وجادلوا بالباطل لیدحضوا به الحقّ فاخذتهم فکیف کان عقاب ۰ وکذلک حقّت کلمت
ربّک علی الذین کفروا انّهم اصحب النّار ۰ (۴۰: ۴-۶) افلا تسمعون * وقال وما نرسل المرسلین الّا مبشّرین و
منذرین ویجادل الذین کفروا بالباطل لیدحضوا به الحقّ واتّخذوا ایتی وما انذروا هزوا (۱۸: ۵۶) افلا تعقلون *

ولذلك قال فی عدم قدرتهم وقلت حیلتهم وتوهن امرهم فی الدنیا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (۱۳: ۱۴) افلا تبصرون ❁ فما الكفر الا عدم اِسْتِقَامَتِكُمْ فِی الْعَمَلِ واعراضكم عن النظم والنسق، بل تحرزكم من شركائكم وعبادتكم واولادكم واهوآئكم وشهواتكم ومن تعبدكم كبرآئكم واولیآئكم ومن استمساككم باحباركم ورهبانكم ومن ظلمكم انفسكم من السعی والعمل فی الدنیا لتغلبوا

فی ان الکفر ھو الاعراض عن الاستقامة فی العمل والاعراض عن النظم والنسق۔

ایها الفقهآء المتجاهلون المعاصرون! ❁ وما الكفر الا ضلال سعیكم فی الحیٰوة الدنیا ٭ وحبوط اعمالكم فیها ٭ وسوء بالكم فی الارض ٭ وتمتعكم كانعام علی ظهرها ٭ وعدم قدرتكم ٭ وفقدان حكمكم فی هٰذه ٭ من توهنكم ونقص ایمانكم وسوء اعمالكم وتعبدكم انفسكم وعبادتكم الطاغوت لو كنتم تعلمون ❁ فانه قال اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ۰ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۰ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (ای فی الدنیا) فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۰ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ۰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ[1] الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۰ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۰ (۱۸: ۱۰۲-۱۰۸) افلا ترجعون ❁ وقال اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا (ای فی الدنیا) فَوْقَ الْعَذَابِ (ای عذاب الاخرة) بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (۱۶: ۸۸) ❁ وقال فی بنی اسرآئیل حین فسدوا وعلوا فی الارض وافقد الله حكمهم فی الدنیا وَقَضَیْنَاۤ اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ۰ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا

---

[1] ای جنّت الارض یلبثون فیها ما دامت السمٰوٰت والارض +

خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (۱۷: ۴-۸) ❁ فلا تفتروا على الله كذبا ولا تقولوا ان وعد الاخرة يجئ الى يوم القيمة ليسوء وجوه الكفار ويبيض وجوهكم فانه قد جاءكم الآن وقد اساء وجوهكم ولا تقولوا فى قلوبكم ان القران يهديكم الى الذلة والمسكنة او العمائم والتسابيح بمكركم لانه قال[†] اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (۱۷: ۹) ❁ فيا ايها المفتيون المعاصرون! اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۰: ۶۸) ❁ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ (۱۰: ۶۹-۷۰) ❁ وما هو الا انكم جحدتم بهذه الايات وكتمتم شهادتها ✽ وما قدمتم شيئا من السعى والعمل لتجعلوا يسرا لانفسكم ✽ وما امنتم بالكتب حق ايمانه ✽ بل كفرتم ✽ "فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝" (۲۹: ۴۷) ❁ افلم يقل ربكم لكم فى الكتب خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۹: ۴۴) ❁ اولم تتوجهوا الى قوله وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا (۱۶: ۷۸) وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ[‡] ۝ (۳۲: ۹) ❁ وقوله لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْۗءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ[§] ۝ (۴۰: ۵۷-۵۸) ❁ ثم الى قوله وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ (۳۸: ۲۷) فلا شك فى انه تعالى حرضنا فى هذه الآيا

[†] وهذا القول يلى الايات التى تقدم ذكرها فتدبر ✽ [‡] اى تستعملونها الا قليلا ✽ [§] اى لا تطلبون العلم منهما ومن طلب العلم منهما فهم الذين امنوا به وعملوا صالحا ✽

على استعمال سمعنا وابصارنا وافئدتنا للذى ملكوته ولنطلب العلم من اعماله من دون الظن و
لنؤمن بسموٰته وارضه وما بينهما اشد ايمانًا ولنؤمن بالحق متصرفين عن الباطل فانه قال
وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝(۲۹: ۵۲) ❊ وقال الَّذِينَ كَفَرُوا
اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ (۴۷: ۳) وَالَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (۴۷: ۳) وقال اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ
وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝(۲۹: ۶۷) ❊ فما الكفر الا اعراضكم عن العلم ايها الجهلون! ❊

في ان الكفر هو الاعراض عن العلم وعن درس اعماله تعالى

لتحلوا قومكم دار الذلة والمسكنة بجهلكم ولتنكروا انعم ربكم ولئلا تقدروها
حق قدرها وشكرها فانه قال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ
دَارَ الْبَوَارِ ۝(۱۴: ۲۸) ❊ وقال يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ۝(۱۶: ۸۳) ❊ فمن قدر انعم ربه حق قدرها وطلب العمل منها وخاض فيها
اشد خوضًا وسلك سبل ربه ليداوم عليها فاولٰئك هم المؤمنون ❊ واولٰئك هم المفلحون
في الدنيا اينما تنظرون ❊ وما كان لله ان يحب الذين يطردون انعمه بالاستحقار ويكرهون
ما خلق في السموٰت والارض ايها الغفلون! ❊ فلا شك في انكم في اسلامكم الضالون ❊ ومن اعرض
عن مكارم الاخلاق ولم يسع لها سعيها فاولٰئك هم الكفرون ❊ فاما الايفاء بالعهد فقال

في ان الكفر هو الاعراض عن مكارم الاخلاق

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ
فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝(۸: ۵۵-۵۶) ❊ واما الاسراف في المال فقال وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۚ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝(۱۷: ۲۶-۲۷) ❊ وغيرها من
الاقوال التي لم اذكرها هنا من خوف الطوالة فتدبروا ان كنتم قومًا تتفكرون ❊ ولا شك في انه
من لم يؤمن باليوم الاخر عملًا او معنًا ولم يسع له سعيًا بليغًا ولم يجد له نفسه بل لم يرد الا الحيوة الدنيا
فقد كفر عند ربه فانه قال مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ

كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ (۴۶: ۳) * وقال وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۞ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۞ (۱۶: ۳۸-۳۹) ❁ وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۞ (۳۲: ۱۰) ❁ فما الكفر الا اعراضكم عن الايمان بالاخرة عملاً ومعناً لو كنتم تعلمون ❁ ولا تجحدوا من قولكم انكم تؤمنون بالاخرة باقوالكم والسنتكم وكلما تكم الشهادة فالقول ليس بشيء عنده انه يحب العاملين ❁ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۞ (۲: ۸) ❁ فاعملوا واجهدوا مرجين لقاء ربكم واستميتوا النفوذوا في الدنيا فانه لا يكاد ان يغفر لكم يوم القيمة حتى تموتوا جاهدين ❁ وان تشاءون ان تبتغوا ولاء الله و حبه فلا تبتغونه ابداً حتى تعرضوا انفسكم عليه وتمنوا الموت فی سبیله لتكونوا في الدنيا من الغلبين ❁ فانه نبهكم بقوله وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ۞ (۴۷: ۳۱) وقضى انه يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۞ (۶۱: ۴) افلا تذكرون ❁ وان زعمتم ان تصيرون اولياء الله بعمائمكم وسبحكم و اقوالكم اوبا عتكافكم في البيوت والمساجد فراراً من الموت فاكربن انكم تعبدون الله وتحبونه فساء ما تزعمون ❁ وقد كانت اليهود تفر من الموت مثلكم على هذا تظن بانفسهم ظنوناً كما تظنون فدعاهم ربهم بقوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۞ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۞ قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ۖ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۞ (۶۲: ۶-۸) ❁ بل دعاكم والقى اليكم قولاً غليظاً بقوله أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

في ان الكفر هو الاعراض عن ايمان بالاخرة

يعلم الله الّذين جاهدوا منكم ويعلم الصّبرين ۰ ولقد كنتم تمنّون الموت من قبل ان
تلقوه فقد رايتموه وانتم تنظرون ۰ (۳: ۱۴۱-۱۴۲) ❁ فالآن مطلوب لطالب وولّه حتّى
لا حوله انّه يعرض نفسه عليه ويتمنّى الموت فى سبيله الا انبصرن ❁ وما ولّى احدٌ احدًا
حتّى فتنه وعلم انّه يصدّق قوله بالعمل ومن صدّق فاولٰئك من المحبوبين ❁ ولذلك قال
ربّكم لكم احسب النّاس ان يّتركوا ان يّقولوا امنّا وهم لا يفتنون ۰ ولقد فتنّا الّذين من قبلهم
فليعلمنّ الله الّذين صدقوا وليعلمنّ الكذبين ۰ (۲۹: ۲-۳) ❁ ومن جاهد فانّما يجاهد لنفسه
انّ الله لغنىّ عن العلمين ۰ (۲۹: ۶) ❁ يجاهد ليغلب نفسه على الاعداء وليكون فى الدّنيا من
الّذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ❁ فيا كبراء الخلق من النّاس اعملوا وعاملوا واصبروا
وصابروا ولا تفرّوا من الموت ولا تقنطوا ثمّ اعملوا بايديكم وارجلكم وتحسّسوا من تمكينكم من
الارض والغلبة والامن الّذى سلبكم الله بكفركم ولا تايئسوا من رّوح الله انّه لا يايئس من رّوح
الله الّا القوم الكفرون ۰ (۱۲: ۸۷) ❁ ولا تطمئنّوا ببالكم السّوء فى زعمكم انّه سيغفر لكم فانّه
قال انّ الّذين لا يرجون لقاءنا ورضوا بالحيوة الدّنيا واطمانّوا بها والّذين هم عن ايتنا غفلون ۰
اولٰئك ماوٰهم النّار بما كانوا يكسبون ۰ انّ الّذين امنوا وعملوا الصّلحت يهديهم ربّهم بايمانهم
تجرى من تحتها الانهر فى جنّت النّعيم ۰ (۱۰: ۷-۹) ❁ وقال يايّها الّذين امنوا لا تتولّوا قومًا غضب
الله عليهم قد يئسوا من الاخرة كما يئس الكفّار من اصحب القبور ۰ (۶۰: ۱۳) ❁ ولا تكفروا بايت
الله عملًا ولا تكذّبوها بل اسجدوا لها بالعمل ولا تقولوا كالكفّار فى عهد النّبىّ لا تسمعوا لهذا
القران والغوا فيه (بفقهكم واحاديثكم وجهلكم واباطيلكم) لعلّكم تغلبون ۰ (۴۱: ۲۶) ❁ فالّذين
كفروا بايت الله ولقائه اولٰئك يئسوا من رّحمتى واولٰئك لهم عذاب اليم ۰ (۲۹: ۲۳) ❁ والكفّار
هم الّذين اذا قرئ عليهم القران لا يسجدون ۰ ط بل الّذين كفروا يكذّبون ۰ (۸۴: ۲۱-۲۲) ❁

† اى لا يسجدون للقران عملًا ومعنًا ولا يفعلون ما امر الله فيه ۰

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِىْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۗ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ اَلنَّارُ ۗ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (٢٢:٧٢) افلا تسمعون ❁ فيا ايها الذين زعموا ان امنتم اسجدوا لهذا القرآن واسكتوا عنه فلا مجال لكم ان تفروا منه جادلين ❁ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (٧:٢٠٣-٢٠٤) ❁ وَلَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (١٧:٨٨) افلا تؤمنون ❁ ولو انزل الله هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۝ (٥٩:٢١) افلا تتفكرون ❁ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (٥٩:١٩) ❁ ولا تقولوا التابعيكم ومن يستفتيكم اتبعوا سبيلنا لتفلحوا امنا فانه قال وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۗ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۗ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (٢٩:١٢-١٣) ❁ واهجروا الشرك والكفر هجرا مهجورا عن قلوبكم واعمروا مساجد الله بالتوحيد وصلوا صلوة النجم والشجر وانفقوا ولا تستكثروا من الخير واتقوا الله فانه قال مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۗ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ (٩:١٧-١٨) ❁ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ[١] اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ (٤٧:١٨) مبلسين ❁ فلا تنظروا باس بكم ولا تنتظروا ولا تربصوا ولا تفرحوا بما عندكم من العلم لانه اذا جاءكم العذاب فانتم لا تنظرون ❁ فانه قال فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

[١] اي ساعة الهلاكة۔

فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا
قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا
سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ (۴۰: ۸۳-۸۵) ❁ فقولوا اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اِهْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (۱: ۱-۷) ❁

وان حرثتم الفاظ القرآن اشدّ حرثاً او فحصتم عنه اشدّ فحصاً ايّها المفتيون المعاصرون
فلن تجدوا فيه كفراً غير هذا الكفر **بالافعال** ❁ او انكاراً غير هذا الانكار **بالاعمال** ❁
ولن تجدوا فيه كفراً **بالاقوال** ❁ او ايماناً بمكر اللسان والكلمات والامال ❁ او اسلاماً بالعمائم
والالبسة والسربال ❁ **الّا** انّه من جاء بكلمة سيئة ثمّ عمل ليشاكل قوله فعله ثمّ استدام عليه و
اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ (۲: ۸۱) ❁ ومن صرف عن آيات ربّه عملاً ومعناً ليشتغل عنه بما خلاه تعظيماً وتكريماً
فقد كفر عند ربّه ❁ ولا يكفر احدٌ عند الله حتّٰى بلغ في اشتغاله مبلغ **العبادة** ❁ او توغّل في
حبّه **عاكفاً** له ❁ او تعدّى حدود الحبّ ليشرك بالله ❁ فلذلك قال الله عزّ وجلّ في النصرانيين
الاقدمين الذين كانوا يعبدون المسيح اشدّ عبادة عملاً ومعناً ومع هذا كانوا يقولون بافواههم انّه ابن
الله كما يقولون الآن رواجاً وعادةً: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ
يٰبَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَ
مَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ
يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۵: ۷۲-۷۳) ❁ فما كان قولهم هذا الّا ما
كان يحثّهم على عبادة المسيح عملاً ومعناً صرفاً عن احكامه تعالٰى فلذلك ما اختصّ عزّ وجلّ كلّهم بالعذاب
الّا من كفر منهم بالعمل ولذلك سمّى قولهم المضاهاة بالافواه وقال: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَ

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ (٣٠:٩) ومن بعد ذلك قال نظراً الى عبادتهم احبارهم ورهبانهم فى العمل وان لم يسمهم احد اربابه بلسانه وحمل هذا الفعل على الشرك بقوله اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (٣١:٩) ❊ فتدبّروا يا ايها الفقهاء القوّالون! ❊ ما الكفر بما ظننتم من الاقوال بل هو ما انتم تفعلون وما انتم تكسبون ❊ وما انتم تقولون بافواهكم لتفرّقوا بين الناس وتخاصموا بينكم فصيروا اشيعاً فرحين بما لديكم من اقوالكم و كلما تكم هو الكفر ❊ لانه من لم يعتصم بحبل الله ولم يصلح بين الناس ولم يرابط بين اخوانهم فهو الذى قد كفر عند الله اشدّ كفراً بل اولٰئك الذين كفروا بالله وبرسله وبتوحيده وبكتبه اولٰئك من المعذّبين ❊ فانه من امن بالله وبتوحيده حق ايمانه فقد امن بالاتحاد بين الناس ❊ وهو الذى قد امن بالمساواة والمصالحة و المواخاة بينهم ❊ وهو الذى قد امن بان الله لا يرضى العباده الاشتات والافتراق بل يرضى ان يكون الناس امة واحدة ❊ ومن امن بالله حق ايمانه فهو الذى قد امن قولاً وفعلاً بان الرسل قد جاءوا من ربهم بكتاب واحد ❊ بل جاءوا ليصالحوا بين الناس وليرابطوا ويعدلوا ويجمعوا بينهم فيكونوا سواء ❊ ومن امن بالله حق ايمانه فهو الذى لا يفرق بين احد من الرسل بلسانه لانه يحب ان يوحّد بين تابعيهم بل لا يقصد من رسالاتهم شيئاً الا الاصلاح والاتحاد فلذلك سمّى الله الذين يريدون الاشتات بين الناس بافواههم الواهية الكافرين حقاً وقال اِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا أُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (٤: ١٥٠-١٥٢) ❊ فان كان القول من كفر عند الله فما هو الا ان تقولوا النفرّقوا بين الناس ❊ او تقولوا التحازبوا ❊ او تقولوا التفرّقوا وتخاصموا ❊ او تقولوا التساتبوا ❊ ومن يقل منكم مثل هذا ليريد الاشتات بين الناس فاولٰئك هم الكافرون ❊ وان كان الكفر من

❊ ما اطلق الله عز وجل قصداً من هذا القول مِن دُونِ اللّٰهِ وَمِن دُونِ الْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ " لا المسيح ابن مريم اى يعبدون احبارهم ورهبانهم عملاً ومعناً فى قلوبهم و (الباقى)

قول او كلمة عند الله فما هو الا ان تقولوا بافواهكم انكم لا تؤمنون بكتب من عند الله غير هذا القرآن ۞ او تقولوا ان الرسل قد جاءوا من عند ربهم برسلٰت شتّٰى ۞ لا بالكتٰب الواحد الذى هو بين ايديكم ۞ او تقولوا ما كتب الله فى الصحف التى جاءوا بها ما كتب الله لنا فى القرآن فتفرّقوا بين الله ورسله وتزيدوا الناس شتاتًا لانه قال يٰايها الذين اٰمنوا اٰمنوا بالله ورسوله والكتٰب الذى نزّل على رسوله والكتٰب الذى انزل من قبل ومن يكفر بالله وملٰئكته وكتبه ورسله واليوم الاٰخر فقد ضلّ ضلٰلًا بعيدًا ۞ (٤: ١٣٦) ❊ فما الكفر الا ما يبهكم عن الاتحاد بل يفككم عن التوحيد بين الناس ايها المتفرّقون المتشتّتون! فقولوا انما نحن نعبده ولا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ احدنا من رسول ربًّا لنا تعظيمًا او تكريمًا وقولوا انما نحن له مسلمون (٣: ٨٤) ❊ وما الايمان الا ان لا تكونوا عيسويّين او موسويّين او محمّديّين خاصة بل ان تكونوا حنفاء لله مسلمين له غير مشركين به احدًا من العٰلمين ❊ فقولوا الحمد لله ربّ العٰلمين ۞ الرحمٰن الرحيم ۞ مٰلك يوم الدين ۞ اياك نعبد واياك نستعين ۞ اهدنا الصراط المستقيم ۞ صراط الذين انعمت عليهم ۞ غير المغضوب عليهم ولا الضالّين ۞ (١: ١-٧) ❊

وما فهمتم ما الصّراط المستقيم ايها الضالّون! ❊ بل ما الذى ينعم الله عليكم به ان كنتم به متمسّكين وما الذى تسئلون ربكم ليلًا ونهارًا فى صلوٰتكم ان يهديكم اليه متغافلين ❊ وما الذى سمّى المتقدّمون من العلماء اضيق من الشعر واحد من السيف فى لغتهم وزعم الجهلاء منكم انه معبر على حفرة جهنم لتدخلوا الجنّة متركّحين على ظهور غنمكم وبقركم فرحين ❊ وان رخص الله لكم الجنّة بلحومكم ودمائكم ونلتم اجوركم من هذا القبيل فهل نسخ لكم كل الدين ❊ ام تتخذون دينكم لهوًا ولعبًا ايها اللّعبون! ❊ وما هو الا انكم تتلعّبون بانفسكم فما موافى لهوكم ايها الغٰفلون! ❊ تتجاهلون لتخدعوا الله وما تخدعون الا انفسكم وما تشعرون ❊ فما الصّراط المستقيم بما انتم تجهرون ❊ ان هو الا تعبّدكم بربكم فى العمل ۞ واعراضكم عن الطاغوت والدجال ۞ واشعاركم انفسكم بالتوحيد ۞ ومداومتكم عليه بكرةً واصيلًا ۞ فانه قال الم اعهد اليكم يٰبنى اٰدم ان لا تعبدوا الشيطٰن انه لكم عدوّ مبين ۞ وان اعبدونى هٰذا صراط مستقيم ۞ (٣٦: ٦٠-٦١) ❊

(البقية من صفحة ١٢٨) يقولون بافواههم ان المسيح ابن الله او انه هو الله وهذا ما يوافق بقوله عزّ وجلّ فى اٰية (٩: ٣٠) فتدبّر.

وقال قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ڬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

> فی ان المداومة علی التوحید هی ما عنی الله بصراط مستقیم

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۶: ۱۶۱-۱۶۳) ✽ وقال اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ۭ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَھَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۙ (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) ✽ وقال اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (۴۳: ۶۴) ✽ وقال فی اتباعه عملاً ومعناً والاعراض عن عبادة الطاغوت وَاتَّبِعُوْنِ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ وَلَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (۴۳: ۶۱-۶۲) ✽ وما صراط ربكم المستقیم الا مداومتكم علی وحدة الامة

> فی ان وحدة الامة هی ما عنی الله بصراط مستقیم

واعراضكم عن الاختلاف والافتراق بینكم وفی كتاب الله ۝ بل فی الكتب الذی جاء به كل الانبیاء ۝ واعراضكم عن كونكم علی شفا حفرة من النار ۝ والاعتصام بحبل الله ۝ والاصلاح بین الناس ۝ فانه قال وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۳: ۱۰۱-۱۰۳) ✽ وقال كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (۲: ۲۱۳) ✽ وما صراط ربكم المستقیم الا اجتماعكم علی نقطة واحدة ورجوعكم الیها لتوحدوا انفسكم ولتتخذوا لكم

وِجْهَةً ومنها جاء عن مناهج اعداءكم نظرًا الى وحدة اُمّتكم فانّه قال سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (٢: ١٤٢) ❁

في انّ مدار و متنا على اطاعة الامير و الجهاد بالسّيف والجهاد بالمال و الهجرة هو ما عنى الله بصراط مستقيم

وما صراط ربّكم المستقيم الّا اطاعتكم اميركم بلا عذر وحجّة واتباعه فى اىّ حال واشكال وعرضكم عليه اموالكم وانفسكم بل جهادكم بالسّيف مع اعداءكم وجهادكم بالمال والهجرة لتثبّتوا اُمّتكم اشدّ تثبيتًا فى الدّنيا ولتكونوا فيها وفى الاخرة مع الّذين انعم الله عليهم ولتكونوا فى الدّنيا والاخرة من الصّلحين ❁ فانّه قال وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ عَلِيمًا ۝ (٤: ٦٦-٧٠) ❁ وقال فى موضع اٰخر فى اطاعة الامير والافتراق بين النّاس و اعراضهم عن التّوحيد عملًا و معنًا وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝ (٤٣: ٦٣-٦٥) ❁

في انّ الاستقامة فى العمل هو ما عنى الله بصراط مستقيم

وما صراط ربّكم المستقيم الّا استقامتكم فى السّعى و العمل لتفلحوا فى الدّنيا وصبركم على مصائبكم بالجدّ والجهد وتوكّلكم على الله فى النّتائج وجهادكم فى ما اصابكم اشدّ الجهاد لتكفّروا عن انفسكم السّيّات فانّه قال وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا † ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (١٤: ١٢) ❁ وقال

† اى صراطنا المستقيم ❁

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٩: ٦٩﴾ ❁ وقال اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ ۢ بِنَاصِيَتِهَا ۚ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١١: ٥٦﴾ ❁ وما هو الا غلظتكم على اعدائكم وحفظكم انفسكم منهم لتميلوا عليهم ميلة واحدة فتقتلوهم اشد تقتيلا باستقامتكم فى السعى والعمل فانه قال وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِىَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٤٨: ٢٠﴾ ❁ وقال اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٤٨: ١-٢﴾ ❁ وما صراط ربكم المستقيم الا مداومتكم على مكارم الاخلاق واعراضكم عن الفواحش ما ظهر منها وما بطن واجتنابكم مما حرم الله عليكم من كبائر الاثم صرفا عما يهجر بها علما واكلكم من الذبيحة والمنخنقة والنطيحة متوغلين فى ما انزل الله لتمشوا فى مناكب الارض امنين ❁ ولتعقلوا سنة الله فى الارض وسنة من بقى على ظهرها امنا ولتكونوا فى الدنيا ما دمتم غالبين ❁ فانه عز وجل قال قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۙ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦: ١٥٢-١٥٤﴾ ❁ وما صراط ربكم المستقيم الا دراستكم اعمال ربكم وتحصيل العلم من صحيفة الله التى عرضها السموت والارض ۞ ودراستكم احوال

فى ان المداومة على مكارم الاخلاق هى ما عنى الله بصراط مستقيم

فی ان تحصیل العلم من مطالعۃ اعمال اللہ واتباعہ ھو ماعنی اللہ بصراط مستقیم

الطبیعۃ واحوال مخلوقاتہا السفلیۃ لتعرفوھم ۞ ومن عرفھم فقد عرف نفسہ وربہ ۞ فانہ عزّوجلّ ذکرنا بما خلق علی ظھر الارض من مخلوقاتہ الحیوانیۃ ۞ ووحدۃ نسلھا وتکوینہا من مَآءٍ واحدٍ ۞ فحرض الانسان علی دراسۃ احوالھا ۞ وحمل مطالعتہا علی استقامۃ الصراط وقال وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ (ای یصلون من اصلٍ واحدٍ) فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ (مثل الحیتان) وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ (ای الطیور) وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ (کالانعام والانسان) یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۴:۴۵) ۞ وبعد ذلک قال لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ (ای التی تتبین لکم من این خُلق کل ھذہ فتدرسوا احوال مخلوقاتہ لتعرفوا من انتم انّٰی خُلقتم ومن این جئتم) وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ† (۲۴:۴۶) ۞ فاشعرکم ربکم فی ھاتین الاٰیتین بانہ خلق کلّ شیءٍ حیّ من مَآءٍ واحدٍ واصلہم من اصلٍ واحدٍ ونسلٍ کما قال الحکماء الغربیّون فی توصیفہم مسئلۃ الارتقاء وحرّضکم علی الاعتراف بھذہ الحقیقۃ العجیبۃ الغریبۃ لتعرفوا انفسکم ولتقدروا ربّکم حقّ قدرہٖ ولتقدّسوا عظمتہ وجلالہ ووسعۃ قدرتہ وحمل کلّ ھذہ الدّراسۃ علی صراطٍ مستقیمٍ ۞ وما صراط ربّکم المستقیم الا طلبکم العلم وتتبیعکم ما شھدت علیہ سمعکم وبصرکم وفؤادکم من دون الکذب والظنّ فانہ قال فی موضعٍ اٰخر فی الذین کانوا یتّبعون الظنّ مثلکم فی عھد النبیّ صلعم: وَمَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ۚ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۵ عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۭ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ (ای صراطہ المستقیم) وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی (۵۳:۲۸-۳۰) ۞ وفی موضعٍ اٰخر قال للنبی وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (ای صراطہ المستقیم) اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (من دون العلم) وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ

† ولیرجع القاری الی صفحۃ ۳۷ من کتابی تذکرہ لتشریح ماعنی اللہ بھاتین الاٰیتین ۞

اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (اى صراطه المستقيم) وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ٥ (٦: ١١٧-١١٨) ❁ فما صراط ربكم المستقيم الا تحصيلكم العلم ٥ وتركم ما يبعد فى العادة ٥ واتخاذكم ما يجرى فيها ٥ و استمساككم بسنة الله الجارية ٥ ودراستكم احوال مخلوقاته ٥ ومعرفتكم انفسكم ٥ وغلبتكم على اعدائكم ٥ وتمكينكم من الارض بوساطة العلم بل تبيينكم حكمة ما انزل الله اليكم من الكتب بواسطة النور الذى يحصل منه ٥ وتصديقكم علم القرآن وحكمته وموعظته على النصارى واليهود وغيرهم من اهل الكتب بالذى يجرى فى العادة بين يديه وعلى رءوس الاشهاد لو كنتم تعلمون ❁ وما كان لكم ان تجادلوا اهل الكتب بجهالتكم التامة المتعدية التى تسرح فى اذهانكم ايها الجهلون! ❁ وما كان لكم ان تجادلوا ببصر فكركم ونحوكم او بشعركم وصنائعكم وبدائعكم او بسبحكم وعمائمكم فانهم عن اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (٢٣: ٣) ❁ وما كان لكم ان تميلوهم الى الاسلام او تدخلوهم فى زمرتكم حتى تعلموا مثل ما يعلمون ❁ وتجهدوا فى سبيل الله مثل ما يجهدون ❁ فانهم يقولون لكم اذا جادلتموهم بجهلكم لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ٥ (٢٨: ٥٥) ❁ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ (٢٨: ٥٥) فالمؤمنون هم الذين اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ٥ (٢٥: ٧٢) وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ٥ (٢٥: ٦٣) معرضين ❁ يعلمون سنة الله فى الارض بالحق ويفعلون ما يريد الله بهم ويتبعون العلم من دون الظن وانتم لا تعلمون من شئ ولا تعملون ❁ بل تسخرون وتخرصون ❁ فلذلك يجزى الله الذين احسنوا باحسن ما فى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (٥٣: ٣١)[†] وانتم تخذلون ❁ ولذلك قال الله لكم فى اهل الكتب اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (١٦: ١٢٥) (اى بواسطة العلم والحكمة والموعظة من دون الظن) لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ (اى القرآن ١٢) الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٢٢: ٥٤) ❁ وقال اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ٥ (١٦: ١٢٥) ❁ فما صراط ربكم

[†] الا شارة الى قوله تعالى وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ٥ (٥٣: ٣١) هذا ما يلى الاية التى تقدمت على صفحة ١٣٣ فتدبر

المستقيم الّا تعليمكم حكمة القرآن وتبيينكم موعظته ايها الغفلون المجادلون! ❁ بل ما هولاء
اجبارکم النّاس علی حقیّته وصدقه وعدله وهدایته ونوره وبشارته ورحمته وحکمته وموعظته
وشفاءه بعلمکم وشهادتکم لا تکذیبه بجهلکم لو کنتم تعلمون ❁ فانه یهدی النّاس الی السّلم
والحفظ والامن لیکونوا فی الدّنیا من الّذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون ❁ ولیکونوا فی
الاخرة من المکرّمین ❁ ولما لا یکفیهم انْ نزّل الله الیکم کتابًا یبدّل خوفهم امنًا ابدًا ویبشّرهم
بنعیم مقیم ان بیّنتموه بعلمکم بل اکرهتموهم ببرهانکم علی ان یدخلوا فی دینکم افواجًا ساجدین ❁
فانه قال بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (٢٩:٤٩) ❁
وبما لا یستسلمون للقرآن ان بیّنتموهم نوره اوجئتموهم بنبأه وعلمه بعلمکم وبما لا یستجیبون لکم
ان اخرجتموهم من ظلماتهم وهدیتموهم بالحقّ الی صراط مستقیم ❁ فانه قال فی کتابکم الّذی
انتم تهجرونه الان قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (١٥:٥-١٦) ❁
یخرجهم من ظلمات الخوف والحزن الی نور السّلم والامن بواسطة التّوحید والایمان لتکونوا
فی الدّنیا من الغلبین ❁ فی الدّنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وذلک جزآء المسلمین ❁ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٢٥:١٠) ❁ فما صراطکم المستقیم
الّا ان تسلکوا سبل السّلم فی الدّنیا ایها الهالکون! ❁ وان تستمسکوا بما اوحی الله الی رسولکم من قانونه
مبینًا ومصبحًا ❁ فانه قال فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
(٤٣:٤٣) ❁ وان تشعروا قلوبکم بالایمان ولوازمه واعماله وبروح من امره تعالی فانه قال لنبیّکم
(اذلم یحط علمه بالقانون الّذی یجری فی العادة) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ
تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٤٢:٥٢) ❁ وقال اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٢٢:٥٤) ❁ وما انتم بمقيمي الصراط او سالكوه حتّى تتّقوا اللّٰه حقّ تقٰته بل تفعلوا اعمال الاتقاء الّتي تقدّم ذكرها وحتّى تطيعوا اميركم بل تعبدوا اللّٰه عملاً و معناً فانّه كان نبيًّا (عيسٰى) من انبيآء كم قال لقومه يٰقوم فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (٤٣:٦٣-٦٤) ❁ ولن تسلكوا سبيل ربّكم او تقيموا صراطه المستقيم ابدًا حتّى تؤمنوا بالسّاعة اشدّ ايمانًا وتكونوا شهدآء على النّاس لها بجهادكم في اللّٰه اشدّ جهدًا وحتّى تبيّنوا لهم بعلمكم وعملكم اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ (٢٠:١٥) يكاد يخفيها اللّٰه لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ○ (٢٠:١٥) وحتّى تكونوا شهادة على اعين النّاس برهانًا لهم ودليلاً عليهم وعلمًا عندهم بانّكم لا تسئلونهم على ما تفعلون لهم من اجر وتؤمنون بانّكم توفّون اجوركم يوم القيٰمة

> في انّ الايمان بالاٰخرة مع السعي والعمل لها هو ما عنى اللّٰه بصراط مستقيم

فانّه كان نبيًّا من انبيآءكم عيسٰى قد صار لقومه علمًا ليوم القيٰمة ودليلاً عليها بشدّة اطاعته وجهاده في اللّٰه وخدمة العباد فاثنى عليه ربّه اشدّ ثناء وقال وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (٤٣:٦١) ❁ ولن تستطيعوا ان تسلكوا صراط ربّكم المستقيم حتّى تحيوا انفسكم وتخرجوا قومكم مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ (١٤:٥) وتذكّروهم بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (١٤:٥) مثل ما فعل موسٰى وتمشوا في النّاس بنورٍ من ربّكم ○ وتشرحوا صدوركم للسّعي والعمل ○ وتوسّعوا قلوبكم للجدّ والجهد لئلّا يكون عليكم في دين اللّٰه من حرج ○ مرجين لقآء ربّكم الى يوم القيٰمة ○ محسنين انفسكم من ايمانكم بالاٰخرة ○ مصلحين عاقبة قومكم جاهدين ❁ فانّه قال اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا

❁ الاشارة الى قوله تعالى وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○ (١٤:٥) فما كان هذا الاخراج الى النّور الّا نور الغلبة والاستخلاف في الارض والتّمكين منها بواسطة الجهاد بالسّيف. فليتدبّر وليرجع القارئ الى كتابي تذكرة صفحه ٢٦٣ للتّشريح المزيد.

بِاَنْفُسِہِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (۶: ۱۲۳-۱۲۴) ❁ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ۔ لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۶: ۱۲۶-۱۲۸) ❁ ولن تستطیعوا ان تعرفوا ما الھدٰی وما دین اللّٰہ وما الفطرت اللّٰہ التی فطر النّاس علیھا حتّٰی توحّدوا انفسکم ۞ وتصلحوا بین النّاس ۞ وتسامحوا بینکم ۞ وترابطوا بین احزابکم ۞ وتصبروا وتصابروا وتتحدوا ۞ وحتّٰی تستمسکوا بروح من امرہ تعالٰی صرفًا عن الظواھر والمناسک لئلّا تتنازعوا او تختلفوا بینکم فی الامر ۞ وحتّٰی توسّعوا حدود الاسلام اشدّ توسیعًا لتغلبوا فانّہ قال لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ وَاِنْ جٰدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ (۲۲: ۶۷-۶۹) ❁ وما کان لکم ان تسلکوا "الصّراط المستقیم" خاصًّا مختصًّا الذی سمّاہ ربکم "صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم (۱: ۶-۷)" فی القراٰن حتّٰی تفعلوا مثل ما فعل موسٰی وھارون بقومھما وتنصروا انفسکم مثل ما نصراھم وتنجوا قومکم من فراعینکم مثل ما نجّیاھم وتکونوا غٰلبین مثل ما غلبوا فانّہ قال وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ۞ وَنَجَّیْنٰھُمَا وَقَوْمَھُمَا مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ۞ وَنَصَرْنٰھُمْ فَکَانُوْا ھُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۞ وَاٰتَیْنٰھُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ۞ وَھَدَیْنٰھُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۞ وَتَرَکْنَا عَلَیْھِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ۞ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ۞ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۞ اِنَّھُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) ❁ ھٰذا ھو الصّراط المستقیم ❁ وھٰذا ھو الھدٰی ودین الحقّ الذی ارسل بہ رسولنا لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۶۱: ۹) ❁ وھٰذا ھو صراط الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (۴: ۶۹) "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" (۱: ۷) ❁ و

ان حرثتم الفاظ القرآن اشدّحرثًا لن تجدوا فيه الصّراط المستقيم غير هٰذا بل لن تجدوه الّا فى هٰذه الاٰيٰت افلا تسمعون ❁ فما الصّراط الّا ان تغلبوا فى الدّنيا وتمشوا فى الارض اٰمنين ❁ وما الصّراط الّا ان تكونوا اعالى فى الارض وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (٣: ١٣٨) ❁ و لهٰذه تركعون وتسجدون فى صلواتكم ايّها السّاهون! ❁

فيا ايّها المسلمون الغٰفلون! ما صراط ربّكم المستقيم الّا ان تستقيموا الى العشرة المبشّرة من اصول الاسلام لتمشوا فى الارض غٰلبين ❁ وهٰذه صراط الّذين ينعم الله عليهم فى زماننا هٰذا وهٰذه صراط غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ٥ (١: ٧) ❁ يغلبهم اينما تنظرون ❁ و يمكّنهم من الارض ويستخلفهم فى مناكبها على رغمكم اٰمنين ❁ وانتم نسيتم صراطكم ايّها النّاسيون! نسيتم ولو تكرّرونه فى صلواتكم مرارًا مهلّلين ❁ نسيتم ولو ابتداء الله كتابه به وعرض عليكم انّ الدّين هو ابتغاء نعمته وانّما هو هٰذا وان تبتغوا وجهه لتبتغوا من فضله ورحمته غٰلبين ❁ فمن صرف عن هٰذا الصّراط يحلّ عليه غضبه وصار من الهالكين ❁ ومن رغب عنه فاولٰئك من الضّآلّين ٥ ولو كانوا المسلمين المرسّمين المعاصرين ❁ وما عنى الله بالنّعمة غير هٰذه النّعمة ايّها الغٰفلون! ❁ وان تحرثوا الفاظ القرآن اشدّحرثًا لن تجدوا فيه نعمةً فى غير هٰذه المعانى او نعمةً عن نعمة الحيٰوة الدّنيا وما يرزقون ❁ فلهٰذه علّمكم رسولكم ان تركعوا وتسجدوا لربّكم فى صلواتكم متضرّعين وخاشعين لتلينوا قلب الله لكم فيزيدكم نعمةً ورحمةً وفضلًا من فوره فانّه قال وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (١٤: ٧) ❁ وقال وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (٧: ٥٦) ❁ وقال فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ٥ (٤: ١٧٥) افلا تتدبّرون ❁ فما دعاءكم فى الصّلٰوة للصّراط المستقيم الّا ان يغلبكم الله فى الدّنيا من فوره ولهٰذا تركعون ولهٰذا تسجدون ❁ لتسئلوه

ﷺ دليرجم الفارى الى صفحه ١٧٥ بحث المتن من كتابى تذكرة التصديق ﷺ والى صفحات ٢٠١ - ٢٠٣ بحث المتن لتصدق بهذا القول ﷺ اى يهدى يهم الى الفضل والنّعمة والرّحمة

الحافًا كالفقراء واعتصامًا به ولتخافوا ان لا يهلككم الله بما فعل المبطلون (٧:١٧٣) ❊ فما هذا
الا آية يذكركم بالروح من امره تعالى يومًا فيومًا ويعرض عليكم ليلًا ونهارًا كل ما جاء في
الكتاب المبين ❊ وما الصراط المستقيم الا آية جمع فيه كل ما كتب عليكم احكم الحاكمين ❊
ولذلك قال الله لنبيه وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (١٥:٨٧) ❊
لان المثاني تذكركم بالصراط المستقيم والنعمة وتخوفكم بغضب الله والضلال والقرآن يبيّن لكم
بما الصراط المستقيم ❊ وبما النعمة ومنون المغضوب عليهم ومنون الضالون ❊ ويوضح
لكم كيف تسلكوا الصراط وكيف تهتدون ❊ وانه لاحدّ من السيف واضيق من الشعر لو كنتم
تعلمون ❊ وان ضللتم عنه مقدار عرض شعر لكبكبتم على وجوهكم في النار انتم والغاوون ❊ وان
نسيتم درسكم باتباعكم جهلاءكم وكبراءكم فمن يذكركم به بعده الا تبصرون ❊ فاذا مات
رسولكم انقلبتم على اعقابكم وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا (٣:١٤٣) افلا ترجعون ❊
وان تكفروا انتم ومن في الارض جميعًا (١٤:٨) فان الله غني عن العالمين (٣:٩٦) ❊ وسيعلم الذين
ظلموا اي منقلب ينقلبون (٢٦:٢٢٧) ❊

فيا ايها المسلمون المعاصرون! الا انتم في اسلامكم الضالون ❊ وفي نعمتكم المغضوبون
الا تحبون ان يغفر الله لكم والله غفور رحيم (٢٤:٢٢) ❊ يغفر لكم ما تقدم من ذنبكم وما تأخر
ويتم نعمته عليكم ويهديكم الى صراط مستقيم[1] ❊ الم تروا انكم تتخطفون عن كل مكان امين ❊
وتسلبون وتفقدون ❊ ضاقت عليكم الارض بما رحبت (٩:٢٥) وانتم غافلون ❊ السارق قد
ذهب باثاث بيوتكم وانتم نائمون ❊ فهل تتركون في ما هاهنا آمنين (٢٦:١٤٦) ❊ بل هل تحتوي
فيكم من نعمة ومن فضل ومن رحمة لتزعموا انكم لمنظرون ❊ افلم يهلك الله قبلكم من القرون
وان هلكوا انتم الدائمون ❊ اخلق الله السموات والارض لعبًا فتسخروا منه لاعبين ❊

١ الاشارة الى قوله تعالى (٤٨:٢)

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ (۲۳:۱۱۵) ❁ ام كل هذه امرٌ هينٌ فيكون لكم
ما تشاءون ❁ وان تطلع الشّمس عليكم طوعًا او كرهًا كلّ يوم بامر ربّها افلستم مجبورين ❁
وان كان للقمر دينًا ومسلكًا يتّبعه كلّ ليل فهل نسخ لكم كلّ الدين ❁ وان تزول النّجوم
من بعد صعودها فی جوّ السّماء ابدًا افلستم بآفلين ❁ وان لم يتبدّل الماء سيلانًا والنّار
تحريقًا والرّيح جريانًا من اوّل يوم خلقت فهل انتم مستحّون ❁ ومن يسامحكم فی السّماء والارض
ان تجدون كلّ من فيهما له قانتين ❁ مشتغلين بما عليهم مستغنين ❁ مداومين على جبلّتهم
وخلقهم غير محوّلين عوائدهم من اوّل ساعة فلِما تزعمون ان انتم تبدّلون ❁ وان تجدوا
كلّ من خلق حنفاء لله فلِما لا تركنون ❁ ولا تميلون ولا تركعون ❁ فتبارك الّذی يمال اليه
ولا يميل وتبارك اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (۲۳:۱۴) ❁ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ
(۷:۵۴) ❁ وان لا تستطيعون ان تكسبوا ههنا لانفسكم حبّة من خردل او من نقير الّا من بعد
جهدكم بايديكم وارجلكم فهل تشترون جنّتكم بالاقوال والكلمات ايّها الجاهلون ❁ أفاحدٌ
من دون الله يامر عليكم ههنا قبل يوم الدّين ❁ ام بدّل الله عادته يوم القيمة ليجعل لكم ما
تشتهون ❁ ام اتخذتم عند الرّحمن من عهد ليزوّجكم بحور عين ❁ وان اعرضتم عن كتاب الله
ما اُرسل به خاتم الانبياء ونسيتم درسه فتعالوا الى البلاغ المبين ❁ يبيّن لكم ما نزّل الله
اليكم فی القرآن العظيم ❁ لتتدبّروا اٰيٰته ولعلّكم تتفكّرون ❁ ويوضح لكم طريقًا لتدخلوا فی
زمرة الاحياء فی الدّنيا ولتكونوا فی العقبٰى من المفلحين ❁ وَلَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ
يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ (۱۷:۸۸) افلا تذكّرون ❁ وما انا
من نبیّ او عالم او من ولیّ او فقير او كبير ولكن اخبرنی انّكم لهالكون ❁ فی صبح خامسة او اقرب منه باليقين
الّا الّذين تابوا وامنوا واصلحوا واتّقوا فعسى اللهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۹:۱۰۲) ❁ فاطلق ربّی

لسانی وشرح لی صدری ونبأنی بما جاء فی القرآن العظیم ❁ فشرعت فی تصنیف کتابی تذکرة لا بیّن للناس ما نزّل الیهم من العشرة المبشّرة ⊙ وغیرها من حجّة الله البالغة النّافعة ⊙ وبیّنته فی عشر مجلدات متتابعة ⊙ وابتدأته بهذه الافتاحیة البلاغیة ⊙ لا شرح لهم ما عظمة صحیفة الله وما هیه وما کنت ادری ما الکتٰب و لا الایمان فجعله ربّی نورًا فی صدری لاری قومی طریقهم به فانّهم قوم لا یعلمون ❁ فتعالوا الی القرآن العظیم ❁ وتعالوا الی لبلغ المبین ❁ ولا تنظروا الی من قال کلّ هذا بل انظروا الی ما قال فانّی انا الظلام الخطّاء الاثیم ❁ اظلم لنفسی لیلًا ونهارًا واعبد الانجلیز بکرة و اصیلًا لرزقی ⊙ ولا اعبد ربّی لیرزقنی من لّدنه ⊙ واکذّب القرآن یومًا فیومًا ⊙ ولا استطیع ان اداوم علی التوحید بل اصنع لنفسی مکرًا بعد مکر ⊙ واسارع الی الشرک کرّةً بعد مرّة ⊙ فلا تنظروا الیّ بل انظروا الی ما اقول ولو لا افعل شقاوة لعلّکم تفعلون ❁ وقولوا ربّ اجعل لنا مقیمیه ومستقیمی الیه واجعل قائله مقیمه وارزقنا من لّدنک انّک انت خیر الرّٰزقین ❁ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۷:۲۳) ❁ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۲:۲۸۶) ❁ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (۱۰:۸۸) ❁ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۱۰:۸۵-۸۶) ❁ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا (۳:۱۴۶) وَاَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۲:۲۵۰) ❁ وَاهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۱:۵-۷) ❁

ویا ملوک المسلمین! ویا امرآء القوم الظّٰلمین! الا تطمعون ان یغفر الله لکم

والا تتقون ٥ (٢٦:١٢٤) * عسى ربكم ان ياتى بامره ليدمركم وانتم قوم غفلون * اتفخرون على انفسكم
انكم اوتيتم رزقا وحكما وفضلا ونعمة من لدنه على علم عندكم بل هى فتنة (٣٩:٤٩) ولكن اكثرهم
لا يعلمون * قد قالها الذين من قبلهم فما اغنى عنهم ما كانوا يكسبون (٣٩:٥٠) * فاصابهم سيات
ما كسبوا والذين ظلموا من هؤلاء سيصيبهم سيات ما كسبوا وما هم بمعجزين (٣٩:٥١) * اولم
يعلموا ان الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر ان فى ذلك لايت لقوم يؤمنون (٣٩:٥٢) * اولم
تدرسوا فى القران انه قال ثم جعلنكم خلئف فى الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون (١٠:١٤) *
وقال اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرنها تدميرا
(١٧:١٦) افلا تذكرون * بل قال وكم قصمنا من قرية كانت ظالمة وانشانا بعدها قوما
اخرين فلما احسوا باسنا اذا هم منها يركضون لا تركضوا وارجعوا الى ما اترفتم فيه ومسكنكم
لعلكم تسئلون قالوا يويلنا انا كنا ظلمين فما زالت تلك دعوىهم حتى جعلنهم حصيدا خامدين ٥
وما خلقنا السماء والارض وما بينهما لعبين لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذنه من لدنا ان كنا
فعلين ٥ بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق ولكم الويل مما تصفون وله
من فى السموت والارض ومن عنده لا يستكبرون عن عبادته ولا يستحسرون ٥ يسبحون اليل و
النهار لا يفترون ٥ (٢١:١١-١٩) * وقال وهو الذى جعلكم خلئف الارض ورفع بعضكم فوق بعض
درجت ليبلوكم فى ما اتكم ان ربك سريع العقاب وانه لغفور رحيم (٦:١٦٦) * وقال
فى موضع اخر وقطعنهم فى الارض امما منهم الصلحون ومنهم دون ذلك وبلونهم بالحسنت والسيات لعلهم يرجعون
فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتب ياخذون عرض هذا الادنى ويقولون سيغفر لنا وان ياتهم عرض مثله ياخذوه الم
يؤخذ عليهم ميثاق الكتب ان لا يقولوا على الله الا الحق ودرسوا ما فيه والدار الاخرة خير للذين يتقون افلا
تعقلون والذين يمسكون بالكتب واقاموا الصلوة انا لا نضيع اجر المصلحين ٥ (٧:١٦٨-١٧٠) *

افلم تؤمنوا من بعد ما بينتُ لكم ههنا بانّ الاسلام هو النظم والنسق والجدّ والجهد
والسّعی والعمل والقوّة والاتّحاد والغلبة والامن والاستبقاء من الله ◎
بل هو فی الدّنیا حسنة وفی الاخرة حسنة ◎ وانّما هو هذه ◎ بل کلّه هٰذه ◎
لا بشیءٍ من دون ذلك ◎ ولا ما یجر به علماؤکم الجهلون ❁ وان هو الّا ان تؤمنوا بالتّوحید
لتوحّدوا انفسکم ◎ وتصلّوا لتنظّموا امّتکم ◎ وتصوموا لتصبروا وتصابروا ◎ وتحجّوا
لترابطوا وتخالطوا ◎ وتنفقوا لتقوّوا قومکم وتعاضدوا بینکم غلبین ❁ فما لکم
لا تؤمنون بالله مواحدین ❁ ولا تصلّون منظّمین ❁ ولا تصومون مغلظین ❁
ولا تحجّون مخوّفین ❁ ولا تؤتون الزّکوة فاعلین بل فعّالین ❁ ولا تاخذون
حذرکم لتمیلوا علی اعدآءکم میلة واحدة بازغین ❁ وما لانفسکم لا تهدّدون قومکم الی الصراط المستقیم ❁
فانّکم انتم أمرآء المؤمنین ❁ وما لکم لا تؤمنون ولا تصلحون ❁ والّذین امنوا وعملوا
الصّلحت فلهم اجرٌ غیرُ ممنونٍ (٦:٩٥) ❁ وما لکم لا تواحدون ولا ترابطون لا تشاورون
بینکم لتقذفوا فی قلوب اعداءکم الرّعب ولتنتقموا منهم وما لکم کیف تحکمون ❁ وما لکم
ساء ما تصنعون ❁ فالذین امنوا أمرهم شوری بینهم (٣٨:٤٢) واذآ اصابهم البغی
هم ینتصرون (٣٩:٤٢) ◎ ❁ وما لکم لا تتّخذون منکم امیرًا زاده الله بسطةً فی العلم والجسم
(٢٤٧:٢) لیامر علیکم ولیقوم مقام الرّسول فیکم بالحقّ عدلًا ومعنًا لتعتصموا به ◎ فالذین
اعتصموا بامیرهم واطاعوه حقّ طاعته اولٰئك هم المفلحون ❁ وما لکم تفرّقون دینکم
بینکم فمنکم شافعیٌّ ومنکم حنفیٌّ ومنکم حنبلیّون ومنکم مالکیّون ❁ ووهابیّون واهل
الحدیث واهالی القرآن وغیرها ما یصنعون ❁ وان صنعتم انتم کلّ هذه الاصفیاء والابرار
لتفرّقوا دینکم وتشرکوا بالله فلیات شریك من شرکاءکم لیخلصنا من هذه المصیبة او یاتوا

مجتمعين ❁ فذروا ما انتم عليه واهجروا الشرك والاشتات وقولوا انما نحن مسلمون ۝
وامحوا الافتراق اشد محوًا فانه قال اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ
اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (١٦٠:٦) ❁ واعلموا اَنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
حَصَبُ جَهَنَّمَ (٩٨:٢١) فهل تحبّون ان تدخلوا اصفياءكم في النار داخرين ❁ وان تصلوا وتسبحوا و
تنفقوا وتحجوا وتؤمنوا وتشهدوا امثل ما انتم عليه الآن ابدًا فلن يغفر الله لكم ابدًا ولن يكفر عنكم سيآتكم
ابدًا وما كان لكم ان تفلحوا ابد الاسلام ولو انتم تشتهون ❁ واني لا اخافكم ومن انتم عليه ولكن اخاف
عليكم عذاب يوم عظيم ❁ لانكم انتم امراء المسلمين ❁ المرجوعون اليهم للهدى والمعوّلين عليهم
للدين المستقيم ❁ فلتحملوا اوزاركم مع اوزار الذين تهدونهم بامركم الا ثقل ما تزرون ❁ و
عظم ما تحملون ❁ وان ظننتم ان تفلحون في الدنيا باعراضكم عن دين الاسلام او تغلبون و تفوزون
بهجركم كتاب الله وبتوهينه ۝ او باعتزالكم عن جماعتكم وتشبّهكم بقوم اخر ۝ او بتقليدكم اساليب الافرنج
والانجليز صُمًّا وعميانًا ۝ او باتباعكم طرقهم تضهيًا وتشبيهًا ۝ او بترككم عصبيّة قومكم وامّتكم ۝
فاعلموا انكم ساء ما تزعمون ❁ وبئس ما تشترون ❁ ولن تستطيعوا ان تفلحوا بهذا التشبّه ابدًا
ولو حرصتم كل الحرص فانقلبوا خاسئين ❁ فاعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا وجاهدوا
لتظهروا دينكم على دين النصارٰى ولو كرهوا اجمعون ❁ واغلظوا عليهم اشدّ غلظة بل كونوا قوامين
عليهم رحماء بينكم واذا لقيتموهم فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ
وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ (٤:٤٧) واعلموا انهم يحبّون ان يقطعوا دابركم مصبحين ❁ فقولوا
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (١:١-٧) ❁

وانا المفتقر الى الله الرحمن
محمد عناية الله خان المشرقي
محب المسلمين ورفيقهم

ادارة الاشاعة للتذكرة
رقمه ببلدة امرتسر (الهند)
١٠ رجب المرجب ١٣٣٢ هـ
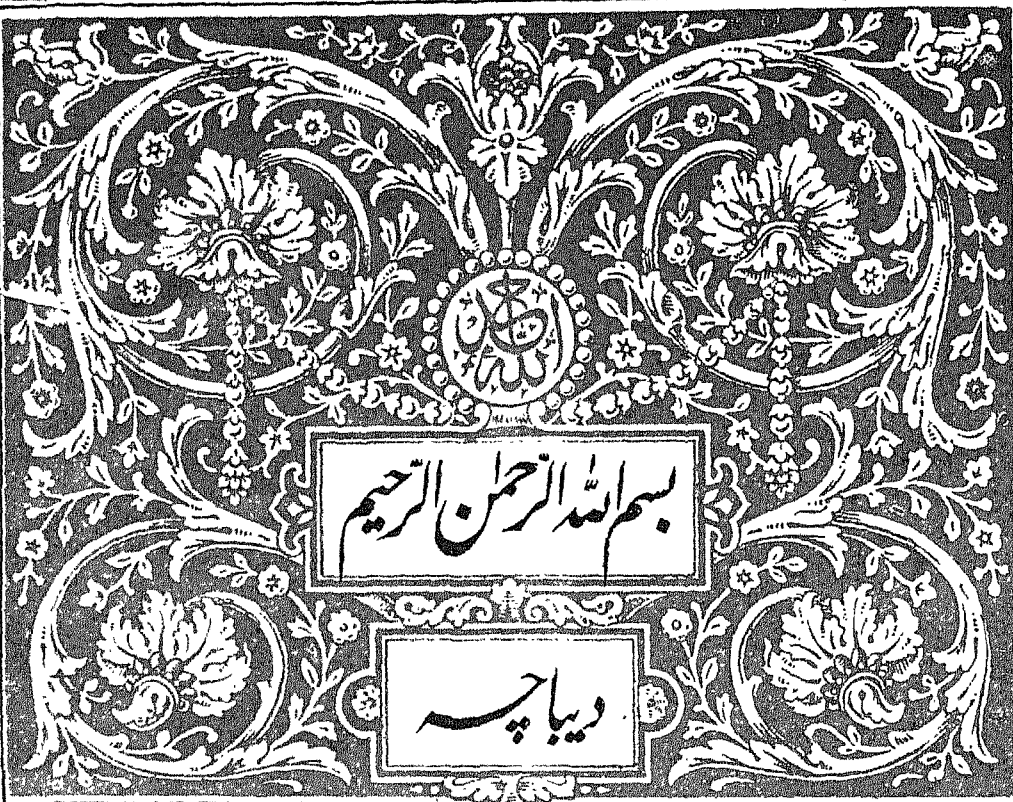
الحمد للہ العلی العظیم ۔ والصلوٰۃ علی النبی الکریم ۔ وعلی انبیائہ اجمعین ۔ وعلی من سلک صراط المستقیم ۔

دنیا کی سب مسلّم اور مروّج اشیا میں سے سب سے بڑا راز **مذہب** ہے۔ یہ پوجنا کیا ہے؟ یہ جھکنا کیوں ہے؟ یہ رسمی عقائد اور شرعی مراسم یہ برہمن کے قشقے اور بت پرست کی مورتیاں، مسلم کی قربانیاں، اور ہندو کے چڑھاوے کیوں ہیں؟ گبر کی شعلہ نوازی کیوں ہے؟ عیسائی کا ابن خدا کیا ہے؟ تسبیحوں کے ہار، حج کے مناسک، جاترے، نماز، تپسیا، پن، دان، خیرات، صدقات، نذر نیاز، لمبی داڑھیاں، متشرّع چہرے، تعویذ، اصطباغ، ہون، اشنان، وغیرہ وغیرہ سب مذہبی مراسم مشق و رواج کے وہ اسرار جاریہ ہیں کہ انکی لِم تک پہنچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں باایں ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے، انکے سچ یا جھوٹ، روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتا۔ جاہل اور عالم، کم فہم اور عاقل سب اس مشق نامعلوم میں حصّہ لے رہے ہیں، اور اُن کو حسب توفیق نباہتے رہنا زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان غرض و یقین میں، نہیں بلکہ اسکی اکثر روئداد سعی و عمل میں مذہب ہی وہ ہمہ گیر اور خاموش

حامل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے؛ اور مذہب ہی وہ بحث ہے منفک حیطہ دلیل سے خارج، اور ابّ جدّ کی وہ ارث متواتر ہے کہ ہر شخص اُسپر بے چون و چرا قابض رہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔

تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آجتک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے، کونسا شارع کائنات کے منشا کے عین مطابق ہے، مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے، نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے، اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اُسکے صحیح منشا کے متعلق آجتک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی، منتہائے حیات کا سرّ عظیم بالکل نا تلاش کردہ پڑا ہے، موت کا حجاب اکبر ارب درارب انسانوں کی موت کے باوجود قطعًا نا قابل درک ہے! علم حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں، اسکی کسی ایک شق کے بارے میں شائبہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ علم الطبعیات کے حقائق پر سارا جہان متحد ہے، اُن کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اُن سے طلب عمل کر رہا ہے، اُن سے نتائج اخذ کر کے قوت کی راہیں پا رہا ہے! نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہو گئی ہے، سب کے سب عینی شہادت کو فریب نظر سمجھ کر دم بخود ہو گئے ہیں۔ سکون زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک پیرو نظر نہیں آتا، اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریے نسیًا منسیًا ہو چکے ہیں لیکن ہندو اور بدھ، گبر، برہمن، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے! مذہب کو ساکنان زمین نے کیوں ایسی شئے فرض کر لیا ہے کہ اسکی سچائی کے مابین یہ بُعد المشرقین قائم ہے؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی؟ یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب سچ ہے اور باقی سب غلط ہیں حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضاد قطبین ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ سچ ہیں تو اختلاف کیوں ہے، اور جب اختلاف قائم ہے تو سچائی کا ادّعا کیسا ہے؟

یہ سوالات ایسے ہیں کہ ہر صاحبِ نظر انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں! تاہم نسلِ انسانی کی اجتماعی بہتری کے لیئے اُن کے قطعی طور پر حل ہو جانے کی عالم آرا اہمیت اسلیئے ہے کہ روئے زمین کی اکثر خونریزیاں، اُسکے سب سے زیادہ ہولناک جنگ، اسکے بڑے سے بڑے محاربے اور مقاتلے اکثر اختلافِ مذاہب کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو اکثر اسی وجہ سے کاٹ کھایا ہے کہ اسکا "مذہب" جدا تھا، اُسکا "اعتقاد" الگ تھا، اسکا "خدا" دوسرا تھا، اسکا پیغامبر اور رہنما اور تھا! اگر فی الحقیقت یہ تمام خونریزیاں اور فساد، یہ خانہ جنگیاں اور مجادلے انسانی رہنماؤں کے ایما اور اُن کے پیغام کے باہمی اختلاف یا بالارادہ تباین کے باعث شروع ہوئے تھے، اور قرنہا قرن تک اسی نمط پر ہوتے رہیں گے تو نسل انسانی کا ایک نہ ایک دن لڑ مر کر کالعدم ہو جانا، یا ابداً اسی طرح پر لڑتے رہنا **منشائے ایزدی** ہے۔ اس منشائے غالب کے ہوتے ہوئے اُن میں باہمی اشتراک و اتحاد محال ہے، اُن کے لیئے امن کی مشترک سطح پیدا کرنا ممتنعات طبعی سے ہے۔ لیکن اگر نوع انسانی فی الحقیقت ایک ہی نسل ہے، اسکا ابُ جد ایک ہے، اسکو پیدا کرنے والی محرک طاقت ایک ہے، اگر وہ درحقیقت ایک ہی مطلب کے لیئے پیدا ہوا اور ایک ہی منتہا کی طرف لوٹ رہا ہے تو یہ سب باہمی فساد **غیر فطری** ہے، منشائے طبیعت کے برخلاف ہے، خودکشی اور استہلاک ہے، ظلم عظیم اور جہالت کی موت ہے!

میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے۔ اُنہوں نے اس کارخانۂ جہان کو ایک ہی چشم تحیر سے دیکھا تھا، وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقام بلند سے دیکھ کر تڑپ اُٹھے تھے! حیرت کی بجلیاں، اور علم و خبر کی سنسنیاں اُن کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں! وہ اس سوال میں محو تھے کہ یہ سب کچھ **کیا** ہے اور **کیوں** ہے؟ اس محویت اور عشق کے پردہ شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہکر پھر اوجھل ہو گیا، لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا! نوائے ساز ایک تھی! بوسہ بہ پیغام ایک تھا! چشمک ناز ایک تھی!

کلمۂ راز ایک تھا! جبتک یہ محرم اسرار لوگ اِس دنیا میں رہے اِس راز کو برملا کہتے رہے، سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلقِ خدا کو آمادۂ عمل کرتے رہے، سب کو ایک نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے! لیکن جب نا حقیقت شناس اور نا جلوہ آشنا لوگوں نے اِس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پیغامِ خدا غلط سنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں! آج سطح زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بغاوت سے ہے۔ یہ تنگ ظرفی کی چِڑ اور نا بلند بینی کی ضد ہی ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے اور اگر چندے یہی حال رہا تو نسل انسانی کا خدا حافظ ہے!

پس مذہب کی ضد فی الحقیقت جہالت اور نا شناسی کی ضد ہے، کم نگہی اور تنگ حوصلگی کی ضد ہے، نسیانِ درس اور انسانیت کی ضد ہے، **علم** اور **نبوّت** کی ضد قاطبۃً نہیں! علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کر دیتا ہے، حفظ و امن اور سعی و عمل پیدا کر دیتا ہے، اِس کے بالمقابل مخالف کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی، اِسکے ہوتے ہوئے جدال ناممکن ہے، شقاق متعذر ہے، جمود محال ہے۔ دو مخالف فریق آجتک اِس بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں، آگ ٹھنڈی ہے، یا بوجھل شئے آسمان کی طرف گرتی ہے اسلیئے کہ سب کے ان کے متعلق **علم** ہے، سب نے حقیقت کو برأی العین دیکھا ہے، سب انکے اثر کو ہر وقت اور بہر حال مشاہدہ کر رہے ہیں بعینہ اسی طرح اگر روئے زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں، اگر انکی اصلیت اور تعلیم بھی علم کے معیار پر آزما کر الم نشرح کر دیجائے اگر اُن پر سے بھی وہ تمام رسمی غلاف جو جہل و نسیان سے لوگوں نے ڈال کر اُن کی حقیقت کو مسخ کر رکھا ہے اُلٹ دیئے جائیں، اور اُس مشترک اساس، اُس حقیقت مجرّدہ، اور اُس **نفس الامر** کی طرف رجوع کیا جائے جو فی الحقیقت ادیان عالم کی سنام اور ان کا صدق بسیط ہے، جسپر ہر جا اور بہر حال عمل ہو رہا ہے، جسکو ہر شخص بچشم خود دیکھ رہا ہے، جسکو علم نبوّت نے عیاں کر کے سب کو متفق علیہ کر دیا تھا، تو آج ہی نسل انسانی متحد اور متفق العمل اُسیطرح پھر ہو سکتی ہے جیسا کہ ابتدائے آفرینش میں تھی، آج ہی سب مقاتلے پھر بند ہو سکتے ہیں، زمین کی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے!

دنیا کے ہر شعبہ تلاش وتحقیق میں علم[†] کا پردہ کشا اثر انسانی اعمال وآرا پر اس شدت سے مصلح ہو کر اس کے بعد کم از کم اُس شق میں افتراق متعذر ہے۔ علم کا منتہائے نظر ہر جگہ ملانا ہے، خلیج فارق کو حتی الوسع کم کرنا ہے، مشترک سطح پیدا کر کے سب کو مجبورِ یقین کر دینا ہے! لیکن شرط یہ ہے کہ علم علم ہو، سمع وبصر کی **شہادت** ہو، واہی اعتقاد نہ ہو، "فرضی یقین" نہ ہو، دل کو دھوکا نہ ہو اگر یہ بات کسی جگہ حاصل ہو گئی ہے تو جبر مقابلہ اور جر ثقیل کی طرح سب دنیا اسکے ماننے پر مجبور بلکہ مجبول ہے!

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام بنفسہ کیا تھا، وہ **صدق بسیط** اور نفس الامر کیا تھا؟ اسکی نوعیت کیا تھی؟ اسکا **علم** کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بن بن کے بگڑا اور جبتک پیغامبر آتے رہے پھر بنتا رہا؟ اگر انسان کی حس مشترک اِس اہم اور دقیق سوال کو لاگ لپیٹ کے بدون کسی بلند مقامِ نظر سے حل کر سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اُس مالک کون ومکان اور جہاں پناہ رب بے نشاں نے بے نیازی کی شان میں اِن دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی ہی **بہتری** کے لیئے کہا، اُسی کی بہبودی کو پیش نظر رکھکر کہا! یہی ہو گا اور قطعاً ہے کہ اولاد آدم اس کارگاہ جہان کے اندر **کیونکر** رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی یہ اُمّی اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟۔ وہ کیا ہے جس سے نسل انسانی کو زندگی اِس تگاپوئے دمادم میں **امن** حاصل ہو، حفظ وارتقا حاصل ہو، بقا اور رضا حاصل ہو! یہی اِس نبأ عظیم کا لُبّ لباب تھا جو محکمۂ قضا وقدر کے آستانۂ علیہ سے نبیوں کو ملی، اور یہی سچی **نبوت** ہے، یہی انتہائے علم وخبر ہے، کمال کشف واکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل سب ماسوا کا علم ہیچ ہے، سب کمتر معاملوں کی خبر ہیچ ہے، علم حقائق الاشیا صفر ہے، علم مو الید جہاں ہیچ ہے! بڑی سے بڑی اور نفع مند خبر جو انسان کو مل سکتی ہے یہ ہے کہ اِس زمین وآسمان کی **ملکوت** کیا ہے، حکم قضا وقدر کیونکر ہے، الٰہی فیصلے کس اصول اور قانون کے مطابق ہیں، اُمتیں کیوں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، قومیں کیوں تحت الثرٰی میں گرتی ہیں، سزا کس معیار کو دیکھکر آتی ہے، جزا کس دستور کو نباہ کر ملتی ہے؟ یہی وہ مہتم بالشان سوال ہیں جو نسل انسانی کیلئے موت و

† اس کتاب میں جہاں جہاں لفظ علم استعمال کیا گیا ہے اس سے میری مراد وہ شئے ہے جو واقع الامر ہے اور سمع وبصر کی شہادت ہے۔ علم کی تعریف کے لیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۸۲۔

حیات کے سوال ہیں۔ ان کے بالمقابل کسی فرد کی بہبودی کا سوال ہیچ ہے شخصی افراط کی تلاش ہیچ ہے، انفرادی تفریط کا خیال ہیچ ہے۔ جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہ جلیل کمال عدل و انصاف سے چل رہا ہے، صحت اور توازن سے چل رہا ہے، دھڑتے اور تمکنت سے، قوت اور زور سے چل رہا ہے۔ اس میں جو بات ہورہی ہے نقد و نظر سے ہورہی ہے، انتخاب و انتظام سے ہورہی ہے، نظم و نسق سے اور غور و خوض سے ہورہی ہے۔ اسکا محرک حق جل و علیٰ وہ مالک سمیع و بصیر ہے جو ہر شئے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے، پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے، نسل انسانی کو دیکھ رہا ہے، اُمتوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے، بد و نیک کو، کہ و مہ کو، شاہ و گدا کو، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے! اس منظم اور مضبوط، اس لرزہ فگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بُو قطعاً نہیں **ظلم** قطعاً نہیں، افراط و تفریط قطعاً نہیں، لوّاب کی لاابالیت اصلاً نہیں! میرا یقین ہے کہ ملکوت جہان کی اسی اہم شق کا علم سب انبیائے کرام کو ملا، اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر اُنھوں نے ڈنکے کی چوٹ دی۔ اُنھوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھلایا، اُنھوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی، اُنھوں نے اقوام کے مدّ و جزر کے اصول بیان کیے حکومت خدا کو ظلم سے قطعاً بری ثابت کرکے دنیاوی سزا کی تعیین کی، اُخروی جزا و سزا کی تبیین کی، افراد کے طرز عمل کو ظاہر کیا، اُمتوں کو راہِ راست پر چلا کر صدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے، نافرمانوں کو ان آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے! یہی اُن کا لایا ہوا **دین** تھا، اور اسی 'دین' (طرز عمل)* پر چلنے کا خدا متمنی تھا۔ اگر انسان کے اس دنیا میں چلن کا فی الحقیقت کوئی مقرر دستور نہیں، اگر اُس کا اِس جہان میں طریق عمل سب اناپ شناپ اور اٹا سٹا ہی ہے، اگر اُسکی نسل کے متعلق شادی و غم، عسر و یسر، سزا و جزا، فنا و دوام کے سب فیصلے کسی صحت اور التزام سے نہیں ہوتے، اگر زمین و آسمان کے اِس کارگاہ عظیم میں انسان ہی وہ بدبخت وجود ہے جسکا اس دنیا میں طرز عمل کسی اصول کے ماتحت نہیں، اُسکا کوئی 'دین' مقرر نہیں، درانحالیکہ ادنیٰ مخلوق حیوانی اور نباتاتی سب کی سب اپنی اپنی راہ اور 'مذہب' پر لگی ہے، مقررہ

* دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ١٦١۔

فرض ادا کر رہی ہے، نہیں، جب سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ بھی اِس شان و اُبہت کے باوجود اِس صحت اور التزام سے اپنے وقت پر نکلتا ہے، ساکنانِ زمین کو نور دے رہا ہے، کسی ہیبتناک حاکم ؔکے حکم پر مجبور ہے، کسی ہیبت انگیز اور لرزہ خیز قانون کو نباہ رہا ہے، اگر یہ اوروں کے حق میں سب کچھ ہے اور انسان کے حق میں کچھ بھی نہیں تو اس دنیا کے اندر سزا و جزا سب ظلم ہے، شادی و غم ظلم ہے، فنا و بقا ظلم ہے، شان کبریا سے بعید ہے، حکومت کی ساکھ کے خلاف ہے، سنت اللہ اور عادت رب العٰلمین کی نقیض ہے! اگر اِس کارخانے کی بنا انسان کے حق میں یکسر ظلم پہ ہے تو یہ زمین اُسکے رہنے کے لائق شمّا نہیں اور اگر عالم آرائے زمین و آسمان نے انبیاؑ کو کم از کم یہ طریق عمل، یہ آئین بشر، یہ دین متین، نہیں بتلایا تو درحقیقت کچھ نہیں کہا!

پس انسان کا اِس دنیا میں صحیح طرزِ عمل ہی فی الحقیقت اس کا "دین" ہے اور امتوں کی سزا و جزا کا اٹل دستور سمجھ لینا اسکا فرض عین ہے، اِسیکا علم **علم الادیان** ہے، اِسی دین کی قطعی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے، اِسی کُل کے مختلف اجزا یا وہ تمام و کمال پیمبرانؑ جہان مختلف موقعوں پر لائے اور قرنوں تک لوگوں کو اُس بتائی ہوئی راہ پر چلاتے رہے۔ نیکی اور بدی، سچ اور غلط، راستی اور کجی کا تمامتر احساس نا بلد اور حیوان نما انسان میں اِسی علم کے باعث پھیلا۔ وہ اجتماعی خوبیاں اور اصلاح عمل جو روز اول سے ہر زندہ قوم کے افراد کی طبیعت ثانیہ بنجاتی ہیں، سب کی سب اسی تعلیم سے ماخوذ اور اسی علم کا جزو قلیل ہیں۔ وہ اصول بقا و دوام جنپر سب مرتقی امتیں آج بدرجۂ اتم عامل ہیں اِسی علم جلیل کے بقیہ آثار ہیں! انبیاؑ کو فطرت کے اِس محکمہ کبریٰ کا علم ان کی بے مثال بصیرت کے باعث ملا! اِس کارگاہ جہان کو بحیثیت مجموعی اور اجتماعی نظر سے دیکھکر ملا! کمال غور و انہماک سے ملا! وسیع نظری اور بلند بینی سے ملا! تعلّم کے بام بلند، اور تدبّر کے **افق اعلیٰ** پر چڑھ کر ملا! زمین سے کئی منزلیں بلند ہو کر بلکہ **ستاروں** کی رصد گاہوں پر پونہچکر ملا! نہیں **آسمان** سے اور آسمان پر بسنے والے **خدا** سے ملا! وحی اور نبوت سے، عجز اور عشق سے، تدلی اور تکلم[†] سے ملا! نہی؟

[†] دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۰-۲۱-

کی نبوت اُس کے اپنے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون برانداز شئے تھی کہ جو گروہ اُن کے حلقہ اثر میں آجاتا تھا اُن کے کہے پر یکسر عامل ہوجاتا، وہ رہنمائے جلیل اپنے گردوں شگاف علم اور پیہم عمل سے، اپنی یقین انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدریس سے، اپنی پردہ کشا تبیین و تلقین سے قانون خدا اور اُسکے امن افزا نتائج کو ہر مصاحب کی نظروں میں دُو اور دُو چار کیطرح عیاں کردیتا، پھر عاملوں کا جم غفیر پروانہ وار اُسکے گرد جمع ہوجاتا، اقل قلیل مدت میں وہ اُمت کامیاب اور فائز المرام ہوجاتی، اور سعی و عمل کے اِس دار المحن میں آیندہ نسلوں کو مدتوں عمل کی راہ دکھلاتی! انسانی اُمتیں اِس الٰہی درس کو بارہا بھولتی رہیں، بارہا اُن کے عزم میں تزلزل اور علم میں کمی واقع ہوتی رہی۔ کچھ مرورِ وقت کے باعث، کچھ غلط تبلیغ سے، کچھ ناشناسوں کی کج بینی اور غلط رہنمائی سے، کچھ انسان کے اپنے مکر و تاویل سے، کچھ خوش اعتقادوں کی حُسنِ نیت سے، کچھ مکاروں کی بدنیتی اور نفس پسندی سے لوگ اُس عہد خداوندی کو بار بار بھولتے رہے لیکن انبیائے کرام نے پھر ایک مدت کے بعد اس سبق کی تجدید کی، قانون الٰہی کو دُہرا کر پھر عمل پیدا کیا؛ قرنوں کے جُبن و انحطاط کو مردی اور بامرادی میں بدلتے رہے؛ پہلے سبق میں کچھ اور ملاکر ہدایت کو بیش از بیش مکمل کیا؛ نئے احوال کے باعث نئے اوزارِ عمل وضع کیئے؛ پُرانی روشوں کو جنسے اصل قانون اور نفس دین پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا، بے اثر یا غیر ضروری سمجھکر متروک کردیا؛ نئے اور مؤثر طریقے اُس اصل اصول کے لیئے اختیار کیئے؛ الغرض جس صورت اور رنگ میں اس تعلیم کا ظہور ہوا، اُنکے ذریعے سے **اصل دین** ہی کی تجدید بلکہ تکمیل ہوتی رہی۔ کوئی مخالفانہ عمل، کوئی نیا دین یا جدا مذہب دنیا کے کسی نبی نے حتماً قائم نہیں کیا۔ وہ سب کے سب اُس ایک اصل و اساس ہی کو، اُسی حقیقت مفردہ اور صدق بسیط کو، اُس **دین فطرت** اور قانون خدا ہی کو از سرِ نو عیاں کرتے رہے جو عصیان کار اور فطرت سے باغی انسانی اُمتیں دمبدم بھولتی رہیں، اور دردناک سزائیں پا پا کر ہلاک ہوتی رہیں۔ الغرض انہوں نے اُسی ناقابل بدل آئین پر اپنے تمام عقائد کی، اعمال و افعال کی، مراسم و شرائع کی تعمیر کی۔ لوگوں نے بعد میں دین فطرت کے اِن تمام ظواہر و مناسک جو قانون خدا پر چلنے کے صرف خارجی

وسائل تھے، اساس دین سمجھ لیا، فروعات کو عین شریعت سمجھکر اصل سے غافل ہوگئے، انکی سطحی اور رسمی
نباہ پر ہی اپنا سارا زور صرف کر کے نتائج سے بے پرواہ ہوگئے! اُدھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت
اور نیازمندی ظاہر کرنے اور حسب مطلب احکام کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا، ایک پیغمبر کے ظواہر
وشعائر سے ہٹ کر نئے رہنما کی ملّت میں شامل ہونا توہین سمجھا، پھر لوگ انبیاء کی وساطت سے قانون خدا
کی تعمیل کرنے، اور اسکو ذریعۂ علم سمجھنے کی بجائے اُن کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے اور
مُسلِم بننے کی بجائے موسوئی، اور گوتمی، عیسائی اور **محمدی** بن گئے۔ انہی کو سراہنا، اُن کو اپنے اعمال و
افعال میں بُت بنالینا جزو دین جانا، نفسانیت اور ضد کی اس کشاکش میں اصلیت سرتاپا مسخ ہوگئی! قانون خدا
نگاہوں سے اوجھل ہوگیا! مذہب صرف چند بے اثر رسوم اور بے سبب رواجوں کا نام رہ گیا، انکی لِم یکسر غائب
ہوگئی۔ ہندو نے گائے کے احترام میں ناروا توغل کر کے اُسکی پرستش شروع کردی، اوصاف خدا کو ظاہری
اہمیت دینے کے بہانے سے ہر وصف کا علیحدہ مظہر 'دیوتا' کی صورت میں وضع کیا، عیسائی مسیح کو سچ مچ
ابن خدا کہنے لگے، مسلمانوں نے داڑھیوں اور تہمدوں، مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا، یہودی
تسبیحوں کے پیچھے لگ گئے، بدھ چلّہ کشی میں محو ہوگئے، گبر نے نورِ آتش کو خدا سمجھ لیا! پھر حج، جاترے،
نماز، زکوٰۃ، روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسوم اور بے نتیجہ شعار ہوگئے، مذہب بے دلیل
شئے بن گیا، ذہن اور منطق سے اسکا کچھ واسطہ نہ رہا! خدا کے بنائے ہوئے آئین عمل اور انبیاء کے لائے
ہوئے **علم** نے خدا کے دیئے ہوئے **ذہن** کو قطعًا بے دخل کردیا! آج مذہب اور علم کے مابین اجنبیت،
اور اُمم عالم کے مابین سب داخلی اور خارجی فرقہ بندی اکثر اسی نسیان درس اور **غلوّ فی الدّین** کا
نتیجہ ہے!

آج دنیا کے نئے اور پرانے سب مذہب حیطۂ دلیل سے اصلاً خارج ہوچکے ہیں، لوگوں نے اُن کے
بارے میں استدلال کرنا، اُن کی حکمت اور لِم پر غور کرنا، اُن سے نتائج اخذ کرنا، الہامی کتابوں کا بغور تمام

مطالعہ کرکے الٰہی دلیل کی تہ تک پونہچنا اکثر گناہ سمجھ لیا ہے۔ ساکنانِ زمین کا یقین ہوچکا ہے کہ مالکِ زمین و آسمان کے احکام آنکھیں میچکر ماننے کے ہیں، اُن میں کوئی دنیاوی حکمت مضمر نہیں، اُن کا کوئی مستقل مطمحِ نظر نہیں، کچھ دنیاوی پہلو نہیں، کچھ فوری غرض و مطلب نہیں! اِس طلسمستانِ جہان اور نگارخانہ کائنات کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ اُس خلاق عظیم تعالیٰ کی حکمت کاملہ اور حجّت بالغہ کی روشن دلیل ہے، انسان فطرت کے بحر بیکران سے ہی کچھ صدف ریزے چن چن کر بادلوں میں اُڑ رہا ہے، زمین پر لکڑی کے گھوڑے اور پانی پر لوہے کے مگرمچھ دوڑا رہا ہے، کہربا کی حیرت انگیز طاقت مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب کو ایک کر رہی ہے، ہزاروں میل پر کہی ہوئی بات چشم زدن میں کان سُن لیتا ہے، حرکت، حرارت، نور، مادّہ سب اپنی مخفی ممکنات کو عیاں کرکے دنیا کو دم بخود کر رہے ہیں، یہ سب کچھ اس خدائے عظیم کے کیئے ہوئے **کام** سے اخذ ہو رہا ہے مگر اُس کا **کلام** العیاذ باللہ بے معنی ہے، ناقابل التفات ہے، بے نتیجہ اور بے مطلب ہے، اُسمیں کچھ علم و حکمت موجود نہیں، کچھ خبر و نبوت نہیں! **مغرب** کے وارثانِ علم بھی آج اپنی تمام تحقیق و تدقیق کو اشیائے فطرت کے خواص اور اجسام کائنات کے حقائق کی تلاش میں وقف کر رہے ہیں، وہ اپنا سب زور اسی میں صرف کر رہے ہیں کہ **ابدان** کا صحیح علم حاصل کریں، اور اسکی وساطت سے ترقی کے بام رفیع پر چڑھیں۔ اُن کا علم آج فلک افلاک کی بلندیوں اور تحت الثرٰی کی گہرائیوں تک ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ فطرت کی صحت اور دقّت پسند اشیا کی لامتناہی ممکنات اور امن افزا کیفیات پر اُن کو یہ صبر گسل یقین ہے کہ کائنات کے ہر جزو لا یتجزیٰ کے اندر اُنکو ایک پہاڑ پوشیدہ ہونے کا امکان نظر آرہا ہے۔ وہ اس موشگافی اور دقیقہ آرائی میں عمریں صرف کر رہے ہیں، جانیں فدا کر رہے ہیں، حیرت انگیز اضعافی قوت کی دوربینیں اور خوردبینیں، دقیقہ رس آلات اور میز ابن اس اعجوبہ گاہ فطرت کے ہر ذرّے کو بغور تمام پرکھ رہی ہیں، لیکن خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اُن کے نزدیک کچھ لائق التفات نہیں، کچھ قابل تفتیش نہیں، کچھ مجمل اور حامل المعانی نہیں، کچھ دقّتِ نظر کے محتاج نہیں، کچھ دوربینی اور خوردبینی امتحان کے اہل نہیں! **علم الابدان** سے مغرب کو یہ انتہائی

شغف ہے لیکن **علم الادیان** کی طرف یہ بے توجہی ہے! نسل انسانی کو چند لمحوں کے لیئے قوی تر بنا دینا ان کے نزدیک اشد ضروری ہے لیکن جماعتی بقا کے لیئے محکمہ قضا و قدر کی ٹوہ لگانا کچھ ضروری نہیں! وہ حفظ و آرام کے فوری سامان پیدا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں لیکن دوام اُمم کے اصول کو نظر انداز کر رہے ہیں، اشخاص کی انفرادی صحت کا انکو بے حد خیال ہے مگر اقوام کی اجتماعی موت سے کچھ سروکار نہیں، گھر کی آرائش کا یہ خاص الخاص اہتمام ہے مگر گھر میں دیر تک رہنے کا کچھ فکر نہیں! صدہا امتیں دیکھتے دیکھتے اس روئے زمین سے محو ہو گئی ہیں، ان کے عہد عروج کے حیرت انگیز کارنامے آج صرف افسانوں میں باقی ہیں، ہلاکت کا حکم خسروی کئی ایک کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے، مگر ان کے اسباب فنا و انحطاط، ان کے اس دنیا میں بُرے طرز عمل، انکے بُرے 'دین' اور **غلط مذہب**' کا **علم** حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں رہا! **المانیہ** اپنے بے نظیر علم حقائق الاشیاء، فقید المثال عسکریت، اور محیر العقول قوت ہجوم کے باوجود حال کے محاربہ عظمیٰ میں شکست فاش کھا چکا ہے مگر اس دہشت انگیز الٰہی فیصلے کی لم کو جاننا، فریقین کے اعمال کی پرکھ کا اضافی اور مکمل مطالعہ کرنا، انگریز کی مجموعی صلاحیت اور المانی کی اجتماعی عدم صلاحیت کی تہ تک پونہچنا مغربی مفتش کی نگاہ میں چنداں ضروری نہیں۔ خود **انگریز** کا اگلا رعب و وقار اسکی اپنی مستعمرات پر چند برسوں سے اس تیزی سے مٹ رہا ہے، مشرقی مقبوضات پر اُسکی گرفت اسقدر بے ثبات اور ڈھیلی ہو رہی ہے کہ الٰہی عجائب نمائیوں اور تماشہ آرائیوں کو دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں، لیکن انگریز کی گمراہی، اُس کی بے راہ روی، اور اُسکے 'غلط مذہب' کا صحیح علم رکھنا یا اُسکی تدریجی عدم صلاحیت کے بواعث کو مدون کرنا کچھ لائق توجہ نہیں رہا! کیا انسان کے لیئے اس دنیا کی ہر شئے کو دریافت کرنا، ان کی داخلی ترکیب و ترتیب کے درپے رہ کر ان سے طلب عمل کرنا تو ثواب ہے مگر خود اپنے بارے میں اس بات کا علم رکھنا کہ دنیا کے اس ناپیدا کنار محیط اور کارزار جہان کی اس حیران کن تگادو میں وہ صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے، فنا یا بقا کی طرف جا رہا ہے، اسکی مجموعی روش بعینہ کیا ہو، تمکن اور امن کیونکر ہو، حفظ و دوام کس طرح حاصل ہو، غالب اور فائز المرام کیسے ہے، فی الحقیقت جرم عظیم ہے؟

کیا آج مغربی حکیم صرف اس بات پر مطمئن ہوگیا ہے کہ ڈارون کے اپنے زعم میں فیصلہ کن قول کے مطابق دنیا میں اسی گروہ کو **بقا** میسّر ہے جو **اصلح** ہے، وہی قائم رہا ہے جو معیشت کے پیہم تنازعے میں گوئے سبقت لیجا رہا ہے، اور جب تک مسابقت قائم رکھ سکے بے خوف و خطر ہے؟ کیا بدیہیات کی اس نا مدوّن شق کو مدوّن کر لینے کے بعد پہلا اور آخری سوال یہ نہیں رہتا کہ **صلاح** فی الحقیقت کیا شئے ہے، وہ کس نا معلوم علّت کا نام ہے، اسکا مکمل اور صحیح مفہوم ازروئے قانون طبیعت کیا ہے نہیں بلکہ شرطہ قضا و قدر کی وہ کتاب تعزیرات کہاں ہے جسمیں اسکی تعریف لکھی رکھی ہے، جسمیں اسکی سب شقیں بالتفصیل درج ہیں، جسمیں اسکے ہر ممکن کیف و حال کو اس طرح پر عیاں کر دیا ہے کہ بعد ازاں غلط عمل اور شک کی گنجایش قطعًا نہ رہے؟ اگر اس پیچ در پیچ سوال کا حل حکمائے مغرب کے ایک عام اجلاس میں طے ہونا قرار پائے اور دس بیس یا دس ہزار حکیم بھی اپنے علمی تبحّر اور ذاتی تجربات کو ایک مرکز پر جمع کر کے صلاح کی ایک تعریف وضع کر لیں، اور بعد ازاں تاریخ زمین کو سامنے رکھکر دنیا کی سب غیر صالح مخلوق اور فنا شدہ اقوام کے نامہ ہائے اعمال کو اپنی وضع کی ہوئی تعریف سے منطبق ثابت کر دیں، تو بھی انسانی قیاسات اور مظنّات کی اس دلچسپ اور گرما گرم بحث میں آخری اعتراض یہی وارد رہے گا کہ صلاح کی اس مسلّمہ تعریف کی اصلی اور حتمی سند کیا ہے، اسکے **کامل** اور **حاوی** ہونے کی کیا شہادت ہے، اسکی الٰہی اور سرکاری تصدیق کہاں ہے، اسپر محکمہ قضا و قدر کی مُہر کدھر ہے، اسپر شحنۂ حکومت کے کہاں دستخط ہیں؟ یہ کیا مسخرہ پن ہے کہ مجرم یا معمول علیہ رعیّت کے افراد کا ایک گروہ خود ہی کتاب تعزیرات کی ایک دفعہ کو لیلے، اور بعد ازاں اپنے چند ایک بھائی بند مجرموں کی روئداد جزا و سزا کو سامنے رکھکر اس دفعہ کی قانونی مصطلحات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کرلے، اور تصدیق شدہ ہدایت سے بے نیاز ہو جائے! ایسی ناقص اور خود ساختہ تعریف منشائے حاکم کو بعینہٖ کیونکر ادا کر سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ حاکم وقت کی غیرت اور قدرت، اسکے علم و تفضّل، اسکی مصلحت شناسی اور ہمہ بینی کو مدّنظر رکھکر رعیّت کا اس تعریف کو حاکم سے

---

* مسئلہ ارتقاد و بقائے اصلح کے بارے میں ایک مفصّل بحث اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱ - ۲۷ میں کی گئی ہے۔

رمن وعن قُبلوا الیسنا کیونکر ممکن ہے ؟ پس جزا و سزا کے معیار و اسباب کی کامل تعیین حاکم اعلیٰ اور مقنن اوّل ہی کر سکتا ہے۔ یہ اُسی کا منصب ہے کہ مصالح حکومت کو پیش نظر رکھکر ایک قانون بنائے، اور پھر اس قانون کی جس طرح پر مناسب سمجھے تشریح و تبیین کردے، اسکے نباہنے کیلئے اسالیب عمل مقرر کرے، جو وضع کرے دس پچاس بلکہ سَو قدم آگے کو دیکھکر وضع کرے، جو کہ اسمیں رعیت کی دائمی بہبودی مدِّنظر ہو، چین اور آرام پیش نہاد ہو۔ نابلد اور کوتاہ نظر رعایا کا مقام نہیں کہ ایک لامتناہی وسعت اور ناپید اکنار علم و خبر کے بالمقابل اپنی محدود نقد و نظر کے سُست رفتار گھوڑے دوڑائے، یا حاکم کا صحیح اور **مکمل** عندیہ محکوم کے وقتی اور مقامی احوال کو دیکھکر اخذ کرے۔ اس طریق استقرا اور استنباط سے جو کچھ اخذ ہوگا اوّلاً نامکمل ہوگا، اکثر قیاس و رائے ہوگا، تخمین و گمان ہوگا، اٹکل کے لگ بھگ ہوگا، وہ علم و **نبوّت** کے بلند مقام تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا، گو کہ مجوّزین نے اپنے زعم میں اُسکی اکثر بنا مشاہدے اور تجربے پر رکھی ہو اور سب نتائج حوادث خالیہ یا احوال جاریہ کو دیکھکر ہی مرتب کیوں نہ کیئے ہوں۔ ×

میرا یقین ہے کہ انسان کو **وحی** کی **ضرورت** اُسکے اسی مفتقر اور محتاج ہونیکے باعث سے ہی، کم بیں اور کوتاہ نظر ہونیکے سبب سے ہے، تنگ اُفق اور نارسا ہونے کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ علم الابدان کے مبادیات کے بعد انسانی **راہِ عمل** اور دین کے **علم جلیل** کی ابتدا یہیں سے ہی! کائنات فطرت کی اس ناپید اکنار فضا میں جہاں جہاں انسان کا بدنی علم پہنچ رہا ہے اسکو بالآخر ماسوا تحیّر کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے مگر آخر کار رہ جاتا ہے، کان لگا لگا کر سُنتا ہے مگر سٹ پٹا جاتا ہے، وہ سمجھنے کی سعی مالا یطاق کرتا ہی مگر پھر کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ خود کیا ہے اور کہاں سے کدھر کو جا رہا ہے! ایسے نگار خانۂ چین اور تحیّر زار عالم میں جہاں اسکو ابھی **اسمار** اور ابدان سے پوری واقفیت نہیں ہوئی، جہاں اُسکو زمین سے نزدیک ترین سیّارے تک کی مخلوق کا حال معلوم نہیں ہوا، جہاں وہ زمین کی مخلوق کا صحیح اندازہ کرنے میں حاوی ہونے کا ادّعا نہیں کر سکتا، وہاں اُسکا انسانی ہستوں کے بقا و فنا کی **خفیہ مسئل** پر حاوی ہو جانا ازبس متعذّر ہے! اقوام عالم کے بارے میں وہ سب

تدبیرِ امر، جو محکمۂ قضا و قدر اکثر اوقات ہزاروں برس میں کرتا ہے، جس کا سب بست و کشاد عاجز اور ہیچمیرز انسان کے دستِ نارسا سے حتماً بالاتر ہے، جسکے دریائے حلم و اُبہت میں انسان یا اُسکے رساترین ذہن کی ہستی ایک تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جسکے صحرائے بے پایان کی ہول افزا وُسعتوں میں اسکی بڑی سے بڑی اُڑنت پرواز مگس سے زیادہ بلند تر نہیں ہو سکتی، ایسے تدبیرِ امر کی کنہ و ماہیّت دریافت کرنیکے لیئے انسان کے ظاہری اور باطنی حواس اور یہ اقل قلیل علم ازبس عاجز ہیں، اُسکے لیئے کوئی یقینی استقصا بے سود ہے، استقرا عبث ہے، استنباط محال ہے۔ انسان اس دُنیا کے اندر اپنی بہتری کے لیئے سب کچھ کر سکتا ہے، اپنے استعمال کے لیئے ہر شئے مسخر کر سکتا ہے، موالید و عناصر کو اپنا مطیع بنا سکتا ہے، آب و آتش پر، بر و بحر پر، بالا و پست پر قابض ہو سکتا ہے، اپنے حواسِ ظاہری کو اشیائے فطرت کی مدد سے بیحد طاقتور اور دور رس کر سکتا ہے، لیکن اپنی **موت و حیات** کے سوال کو اس تھوڑے سے علم کی مدد سے آپ حل نہیں کر سکتا! اُسکے مکمل قانون کا علم لامحالہ اُس ذرّہ نواز اور غریب پرور خدا کی **موہبتِ کبرٰی** ہی ہو سکتا ہے جس نے اس زمین و آسمان کو پیدا کیا، اُس سے کمتر ذات کی طرف سے اسکا ادّعا ہونا محال ہے! جس قوم کو یہ نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو گئی ہے، اور جو قوم اُس قانون کو دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فی الحقیقت سمجھکر اسپر صحیح معنوں میں **عمل پیرا** ہے وہی **صالح** ہے، وہی زور آور اور ناقابلِ ضرر ہے، وہی دائم اور قائم ہے، اُسی پر زمین و آسمان کے دروازے بلاشبہ کھل چکے ہیں اور جب تک اِس صحیح عمل سے یک سرِ مو تفاوت اور تجاوز نہیں ہوتا اس دنیا میں **بیخوف و خطر** ہو کر رہنا اُسی کا حصّہ ہے!

مغربی حکما نے **کلامِ وحی** کو قطعاً اُس نظر سے نہیں دیکھا جیسا کہ اُس کا حق تھا۔ وہ ادیانِ عالم کے باہمی اختلاف اور اصولی تضاد کو دیکھکر اس سے یکسر متنفر ہو گئے، وہ اقوامِ جہان کے اُس کے متعلق مضحکہ خیز عمل کو دیکھکر بیزار ہو گئے، جو دیکھا اُسکے متعلق اکثر مُسکرا دیا، جو پایا اُس سے فی الجملہ خاموش اعراض کیا! تین خداؤں کا ہونا اور پھر ایک کا ہونا، خدا کے ہاں بیٹے کا پیدا ہونا(!)، اُسکا چند سپاہیوں کے ہاتھ سے **مصلوب** ہونا(!)، کرسیِ عدالت پر متمکن خدا کا

بندوں کو اپنے غیظ و غضب سے بچانے کیلئے کاٹھ کی سولی پر جان دینا، اُسکا مُردہ ہوکر جی اُٹھنا، اُس کا بن باپ کے
لیکن ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا، ہندو کا ایک حیوان کو خدا سمجھنا(۱) پتھر کے اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں
کے آگے ماتھا ٹیکنا، دریاؤں اور اجرام فلکی کو خدا سمجھنا، گبر کا آگ کے سامنے سجدہ کرنا، مُسلم کا خدا کو مُنہ سے
ایک ایک جپتے رہنا، کلمے اور لاحول پڑھ پڑھ کر جنّت کے حقدار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھکر دس دس
نیکیوں کے منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پُھونکا پھانکی اور استنجاؤں کو دین سمجھنا(۱) وغیرہ
وغیرہ، فی الحقیقت ایسی مضحکہ انگیز، ناکار برآر اور بے دلیل باتیں تھیں کہ ہر سلیم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنیکے
سوا چارہ نہ تھا۔ انہوں نے فسادِ عقل کے اس تمام کذبستان اعتقاد میں نہ علم دیکھا، نہ سمع و بصر کی شہادت!
علم فطرت کی حقیقت کشا، نفع مند اور نتیجہ خیز تبیین کے ہوتے ہوئے اُن کو جہالت کی ان قہقہہ خیز
کارفرمائیوں میں نہ مُسلم کی **افواہی توحید** پسندی آئی نہ عیسائی کا **قبیلہ ساز شرک**! وہ اسی دُھن میں
لگے رہے کہ اعتقادات کو یکسر خیرباد کہہ کر یقینیات کی طرف اپنی ساری توجہ صرف کردیں اور مذہب کو اپنے
دائرہ تحقیق سے یکسر خارج کردیں! یہ دلیل کہ **ایک** خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک لاکھ پیغمبر
کی وساطت سے بھیجا ہوا پیغام بھی **ایک** ہی ہوسکتا تھا بجائے خود اسقدر کارگر تھی کہ عیسائی اور ہندو اور یہودی
اور مُسلمان کی اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے متعلق ایک ہزار دلیلیں بھی اُسکے بالمقابل حتمًا نہ ٹھیر سکتی تھیں، لیکن
انسانی ابداع و اختراع کی اس ظلمت انگیز درہ غباقی میں مغربی عالم نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ طالبِ
علم کا فرض نفس حقیقت اور **اصل پیغام** کی طرف متوجہ ہونا ہے، عوام کی اُس پیغام کے بارے میں بنائی ہوئی
حُجّت سے اُسکو چنداں بحث نہیں۔ یہ سوال کہ کیا سب رہنمایان خلق اور اجلّۃ الناس جو اپنی مُدۃ العمر سعیِ
عمل کے بعد خلق خدا کو ایک راہ پر لگا گئے تھے، جو اپنی دُھن کے اسقدر پکے تھے کہ گردنیں کٹوا گئے مگر اپنی بات کو
نہ چھوڑا، کیا یہ سب العیاذ باللہ جھوٹے اور دغا باز جاہل تھے؟ کیا اُن کا تَنا ہُوا سب تانا مکر و فریب کا جال ہی تھا
جو لوگوں کو پھانسنے کی غرض سے بچھایا گیا تھا؟ کیا ان سب کو نفس نے اسقدر دھوکا دے رکھا تھا کہ دھوکے میں

جیتے رہے ، دھوکے میں کہتے رہے ، دھوکے میں قوموں کو فلاح و امن کے فلک الافلاک تک پہنچا گئے، اور دھوکے میں مر گئے ؟ یہ سب سوالات بذات خود اس نمط کے تھے کہ ادنیٰ تامل کے بعد مغربی مفتش کو اُنکے لائے ہوئے نفس پیغام کی طرف متوجہ کرنیکے لیئے بس تھے ، اور یہی تلاش **وحی** کی سچی ترغیب تھی ! کیا **موسیٰ** فی الحقیقت ایک بے علم ، بدحواس ، اک وُھنا اور مختل الحواس مجنون تھا جو فرعون کی طاغوتی حکومت کے برخلاف برسوں تک علانیہ برسرپیکار رہا ، جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود علی الاعلان اُسکو ہلاکت کا اٹل پیغام سُناتا رہا ، جس نے ڈنکے کی چوٹ اُسکو اور اُسکی قوم کو عذاب کی دھمکیاں دیں ، جو عذاب کو آنکھوں سے آتا ہوا دکھا چل نکلا ، اور بنی اسرائیل کے ایک جم غفیر کو خدائے مصر کی سب نہاں وانی کے باوجود بے آب و رزق جنگل میں لیجاکر چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہا ، اور بالآخر اُس خشت پز اور ننگے اور سیاہ بدن پر چمڑے کے گندے ہوئے کوڑے کھانے والی قوم کو بادشاہ بنا کر چھوڑا ! کیا **عیسیٰ** علیہ السلام دراصل ایک مرنجان مرنج ، ایک سادہ لوح اور خالی الذہن ، ایک دنیا و مافیہا سے نابلد اور بھیڑوں کا چرانے والا گڈریا تھا جسپر قیصر روم نے افترا باندھکر اُسکو سلطنت کا باغی اور واجب القتل قرار دیا تھا ، جسکے ساتھ ساتھ محکوم یہودیوں کو خوش کرنیکے بہانے سے حکومت وقت کے خفیہ کارندے لگے رہتے تھے جو اُسکی دن بھر کی کارگذاری روزنامچوں کی صورت میں پہنچاتے تھے ، اور جسکی بابت ایک سرکاری کارکن[1] نے بادشاہ وقت کو اطلاع دی تھی کہ " اسکی سنجیدہ آنکھوں میں

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق حال میں ایک عجیب و غریب شہادت دستیاب ہوئی ہے جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ یہ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے جو حضرتؑ کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلے کے احباب کو مصر میں لکھا ، اور جو سکندریہ کے ایک پُرانے مکان میں مُلک حبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمۂ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ پُرانا مکان زمانہ قدیم میں اسیری فرقے کا مسکن تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علمائے فطرت کا ایک مقتدر ، باخدا اور بااثر خفیہ گروہ تھا ، اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الواحی کتب خانہ بھی تھا اور یہ پتھر بھی اُسی کتب خانے کا بقیہ ہے اور بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے۔ آج یہ لوح فری میسن جماعت کی وساطت سے المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضے میں ہے۔ اور چونکہ اسکے اندر حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کے عیسائی عقائد کی تغلیط ہوتی ہے۔ اسلیئے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہے۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونیکے وقت عینی شاہد تھا ، حضرتؑ کو یہود کے سامنے پلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی۔ لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے اُنکو سر شام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اتار لیا گیا اور اُن کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں ، اس لیئے وہ مرے نہیں اگرچہ یہود کو اطمینان ہوگیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں اور پہرہ دار نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے بدن میں برچھی کا چبھونا اور اُس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق ہے کہ حضرتؑ دراصل مرے نہیں تھے۔ لیکن یہود کو گمان ہوگیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اور تیرہ سو برس کے بعد اسکا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب نظر کے لیئے قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک مبرہن دلیل ہے ؛ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۔ (النساء)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ایک ہیبت اور خوف نظر آتا ہے ، اسکی آنکھیں آفتاب کی شعاعوں کی طرح روشن ہیں ، ان کا نور ایسا تیز ہے کہ اسکی وجہ سے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اُسکے چہرے کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔" تحصیل علوم میں یہ شخص سارے شہر یروشلم کیلئے تعجب اور حیرت کا مظہر ہے۔ اُس نے بظاہر کہیں تعلیم نہیں پائی لیکن بے غل وغش تمام علوم جانتا ہے" ! کیا بدھ علیہ الرحمۃ والسلام جیسا باکمال شخص جسکے رسمی پیروؤں کی تعداد آج دنیا کے سب نئے اور پُرانے مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھکر ہے اور جسکی نام لیوا اُمت کا جمِ غفیر اسوقت باشندگانِ زمین کی نصف تعداد سے کچھ ہی کم ہے ، جس نے کرشنؑ کی بے راہ رو اور گیتا کو بھولی ہوئی اُمت کو صدیوں کے بعد روحانیت کا زلزلہ انگیز سبق دیکر پھر سے زندہ کر دیا تھا ، فی الحقیقت ایک چلہ کش اور نفس کُش ، ایک خشک مغز اور یبوست آگین راہب ہی تھا جس نے تختِ سلطنت کو لات مار کر باشندگانِ زمین کو راہِ راست پر لانیکے لیئے وہ اندوہناک مشقتیں جھیلیں کہ سطحِ زمین یکسر کپکپا اُٹھی ، قرنوں تک اس لرزش کا اثر چار دانگ عالم میں باقی رہا اور صدیوں تک

(بقیہ صفحہ ۱۶) راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے کہ نقادیمس حکیم نے جو اسیری فرقے کا ایک اعلیٰ رکن تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کے باغ والی قبر میں اچھا کیا ، وہ تیسرے دن اسی جسم اور بدن سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے وغیرہ وغیرہ ۔ جو فرشتے سفید لباس میں اس اثناء میں (از روئے انجیل) قبر کی حفاظت کرتے رہے وہ بھی اسیری فرقے کے خفیہ فرزند تھے جو اُن کی تیمارداری پر متعین کیئے گئے تھے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ خط اس لیئے لکھا گیا ہے کہ وہ اختلاف جو حضرتؑ کی وفات کے متعلق عوام میں پڑ گیا ہے اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ اور خرق عادت کے ظنون جہلا میں پھیل گئے ہیں دور ہو جائیں ، وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ط جیساکہ قرآن حکیم میں ہے ۔

لیکن اس حکایت سے قطع نظر جسکے جزئیات کا انجیل کے بیان سے حیرت انگیز طور پر تطابق ہے جو مستقل سبق اس مکتوب سے اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ یہ اسیری فرقہ جس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مقتدر رکن تھے ۔ علم حقائق الاشیاء میں حیرت انگیز طور پر ماہر اور قانون فطرت سے بڑا باخبر گروہ تھا ۔ خدمت عباد اسکے عمل کا جزو اعظم تھا ۔ روئے زمین کے ہر قریبے میں اسکے کارندے موجود تھے ۔ ان کے باضابطہ اجلاس ہوتے تھے ۔ کئی برس کے مسلسل سعی عمل اور علمی مجاہدوں کے بعد ایک شخص کو اسکا رکن اعلیٰ بننا نصیب ہوتا تھا ۔ اکثر باعلم لوگ اس خفیہ اخوت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے خود پلاطوس اسکی طرف مائل تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سبت سے ایک دن پہلے صلیب دینا اور اُن کی نعش کا یوسف کے سپرد کر دینا بھی اسی وجہ سے تھا ۔ اگرچہ اس فرقے کا بظاہر ادعا یہی تھا (اور یہ مکتوب بھی اسی پر زور دیتا ہے) کہ حکومت وقت کی سیاسیات میں دخل نہ دے مگر قانون فطرت سے باخبر اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے حکومت اس زبردست اخوت سے ہر دم خوفزدہ رہتی تھی ۔ عیسیٰ علیہ السلام سے خوفزدہ رہنا چنانچہ اسی وجہ سے تھا ۔ تصلیب مسیح کے فرمان میں بھی جو پانٹیس پلاطوس نے حکومت وقت کے ایما سے جاری کیا حضرتؑ پر غاوی ، مفتری علی اللہ اور کذاب ہونیکے علاوہ باغیٔ حکومت اور قیصری قوانین و آئین کے دشمن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا ۔ اور تصلیب کی اصلی وجہ حتماً یہی تھی محکوم یہودیوں کو خوش کرنا اسقدر ضروری نہ تھا ۔ علاوہ ازیں عوام میں مسیح کے دنیاوی بادشاہت قائم کرنیکا (اور عوام کی نظروں میں فرشتوں کی معیت میں بادلوں میں غائب ہو جانے) سے پہلے حواریوں کے سامنے کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر قائم کروں ۔ چنانچہ تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا کا مصداق ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے ۔ اسی مکتوب میں درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے پہاڑی پر سے مصر کی طرف کوچ کرنے یہ روحانی بادشاہت کا قیام ہی قیصر روم کو چین سے سونے نہیں دیتا تھا ۔ اسی پہاڑی پر حضرتؑ نے اپنے حلقے کے حواریوں کو علوم فطرت کا آخری سبق دیا ۔ علم صحت ابدان ، علم تشخیص خواص معدنیات و نباتات و ادویہ ، علم تربیت حیوانات اور علم تریاق و سمیات کے اسرار سکھلائے ، علم معاشرت کے اصول منکشف کیئے ۔ کئی دن تک تعلیم دیتا رہا ۔ فرقہ اسیری کے لوگوں اور شاگردوں کو کہا کہ تمام دنیا میں پھیل جاؤ ۔ ایمان پر ثابت قدم رہو اور دنیا کو ایک اخوت میں جکڑ دو ۔ ممکن ہے کہ بعض راہبوں اور سست الست گروہوں کے لوگ جو اب بھی دنیا میں سب طرف نظر آتے ہیں (مثلاً سنیاسی فرقہ ہندوستان میں) اسی اسیری فرقے کا ایک بقیہ ہوں ۔ اگر یہ مکتوب اصلی ہو تو آج اس امر کی روشن شہادت موجود ہے کہ انبیاء کرام قانون فطرت کے سب سے بڑے ماہر، علم حقائق الاشیاء کے بڑے علامے تھے ، اللہ ہی بڑا باخبر ہے ۔ اسکا سچا ثبوت ہر نہیں بلکہ اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی سنت اللہ کے مطابق واقع ہوئی جس کی بابت قرآن [illegible]

لوگ اُس سے متاثر ہوتے رہے! نہیں، کیا وہ سالارِ انبیاء اور ختم رسل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھکر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ روئے زمین کو ابد الآباد تک تر بہ تر کرتا رہیگا، جسکے قانون بقا و فنا کی تبیین کو پاکر برّ و بحر اور شمس و قمر اُس پر سلام بھیجتے رہیں گے، جسکی قوت تغیر و انقلاب کا اندازہ کر کے مس خام کو کُندن بننے کی دائمی آرزو رہیگی، کیا وہ سرور عالم فی الحقیقت ایک گُنج نشین اور کملی پوش، ایک بیعلم اُمّی اور نارازدان زاہد، ایک نماز گذار متوکل، اور فاقہ کش متقی ہی تھا جسنے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کی بے نام و نشان اور جمود زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشین فوّارے اکناف عالم میں رواں کیئے کہ دنیا ہمیشہ تک اُن کے کارناموں کو سُن کر سر دُھنا کرے گی! کیا یہ سب کُبرائے خلق اور پیشوایان زمان العیاذ باللہ جھوٹے تھے؟ کیا انکی دی ہوئی تعلیم میں کوئی شئے فی الحقیقت آموز اور نتیجہ خیز نہ تھی؟ کیا اُنکی اس دنیا میں مہتم بالشان کامیابی، کروڑ در کروڑ ساکنانِ زمین کی اُن سے صدیوں تک عقیدتمندی، اُنکے لگائے ہوئے پودوں کا اس قدر پھیلاؤ، اُنکی پیدا کی ہوئی تحریک کا اسقدر دوام بذاتِ خود اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ لوگ فطرت کے محکمۂ تدبیر میں قضا و قدر کی بست و کشاد کے مستقل کارندے تھے، وہ ملکوت زمین کے متعلق آلٰہی تجویز کے مقررشدہ کارکن تھے۔ کیا آج ایک یا دس یا دس ہزار بڑے سے بڑے طبعی حکما، اور فلسفیوں کی مجلس بیسیوں برس کے متفقہ سعی و عمل سے ساکنانِ زمین پر وہ قلبی اور اجتماعی اثر، وہ ذوقِ یقین، وہ لطفِ اعتقاد، وہ حرکت اور تموّج، وہ **بات** پیدا کر سکتی ہے جو ان رہنمایانِ زمین میں سے کسی ایک فرد نے پیدا کی؟

میرا یقین ہے کہ یہ اولوالعزمی اور کامیابی ہی ہر متاًمل شخص کو اسطرف متوجہ کر دیتی ہے کہ ہم سمجھیں کہ وہ کیا پیغام تھا جو یہ بزرگ اعمال اشخاص لائے، کس مضبوط پناہ پشت پر اُنکی یہ مثال جسارتیں تھیں، وہ کیا دل گُردوں شگاف طاقت انکو بے کسی اور مخالفت میں بے خوف و خطر بولنے اور بے دھڑک عمل کرنے [illegible] ان ذہنوں میں کیا تجویزیں بس رہی تھیں، کیا **علم** تھا، کیا کاشفِ غطا **الیقین** تھا، کیا عینی شہادت، اور براہ راست تصدیق تھی، کیا لائحہ عمل اور **صراط مستقیم** تھا، وہ کیا تھا جس کی بابت ایک اولوالعزم پیغمبر نے کہہ دیا

کہ "میں نے سمجھ لیا اور راز کو پالیا"! اور جسکو پیش نظر رکھکر عرب کا آخری پیغمبر بول اُٹھا کہ "اگر سورج میرے ایک ہاتھ پر رکھدیا جائے اور چاند دوسرے ہاتھ پر تو میں اپنی بات سے باز نہ آؤنگا"! نشأ آفرینش سے آجتک جسقدر حکماء گذرے ہیں اُنہوں نے اِس رازِ دروں کو بہ تمام وکمال سمجھنے میں کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی، اور باوجودیکہ ہر نبیؐ نے کم ازکم اپنی مُدت حیات میں اِس الٰہی سبق کو لوگوں پر دو دو اور دو چار کیطرح روشن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہوگا لیکن وہ کیفیت اور ماحول جو اُنہوں نے ہمعصر اُمتوں کے افراد میں پیدا کیا تھا آج بجائے خود اسقدر ناممکن البیان رہا کہ بسا اوقات پہلی پشت ہی اُس تخیل کو اگلی پشت تک صحیح وسالم پونہچانے میں حتمًا ناکام رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب صلیت نظروں سے اوجھل ہوگئی تو ناشناس لوگوں نے مذہب کو وہ کچھ بنالیا جو وہ آجکل ہے، بلکہ اسکی اصلیت یہاں تک مسخ کر گئے کہ پُرانے خط وخال کا پہچاننا قطعًا محال ہوگیا۔ ویدوں اور گیتا کی صحیح تعلیم کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکا صحیح اثر کتنی دیر تک ہندو مت میں برقرار رہا مگر اسلام کے بارے میں جو مذاہب عالم میں سے سب سے نیا مذہب ہے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے الٰہی اور نبوی تخیل پر تیس[۳] برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی! خلفائے راشدینؓ کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس الٰہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُسوقت تک ذہنوں سے قطعًا نکل چُکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری غالبًا ہے کہ اُسکے الٰہی تخیل کو سرے سے اخذ ہی نہ کر سکے ہوں، اُن کا بہت جلد اپنے نبیؐ کی ناروا تعظیم یا پطرس کا اُسکی ناروا تکفیر میں مشغول ہو جانا ہی اِس واماندگی کی صریح دلیل ہے، مگر پولوس کی استقامت اور عیسائیت کا بعد از وقت فروغ ایک حد تک اِس امر کی تائید کرتا ہے کہ پیغام خدا کا وہ اکمل درس جسکو عیسیٰ علیہ السلام دیتے دیتے اور نتائج کا انتظار کئے بغیر چل بسے تھے، کم ازکم پولوس نے صحیح طور پر جذب کر لیا تھا۔ بدھ مذہب کو ہندوستان میں بے انتہا شوکت نصیب ہوئی تھی لیکن آریوں کے اپنے صدیوں سے بھولے ہوئے سبق کو دُہرا لینے اور بُدھوں کے دوسری پشت میں ہی اُسکو بھول جانے نے اُس شوکت کو جلد تر تباہ کر دیا، اور بالآخر اِس عظیم الشان مت کا اثر بھی ساکنانِ زمین پر فی الجملہ جلد ناپید ہوگیا۔

آج اگرچہ تمام علمی دنیا ان پیشوایانِ مذاہب کی عظمت کی اعتقادی طور پر خاموش قائل ہے لیکن اُنکی تعلیم، ان کی عظمت کی ماہیت، اُنکے علم کا صدق بسیط ماہر علم جدید کے دائرہ تحقیق و بحث سے اسقدر خارج ہے کہ وید، گیتا، ژنداوست، تورات، انجیل، قرآن وغیرہ وغیرہ سب مقدس کتابیں محکمہ علم و تحقیق جدید کی میز پر کھلی ہونے کی بجائے اُسکے عجائب خانے میں بطور ایک تاریخی تبرک کے لپٹی پڑی ہیں، مغربی حکیم اُنکی طرف تاریخی ندرت اور غربت کی نظر سے دیکھتا ہے، اُن کو ایک کونے سے اٹھا کر دیکھتا ہے اور باحتیاط تمام پھر لپیٹ کر رکھدیتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ علم کی مذہب کی طرف سے یہ تمام بے رُخی اُسکے دائرہ تدقیق و تحقیق سے خارج ہونیکے عام یقین کی وجہ سے ہی۔ اگرچہ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی کی ہمعصر اُمت ہر زمانے میں اپنے پیشوا کی دی ہوئی تعلیم کو اسقدر برحق، اسقدر مدلل، اسقدر رسا، اور بلحاظ نتائج اسقدر نفعمند، روشن اور بین یقین کرتی رہی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اور مہتاب کی شعاعیں بھی اُسکے بالمقابل وہ نور و ضیا نہیں رکھتی تھیں، اور انسانی سعی و عمل کا دستور بھی روز اول سے یہی رہا ہے کہ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس قدم اُٹھانا گوارا نہیں کرتا جبتک اُس دس قدم اٹھانے کی دلیل شمس و قمر کی طرح سامنے موجود نہو اور نتائج عین الیقین سے نہ دیکھ لیئے جائیں، تاہم مذہب کی حقیقت کو مسخ کرنے والی ناشناس اور نااہل، بے عمل اور جمود زدہ خوالف اُمتوں کا عقیدہ اکثر یہی رہا ہے کہ مذہب کے بتائے ہوئے اصول کسی دلیل کے متحمل نہیں، اُن میں استدلال کرنا یا عقل کو دوڑانا شرعاً ناجائز ہے، اُسکی سب باتیں مابعد الطبیعی اور مافوق الدلیل ہیں، اسکے متعلق تدبر کرنا الحاد و کفر ہے! یہی خیال کسی نہ کسی رنگ میں حکمائے مغرب کو بھی تحقیق مذہب سے باز رکھتا رہا ہے اگرچہ اس سے باز رہنے کی وجہ یہ اوپری دلیل اور اعتقادی شان حتماً نہ ہو لیکن ان امور کے علاوہ جو اہم مشکلات اس راہ میں عصر جدید کے ماہرین علم کو پیش آتی رہی ہیں، یہ ہیں کہ اُن کے پاس حتماً کوئی ایسی آسمانی کتاب موجود نہ تھی جو انسانی تصرف اور تبدل سے کامل طور پر محفوظ رہی ہو۔ تورات، زبور، انجیل سب کی سب موجودہ حالت میں اپنی اصل زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں حتیٰ کہ اُن کے اصل نسخوں کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں رہا کہ وہ کس زبان میں تھے، اور مطالب کا وہ ناقابل ک

فساد جو ترجمے اور بالخصوص لفظی ترجموں سے پیدا ہو جاتا ہے منشائے وحی کی صحیح اصلیت تک پونہچنے میں سدِ اسکندری کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو فنِ تحریر بجائے خود کسی شخص کے حقیقی خیالات اور اُن کے صحیح کیف کو ادا کرنے کا ازبس ناقص اور ناممکل مظہر ہے اور نبیؑ کی آسمان سے لائی ہوئی وحی بسا اوقات امر و نہی کے صحیح کیف و حال کے ادا کرنے میں اُسی وقت ادھوری رہ گئی ہے جب اُس لرزہ فگن انکشاف کو لوگوں کی عام ہدایت کیلئے معرض تحریر میں لایا گیا ہے، لیکن بعد ازیں اگر اصلی مصنف کی وہ نصّ مبین بھی انسانوں کی مدد سے ترجمہ در ترجمہ کر دیجائے تو حقیقت کے جس جزو صغیر کا اُس ترجمے میں باقی رہ جانا ممکن ہے، ظاہر ہے۔ اکثر اور صحیفے بھی جنکی بابت انسان کا ادّعا ہے کہ وہ آسمانی تھے اِسی تحوّل و تبدّل میں نسیًا منسیًا ہو گئے، اُن کے مطالب اور مقاصد محرّف ہو چکے ہیں، الفاظ بدل چکے ہیں، کتابت کی غلطیاں، مطالب کی نافہمیاں، ذاتی اغراض و مفاد، زمانے کی دستبرد وغیرہ وغیرہ سب کے سب اُن کی اصلیت کو چھپانے میں مؤیّد ہوئے ہیں۔ روئے زمین کے آسمانی کتب خانے میں لے دیکر صرف ایک **قرآن** ہے جو سب انسانی تصرّف سے محفوظ رہا ہے، اسمیں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی ترتیب میں، آیتوں کے الفاظ میں، سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے جو پیغمبر آخر الزّمانؐ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری، بد دیانتی، یا غرضمندی اِس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اسکے ایک پرانے نسخے[1] کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اُسنے حکمًا اور علمًا ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرّر ہو چکی تھی۔ وہی نصّ ہے، وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے!

ایسی محفوظ اور مصئون کتاب کے مضامین سے مغربی حکیم اگر چاہتا تو بہت کچھ اخذ کر سکتا تھا، اُسکو کم از کم ایک مذہب کی صحیح اساس قرار دے سکتا تھا، ایک مستقل اور قائم مذہب کی اصلیت تک پونہچکر اُسکو روز روشن

[1] ایک نامعروف الاسم ارمنی عیسائی (مِنگانا) نے حال میں قرآن عظیم کے ایک پرانے نسخے کے بعض ٹکڑوں کا انکشاف کیا ہے جو بعینہٖ وہی ہیں جو آج کل رائج ہیں۔

کی طرح سچ یا **غلط** ثابت کرسکتا تھا۔ ایک سے فارغ ہوکر پھر اُنہی اصول پر اَور مذاہب کو لے سکتا تھا، اور اس طرح پر دنیا میں مذہب کے سرِّ عظیم کا پول یکسر کھول کر سب کو ایک حقیقت کبریٰ پر متفق العمل یا ایک **کذبِ عظیم** سے متنفر کرسکتا تھا، جرِّ ثقیل یا علم حساب کی طرح سب تفرقوں کو مٹا کر دنیا میں ایک عصبیت، ایک سمت، ایک اُمت، ایک اخوت قائم کرسکتا تھا، نہیں بلکہ ابدالآباد تک مذہب کے متعلق سب جھگڑے، سب جنگ و جدل، سب خونریزیاں سرے سے محو کر کے دنیا کا باوا آدم بدل سکتا تھا۔ اس طریق عمل سے مذاہب عالم کے شرعی رہنماؤں کا تعصب بھی یک بیک بے اثر ہوجاتا، لوگ بے دلیل اور مضحکہ انگیز باتوں کو شدہ شدہ چھوڑ کر حقیقت کی طرف لپک لپک کر پہنچتے، اور علمی نظریات کی طرح اُنکے غلط مذہب کا حامی بالآخر ایک باقی نہ رہتا! سب بلا استثنائے احدے ایک مذہب اور ایک مسلک پر قائم ہوجاتے یا سب **لامذہب بن کر ایک** ہوجاتے! لیکن بدقسمتی سے قرآن مغرب کے لیئے روزِ اوّل سے ممنوعہ درخت کی مانند رہا، عیسائی پادریوں نے جنکو اِسکے کارناموں سے خاص طور پر چِڑ تھی، جن کی تبلیغی مساعی بلکہ بسا اوقات سیاسی منصوبوں کو اِسنے خاص طور پر روک کر اکثر کو کالعدم کردیا تھا اُسکے کذب و افترا ہونیکے متعلق بے سر پا افسانے بنا لیئے۔ اُنہوں نے مشہور کردیا کہ "قرآن بُت پرستی کا بڑا مبلغ ہے"! "مُہونڈ (یعنی محمد ﷺ) کو خدا کہتا ہے"! "عرب پیغمبر کے شانے پر ایک کبوتر بیٹھا رہا کرتا تھا جس کے ذریعے سے وہ شعبدہ بازیاں کیا کرتا تھا"! "اسلام نے عورتوں کو عام جائداد قرار دیا ہے، اب ہر شخص انکی عصمت کا وارث ہے"! بعض زیادہ مکار اور ہوشمند اور معاملہ فہم دشمنوں نے اُڑادی کہ "محمد ﷺ کو صرع کی بیماری تھی جس کو وہ جبرئیل کی وحی قرار دیتا تھا"! "قرآن میں فاش تاریخی اغلاط موجود ہیں"۔ "وہ ایک کتاب ہے جسکا ماخذ تورات اور انجیل ہے"، "اُسکے سب افسانے یہودیوں کی غیر مستند روایات سے لیئے گئے ہیں"! "وہ سرتاپا **بے ربط** ہے اور کسی جنون زدہ شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے"! وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب الزامات اس نمط کے تھے کہ انکے بعد کسی ہوشمند شخص کا اس کتاب کیطرف متوجہ ہونا ہی دور از بحث تھا، ان نقائص کے ہوتے ہوئے اسکا خالص المتن ہونا یا تحریف لفظی سے محفوظ رہنا بھی کچھ قابل توجہ نہ ہوسکتا تھا۔ انگلستان کے ایک مشہور فلسفی (کارلائل) نے بالآخر

اس کذب و افترا پر سے نقاب اُٹھا، ان الزامات کو مسیحی پادریوں کی صریح بد معاشی قرار دے کر عیسائیت کو قرآن اور پیغمبر قرآن کے متعلق غلط نشر و تبلیغ کرنے کی شرم دلائی، عرب کے آخری پیغمبر کو **بطل انبیاء** کا خطاب دے کر اُسکی اولوالعزمیوں کو سراہا، اُسکو خدا کیطرف سے سچے نبی ہونے کی سند اپنے زعم میں اپنی طرف سے دی، مگر مذہبی تعصب اور تجرّد کا اثر اس علم و شہادت کے زمانے میں بھی انسان کے ہر رگ و پے میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اس فلسفی نے بھی عرب رسولؐ کی بحث کے ضمن میں تمہید کے طور پر یہ کہدیا کہ "ہم نے اس پیغمبر کو بطل انبیاء کے طور پر بالخصوص اسلیئے منتخب کیا ہے کہ ہم اسکے حسن و قبیح پر گویا بالمقابل عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ آزادانہ طور پر بحث کر سکیں گے، اور یُوں تو ہم میں سے کسی شخص کے عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان بن جانے کا امکان نہیں"! اس اقرار نما انکاری حالت میں ظاہر ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مدح سرائی کا کیا اثر ہو سکتا تھا، لوگ اسکو علم ادب کے فکاہات کا ایک منظر سمجھکر خاموش ہو گئے البتہ چند ایک اہم الزامات کی دشمن کی اپنے مُنہ سے تردید ہو گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

الغرض یہ وجوہات تھیں جنکی بنا پر قرآن بھی مذہب کے متعلق کسی **فیصلہ کن** علمی تحقیقات کی اساس نہ بن سکا۔ لوگوں نے مذہب کو ایک مابعد الطبیعی اور ناقابلِ درک شئے قرار دیا تھا، عُلمائے مغرب نے بھی جن کے علم کی بنیاد بیکن کے مشہور عالم **مسئلہ استقراء**† کے بعد سے یکسر مشاہدے اور تجربے پر رہی ہے، اور جو **سمع و بصر** اور **قلب سلیم** کی شہادت کے بدون کسی شئے کو **علم** کا بلند مرتبہ نہیں دیتے، یہی سمجھ لیا کہ مذہب مابعد الطبیعی ہے، فہم سے بالاتر ہے، کسی تخیل زدہ لوگوں کی عالمِ خیال کے جوش میں بنائی ہوئی شئے ہی، اسلیئے اسکو کسی صورت سے چھیڑ کر جھلا میں ایک ہنگامہ عظیم برپا کر دینا روا نہیں۔ جوں جوں علم کا اثر دنیا کے اکناف و اطراف میں وسیع ہوتا جائے گا لوگ خود بخود اسکی بے حقیقت باتوں سے متنفر ہو کر اسکو چھوڑتے جائینگے، اور اُس حقیقت کشا اور پردہ در علم کیطرف خود بخود راغب ہونگے جو اس کارگاہ **فطرت** کے مطالعے

† مسئلہ استقراء (۱۲۹ھ مطابق ۱۶۲۰ء) اُن عالم انگیز مسئلوں میں سے ہی جس کے تتبع نے مغرب کو آج تمدن کے فلک الافلاک پر پہونچا دیا ہے۔ (دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۸۳) +

اخذ ہوتا ہے اور جو صحیح معنوں میں **واقع الامر** ہے۔ مذاہب جاریہ کی اعتقادی اور بے نتیجہ صورت نے انکو اِس حقیقت تک ہرگز نہ پونہچنے دیا کہ مذہب فی الحقیقت اِس دنیا میں خوش اسلوبی سے رہنے کا طریق عمل تھا جسکو آج مرورِ مدت اور دستبُرد زمانہ نے اعتقادی رنگ دیکر مسخ کر دیا! وہ نہ سمجھے کہ کلام وحی کو فنا و بقائے اقوام اور **موت وحیات** اُمم کے سوال سے ایک گہرا، طبعی، اور ناقابل حک لگاؤ ہے، اور انبیائے جہان بھی محض اسی غرض کے لیئے مبعوث ہوئے تھے کہ کم بیں، ناشناس، اور کوتاہ نظر انسان کو قیاسات و آرا کی اِس ظلمت انگیز رستخیز میں قانون الٓہی سے صحیح طور پر واقف کر کے اُن کو **بقا** کے صراط مستقیم کی طرف لیجائیں۔ وہ اِس راز کو حتماً نہیں سمجھے کہ بلا استثنا سب انبیاؑ اپنی اپنی جماعت کو اپنی عین حیات میں قوت اور امن کی راہ پر لگا گئے، اُنکو قعرِ عزل وجمود سے نکالکر اوج سعی و امن پر بلا واسطہ مشرف کر گئے۔ یہی اُن کے آنے کی **واحد**† غرض تھی، اور اسی مطلب کے حاصل کرنیکے لیئے انکا بے مثال سعی و عمل تھا۔ **نشاۃ الثانیہ** کے اوائل میں طبعیوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوا کہ مسلہ استقرا کو اساس قرار دیکر حقائق الاشیا کی طرف متوجہ ہوں اور اُنسے صحیح نتائج مستنبط کر کے فطرت کے خزانہ عامرہ کو اپنے استعمال میں لائیں۔ لیکن جب اشیا کے مطالعے سے ظلمتِ شب دور ہوئی، نور کے در زیک بیک کھلتے گئے، انسان کو سقف آسمان کے نیچے اپنی ہستی کا اضافی احساس ہوا، وہ آسمان کی ہولناک دوریوں کو سمجھا، اِس ذرہ مقدار زمین کا اندازہ لگایا، جب اُسنے موالید زمین کی تدوین کی، اجناس حیوانات کی تقسیم کی، اقوام خالیہ کے بقیہ آثار کو دیکھا، بے شمار محو شدہ حیوانی انواع کا ملاحظہ انگشت بدنداں ہو کر کیا، اپنی کمال بے بسی اور صانع فطرت کی کمال قدرت کا اندازہ کیا، اور اِس کاگاہ زمین و آسمان کے بارے میں وہ سب دقیانوسی خیالات حرف غلط ثابت ہوئے، تو پہلا سوال طبعًا یہی پیدا ہوا کہ اِس صحنک زمین پر **اجتماعی بقا و فنا** کا راز کیا ہے، وہ کیا قانون ہے جسپر چلکر قوت اور امن ہی راحت

---

† اس کتاب کا اہم مطلع نظر در اصل اسی امر کو پایہ ثبوت تک پونہچانا، اور بتدریج تمام **نبوت کی صحیح غرض و غایت** کو منکشف کرنا ہے۔ اس دیباچے کے صفحہ ۶۶ الخ پر اِس مضمون کو پھر دُہرایا گیا ہے اور اسکی قرآنی شہادت ایک حد تک پیش کی ہے لیکن کمل شہادت اصل کتاب میں جا بجا ملے گی۔ اگر انبیائے کرام کے مبعوث ہونے کا پیش نہاد اپنی اپنی اُمتوں کو قانون خدا سے آگاہ کر کے قوت اور امن کی راہ دکھانا نہیں تھا تو میرے نزدیک درحقیقت وہ کوئی پیغام نہیں لائے اور نہ اُن کے پاس فی الحقیقت کوئی علم تھا۔ مذہب کی اعتقادی صورت خواہ کچھ ہی بن جائے لیکن فطرت کے طالب علم کو اِس حقیقت کے اعتراف کے سوا چارہ نہیں۔

اور بہجت ہی، خلد و دوام ہے، بقا و ارتقاء ہے؟ ایک اُمّت کیوں اِس روئے زمین سے چشم زدن میں مٹ جاتی ہے؟ دوسری اُسکی جگہ کیوں اور کس استعداد پر لے لیتی ہے؟ یہ کیا رسم مداولت ہی! کیا رعشہ برانگیز قانون ہے جو اس قوت اور زور کے ساتھ اس دنیا میں نافذ ہے۔ اسکا محل بیڑا کہاں ہے، اِسکا سربمہر راز کیا ہی؟ **معرفت نفس** کی یہ وہ پہلی منزل تھی جو مغرب کو فطرت کے بہیم مشاہدے اور استقصا کے بعد ملی، اور اسکے بارے میں آجتک وہ شبانہ روز سعی و تلاش کے باوجود کمال تحیّر میں ہیں۔ انگلستان کے مشہور طبعی ڈارون نے اور حکماء کی معیت میں مُدّة العمر سعی و جدل کے بعد اس سوال کے جواب میں **بقائے اصلح** کے عالم انگیز مسئلے کو پیش کیا، اُنھوں نے حیوانی اُمتوں کے مدّ و جزر کے بارے میں بہت کچھ چھان بین کی، اصلحیت کے چند موٹے موٹے اصول بیان کیئے، قانون موت و حیات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کی، مگر جب اِس کا اطلاق **انسانی** اُمتوں پر کیا گیا، تو صلاح کی تعریف میں بیحد واماندگیاں، بے اندازہ مشکلات، ناپیش دیدہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ وہی تعریف صلاح جو حیوانی اُمتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم دیتی تھی، انسانی اقوام کے رُو سے از بس نامکمل، بیحد نارسا و ناقص بلکہ اکثر اوقات **غلط** نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلّت پر مجبول ہونا بھی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جسکے تتبع میں مغرب نے ناروا غلو کیا، اِسکا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت، وحشیت، درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے، با ایں ہمہ مغرب نے آجتک کلامِ وحی کیطرف رجوع نہیں کیا، اُنھوں نے **اعمال** خدا کے مطالعے کو چھوڑ کر **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی، اُن کا ذہن اسطرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجماعی نظر سے وہ بات ختماً پالی تھی جس تک اُنکی دوربینیں قطعاً نہیں پہنچ سکتیں۔ اُن کا علم اُنکو نقد و نظر کے اس **اُفق اعلیٰ** تک لیگیا تھا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پہنچنا محال ہے! وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زورِ عمل لائے تھے! آسماں شگاف علم لائے تھے! اُمتوں کو آسمان تک اٹھا دینے کے **بیرم** لائے تھے! زمین کو تہ و بالا کر دینے کے **کُدال** لائے تھے! اُنکی دقّت نظر میں آسمان

✤ اس مسئلے کی شرح دبسط اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱ – ۳۷ میں کر دی گئی ہے +

اُن کی پشت پناہ تھا۔ خلاقِ ارض و سما اُن کی تائید میں تھا! زمین اُنکے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی! بر و بحر اُن کے حوصلوں اور یقین کو دیکھکر سپر ڈال دیتے تھے! جبتک انسانی افراد میں اس طاقتِ عمل، اس قدوسی علم، اس آلہی ایمان اور یقین، اس روحانیت، اِس لازوال عزم کا جزو قلیل موجود نہ رہے، اُمتیں کیونکر اس دُنیا میں دوام حاصل کرسکتی ہیں۔ **صلاحیّت** یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی **فطرت** پر قائم رہے، سفلی تغیّر قبول نہ کرسکے، **بہتر** اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے، ادنٰی جبلت کیطرف راغب نہ ہو، اُمّت فی الجملہ **امن** میں ہو، اسکے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو، سب اعضا متناسب ہوں، بڑھے گھٹے نہ ہوں، اسکے کسی شعبے میں نقص پیدا نہ ہو، اگر کوئی قوم کسی ایک حصّہ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہے درانحالیکہ باقی حصّے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت صالح نہیں، وہ ایک بیڈول پیدائش ہے مضحکہ بےہنگم ہے، اعجوبۂ خلقت ہے! ایسی بدشکل اُمّت کا اس **متناسب** اور **خوبصورت** دنیا میں کسی مدید مدّت تک رہنا محال ہے!

یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب نے صلاح کی صحیح تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ واماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں، انہوں نے احوال تاریخ کو یا اپنے سے **ادنٰی** مخلوق کے فطری عوائد کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دے کر انسانی اخلاق کی تعمیر اُن احوال و عوائد پر کی، اور محکمہ قضا و قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحب ارادہ خدا کی مشیت اور صاحب ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بیدخل کردیا، وہ اس نارواتخیّل میں لگے رہے کہ مدوّن جزر اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اُسی انداز پر ہے جسپر جبر ثقیل یا علم حساب کے قواعد مرتب کردیئے جاتے ہیں، اور جسطرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کرلینے سے مرکّبات کے خواص کیطرف رہنمائی ہوتی ہے اسیطرح افراد کے مطالعے سے اقوام، اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبیعت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرزِ خیال بجائے خود آج اسقدر کم نفعمند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیّل مغرب کو مادی ترقی کے مدارج اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش از بیش کامیاب ہوا ہے، وہاں اُسکا غلط مفہوم اسکو اخلاقی

انحطاط کے درکِ اسفل کیطرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ آج سب کے سب اپنی مادّیت پر خوش ہونے کی بجائے اپنے فقدانِ روحانیت کا ماتم کر رہے ہیں۔ سیاست کا صحیح علم اگر کہیں انکو ایک گز ابھار رہا ہے تو روحانیت سے کم علمی دوسری جگہ انکو دو گز دبا دیتی ہے۔ وہی تمدّن جو اپنی حیرت انگیز قوتِ استنفاع کے باعث دنیا کے ہر گوشے کو آباد اور پر رونق کر رہا ہے، اُن کے اپنے گھروں کو دردناک طور پر اُجاڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بیمثال علم اور ابدانِ عالم کے متعلق صحیح خبر کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر دوام از بس مشتبہ امر ہے! وہ "علم الدین" سے کما حقہٗ بہت کم واقف ہیں، انکو اس دنیا کے اندر صراطِ مستقیم کے ایک اہم حصّے کی کچھ خبر نہیں رہی۔ سیاست اور مادّیت کے ناروا غلوّ نے نامعلوم طور پر یہ بات اُنکی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس دنیا کے اندر اصلیت محض جسمانی زور اور مادّی طاقت ہی ہے، یہی کثیر مخلوق کے اخلاق کا جزوِ اعظم ہے، اسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے[†] وہ اس مادّی زور کو بدرجۂ اتم حاصل کرنیکے لیے سب ممکن اشیائے فطرت کو کرایہ پر لے رہے ہیں۔ اور اُن کی وساطت سے زور آور بنتے ہیں۔ لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیبِ نفس کے آسمان شکن زور کی اُن کو کچھ خبر نہیں، وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادّیت کی بیجان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں۔ اور بے رحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں! اسی غیر روحانی اور کرایہ پر لیے ہوئے زور کا اشد شدید مبلغ المانیہ کی بے مثال جُندیّت تھی جس کا بیشتر حصّہ حال کے محاربۂ عظمیٰ میں تباہ ہوا اور اسی خواہش کا ادنیٰ مظہر انگریز کی قزاقانہ جوع الارض اور اسکا تحکمانہ استیلا ہے جو آج اُسکی اجتماعی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے!

مغربی اقوام کے بالمقابل مشرقی اقوام میں صلاحیت کا مادّی اور روحانی تخیّل دونوں اصلاً مفقود ہو چکے ہیں اُنکے نزدیک فطرت کا یہ کارگاہِ اعظم اصلاً بیکار اور باطل ہے، اسمیں کچھ شئے لائقِ تفتیش نہیں، کچھ سعی و عمل کی اہل نہیں۔ دنیا کو غائر نظر سے دیکھنا اُن کی نظروں میں عبث ہے۔ اس جہان میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنا اُنکی نگاہوں میں نقش برآب پیدا کرنے کی سعی کرنا ہے۔ وہ خدا کی اس عظیم الشان صنعت پر لات مارنا

† دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۲-۱۳ بحث المتن شق سوم و چہارم مسئلہ ارتقاء

خوشنودیٔ خدا سمجھتے ہیں، اور 'آخرت' کے دوام و بقا کے دل خوش کن تصور میں غرق ہیں! روحانیت اُن کے عالمِ خیال میں ایک بے ہمہ زندگی ہے جسکا نتیجہ بیکاری اور جمود ہے، فطرت کے عطا کیئے ہوئے اعضا کا 'انعطال' ہے بے نتیجہ مجاہدے اور ہیچکارہ 'اعمال' ہیں، یا کم از کم ایک ناکارآمد 'زہد' و 'تورع' ہے جس کا حلقۂ اثر دُس قدم تک وسعت نہیں رکھتا! صلاحیت کا وہ مصلح جماعت 'مقلب القلوب' اور انقلاب انگیز تخیل جو انبیائے کرام نے کسی زمانے میں رواں کیا تھا۔ آج مشرق میں حرفِ غلط کی طرح مٹ چکا ہے، اور اس کائنات 'شرط و جزا' اور 'معمل سعی و عمل' میں بیکار بن بن کر دُکھ پانا اُنکا شیوۂ اعتقاد ہو گیا ہے! مذہب اور سیاست اُنکے ہاں ایک دوسرے سے اس قدر الگ ہو چکے ہیں کہ گویا اُنکے مابین کوئی مابہ الاشتراک قطعاً نہ تھا۔ وہ سیاست جو روحانیت کے زور اثر پر اقوامِ عالم کو انبیاء کی وساطت سے ملی تھی 'اقلیمِ آخرت' کیلئے مدوّن ہو گئی ہے! گبر و برہمن، بُدھ اور مُسلم، سب اِس سعیٔ ناشکور میں مصروف ہیں کہ دنیا کے 'نقد' کو غیر کے ہاتھ دے کر آخرت کے 'نسیہ' کو بزعم خود خرید لیں، اور کم از کم اِس دنیا کے لیئے مذہب کا ہونا بیکار ثابت کر دیں۔ الغرض جہاں نقد پسند 'مغرب' صلاحیت کو جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اَور سمجھنا گناہ سمجھتا ہے، اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آیند مہمان کو اُسکے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر زور کی اکڑ پر اِس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے وہاں 'مشرق' کا نسیہ پسند ابلہ روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہکر کمزوری اور جمود کی 'پاکبازی' اور ہمہ فرموشی سے ہی اپنے آپ کو 'صالح' سمجھتا ہے اور اپنے ہاتھوں آپ مِٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے!

میرا یقین ہے کہ سعی و سکون کے یہ دونوں مناظر 'افراط و تفریط' کے مناظر ہیں، فنا و استہلاک کے مناظر ہیں، حفظ و امن کے مناظر نہیں! اِس دنیا کی چار دیواری میں رہ کر کسی قوم کا سچا مذہب اُسکے 'دوام و بقا' کا مذہب ہی ہے اور یہی سچی 'سیاست' اور سچی 'صلاحیت' ہے۔ دوام کے لیئے جہاں اشد شدید زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اِس زور کو برقرار رکھنے کے لیئے انتہائی 'تزکیۂ نفس' واحد اور آخری وسیلہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کرایہ پر لیئے ہوئے انسانوں یا زر کے منتظر مزدوروں کی ایک جماعت اِس دنیا کے اندر

چند لمحوں کیلئے زور پیدا کردے، اُسمیں سب لازمات غلبہ و استیلا کے موجود ہوں، اُسمیں جو بات ہو لاجواب اور بے مثال نظر آئے، زور آوروں میں اشد زور ہو، کمزوروں میں اشد کمزوری ہو، ایک طرف کمال بہجت و انبساط ہو، دوسری طرف انتہائے عجز ہو، لیکن ایسے زر خرید زور کو دوام قطعًا نہیں! اسمیں صلاح کی باطنی استقامت نہیں، اسمیں بلور کی انکساری صلاوت موجود ہے، لیکن فولاد کی اندفاعی لچک قطعًا نہیں۔ ایسی بنا کی مثال ایک مکڑی کے جالے کی ہے جسکو باد تُند کا ذرا سا جھونکا کالعدم کردیتا ہے، اور بعد ازاں اُس کی آویزِ تعمیر کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یورپ کے تمدن کا جزوِ اعظم اسی کمزوری اور نادوربینی پر مبنی ہے۔ اقوام کے امن دنیا میں بقا کیلئے ضروری ہے کہ اسکے افراد کا تخلّق حتی الوسع صانعِ فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو، اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیّہ ہو، نہ یہ کہ سفلی پیدائش سے ارتقا کیا ہوا انسان، پھر اسی درکِ اسفل کی طرف لوٹ آئے۔ ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ تبر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اسقدر بست ہو کہ اس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کرسکے!

میرا یقین ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن اعمال خدا کے مشاہدے کو کچھ مدت کیلئے ملتوی کرکے الفاظ خدا کے مطالعے کی طرف آنا پڑے گا! اُس دن اُنکی سب حیرت اور مذبذب حالت تیقّن میں بدل جائے گی، صراطِ مستقیم کے بارے میں اُنکے سب شکوک رفع ہوجائینگے، "صلاح" کا اکثر غلط تخیّل درست ہو ہوکر مکمل ہوجائیگا! اُنکے علم فطرت سے مستنبط کیئے ہوئے اکثر معاشری اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہوگی! اُن کو انبیاء کے اس دنیا میں علمی مقام کا صحیح اندازہ ہوجائے گا! اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی، صحیح روی کی الٰہی اور سرکاری سند ملجائے گی، پھر اُن کا فاطر زمین و آسمان سے یہ تجاہل عارفانہ بھی نہ رہ سکیگا! "منکر مے بنکر ہمرنگ مستان زیستن" کے مصداق نہ رہ سکیں گے! اُس حکیم علی الاطلاق کی حکمت پر کھلا اور بے حجابانہ یقین، اُسکے اعمال پر محقّقانہ نظر، اُس کے الفاظ کی خادمانہ قدر، اُسکی رحمت کی بے محابا تمنائیں اور تقدم کے بڑھے ہوئے حوصلے اس کشت زارِ عمل کو ہری بھری کردینگے! پھر انسان

بھی ایک دوسرے سے اُلفت سے رہا کرے گا۔ آئے دن کے مقاتلوں کا جہنم اُسکی معاشری بہجت کے بہشت کو کچھ منغص نہ کر سکے گا۔ اگر مغرب اور مشرق نے فی الحقیقت مذہب کو **علم** کی نظر سے دیکھا، اور علم نے بھی اسکو اپنی آغوشِ لطف و مرحمت میں لیکر، کلام خدا کو از سرِ نو انسان کا مشترک صراط مستقیم اُسکا واحد دستور العمل، رب العلمین کا ایک اور اٹل پیغام، اسکا ایک اور ناقابل بدل قانون بلکہ انسان کا ملجائے وحید اور ماوائے فرید ثابت کر دیا، اور اگر ساکنانِ زمین نے بھی دانشمندی اور تدبر سے کام لیکر پیغمبران جہان کی ذاتیات پر بحث کرنے کی بجائے خدائے عظیم کے **نفس الامر** کیطرف توجہ کی، سب فروعات اور ظواہر کو بالائے طاق رکھکر اصل قانون کو اپنا شیوۂ عمل بنا لیا، تو جہنم کے سب دروازے یک بیک بند ہو جائینگے! اس دنیا میں پُرکار شیطان کا کچھ کام نہیں رہیگا، اور بدقسمت زمین پر اُسکے مستقر[1] ہونے کی بجائے اُسکو کسی اور آسمانی کُرے کی طرف بھاگنا پڑے گا!

وحی کی صحیح حقیقت اور عظمت بھی آج ہی نسل انسانی پر عیاں ہو سکتی ہے جب کہ اُسکا **علم** اوجِ کمال پر پونہچ رہا ہے، جب اُسکو **مریخ** سے ہمکلام ہونے کی آرزو ہے، جب اُسکے سمع و بصر کی حکومت بامِ آسمان تک پونہچ چکی ہے، جب اُسکا رسا ذہن اس سحرستان کائنات کو اجماعی نظر سے دیکھ رہا ہے، جب اُمتوں کے فنا و بقا کی مکمل تصویر اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے! جاہل اور کوتاہ نظر اُمتوں نے جو آج سے پہلے ہو گذری ہیں اُس مالکِ سمع و بصر اور علامۂ مطلق خدا کے کلام کو کیا سمجھا ہوگا، اسکے ناپیدا کنار علم کی کیا قدر کی ہوگی، اُسکے عاجز نواز احکام کی کیا لِم سوچی ہوگی، درانحالیکہ وہ سمجھتے رہے کہ زمین کا چورس ٹکڑا "بیل کے سینگ پر ٹِکا کر رکھا رہا ہے، اور بیل مچھلی کی کمر پر ٹِکا ہے"! وہ کیا سمجھتے ہونگے کہ اس مالک زمین و آسمان نے کیا کہا؟ کس غرض و مطلب کو سوچ کر کہا؟ کس منتہائے جلیل کو پیش نظر رکھکر کہا؟ توحید پر اصرار کیوں ہے؟ شیطان سے احراز کیا ہے؟ ایمان کا کیا مطلب ہے؟ اتقا سے کیا مقصود ہے؟ تفریق کیوں منع ہے؟ اتحاد کی تشویق کیسی ہے؟ بہشت اور دوزخ کیا ہیں؟ جاتروں کی کیوں تاکید ہے؟ تزکیۂ نفس کی ترغیب کیونکر ہے؟ پُن دان، نکوکاری کا کیا

---

[1] از روئے قرآن بظاہر شیطان کا مستقر صرف ارض ہی معلوم ہوتا ہے جیساکہ الفاظ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ سے ظاہر ہے۔

مُدّعاہی وغیرہ وغیرہ؟ آج اس علم و شہادت کے زمانے ہیں ہی مذہب کے اوامر و نواہی اپنے صحیح اور اصلی رنگ میں ظاہر ہو سکتے ہیں، اُن کے مقاصد کی صحیح تعیین ہو سکتی ہے، اُن سے مستقل نتائج اخذ ہو سکتے ہیں، اُن سے قانون خدا اور امر رب العلمین کا پتہ چل سکتا ہے، نوکر کو آقا کا صحیح عندیہ اور آقا کو نوکر سے سچی رسم و راہ پیدا ہو سکتی ہے، سب ذاتیات اور تعصب، سب غلوّ فی الدّین اور افراط و تفریط قطعًا نابود ہو سکتے ہیں، اس امر کا وثوق کے ساتھ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ **پیغام** فی الحقیقت **ایک** ہی تھا، صرف اُسپر عمل کرنیکے مظاہر جُدا جُدا تھے، مقصود بالذّات **اصل** دین ہی ہے، قانون فطرت ہی ہے، عادتِ خدا کو سمجھنا ہی ہے! فروعات اور ظواہر اصل مذہب حتّٰی نہیں! نہیں بلکہ جو قوم **اصل** کو پکڑے ہوئے ہے وہی اُسکے خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہے، جس نے روح کو، نفس الامر کو، صدق بسیط کو چھوڑ دیا وہی ہلاک ہو رہی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اتّحاد عالم کا نصب العین بیش از بیش معرض عمل میں آسکتا ہے، جب ہوشمندان زمین کی ایک موتمر علم کی مشعل کو ہاتھ میں لیکر، دنیا کو ایک راہ پر لگا سکتی ہے، جب مذہب کا افواہی اور **قولی** شعبہ حرف غلط بنکر مٹ سکتا ہے، جب اسکا **عملی** اور اتحادی پہلو ذہنوں پر پتھر کی لکیر بن سکتا ہے، جب اِسکے حزبی اور اختلافی، بغاوتی اور حسدی اثر کے کالعدم ہونے کا امکان ہے، جب آمین بالجہر اور آمین بالخفی کی سب مضحکہ انگیز بحثیں طرفۃ العین میں بند ہو سکتی ہیں، جب سچ اور جھوٹ، روا اور ناروا کا تصفیہ لمحۃ البصر میں ہو سکتا ہے! وحی کی سچی قدر، اُسپر سچا اور بے ریا یقین، اُسپر مسلسل اور نتیجہ خیز عمل، اُسپر کامل اور لاینفک اتّحاد درحقیقت **علم** ہی سے ہو سکتا ہے، اور وہی صراط مستقیم صحیح معنوں میں بقا انگیز اور تقدّم خیز ہے جسکے مسلّمہ اصول کی تائید براہ راست **وحی** سے ہوئی۔ دنیا کی سب سے آخری کتاب وحی (یعنی قرآن) نے نوع انسان کی موجودہ تفریق آراء صورت بلکہ مذہب کی ماہیت کا فیصلہ یک قلم اس بنا پر کر دیا ہے کہ مناسک اور ظواہر اور شئے ہیں اور امر اور چیز ہے: لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ† (الحج ۲۲) گویا مناسک کو بنائے نزاع سمجھکر **قانون** رب العلمین میں جھگڑا پیدا کرنا ہی **صراط مستقیم** اور مذہب پر سے ہٹنا ہی!

---

† اس آیت بقیہ کے صحیح مطالب کے متعلق ایک مبسوط بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۸ - ۲۳۴ کے تحت المتن میں کی گئی ہے ٭

لیکن علمائے جہان کی متذکرہ صدر مؤتمر سے قطع نظر ہوشمند اشخاص اپنی اپنی مطالعہ گاہوں میں بیٹھے ہوئے بطور خود اِس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا کے سب مروجہ آسمانی صحائف کے اندر اُنکی اِس محرّف شدہ صورت میں بھی **وحدت** پیام کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا بین السطور مدعا اور منتہا وہی ہے، مطمح نظر ایک ہے، امر ایک ہے، اگرچہ ظواہر اور مناسک اکثر حالات میں الگ الگ ہیں۔ اگر کہیں کوئی اختلاف اِس امر عظیم پر عمل کرنے میں رُونما ہوا ہے تو وہ صرف نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، منظر تصویر کا اختلاف ہے، رؤیائے قلب کا اختلاف ہرگز نہیں۔ یہی باعث ہے کہ دنیا میں جسقدر پیغامبر آئے اپنے سے پہلے پیغمبروں کی **تصدیق** کرتے رہے، بدھ نے کرشنؑ کی تائید کی، موسیٰؑ نے ابراہیمؑ کی تصدیق کی، عیسیٰؑ نے موسوی شریعت کو بنا قرار دیا، محمد صلعم نے سب انبیاء کو بلکہ ہر قوم کے ہادی کو، ہر قریے کے نذیر کو، ہر اُمت کے رسولؑ کو مانا، حتیٰ کہ سکھ اُمت کے پیشوا **نانک** علیہ الرحمۃ نے بھی ختم رسلؐ اور باقی سب ایلچیوںؑ کو برابر سمجھا! یہ تصدیق بذات خود اس امر کی تصدیق ہے کہ یہ سب لوگ آپس میں **رازداں** تھے، ایک ہی قانون سے واقف تھے، ایک ہی امر مہم سے آشنا تھے، گویا سب **سیانے** تھے اور ایک ہی **مت** رکھتے تھے! بلند بینی اور وسیع نظری کے باعث اُن کے ذہن اسقدر رسا اور اُنکی تعلیم اسقدر حقیقت کشا بن گئی تھی کہ ظواہر اور شعائر کا اختلاف اُنکو کچھ اختلاف دکھائی نہ دیتا تھا! اُنکی نگاہیں اُس **قانون**، اُس نفس الامر، اُس دین فطرت کی طرف لگی تھیں جس پر چلکر ہر جا **امن** ہے، قوموں اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور افراد کا امن ہے! مثال کے طور پر عرب کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آسمانی کتاب ابراہیم، موسیٰ، داؤد، عیسیٰ، وغیرہم علیہم السلام سب انبیاء کی اپنے اپنے وقت میں مروجہ نمازوں کو اُسی ایک لفظ 'الصلوٰۃ' سے تعبیر کرتی ہے، وہی 'الزکوٰۃ' کا لفظ سب کے بارے میں موجود ہے، صوم کے بارے میں وہی کَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لکھا ہے، حج، جہاد، ہجرت، سب اوامر کی توصیف میں جو آج ایک مختص شریعت سے مخصوص ہو کر اُس مذہب کے شعائر بن چکے ہیں، وہی مشترک الفاظ ہیں، سب کے لیے یکساں ثواب اور ہر ایک کا عذاب متعین ہے، حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان سب کے **ظواہر** الگ الگ تھے، نماز کے وہ رکوع و سجود نہ تھے،

زکوٰۃ کے وہ حصے بخرے نہ تھے، صوم کیلئے وہ ماہ رمضان نہ تھا وہ اوقات نہ تھے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لیے کہ قرآن کو نفس الامر کے بیان کر دینے سے غرض ہے، کسی اُمت کی سطحیات سے اسکو کچھ بحث نہیں۔ اسکے نزدیک آج بھی الصلوٰۃ وُہ شئی ہے جو وُہی تخفیف دل، وُہ نتیجہ خیز اطاعت، وُہ ضبطِ نفس، وُہ توقیت عمل، وُہ اخوت اور موالات، وُہ تعاون اور محافظت پیدا کر دے جو ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام میں مقصود تھی، محمدی نماز کے ظواہر اور ارکان سے اسکو کچھ سروکار نہیں۔ اور جس طرح بھی نتائج پیدا ہو جائیں اسکی نظروں میں بارگاہ خدا میں قبول ہیں۔ نہیں بلکہ اگر کسی نماز سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی تو قرآن کی مطلق لغت میں ظواہر کا وہ بے روح پیکر الصلوٰۃ کہلانے کا اہل نہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے قانون خدا کو بعینہٖ اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، اور اسی لیے سب نے ایک دیکھا، سب نے اصلیت اور حقیقت کو پایا۔ اور اگر آج بھی صحفِ آسمانی کا مطالعہ اس مقامِ نظر سے کیا جائے تو پیغامِ خدا کی حقیقت کو پالینا اور تمام عالم کا ایک نقطۂ توحید پر متفق ہو جانا کچھ متعذر نہیں۔ البتہ اس غرض و مطلب کے لیے ناخدایانِ ملت کا قانونِ خدا کے بحرِ ذخار کو علم و نبوت کی عینک سے دیکھنا لازمی ہے، جہالت کی تنگ چشمی اس صراطِ مستقیم کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتی!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانونِ خدا اور امر رب العلمین کی حقیقت تک بتمام و کمال پہنچنے کیلئے **قرآن حکیم** سے بہتر، **کامل تر**، **واضح تر** اور **صحیح تر** آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سب آسمانی صحیفے اپنے اپنے وقت نزول سے آجتک کم و بیش **لفظی تحریف** کا شکار ہو چکے ہیں، اُن میں سے اکثر کے الفاظِ وحی روئے زمین سے کلیۃً ناپید ہیں، اکثر میں مرورِ وقت کے باعث ردّ و بدل وارد ہو چکا ہے حتّٰی کہ خود حاملانِ وحی کو اس حقیقت کا اعتراف ہے، لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں ختماً نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے **مطالب** اور **مقاصد** میں اگرچہ بے حد **معنوی تحریف** ہو چکی ہے، اُس کا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور عُلما کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے، اُسکے معانی پر پیچیدہ شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اُسکے کسی ایک

۱ الصلوٰۃ کی حکمت کے متعلق ایک مشرح بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۰۳ الخ پر آ رہی ہے جس سے معلوم ہو جائیگا کہ قرآن حکیم کا مقصود بالذات نماز سے یہی تھا جو بیان ہوا۔

امرِ مہم کا آتنی مفہوم صحیح طور پر مسلمانانِ عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اُسکے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اسکو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مُونہوں اور لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اسکے **الفاظ** بعینہٖ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب انکو بدل نہیں سکتا، انکی کچھ کتر بیونت نہیں کر سکتا۔ **محقق** کیلئے اِس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اسلیئے ہے کہ صحفِ آسمانی کے اضافی مطالب میں قرآن حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی رہنمائی صحیح منشائے خدا کی طرف سچی رہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کُتُب آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے بارے میں کوئی حکمی فیصلہ نہیں کر سکتیں، وہاں قرآن اُس امر کے متعلق اپنا **قطعی** اور **آسمانی** فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اسوقت پائی جاتی ہیں، اور جن کا وجود اِس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے، اُن سب کا قرآن صحیح معنوں میں **مُصدِّق** بنجاتا ہے۔ اس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہوگیا ہے تو اُس مزعومہ کتاب کا اُسکے اپنے عہدِ نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی متحقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پہونچانیکے لیئے یہ گوہرِ نایاب ازبس بے بہا اور گرانمایہ ہے۔ طالبِ حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اُن کے پاس کم از کم **ایک** ایسی کتاب موجود ہے جسکو خدا کے ہاں سے براہِ راست ہونے کا ادعا ہے، اور جو آپ نامحرّف اور بے غل و غش خالص ہے! اسکا کام اب صرف اتنا ہے کہ اسکو علم کی کسوٹی پر کماحقہٗ پرکھ کر **سونا** ثابت کردے، یا اگر وہ اس محک پر پوری نہیں اُتر سکتی تو اسکا ناقص عیار ہونا علی الاعلان ثابت کرکے دنیا کو مذہب کے **فریبِ عظیم** سے یکسر نجات دلوادے!

یہ وہ خیالات ہیں جنکی بنا پر میں اس کتاب کو ساکنانِ زمین کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں مجھے یقین ہوچکا ہے کہ قرآن حکیم اپنی جامعیت اور مانعیت میں، اپنی حجت اور حکمت میں، اپنے علم و خبر میں وہ فقید المثال کتاب ہے کہ اسکا علم انسانی دانست کے ہر ممکن معراج سے بالاتر ہے۔ سب آسمانی کتابیں قانونِ خدا اور دینِ فطرت کے صرف بعض یا اکثر حصوں کو پیش کرتی ہیں مگر یہ نادر الوجود صحیفہ اسکو بہ تمام و کمال پیش کررہا ہے۔ انسانی معاشرت

اور تمدن، دنیاوی بہجت اور امن، علمی تقدم اور عمران، عملی فوقیت اور اقدام کا کوئی شعبہ نہیں جسکو حاصل اور برقرار
رکھنے کیلئے اسکے اندر مکمل اور معنی خیز اشارات نہ موجود ہوں۔ تہذیب کے ہر مرحلے میں، عمران کی ہر منزل میں تقدم
کے ہر قدم پر یہ کتاب انسان کیلئے سچی رہنما ہے۔ اسکی انگشتِ زنہار لامحالہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے جسطرف بالآخر
نقصان ہے، اجتماعی ضعف ہے، مجموعی موت ہے! اسکا بیخوف و خطر حکم اسی صراط مستقیم کی طرف ہے جسپر چل کر
امن ہے، خلد و بقا ہے، **نعمت** اور **عزت** ہے! اسکا اہم ترین مطمح نظر اُمتوں کی **اجتماعی حالت**
کی اصلاح ہے، لیکن اسی مجموعی بست و کشاد کے ضمن میں اسنے افراد کی شخصی فلاح کا اٹل دستور العمل بھی پیش
کر دیا ہے۔ اسکو روئے زمین پر بھیجنے والا وُہ صاحبِ تعالیٰ علم و خبر، وہ مالک تعالیٰ سمع و بصر، اور وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے
کہ بنی نوع انسانکے انتہائی ارتقا کو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس پہلے دیکھ رہا ہے! صدہا برس کے گذشتہ واقعات
کی سند پیش کر رہا ہے، امن کے لازمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے، خوف کے مقامات سے ڈرا رہا ہے۔ الغرض
جو کہہ رہا ہے قوت اور زور سے کہہ رہا ہے، یقین اور وثوق سے کہہ رہا ہے، غنا اور بے نیازی سے کہہ رہا ہے!
اسکا قانون اسقدر مکمل ہے کہ نارسا نظریں اسمیں عیب نکالتی ہیں، اسمیں کجی دیکھتی ہیں، اسکے متعلق شکوک پیدا ہوتے
ہیں مگر علم کی وسعت اور بلند بینی پھر اُن شکوک کو مشکوک کر دیتی ہے! ہر شک کے متعلق نئے احوال، نئی معلومات،
نئے مقام نظر آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مشکک کو بالآخر درماندہ اور سپر انداختہ کر دیتے ہیں! مقامِ
نساء، تعدد ازدواج، ممانعت خمر، معاشری مساوات وغیرہ وغیرہ چند در چند ایسے مسئلے ہیں جنکے متعلق دنیا تمدن کے
اِس مرحلے میں مشکل سے یک رائے و یک زبان ہوسکے گی، اُنپر جبتک انسانی فطرت کا علم نامکمل ہے بحث کا سلسلہ
جاری رہ سکیگا مگر ان مباحثِ دقیقہ کے متعلق قرآن کے قطعی اور حکمی فیصلے وہی ہیں جنپر دنیا کی عام رائے کا اہم ترین
حصہ نامحسوس طور پر متفق ہو رہا ہے! وہ وُہی ہیں جو تلخ تجربوں، فطری گناہ کی سزاؤں، پشتینی غفلتوں کے سم آلود
نتیجوں، افراط و تفریط کے مہلک اور قاطع النسل اثرات اور ترقی علم سے اخذ ہو کر دنیا کو نئی راہوں پر لگا رہے ہیں! دنیا
کشمکش و پیچ میں گرفتار ہے، صراط مستقیم کی تلاش میں یہ غلط اور وُہ صحیح بار بار کہتی رہے، زید سے ہٹ کر عمرو کیطرف

اور عمرو سے بکر کی طرف راجع ہو، مگر قرآنی محاکمے **ناقابل بدل** اسلیے ہیں کہ **بالآخر** انسانی طبیعت اُنہی کی طرف مائل ہو کر رہے گی۔ اپنی فطرت سے بجبر انسان اُنہی پر **مجبول** ہے، اُنہی سے ہٹ کر شکست و ریخت ہی، اُنہی پر چلکر حفظ و امن ہے! جہاں افسردگی ہے اُسی کے عصیان سے ہے، جہاں بالش ہے اُسی کو مان کر ہے۔ قرآن کا بتایا ہوا اسلام ایک **فطرت** ہے جس پر سب نسل انسانی بلا امتیاز رنگ و ملک **مخلوق** ہے، اسمیں کوئی تبدل و تحول اصلاً اور طبعاً نہیں ہو سکتا! یہی وہ **صراط مستقیم** ہے جسکے سوا کوئی دوسرا خط مستقیم بداہۃً ممکن نہیں۔ البتہ اگر لوگ اسکی تلاش میں ایک راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چل رہے ہیں تو اسکی وجہ **کمی علم** ہے جس دن فطرت انسانی کا علم مکمل ہو جائے گا، صراط مستقیم سورج کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے زیادہ روشن تر حقیقت ہو جائے گی اسی بنا پر قرآن نے اپنے بتائے ہوئے صراط مستقیم کے بارے میں کہا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀ (الروم ۳۰)۔

قانون خدا کے متعلق قرآن حکیم کے اجمال اور کمی علم کے باعث بسا اوقات اُسکے بدیہی اغلاق کے باوجود اُس کا بیان کردہ آئین اہل نظر کی نگاہوں میں اسقدر بیّن ہے کہ کسی ایسی مختصر کتاب کا اس سے زیادہ ابین اور اکمل ہونا محال ہے! وہ بظاہر ایک ازبس مختصر صحیفہ ہے مگر اسکا دعوے اپنے متعلق تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے! اجمال کے لیے اغلاق لازمی امر ہے مگر اُسکے وحی کرنے والے کا دعوے اسکے بارے میں يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ہی! لوگ اُسکو عیاں کرنے کی سعی میں قرنوں سے تفسیر کے طومار باندھ رہے ہیں مگر اُسکا اپنا ادعا الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ہی ہے! شرعی علما اُسکی ایک ایک آیت کو لائق شرح و بیان بتاتے ہیں مگر اُسکا اپنا محاکمہ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ہے! آجکل کے مولوی اُسکی حکمت میں استدلال کرنا گناہ سمجھتے ہیں مگر یہ آپ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ اور لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ کی صلائے عام دے رہا ہے! حدیث کے شیدائی اُسکی کسی ایک آیت کو صحاح ستہ سے بے نیاز نہیں سمجھتے مگر اُسکا اپنا فیصلہ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اور اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ اور اسکے ایک بڑے شیدائی (حضرت عمرؓ) کا فیصلہ حسبنا کتاب اللہ ہے! لُغت والے اسکو لغت کا محتاج کہتے ہیں مگر اسکے بڑے سمجھنے والے اور اسپر بڑے عمل کرنیوالے دو سو برس تک اسکو لغت کے

بدون سمجھتے رہے! اسلامی دنیا اسکی ادبی خوبیوں اور شنیدہ فصاحت پر سر دھنتی رہی ہے مگر اسکا اپنا اعلان مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور فَأْتُوا بِكِتٰبٍ.... اَهْدٰى ہی رہا ہے! اسکے اکثر حامل پچھلی کئی متصل قرنوں سے وہی لوگ رہے ہیں جو اعمالِ خدا اور فطرت کے علم سے فی الجملہ نابلد اور یقینیات سے اکثر متنفر رہے مگر اسکا روئے سخن بہر نوع لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ اور لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ہی رہا ہے! اسکے دشمن پکار پکار کر اور دوست دبی آواز سے کہہ رہے ہیں کہ قرآن کے اندر ربط کا کچھ پتہ نہیں لگتا مگر اسنے اپنی بے ربطی کا الزامی جواب اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ہی دیا ہے!

الغرض عقیدتمند لوگوں کی اسکے متعلق سخن آرائیوں سے صرف نظر کر کے جو یقینی بات قرآن حکیم کے بغور اور پیہم مطالعے کے بعد اخذ ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک نہایت عمیق اور **بلیغ** کتاب ہے۔ اُسکے اندر انسانی نسل کی اجتماعی مرفہ الحالی کا پورا اور دائمی سامان موجود ہے، اسمیں کمال **تدبر** اور انتہائی غور و فکر کی پوری گنجایش ہے، وہ اپنے دائرے کے اندر **مکمل** ہے، قیاسات اور آرا کے سب انسانی مجموعوں سے بے نیاز ہے وہ آپ صحیح معنوں میں اپنی **تفسیر** ہے، وہ سب انسان کی بنائی ہوئی اور قابل بدل لغات سے مستغنی ہے، اُسکی اپنی اور ناقابل تغیر لغت خود اسیکے اندر ہے، اُسکا داخلی طریق تسمیہ اُسکے اپنے مقرر کیئے ہوئے معہود ذہنی کو ادا کرنیکے لیئے اسقدر کافی ہے کہ کسی خارجی مدد کی اسکو حتمًا ضرورت نہیں، اُسکی سب قانونی مصطلحات اور آئینی متعارفات خود اسکے ضمن میں اس صحت اور دقت، اس سلامتی اور کمال سے واضح کر دی گئی ہیں کہ اسکے بعد کسی ایک حصے کے مطالب کی صحیح تعیین میں شک و اشتباہ کا گمان تک نہیں گذر سکتا! اُسکے ہر لفظ کے صحیح مطلب اور صاحب القرآن کے اُس لفظ کے متعلق صحیح عندیے میں وہ حیرت انگیز **استقلال** ہے کہ اوّل سے آخر تک اُسکا وہی ایک پیش نہاد ہے اجماع اُمت یا تاویل یا انسان کا نفسانی مکر اُسکے مقصود کو قطعًا نہیں بدل سکتا۔ اُسکی **ایک** آیت کے صرف **ایک** معانی ہیں، اسکے متعلق طرزِ عمل **ایک** ہی، پیش نہاد **ایک** ہے، محاکمہ اور عندیہ ایک ہے، سیاق کلام ایک ہے، سباق ایک ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم **اختلاف** یا حشو کے بدنما انسانی عیب سے قطعًا مبرا ہے! جہاں کہیں اسکی آیتوں کے اندر تناقض کا گمان یا تکرار و تخالف کا شائبہ نظر آتا ہے وہیں اُن کے آگے مطالب سمجھنے میں کسر رہ گئی ہے، وہیں کوئی

واماندگی ضرور ہے، وہیں کچھ نہ کچھ نقص یقیناً واقع ہوا ہے! نہیں بلکہ بعض اوقات قرآن عمداً دو بظاہر نقیض یا ہم معنی باتوں کو ایک ہی سیاق کلام میں اور ایک ہی بحث کے ضمن میں پاس پاس جمع کر دیتا ہے اور تدبر کے سست قدم رہوار کو مہمیز لگا کر انسان کو اپنے اندر اختلاف یا بے نتیجہ تکرار کے نہ ہونے کا فی البدیہہ ثبوت دیدیتا ہے[†]۔ وہ **مجمل** ہے مگر یہی اجمال اُسکے مطالب کی **صحت** اور **وحدت** کا بالواسطہ ثبوت ہے! وہ ایک **قانونی** کتاب ہے مگر اسکا قانون ہونا ہی اُسکے **وحدت** فی المطالب، **یک منتہی** اور **مربوط** ہونے کی قطعی شہادت ہے! جہاں وہ بادی النظر میں مربوط نہیں ہوتا وہیں اسکے مطالب سمجھنے میں فساد واقع ہوا ہے، کچھ ناروا تاویل واقع ہوئی ہے کہیں لغت نے زیادتی کی ہے، کچھ غلط حدیث کا اثر باقی رہ گیا ہے، کچھ رسم و رواج نے پردے ڈال دیئے ہیں، کچھ بے علمی نے فساد پیدا کر دیا ہے، کچھ ظن نے شرارت پیدا کی ہے، کچھ جہالت نے دخل در معقولات دیا ہے، ورنہ اُن دو ٹکڑوں کے متصل واقع ہونے میں کوئی نقص نہیں! علم کی کمی اور استدلال کی درمیانی کڑیوں کا انسانی ذہن میں موجود نہ ہونا اسکو بے ربط کر رہا ہے، جب واقعات کا علم ایک حقیقت کا لگاؤ دوسری حقیقت سے معلوم کرلیگا، مطالب کا سلسلہ خود بخود پیوست ہو جائے گا!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ دنیا کے **ہر رہ نمائے** جلیل اور ہر پیشوائے فرید کا کلام ہمیشہ سے بادی النظر میں **غیر مربوط** رہا ہے، جسقدر کوئی شخص اپنے فن میں ماہر ہے، جسقدر اُسکا علم تدبر کے مدارج علیا پر پہنچ چکا ہے، جسقدر وہ دنیا کو کسی **نئی** راہ پر چلانے یا کسی **نئے** انکشاف سے دم بخود کر دینے کی صلاحیت اپنے میں پا رہا ہے، اُسیقدر اُسکا دیا ہوا پیغام عوام کی نظروں میں نا مسلسل اور ٹکڑے ٹکڑے ہے، اور اُسیقدر اُسکو اپنے کلام کو مربوط کرنے سے عمداً گریز اور استغنا ہے۔ خیالات کا ہجوم، علم کی وسعت، اور وقت کی کمی اسکو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے کلام میں جہلا کو خوش کرنیکے لیئے کوئی منطقی ترتیب یا تسلسل پیدا کرے۔ علم کا عظیم الشان سیلاب ایک ناپیداکنار سمندر کی طرح اُسکے ذہن میں لہریں مارتا ہے، وہ اسکو من و عن ظاہر نہیں کرتا، صرف اُس پہنائے بیکران کے اندر سر بر آوردہ

[†] بظاہر دو نقیض باتوں کو یکجا جمع کر دینے کی مثال یہ ہے: وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ اور مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (النساء)، جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دو آیتیں آگے چلکر وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا کہدیا ہے۔ بظاہر دو ہم معنی باتوں کی مثال یہ ہے، وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ (قصص)۔

مقامات اور موٹے موٹے جزیروں کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ لوگ اس طرز بیان سے کثر نامانوس ہوتے ہیں،
اور بادی النظر میں انکے **باطنی ربط** کو نہیں دیکھتے! وہ نہیں دیکھ سکتے کہ ان سب بیانات کی تہ میں ایک ناقابل
الفکاک تعلق ہے، انکے نیچے ایک مشترک اور مضبوط **زمین** ہے، ایک طبعی اور غیر منقطع منطقی تسلسل ہے، پہاڑوں
کی سر بفلک چوٹیاں علیحدہ علیحدہ نظر آرہی ہیں مگر اُن کے دامن اور وادیاں اُنکی بنیادیں اور مشترک قواعد اُسکے
عمیق علم کے محیط میں **غرق** ہیں۔ وہ خود انکو بے گماں طور پر دیکھ رہا ہے، مگر لوگ اپنی کم نظری کے باعث جلد مضطر
ہو جاتے ہیں! **عیسیٰ** علیہ السلام کا پہاڑی پر دیا ہوا **وعظ** آجتک بے ربط نظر آتا ہے، اُسکے اندر فی الجملہ کوئی **منطق**
اور **ترتیب** نظر نہیں آتی، اُسکے سب محاکمے بادی الرّائے میں متفرق اور غیر متعلق دکھائی دیتے ہیں، اُن سے کوئی
مستقل نتیجہ قانون خدا کی ماہیت کے بارے میں مترتّب نہیں ہوتا، تاہم یہ بات ہر عیسائی اور غیر عیسائی کے نزدیک
مسلّم ہے کہ پہاڑی کا وعظ اُس اولوالعزم نبی کا سب سے مشہور، سب سے مکمّل اور سب سے زیادہ **نتیجہ خیز** وعظ تھا!
نہیں بلکہ نصارے کا شنیدہ اعتقاد صدیوں سے اُسکے متعلق یہ رہا ہے کہ عیسائیت کی روحانی تعلیم بہ تمام و کمال اسی
وعظ کے اندر مضمر ہے۔ لوگ آجتک اکثر نہ سمجھ سکے کہ دل کے غریب' یعنیہ کون لوگ ہیں اور آسمان کی بادشاہت' کیا
ہے اور کیونکر اُنکی ہی؟ **حلیم** کون اشخاص ہیں اور زمین کی وراثت' کیونکر اُنکو مل رہی ہے؟ 'پاک دل' ہونے سے کیا مراد ہے؛
اور خدا کا دیدار کیونکر اُنہی کا حصّہ ہے؟ مسیح نے تورات یا پہلے نبیوں کی کتاب کو کیونکر منسوخ ہی نہ کیا، بلکہ مکمّل کیا
حالانکہ عیسائی اور یہودی میں آج کوئی بات مشترک نظر نہیں آتی، 'دہنے گال پر طمانچے' والی تعلیم سے کیا مراد ہے، 'دشمنوں
سے پیار کرنا کیونکر دین فطرت' ہو سکتا ہے، 'کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کر لیگا' کس طرح پر
ایک باعمل اور **وارثِ زمین** بنانیوالے شخص کی تعلیم ہو سکتی ہے! وغیرہ وغیرہ۔ جہانتک ایک سطحی نظر سے تمام وعظ
کو دیکھا جائے اسکے اندر کوئی منطق کوئی متفق علیہ دلیل، کوئی تسلسل، کوئی صُغرے کُبرے ثابت نہیں ہوتا۔ بڑے سے
بڑا نتیجہ جو ایک نتیجہ رس شخص اس سے نکال سکتا ہے یہ ہے کہ یہ ایک 'مذہبی' اور 'انفرادی' تعلیم ہے جو دنیا کو رہبانیت کی
طرف لیجا رہی ہے ایک دنیادار شخص کا اس سے چنداں متمتع ہونا از بس متعذر ہے۔ لیکن ابھی **دو برس** نہیں گذرے کہ

اِسی **طمانچے والی** حلیم بنانیوالی تعلیم کے ایک جزوِ قلیل کو سرزمین ہند کے ایک مقتدر اور باعمل سیاسی رہنما† نے صحیح طور پر لیا، اور اگرچہ اُسکی تمام منطق کو سمجھنے سے وہ فی الجملہ قاصر رہا لیکن اُسپر کماحقہٗ عمل پیدا کرنے کی سعی کی، اور لوگوں کو اُس اٹل روحانیت کی ترغیب اور وراثتِ زمین کا نصب العین پیش کر کے چند مہینوں کے اندر وہ ماحول پیدا کر دیا کہ **انگریزی** حکومت کے اوسان خطا ہو گئے! لیکن **نبیؐ** کی تعلیم کا یہ **لشکر انگیز ربط**، اور اُسکا **صراطِ مستقیم** صرف اُسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جسکی نظر بیحد وسیع ہو، تعصب کی تنگ نظری اسکے ربط کو نہیں دیکھ سکتی!

انبیاءؑ کی تبلیغ یک طرف، دنیا کے اور بڑے معلّموں کا کلام بھی بسا اوقات سطحی نظروں میں بے ربط معلوم دیتا ہے۔ **بیکن** کی اکثر فلسفیانہ تصانیف اور مضامین میں ایک اغلاق ہے جسکے حل کرنیکے لیئے ذہن کو ناگوار تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ مولانا **رومؒ** کی مثنوی کے اشعار میں **معنوی** لگاؤ کا معلوم کر لینا آج بھی آسان بات نہیں، وہ سب کے سب بے نظم موتیوں کی طرح لڑھکتے دکھائی دیتے ہیں اور بہت کم اشخاص مصنف کے صحیح عندیے کی تشریح کر سکتے ہیں! خود کارلائل جسنے عرب پیغمبرؐ کے لائے ہوئے قرآن کو 'پریشان خیالات' کہکر اُسکی تخفیف کرنی چاہی ہے اکثر اوقات اپنی تصنیفات میں اسی عظمت کا مصنوعی رنگ پیدا کرنا چاہتا ہے، اگرچہ وہ آپ کسی بڑے پائے کا معلم نہیں، اور دبی زبان سے معترف بھی ہے کہ اسی پریشان خیالات کے مجموعے نے عرب کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا! **ارسطو** کے اکثر اقوال مغلق ہیں، بلکہ اُسکے مسلسل مضامین بھی کئی کئی بار پڑہنے کے بعد سمجھ میں آتے ہیں، **غالب** کے دو مصرعوں کے درمیان بعض اوقات ربط ٹھیک طور پر قائم نہیں ہوتا، نیوٹنی استدلال کے دو متصل مراحل میں مبتدی کو اکثر اوقات دشواریاں پیش آتی ہیں۔ الغرض جہاں جہاں کسی **مقتدر** تصنیف میں کوئی اغلاق نظر آتا ہے، جہاں الفاظ کی بے انتہا کمی اور مضمون کی بے انتہا کثرت ہے، جہاں منطق پر بلاغت اور **عمق** مطالب نے پردہ ڈال رکھا ہے، جہاں واقعات اور **نتائج** کو اسقدر اہمیت ہے کہ دلیل ایک ثانوی اور تابع شئے بن چکی ہے، جہاں علم کا پیدا کیا ہوا استغنا جہل کے متفقہ عجز و احتجاج کی پروا نہیں کرتا، اور سچائی کے

---

† اِس رہ نما کا نام موہن داس کرم چند گاندہی ہے (المتولد ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء)

زور پر تسہیل و تشریح سے بے نیاز ہو چکا ہے، وہیں **حقیقت** کی پردہ نشین **عروس** جلوہ گر ہے! وہیں سچا اور لازوال **حُسن** مستور ہے! انہی بند بدنما اور مغلق دریچوں کی اوٹ میں **معنی** کی شرمسار معشوقہ حجاب آرا ہے!

اصلی اور بے مثال حُسن کو **نمائش** اور **اعلان** کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی، اسکی آب و تاب در محبوبیت اسی محبوبیت میں ہے، اسمیں دعوت اور تشہیر نفس کا اوچھا پن قطعًا نہیں ہوتا، اسکا مستور رہنا ہی نقاد نظروں کے لیئے بلا کی دعوت ہے! بہترین مہیج ہے! پیام وصال ہے! بوسہ بہ پیغام ہے! نہیں بلکہ بسا اوقات نظر انتقاد کی تاریں بھی حجاب بن بنکر اسکو چھپا لیتی ہیں اور ظاہر ہو جانے کی خفت کو برداشت نہیں کر سکتیں!

قرآن اگر اُس خالق زمین و آسمان کا کلام ہے، اگر وہ اُس مالک **شمس و قمر** کے عرب پیغمبر کے قلب پر نازل کیئے ہوئے الفاظ ہیں، اگر وہ فی الحقیقت اُس معلم اوّل اور اُس ادب آموز ازل کا ساکنان زمین کو آخری درس ہے تو بعلم کی نظروں میں اسکا غیر مربوط ہونا ہی اسکی بڑی سے بڑی **خوبی** ہے۔ وہ اگر مربوط ہو سکتا ہے تو اُن ہنوں کے اندر جنہوں نے اس کائنات عظیم کے چپے چپے کو دیکھ مارا ہے، جنکو اس صحیفہ فطرت کے **رازِ دروں** کا اکثر علم ہو چکا ہے، جنکو علم کی بلند نگاہی اور حقیقت کی وسیع نظری آسمانوں اور ستاروں کے اُفق اعلیٰ پر لے گئی ہے، جو عقلی منطق کے صُغرے و کُبرے سے بے نیاز ہو کر **واقع الامر** کی **قطعیت** تک پہنچنے کے درپے ہیں، جو شرط و جزا، سبب و اثر، اور علت و معلول کے اِس عظیم الشان موسیقی ساز میں ایجاب و قبول کی خفیہ سُروں اور قضا و قدر کی پوشیدہ نواؤں کے محرم ہیں، جنکو اس بظاہر بے ڈیل ڈول، بے مرشد، نا منظم، استبداد سے بھری اور افراط و تفریط سے پُر دنیا کے اندر ایک حیرت انگیز توازن، ایک محیّر العقول عدل و تسویہ، ایک بہتر سے بہتر **تقویم** اور **تنظیم** نظر آرہی ہے! خدائے زمین و آسمان اپنے کلام میں اِس امر کا متحمل ہو نہیں سکتا کہ مبتدیوں کی طرح انسان کو حروف ہجا سکھلائے، پھر حرفوں اور جملوں کو آپس میں جوڑے، پھر جملوں اور فقروں میں ربط دکھلاتا پھرے، اُس کا کمال عاطفت یہی ہے کہ اعلان کر دیا کہ یہ کتاب **مکمل** ہے، **مفصل** ہے، گنجینۂ **علم و حکمت** ہے، انسان سے اسکا **مثیل** پیدا ہونا محال ہے، آسان ہے، مبین ہے، اختلاف سے مبرّا ہے، صاحب علم و فکر قوم

کے لیئے ہی، ہدایت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے، مربوط ہے! یہ امور بجائے خود اسکی حقیقت کو اظہر من الشمس کر رہے
ہیں، اب انسان کا فرض ہے کہ اسمیں یہ خوبیاں دیکھنے کی سعی مالایطاق کرے، علم کی محک پر آزمائے، حکمت کے معیار پر
اُتارے، مربوط المطالب بنانے کی سعی کرے، اوّل سے آخر تک واحد المطلب ثابت کر دے، ورنہ اسکو مستر د کر دے!
بڑی سے بڑی اور ناقابل انکار دلیل اُسکے **مربوط** اور **نتیجہ خیز** ہونے کی یہ ہے کہ دنیا کے ایک انسان نے اُسکو لیا،
تیئیس برس کی زہرہ گداز تکلیف کے بعد اُسکی تعلیم کو لوگوں پر اظہر من الشمس کر کے اُسکے ایک ایک حرف، جملے اور فقرے
کے اندر وہ ناقابل انشقاق ربط، وہ منطقی تسلسل، وہ شرط و جزا کا قطعی اور **عملی** ماحول پیدا کیا کہ ایک دنیا اسکو دیکھکر
انگشت بدنداں رہ گئی! اگر آج علۃ و معلول کا وہ آسمانی پیکر، وہ خدائی برہان کا مجسمہ کُبریٰ، وہ **حُجّۃ اللہ البالغہ**
وہ مشیت ایزدی کا ناقابل بدل مرقع انسان کے **نسیان درس** کے باعث بے دلیل اور بے ربط بن چکا ہے تو اسمیں
آسمانی صحافت کی اِدارت کا کیا گناہ ہے؟

خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اگر عامۃ الناس اور جہلا کی نظروں میں پریشان اور بے ربط رہے ہیں تو خدا
کی بنائی ہوئی **فطرت** ابتدائے آفرینش سے آجتک عوام کی نگاہوں میں اس سے کہیں زیادہ بے ربط رہی ہے، بے علم
آج بھی خدا کی بنائی ہوئی اکثر چیزوں کے درمیان کوئی ربط نہیں دیکھتا، اسکو اکثر مخلوق بے لِم اور بے سبب نظر آرہی ہے
اکثر حشو اور بے سلیقہ ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اکثر کے بدون کام نکل سکتا ہے، اکثر کے نہ ہوتے ہوئے انتظام اور آرام بہتر
ہو سکتا ہے۔ درخت کی شاخوں میں ایک ناخوش آیند بدنظمی ہے، دریا کی پیچ در پیچ راہوں میں تکلیف دہ کجی ہے، جنگل
کے درخت، سمندر کی بے پایاں مخلوق، موسمی حشرات الارض، آسمان پر بکھرے ہوئے تارے اُسکے نزدیک
سب زوائد ہیں، وہ مچھر سے فی الجملہ ناخوش ہے، مکھی کو دخل در معقولات سمجھتا ہے، بلی کا خوب صورت کبوتر کو نگل جانا
اُسکے نزدیک ظلم ہے، مرغ کا مکوڑے کو بے ڈکار ہضم کر لینا گناہ ہے، مادر زاد اندھا اسکو کپکپا دیتا ہے، یتیم کی
زہرہ گداز آہیں، جوان کی ناگہاں موت، چنبل سے گلی ہوئی ٹانگ، نکوکار کی موت آلود گود ڑی، زناکار کے
سر بفلک محلات میں اُسے اوّل سے آخر تک ایک ناہموار تقسیم، ایک بے مطلب فساد، ایک بے سبب تظلم،

ایک ناضروری تشدد، ایک ناقابل انکار استبداد نظر آرہا ہے۔ نظم ونسق، مساوات اور عدل، صلاح وفساد، فطرت اور ایجاد کے مسلمہ اصول کے مطابق بادی النظر میں اُسے اس دنیا کے اندر کوئی سلیقہ کوئی تدبیر کوئی تجویز نظر نہیں آتی۔ وہ اس دنیا کی طرفہ آرائیوں اور بدنمائیوں کو دیکھکر بسا اوقات اسکے اندر کسی مجوّزِ اعلیٰ کے وجود سے بھی انکار کر گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ جو سامنے نظر آرہا ہے حُسنِ اتفاق کا ایک حیران کن اور دلربا منظر یا سُوءِ تدبیر کا ایک مکروہ اور فساد آرا منظر ہے مگر توازن اور ربط اسکے اندر قطعًا نہیں، منطقی دلیل قطعًا نہیں، علۃ و معلول کا اثر نہیں! یہی باعث ہے کہ علم و جہل کے مختلف مرحلوں میں انسان کا خیال خدائے واحد کے وجود سے ہٹ کر متفرّق خداؤں کیطرف بیشتر گیا ہے۔ "جو شئے بذاتِ خود حیران کن تھی بجائے خود خدا بن گئی"، کہیں سورج ایک دیوتا تصوّر ہونے لگا، کہیں کوئی دریا خدا بن گیا، کہیں آگ مظہر اللہ بن گئی، کہیں بر و بحر میں تقسیم ہوگئی، بیماریاں جنّوں اور بھوتوں سے متعلق ہوگئیں، آفتوں اور آسیبوں کے الگ علم بردار مقرر ہوگئے، جہاں معلول کے ہوتے ہوئے علۃ ناپید تھی وہاں علۃ بنالی گئی، جہاں علۃ موجود تھی معلول فرض کر لیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر جہل کی ذہنی طوائف الملوکی نے انسان کو مدتوں تک یہ توفیق نہ دی کہ وہ ان سب ظواہر فطرت کو اپنے دماغ میں مناسب مقام دیکر انکو سب سے پہلے ایک طبعی ترتیب دے، پھر اُن سب کے درمیان ایک علۃ و معلول، ایک شرط و جزا، ایک عدل و توازن قائم کر کے اُن سب کو ایک علۃ العلل کے ماتحت لائے اور کائنات فطرت کے اس ہنگامۂ عظیم کو واحد بالذات ثابت کر دے۔ اب بھی جہاں جہاں جہالت کی حکومت قائم ہے فطرت کی یہ ظاہری بے ربطی خداؤں کو الگ کر رہی ہے اور اگرچہ خدا کا کلام بآہنگ بلند لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا۔ پکار رہا ہے مگر جبتک جاہل کو اس دنیا کے اندر فساد کی صورت نظر آرہی ہے، جبتک علم کی روشنی مشرق اور مغرب کے، شمال اور جنوب کے، آسمان اور زمین کے درمیان، نہیں بلکہ پانی اور آگ کے درمیان، مکھی اور پھول کے درمیان ایک ناطق اتحاد اور فیصلہ کن تعاون نہیں قائم کرتی، جب تک ظلم و عدل کا سفلی اور تنگ تخیل آسمانی وسعت سے ہم آغوش ہوکر ناروا کو یکسر روا، غلط کو یکسر صحیح، اور زمین کو آسمان کا ایک جُز ثابت نہیں کرتا تب تک کائنات فطرت کا مربوط نظر آنا یا اُسکے باعثِ اول کا ایک

ثابت ہو جانا ازبس متعذر ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم کا منکرین سے احتجاج ہے: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ٭ (الانبیا)

آج علم کی تیز مشعل کی شعاعوں میں اسی فطرت کا مربوط ہونا، اسکی اشیا کا آپسمیں معاون ہونا، اُن کے اندر ایک معنوی لگاؤ، اُسکے قانون میں ایک معنوی سلیقے، اسکے علل و اسباب کے اندر ایک معنوی وحدت کا ہونا ایک بیک ثابت ہو رہا ہے۔ روز بروز یہ حقیقت کھل رہی ہے کہ زمین آسمان کی چار دیواری کے اندر کوئی شئے بے مطلب نہیں، کچھ حشو نہیں، کوئی باطل اور عبث نہیں، مکھی اور پھول میں ربط ہے، آگ اور پانی میں ربط ہے، سورج اور شکر میں ربط ہے، صوت اور نور میں ربط ہے! کوئلہ اور باجے کی لے ایک ہیں ٭! بجلی کی سنسناہٹ اور شمع کی روشنی ایک ہیں! نہیں بلکہ بجلی کی کڑک اور چمک ایک شئے ہیں! سب کے اندر لگاوٹ کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا ایک مجوز اور ایک حاکم اعلیٰ ہے، ایک تدبیر اور ایک بست وکشاد ہے! آج پانی اور آگ انجن کے نہانخانے ہیں دوست بنکر دنیا کو حیران کر رہے ہیں، مچھر سا بے حقیقت حیوان انسان کے لیئے خدائی جلاد ثابت ہو رہا ہے، ایچمپیز اور خوردبینی جراثیم توپ و تفنگ سے زیادہ مہیب ثابت ہو چکے ہیں، فطرت کی بظاہر ذرہ مقدار ہستیاں عظیم الشان کام دینے لگی ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا وظیفہ مقرر ہے، ہر ایک کسی نہ کسی سلسلے کی ایک لاینفک کڑی ہے، ہر ایک کسی نہ کسی رخنے کو مٹا رہا ہے، کسی سوراخ کو، کسی فتور کو، کسی نقص کو دور کر رہا ہے! جب سے اس حیرت انگیز کائنات کے اندر یہ روح فرسا عدل و وزن، یہ حقیقت کشا تعاون، یہ زہرہ گداز ربط و اتحاد ثابت ہو رہا ہے اُسی دن سے خدا کی وحدت فی الحقیقت **ثابت** ہونے لگی ہے، اُسی دن سے معترض وم مزن اور لب کشا حالت میں ہے اور منہ کھولے ہوئے ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ٭ (الانبیا)

قرآن حکیم کے ربط کی حالت بعینہ فطرت کے اسی معنوی ربط کی حالت ہے، تنگ اور بے علم نگاہیں اسکو قطعاً نہیں

٭ اس آیت کے مطلب کیلیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۰۔ گویا خدائی دلیل یہ ہے کہ زمین آسمان کا خمیر چونکہ ایک ہی ہے اسلیئے اسکا بنانیوالا بھی **ایک** ہے۔ یہ دلیل ایسی دنداں شکن اور مسکت ہے کہ اس کے بعد متعدد خداؤں کے ماننے والے کیلیئے انکار کی کوئی سبیل نہیں رہتی۔ ٭ آج مغربی علم نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئلے کی حرارت کی محرک اور باجے کی آواز کی علت ایک ہی شئے ہے جسکو علمی اصطلاح میں انرجی کہتے ہیں ٭ یہ آیت اور اس صفحے کے شروع کی آیت دونوں سورۂ انبیا میں پاس پاس واقع ہوئی ہیں۔ اہل نظر پر ان دونوں آیتوں کا ربط اس تشریح سے جو میں کر رہا ہوں واضح ہو گیا ہوگا۔ اوپر کی آیت میں **وحدت کائنات** اور **وحدت حیات** کو **توحید** کا ثبوت کہا ہے، نچلی آیت میں فطرت کا پُر امن، متعاون اور **مربوط** ہونا خدا کے **واحد** ہونے کی دلیل ہے۔ جن کو ان دونوں باتوں کا براہ العین علم ہو چکا ہے وہ آج توحید کو ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں!

دیکھ سکتیں، اسکو دیکھکر کھسیانی اور بیزار ہو جاتی ہیں، جاہل نے اُسکے ٹکڑوں کو الگ الگ کر دیا ہے، کم ہیں اُس کے اکثر الفاظ کو حشو اور زوائد سمجھ رہا ہے، مولوی اسکو علی الحساب رواں پڑھ لیتا ہے، حافظ اسکو الگ بڑبڑا لیتا ہے، کوتاہ نظروں نے اُسکے حصّوں کو لیکر الگ الگ بُت کھڑے کر لیئے ہیں، صوفی اُسکے ایک ٹکڑے میں **توغل عظیم** کر رہا ہے، عاکف اُسکے ایک حصّے کو سیاق سے الگ کر کے لاتقربوا الصّلوٰۃ کا منظر پیدا کر رہا ہے، نواندھوں کی مشہور حکایت کیطرح کوئی اِس ہاتھی کو چھت کا ستون کہہ رہا ہے، کوئی پنکھے سے تشبیہہ دے رہا ہے، کوئی دیوار یقین کر رہا ہے! الغرض ہر قرآن کا بھیجنے والا خدا الگ ہے، ہر سورۃ اور آیت کا خدا الگ ہی، ایک حصہ دوسرے حصّے کے بالمقابل صف آرا ہے، قدم قدم پر اختلاف پیدا ہے، بات بات پر تفرّق ظاہر ہے۔ ایک تجویز، ایک لائحہ عمل، ایک تدبیر، ایک منتہائے عمل، ایک ربط و تسلسل، ایک راہ قرآن کی کسی شرح سے ثابت نہیں ہوتا یہی باعث ہو کہ اس کتاب عظیم کے **نامۂ خدا** ہونیسے آج فیصدی ننانوے مسلمان انکاری ہیں، دل میں **انکار** موجود ہے، ذہن **باغی** ہے، اعضا سُن ہیں، زبانی اقرار لاکھ ہو مگر اُسکے کہے پر ایک قدم چلنا سچ مچ چلنا گوارا نہیں یہ سب کچھ بے علمی کا ایک دردناک منظر ہے، جہالت کا تہلکہ انگیز جمود ہے مگر اسکی اکسیر **علم** کے ماسوا کچھ نہیں قرآن حکیم نے اپنے مِنْ جَانِبِ اللہ ہونے کی مُسکت دلیل بھی اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ہی دی ہے مگر عدم تدبّر اور کمی علم نے اختلاف کثیر اسقدر پیدا کر دیا ہے کہ آج صحیح معنوں میں اُسکے مِنْ جَانِبِ اللہ ہونے پر شک ہی، اُسکے احکام کی قطعیت پر شک ہے، اُنکی نافعیت پر شک ہے، مرد کار پر شک ہے، نفس امر پر شک ہے! وہی **لَفَسَدَتَا** والی دلیل جو قرآن حکیم نے آسمان و زمین کو ایک صنّاع عظیم کی صنعت ثابت کرنے میں دی تھی یہاں بھی اپنا الٹا کام کر رہی ہے۔ جب مطالب میں **فساد** ہے، جب ایک آیت دوسری آیت سے علانیہ بر سر پیکار ہے، جب قرآن کے اندر کہرام مچا ہے، تو قرآن کا بنانے والا کیوں ایک ہو، ہر آیت کا خدا الگ کیوں نہ ہو، فرقہ بندیاں کیوں نہ ہوں، جمود اعضا اور فساد ذہن کیوں نہ ہو، نہیں **باطنی انکار** کیوں نہ ہو! قرآن کو سمجھنے کے لیئے انتہائی تدبّر اور علم کی ضرورت کسی زمانے میں اِسقدر تھی، اسکو تمام و کمال لیکر

اِسکے ہر ٹکڑے پر بحیثیت مجموعی غور و فکر کرنا اِسقدر درکار تھا، ہر ایک حصّے کو سب سے منطبق اور سب کے ساتھ متوافق کر کے ایک لائحہ عمل اور ایک صراط مستقیم مستنبط کرنا اسقدر اہم تھا کہ خود صاحب القرآن نے سرور کائنات صلعم کو تنبیہ کی کہ اُسکے مطالب سمجھنے میں جلد بازی مت کرو، بات کے پورا ہونیسے پہلے اور اُسکے تمام و کمال وحی ہونیسے پیشتر اپنے تخیّل کے گھوڑے مت دوڑاؤ، یہ **خدائے زمین و آسمان** کا کلام ہے! اٹا سٹا بات نہیں **علم کا کمال** ہی تم کو اِسکی انتہائی حکمت پر پونہچائے گا، اسی کو اپنے اندر زیادہ کرو اور اسکی زیادتی کی دعا مانگا کرو؛ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُہٗ ۫ وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا۔ یہی وجہ تھی کہ **تئیس**[۲۳] **برس** میں جستہ جستہ اُتار اور رسول عظیم کے قلب پر ایک ایک آیت اسطرح کالنقش فی الحجر کر دی کہ اُس یقین کا ہیجان صدیوں تک قائم رہا، مسلمان جو کچھ سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، اسکو ایک رات کے اندر سو سو بار پڑھ کر مُردوں کو ثواب پونہچاتے رہیں، اسکو جزدانوں اور غلافوں میں لپیٹ کر مکرّر چومتے چاٹتے رہیں، بالائے طاق رکھیں یا آنکھوں پر لگائیں اور کام کے وقت اسکے لیئے وہیں قدم نہ چلیں مگر یہ وہ کلام ہے جسکو اس زمین پر بھیجنے سے پیشتر خدا بھی (معاذ اللہ) **تئیس**[۲۳] **برس** تک سوچتا رہا، جسکے سمجھنے کیلیئے اُسکا رسول تئیس[۲۳] برس تک رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا کی دعا مانگتا رہا، جس علم کے وارث قرون اُولٰے میں وہ **عُلما** بنے جن کا علم بنی اسرائیل کے **انبیاء** کے علم کے برابر تھا، جو **فطرت** کی طرح خوبصورت ہے **بیکران** ہے **مُنتظم** ہے **بیمثال** ہے قطعی اور آخری ہے، اور جو آج جُہلا کے مُنہ چڑھکر وہ پیش پا افتادہ بات بن گئی ہے کہ زمین و آسمان اِس ناقدرشناسی کو دیکھکر لرز رہے ہیں؛ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ﴿الفرقان۲۵﴾

کسی قانون کے شایانِ شان یہی ہے کہ واحد المعانی ہو، متوافق المطالب ہو، اُسکی کسی ایک دفعہ سے ایک اور صرف ایک مطلب نکل سکتا ہو، اُسمیں تاویل اور مکر کی گنجایش قطعًا نہ ہو، اسکو جس صورت اور نظر سے دیکھا جائے اُسی ایک پہلو پر ٹھیک بیٹھ سکے ورنہ وہ قانون قانون نہیں مجسمہ فساد ہے، محشرستان خلاف ہے، کشت زار نزاع ہے، قانون میں تاویل کا ممکن ہونا اتحاد عمل کو توڑ دیتا ہے، لوگ اپنی اپنی پسند کے پروانوں کو لیکر مست ہوجاتے ہیں،

بلبی" نانکر سو رہتے ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف عَلم نصب کر لیتے ہیں، پھر بعینہ وہ مطلب جو اجرائے قانون سے پیشِ نظر ہوتا ہے یکسر خبط ہو جاتا ہے، اور وہ بیکر بگڑ کر یا کسی معنوں میں قانون نہیں رہتا! رعیت کے کسی فریق نے آجتک **حکومت وقت** کے بنائے ہوئے قانون کی **تاویل** نہیں کی، کوئی انجمن اِس غرض سے منعقد نہیں ہوئی کہ اپنے ملک کی کتاب تعزیرات یا اُسکے نظام نامے کی کسی دفعہ کو لیکر اُسکے آسان اور حسبِ پسند معانی تجویز کرے اور اسطرح پر **بادشاہ وقت** کو اپنا ہم آہنگ کر سکے۔ ایسے ستم ظریف گروہ کی مثال سادہ لوح کبوتر کی سی ہے جو بلّی کو آتے ہوئے دیکھکر آنکھیں میچ لیتا ہے اور چند لمحے آرام کے گذار کر موت کے مُنہ میں جا پڑتا ہے! ہر منظّم اور مقتدر حکومت کا قانون اصلاً ایک ناقابل تاویل شئے ہے، اُسکا صحیح اور واحد عندیہ خود اُسی کے الفاظ کے اندر ہے، اُسکی مغلق اور شرح طلب اصطلاحوں کی تشریح وہیں موجود ہے، کسی شخص کے ذاتی قیاس یا رائے کو اسکی تبیین میں قطعًا کچھ دخل نہیں! گناہ کی نوعیت ہے تو وہیں ہے، فردِ جرم ہے تو وہیں ہے، سزا ہے تو وہیں لکھی ہے۔ مجرم اِس سزا سے گریز کرنے یا اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی ایک لاکھ سبیلیں پیدا کرے لیکن حاکم وقت کے فیصلے پر اُسکی تاویلوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا، کوئی وکیل یا پیروکار اِس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ مجرم کو بچانے کے لیے نفسِ قانون کے **معانی** بدل دے یا اُسکا مقصود اور پیشِ نظر اپنے منشا کے مطابق تسلیم کرالے اگر شہادت اور حالات سے ثابت ہے کہ جُرم ہو چکا ہے تو سزا **اٹل** ہے، اسکو آئی ہوئی نہ سمجھنا یا اُسکے بارے میں عبث امیدیں اور لاطائل تکرار کرنا **جہالت** ہے۔ پس قانونِ خدا کی تبیین و تشریح میں نہ کوئی **اجماعِ اُمّت** مفید ہو سکتا ہے، نہ ذاتی قیاس و رائے، نہ تاویل سے کام چل سکتا ہے۔ نہ علمائے قانون کے انفرادی یا متفقہ فتاوے مفید ہیں۔ وہ بذاتِ خود اسقدر محکم اسقدر اٹل، اسقدر ناقابل بدل اور ناممکن التحریف شئے ہونی چاہیئے کہ فاطرِ زمین و آسمان بھی اسکو بدلنا نہ چاہے۔ وہ اُسکی مشیت کے عین مطابق اسقدر ہو کہ اسمیں تبدیلی محال ہو، اس قدر سوچ بچار کے بعد نافذ کیا گیا ہو کہ اُسپر نظرِ ثانی یا تنسیخ کی ضرورت نہ پیدا ہو، اسقدر مقرر اور متعین شئے ہو کہ اُسمیں گھٹاؤ اور بڑھاؤ کی گنجایش باقی نہ رہی ہو، اسقدر متطابق اور متوافق ہو کہ سب کا سب ایک ہی مقصد اور منتہا کی طرف

جارہا ہو، سب نسلِ انسانی کیلئے ایک ہو، سب کا سب **ایک** صراطِ مستقیم کیطرف اشارہ کرتا ہو۔ اگر قانون خدا فی الحقیقت قانونِ خدا ہے تو اسمیں اُن خاصیات کا ہونا لازمی امر ہے لیکن اگر وہ تاویل کے تابع ہے، کھینچ تان قبول کر سکتا ہے، حسبِ مطلب اور حسبِ پسند قانون بن سکتا ہے، کئی ایک صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کر رہا ہے، اس سے کئی مقاصد مستنبط ہو سکتے ہیں، کئی طریقِ عمل وضع ہو سکتے ہیں، اور کئی فرقے بن سکتے ہیں تو اس تبدیل شدہ صورت کو **قانونِ خدا** کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ سچائی اصلاً **ایک** شئے ہے، اسکا مطمحِ نظر اصلاً **اتحاد** ہے، وہ لوگوں کو ایک **مشترک** اساس اور ایک سطحِ عمل پر جمع کرنیکے لئے آتی ہے اور یہی سچا اور دائمی **اجماع** ہے۔ اور اگر کسی قوم کی طرف کسی پیغامبر کا لایا ہوا قانون سچ ہے تو **فرقہ بندی** اسکا منتہائے کار ہونا محال ہے۔

یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اپنی آیات کے اندر ایک اصولی تمیز **محکمات** اور **متشابہات** کے الفاظ کہکر قائم کر دی ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کہکر اُسنے گویا یہ کہہ دیا ہے کہ اسکے ہر کلمے کا واحد، ناقابلِ تاویل اور اٹل مطلب ہے، لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہکر اُسنے اعلان کر دیا ہے کہ جبتک زمین و آسمان موجود ہے یہ قانون قائم اور دائم، جاری اور ساری رہے گا۔ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ کہکر اُسنے یہ طے کر دیا ہے کہ اس کتاب کو مفصّل، آسان اور مکمل ثابت کر دینا **علم** اور صرف علم کا کام ہے! جوں جوں اعمالِ خدا کا علم اور کائنات فطرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا، جوں جوں کوئی صاحبِ علم قوم اسکے حقائقِ عالیہ پر غور کرے گی، اسکی تعلیم بیّن† اور مشرح ہوتی جائے گی لیکن بایں ہمہ اسکے اندر ارتقائے علم کے مختلف منازل میں بعض آیات **متشابہ المعانی** رہیں گی، اُن سے بادی النظر میں مختلف مطالب نکل سکینگے اور جب تک انسان کا علم ایک خاص سطحِ بلند تک نہ پہنچے گا انکے صحیح مطالب اور صاحب القرآن تعالیٰ کے اُن کے متعلق صحیح عندیے کی **تصدیق** نہ ہو سکے گی۔ کج بیں اور نفاق پسند لوگ اُن کے بارے میں ٹکلیں دوڑا دوڑا کر لوگوں کو آمادۂ خلاف کرتے رہینگے لیکن **علم اعمالِ خدا** میں **راسخ** لوگ ان کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر

† چنانچہ ایک دوسری جگہ ہے: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ٥ (العنکبوت ۲۹)

کرنیسے اُسوقت تک اعراض کرینگے جب تک کہ انکو صحیح اور یقینی علم حاصل نہ ہوجائے۔ بااین ہمہ اُن کے سچ اور واحد المعانی ہونے پر سچا اور غیر متزلزل یقین رکھنا ہر حامل قرآن کا فرض ہے۔ اس یقین کے بعد ان کے صحیح مقاصد کی تلاش میں لگے رہنا عین ایمان ہے، انکو سمجھنے اور انکی وساطت سے نئے راہ عمل دریافت کرنے کی خاطر اپنے علم کو وسیع کرتے رہنا شرطِ اسلام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک معتدبہ حصہ اس قانون کا بالکل عیاں ہے اسمیں کسی تشریح، کسی تاویل، کسی التوا، کسی مکروفریب کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ محکمات ہیں، اور یہی اصل قانون ہے، اسکے ماسوا جو ہے فرع ہے مگر اہم اور ضروری ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَيْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (آل عمران)

✝ "اے پیغمبر! خداوہ صاحب فضل وکرم خدا ہے جس نے تمہیں یہ قانون دیا۔ اسمیں بعض آیات اپنے مطالب میں محکم ہیں (مُّحْكَمٰتٌ) اور یہی قانون خدا کی اصل و اساس ہیں (اُمُّ الْكِتٰبِ)، بعض بادی النظر میں متشابہ المطالب ہیں (اگرچہ خدا کا عندیہ انکے بارے میں بھی واحد ہے)، توجن لوگوں کے دلوں میں (کمی علم کے باعث) کجی اور کم بینی ہے تو فسادرائے یا اختلاف کھڑا کرنے کی غرض سے (ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ) یا کم از کم اصل مقصود کی تلاش میں (ابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ) ان مبہم آیتوں کے پیچھے (اپنے علم میں ترقی کیے بغیر) لگے رہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سوا انکے اصلی مقصود اور اولین مقصد (تَاْوِيْلَهٗ) کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ البتہ جو لوگ علم میں بڑی پائیگاہ رکھتے ہیں (وہ جب ان آیات کے صحیح مقاصد تک نہیں پہنچ سکتے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ان کے سچ ہونے پر پورا یقین ہے، اگرچہ صحیح مطالب معلوم نہیں، یہ سب ہمارے خدا کی طرف سے ہیں (جسکا علم تمام عالم پر حاوی ہے) اور قرآن حکیم سے وہی شخص مستقل نتائج اخذ کرسکتے ہیں (يَذَّكَّرُ) جو ارباب علم و دانش ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خاموش سعی و تلاش کے ہر مرحلے میں بزبان حال پکارتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! تو راہ دکھلائے پیچھے ہمارے دلوں کو قرآن کے متعلق کج بینی کیطرف مائل نہ کر، اور اپنی سرکار سے ہمکو سچا علم عطا فرما کہ یہی تیری بڑی رحمت ہے، بے شک تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تو روز قیامت کو جس کے واقع ہونے میں کوئی بھی شک نہیں سب لوگوں کو اکٹھا کرکے اُن سے انکے اختلاف کے متعلق بازپرس کرنے والا ہے، سو ہم کو یہی توفیق دے کہ تیری آیات بینات کے متعلق کوئی اختلاف پیدا کرنے کا باعث نہ ہوں اور متحدالعمل بنے رہیں)، اس میں شک نہیں کہ تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا (اور یہ پرسش ضرور کرکے رہیگا)"

متذکرہ صدر ترجمے میں آیات الٰہی تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۲:۲۶) اور تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱:۲۷) اور تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱:۱۵) اور وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۲:۴۳) کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن میں قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے، آیات بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۹:۴۹) اور كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ (۲۲:۱۶) سے واضح ہو کہ قرآن صاحب علم لوگوں کے سینوں میں بین ہے، اور اسکی آیات آیات بینات ہیں۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۳:۴۱) سے ظاہر ہے کہ قرآن صاحب علم قوم کیلیے ہی اور مفصل ہے، آیات هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۲۰:۴۵) اور اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۸۲:۴) و وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۴۴:۱۶) میں بصیرت، تدبر اور تفکر فی القرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیت كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۲۹) میں کہا گیا ہے کہ قرآن تدبر کے لیے ہے اور اولوا الالباب ہی اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان سب آیات الٰہی کو مدنظر رکھکر متذکرۂ صدر مطالب کی صحت عیاں ہے +

قرآن حکیم کا اپنے بارے میں یہ حیرت انگیز اعلان فی الحقیقت اس امر کی بالواسطہ دلیل ہے کہ وہ سب کا سب واحد المعانی ہے، فاطر زمین و آسمان کا عندیہ اسکے ایک ایک حرف اور ایک جملے کے متعلق ایک ہی ہے، لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ہے، یہ فی الحقیقت انسانی علم کی کمی ہے جو اسکے مطالب کو مشکوک یا متعدّد کر رہی ہے، ایک سلامت رو اُمّت سے اسکے مطالب کی صحیح حفاظت اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ کسی ایک زمانے کی متشابہ آیات کو اپنے دائرہ بحث سے یکسر خارج کر دے لیکن اعمال خدا اور صحیفۂ کائنات کے علم کو حتی الامکان وسیع کرتی رہے، پھر اگر علم کی وسعت کے باعث نور کے در اسقدر کھل گئے ہیں کہ وہ حقیقت جو الفاظ کے اندر چھپی بیٹھی تھی خود بخود عیاں ہو رہی ہے تو اِسی علم و صداقت کے زور پر اُسکو الم نشرح کرے اور پھر معًا اُسکو محکمات میں داخل کر کے اُسپر عمل پیرا ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی زمانے کے حکماء کا ناقص علمِ فطرت سورج کے عظیم الشان کُرے کو فضائے اثیری میں ساکن متصوّر کر رہا ہے درآنحالیکہ قرآن حکیم کا اٹل محاکمہ اِس امر کے متعلق وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یٰس) موجود ہے تو یہ آیت بلاشُبہ اُس زمانے کی متشابہات میں سے ہے، اُسکے متعلق کسی قسم کی تاویل کرنا حتمًا ناجائز ہے، علمائے فطرت کے تتبع میں یا اُنکے دعاوی کو صحیح مان کر ردّ و بدل کرنا یا تحریف پیدا کرنا منافی **دیانت** ہے، اسلامی اُمّت کا فرض صرف اسقدر ہے کہ اِس آیت کے صحیح مطالب کی تشریح سے یکسر اعراض کرے اور سورج کی کسی مستقر کیطرف حرکت کے بارے میں پیہم **مشاہدے** کرے، اُسکے متعلق ناقابل انکار **معلومات** فراہم ہوں، اس منتہیٰ کی طرف قرنوں اور صدیوں تک لگی رہے، شبانہ روز تجربے اور معائنے ہوا کریں، اُمت کے مختلف اور **اہل** گروہ اِس حقیقت کو سچ کرنیکے درپے ہو جائیں، یا اگر اس تفحّص کے ضمن میں اِس آیت کے کوئی اور مطالب منکشف ہوں تو اپنی توجّہ اُدھر منعطف کر دیں، مگر جبتک سورج کی کسی مستقر کی طرف فضائی حرکت کے متعلق وہی انکشاف نہ کر لیں جسکو بالآخر مغرب کے ایک حکیم **ہرشل**† نے تمام عمر کے مسلسل مشاہدے کے بعد کیا، اُمت کے سر سے اِس آیت کے بارے میں گراں فرض نہیں ٹل سکتا، اور نہ وہ آیت اُسوقت تک **محکمات** میں داخل ہو سکتی ہے۔ اِس مقام نظر سے

† زمین کی حرکت، سورج کے اضافی سکون، اور مؤخر الذکر کی فضائی حرکت کے متعلق ایک تاریخی بحث اصل کتاب صفحہ ۲۱-۲۳ تحت المتن میں آگے چلکر آ رہی ہے۔ وہاں پر اجرام سماوی اور بالخصوص زمین کی حرکت کے متعلق قرآنی شہادت بھی درج کر دی ہے۔ یہ شہادت اِس قدر قطعی اور ناطق ہے کہ اس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔

متشابہات کا کتاب الٰہی کے اندر موجود ہونا انسان کے لئے تحقیق و تلاش کی ایک پیہم راہ عمل ہے، انکی وجہ سے افرادِ اُمّت کا ازہمہ گر مختلف یا فرقہ بند بنجانا ہرگز مقصود نہیں۔ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (الجاثیہ ۴) کا الٰہی محاکمہ قرآن پر عمل کرنے والے صاحب ایمان لوگوں کو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں روز بروز نئی راہ عمل دکھاتا رہے گا، وہ الٰہی اصطلاح میں صاحب ایمان بننے کی لازوال ترغیب پر آیات خدا کی تلاش میں کائنات فطرت کا ہر گوشہ دیکھتے رہیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس آیہ جلیلہ کی کامل تفسیر اور صاحب القرآن کا اُسکے بارے میں محل عندیہ روز قیامت تک معلوم نہ ہو سکے، اور صحیح معنوں میں یہ آیت ابدالآباد تک مُتشابہات ہی میں داخل رہے۔ مگر اعمال خدا کی تلاش کو جزو ایمان قرار دیکر سعی و عمل کا ہیجان عظیم پیدا کر دینا ہی اس آیہ جلیلہ کا واحد منتہائے نظر ہے، یہی اسکا واحد اور ناقابل بدل مطلب ہے، مقصود وہی ایک ہے، یہ نہیں کہ سوال پیدا کر دیا جائے کہ آسمان و زمین میں آیات خدا کس نوعیت کی ہیں، اور خدا کی مراد بعینہ اُنکی کونسی شق سے ہے؟ اور پھر ان سوالات کو بنائے نزاع قرار دیکر دو یا دس فرقے بنجائیں جو ایک دوسرے کی رائے کو منطقی اور کاغذی اجتہاد سے رد کرتے پھریں، لیکن اس آیہ کریمہ کے اصل مقصود کی طرف ایک قدم جنبش تک نہ ہو!

متلاشیان فطرت کا دستور بھی اکثر اسی انداز پر رہا ہے، علم حقائق الاشیا کے ماہر سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت پر ایک نظریہ مرتب کرتے ہیں، اُسکو اساس قرار دیکر مشاہدات طبیعت کی توجیہیں اخذ کرتے ہیں، توجیہات کی مجموعی شہادت کو اُس نظریے کی صحت کا مزید ثبوت یقین کرتے ہیں، سب کے سب اُس پر متفق علیہ ہو کر اسکو علم کے معیار پر آزماتے ہیں، پھر جوں جوں وہ نظریہ عمل کے صحیح معیار پر پورا اُترتا ہے، جوں جوں اُسکے ذریعے سے نئی مشکلات یا مظاہر کا حل ہوتا ہے وہ بذاتِ خود واقع الامر اور حقیقت بنتا جاتا ہے، ورنہ سب کے سب اسکو ترک کر کے کسی دوسری غالب حقیقت کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور اُس پر نئی تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔ علم کی حیرت انگیز ترقی اور حقائق الاشیاء کا محیّر العقول انکشاف دنیا میں اسی باہمی تحمل اور تسامح

اسی شگفتہ ردو قبول سے ہوا ہے۔ نہیں، بلکہ ایک وقت معین تک کسی غلط نظریے پر بالاتفاق قائم رہنے کا نتیجہ بھی اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اس شگفتہ طرز عمل کے باعث نئے راہ عمل کھل گئے ہیں، غلط راہوں پر ٹھوکریں لگنے سے صحیح راہیں ایسی کشادہ اور حقیقت نما مل گئی ہیں جنکا اس سے پہلے سان گمان تک نہ تھا۔ الغرض علم حقائق الاشیاء کی ترقی میں حکما کا باہمی اتفاق عمل اور ان کا سلامتِ وہونا ہی نمایاں طور پر معاون رہا ہے، انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اکثر کوئی فرقہ بندی نہیں کی، جہاں جہاں اختلاف رونما ہوا ہے، جزوی اور عارضی طور پر ہوا ہے، کم سے کم مدت اور بحث مباحثے کے بعد حکمائے فطرت خود بخود ایک مشترک حقیقت پر متفق ہو گئے ہیں۔ علم نے ان کے وقتی اور مقامی اختلافات کو جلد سے جلد مٹا دیا ہے، اور وہ پھر باہم گرم مصافحہ کر کے طبیعت کے اس بحر بیکراں کی تلاش میں مصروف ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت ان کا منتہائے نظر ہے۔ قرآن حکیم کے حقائق عالیہ کے ساتھ بھی علمائے دین کا بعینہٖ یہی سلوک ہونا چاہیے تھا! صنّاعِ کون و مکان کے بھیجے ہوئے الفاظ بھی اُسی پیمانے پر مغلق اور فراخور اعتنا وانہماک، حیرت انگیز اور تحقیق طلب، جامع النّاس اور بیکراں ہونے چاہیئے تھے، جسقدر کہ اسکی بنائی ہوئی فطرت ان آنکھوں کے سامنے نظر آرہی ہے اُن کے اندر بھی وہی ناپیدا کنار تبحّر، وہی حقیقت کشا اُفق، وہی بے نیازی کی شان اور استغنا کا سکوت، وہی منفعت بخش ہونے کا اغلاق واشتباہ، اور عزیز القدر ہونے کا عسر حصول ہونا ضروری تھا جو ہر اصلی اور اصولی تحریر کا جزو لاینفک ہے مگر افسوس کہ اسلامی علماء اور متکلمین نے اتّحادِ عمل کو قطعاً نظر انداز کر دیا، وہ جو کچھ اُنکے محدود، وقتی اور مقامی علم سے بن پڑا اس نادر الوجود کتاب کی تشریحیں کر گئے، اعتقادی طور پر اپنی اپنی شرح قطعی اور آخری قرار دیکر لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیا اور باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے فرقہ بند بنکر کلام خدا کی حقیقت کو نظروں سے نہاں کر دیا؛ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آل عمران ۲) - وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (بقرہ ۲۰) وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (شوریٰ) وَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ

يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۲۴)۔ اُنھوں نے آجتک کلام خدا کی تفسیر کے کوئی مشترک علمی اصول مقرر نہیں کیئے، کوئی مشترک اساس بحث و تنقید کی پیدا نہیں کی، کلام خدا کے عظیم الشان اعجوبہ گاہ کے اندر کوئی صحیح اور مرتقی افقِ نظر قائم نہیں کیا، کوئی ربط اور تسلسل کوئی حتمی دلیل اور حجت واضح نہیں کی یہی باعث ہے کہ قرآن کا صحیح علم اور اُسکی عظیم الشان حکمت آج نظروں سے اکثر نہاں ہو چکی ہے، اُسکا پڑھایا ہوا سب اگلا درس بھی بھولا جا چکا ہے، وہ آپ سب کا سب ایک ناقابل التفات اور بے معنی شئے بن گیا ہے، لوگ آج اِس کے الفاظ کو دیکھکر کچھ متعجب نہیں ہوتے، اُسکے احکام کو سُنکر اپنے میں کچھ تحرک نہیں پاتے، اُسکی حکمت کو پاکر کچھ تڑپ نہیں اُٹھتے، وہ مستور حقیقت جسکی مستوریت اور دلربائی بجائے خود ایک عالم کو محو تلاش اور نعل در آتش کرنیکے لیئے ابدالآباد تک کافی تھی، آج بے حس اور بے اثر بن چکی ہے، وہ آیاتِ خدا جنکے مطالب کی جستجو اِس کارگاہ جہان کے سازِ امن و راحت پر بجائے خود ایک پیہم مضرابِ عمل تھی، آج انسان کی ضد اور جہالت، ناقیمت شناسی اور ناقدروانی کے باعث جمود و عصیان، فرقہ بندی اور ضعف کے محور بن چکی ہیں۔ غلط اعتقاد اور نارَوا تاویل کا زنگار اُنپر جم کر اُمت کی ہی ہی طاقت کو کھا رہا ہے۔ علمائے دین اور شارحین اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا کر گئے ہیں، ہر شخص اپنے اپنے پروانے کو لیئے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا ہے اور موت کے انتظار میں چراغ سحری کیطرح ٹمٹما کر اپنی زندگی کا سطحی ثبوت دے رہا ہے: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (بقرہ)

کسی قانون کے شارح کا فرض میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ اُسکی سب دفعات کو بحیثیت مجموعی ایک مقصد اور ایک منتہائے اعلیٰ کیطرف جاتا ہوا ثابت کرے، نظام حکومت کو پیش نظر رکھکر دفعات کے صحیح مقاصد کی تبیین کرے، دفعات کے مطالب کی تعیین کرکے نظام حکومت کو واضح کرنے کی سعی کرے، ہر امر و نہی کا منتہائے جدید رعیت کا امن حاصل کرنا ثابت کر دے، انکار کے نتائج واضح ہوں، تعمیل کا انعام ظاہر ہو، حکومت کی طاقت کا نقشہ روز روشن کی طرح سامنے ہو، جزا و سزا کا واقع ہونا آنکھوں کے سامنے صاف دکھائی دے، نہیں، بلکہ اوامر و نواہی کی اساسی حکمت عملی کی تہ میں ایک لازوال قسط و عدل، ایک یقین انگیز منطق، ایک بُرہان قاطع اور

حجّتہ بالغہ، ایک مہیّج اعضا علم کا موجود ہونا ثابت کردے، جو اُس قانون پر عمل کرنے والوں میں ایک عالم گیر انگیخت اور اضطراب عمل چار و ناچار پیدا کردے۔ وہ اُس مدلّل اور قائم، اُس طاقتور اور عادل حکومت کے اندر شرط و جزا، علّۃ و معلول اور سبب و اثر کا آپس میں ایک لاینفک تعلق دیکھیں، اور اس شرط و علّۃ کو طوعاً و کرہاً اپنا شعار عمل بنالیں۔ میرا یقین ہے کہ انبیائے کرام نے قانون الٰہی کو اپنی امتوں پر بعینہ اسی طرح پر واضح کیا، اسی لیئے انکا بے مثال عمل تھا، اور یہی ایمان کی پہلی اور آخری منزل ہے! جو تفسیر کلام خدا کو اس طرح پر عیاں نہیں کرسکتی وہ ایک بے روح جسد ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے، اور جو ایمان اس عین الیقین کے مرتبے تک نہیں پوہنچا وہ ایک بے روح پیکر ہے جسکا اس دنیا کے اندر بیکار ہونا ظاہر ہے۔ انسان کے کالبد کی چھوٹی سی ادارت کے اندر اُسپر بڑا حکومت کرنے والا عضو ذہن ہے، باقی اعضا کے تمام اعمال و محسوسات کی پہلی اطلاع اسی کو پوہنچتی ہے، یہی عضو امیر اُنکی چھان بین کرتا ہے، اُنکو صحیح یا غلط قرار دیتا ہے، اسکو حوصلوں یا نامردیوں کی کمک بھیجتا ہے، اور یہی وہ اٰمرِ عظیم ہے جسکے حکم پر سب اعضا ہلتے اور کام کرتے ہیں۔ جبتک ذہن کسی شئے کو تسلیم نہ کرے، اعضا کا اُس شئے کے بارے میں حرکت کرنا، اسکو مجال عمل بنا لینا ازبس متعذّر ہے۔ پس قانون خدا کی کوئی تشریح جبتک ذہن کو اپنا مؤیّد اور قلب سلیم کو اپنا حمایتی نہ بنالے کسی شخص کے اندر سعی و عمل کا ہیجان یا ایمان کا عالم انگیز نور پیدا نہیں کرسکتی۔ یہی باعث ہے کہ ظہور اسلام سے لیکر آجتک کلام خدا کی تبیین و تشریح کے متعلّق مسلسل سعی کے باوجود اُسکی کوئی تفسیر حتماً اُس ایمان، اُس لشکر انگیز یقین، اُس زہرہ گداز عمل کا کروڑواں حصّہ نہ پیدا کرسکی جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تئیس برس کی بالمشافہ تشریح کے بعد پیدا کیا تھا، اور جس کا پھر پیدا ہوجانا عملی نقطۂ نظر سے آج محالات سے شمار ہورہا ہے۔ نہیں بلکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قرآن کے ہزار در ہزار شارحین میں سے ایک متنفّس بھی اپنے قارئین میں سے کسی ایک کے ذہن کو اِس طرح پر نہ منا سکا کہ وہ عضو رئیس علی الاطلاق باقی سب اعضا کو وقفِ عمل کم از کم ایک عمر کے لیئے کردیتا۔ ہر منتہی کا آخری سوال اُسکے مالہٗ و ماعلیہ کو پڑھ لینے کے بعد بھی مشہور قصّے کی طرح یہی رہا کہ زلیخا مرد تھی یا عورت۔ قرآن کی تعلیم کا ماحصل کیا ہے، انہیں کیا

لکھا ہے، اسمیں اللہ صاحب نے چند الفاظ میں کیا حکم دیا ہے، اسمیں وہ شئے کہاں ہے جس نے عرب کی تمام قوم کو چند برسوں کے اندر اندر سر بکف اور پا برکاب کر دیا تھا، وہ **بات** کدھر ہے جس نے چھوٹوں اور بڑوں کے، جاہل اور عاقل کے، مدعی اور مطیع کے، غریب اور امیر کے دل میں وہ سکوں سوز آگ لگا دی تھی جو قرنوں تک بجھائے نہ بجھی؛ جس نے سیکڑوں برس تک ایک پوری اُمت کے اعمال وافعال، عادات و اخلاق میں، معاملات و تعلقات میں وہ مدِ عظیم پیدا کر دیا تھا کہ آج اُس تموّج کو پھر دیکھنے کے لیئے آنکھیں ترس رہی ہیں! آج اگر کوئی طالب حقیقت اپنی بجھی ہوئی آگ کو سلگانے کی نیت سے کسی بڑی سے بڑی تفسیر کیطرف رجوع کرتا ہے تو پہلا ورق کھولتے ہی انہیں انسانی باطل آرائی اور غلط گوئی، داستان سرائی اور حقیقت پوشی، آسمان سوالی اور ریسماں جوابی کی وہ حیا سوز بدعنوانیاں دیکھتا ہے کہ اُس قصّاب خانہ فہم وعقل کو دیکھکر روح کانپ اٹھتی ہے۔ کہیں اُسکے اندر صرف ونحو کے مستقل مقالے ہیں، کہیں اعراب کے رفع ونصب پر لمبی چوڑی بحثیں ہیں، کہیں اسالیب فصاحت پر جرح وقدح ہے، کہیں ظنّ وقیاس کے ظلمت انگیز مناظرے ہیں، کہیں حدّثنا اور قال قال کا بے سُرا راگ ہے، کہیں فرضی اور بے سُدے قصوں کا طومار ہے، کہیں بے ربطیاں میلوں تک ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں! ہر آیت سیاق سے الگ، سباق سے علیحدہ، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے، باہر سے بے مطلب اور بے نتیجہ بن گئی ہے! جہاں ربط روز روشن کیطرح عیاں ہے وہاں طفلانہ نمایش ہے، جہاں بے ربطی کی خلیج عظیم اور تدبر اور علم کی ضرورت ہے وہاں آئیں بائیں شائیں ہے! نہ اصول مطلب سے بحث ہے، نہ نتائج پر نظر ہے، نہ علم کی تلاش ہے، نہ حکمت کی جستجو ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شارح کو خدائی دلیل کی آسمان تک پونہچانے والی **شاہ راہ** کے ہوتے ہوئے **اطراف راہ** کی اپنی پیدا کی ہوئی اُلجھنوں اور خارکشیوں کے باعث راہ نہیں ملتی، اسکو گس کی مانند درختوں کی کثرت کے باعث جنگل نظر نہیں آتا، وہ خاردار جھاڑیوں میں خود گھستا ہے اور قدم قدم پر دامن کو کانٹوں سے چھڑاتے چھڑاتے اپنا پچھلا طے کیا ہوا رستہ بھی بھول جاتا ہے، بالآخر جب مُڑکر دیکھنے سے ہاتھ پلے کچھ نہیں پڑتا تو بیار ونا چار منہ اٹھائے ہوئے جدھر بن پڑتا ہے اپنے آپ کو دھکیلتا جاتا ہے۔ کسی مفسر قرآن کی اکثر نظر آجتک اِس بات پر نہیں رہی کہ تفسیر کے

ناظر کا بڑا مدعا الٰہی پیغام کی ماہیت کو سمجھنا ہے، یہی اُسکے اِس ضخیم کتاب کو کھول کر پڑھنے کا واحد مطلب ہے۔ اِس غرض و مقصد کیلئے اُسنے ایک مجمل اور مغلق کتاب کو چھوڑ کر اپنے زعم میں ایک سہل اور مفصل کتاب کی طرف رجوع کیا ہے اور بعینہ اسی بنا پر، مفسر کے کلام خدا کے بارے میں حسن اعتقاد کی تمام طومار نویسیوں اور حاشیہ آرائیوں کے باوجود ناظر کا مدعا وہی ہے کہ قرآن کا **نفس پیغام** کیا ہے، چند الفاظ میں اُسکے اندر کیا لکھا ہے، چند جملوں میں وہ کیا اصول ہیں جن پر عمل چاہیئے، اُنکی الٰہی حکمت کیا ہے، اُنکی دستوری سند کیا ہے، وہ کیوں ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے کیوں هُدًى وَّ ذِكْرًى ہے۔ بعینہ یہی باتیں ہیں جو ہر تفسیر اور ترجمے میں کالعدم ہیں، اسی مدعا کو دل میں ٹھان کر لوگ تفسیریں پڑھتے ہیں اور مایوس ہو ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کوئی مستقل اصول، کوئی مختصر گر، کوئی کارگر بات موجودہ تفاسیر سے اُن کے ہاتھ پلے نہیں پڑتی۔ الغرض تفسیر یا ترجمہ قرآن کا مطالعہ متلاشی **علم** کے لیئے مدت مدید سے وہ بے نتیجہ اور ناموافق شئے رہا ہے کہ ایمان کے شعلے کو آسمان سا کرنے کی بجائے معتقد کی اُس خفیف سی سُلگتی ہوئی چنگاری کو بھی بجھا دیتا ہے جو ہر مسلمان کے دل میں رسماً یا خلقاً موجود ہے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک ہوشمند اور سلیم الذہن شخص ان تشریحوں اور ترجموں کو دیکھکر دین اسلام سے یکسر متنفر ہو گیا ہے اور وہ رہی سہی عصبیت جو اُسکے دل میں مسلمان ہونے کے باعث موجزن تھی ہمیشہ کے لیئے ساکن ہوتے ہوتے کالعدم ہو گئی ہے!

ایک مغربی نقاد نے حسن اعتقاد کی ان ہلاکت انگیز باطل آرائیوں کی ایک دلچسپ اور معنی خیز مثال انگلستان کے ایک مشہور شاعر کے کلام کی بے شمار مروجہ تشریحوں کو پیش نظر رکھکر اسطرح پر دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پاپائے روم الکبرٰے کے مقتدیوں (رومن کیتھولک) کے ہاں دستور ہے کہ اپنے راہبوں اور اولیاؤں کی تصویریں گرجاؤں میں بطور تبرک کے لٹکا دیتے ہیں، پھر لوگ اپنے اعتقاد کے مطابق اُن تصویروں کے نیچے بتیاں اس نیت سے جلاتے ہیں کہ اُن کی روشنی اُنکے چہروں کو منور کرے اور وہ اور بھی پر رونق نظر آئیں۔ جسقدر اعتقاد کی شدت کسی ولی کی نسبت لوگوں کو ہے، اسیقدر شمعیں اُسکے نیچے جلتی ہیں اور اسیقدر عوام کی نگاہوں میں وہ شخص بزرگ شمار ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چراغ جلاتا ہے، کوئی موم بتی کا صیقل کیا ہوا شمعدان لاکر رکھدیتا ہے تو کوئی روئی کی بتی کا

پرانی وضع کا تیل سے بھرا ہُوا دِیا نہایت ارادت سے ٹکا دیتا ہے۔ مگر اِس تمام عقیدت آرائی کا مجموعی اثر اُس تصویر پر یہ ہوتا ہے کہ بتّیوں کا پیچ در پیچ اور چکناہٹ سے بھرا ہوا دُھواں اُس ولی کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے، چہرے کے تمام خط و خال رفتہ رفتہ مسخ ہو جاتے ہیں، تیل کے داغ لگ لگ کر تمام تصویر چپچیٹ ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ بزرگ منش کسی بھوت کی ڈراونی شکل بنجاتا ہے۔ شاعر کے بارے میں نقاد لکھتا ہے کہ وہ ہزار در ہزار تشریحیں جو شکسپیر کے مداحوں نے اُسکی تصنیفات کو روشن کرنے کی غرض سے لکھی ہیں، بجائے خود اسکے منشا کی اصلی تصویر کو سیاہ کر رہی ہیں، خوش اعتقاد مفسّروں نے اُسکے کلام کے ایک ایک جُملے کے متعلق معانی کے وہ بے سر و پا افسانے بنا لیے ہیں جو لکھتے وقت شاید مصنّف کے وہم و گمان میں نہ تھے۔ ایک شاعر کے بے نفع و ضرر اور بے نتیجہ کلام کے متعلق عقیدتمند لوگوں کا یہ حُسن ظن ممکن ہے دنیا کے ایک فرد پر بھی فی الحقیقت کوئی مضر اثر نہ ڈال سکا ہو۔ اسکے دسؔ معتقدوں کا بھی صحیح معنوں میں شارحین کی اِس تمام کذب آرائی سے بال تک بیکا نہ ہوا ہو۔ لیکن مالکؔ زمین و آسمان کے کلام کے مطالب میں اسلامی مفسّروں کی صدیوں سے رطب و یابس سب، رائے زنیاں اور قیاس رانیاں ایک عالمگیر قوم کی تاریخ نفع و انعام میں وہ ناقابل تلافی نقصان، اُسکے اعمال میں وہ ناپید امثال شرارتیں، اُسکے اخلاق میں وہ موت انگیز بیماریاں، اور اُسکے سعی و عمل میں وہ ملامت انگیز واماندگیاں پیدا کر گئی ہیں کہ انقلاب کی اِس روح فرسا حکایت، اور انسانی اقوال کی اِس مضرت انگیز اور عمل برانداز روئداد کو سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! قرآن حکیم کے صحیح مقاصد کی سب موہنی مورت سر تا پا سیاہ ہو چکی ہے، اسکے اصلی اور حیات پرور حسن کا ایک خط و خال ظاہر نہیں رہا، ایک ایک آیت، جُملے اور اصطلاح بلکہ اکثر اوقات الفاظ اور نشانات کے مطالب بگڑ چکے ہیں، تعلیم کے بگڑ چکی ہے، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں **نیّتیں** بگڑ گئی ہیں، **حوصلے** بدل گئے ہیں، **دل** اور **جگر** بدل گئے ہیں! غلط نقد و نظر اور بے محابا تاویل کی پے در پے گھٹاٹوپ بدلیوں نے معانی پر سیاہ دھوئیں کی کئی ایک تہیں جمادی ہیں، پھر اُن تہوں پر عادت اور تعصّب کا سیاہ روغن منجھ منجھ کر اسقدر چمکیلا اور پُرانا ہو گیا ہے کہ آج کسی متنفّس کو اصلی تصویر کے موجود ہونے کا اعتراف تک نہیں رہا، دنیائے اسلام ایک روح پرور، ولولہ انگیز اور دلربا

صورت کے بدلے ایک مَیل سے چیکٹ چوکھٹے پر اپنا اعتقاد جارہی ہے اور حُسن کی لشکر انگیز تڑپ کے نہ ہوتے ہوئے فرض و گمان کے جمود میں نامرادی اور موت کی طرف آہستہ آہستہ گھسٹ رہی ہے!

کیا تفسیر کے اِس ظلمت انگیز **چراغاں** کے ہوتے ہوئے مَیں بھی فی الحقیقت آئندہ اوراق میں اپنی خوش اعتقادی کا ایک اور دُخاں خیز دیا لے آیا ہوں، اور اسطرح پر قرآن کو اور **سیاہ** کرنے کا مجرم بنا ہوں، اس کا فیصلہ زمانہ آپ کرتا رہے گا، مگر حُسن نیّت کے ولولے میں اور شارحین کیطرح غالبًا مجھے بھی حق حاصل ہے کہ ظاہر کردوں کہ کلام الٰہی کی اِس تبیین میں مَیں نے جان بوجھکر کوئی بددیانتی نہیں کی۔ کوئی تاویل، کوئی مکر و تلبیس، کوئی فراتی قیاس یا رائے جس سے اپنے زعم میں میرا اپنا چھٹکارا ہوسکتا تھا میں نے حتّٰا پیش نہیں کی۔ مَیں نے صرف **علم** اور صحیح علمی **برقی مشعل** کو قرآن حکیم کے سامنے لاکر رکھدیا ہے، اِسکی دروں رس حقیقت کشا اور مبرّق شعاعیں کلامِ خدا کے مطالب کی اصلی اور **پہلی** تہ تک پونہچادی، انسان کے اُسپر اپنے ہاتھوں کیئے ہوئے بدنما رنگ و روغن کے نیچے حقیقت کی پردہ نشین آفتاب گسل حُسن سے مزیّن اور تجلّی سے بے نیاز **عروس کی ایک** جھلک دکھلادی ہے، کم از کم یہ درک لگادی ہے کہ الفاظ کے اِنہی مستعمل، بے قدر و قیمت اور دیدہ **آشنا** جھروکوں کی آڑ میں انسانی فلاح کی وُہ آسماں تاب عفیفہ، او رضیا پاش عصمت آبہ بیٹھی ہے جسکو قرنوں سے کسی جنّ و انس نے چھُوا تک نہ تھا! وہی اِس قدوسی کلام کے اندر سچی مطلوب ہے! وہی طلبیہ مقصود ہے! اُسی کو پالینے سے قومیں عشق و نیاز کی **اِس** جاں گداز منزل میں فائز المرام ہوجاتی ہیں، اِسی سے بے نیاز ہوکر عالم اسلام پر ذُلّ و مسکنت کے بادل آج چھارہے ہیں غضب الٰہی کا **تنّور** جوش ماررہا ہے، انعام یک بیک چھینے جارہے ہیں، موت سامنے نظر آرہی ہے! سعی و تلاش کے اِسی حوصلہ زا اقدام میں میں نے جو کہا ہے بیخوف خطر کہدیا ہے، کسی رسم و رواج کی رعایت، کسی اجماع اُمّت کا فیصلہ، کسی وضعی مسلکے کی پیروی، کسی شاہ و گدا سے ارادت، کوئی **کفر** کے مُلّائی فتوے، کسی حکومت وقت کا خوف، مقاصد قرآن کے متعلق میری تحقیق پر کچھ اثر نہیں کرسکا، قانون خدا کے متعلق جو بات **واقع الامر** ہے اُسکو سچ سچ کہدیا ہے، جو **جھوٹ** ہے اُسکو چھپاکر نہیں رکھا، جو **شہادت** ہے اُسکو من و عن کھول کر رکھ دیا ہے، جو **منکر** ہے اُس کے

بخیے اُدھیڑ دیئے ہیں۔ اگر کسی بات کے کہہ دینے سے میں الٰہی معنوں میں مسلمان نہیں رہ سکتا تو اسکی کچھ پرواہ نہیں، آپ عامل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی صورت کو مسخ کر دینا میرے نزدیک کسی طرح روا نہیں۔ باقی مسلمانوں کے ساتھ میں سب سے **پہلے** قصوروار ہوں، اور کسی نبوت یا ولایت، کسی معصومیت یا اعجاز، کسی کشف یا کرامت، کسی مجددیت یا قیادت، فضیلت یا علم کا ادعا حتماً نہیں کرتا۔ میری نگاہ میں قانون خدا کی تبیین میں اپنے نفس کے لیئے ادنیٰ سی رعایت مدنظر رکھنا، اور اپنے آپ کو حتی الوسع مومن بنائے رکھنا ناقابل عفو گناہ ہے، ایک امت کے پورے گناہوں کو اپنے اوپر لاد لیسنا ہے، اسکی ہلاکت کا صریح طور پر موید بنکر اپنے آپ کو جہنم میں جھونکنا ہے، چند عارضی تمتعات کے عوض میں اپنے پیٹ کو **دوزخ** بنانا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ (بقرہ)، **لعنت** خدا کا مستحق بنتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ† وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ† لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا† فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (بقرہ ۲)۔ خدا سے **بدعہدی** ہے، بدمعاشی اور بے ایمانی ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ† لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (آل عمران ۳)

جو امور میں نے کتاب خدا کو آیات **بیّنات** ثابت کرنے میں پیش نظر رکھے ہیں یہ ہیں کہ قرآن مکمل کتاب ہے مربوط ہے، اسمیں کوئی لفظ حشو نہیں، کوئی شاعرانہ زوائد نہیں، اسکی لغت خود اسکے اندر موجود ہے، یہ آپ اپنی تفسیر ہے، اسکو کسی خارجی مدد کی ضرورت نہیں، ابدالآباد تک انسان کے لیئے سچا دستور العمل ہے، اسمیں کوئی بات ایسی نہیں جسپر عمل ضروری نہ رہا ہو، اسمیں کامل تطابق ہے، اسکی ہر آیت کا ایک اور صرف ایک مطلب ہے، تمام قرآن کا منتہائے نظر ایک ہے، اسکا بتایا ہوا صراط مستقیم ایک ہے، اسکی تعلیم عام اور مطلق ہے کسی ایک زمانے

† ملاحظہ البینت اور بیّنٰہ اور بیّنوا اور لتبیّننہ کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم بتمام وکمال بجنس خدا کی بات ہے اگر کوئی مشتبہ شے [illegible] ہو چکی ہے۔

یا اُمت سے مخصوص نہیں، یہ ایک قانون ہے جسمیں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں، اسکی سب آیات آیات بینات ہیں، مستقل اور ناقابل انکار حقائق کیطرف لیجارہی ہیں، جہاں تشابہ ہے کمی علم کی وجہ سے ہے، وہیں میری طرف سے جہل کا علانیہ **اقرار** ہے! اسکی ہر تکرار میں تشریح ہے، کسی نئے علم کا اضافہ ہے، کوئی تاکید مزید ہے، یہ ربّ زمین و آسمان کیطرف سے انسان کے نام ایک مکتوب ہے، پیام عمل ہے، فرمان خسروی ہے، حکمنامہ خدا ہے، اسلیئے اسکا ایک ایک حرف قابل انہماک ہے، یہ فطرت کی طرح وسیع ہے اسلیئے اسکے تمام لائحہ عمل پر حاوی ہو جانا، ایک قرن، ایک فرد، یا ایک اُمت کا کام نہیں۔ اِنہی امور کو پیش نظر رکھکر میں نے قرآن حکیم کے بارے میں اُنکے صحیح ہونے کا بلا واسطہ علمی ثبوت دیا ہے، پیش از وقت ارادت یا عقیدت کو اس تحقیق و تلاش میں مخل کردینا قطعاً گوارا نہیں کیا۔ میرا مقصود تمام آیندہ بحث و تمحیص سے کتاب خدا کی خوبی کو ثابت کرنا ہے مسلمانان عالم کو ایک قطعی اور نفع مند، ایک مختصر اور حیرت انگیز **راہ عمل** کیطرف پھر اشارہ کرنا ہے، اس **سبق** کو پھر یاد دلانا ہی جو کبھی اس طفل کم سواد کو خوب ازبر تھا مگر آج قطعاً بھولا جا چکا ہے، قرآن سے ناآشنا اور فطرت سے باخبر **مغرب** پر ثابت کردینا ہے کہ انکی تمام سیاست و تدبیر، ان کا سب علمی استقصا اور تقدم، انکی سب قطعی شہادت و بصیرت، اُنکے تمام نظریئے اور عملیئے قرآن کے ہوشربا علم اور زہرہ گداز انکشاف کے بالمقابل **ہیچ** ہیں، اپنے علم کی برتری جتلانا، اپنی مسابقت کچھ ظاہر کرنا، یا کسی نئے راہ عمل کی داغ بیل لگاکر **فرقہ بند** بننا قطعاً نہیں۔ میرا منتہا اتّحاد اور خالصتہً اتحاد ہے، اسلام کی ہلاکت انگیز **داخلی** فرقہ بندی کو حتّی الوسع مٹانا ہے، سب کے لیئے **ایک** صراط مستقیم کو صحیح ثابت کردینا ہے، ہر فرقہ بند اُمت یا فرد کو جہنم کا مکین **قرار** دیکر سب کو ایک مشترک سطح پر لانا ہے، رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کا وہی **قرن اوّل** کا ماحول پھر پیدا کرنا ہے، اِسی **اتّحاد** کو دین اسلام کا **رکن رکین**، اُسکی سب حکمتہ کاملہ کی اساس اول، اُسکی حُجّہ بالغہ کا محور عمل، اُسکی فلاح و نجات کی علّۃ اولیٰ ثابت کردینا ہے، اِسکے ماسوا کچھ نہیں! شیعہ اور سنّی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، یہ سب جہنم کی تیاری ہے خودکُشی اور استہلاک ہے، موت کے ساتھ لہو و لعب ہے، اس زمین و آسمان کی چار دیواری کے اندر اگر کوئی

الٰہی قانون کسی جگہ نافذ ہے تو وہ خالصتہً **اتحاد** اور خالص **اتحاد** ہے، عملاً اتحاد ہے، طوعاً و کرہاً اتحاد ہے، مدافعانہ بلکہ جارحانہ اتحاد ہے، روز و شب کا اتحاد ہے، **اصلاً** اور **فرعاً** اتحاد ہے مکر و فریب ہے یہ کہدینا کہ "اصولاً اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" اور پھر فرقہ بند بنکر اجل زدہ اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا، اُنکی رہی سہی طاقت کو اور سلب کردینا، اُن میں اشتات عمل، طوائف الملوکی اور موت کے سامان پیدا کردینا، اور پھر اپنے یا سب فرقوں کو بھی جنّت کا مکین سمجھنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، خدا سے **مکر** ہے، آشوب چشم ہے، سودائے سر ہے! اُمّت کے کسی موجودہ یا گذشتہ قائد یا مدّعی قیادت کو، کسی پیر یا امام کو، کسی بزرگ یا ولی کو، کسی سجّادہ نشین اور مرشد کو، کسی مزار یا خانقاہ کو پیش نظر رکھکر اُن کا اتباع کرنا، اُن سے تعبّد خصیاً کرنا، عام جماعت سے الگ ہوکر اتحادِ عمل میں رخنہ ڈالنا، میرے نزدیک اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو پکڑنا ہے، عبادِ ماسوا ہے، **شرک** ہے، **ظلم عظیم** ہے، اِس دنیا میں موت کی تیاری ہے، آگے چلکر جہنّم کی لکڑیاں بننا ہے، اُن بیچاروں کو **دوزخ** کا ایندھن بنانا ہے۔ اسلام کے داخلی اتحاد اور اُسکی ماہیت کے بارے میں میرا یہ فیصلہ اسقدر مضبوط ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت یا منطق میرے اِس عزم کو متزلزل نہیں کر سکتی، میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب اقوالی اور اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں، سب کو **علانیہ** مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذاب آخرت کا قطعی مستوجب سمجھتا ہوں لیکن با اینہمہ اگر کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدۃً یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہنما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حصب جہنّم بنا رہی ہے بلکہ آگے چلکر جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابدالآباد تک جلتے رہنا اُسیکا حصّہ ہے!

اِسلام میرے نزدیک سب اولیاء واصفیا سے گذر کر صرف **محمّد** (صلعم) کی پیروی ہے، نہیں اُسکے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے، انبیاء کے لائے ہوئے طریق عمل (دین) کی پیروی ہے، قانون خدا کی پیروی ہے،

آئینِ ربّ العٰلمین کی پیروی ہے، قانون **فطرت** کی پیروی ہے، تورات و انجیل، زبور اور تلمود، صُحُفِ نوح اور صُحُفِ ابراہیم، بلکہ وید اور ژند اوستا، کے لائے ہوئے **مشترک** قانون کی پیروی ہے، **متفقاً** اور **متحداً** پیروی ہے، **عملاً** اور **معناً** پیروی ہے، قولاً اور اعتقاداً پیروی ہرگز نہیں: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا **الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ** كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (شوریٰ ۴۲) یہی **اتحاد** عین اسلام بلکہ میری دانست میں **تمام** اسلام ہے، یہی نفاق اور تفرقہ عین شرک ہے! سب خواہشات نفسانی کی پیدا کی ہوئی فرقہ بندی کو مٹا کر ایک راہِ عمل (دین) اور مساوات پر آجانا، ایک مشترک قانون کو پکڑ لینا، سب کا ایک **مشترک خدا** کے تابع بنجانا، ہر فرد کا اپنے ذاتی عمل کا ذمّہ دار بننا، اور کسی دوسرے شخص یا پیر یا ولی یا بزرگ کے عمل سے بے نیاز ہوجانا، کسی دو فرقوں کے مابین کسی **حجّہ** کا قائم نہ رہنا، اور ہر دم اس بات کے درپے رہنا کہ ساکنانِ زمین کے **بڑے سے بڑے** مجمع میں اتفاق عمل پیدا ہو میری نگاہ میں اسلام ہے: فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ **لِاَعْدِلَ**[†] بَيْنَكُمُ اَللّٰهُ **رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا **حُجَّةَ** بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (شوریٰ ۴۲) اسی پر میرے تمام اسلام کی بنیاد ہے۔ خدائے زمین و آسمان کا یہ مذہب سب انبیا کو یکساں ماننے میں، ان کو ایک مشترک پیغام کا حامل سمجھنے میں اسقدر فراخ دل اور سیر چشم ہے کہ ہر قرن کے لیئے ایک کتاب لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (رعد ۱۳)، ہر قوم کے لیئے ایک ہادی وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱۳)، ہر اُمت کے لیئے ایک رسول[‡] وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳۵)۔ نہیں ہر قریے کے لیئے ایک نذیر وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (شعراء ۲۶) کا آنا مانتا ہے لیکن سب کو **ایک** قانون کا مبلّغ، ایک قانون الٰہی کا ناشر، ایک ہی کتاب کا حامل قرار دے کر اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (بقرہ ۲) انکو **فرقہ بند** سمجھنے اور اس طرح پر خدا اور رسل کے درمیان **تفرقہ** ڈالنے کی اس شدت سے مخالفت کرتا ہے کہ تمام قرآن طول و عرض میں اگر کوئی شئے **فی الحقیقت کفر** ہے تو

---

† یعنی مجھے یہ حکم ملا ہے کہ تم سب کو برابر کردوں، تمہاری اونچ نیچ سب برابر کرکے سب کو ایک مشترک سطح پر لے آؤں + ‡ چنانچہ سورۂ یونس (۱۰) میں وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ بھی ہے +

یہی ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ **الْكَافِرُونَ حَقًّا**[5] ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (النساء ۲۱) پس اس دین متین کا رکن اعظم میرے نزدیک **اتحاد** ہے، لَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ہے، أَقِرُّوا لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ہے، اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ہے، لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ہے، لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ہے، اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ہے، تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ[†] ہے، نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ہے، نَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ہے، لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ہے، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ[‡] ہے، نہیں یہود کے موسیٰ علیہ السلام کو مان کر یہود کو اپنی طرف جذب کرلینا ہے، نصاریٰ کے مسیح علیہ السلام کو تسلیم کرکے نصاریٰ کو کھینچنا ہے، ہنود کے کرشن علیہ السلام کے مقر ہوکر ہنود کو مرحبا کہنا ہے، گبر و برہمن کو، بدھ اور شدھ کو، افریقہ کے جن پرست اور قطب کے اسکیمو کو، امریکہ کے ہندوئے احمر اور مردم خور وحشی کو، ساکن برّ اور مکین بحر کو اپنی آغوش لطف و مرحبا میں لیکر **اسلامی جماعت** کو اسقدر تنومند، اسقدر غالب، اسقدر عالمگیر اور وسیع، اسقدر **جہانبان** کردینا ہے کہ دشمن کو آنکھ اٹھاکر دیکھنے کا یارا نہ رہے! میرے نزدیک اصل اسلام یہی ہے، یہی قرآن کا اسلام ہے یہی قرن اول کا اسلام تھا، مگر وا حسرتا کہ نا اہل اور ناشناس لوگوں نے اسکو اسقدر تنگ کردیا! باہر سے راہ مسدود کردی، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کرگئے، ہر شخص مدعی تجدید بنکر مٹھی بھر لوگوں کو اپنے اپنے پیچھے لگا گیا، خلق خدا کے وسیع دائرے سے نفرت پیدا کرگیا، اشاعت اسلام سرتا پا رک گئی، اُمّت کمزور ہوتی چلی گئی، پھر **اعلون** رہ کر **مومن** بننے کا نصب العین بھی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، مسلمان دنیا سے کمتر متنفر ہوتے گئے، بعض رسل کو مانا بعضوں سے انکار پیدا کرکے خلق خدا سے عداوت اور تنگ چشمی مول لے لی، پھر خدا نے زمین و آسمان نے بھی

[†] یہ آیت سورہ آل عمران میں اسطرح پر ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران)

[‡] یہ آیت سورہ بقرہ میں اس طرح پر ہے: قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (بقرہ ۲۰)

[5] تمام قرآن کے طول و عرض میں الْكَافِرُونَ حَقًّا کے الفاظ اور کسی امر کے متعلق حتماً استعمال نہیں کیے گئے، گویا از روئے اسلام سب سے بڑا کافر خدا کے نزدیک وہی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام پر تفریق پیدا کرتا ہے! بعض کو مانتا ہے بعض سے انکار کرتا ہے، اُن کو فرقہ بند سمجھتا ہے، اور اس طرح اسلام کی اخوت کو وسیع نہیں ہونے دیتا ۔

اِس صریح **کفر** کی پاداش میں عذابِ مُہین بھیجا، اور اس اَلکِتٰب کے آخری وارثین سے جی بھر کر بدلہ لیا۔ جب اسلام کے پیشِ نظر خارجی اتحاد اسقدر ہے تو بعینہٖ اسی بنا پر ختمِ رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلامی جماعت کے **اندر** کوئی ذراسی تفریق پیدا کرنا بھی میرے نزدیک صحیح معنوں میں **کفر** ہے، جو مُدّعی ہے کفر کا مرتکب ہے، فقہ کی تفریق، شریعت کی تفریق، مسئلہ و مسائل کی تفریق، طریقت اور سلسلوں کی تفریق، پیروں اور سجادہ نشینوں، اولیائوں اور خانہ نشینوں کی تفریق، مزار پرستی اور اولیا پرستی کی تفریق سب **کفر** ہیں، سب انکارِ خدا ہے سب **عبادت طاغوت** ہے، سب اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو پکڑنا ہے، سب شرکِ جلی ہے، شرکِ محض ہے شرکِ اکبر ہے، وہ **ظلم عظیم** ہے جسکی بخشش کی تمنا کوئی آس نہیں، وہ بدی ہے جسکی پاداش جہنم ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰) قرآن میری نگاہوں میں **علم** ہے، آیات بینات ہے، قانونِ خدا ہے، رازِ زمین و آسمان ہے: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفرقان)، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، ایسے علم، ایسی روشن حقیقت، ایسے راز، ایسی فطرت کا منتہا ہر جگہ **اتحاد** چاہیئے، اسمیں بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کی وسعت چاہیئے نہ یہ کہ خارجی توسیع تو یک طرف خود گھر میں فساد پیدا کر لیا جائے، اُمّت اِس علم کو لیکر آپ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے ایسی فرقہ بندی میری دانست میں اسکی سب سے بڑی ناقدر شناسی ہے، اِس سے پورا **جہل** ہے، آپسمیں انتہائی **بغاوت** کا نتیجہ ہے، ناقابلِ عفو گناہ ہے، جہنم کی تیاری ہے۔ جو قوم **علم** کے ہوتے ہوئے متحد نہ ہو سکی اُسکا کسی اور طاقت سے متحد ہو جانا خیالِ محال ہے: وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ **الْعِلْمُ** بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵)۔ رسولِ خدا کی تبیین کے بعد چونکہ کتابِ خدا **علم** نہیں رہی کسی متنفس نے اُسکے کسی حصے کو **علم** ثابت نہیں کیا، سب کے سب جہالت اور قیاس، ظن اور رائے، اعتقاد اور اقوال کی ظلمتوں میں پڑے ٹامک ٹوئیے مارتے رہے، اسی لیئے یہ دردناک اختلاف ہے، اسی لیئے ہلاکت انگیز فرقہ بندیاں ہیں، اسی لیئے کُلُّ

حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (مومنون) ہی اسی لیئے سچا اور اصلی **شرک** ہے۔ جس دن کتاب خدا پھر **علم** ثابت ہوگئی، پھر زمین و آسمان کی ملکوت کا **سِرِّ عظیم** بن گئی، پھر ساکنانِ زمین کی **جبلّت** اور **طینت** قرار پاگئی، پھر یہ یقین ہوگیا کہ اسی کے علم کو مان کر **امن** مل رہا ہے، ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر مُلک کو، ہر **قبیلے** کو اس دُنیائے کسب و عمل کے ہر گوشے میں امن مل رہا ہے، اِن آنکھوں کے سامنے امن مل رہا ہے، انعام مل رہے ہیں، مُلک مل رہے ہیں، دولت اور سلطنتیں قدموں پر نثار کیجا رہی ہیں، رحمت الٰہی کا دریا سب طرف موجیں مار رہا ہے جسدن یہ **تصدیق** ہوگیا کہ اسی کے علم سے ہٹ کر اسلام کو ذِلّ و مسکنت نصیب ہو رہی ہے، شکستوں پہ شکستیں مل رہی ہیں، مُلک یک بیک چھینے جا رہے ہیں، طاعون اور قحط، خون اور پیپ، جُوئیں اور چیتھڑے مل رہے ہیں، آگ مل رہی ہے، اُسیدن یہ سب اختلاف مٹ جائے گا، سب فرقہ بندیاں فنا ہو جائیں گی، سب **ارضی خدا** دُم دبا کر بھاگ جائینگے، ضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (انعام) کا سماں بندھ جائے گا، سب اولیاء اصفیا، پیر و فقیر عرش سے گر کر فرش زمین پر آ جائینگے، طاغوت کی پرستش ماند پڑ جائے گی، **جنّ و انس** میں مساوات ہو جائے گی، سب کا خدا پھر **ایک** بن جائے گا، پھر اُس دن اس علم سے مفر بھی مشکل نظر آئیگا، طوعًا و کرہًا لوگ پھر **قرآن** کو **حسبنا** پکار اُٹھیں گے، سب اعتقادی کتابیں جنہوں نے **فتنۂ عظیم** برپا کر رکھا ہے فی النار و السقر کر دیجائینگی، سب جلکر خاک سیاہ ہو جائیں گی۔ یہ فی الحقیقت کئی خداؤں نے ہی فساد ڈالا ہوا ہے، عَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (مومنون) کے مصداق بن رہے ہیں، **لَفَسَدَتَا** کا منظر پیدا ہو رہا ہے، جہالت کا تفرقہ ہے، ورنہ جہاں علم ہے وہاں اتحاد ہے اور وہیں سچی اور اصلی اور بے لاگ بے ریا **توحید** بھی ہے!

ہاں قرآن کو میں سرتاپا علم ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام میرے نزدیک سرتاپا **عمل** ہے، اس کی **توحید** عمل ہے، اسکا **ایمان** عمل ہے، اسکا **اتّقا** عمل ہے، اسکی **عبادت** عمل ہے، اسکا **صراط مستقیم** عمل ہے، اسکا شرک **بدکاری** ہے، اسکا کفر **بدنظمی** ہے، اسکا فسق **بدعملی** ہے، اس کا عمل اُمت کا اجتماعی عمل ہے، متحد اور متفقہ عمل ہے، ہاتھوں اور پیروں کا عمل ہے، دلوں اور جگروں کا عمل ہے، طاقت اور زور کا

عمل ہے، دُکھ اور تکلیف کا عمل ہے، قولوں اور عقیدوں، کلموں اور تعویذوں، تسبیحوں اور گوشوں کا عمل ہرگز نہیں! جو بات میری دانست میں مسلّم ہے یہ ہے کہ سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اپنی اپنی اُمّت کو اس زمین پر امن دینے آئے تھے، اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ کا پیام لائے تھے، منصور اور غالب کرنے آئے تھے، علم کے ساتھ حکم لائے تھے، نہیں حکم حاصل کرنے کا علم لائے تھے، علم اور حکم کے ساتھ اس دنیا میں خوش اسلوبی سے اور مدت مدید تک رہنے کی بڑی خبر لائے تھے! اگر نوح علیہ السلام اپنی قوم کیلئے کوئی پیغام لایا تھا تو یہی بڑے امن دینے والے ایلچی (رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الشعراء)) ہونے کا تھا، یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا (نوح) کا تھا، یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ (نوح) کا تھا، یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح) کا تھا! اگر ہود علیہ السلام نے کوئی صلائے عام اس دنیا میں دی تو یہی اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الشعراء) کی دی، یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا (هود) کی دی، یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ (هود) کی دی، اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (اعراف) کی دی، یُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (ابراہیم) کی دی، بے مزد امن اور مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ (الشعراء) کی دی! اگر صالح، لوط، شعیب علیہم السلام اپنی نابکار قوموں کو کچھ سنا گئے تو یہی امن کا پیغام سنا گئے، اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الشعراء) کہہ کہہ کر چل بسے، یہی پکار کہ جنّات زمین پر دوام ہمارے علم پر عمل کرنے سے ہے، امن اسی قانون سے ہے، بقا اور ابقا ہم ہی سے ہے (اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ (الشعراء))، ہماری ہی پیروی اور ہماری ہی اطاعت سے ہے (فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ (الشعراء))! اگر موسیٰ علیہ السلام نے بے سامان فرعون کو کچھ کہا تو یہی امن کا سامان بتلایا، یہی اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الدخان) کہا، یہی دوام اور بقا کی بشارت دی! نافرمانی کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ جنّات زمین چھن گئے، بادشاہت چلی گئی، بنی اسرائیل وارث ہو گئے، قانونِ خدا پر عامل قوم نے جگہ لے لی، فرعونی ٹکر ٹکر پڑے دیکھتے رہے! كَمْ تَرَكُوْا

✽ اس آیۂ شریفہ کے صحیح مفہوم کے متعلق شارحین قرآن سے حیرت انگیز غلطی کی ہے اور "اَمِیْنٌ" سے مراد "امانت دار پیغمبر" لیکر کہا ہے کہ انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم کو یہی کہا کہ میں تمہارے واسطے ایک امانت خدا کے اں سے لایا ہوں اور اس امانت کو تم تک پہنچانے کیلئے کوئی مزدوری نہیں مانگتا: اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء)۔ احکام خدا کو جنکے قبول کرنے سے قومیں گریز کیا کرتی ہیں امانت کے لفظ سے تعبیر کرنا اور پھر اس امانت کو صحیح سلامت پہنچانے کیلئے اجرت نہ مانگنا میرے نزدیک اسقدر مضحکہ انگیز اور لغو ہے جسقدر کہ کوئی شخص کسی بیمار کو کہے کہ "بھائی میں تمہارے واسطے ایک نہایت کڑوی دوا طبیب کے ہاں سے بطور امانت لایا ہوں اور اس دوا لانے کی کوئی مزدوری نہیں مانگتا"۔ اس ترغیب کا اثر ظاہر ہے کہ بیمار پر کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ اس ترکیب سے دوا پینے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ امین کے لفظ سے انبیاء کی مراد امن دینے والے پیغمبر کی تھی اور پیغام یہ تھا کہ "اے لوگو! میں تمہیں اس دنیا کے اندر امن دینے کیلئے آیا ہوں، تمہاری گری ہوئی شکستہ حالت کو قوت سے بدلنے کیلئے آیا ہوں اور اس امر کیلئے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا"۔ اسی امن کو مدنظر رکھکر فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ جا بجا کہا ہے یعنی اگر مجھ سے اتفاق کروگے اور میری اطاعت کروگے تو امن ہو۔ اور ایک جگہ مزید وضاحت کے لحاظ سے کہا ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ (الشعراء)، یعنی کیا تم ان جنّات میں میرا امن دیئے بغیر اسی طرح ہمیشہ رہوگے کیونکہ تمہاری حالت شکستہ (باقی)

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (الدخان)، خود بنی اسرائیل سے **میثاق ایزدی**[1] بندھا تو یہی بندھا کہ قانونِ خدا پر چلتے رہوگے تو اجتماعی بدحالیاں سب دور کردوں گا، جنات زمین کے وارث بن جاؤ گے (لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ (مائدہ)، زمین کی **ابدی سلطنت**[1] تمہارے حصے میں رہے گی، آسمان سے فتح باب ہوا کرے گا، زمین کے دروازے کھل جائیں گے، "اوپر سے کھاؤ گے پاؤں کے نیچے سے رزق آئے گا" (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ .... لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ (المائدہ)) انہیں موسیٰ علیہ السلام نے بزدل اور غلامی میں پلی ہوئی بنی اسرائیل کو چالیس برس کی الٰہی تعلیم کے بعد سینا کے جنگلوں میں اگر کچھ کہا تو یہی کہا کہ ارض مقدس پر جارحانہ حملہ کردو، اسپر یکدم بلہ کرو اور پیٹھ نہ پھیرو، داخل ہو جاؤ گے تو غالب آجاؤ گے (فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۝ (مائدہ)) ورنہ گھاٹے میں رہو گے (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ (مائدہ))۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام از روئے قرآن **نبی** تھے لیکن برسوں تک دھڑلے سے **بادشاہت** کی، ملک کو صنعت اور حرفت سے مالا مال کیا، تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ بحیرۂ روم سے انگلستان تک جہازوں کا تانتا بندھ گیا، ہمعصر فونیشی سلطنت کے پایۂ تخت صور اور صدون سے گرانڈیل مزدور (جن) ملک کی ترقی کے لیئے بلوائے، پہاڑوں کو تہ و بالا کر کے مسخر کیا (اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ (ص))، ہوا پر قابو پایا (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ (ص))، پرندوں سے کام لیا (وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ (ص))، مقدم الذکر نبی نے معدنیات کی صنعت میں وہ طلسمات کر دکھایا کہ زمین پر لوہے اور تانبے کی نہریں بہا دیں! (وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ (سبا)، وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ (سبا)) بنائے زمین و آسمان نے ان سب باتوں کو **عمل صالح** کہا، (اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ (سبا))، اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (سبا) کہا، داؤد علیہ السلام کو "ذَا الْاَيْدِ" کا خطاب دیا، صاحب **دستِ قدرت** کہا، "اوّاب" کا لقب دیا، عبد کہہ کر پکارا،

(بقیہ صفحہ ۶۶) ہو چکی ہے اور دشمن سر پر سوار ہے۔ اسی قسط کی ترغیب ایک اجل زدہ قوم کیلئے باعث سعی و عمل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں "امین" کی الٰہی اصطلاح ان معنوں میں کئی جگہ قرآن میں مستعمل ہے۔ مثلاً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ (دخان ۲) میں۔ شارحین قرآن نے مذہب اور پیغمبران جہان کی تبلیغ کو محض بے معنی اور بے نتیجہ قرار دے کر اور اس تحریک کو اپنے نفس کیلئے آسانی پیدا کرنے والے یعنی جنت کی طرف گھسیٹ لیا ہے۔ ورنہ قرآن حکیم میں جابجا اس تبلیغ کا نتیجہ یہی بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبروں کے پیغام کو قبول کرنے والے نجات پا گئے اور کافر مغلوب ہو کر ہلاک ہو گئے۔

[1] قرآن حکیم میں میثاق ایزدی کی تکمیل کا نتیجہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کہا گیا ہے لیکن انجیل میں جابجا اس عہد کی تکمیل کا انعام دنیاوی اور **ابدی بادشاہت** لکھی ہے۔ از ذ ق

(وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (صٓ)) ! "شَدَدْنَا مُلْكَهٗ" اور "اٰتَيْنٰهُ **الْحِكْمَةَ**" (صٓ) کہا، "اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" (الانبیاء)
کہا۔ سلیمان علیہ السلام کو اپنا بہترین بندہ اور "نعم العبد" کہا، "اوّاب" کے آلٰہی لقب سے سرفراز کیا، فرمایا کہ ان کو
ہمارے ہاں بڑا تقرب اور بہترین مقام حاصل ہے (وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (صٓ))۔ اس عظیم الشان نبی کی دعا
کا انداز بھی مدۃ العمر یہی رہا کہ بار خدایا! وہ عظیم الشان سلطنت، وہ شوکت اور اُبہت، وہ بے مثال جاہ و جلال نصیب
فرما کہ کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (صٓ))۔ ملکہ سبا کو گھر بیٹھے
خط لکھا کہ مطیع ہو کر رہو گی تو خیر مناؤ گی ورنہ وہ جرّار لشکر لے کر آدھمکوں گا کہ تمہارے اوسان خطا ہو جائینگے،
مقابلے کی تاب ہر گز نہ لاسکو گی اور ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گی، (اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (نمل)) اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ
فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (النمل))۔ یہ سب کچھ اُس **ابدی سلطنت**
کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں تھیں لیکن ارضی تصرّف کے یہ والہانہ انداز کچھ داؤد اور سلیمان علیہما السّلام سے مخصوص نہ تھے،
سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اسی رنگ میں رنگے آئے اور اسی نمط پر اپنی اُمّتوں کو امن کے معراج
تک پونہچا کر یا اُسکا مستقل سامان پیدا کر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ آلٰہی سے جب **قانون** ملا تو قوم کو اسی اجتماعی
شکست و ریخت، اسی غلامی اور جمود کی ظلمتوں سے قوّت اور امن کی روشنیوں کی طرف نکالنے کا تھا، محکومیّت
کے اندھیرے کو بادشاہت کے اُجالے میں بدلنے کا تھا، ناعاقبت شناسیوں اور ناانجام بینیوں کی سیاہی کو
طاقت اور دوام کے نور سے اُچک لینے کا تھا، کاہل اور پژمردہ، غافل اور کام چور دلوں کے بجھے ہوئے اور سیاہ
حُجروں کو روشن اور منوّر، محشر انگیز اور زلزلہ خیز میدانوں سے بدل دینے کا تھا (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ
قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم))۔ اس سکون پذیر اور مائل جمود نسل انسانی کے اندر ایک عالم انگیز حرکت، ایک
لازوال بالش، ایک متواتر سعی و عمل پھر پیدا کرنے کا تھا، نہیں خدا سے آگاہ کر کے پھر وہی "ایامِ خدا" کو واپس لے آنیکا
تھا، ایک مظلوم اور اجل زدہ قوم کو پھر سر سبز زندہ کر دینے کا تھا، الغرض غلامی کی لعنت اُتار پھینکنے کا تھا، **وراثت**
زمین کا تھا، تیر اور **تلوار** کا تھا، **توپ** اور **تفنگ** کا تھا! (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ

(بقیہ صفحہ ۶۷) (کتاب خروج باب ۶-آیت ۳-۸) "بعض جگہ اسکو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶-آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب آیت ۲۳-۲۹) (باقی)

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ وَ ذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰہِ (ابرٰہیم)۔ **وراثت زمین** کا مستقل نصب العین نبوت کے ہر مرحلے میں ہر نبی کے پیش پیش روز اول سے اِسقدر رہا کہ وارث زمین و آسمان تعالیٰ نے **صالحیت** اور **صلاحیت** کا صحیح معیار بھی سب آسمانی کتابوں میں بادشاہت زمین ہی قرار دیا (وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (انبیاء))، یہی وہ بڑا پیغام، بڑی بشارت، بڑی خبر تھی جو انبیائے عظام ہر عبادت گذار، ہر گرفتارِ خدا، ہر ملازم اور پابند قانونِ خدا، ہر منکر ماسوا، قوم کے لیئے لائے (اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ (انبیاء))

اسی بناپر اگر ابراھیم علیہ السلام کو کوئی تڑپ تھی تو اسی وراثت زمین کی تھی، وارث زمین ہوکر صالح بننے کی تھی (رَبِّ ھَبْ لِیْ **حُکْمًا** وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (الشعراء))، اِس کارخانہ جہان کی ملکوت کا علم حاصل کرکے اپنی قوم کو بقا کی راہ پر لیجانے کی تھی (وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝ (انعام))، اخلاف میں ذکر خیر ہونیکے باعث زندہ رہنے کی تھی (وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ (الشعراء))، اسی بناپر مالک زمین و آسمان کی بڑی سے بڑی آزمایش کے بعد حضرت کو بڑے سے بڑا انعام اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ **اِمَامًا** (بقرہ) کا ملا، ان کی اپنی اولاد کے بارے میں درخواست بھی اسی نعمت کے دوام کی تھی (قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (بقرہ))۔

وہ جب تک صاحب **علم و عمل** رہے اِس موہبت کبرے کے وارث رہے، اُس علامہ مطلق خدا سے اولو الاید **والابصار** کا خطاب حاصل کرتے رہے (وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (صٓ))، جب علم و عمل نہ رہا، ظالم بن گئے! آل ابراہیم کو بھی یہی انعام ملا (اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ۝ (النساء))، اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام اور اُنکے آباو اجداد، بھائی بند اور اولاد سب کو یہی بے مثال فضیلت دی (وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (انعام))، نوح، صالح، ہود علیہم السلام کی قوموں پر بھی یہی مخالفین کی ہلاکت اور وراثت زمین کی وحی نازل ہوئی (لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ (ابراہیم))، بالآخر اُن کو دریاؤں سے سیراب اور سرسبز جنات زمین میں داخل کردیا (وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (ابراہیم))

(بقیہ صفحہ ۶۸) میں پیر وعدہ ابدی سلطنت کا ہے اور کتاب اول سلاطین باب ۹۔ آیت ۱–۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی ہے۔ اس استدلال سے ظاہر ہے کہ مسلمانان عالم نے جنت کے لفظ سے (باقی)

عام اور قطعی محاکمہ دے دیا کہ ایمان اور عمل صالح کا اٹل نتیجہ بادشاہت زمین ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (النساء)) ، ابدی سلطنت ہی، خلد مرحمت ہو (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (النساء)) ، نہیں بلکہ صاف، غیر مشکوک اور نا قابل تاویل الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر قانون خدا سے منہ پھیرلوگے تو اجتماعی **ہلاکت قطعی** ہے، يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (هود) کا عذاب ہے، محکومیت کا جہنم ہے غلامی کا طوق لعنت ہی، خوف و حزن ہے، عجز اور بے بسی ہے، دنیا خراب اور جو آگے چلکر ملنا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے (فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (هود)) ، برخلاف اسکے اگر نبی کے لائے ہوئے قانون کی پیروی کروگے تو اس کا اٹل نتیجہ یہ ہے کہ دشمن عن قریب ہلاک ہوجائے گا، تم خود اسکی زمین کے وارث بن جاؤگے مستخلف فی الارض ہونے کا مقام حاصل ہوگا اور بعد ازاں جو کچھ ہے تمہارے اعمال پر منحصر ہے اگر اسی طرح عمل کرتے رہوگے تو جبتک زمین و آسمان قائم ہیں بادشاہ زمین بنے رہوگے ورنہ اس خوب صورت اور منظم، اس باسلیقہ اور خدا کی اپنی حفاظت میں لی ہوئی زمین سے تمہارا یک بینی و دو گوش نکال دیا جانا قطعی ہے! (قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف)) - یہ دنیا دار المحن ہے، اسمیں جو شئے پائدار ہے سعی و عمل ہے محنت اور تکلیف برداری ہے، بے عمل اور جمود زدہ قوم کا یہاں پر اصلاً اور طبعاً گذارہ نہیں!

الغرض وراثت زمین اور تمکن فی الارض کا اہم نصب العین نشاۃ آفرینش سے اسلاف انبیاء کے پیش نظر بلا شرکت غیرے رہا، وہ تمام عمر اسی بات کے درپے رہے کہ اپنی امتوں کو اس لازوال قانون، اس اٹل آئین عمل، اس امر رب العالمین، اس **العلم** سے آگاہ کرکے عمل پیرا کردیں جس کا نتیجہ اجتماعی بقا ہے۔ دوام فی الارض ہے بادشاہت اور غلبہ ہے - یہی انکا لایا ہوا دین تھا، اور افراد امت کا اسی طرز عمل کو تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہوجانا انبیا کے مذہب کو ماننے کے مترادف تھا، یہی انپر **ایمان** لانیکے معنی تھے، یہی ایمان کا لازمہ بلکہ بذات خود ایمان تھا۔ اسی بنا پر رسل کا اس دنیا میں مظفر و منصور ہونا لازمہ رسالت تھا، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (صفت) کا مصداق بننا

(بقیہ صفحہ ۶۹) اُخروی جنت مراد لینے میں کسقدر فاش غلطی کی ہے لیکن یہ بحث اصل کتاب صفحہ ۱۱۵ - ۱۱۶ پرکی گئی ہے۔

نہ صرف جزو دین' یا عین ایمان' بلکہ **تمام دین** تھا، اِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الغٰلِبُونَ (صفٰت) نہ صرف ایمان والوں' کی علامت یا مومنوں' کا نشان سیما تھا بلکہ غالب بننا تابع نبیؐ اُمتوں کا واحد مطمح نظر تھا۔ دشمن قوم کی ہلاکت بھی اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ انبیا کے لائے ہوئے قانون پر عمل پیرا نہ ہوتے تھے، رنج اور محنت میں اپنے تن بدن کو ڈالنا پسند نہ کرتے تھے، احکام سے گریز کرتے تھے، یہی انکو نہ ماننے' کے مترادف تھا، یہی **کفر** تھا، یہی تکذیب رُسل' تھی۔ اور اسی بنا پر نبیؐ کی تابع اُمت منکر گروہ پر غلبہ حاصل کر جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے ایمان' اور کفر' کی اسی عملی کیفیت کو کسی قوم کی صلاحیت یا عدم صلاحیت کا صحیح معیار قرار دیکر یہ قطعی' لازوال اور اٹل محاکمہ پیش کر دیا کہ صاحب' ایمان' قوم کے کافر' قوم سے قتال کا نتیجہ ہر نوع اور بہرحال یہ ہے کہ ایمان والی قوم اس روئے زمین پر کبھی پیٹھ نہیں پھیرتی، جب پیٹھ پھیرینگے کافر' ہی پھیرینگے۔ روزِ ازل سے یہ ایک طے امر ہے، **قانونِ خدا** ہے جو روزِ آفرینش سے برابر چلا آیا ہے اور جبتک زمین و آسمان قائم ہیں برقرار رہیگا: وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○** (الفتح)۔ گویا جہاں فتح و ظفر کا پرچم لہرا رہا ہے، جہاں ایک قوم کو دوسرے گروہ پر غلبہ حاصل ہے، جہاں ایک طرف عجز اور بےبسی، اور دوسری طرف قوت اور استیلا قائم ہے، وہیں ایک قوم انبیا کے خدا کے ہاں سے لائے ہوئے مشترک قانون کی صحیح معنوں میں **مومن'** ہے، اس العلیٰ کے کسی نہ کسی اہم حصے پر عمل کر رہی ہے، نہیں اس علم و عمل کی وجہ سے ہی کامیاب ہو رہی ہے، وہیں دوسرا گروہ اس قانونِ خدا سے **کفر** کر رہا ہے، اس کا عملاً منکر ہے۔ یا اُس کی کماحقہ تعمیل کرنے میں کسر رہ گئی ہے، یا مخالف فریق اُس پر بہتر اور باحسن وجوہ عمل کر رہا ہے۔ فتح و نصرت کا سلسلہ جبتک قائم ہے، کفر و ایمان کا یہ محاکمہ قطعاً پورا ہوتا رہیگا۔ خدا کے قانون کی پہلی اور آخری دفعہ یہی ہے کہ ایمان ہر نوع فتح و نصرت کے **مترادف'** اور کفر بہرحال شکست اور زوال کے **ہم معنی** ہے!

اسلاف انبیا سے قطع نظر خود **نبی آخر الزمان** علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد مطمح نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور اُمتِ عرب کو بقا و دوام کے معراج پر پہنچانا تھا، یہی ان کے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض

تھی (هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (صف)) نہیں بلکہ اسی غالب ہوکر رہنے کے علم کو حاصل کرکے اس پر عامل ہوجانا عین اسلام اور عین دین بلکہ تمام اسلام اور تمام مذہب تھا۔ سرور کائنات اگر کوئی پیغام بشارت اپنی قوم کے لیے لائے تو یہی یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (ہود) کا لائے، نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (صف) کا لائے، لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ (نور) کا لائے، لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور) کا لائے، هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ) اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (اعراف) کا لائے، قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ (آل عمران) کا لائے یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ (انفال) کا لائے، اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کے بعد فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (انفال) کا لائے، **وارث زمین** بناکر خدا کی نظروں میں **صالح** اور **عابد** بنانے کا لائے (وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ (انبیاء))، نہیں بنی نوع انسان کو متمکن فی الارض کرکے حفظ و امن دینے آئے، دوام اور بقا دینے آئے خوف کی ظلمتوں سے نکال کر امن کے نور کی طرف لے آئے (كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (ابراہیم))، دشمنوں سے ناک رگڑوا کر اس نور کو پورا کرنے آئے (وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (صف))، متحد کرکے قوی اور بے خوف و خطر کرنے آئے! اسی نقطۂ نظر سے وہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء) تھے، صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (یٰس) پر تھے [*]، فرستادہ خدا تھے، بَشِیْرٌ اور نَذِیْرٌ تھے۔ اس نیک سیرت نبی نے اگر اپنی قوم کو کسی فوری عذاب سے ڈرایا، تو اسی اجتماعی ہلاکت کے جہنم سے ڈرایا، مجموعی راحت اور دنیوی امن کی شاہ راہ دکھلا کر شکست و انحطاط کے یوم کبیر سے ڈرایا (یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ (ہود))، غیر قوم کے عرب پر مسلط ہوجانے کے عذاب الیم سے ڈرایا (اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (توبہ))، محکومیت اور غلامی کے سعیر سے ڈرایا (وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

---

[*] صراط مستقیم کے اصلی مفہوم کے متعلق ایک مختصر اور فیصلہ کن بحث عربی فہرست بیان میں صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ پر آچکی ہے، اور اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۴ پر پھر آئیگی لیکن یہاں پر سورہ فتح کی چند نہایت معنی خیز اور حقیقت کشا آیتوں کو پیش کر دیا جاتا ہے جن میں صراط مستقیم کے الفاظ واقع ہوئے ہیں اور جن سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دشمن پر بہر نوع **غالب** ہوکر رہنا، انکے وسائل و ذرائع اور مال و متاع کو **لوٹ کھسوٹ** کر انکو بے دست و پا کر دینا اور اپنی جماعت کو انکے دست تعدی سے حتی الوسع **بچائے** رکھنا ہی خدا کی نظروں میں اس دنیا میں رہنے کا **راہ راست** اور **صراط مستقیم** ہے۔ بیعت رضوان کے ذکر میں ارشاد الٰہی ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ (الفتح)۔ مزید توضیح کے لیے اصل کتاب صفحہ ۲۳۳ کو دیکھا جائے۔

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد)، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (بقرہ) سے ڈرایا، فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (توبہ) کہکر ڈرایا، اجتماعی زوال کی آسمانی بجلی سے ڈرایا، (كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (احقاف)) ! اگر کچھ قوم کے پیش نظر کر دیا تو یہی دنیاوی حالت کی بہتری کردی (سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد))، اجتماعی زبون حالی کے دور کر دینے کا وعدہ کیا (كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد)، جنّاتِ زمین پیش پیش کر دیئے، منکروں کی خستہ حالی کا سماں باندھ دیا (اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (محمد)) نہیں اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (الاحزاب) کا احسان جتلایا، قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (الاحزاب) اور وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً (الفتح) کا انعام بتایا، الغرض جس رنگ میں آسمانی پیغام دیا اُس کا منتہائے جلیل یہی اجتماعی تمکن اور وراثت زمین ہی رہا۔ قرونِ اولیٰ کی اسلامی زندگی کے تمام عملی ماحول کو پیش نظر رکھکر دقیقہ رس اور حقیقت شناس شخص کیلئے آج بھی اس امر کا اعتراف کچھ متعذر نہیں کہ عہدِ رسالت میں اور اُسکے کئی برس بعد تک ہر مسلمان کی زندگی اِسی واحد نصب العین کے لیئے **وقف** رہی، ہر فرد اِسی 'الاعلون' بن کر رہنے کو عین **اسلام** بلکہ تمام **ایمان** سمجھتا رہا۔ ہر متنفس کا منتہائے عمل، اُسکا اُٹھنا اور بیٹھنا، اسکی زندگی اور موت اِسی امر کے درپے رہی کہ یا اسلامی اخوت اپنی مسامحت کے زور پر خود بخود اِسقدر وسیع ہوتی جائے کہ دشمن ایک باقی نہ رہے یا منکر نسیًا منسیًا کر دیئے جائیں کہ سب طرف يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال) کا سماں بندھ کر رہے! چیتھڑے کے پر تلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں اور رسیوں سے مرمت کیئے ہوئے نیزے اِس عہدِ نبوت میں جزو اسلام تھے، سر بکف اور تیغ بہ بر مجاہد ہو کر رہنا سچے 'مسلمان' بننے کی نشانی تھی، زخموں پر پٹیاں باندھنے اور بزدل خاوندوں سے ناراض رہنے والی بیبیاں صحیح معنوں میں 'مومنات' تھیں۔ یہ وہ اسلام اور وہ ایمان تھا جسکے باعث سرورِ کائنات کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر اندر عرب مسلمانوں نے سطحِ زمین کے **چھتیس ہزار** (۳۶۰۰۰) شہر اور قلعے سر کر لیئے تھے، **چار ہزار** ہیکلوں اور بتخانوں کو پیوند زمین کر دیا تھا، صدہا گرجے مسجدوں میں تبدیل کر دیئے تھے

ستّو برس کے اندر اندر اس اولو العزم نبیؐ کے اولو العزم پیروؤں اندلس کی برفانی چوٹیوں اور فرانس کے سرسبز میدانوں میں جا دھمکے! افریقہ کے تپتے ہوئے بیابانوں کو چشم زدن میں طے کرکے جنات زمین کی تلاش میں لگ گئے، خدا کی زمین خدا والوں نے شیطان والوں سے جبراً اور کرہاً چھین لی، کسریٰ کی عظمت کو ملیامیٹ کر دیا، قیصر کے تخت کی بنیادیں ہلا دیں، فرعون کی کھوپڑی پر گھوڑے دوڑائے، ادھیراج مہاراجے رام رام پکار اٹھے، یورپ کے بلند نشینوں کو فرش پر گرا دیا! 'مذہب اسلام' بعد میں خواہ کچھ کا کچھ بن گیا ہو، اسکی یہ متزلزل الارض صورت ناحقیقت شناس لوگوں کی متفقہ تاویل سے یا عوام کے متفقہ مکر کے باعث کچھ کی کچھ بن گئی ہو، سعی و عمل کی وہ لشکر انگیز اور کارکن تڑپ 'اقوال' اور 'اعتقاد' کی آرام دہ اور ناکارہ صورت میں بدل چکی ہو، مگر قرآن حکیم کے **طالب العلم** اور مذہب کی تہ کو پہنچنے والے دقیقہ رس کے لیئے، نہیں بلکہ پیام خدا کو ابتدائے آفرینش سے اخیر دم تک **ایک** یقین کرنے والے حقیقت شناس کے لیئے اس واقع الامر سے انکار کرنا محال ہے کہ خاتم النبیینؐ کا لایا ہوا اسلام دراصل وہی **قرن اوّل** کا اسلام تھا، وہی ابوبکرؓ اور عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ والا اسلام تھا، خالدؓ اور طارقؒ، مسلمؒ اور ابو عبیدہؓ والا اسلام تھا، غالب بنکر رہنے اور پیٹھ نہ پھیرنے والا اسلام تھا، دوست کو آغوش لطف و مرحبا میں لیکر تنومند کر دینے والا اسلام تھا، دشمن کو مہلت دے کر نیست و نابود کرنے والا اسلام تھا، سب بنی نوع انسان کو سطح زمین کی متحد، بے روک ٹوک اور بے خوف و خطر **بادشاہت** پر قائم کرکے نسل انسانی کو باہم **فساد** سے پاک اور **ایک** کر دینے والا اسلام تھا (حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال))، نہیں گبر و برہمن، یہود اور عیسائی، آتش پرست اور گور پرست کے سب ہادیوں اور پیغمبروں، سب رہنماؤں اور رسولوں کو اسی **الاسلام** کے حامل قرار دے کر یہی **وارث زمین** اور **متحد** بنانے والے پیغام کے مبلغ یقین کرکے، اسی 'مذہب' اسی 'جائے ذہاب' اور اسی 'راہ عمل' کے ناشر مانکر سب کے درمیان **تفرقہ** اور مخالفت مٹا دینے والا اسلام تھا! سب انسانوں کو ایک خدا کے مشترک بندے، ایک باپ کے ہم مرتبہ بیٹے، ایک نوع اور ایک جنس کے یکساں اور مساوی افراد یقین کرکے اُن کے درمیان رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا

ماحول پیدا کرنے والا اسلام تھا! اس اسلام میں **شدت** تھی (اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح))، اس میں سختی اور **غلظت** تھی (وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ))، اسمیں دعوت اور اضطراب تھا، انانیت اور اعتصاب بھی تھا (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران))، فاتحانہ تجرد اور فاخرانہ تحکم تھا (لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران)) اسمیں حمیت اور **عصبیت** تھی مگر **تعصب** قطعًا نہ تھا، مذہبی اور اعتقادی تجرید ہرگز نہ تھی، یہود سے یہود ہونیکے باعث نفرت نہ تھی، عیسائی سے عیسائی ہونیکے باعث اجتناب نہ تھا، ہنود سے کرشن علیہ السلام کی وجہ سے مخالفت نہ تھی، پارسی سے زرتشت علیہ الرحمۃ کی پرخاش نہ تھی، نہیں اسلام سے محمدؐ مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے اعتنا نہ تھا (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا، وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥ (آل عمران))، **دینِ خدا** سے **دینِ محمدؐ** ہونے کے باعث محبت نہ تھی۔ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والسلام کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لیکر ارادتًا یا مصلحتًا لوگوں سے کہا کہ رسولِ خدا مرے نہیں تو حضرت **ابوبکرؓ** نے منبر پر چڑھکر فرمایا کہ "لوگو! اگر رسولِ خدا کی تلاش میں ہو تو وہ تو انتقال کر گئے لیکن **خدا** زندہ ہے اور اسکو موت ہرگز نہیں"۔ یہ سب اسلیے کہ اُس اسلام کو محمدؐ سے بحث نہ تھی، اُسکو اُس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں ملکر مٹی ہو جانیوالا تھا، اُن کو بنی نوع انسان کیطرف خدا کے بھیجے ہوئے "**قاصد**" کو بُت بنانا مدنظر نہ تھا، اُنکو **پیغامِ خدا** سے غرض تھی، "نامہ" ربّ العلمین سے بحث تھی، بنی نوع انسان کیطرف خالق زمین و آسمان کے بھیجے ہوئے **خط** کی بیتابی تھی، مکتوب کو چھوڑ کر نامہ بر کی آؤ بھگت کرنا کچھ مدنظر نہ تھا! وہ اس بات کے درپے تھے کہ حکمنامہ خدا کی **تعمیل** ہو، **مشیت ایزدی** پوری ہو کر رہے، جو شے وہ بادشاہوں کا بادشاہ چاہتا ہے اُسکی تکمیل ہو، جو نفس پیغام ہے اُسکی طرف توجہ ہو، یہ دینؐ **خدا** کا بھیجا ہوا دین ہے، سب انبیاء کا لایا ہوا دین ہے، محمدؐ (صلعم) کا بنایا ہوا دین ہرگز نہیں! یہود اور نصاریٰ سے تجرد بھی اسی عدمِ تعمیل کی بنا پر تھا، وہ اس نصب العین کے درپے تھے کہ ربّ زمین و آسمان اپنے سب بندوں کے ساتھ مساوات اور اتحاد چاہتا ہے، نسلِ انسانی کا دوام

بقا چاہتا ہے۔ انسان کو اس زمین پر صحیح معنوں میں اپنا **خلیفہ** بنانا چاہتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی تکمیل چاہتا ہے۔ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ) چاہتا ہے، سطح ارض پر **ایک** متحد قومیت کا تسلط چاہتا ہے (وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (ہود))، مشرق اور مغرب کا، شمال اور جنوب کا، بر و بحر کے مکین کا آپس میں کامل اتفاق عمل چاہتا ہے، فساد سے فی الجملہ ناخوش ہے، زمین کی متحدہ خلافت کا نصب العین پیش کر کے سب کا ایک طرز عمل، ایک دین، ایک صراط مستقیم، ایک **ملت** چاہتا ہے، سب انبیا کو اسی پیغام کا حامل، اسی اہم دستور العمل کا مبلغ، اسی عسیر الحصول آماجگاہ کا مشتاق قرار دیتا ہے، ہر انسان سے یہ بات قبلوا کر سب کو **ایک** کر دینا چاہتا ہے، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم) کے ہلاکت انگیز منظر کو یک قلم دور کر کے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (ہود) کا امن افزا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (ابراہیم) کے محشر انگیز سے کو حتی الامکان پیدا کرنا نہیں چاہتا! یہی وجہ تھی کہ صدر اسلام میں ختم رسل کا لایا ہوا دین صرف ایک **جمہوریت** تھا، ایک بنی نوع انسان کا بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا اختلاف قوم و مذہب بھائی چارہ تھا، ایک زبردست اور عالمگیر اخوت تھا، ایک اٹل اور غالب عصبیت، ایک محرک اعتصاب شرکت تھا، دوسری قوموں کو ناحق چڑا کر، اُن کے مقدس پیغمبروں کو گالیاں دے کر، اُن کے محرف یا غیر محرف دین کو بُرا بھلا کہہ کر اپنا دشمن بنا لینا اُس اسلام کا نصب العین ہرگز نہ تھا! اسی مساہمت اور بلند نگاہی کے باعث اس دین میں مقناطیس کی جاذبی کشش پیدا ہو گئی تھی، یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر) کا سماں ہر طرف نظر آتا تھا، اسی کے باعث زمین کے ایک بڑے سے بڑے حصے پر امن پیدا ہو گیا تھا، **آلٰہی حکومت** مالک ارض و سما کی منشا کے عین مطابق قائم ہو گئی تھی، دوست ماں جائے بھائی کی طرح بغلگیر ہوتے تھے، دشمن موت کے انتظار میں دم بخود تھے۔ امن اور بادشاہت تھی، اکراہ اور اجبار نہیں تھا، دین کو لوگ فرقہ بندی نہ سمجھتے تھے، نصرانیوں اور یہودیوں کے بالمقابل "محمدی" بننا اکثر نہ جانتے تھے، اُن کے پیش نظر صرف قانون خدا کا عملاً مطیع بننا تھا، "مسلم" بننا تھا، خدا کے بھیجے ہوئے دستور العمل کو پیہم سعی و عمل سے نباہنا تھا، خدا کے آخری رسول کو بُت بنا کر

اُن کے پیچھے صف آرا ہو جانا نہ تھا! یہی سچی اور بے لاگ **توحید** تھی، یہی **توحید فی الرسالت** کے صحیح معنی تھے! (مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا **مُّسْلِمًا** (آل عمران)) ! آج جو قومیں اِس الاسلام اس دینِ محمدؐ، اِس مذہب خدا اور راہ مالک الملک کے عُشرِ عشیر پر بھی صحیح معنوں میں عمل پیرا ہیں، جو **وراثتِ زمین** کو انسان کا صحیح معنوں میں واحد نصب العین اور یکتا مذہب عمل یقین کرکے اِس **رہنمائی** میں دن رات لگی ہیں، جو **لاشریک** بادشاہت کو خدائے بے ہمتا کا واحد حکم سمجھکر اس حکم کو فعل میں لانے کی سعی کر رہی ہیں، جو مالک زمین و آسمان کو قوی و عزیز سمجھکر **قوّت** اور **عزّت** حاصل کرنیکے درپے ہیں، جو اسکو سمیع اور بصیر اور علیم یقین کرکے 'تخلقوا باخلاق اللہ' کے کسی حصّے پر عامل ہیں، نہیں جو وراثت زمین کو اپنا دین و ایمان، اپنا سچّا مذہب اور مسلک یقین کرکے اور سب دینوں سے مستغنی ہیں، عیسوّیت اور موسوّیت، ہندوّیت اور محمدّیت کی سب اعتقادی بھول بھلیّوں سے بے نیاز ہیں، اپنی جماعت کے اندر ایک اٹل عصبیت ایک عالم آرا وحدت، ایک دشمن کُش اتحاد پیدا کرکے عاجز کو اور عاجز کر رہی ہیں، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی سچّی تصویر ہیں نہیں جو قومیں اُس صنّاع بیمثال کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کیڑوں اور مکوڑوں، پرندوں اور حیوانوں کے اعمال و عادات، معمولات اور اخلاق کا صحیح مطالعہ کرکے اُنہی کی طرح اِس زمین کے برّو بحر پر، اُسکے بالا و پست پر، اُسکے جبل و سہل پر، اسکے تحت الثّریٰ میں، تحت البحرین اور جوف آسمان پر ہر ممکن طریقے سے **قابض** ہونا چاہتی ہیں، اُنہی کیطرح کے ایک قطع کے آشیانے، ایک رنگ کا لباس، ایک طرز رہایش، ایک دستور العمل، ایک شکل و صورت، ایک نصب العین، ایک قاعدہ اور طریقہ، ایک دین، ایک مذہب، اپنے افراد کے اندر قائم اور دائم کرکے ایک اٹل عصبیت اور جہاں شکن زور اپنے اندر پیدا کر رہی ہیں۔ ہاں جو قومیں اُس **دینِ فطرت** پر چل رہی ہیں جو ہر صاحب سمع و بصر کو ہر جا اور ہر وقت اِن آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے جو فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم) کا صحیح مصداق ہے، جو قومیں **اس طرح** پر اپنے پاجاموں اور پگڑیوں، اپنی داڑھیوں اور مونچھوں کو جزو دین سمجھتی ہیں، اور اِس اٹل اور زور آور اتحاد کو، اِس یگانگت اور یک رنگی کو، اِس تمکّن اور یکتائی کو، اِس لاشریک

بادشاہت زمین کو، اس لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (کہف) کے الٰہی خلاق کو، اس نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ (مریم) کی
ربانی صفت کو، اس لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (مومن) کی کبریائی خاصیت کو اپنا واحد شعار اور ایک مذہب سمجھتی ہیں اور
اسکے سوا کسی انسان کے من گھڑت مذہب، کسی خود ساختہ شریعت، کسی لمبی داڑھیوں اور مسواکوں، کسی ڈھیلوں
اور استنجاؤں، کسی پگڑیوں اور پاجاموں کو اتحاد کے نصب العین سے علیحدہ کر کے نہیں جانتیں، وہی آج فطرت کے
خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہیں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ) کی مصداق ہیں، انہی پر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ
لگاتار برس رہا ہے۔ اور جب تک اس صراط مستقیم پر ہیں لگاتار برستا رہے گا۔ خدائے عزوجل نے اسی دین
فطرت کی ماہیت کو کوتاہ نظر اور نابلد انسان پر واضح کرنے کی غرض سے اعلان کر دیا تھا کہ اگر اس دنیا کے
اندر صراط مستقیم چاہتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ سب حیوانی امتیں اور سفلی مخلوق تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں جو
وہ کر رہی ہیں وہی منشائے خدا ہے، جو کچھ انکو سکھلا دیا ہے میری ہی مشیت ہے ہم نے اس کتاب
عظیم کے اندر جو کہنا تھا کہہ دیا ہے اب ذمہ داری اور جوابدہی کا بوجھ تمہاری گردن پر ہے۔ سمع و بصر اور قلب
سلیم تمہیں ارزانی ہے، اب جان بوجھ کر گونگے اور بہرے اور اندھے بن جاؤ تو اسکی سزا آپ بھگتا کرو گے۔ وَمَا
مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
(انعام)۔ مچھر کا نش مار کر اپنے آپ کو "اعلون" ثابت کرنا یا زمین کے ایک بڑے سے بڑے ٹکڑے پر قبضہ کر کے انسان
کو مار بھگانا† میری ہی بنائی ہوئی فطرت ہے، مجھے اس با ایمان وجود کی مثال بیان کرتے ہوئے کچھ شرم نہیں آتی۔
کیونکہ وہ بہرنوع مومن ہے، اور اپنی ذرا سی بساط کے مطابق "اعلون" رہنے کی سعی کرتا ہے، خدا کے روز اول سے
باندھے ہوئے عہد کو توڑتا نہیں! اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۗ
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

† سطح زمین کے متعدد حصوں پر سفلی مخلوق نے اسقدر مستحکم قبضہ کر لیا ہے کہ انسان کے لیے ان اقطاع میں آباد ہونا قطعاً محال ہو گیا ہے۔

یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (بقرہ)، میری سب مخلوق اپنی فطرت اور ہدایت پر روزِ آفرینش سے چل رہی ہے، یک سر مُو اِدھر اُدھر نہیں ہٹتی (اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ))، مگر انسان اپنی جبلت کو بھول بھول کر اپنے آپ کو دُکھ میں ڈال رہا ہے (وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ))۔ بارہا پیغمبر ان کی دین فطرت کو لائے، مگر انہیں اپنی جبلت پر چلتے رہنے کا عزم نہ تھا۔ میں لاشریک خدا ہوں کسی دوسرے خدا کا اس زمین و آسمان کے اندر ہونا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر اس کائنات کے اندر میرے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ زمین و آسمان کبھی کے بگڑ گئے ہوتے (لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء))، میں خود اپنی فوجوں سمیت اس پر چڑھائی کر دیتا اور اُس کو پچھاڑ کر رہتا (وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (المومنون))، تم بھی اسی طرح اس میری بنائی ہوئی زمین پر لاشریک رہو، کسی کو اپنے مقابلے میں آنے نہ دو، وُہ غالب بن کر رہو کہ زمین پر فساد کی کوئی صورت باقی نہ رہے! یاد رکھو کہ میں خدا ہوں لیکن تم مظہر خدا ہو، اوصاف الٰہی کا مجسمہ صغریٰ ہو، میری طرح سمیع اور بصیر ہو (فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ (دہر))، قلب سلیم رکھتے ہو، صاحب دست قدرت ہو، مالک ارادہ ہو، اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (صٓ) بن سکتے ہو، میں نے تمہاری جبلت کے اندر اپنی لازوال اوصاف کا ایک جزو صغیر ڈال رکھا ہے، اپنی رُوح تم میں پھونک دی ہے (نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (حجر))! یہ اسلیئے کہ میں تم سے وہی چاہتا ہوں جو میں خود ہوں، وہی کہتا ہوں جو کر رہا ہوں۔ میں خود قوی اور عزیز ہوں، تمہاری بھی قوت اور عزت چاہتا ہوں۔ جبار اور قہار ہوں تم سے بھی جبر اور قہر چاہتا ہوں۔ رحیم اور رحمٰن ہوں تم سے بھی مساحت اور رواداری کا متمنی ہوں۔ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (رحمٰن) کا مصداق ہوں تم سے بھی انتہائی سعی و عمل چاہتا ہوں، خلاق عظیم ہوں، تم سے بھی بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں، تم اس زمین پر میرے قائم مقام ہو، خلیفہ خدا ہو، فرشتوں کی مرضی کے برخلاف تم کو یہ مقام منیع مل چکا ہے (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ) اسلیئے ان کے طعنہ آمیز قول کے مطابق اس زمین پر **فساد** پیدا نہ کرو! میری ہی تکبیر و اعلا میں لگے رہو، تمہیں اسلیئے ممتاز کیا گیا ہے کہ تم میں علم ہے، **علم اسمار** اور **علم حقائق الاشیار** کی **کامل** استعداد رکھہ دی گئی ہے، ان بیچارے فرشتوں میں یہ بات اصلاً نہیں: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۝ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۝ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (بقرہ) یہی علم و عمل تم کو اس دنیا میں سرافراز کرے گا، یہی خلیفہ خدا ہونے کا سچا اہل بنائے گا، یہ سب ملائکہ بھی تمہارے ہی خادم ہیں، تمہارے ہی مطیع بن کر رہیں گے، تمہیں ہی سجدہ کرتے رہیں گے، یہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے تمہارے ہی لیئے مسخر کر رکھا ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط (جاثیہ)، تمہاری ہی اطاعت اور تمہارے ہی استعمال کے لیئے ہے بشرطیکہ تم اسکے اہل ہو، اگر کہیں کوئی شے تم سے برگشتہ ہو کر رہے گی تو وہ **شیطان** ہے۔ اس پر غالب آنا تمہارا کام ہے، وہی تم سے اکڑ اکڑ کر رہے گا اور مطیع بننا حتی الامکان گوارا نہ کر سکے گا۔ پس اس خلافتِ خدا کے **اہل** بنکر دکھاؤ، **لاشریک** اور **قوی** بنکر دکھاؤ، **عالم** اور **عامل** بنکر دکھاؤ، یہ دنیا دار **المحن** ہے، اس میں بے علم اور بے عمل قوم کا طبعًا کچھہ گذارہ نہیں!

قانونِ خدا کا یہ وہ حیرت انگیز اور حقیقت کشا علم تھا جسکو تیئیس برس کی جاں گزا اور روح فرسا محنت کے بعد پاکر عرب کی اُمّی اور اُجڈ، بے ہتیار اور بے زر قوم نے روئے زمین کے چھتیس ۳۶ ہزار شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لیئے تھے، زمین پر حفظ و امن کی ایک غیر منقطع صورت پیدا کر دی تھی! باغ کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں یکدم لہلہا اُٹھی تھیں، سرو و سمن وجد میں آ گئے تھے، یہی وہ **معرفت نفس** کی پردہ شکن اور تاب گسل منزل تھی کہ اعمال خدا کے علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کا طغرائے امتیاز ہو گیا تھا۔ اسکی تلاش میں چین اور روم ایک کر دیئے تھے، مرد اور عورت سب اسی رنگ میں رنگے گئے تھے۔ خدا کی بنائی ہوئی اشیاء سے طلب عمل کرنا، ان کا علم حاصل کرنا جزو ایمان بن گیا تھا،

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (جاثیہ) کی نغمت صورت قطعاً عیاں ہوگئی تھی! اگر آج بھی اسلام کسی بڑی بڑی پگڑیوں والے مولوی حضرات، یا گز گز بھر لمبی داڑھیوں والے فقیہوں کی کم نگہی کے باعث مسواکوں اور ڈھیلوں، استنجاؤں اور پاجاموں، عماموں اور داڑھیوں کے اندر گھُس چکا ہے، اگر اُسکی اشد شدید حکمت اور مبلغ علم حیض و نفاس کے مسئلوں، گردن مروڑی مرغیوں کی تشریحوں، آمین بالجہر اور رفع یدین کی بحثوں پر ختم ہو چکے ہیں، اور اُدھر قاہر اور **شدید العقاب** خدا اپنے سب اگلے دیئے ہوئے انعام ایک ایک کر کے غیروں پر بانٹنے میں مصروف ہے تو خودکشی کی اس حسرت انگیز صورت کو پیدا کرنے میں قرآن یا اسلام کا کیا گناہ ہے! **فتح قسطنطنیہ**[1] کے محشر انگیز ایام میں رومی اور یونانی بھی اسی قطع کی مضحکہ انگیز بحثوں میں مصروف تھے اُن کا مابہ النزاع بھی یہی تھا کہ "عشائے ربانی" کے موقع پر عیسیٰ علیہ السلام نے جو کھانا حواریوں کی معیت میں کھایا تھا اُسمیں روٹی **خمیری** یا **فطیری** تھی! اسی پر آپس میں خون کی ندیاں بہ جاتی تھیں، اسی پر ایک فرقہ دوسرے گروہ کا پشتینی دشمن بن چکا تھا، دین خدا کی حفاظت میں سب کے سب انہوں کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، خمیری یا فطیری کا مُنہ سے کہہ دینا **ایمان** یا **کفر** کے ہم معنی بن گیا تھا! ادہر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر درس خدا سے باخبر مسلمانوں کا قائد اعظم **محمد فاتح** اُدھر اپنی محاصرہ کرنے والی بڑی توپوں اور قلعہ شکن منجنیقوں کو قرہ حصار پر لگانے میں مصروف تھا اور ابن اللہ کی روٹی کے قضیئے کو ازبس غنیمت سمجھکر روز بروز شہر کے نزدیک پہنچتا جاتا تھا! اس مضحکہ انگیز خودکشی کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ دس مہینے کے اندر اندر محمد اللہ اکبر کہتے کہتے شہر میں جا داخل ہُوا اور ابن خدا کی روٹی کے شیدائی اس طرح دُم دبا کر بھاگے کہ آج اُس سرزمین میں چراغ لے لے کر ڈھونڈنے سے اُس نسل کا ایک فرد باقی نہیں ملتا! عہد حاضر کے مسلمان بھی جو مرضی ہو کرتے رہیں مگر خدائے قاہر کے انتقام کی یہی وہ دردناک صورت ہے جو ہر ظالم کا قوم پر ہمیشہ عائد ہوتی رہی ہے اور جبتک خدا کا قانون اس زمین پر جاری ہے یہی ہوتا رہے گا! وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ۝ (ہود) +

---

[1] ۸۵۷ھ ہجری مطابق ۱۴۵۳ء عیسوی میں قسطنطنیہ ترکوں کے قبضے میں آیا +

پس میری دانست میں اسلام یہی ہے جو اوپر بیان ہوا! وہ وہی ہے جو رسولؐ خدا اپنے ساتھ لائے تھے، جو لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا مصداق تھا، جس نے رسولِ پاک کی زندگی میں تمام عرب کو ایک نقطۂ وحید پر جمع کر دیا تھا، جس نے اُن کی وفات کے بعد ایک عالم کو پابرکاب کر کے سب کو ایک رنگ، ایک مسلکِ عمل، ایک راہ، ایک فطرت پر عامل کر دیا تھا۔ جبتک مسلمان اِس اسلام پر قائم رہے، جبتک وارث زمین اور خلیفہ خدا بنناان کا واحد مطمح نظر رہا، وہ الٰہی اصطلاح میں مُسلمان بنے رہے۔ مسلمان ہونیکے سب قرآنی وعدے، لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (نور) کا وعدہ، سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمدؐ) کا وعدہ، سَتُغْلَبُوْنَ (آل عمران) کا وعدہ، هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ) کا وعدہ، يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر) کا وعدہ، سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ (نساء) کا وعدہ، يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (روم) کا وعدہ، لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (حجر) کا وعدہ، لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ) کا وعدہ، ایک ایک کر کے پورا ہوتا رہا۔ اُسی وقت تک دین اسلام دینِ خدا رہا، راہِ مالک الملک رہا، صراطِ مستقیم رہا۔ اسکے بعد سے جو کچھ اِس دین میں سعی و عمل کو کم کرنے کی نیت سے داخل ہوا بدعت ہے، کفرِ محض اور گمراہی ہے، یا غلو فی الدین ہے یا فریب وریا ہے، یا آرام طلبی کے ڈھنگ ہیں یا تن آسانی کے شیوے ہیں، یا مکر و تاویل کا جال ہے، یا بدمعاشی اور بے ایمانی ہے۔ اگر مسلمانانِ عالم آج اپنی سب "محبوبیت" کے ادّعا کے باوجود موت کے گھاٹ اُتر رہے ہیں تو اسکی وجہ یہی صریح بددیانتی ہے، یہی اصلی اور سچا کفر ہے! اسلام کا اسلام رہ کر وہی قرنِ اوّل والے نتائج نہ پیدا کرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ آگ کا آگ رہ کر کسی وقت نہ جلانا، یا پانی کا پانی ہو کر کبھی نہ بہنا ایک امرِ متعذر ہے۔ مسلمان یا اُنکے عُلمائے دین اس حقیقتِ کُبریٰ کو تیرہ سو برس تک دیکھنے سے انکاری ہیں، اپنے آباؤاجداد کی گمراہ کن اور موت انگیز پیروی کو پیش نظر رکھکر دن کو رات

* صفحہ ۱۱ کے (فیلڈ) ۲، کے شروع میں لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کو رسول خدا صلعم کے بھیجے جانے کی واحد غرض قرار دیا گیا تھا۔ اِس امر کے ثبوت کے لیے اصل کتاب کے صفحہ ۱۸۲ سے ۱۸۵ تک کی آیتوں اور صفحہ ۱۸۲ و ۲۴۰ کے حواشی کو دیکھنا چاہیے لیکن سورۂ فتح کی ذیل کی آیتیں سیاق و سباق کلام سے الگ کر کے شاید اِس دعوے کی نقیض قرار دی جائیں۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۴۸: ۸-۹) لیکن سورۂ فتح کی پہلی سات آیتوں کو پڑھنے کے بعد ہر صاحب نظر پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر بھی اگر ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور اسکی نصرت اور تعظیم کو حضرت کے بھیجنے کی غرض قرار دیا گیا ہے تو اسکا مطلب یہی ہے کہ اہل عرب رسول خدا کے معاون ہو کر اس قانون پر چلیں جسکا نتیجہ اجتماعی تمکن اور بادشاہت ہے۔ یہ بات صاف طور پر (۴۸: ۱)، (۴۸: ۲)، (۴۸: ۳)، (۴۸: ۴) بلکہ (۴۸: ۵) (جس میں مومنوں کو جنّات زمین میں داخل ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے)، اور (۴۸: ۶) (جس میں منافقوں اور دشمنانِ رسول کو اجتماعی عذاب سے ڈرایا گیا ہے) سے ہی ظاہر ہوتی ہے اور (۴۸: ۸) میں مبشّر اور نذیر کے الفاظ لکھکر تو اور بھی واضح کر دیا ہے کہ رسول خدا کے مبعوث ہونے کی غرض و غایت اجتماعی بقا کی بشارت دینا اور اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی ہے۔ (دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۸)۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشّر اور نذیر ہونے کا ذکر تو کم از کم چار جگہ اور ہے مگر مذکرہ صدر آیات اور صفحہ ۱۸۲-۱۸۵ کے حوالہ جات کے ماسوا قرآن کے طول و عرض میں آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی اور کوئی غرض و غایت کہیں بیان نہیں کی گئی +

کہتے پھریں، آنکھیں ہو ہوا کر نہ دیکھیں، کانوں سے نہ سُنیں، ذہنوں کو استعمال میں نہ لائیں اور مکر کی نیندیں لے لے کر اسلامی اُمت کو اور رسوا و ذلیل کر دیں مگر قرآن کا بتایا ہوا اسلام ہر صاحب نظر کی نگاہ میں وہ روشن اور نا لائق حجود حقیقت ہے کہ دس لاکھ علما کی متفقہ تاویل یا دس ہزار اُمتوں کا پورا اجماع بھی اُسکے بتائے ہوئے قانون کو بدل نہیں سکتا! جبتک اور جس شدت سے، جس وقت اور جس اُمت میں وہی قرن اوّل کا اسلام عملاً اور معناً موجود ہوگا، جو قوم اُس قانون خدا کا اتباع اپنے تن بدن کو دُکھ میں ڈال کر کرے گی، ہاتھوں اور پیروں کو محنت اور تکلیف برداری کا خوگر بنا کر اس کشت زار کسب و عمل میں، نہیں اس مزرعۃ الآخرۃ کی چمن خیز سرزمین میں چند دانے سعی و عمل کے بو کر انکی مناسب طور پر آبیاری کرتی رہے گی، اور سر بفلک درخت اُگنے کے والہانہ انتظار میں خوشدل باغبان بنے رہنے کو اپنی زندگی کا واحد مآل سمجھے گی، وہی اُس جفا طلب اور صبر آزما خدا سے کچھ لیکر رہے گی۔ وہی اسکی صحیح معنوں میں محبوب اور منظور نظر، اُسکی مُسلم اور عابد بن جائے گی۔ اگر اس دنیا میں غالب بن کر رہنا مسلمانی اور ایمان کی **شرط** ہے اگر خلیفہ خدا اور مالک زمین بننا عین اسلام اور تمام قرآن ہے تو یہ سب کچھ عمل اور صرف عمل سے ہو سکتا ہے، پیہم اور شبانہ روز تکلیف سے ہو سکتا ہے آرام طلبی کے نئے ڈھنگ نکالکر اور قانون خدا میں آسانیاں وضع کر کے اس مقام جلیل کے برقرار رہنے کی امید کرنا ہوشمند قوم کا کام نہیں۔ لفظوں اور عقیدوں، کلموں اور قولوں پر اکتفا کر کے شرعی پاجامے اور باعزت پگڑیاں پہن لینا اور اس طرح پر اپنے آپ کو 'مسلمان' بنائے رکھنا **کامچور** اور **نابکار** اُمت کا شیوہ ہے۔ اس دانائے نہان و آشکار کو عبث دھوکا دینا ہے۔ خیر الماکرین کے ساتھ مکر کرنا ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا آقا بھی اس زبانی جمع خرچ اور 'لفظی عبادت' کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، کامچور نوکر کی صرف زبانی آؤ بھگت کو دیکھ کر ملامت سے چشم زدن میں رخصت کر دیتا ہے، پھر آقائے **شمس و قمر** سے اس 'کام' پر اُجرت یا نعمت کی امید رکھنا پوری جہالت ہے اور جو قوم کی اس حقیقت کی معترف بننے سے انکاری ہے یا معترف بننے کے بعد عمل سے گریزاں رہی ہے اُسکی زندگی کے دن اس سطح زمین پر قطعاً گنے جا چکے ہیں!

پس میری دانست میں اگر ایک شخص اپنے لفظی اور زبانی عقیدے پر **عامل** نہیں تو اُسکا عقیدہ خدا کی نظروں میں محض کچھ شے نہیں، اگرچہ کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ اُسکے مطابق عمل نہیں کرتا تو یہ کہنا بھی کچھ نہیں، نہیں بلکہ کہنا اور کہہ کر پھر نہ کرنا سچی **منافقت** ہے، اصلی بدمعاشی ہے، ایمان کی ضد ہے: (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف)) **قرآن کا گناہ کبیرہ**† ہے: (کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف)) ! ایسے شخص کے لیے ایمان کا دعوے دار بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہے، کم از کم خدا کے نزدیک اس قول کی کچھ قیمت نہیں، وہ خدا کو دہوکا دینے کی سعی کر رہا ہے، اور خدا کو دہوکا کیا، دراصل اپنے نفس سے مکر کر رہا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ)) - برخلاف اِسکے جو شخص **عمل** کر رہا ہے، کسی حکم خدا پر عامل ہو کر اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اسکا عقیدہ بھی درست ہی نہیں بلکہ وہی عقیدے کا صحیح معنوں میں مدعی ہے، اُسی کے دل میں عقیدت اور یقین کا ایک لازوال ہیجان موجود ہے، وہی اس حکم خدا کی نافعیت کا سچا قائل ہے، وہی اُسکے حاکم اعلیٰ ہونے پر سچا ایمان رکھتا ہے، وہی اُسکو صحیح معنوں میں مان رہا ہے، وہی اُسکو دل سے آقا تسلیم کرتا ہے، وہی **مسلم** اور **مومن** ہے۔ کسی نوکر سے **ملازمت** آجتک منہ کے کہے سے نہیں ہوئی، زبانی عقیدے یا کسی کلمے کو دُہرا کر ہرگز نہیں ہوئی، وہی صحیح معنوں میں نوکر ہے جو کام کر رہا ہے جو کہا مان رہا ہے، وہی تنخواہ بھی لے رہا ہے، وہی آقا کو آقا مان رہا ہے اور وہی اُسکے حاکم ہونے کا معتقد بھی ہے! چہروں کو غمگین بنا بنا کر اور لمبے سانس بھر بھر کر یہ کہتے رہنا کہ ہم خدا کے قائل ہیں، ہم اُسکو وحدہٗ لاشریک سمجھتے ہیں، ہم اُسکو ایک مانتے ہیں، ہم اُسکے وجود پر شاہد ہیں، ہم اُسکے ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، ہم مسلمان اور مومن ہیں اور ساتھ ہی اُسکے دیے ہوئے حکموں پر عمل نہ کرنا، اُنکو پرِکاہ کے برابر نہ سمجھنا، توفیق نہ ہونے کا شیطانی عذر کہہ کر ٹال دینا اور باوجود اِسکے "عقیدہ درست رکھنے" کا طاغوتی اصرار کرنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، انتہائی ریاء، مُلّائی جہالت اور ابلیسی تجاہل ہے! کسی فردِ واحد نے آجتک کسی شہر کے حاکم کو **اسطرح** پر نہیں مانا، کوئی تن واحد اُس

† موجودہ فقہ کی بے سند فتواؤں اور مُلّائی افراط و تفریط سے قطع نظر، قرآن عظیم میں صرف چند مہلک جماعت حکم ہیں جنکو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے ان میں سے ایک یہی قَالَ تَفْعَلُوْنَ کا گناہ عظیم ہے (بقیہ صفحہ ۸۵)

مالک نفع وضرر کا اس نہج پر قائل نہیں ہوا، کسی نے اُسکو اِس طور پر تسلیم نہیں کیا! اُسکو ماننا، اُسکو تسلیم کرنا، اسکو حاکم سمجھنا، اُسکا معتقد ہونا ہر جگہ اور ہر شخص کے نزدیک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اُسکے احکام کی ہر نوع اور بہر حال تعمیل کی جائے، اُسکے حکم کو "مرگِ مفاجات" سمجھکر چار و ناچار مانا جائے، اُسکے مروج قانون کی حدود سے باہر نہ نکلا جائے شب و روز اور پیہم تعمیل ہو، طوعاً و کرہاً تعمیل ہو، توفیق ہو نہ ہو مگر حکم کے برخلاف کچھہ نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی ستم ظریف حکم عدولیاں کرنیکے بعد بھی حاکم شہر کو یہ سُنا رہا ہے کہ وہ اُسکو کم از کم مُنہ سے مان رہا ہے، وہ اُس کو وحدہ لاشریک کہتا ہے، وہ اُسکے وجود کا زبان سے شاہد ہے، تو حاکم کیلئے اِس مسخرے کے دماغ کو درست کرنیکی اِس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ اُسکو پاگل خانے بھیجدیا جائے، یا جو کچھہ منوانا ہے بنوک سنگین منوا کر شہر بدر کردیا جائے! زبانی عقیدہ اطاعت اور عمل کے بدون کچھہ شئے نہیں، نہ اِس سے اس عالم اسباب و علل اور کائنات شرط و جزا کے اندر سلطنتیں مل سکتی ہیں نہ غلبہ قائم رہ سکتا ہے، اور جب عمل موجود ہو اور کسی شخص کے ہاتھہ پاؤں آقا کی ملازمت کے پیہم گواہ بنجائیں تو زبانی عقیدہ کی بھول بھلیوں میں پڑنا محض بیکار ہے۔ مسلمانوں کی کاہچور اور کم ہمت قوم نے آج اطاعت کی تکلیف دہ صورت کو خیرباد کہکر "عقائد" کی آرام دہ مکاری پر اپنے دین کا تمام حصر سمجھہ لیا ہے۔ اور اِس مکر کے اندر ایک نیا مکر یہ پیدا کرلیا ہے کہ نہایت عقیدتمندی سے اِس بات کے درپے رہتے ہیں کہ خدا کو خوش کرنیکے لیئے "عقائد کو درست کیا جائے" اعمال کے درست ہونے پر بحث قطعاً بند ہوچکی ہے گویا مُلک اسلیئے چھینے جارہے ہے کہ اُس حاکم زمین و آسمان کو اِس لاڈلی اُمت کے "ملفوظات" پسند نہیں رہے، اور جبتک اقوال کو درست نہ کیا جائے زمین و آسمان کی اِس "قول پسند ملکوت" کے اندر خدا کو خوش کرلینا محال ہے! وکذالک

جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۖ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ٥ (انعام) *

میں اِس کتاب کو پہیلی یا بوجھارت قطعاً نہیں بنانا چاہتا۔ میرے نزدیک وہ وقت اب گذر چکا ہے کہ اسلام کی اجل زدہ اُمت کو پوری دس جلدوں کا انتظار کراکر مذہب اسلام کے سربمہر راز کو آہستہ آہستہ کھولوں یا جبتک مبادیات پر مختتم اور فیصلہ کن بحثیں نہ ہوچکیں اور اُنکو من و عن قبلوانے کے لیئے زمین تیار نہ کرلوں مُتشبہات پر

(بقیہ صفحہ ۸۴) ایک شرک ہے جسکی بخشش ممکن نہیں، اسپر بحث آگے چلکر رہیگی۔ ایسے لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل (حرام) یعنی بد دیانتی سے قوم کا مال ہضم کرنا ہے، اور اسی دن کیلئے جہنم تیار کیا گیا ہے جسکی نسبت کوئی بدتر جگہ نہیں *

ایک قطعی اور آخری فیصلہ پیش از وقت دینے سے محترز رہوں۔ میرے نزدیک اسلام کی اس پُر آشوب حالت میں مصنف کے اپنی تصنیف کے بارے میں طبعی تجمل کا وقت گذر چکا ہے۔ ایک مارگزیدہ اُمت کیلئے عراق سے تریاق منگوانے کی تجویز کرنا اب لاحاصل ہے۔ یہ تکلفات پُرامن اور فرصت کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کیلئے چند لمحوں کے لئے بھی کسی مستقل اور یقین انگیز، کسی نفعمند اور مختصر راہ عمل کیطرف نہ آنا **فوری ہلاکت** کا سامنا کرنا ہے۔ دلیلیں اور بحثیں اصل کتاب کے آئندہ اوراق میں ہوتی رہیں گی، میں نے اُن اوراق میں اس بات کا التزام کر لیا ہے کہ کسی امر کے متعلق ایک حرف بے دلیل نہ کہا جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑھایا جائے جبتک کہ الٰہی حُجت کو پیش کر کے پچھلے قدم کو قطعاً مضبوط اور غیر متزلزل نہ کر لیا جائے لیکن وسُ جلدوں کا انتظار ناظر کتاب اور بالخصوص قرآن سے آشنا شخص کیلئے نہایت تکلیف دہ ہے، اور طوالت میں اصل مطلب کا خبط ہو جانا بھی بسا اوقات امر غالب ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھکر میں نے **عربی افتتاحیہ** میں جو کچھ کہنا تھا حتی الوسع کہہ دیا ہے۔ مسلمانانِ عہد حاضر کو ایک قطعی اور مختصر راہ عمل کیطرف عام فہم الفاظ میں پھر اشارہ کر دیا ہے۔ **ایمان** کے لازمات پیش کر دیئے ہیں، **توحید** کا سچا اور اصلی مفہوم بتا دیا ہے، **اتقا** کے اعمال واضح کر دیئے ہیں، **شرک** کی ماہیت کو کھول دیا ہے، **کفر** کی مستور حقیقت کے بخیئے اُدھیڑ دیئے ہیں، **صراط مستقیم** کو اظہر من الشمس کر دیا ہے، **قانونِ خدا** کا وہ عملی اور ابتدائی، وہ اہم اور اٹل حصہ پیش کر دیا ہے جس پر چلکر ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر قریے اور محلے کو ہر وقت اور ہر جگہ اس دنیا کے کسب و عمل کے اندر امن مل رہا ہے۔ وہ **دس عظیم الشان اصول**† غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جنکو پاکر اُمت محمدیہ کو چند **لمحوں** کے اندر بادشاہت زمین مل سکتی ہے، جن پر دین اسلام کا **تمام** حصر ہے، جن پر خاتم الانبیاءؐ کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہے، نہیں بلکہ جو ہر **بادشاہ قوم** کا **واحد اور دائم مذہب** ہے اور جبتک زمین و آسمان موجود ہیں یہی طرز عمل رہیگا۔ اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتی الامکان الٰہی سند بھی دیدی ہے، ایک ناقابلِ رد حُجت کو قرآن عظیم سے لیکر تاویل کی فریب کاری اور عقائد کی بدمعاشی کو جڑ سے کھیڑ دیا ہے۔

† دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۱۔ الخ۔

برہان خدا کی بے رحم کلہاڑی کو انسان کے اپنی کامجوری اور غفلت سے اگائے ہوئے جنگل پر یہ بیدریغ استعمال کیا ہے کہ ہر صاحب کو اِس مُہلک اور قاطع نمو، اس بیکار اور ناخوش آیند کاہ وگیاہ کے نیچے اسلام کے خوشنما اور ثمر ور پودے کی شکل پھر نظر آجائے۔ بے خوف و خطر یہ دعوے کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے، جو عامل ہے اُسکا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اُسکو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں۔ جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں، آج کچھ نہیں، کل کچھ نہیں، ابدالآباد تک کچھ نہیں۔ نہیں بلکہ اِس دعوے کی الٰہی سند بھی ایک حد تک پیش کر دی ہے۔ قطعی اور نصی، ناقابل تاویل اور نالائق حجود شہادتیں پیش کی ہیں، جو کچھ کھول دیا ہے اِس امر کو پیش نظر رکھکر کیا ہے کہ ناظر کتاب کو مذہب اسلام کے متعلق میرا عندیہ پہلے سے واضح ہو جائے، ابتدا سے اُسپر یہ امر روشن ہو جائے کہ میں مذہب کو کیا سمجھ رہا ہوں، کس بات کیطرف جا رہا ہوں، میری دانست میں قرآن کا کیا لائحہ عمل ہے، دین کیا شئے تھا اور کیا کا کیا بن چکا ہے! میں اِس کتاب کے سیاق موضوع کے متعلق اُسکے پڑھنے والے کی تڑپ کو پہلے سے دور کر دینا چاہتا ہوں، اُسکو جو کچھ میں نے بالآخر اور بتدریج تمام کہنا ہے اوّل کہہ کر جلد جلد ورق گردانی کے اضطراب کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ قاری کو چند الفاظ کے اندر سب کچھ بتلا کر آئندہ اوراق پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کا خواہاں ہوں۔ الفاظ وحی کے مطالب کے متعلق سب پرانے اور دقیانوسی، سب ناکارہ اور بے نتیجہ خیالات پر بجلی گرا کر قرآن عظیم کو نئے سر سے پھر پڑھوانا چاہتا ہوں! میں چاہتا ہوں کہ اُس کتاب جلیل کے ایک ایک لفظ پر غور رہو، اُسکے بارے میں صاحب القرآن[1] کے واحد اور صحیح عندیے کا کھوج لگایا جائے، تہ کو پہنچکر ایک مستقل راہ عمل پر پہنچا جائے، الٰہی دلیل اور قرآنی سند سے باہستگی تمام پہنچا یا جائے، ماسوا کے اقوال کو یکسر نظر انداز کر کے مفہوم خدا کی تلاش کیجائے، لیکن اُقلیدس کے مقالوں کی طرح دعاوی کو پہلے بیان کر دیا جائے۔ قرآن سے آشنا شخص یا گروہ کیلئے اِس طریق کار میں یک گونہ سہولت ہی، وہ ممکن ہے پہلے ہی انہی نتائج پر پہنچ چکا ہو اور ظاہر کرنے کی فرصت یا ہمت نہ رکھتا ہو۔ مذبذب کیلئے سوچنے کا کھلا موقع ہے، نا آشنا کے لئے ایک چونکا دینے والا انکشاف ہے۔

متلاشی حقیقت کیلئے مقصود کا پالینا اور عامل کے لیئے ایک اہم کام کا فہرست پیش ہوجانا ہے! اس ترکیب سے مسلمانوں کے سامنے صدیوں کا بھولا ہوا قرآن پھر پیش نظر ہوجائے گا، ایک کامل صحیح یا کامل غلط راہ پیش پیش ہوجائے گی، وہ اسپر صحیح عمل معاشروع کرنیکے قابل ہوجائینگے یاکم ازکم اسکو فوراً غلط قرار دے کر دس مجلدات کی طباعت کے انتظار میں پریشان قلب ہونیسے بچیں گے!

میرے نزدیک قرآن کی **توحید** یہ ہے کہ **دل کے اندر کسی ماسوا سے تعلق نہ رہے** کسی دنیاوی شئے سے اسقدر اعتنا نہ بڑھے کہ غیر خدا کو خدا پر ترجیح دیجائے، قلب کے اندر اولاد کا **بُت** نہ ہو، گھوڑوں اور مکانوں زمینوں اور بیویوں کے بُت نہ ہوں، باپ اور ماں کی اقربا اور اعزا کی محبت کا بُت نہ ہو، پیر و فقیر، اولیاء و اصفیا کی ارادت کے بُت نہ ہوں، حکّام سے غرضمندی کے بُت نہ ہوں، طمع و حرص کے بُت نہ ہوں، نفس پسندی کا بُت نہ ہو، تن آسانی کا بُت نہ ہو، حُبِ جاہ کا بُت نہ ہو، الغرض **شیطان** کا کچھ غلبہ نہو، **کوئی شئے** سوائے خدا کے دل پر **حکمران** نہ رہے، کسی بُت کے دل آسا اور آرام دہ حکم کو خدا کے سعی طلب اور صبر آزما حکموں پر **کسی وقت** ترجیح نہ دیجائے۔ یہ **توحید** ہے، یہی اصل **ایمان** ہے، یہی سچّا **موحّد** بنا ہے، وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (بقرہ)۔ جو شخص چوبیس گھنٹے اس توحید کو نباہ رہا ہے، ہر لحہ جو کچھ کر رہا ہے خدا کا کام کر رہا ہے، شیطان کی ملازمت نہیں کرتا، اُسکی فوری اُجرت اور **نقد** مزدوری کا خیال نہ کر کے خدا کے اخروی اجر کو نہیں اُس حاکم مطلق کے وعدہ کیئے ہوئے **نسیے** کو، اسکے دہ چند اُدھار[*] کو بہتر سمجھکر شیطان کی ابلہ فریب ترغیب پر نہیں چلتا، وہ اُس چوبیس گھنٹے تک **موحّد** ہے، **مومن** خدا ہے، منکرِ شیطان ہے، **ملازم** حکم الحاکمین ہے، اللہ کا نوکر ہے، عبد ہے، **عابدِ** خدا ہے! جسوقت اُسنے حکم خدا کو چھوڑ کر کوئی **بت** اپنے دل کے اندر پیدا کر لیا، کسی ماسوا کے حکم کو ترجیح دی، کوئی تن آسانی کا مکر بنالیا، کسی فوری نفع کے پیچھے **لگ گیا** اُسیوقت سے اُسکا ایمان **ساقط** ہے، اُسکی توحید زائل ہے، وہ مومن نہیں رہا، مُسلم قطعاً نہیں، عبد نہیں، عبادت گذار نہیں، ملازم خدا نہیں۔ نہیں! بلکہ وہ صحیح معنوں میں **مشرک** ہے، **منکر** خدا ہے، **کافر** ربّ العٰلمین ہے! یہی میری

[*] مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا (انعام) کی طرف اشارہ ہے۔

نگاہوں میں **سچی عبادت** ہے، یہی لفظ 'عبادت' کا الٓہی اور قرآنی، سچا اور اصلی مفہوم ہے۔ مُنہ سے 'اللہ اللہ' پکارتے رہنا، زبان سے احد احد کہتے رہنا، اور دل کے اندر تین سو ساٹھ [۳۶۰] بتوں کا ایک **صنمکدہ** سجائے رکھنا، اور کام کے وقت "توفیق نہ ہونے" کا ابلیسی عذر بہانہ لینا میرے نزدیک بدمعاشی ہے، پوری بے ایمانی اور انتہائے کفر ہے، مکر عظیم ہے! کسی ملازم نے آج تک اپنے آقا کو ایک ایک کرکے نہیں پکارا! کسی تنگ دل سے تنگ دل آقا نے اپنے نوکر کو اس بات پر متعین نہیں کیا کہ وہ اسکو روز و شب ایک ایک کہہ کر پکارتا رہے! ایسا حکم ازبس مضحکہ انگیز ہے، ایسا عمل ازبس ابلہانہ ہے! آقا کی توحید یہی ہے کہ نوکر کسی ہمسایے کا کام نہ کرتا پھرے، کسی دشمن کا ملازم نہ بنے، جس سے امیدوار مزد ہو اُسی کا **حکم مانے**، نہ یہ کہ مُنہ سے تو اُس کا راگ الاپتا پھرے مگر کام غیروں کا کرے اور تنخواہ کے وقت آحاضر ہو۔ نہیں بلکہ جو شخص آقا کے اذن میں ہے، خوش دل مزدور ہے، تندہی سے اُسکے احکام کی تعمیل کر رہا ہے، اُسکی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہا ہے، شبانہ روز اطاعت میں مصروف ہے اُسکے لیئے آقا کو دمبدم سراہتے رہنا بھی ضروری نہیں، اُسکو لمحے لمحے کے بعد سلام کرنا بھی **مخلِ عبادت** ہے، اُسکا ہر وقت کلمہ پڑھتے رہنا بھی ملازمت میں **حارج** ہے، اُسکو ایک ایک کہتے رہنا بھی عبث ہے، مضحکہ انگیز ہے، مسخرہ پن ہے! اُسکے ہاتھ پاؤں کی حرکت، اُسکے گھر کی جھاڑ پونچھ، اُسکا آقا کی اشیا کو درست رکھنا، اُسکی تگ و دو، دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ سب اِس بات کی حتمی **شاہد** ہیں کہ وہ '**ایک**' خواجہ کا ملازم ہے، اشھد ان لا مولیٰ الا ھو کا مصداق ہے۔ اِس سے بڑھکر اُس آقا کی توحید کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں! ارادت یا عقیدت کے اظہار کے لئے احیاناً نوکر کا سلام کرنا بھی ضروری ہے اُسکے حضور میں حاضر ہو کر نہایت عجز اور محبت سے، اخلاص اور ولولے سے کچھ مُنہ سے کہہ دینا بھی ضروری ہے، یہ بھی مہیّج خدمت ہے، محرکِ اعضا ہے، تگ و دو کے حوصلے بڑھاتا ہے، آقا سے ارادت پیدا کرتا ہے، اُسکو اور خوش کرنے کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہے، نہیں یہ بھی ایک نقطۂ نظر سے اُس نوکر کی ملازمت اور بندگی، اُسکی غلامی اور عبادت کا ایک جزو **خفیف** ہے ادنیٰ سا مگر بہر نوع **ضروری** حصہ ہے مگر یہ سلام سلام بھی اُسی وقت سجتا ہے جب کہ نوکر اپنے مالک کے پیہم اذن میں ہو

دن رات اُسیکا کام کرتا رہے، اُسی کی خدمت کرتے کرتے لگتے ہاتھ چند لمحوں کے لیئے "غریب پرور" اور "بندہ نواز" بھی کہہ جائے۔ کامچور اور حرامخور نوکر کے لیئے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا، یہ دمبدم ہاتھ باندھکر کھڑے ہوجانا یا موذب سرو قد ہوجانا پرلے درجے کی گستاخی اور بدمعاشی ہے، نہیں بلکہ غلام کارکُن ہو یا ناکارہ کوئی آقا اِس پیہم سلام کو قطعاً پسند نہیں کرتا اور لمبا اوقات کام کو سلام پر چند در چند ترجیح دیتا ہے؛ اُسی شخص کو بہتر سمجھتا ہے جس کا کام اُسکے زبانی جمع خرچ سے کئی گنا زیادہ ہو، جو کرتا رہے اور کم گو ہو۔ مالکِ زمین و آسمان کی **توحید** کا بھی بعینہ یہی انداز ہے، قطعاً یہی رنگ ہے، یہی ابتدا اور یہی انتہا ہے۔ یہ اُسکی ملازمت میں ہاتھ پاؤں کا عمل کرتے رہنا ہی سچی عبادت ہے؛ یہی اُعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ (حج ۲۲) کے صحیح معنی ہیں، یہی شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (حج ۲۲) بننا ہے، یہی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کا واحد مطلب ہے، یہ اُسکی اطاعت میں دُکھ اٹھانا ہی سچا دین ہے، یہی فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ (زمر ۳۹) کا سچا مفہوم ہے، یہی جَاھِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ (حج ۲۲) کے ٹھیک معنی ہیں، نہیں یہ خوش دل مزدور بنے رہنا اور ماتھے پر بل نہ لانا ہی مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ (حج ۲۲) کا واحد مقصود ہے، یہی مسلم اور مطیع بننا ہے، یہی اسلام اور ایمان ہے! مُصلّاؤں پر بیٹھکر اللہ اللہ جپتے رہنا، کملیاں اوڑھ کر گوشوں میں اونگھنا اور تکلیف دہ احکام سے تجاہل عارفانہ کرکے اُن کو ٹالتے رہنا، ہاتھوں اور پیروں کے عمل سے گریز کرنا، اور دل کے اندر ایک لاکھ بتوں کی انجمن لگائے رکھنا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں، کوئی توحید نہیں، عبادت کا دسواں بلکہ لاکھواں حصہ نہیں، نہیں بلکہ ریاکاری اور مکاری ہے، شرک اور کفر ہے، خدا کو قطعاً ناپسند ہے، کامچوری کے ڈھنگ ہیں، نفس کو دھوکا دینا ہے: وَرَھۡبَانِیَّۃَ ۨ ابۡتَدَعُوۡھَا مَا کَتَبۡنٰھَا عَلَیۡھِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوۡھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا (حدید) خدا کو انسان کی وہی حاضری پسند ہے جو کسی نتیجہ خیز **عمل** کے بعد ظہور میں آئی ہو، وہی ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ کے تحت میں آسکتی ہے جو کسی کام کر لینے کے بعد واقع ہوئی ہو۔ جو نعمت اور انعام کے حصول کے لیئے ہو[۱]، جو شاباش لینے کی تڑپ میں از خود پیدا ہو گئی ہو، ناکارہ اور بے عمل، بھگوڑا اور کاہل الوجود نوکر آقا کے حضور میں کس مُنہ سے جائیگا، وہ کس

---

[۱] ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ کی تشریح قرآن حکیم نے ایک دوسرے موقع پر اس طرح کی ہے، وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی (الیل ۹۲) یعنی "لوگو! خدائے عزّوجل کے پاس (عِنۡدَہٗ) کسی فرد واحد کے لیئے بھی (لِاَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنۡ نِّعۡمَۃٍ) نہیں کہ بطور انعام کے دیجائے (تُجۡزٰی) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے رب کی تلاش رضا اور ابتغائے وجہ کے صلے میں ملتا ہو" مجھے شارحین قرآن کے بنائے ہوئے معنوں سے بحث نہیں مگر میرے نزدیک اس آیۂ شریفہ میں ایک عام محاکمہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا کے اندر جو انعام یا نعمت کسی کو مل رہی ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہی ہے۔" ابتغائے رضائے خدا کی اس تعریف کو پیش نظر رکھکر میری نظروں میں سورۂ حدید کی زیر بحث آیت کا یہ مطلب ہے کہ وہی رہبانیت، وہی اشیائے دنیوی سے بجرد، وہی حیات دنیا سے قطع تعلق، وہی ترک الدنیا ہونا خدا کو پسند ہے جسکا نتیجہ حصول (بقیہ بر صفحہ ۹۱)

شیخی پر مُنہ دکھلاتا پھرے گا۔ اگر اُسنے کچھ کام نہیں کیا تو اُسکی حاضری بھی عبث ہے، اسکی رہبانیت بھی لاطائل ہے، مالک کی رضاجوئی کے لیئے قطعًا نہیں، نہیں بلکہ اُسکو الٹا طیش میں لانے کا عمدہ بہانہ ہے! قرآن کی الصّلوٰۃ صرف ایک نوکر کا پنجوقتہ سلام ہے، ایک کارکن خادم کی احیانًا اپنے مالک کے حضور میں حاضری ہے، ایک نعمت کے حصول کی عرضداشت ہے (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (فاتحہ)) کسی ترقی تنخواہ کی عرض معروض ہے، کچھ قربِ شاہ کے باعث حوصلہ افزائی کا سامان ہے، کچھ خدمت کے سوئے ہوئے جذبے کو متحرک کرنیکا وسیلہ ہے، کچھ تھکے ہوئے اعضا کو پھر تروتازہ کرنے کا ذریعہ ہے، کچھ آقائے نامدار کے ساتھ اپنی ارادت کو تیز کرنے کا اوزار ہے، یہ سب کچھ ہے مگر **عبادت** قطعًا نہیں۔ خدا کی عبادت فی الحقیقت ان پانچوقتوں کے **بعد** شروع ہوتی ہے، وہ اسوقت ہورہی ہے جب مصلّاؤں سے اُٹھکر لوگ احکامِ خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، جب ہاتھ اور پاؤں **سعی و عمل** (۱) میں مصروف ہوتے ہیں، جب تن آسانی کے **بُت** کو توڑکر تگ و دو کی جاتی ہے، جب وراثت زمین کے نصب العین کو پیش نظر رکھکر سب اعضا وقفِ عمل ہوجاتے ہیں، جب نفس کے بُت کو زیر کرکے نادار کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے، جب محبت مال کے بُت کی پرواہ نہ کرکے خدا کی راہ میں **جہاد بالمال**(۲) ہوتا ہے، جب حُبِّ اولاد کے بُت سے بے نیاز ہوکر حکم خدا سے سفر ہوتا ہے، جب مکانوں اور باغیچوں کے بتوں سے تعلق توڑکر خدا کے اشارے پر **ہجرت**(۳) ہوا کرتی ہے، جب نفس پسندی کے بُت کو توڑکر **جہاد بالسّیف**(۴) کیا جاتا ہے، جان کھچ کھچکر حلق تک پونہچتی ہے اور خدا یاد آجاتا ہے، جب کبر و نخوت کے دیو کو رام کرکے **امیر جماعت** کی **اطاعت**(۵) میں سر جُھک جاتے ہیں، جب فرقہ پسندی کے طاغوت اور خودرائی کے دجّال کو جہنم میں جھونک کر لوگ متحد ہوجاتے ہیں، توحید کو عملًا مان کر **اُمّت** میں **وحدت**(۶) اور یکسوئی ہوجاتی ہے۔ یُوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ (مائدہ) کا شیطانی وسوسہ اللّٰہُ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ (انفال) کے ربانی عمل سے بدل جاتا ہے، شرک کی پیدا کی ہوئی تفریق **توحید**(۷) کی پیدا کی ہوئی **توحید** سے بدل جاتی ہے! عبادت خدا کا وقت درحقیقت وہ وقت ہے جب اعمال خدا کے **علم** (۸) کی تلاش میں مشرق اور مغرب ایک کردیئے جاتے ہیں، جب خدا کو جاننے اُسکی

(بقیہ صفحہ ۹۰) نعمت ہوگئی یا جو رہبانیت اور توحید لوگوں کو تمکن فی الارض اور بادشاہت کی طرف لیجا رہی ہے، یہی خدا نے اُنپر فرض کردی تھی اور اُسی حد تک سکو نباہتے رہنا رضائے خدا ہے۔ بے سمجھ عتکاف خدا کو ناپسند ہے +

عظمت اور حکمت کا برای العین اندازہ لگانے، اسکی معرفت اور شناسائی کے مدارج علیا تک پونہچنے کے لیئے اسکی بنائی ہوئی اشیا کی **معرفت** جزو دین بنجاتی ہے، جب **حسن اخلاق**(۹) اور مسامحت، عدل اور احسان، ایفائے عہد اور اخوت، رحم اور رافت کی ربانی بزرگیاں ہر متنفس کا عین ایمان اور عین اسلام بنجاتی ہیں، ہاں خدا کی عبادت فی الحقیقت اُس وقت ہورہی ہے جب روز جزا کے یقین پر اور یوم **آخرت**†(۱۰) پر ایمان کے باعث بندۂ خدا اپنے تن کو، من کو، دھن کو اُس آقائے نامدار اور اُس مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی خوشنودی اور خدمت میں قربان کردیتا ہے مہینے کے **اخیر** پر تنخواہ ملنے کی امید میں مہینہ بھر جان لڑا دیتا ہے، نہیں اس چار دن کی زندگی کے ختم ہونے پر ابدالآباد تک الجنۃ کے حقدار ہونے کی توقع میں اپنے آپ کو پیہم دُکھ، مسلسل تکلیف اور متواتر سعی و عمل میں مشغول رکھتا ہے عبادت کا سچا اور صحیح مفہوم یہ ہے، یہی **توحید** ہے، یہی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران) کے ناقابل انکار معانی ہیں یہی لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران) کا واحد مطلب ہے، ایسی عبادت وقت اور مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور رکنوں سے قطعًا مستغنی ہے، فجر اور ظہر، عصر اور مغرب، عشاء یا اشراق، مسجد یا خانقاہ سے اسکو کچھ واسطہ نہیں یہ ایک پیہم اور مسلسل **عمل** ہے، چند لمحوں تک کھڑا ہونا یا بیٹھ جانا اسکو ادا کرنے کا اسلوب نہیں۔ قرآن کی بتائی ہوئی الصلوٰۃ اگر کسی معنوں میں داخل عبادت ہو تو اسلیئے کہ یہ بھی اور بیسیوں حکموں میں سے خدا کا **ایک** حکم ہے اور بنابریں اس فرض کا ادا کرنا بھی اور حکموں کی طرح شامل خدمت ہو یا اگر وہ داخل عبادت ہوسکتی ہے تو اسطرح پر جسطرح کہ ایک نجار یا معمار کا اپنے اوزاروں کو چند لمحوں کے لیئے تیز کرلینا دن بھر کی مزدوری میں شامل ہے۔ اگرچہ مستاجر کی اصلی غرض معمار سے مکان تیار کروانے کی ہے اس سے کمتر کچھ نہیں، وہ اسی بات کو پیش نظر رکھکر اوزاروں کو تیز کرنا بھی ملازمت اور مزدوری میں شامل کرلیتا ہے۔ اور اسکو نوکری کا ایک جز سمجھتا ہے۔ لیکن جو نجار تمام دن ہتھیار تیز کرنے میں صرف کردے اور کام کرنے سے گریز کرے، ایک کیل نہ ٹھونکے، ایک تختے کو صاف نہ کرے، ایک شہتیر کو موقع پر نہ لگائے، وہ مستاجر کے نزدیک کام چوری کررہا ہے بلکہ اس بدمعاشی کی اُجرت مانگنا ہی گستاخی ہے

† یہ وہ دو اصل ہیں جن پر مفصل بحث افتتاحیہ کتاب میں ہوچکی ہے۔ دین اسلام کا اصل یہی عشرۂ مبشرہ ہے، اسی پر ایمان کا تمام دارومدار ہے (دیکھو افتتاحیہ صفحہ ۷۹ - ۹۶) ان پر ایک مفصل بحث عنقریب آئے گی +

پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے۔ نری پنجوقتہ نماز پڑھ لینا قطعاً کوئی عبادت نہیں آقا کی ملازمت
اور عبادت کا پہلا محرک آقا سے تعلق لگائے رکھنا ہے، اور اس تعلق کو مستحکم کرنے کا عمدہ ذریعہ الصلوٰۃ ہے۔ پس اگر
کوئی نماز خدا سے لگاؤ پیدا کر کے اُسکی خدمت اور عبادت نہ کرائے، اُس کا ذکر، اس کا کھٹکا، اُسکی یاد، اُسپر پسِ پردہ
یقین، اُسپر **ایمان بالغیب** پیدا کر کے اُسکے دیئے ہوئے حکموں کی تعمیل پیہم نہ کراتی رہے تو وہ ایک بیکار
ہتھیار ہے، نہیں بلکہ اُس **کا رفرما** کھٹکے اور ڈر کا پیدا ہو جانا ہی اصل مقصود ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ†۔ (عنکبوت ۲۹)۔ نماز بجائے خود مقصود بالذات نہیں۔ الصلوٰۃ صرف
اُسوقت ایک موثر اور بکار آمد ہتیار ہے جب اُسکو پنجوقتہ ادا کرنیسے دلوں کے تنگ اور بُغض سے بھرے ہوئے حجرے
پہنائے زمین و آسمان کیطرح فراخ ہوتے جائیں، جب سب نمازیوں کے دلوں میں محبت اور رافت کی ایک
نہر سلسبیل پیہم دوڑتی رہے، جب مسلمانوں کی عالم آرا اُمت میں باہمی **اتّحاد** کی مشترک جنبشیں اور **خوفِ خدا**
کی مشترک لرزشیں ہر آن پیدا ہوں، جب مساوات اور اخوّت کا آسمان شکن زور اُمت کے ہر رگ و پے میں ہر وقت
جاری ہے، جب اطاعت امام کو در اصل **اطاعت امیر** کی ایک پیہم یاد دہانی سمجھکر پوری اُمت ایک
امیر کے اذن میں سر بکف اور تیغ بہ بر پھرتی رہے، جب اس پنجوقتہ اجتماع کو **الٰہی فوج** کی اپنے سپہ سالار
کے حضور میں پنجوقتہ **پیشی** سمجھکر ہر مسلمان ہر وقت **سپاہی** بنا ہے، جب تمام جماعت کے متفقہ رکوع و سجود کو
نظم و نسق کا خدائی سبق اور اطاعت اولوالامر کا جرنیلی حکم سمجھکر ہر مسلمان کی گردنیں رسول خدا کے سچے جانشین
اور اُمت محمدیہ کے سچے **قائد اعظم** کے آگے ہر دم جھکی رہیں۔ ہاں الصلوٰۃ صرف اُسیوقت الصلوٰۃ
ہے جب اس سے انہا عن الفحشاء والمنکر ہوتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی یعنی تفرقہ و
نفاق کی بدی (المنکر)‡ کا نام و نشان باقی نہ رہے، جب اس پنجوقتہ صحبت کو اتحاد عمل کا ایزدی سبق یقین کر کے
عداوۃ اور بغضاء کا طاغوتی بُت ہر لحظہ ٹوٹتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کا سب سے بڑا یعنی تنگی قلب، تھڑدلی
اور بخل کا عیب (الفحشاء) دلوں سے معدوم ہوتا ہے، کوئی شئے، کوئی نماز گذار کسی مسلمان سے دریغ نہ کرے، بڑی

† ذکر خدا کے اصلی مفہوم کی صحیح توضیح اصل کتاب صفحہ ۲۲۳-۲۲۲ کے تحت المتن میں کر دی گئی ہے اور اس آیت کا صحیح مفہوم صفحہ ۲۰۹ پر واضح کر دیا ہے لیکن تصنعون کے الفاظ یہاں بیرا نہیں معنی خیز ہیں ‡ دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۲

بڑی سماحت، بڑے سے بڑا ایثار، بڑی سے بڑی رواداری بھی کسی فرد پر گراں نہ گذرے۔ نہ یہ کہ نماز پڑھ پڑھ کر
اور ریا کر کر کے دل اسقدر تنگ، خیالات اسقدر کمینے اور حوصلے اسقدر پست ہو جائیں کہ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون)
کا مصداق بنے! فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون)
قرآن کی الصلوٰۃ ان سب بیماریوں کی قاطع ہے، ان سب مزمن اور متعدی، طبعی اور جبلی امراض کیلئے اکسیر اعظم ہے
انسانی اخلاق کی اس دل آویز تعمیر کے لیۓ بہترین اوزار ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا
وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ (معارج)۔ نہیں جناتِ زمین کی بادشاہت حاصل کرنے کا
عمدہ ذریعہ ہے، وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ
اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ
وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ
مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (مائدہ)۔ اسکا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق، اسکے ذریعے
سے پائی ہوئی قوت، اسکی وساطت سے حاصل کیا ہوا غلبہ بلاشبہ **عبادت** ہے، خدا کی **نوکری** ہے،
رب العالمین کی **بندگی** ہے، مگر وہ آپ داخلِ عبادت نہیں۔ **اوزار** کو مزدور کے دن بھر کا کام سمجھنا یا اوزار دکھا کر
مستاجر سے اُجرت طلب کرنا حماقت ہی، بیکار اوزار یا کامچور مزدور سے اُجرت کمانے کی امید رکھنا عبث ہی، اور
جو قوم نماز کی روزانہ چند اُٹھک بیٹھکیں یا بے روح رکوع و سجود کر کے اپنے آپ کو عابدِ خدا تصور کر رہی ہے اسکی کم عقلی
اور نا خدا دانی کا جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے!

بعینہٖ یہی حال میری دانست میں اور اسلامی مناسک کا ہی۔ زکوٰۃ، حج، صوم، کلمۂ شہادت سب کا یہی منتہے
ہے، یہی غرض و غایت اور یہی پیش نہاد ہے۔ **زکوٰۃ** میرے نزدیک صرف **جہاد بالمال** ہے، پیہم جہاد
مال ہے، اُمت کی **تقویت** کیلئے جہاد بالمال ہے، قوم کی **بہتری** کے لیۓ جہاد مال ہے، کسی اہم غرض

؎ مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۵۲

ومقصد کے لیئے جہاد مال ہے، **شبانہ روز** جہاد مال ہے، **حتی الوسع** جہاد مال ہے: (یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ))، نہیں **کامل** جہاد مال ہے: (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ))، ابوبکرؓ **صدیق** کا **پورا** جہاد مال ہے، عمرؓ کا **آدھا**† جہاد مال ہے، **تصدیق دل** اور **تثبیت نفس** کا پیدا کیا ہوا جہاد مال ہے، **صدق** قلب اور **رضائے خدا** کا پیدا کیا ہوا صدقہ مال ہے، اُمّت کے نوخیز چمن کی محبت اور محنت سے آبیاری کرکے رشکِ جِنان بنا دینے والا جہاد مال ہے: (وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (بقرہ))۔ **خدا پر مَن واحسان** رکھ کر دیا ہوا یا بعد میں دل کے اندر دُکھ اور **اذیّت** محسوس کرانے والا اور پچھتاوے سے دیا ہوا جہاد مال نہیں: (اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقرہ))، صرف ماہ رجب کا جہاد مال نہیں، نرا فقہی اور شرعی چالیسویں حصے والا جہاد مال نہیں، بھک منگوں اور کام چوروں کو فروغ دینے والا جہاد مال نہیں۔ ہاں زکوٰۃ میرے نزدیک **بیت المال** میں جمع ہونیوالا جہاد مال ہے، منظم اور مرتّب جہاد مال ہے، توپوں اور تلواروں، جہازوں اور طیاروں والا جہاد مال ہے، مجاہدین کو سرتاپا لیس رکھنے والا، اُن کو گدیہ گرنہ بنانے والا، انکو سوالی بننے سے مستغنی کرنے والا، اُمّت کے ہر طبقے سے مسکنت کو دور کرکے مسکین کو تنومند بنانے والا، مسافر کی آؤ بھگت کرکے عالم آرا اخوت پیدا کرنے والا، غلاموں کو آزاد بنانے والا، مقروضوں کو بے عزّت نہ کرانے والا، دشمن سے **جہاد بالسّیف** کرکے دنیا میں غالب رکھنے والا جہاد بالمال ہے، مُشت خاک کی طرح ہوا میں بکھیر دینے والا، اور گھر پھونک تماشہ دیکھنے والا جہاد مال ہرگز نہیں! (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ))۔ انفاق مال کے لیئے میری نگاہوں میں وقت اور مقدار کی قطعاً کوئی بندش نہیں، وہ بھی اور عبادات کی طرح کی ایک پیہم عمل ہے، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کا

† غزوۂ عسرۃ کے ایام میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا متاع بیت رسولؐ خدا کے قدموں پر لاکر ڈال دیا اور حضرت عمرؓ نے نصف پیش کر دیا" کی طرف اشارہ ہے۔

بڑا ذریعہ ہے (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ))، حُبِّ مال کے لم یزل اور لایموت **بُت** کو
توڑتے رہنے کا عمدہ اوزار ہے! جو شخص اسکو حتی الامکان اور ہر آن نباہ رہا ہے وہ فی الحقیقت **توحید** کو نباہ رہا ہے
جو اس سے گریز کر رہا ہے وہ دراصل اپنے قلب کے اندر **شرک** کا ناقابل عفو شائبہ پیدا کر رہا ہے، قوم کی بُری
عاقبت اور بد انجام سے غافل ہے، روزِ آخرت کے نیک اجر سے **منکر** ہے؛ (يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ
وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ
(حٰمٓ السجدۃ)) - اُمت کی اجتماعی شکست اور محکومیت کے روزِ بد سے بے نیاز ہو چکا ہے، اپنے آپ سے دراصل بُخل کرکے
اپنی جماعت کو موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے؛ (هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ ۖ
وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا
يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمدؐ)) - شرعی ماحول اس اسلامی شعار کے گرداگرد کچھ کا کچھ پیدا ہو جائے، لیکن زکوٰۃ بہر نوع
مسلمان قوم کی اپنی ہی **بہتری** اور **حفاظت** کے لیئے ہے، خدا اس روپے پیسے سے قطعاً بے نیاز ہے۔

حجؔ کا اسلامی شعار میری نگاہوں میں صرف وحدتِ اُمت اور اتحاد کا ایک عظیم الشان مظہر ہے، صرف تمرکز
اور اجتماع کا ایک بے مثال پیکر ہے، أَيْنَمَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ† (بقرہ) کو عمل میں لانے کا صحیح اور کارگر
ذریعہ ہے، يَأْتُوكَ ... مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (حج) کے ولولہ انگیز منظر کو پیدا کرنے کا واحد وسیلہ ہے، مشترک آقا کے
مشترک خوف کو اُمت کی ہر رگ و پے میں جاری کرکے سب کو **ایک** کر دینے کا مؤثر اوزار ہے؛ (لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا
دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ **التَّقْوَىٰ** مِنْكُمْ ۚ (حج))، اس سے کمتر یا زیادہ تر کچھ نہیں - خدا کی نظروں میں مشرق اور مغرب
سب ایک ہیں (قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ (بقرہ))، اسکی نگاہوں میں روئے زمین کی ہر اُمت کا کوئی نہ کوئی مرکز ہے
(وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (بقرہ))، کوئی نہ کوئی مرجع، اور ایک نہ ایک مآب ضرور ہے، نہیں بلکہ ہر قوم کا اپنے خدا سے
تعبد اور تعلق کا طریقۂ اظہار بھی خود اُسی نے مقرر کیا ہے: (لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (حج))، پس اگر حج
سے میری نظروں میں دراصل کچھ مقصود ہے تو یہی لازوال عصبیت اور ناقابل شکست **اتحاد** ہے، یہی اس روئے زمین

† جن آیۂ شریفہ میں یہ الفاظ واقع ہوئے ہیں، اسکی تمام تشریح اس موقع پر اصل کتاب صفحہ ۱۳۷ کے تحت المتن میں دیکھ لینی چاہیئے تاکہ آیندہ مطالب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غالب اور لاشریک بن کر رہنا ہے، یہی اس وَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ کو یُجْبٰی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ (قصص) کا ہر زمانے میں مصداق بناکر رکھنا ہے، ایک بے آباد اور بے آب سرزمین کو مالکِ زمین و آسمان کا مقرر کردہ مرکز قرار دیکر پروانہ وار اُسکے گرد یوں رہنا، اور زہرہ گداز سعی و عمل سے اُسکو رشکِ ارم بناکر یوں رکھنا ہے کہ لنڈن اور پیرس بھی اُسکی شان و اُبہت اسکے جاہ و جلال کے بالمقابل عرقِ شرم میں پڑے ڈوبتے رہیں۔ اگر مسلمانانِ عالم نے اس خدا کے مقرر کیئے ہوئے مرکز کو آسمان شکن اعصاب کے زور پر یہ کچھ نہیں بنایا تو اُنہوں نے فی الحقیقت حج کے الٰہی مقصود کو نظر انداز کر دیا، وہ "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ" کی الٰہی بُرہان اور آسمانی منطق تک کچھ نہیں پہنچے، وہ منعم لم یزل کے بہترین اجتماعی انعامات (الخَیْرٰت[†]) کیطرف ہرگز نہیں لپکے، اُنہوں نے حَرَمًا اٰمِنًا (قصص) کے لاہوتی فلسفے کو قطعًا نہیں پایا، اُنہوں نے حفظِ وطن کی شکر انگیز تڑپ کچھ پیدا نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ آج وہ **بلدِ امین** اُن سے چھین کر لنڈن اور پیرس کے مستحق عاملوں کو دیا جا رہا ہے، ایک عالم آرا اُمت کی آبرو، حیا، شرم، عزت، موت، حیات الغرض سب کچھ اب غیر کے ہاتھ میں ہے۔ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد) کا الناک منظر پیدا ہو چکا ہے، ایک عصمت مآب خاتون کی **عفت** پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس نصب العین سے پرے ہٹ کر حج کے فریضے کو علی الحساب ادا کرنا، یا حجرِ اسود کو چومنے کی خاطر چومنا میرے نزدیک فی الحقیقت بُت پرستی ہے، ایک عبث اور بے نتیجہ کام ہے، کروڑ در کروڑ ستاروں کے مالک خدا کو بیت الحرام کا مکین سمجھکر پھر اسکی حفاظت نہ کرنا، اُسکو فی الحقیقت بلدِ امین نہ بنانا، يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت) کے منظر کو پیش نظر رکھکر اُسکو کم از کم اسقدر مامون و مصون نہ بنا دینا جسقدر کہ لنڈن اور برلن ہے، اور باایں ہمہ عمر کے آخری حصے میں اپنے بلغم سے بھرے ہوئے وجود کو عصا کے سہارے آستانۂ خدا پر پہونچا کر حج کے فرض کو ادا کیا ہوا سمجھنا، میری نگاہوں میں پرکاہ کے برابر **عمل** نہیں، **عبادت** قطعًا نہیں، **توحید** قطعًا نہیں! **صوم** بھی میرے نزدیک صرف ایک جہادِ نفس ہے۔ صرف نفسِ امّارہ کے دیو کو تیس دن تک تکلیف دے کر سال بھر کیلئے کمزور کرنا ہے، صرف خواہشاتِ نفسانی کے زور کو کم کر کے زور آور بننا ہے، محض صبر و استقلال ہے، خدا کے

† الخَیْرٰت کے صحیح الٰہی مفہوم کے متعلق دیکھو اصل کتاب تحریک ملتن صفحہ ۱۳۴ - ۱۲۷ - ۹۰

مشترک خوف کو دلمیں جاگزیں کر کے متحد بنے رہنا ہے (کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ‡ (بقرہ))، لذیذ کھانوں کے بُت کو توڑنا ہے، جوع البقر کے دیو کو رام کرنا ہے، ہاں توحید کیطرف ایک قدم ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر عمل ہے۔ کوئی آسمانی تقدس، کوئی دم مزن حکمت، کوئی لب کشا راز اسکے ماسوا اس عمل کی تہ میں مخفی نہیں۔ اس دنیائے سعی و عمل اور کائنات شرط و جزا کے اندر ایک قوم کی قوتوں کو برقرار رکھنے، اسکو موحد بنا کر زور آور اور غالب بنانے کا عمدہ ذریعہ اور بہترین اوزار ہے۔ جو قوم ان عظیم الشان اسلامی شعائر کو اس عظیم الشان حکمت کا حامل سمجھکر اسپر عمل کر رہی ہے وہی اصل دین اور قانون خدا کو پکڑے ہوئے ہے، وہی حقیقت کے راہ راست پر جا رہی ہے، وہی صراط مستقیم پر ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، سب کے سب اگر ارکان اسلام ہیں تو فقط انہی معنوں میں ہیں، انہی معنوں میں قانون خدا کی عظیم الشان عمارت کو تھام رہے ہیں، انہی معنوں میں دین فطرت کے قواعد ہیں، توحید کے علم بردار اور رجحانات زمین حاصل کرنے کے اوزار ہیں۔ اسکے ماسوا ان کی کچھ غرض و غایت خدا کے نزدیک ہرگز نہیں!

پس اصل دین میرے نزدیک توحید ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بُت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کو رسماً اور عادتاً یا تعظیماً ادا کر لینا یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔ عبادت میری سمجھ میں اسکی ہو رہی ہے جسکے لیئے عمل ہو رہا ہے، جسکی خاطر تکلیف اٹھائی جا رہی ہے! اگر ایک شخص کے ہاتھ پاؤں کسی نفسانی غرض کی خاطر حرکت میں آ رہے ہیں، اگر کسی شئے کی لو اسقدر لگی ہے کہ اسکے لیئے ہر طرح کی تکلیف گوارا ہے، نیند حرام ہو گئی ہے، شبانہ روز اضطراب ہے، اگر ایک شخص کسی پیر یا ولی کے پیچھے لگا ہے، اس سے ارادت یا تعبد ہے، اسکے حکم پر اٹھتا بیٹھتا ہے، اسکے اشاروں پر عمل کرتا ہے یا اولاد کی محبت میں مستغرق ہے، دن رات انکی خدمت میں مصروف ہے، یا انگریز سے اعتنا رکھتا ہے اور اس سے بیم و رجا کے لوازم پیدا کر لیئے ہیں تو میری دانست میں وہ شخص اس نفسانی غرض، اس شئے، اس پیر، اس انگریز کی عبادت کر رہا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا

‡ تتقون یعنی وحدت اُمّت جا بجا قرآن میں ہے۔ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۵۴ + ‡ صفحہ ۹۴ کی سورۂ مائدہ والی آیات کی طرف اشارہ ہے +

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ))، وہ اُنکو خدا کے بالمقابل نِدّ اور **شریک** بنائے ہوئے ہیں۔ زمین پر سر رکھکر اُنکے آگے سجدہ کرنا عبادت کے متحقق ہونیکے لیئے کچھ ضروری نہیں۔ خود اُسکے ہاتھ پاؤں، اُٹھنا بیٹھنا، محنت اور تکلیف اِس امر کے پیہم گواہ ہیں کہ اُس کا معبود و مخدوم وہی ہے ؛ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۗ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ (جاثیہ)، وہی اُسکا الٰہ ہے، وہی حقیقت میں خدا ہے، اِس حالت میں خدائے عزّ و جلّ کی پنجوقتہ نماز پڑھ لینا یا حج، صوم، زکوٰۃ کا چھدّا سا اُتار دینا بھی کچھ معنی نہیں رکھتا۔ سجدہ اُسیکا ہے جس کا تعبّد ہو رہا ہے۔ دس یا بیس یا ایک سَو سجدوں کا آسان عمل چند لمحوں کے لیئے کرکے باقی وقت غیروں کی اطاعت میں صرف کر دینا اور بعد ازاں عبودیتِ خدا کا دعوےٰ کرنا میری نگاہ میں از بس مضحکہ انگیز ہے۔ نہیں بلکہ ایسا سجدہ فی نفسہٖ بے معنی ہے، ایسی نماز ہو یا نہ ہو خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ بعینہٖ اسی بنا پر اگر کوئی فرد یا قوم اپنے **اعمال** میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے، اُسکے قانون کی عملاً مطیع ہے لیکن رسمًا یا عادتًا یا رواجًا کسی بُت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ درحقیقت **خدا کی عابد** ہے اگرچہ اُس کا اِس پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک فعلِ عبث ہے، اور عابدِ خدا قوم کیلئے یہ ظاہری سجدہ بھی فی الحقیقت اُسی خدا کے آگے ہونا چاہیئے ؛ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ✝ (حٰم السجدہ)۔ پتھر کی رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابدِ خدا یا عابدِ ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اُسکے مشرک یا موحّد بن جانے کا محاکمہ نہیں ہو سکتا۔ **عبادت** کا فیصلہ **عمل** اور صرف **عمل** پر ہے۔ اِس بات کو دیکھنا ہے کہ کس کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے، پھر جسکے حکموں پر عمل ہو رہا ہے، اُسیکی عبادت ہو رہی ہے ! اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موحّد ہے اگرچہ رسمًا پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو، یا قولاً خدا کو تین یا دس یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔ اگر ماسوا کی عبادت میں لگی ہے تو وہ قوم **مشرک** اور **کافر** ہے اگرچہ رسمًا اور عادتًا خدا کے آگے سجدوں کے انبار لگا کر مکرّر رہی ہو۔ اِس دنیائے کسب و عمل کے اندر جو شئے ضائع نہیں ہوتی وہ عمل ہے ؛ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آل عمران)

✝ اس آیۂ مبارکہ کے مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۰۷

نماز اور زکوٰۃ اور حج اور روزے رسمًا ادا کر کے اور معنًا شیطان کی عبادت کر کے ضائع ہو سکتے ہیں: (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم ۱۹))، مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرے کے برابر ضائع نہیں ہوتا! (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (زلزال ۹۹)) **ظاہری قول** اِس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شے نہیں، اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہو اور باطن کو اپنے آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ درحقیقت خدا سے مکر کر رہی ہے۔ نہیں بلکہ اُسکے **کافر** اور **مشرکِ** خدا ہونے میں شک شُبہ کی قطعًا کوئی گنجایش نہیں؛ (اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۗ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ (رعد ۱۳) وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۗ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ† (الرعد ۱۳))۔

اِس عبادت خدا، اِس توحید، اِس ملازمت ربّ العلمین کا **واحد** منتہا میری نگاہوں میں بنی نوع انسان کی اپنی ہی بہتری ہے، سب سے پہلے اِس **دنیا** کے اندر بہتری ہے، **قومی** اور **اجتماعی** بہتری ہے، **سیاسی** اور **اقتصادی** بہتری ہے، **تمکّن فی الارض** ہے، **جنّات زمین** کی بادشاہت اور غلبہ ہے، استخلاف فی الارض اور بقا ہے۔ آگے چلکر اُخروی بہتری بھی ہے، 'الجنّۃ' بھی ہے مگر اِس دنیا کے اندر اِسکے ماسوا یا کمتر حتّٰی کچھ نہیں! جو قوم شب و روز اِس 'عبادت خدا' میں مشغول ہے، چوبیس گھنٹے ماسوا کے بُتوں کو توڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہے، چوبیس گھنٹے اُس قانون پر چل رہی ہے جو خدا نے بتایا ہے، چوبیس گھنٹے کسی غیر خدا، کسی طاغوت، کسی شیطان، کسی بُت، کسی صنم، کا آرام دہ حکم نہیں مانتی، چوبیس گھنٹے اُن حکموں پر نہیں چلتی جن میں فوری مزہ، نقد فائدہ، یک لخت اجر، معًا راحت، لیکن **بالآخر** نقصان اور **آخر ش** تکلیف ہے اور ہر لحظہ اُن احکام پر عمل پیرا ہے جن میں فوری **تکلیف** اور بالآخر **راحت** ہو، جن میں گھڑیوں کا رنج اور گھنٹوں کا امن ہے،

† اِن آیات الٰہی کا جو مطلب میں نے سمجھا ہے اُسکے لیئے دیکھو عربی افتتاحیہ صفحہ ۱۱۳۔

وہ توحید پر بلاشبہ عامل ہے، وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (ہود) پر عمل کر رہی ہے، وہ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (ہود) پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے، عابدِ خدا ہے۔ ایسی قوم کا اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا اٹل ہے، متمکن فی الارض رہنا اٹل ہے، مستخلف فی الارض ہونا اٹل ہے، ہر مشرک اور آرام پسند، ہر کاہل اور شیطان پرست قوم پر غلبہ پانا اٹل ہے! ایسی قوم کے لیے **اتحادِ ملّت، اطاعتِ امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف، ہجرت، ایمان بالآخرة، علم، استقلال** وغیرہ وغیرہ سب احکام خدا فی الحقیقت توحید کے لوازم ہیں، کسی نہ کسی **بُت شکنی** کی تمہید ہیں، اور جو اُمت ان احکام پر تن دہی سے عمل پیرا ہے اُسکا وارث زمین بنجانا قطعی ہے۔ اگر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کیلئے کہا تو اسی وارث زمین بنانے والی عبادت اور اِنہی معنوں میں تعبد خدا کے لیے کہا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (نوح)، اسی سیاسی تمکن اور اقتصادی نفع دینے والی ملازمت' کے لیے کہا: يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح) اگر ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی 'عبادت' کی طرف متوجہ کیا تو انہی معنوں میں تعبد خدا اختیار کرنے کے لیے کہا، اسی رحمت ایزدی کے موسلادھار مینہ برسانے والی چاکری کے لیے کہا، اسی نفع مند، اسی نتیجہ خیز، اسی قوت افزا اور غلبہ اندوز توحید پر زور دیا؛ (وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ .. .. .. يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (ہود)۔ اگر نبی آخر الزماںؐ نے عرب قوم کو کسی عبادت خدا کسی توحید، کسی اسلوب تعبد کیطرف راجع کیا تو مشترک خدا کی اسی مشترک عبودیت کیطرف کیا جسکا نتیجہ **وحدتِ اُمت** ہے، اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا ہے؛ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء)، اسی دنیاوی حالت کو بہتر بنانے والی، فضلِ خدا کو روز افزوں کرنے والی، بقا نصیب کرنے والی اور اجتماعی ہلاکت سے بخوف و خطر کرنے والی عبادت کی طرف مائل کیا، اُسی قوت انگیز

توحید اور نفعمند چاکریٔ خدا کی طرف اشارہ کیا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض اور متاع حسنہ ہے، تسبیحوں اور سجدوں راہبوں اور گوشہ نشینوں والی عبادت کے لیے قطعاً نہیں کہا: اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ (ہود)، اور اگر اس عبادت خدا، کا کوئی دنیوی انعام اور منطقی نتیجہ جتلادیا تو یہی اُسکی راہ میں جان کی متاع عزیز قربان کرنے کی **خدمت** کے عوض میں پہنائے زمین کے بر و بحر کی وسیع بادشاہت پیش کردی: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (عنکبوت)، بلکہ اسی **سعی و عمل** اور **استقلال** کے تسلسل میں اُخروی الجنّۃ کا دائمی امن بھی پیش کردیا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ[✝] (عنکبوت)، نہیں بلکہ جب جب سجدہ اور رکوع بلکہ الصّلوٰۃ اور الزّکوٰۃ کا ذکر کیا، عبادت کے استمراری عمل کو ان رسمی اور وقتی افعال سے الگ کردیا[‡]، (فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (نجم)، وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ (انبیاء)۔ قرآن کی بتائی ہوئی عبادت، قانونِ خدا کا وہ پیہم اتباع، اور توحید کے اصل اصول پر وہ شبانہ روز مداومت ہے جس کا اٹل نتیجہ وراثت زمین ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ (انبیاء)، وہ در اصل سب ماخلائے خدا کی عبادت سے الگ تھلگ ہو کر قانونِ خدا کی تعمیل میں اپنے اندر وہ سپاہیانہ مستعدی، وہ اتحاد کا آسمان شکن زور، وہ یک منعمی کی ماحی عدد عصبیت پیدا کرنا ہے جس کا واحد نتیجہ فلاح دنیوی اور غلبہ ہے: اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (مجادلہ)۔ کسی قوم نے آج تک زمین کی بادشاہت نری تسبیحوں یا رسمی نمازوں یا گوشہ نشینیوں کے زور حاصل نہیں کی، اُسکا خدا سے بیشتر اسلوب روز اول سے مقاتلانہ اور مجاہدانہ ہی رہا ہے، دلوں کی پیہم بت شکنی اور سعی و عمل پر مسلسل آمادگی ہی بہرحال قوموں کو اس مقام محمود پر ہمیشہ سے پونہچاتی رہی ہے، جہاں جہاں اور جس قوم میں

[✝] صبر اور توکل کے اصلی مفہوم کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۱۸ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۴۲ و ۱۵۹ و ۱۷۸ وغیرہ ✦ [‡] اس موضوع پر ایک مفصل بحث اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۰۵-۱۱۳ میں کی گئی ہے ✦

اہرمن کا نقش اثر کمزور اور یزدان کی محرک اعضا حکومت دلوں پر استوار ہوتی گئی ہے وہیں خلافت زمین کا
انعام بارگاہ ایزدی سے بے دھڑک ملتا رہا ہے! جہاں شیطان نے اپنے قدم جماکر اُمت کے تولیے عاملکرور
کردیئے ہیں، افراد کے اعضا میں آرام کا قاطع النسل چسکہ لگاکر انکو محنت سے متنفر کردیا ہے وہیں محکومیت ورہلاکت
کے انگارے پڑے دہک رہے ہیں۔ دنیا کے اِس کارگاہ رنج ومحن میں یہی دو بڑی طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے سے
پیہم نبرد آزمائی میں مصروف ہیں، شیطان کا متمرّد اور خدا سے برگشتہ ٹولہ ہر جگہ اپنے طاغوتی مکروحیل سے انسان
کو نقد اجرت کی طمع دے دیکر اپنے دام میں پھنسانا چاہتا ہے، بنی آدم کی ضعیف الخلق پیدائش کو فوری آرام کی
مہلک اعضا ترغیب و تحریص پیش کرکے تھپک تھپک کر سُلانے کے درپے ہے، اسکے قلب کے اندر دلفریب بتوں کی
ایک بھری محفل لگاکر خدا اور اُسکے محرک اعضا احکام سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی آگے سے آتا ہے، کبھی پیچھے
سے آ ہر کتا ہے، کبھی دائیں سے آنکلتا ہے، کبھی بائیں سے آحاضر ہوتا ہے اور سعی و عمل کے صراط مستقیم سے
ورغلاتا رہتا ہے، ممنوعہ درخت کی طرف بلاکر اُسکو حفظ و امن کے "الجنۃ" سے نکالنا چاہتا ہے: قَالَ فَبِمَآ
اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ
وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (اعراف) - یہی وہ لازوال طاغوتی طاقت ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ
انسان کے درپے ہے، اُسکو ہر دم اور ہر آن بہکارہی ہے، لمحے لمحے کے بعد نیا بُت پیدا کررہی ہے، توڑے ہوئے
بتوں کو چشم زدن میں پھر جوڑ دیتی ہے، نئی نئی اور دلفریب مورتیں از سر نو پیش کرکے خدا کے بتائے ہوئے صراط
مستقیم میں لاینحل مشکلات، لازوال رکاوٹیں، قدم قدم پر ٹھیر جانے اور خدا تک پونہچنے کے سامان پیدا کردیتی ہے
خدا کی راہ پر چلنے والے اور اُسکی عبادت اختیار کرنے والے شخص کیلئے شیطان کا اس زمین پر موجود ہونا ایک ابتلائے
عظیم ہے، بلائے مسلسل ہے، شبانہ روز امتحان ہے! اُسکے لیئے اُس کار طلب اور صبر آزما خدا کو خوش کرنے کی
سبیل یہی ہے کہ ہر دم اِس مردود خدا ٹولے کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑتا رہے، راہِ خدا میں اِس قطاع طریق
کے آراستہ کیئے ہوئے منظروں کیطرف آنکھ اُٹھاکر نہ دیکھے، اسکی ابلہ فریب آرامگاہوں کا کچھ خیال نہ کرے،

اِسکے عملے کے خوفناک ورش بتوں کی پس پردہ چشمکوں کو دھیان میں نہ لائے، (اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف)، راہ خدا میں اُسکی یاد دلائی ہوئی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہ کرکے منزل مقصود تک پوہنچنے کی سعی کرے، پیہم سعی و عمل کرکے اِس دُنیا کے اندر عزّ و تمکنت سے رہے، خلیفۂ خدا بنے، بادشاہ زمین بنے، نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا مصداق ہو، تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرکے اپنے آپ کو خدا کا مماثل[✝] ثابت کرے، مسجود ملائک ہو، مخدوم انام ہو، معبود انعام ہو۔ الغرض اس دربار احکم الحاکمین کی کسی صفِ نعال میں بیٹھنے کے قابل ہو جائے! بندۂ خدا اور عابد رب العٰلمین قوم کا اس زمین پر یہی کام ہے، یہی صراط مستقیم ہے: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (حجر ۱۵)! جو قوم اس عبادت خدا اس توحید کے صراط مستقیم، اس تلوار سے تیز اور بال سے سوا باریک "راہ سے اِدھر اُدھر ہٹی اسکے لیئے اِس دنیا میں اجتماعی جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، غلامی کا سعیر ہے اور آگے چلکر ایک کو جہنم ہے۔ (قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص ۳۸)۔ عبد مخلص بن کر رہنا، اپنی تمام ارادت اور عقیدت کو خالصتہً اُسی کے لیئے وقف کرکے اُس کے تکلیف دِہ احکام پر عامل ہو جانا، محنت طلب خدا کو شبانہ روز محنت کرکے خوش رکھنا ہی وہ صراط مستقیم ہے جسکے سوا اس دنیا کے اندر کوئی دوسرا راہ راست موجود نہیں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (زخرف) وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (زخرف ۴۳)۔ اُس کارکن اور کارفرما خدا کے لیئے، نہیں اُس شاہد امتحان طلب کے لیئے اُسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے اشرف الخلق انسان کی ارادت اور محبت، اُسکی اطاعت اور عبادت کی آزمائش کی اِس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ ایک **لا یموت اولم نزل طاغوتی طاقت** پیدا کرکے اِس زمین پر عمداً کھلی چھوڑ دے، جو اُسکے دیئے ہوئے احکام سے انسان کو ہر دم ورغلاتی رہے، جو اُسکی راہ میں پیہم حائل ہو،

[✝] عہد عتیق باب پیدایش میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا مماثل پیدا کیا۔

جو لمحے کے بعد اسکے قدموں کو متزلزل کرتی رہے! ایک مطلوب کے لیئے طالب کی محبت کے امتحان کا اس سے بہتر کوئی اسلوب نہیں، جذبۂ دل کی تصدیق کا اس سے صحیح تر کوئی معیار نہیں، کھرا اور کھوٹا پہچاننے کی اس سے بہتر کوئی محک نہیں! صرف زبانی دعووں سے اطاعت اور ارادت، عشق اور ولا کا مقام قطعًا حاصل نہیں ہو سکتا؛ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹)۔ اسکے لیئے پیہم جہاد شرط ہے، جان کی پیشکش شرط ہے، صبر اور استقلال شرط ہے: (وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ ۝ (محمد)، تمنائے موت شرط ہے: قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (جمعۃ ۶۲)! اس صبر آزما اور فتنہ شعار خدا نے اپنی راہ رضا میں آب و گِل اور ابلہ فریب بتوں کا ایک جمِ غفیر کھڑا کر دیا ہے، اپنے اور انسان کے درمیان ہزار در ہزار حجاب آراستہ کرکے ہر پردے پر ایک عیّار اور عشوہ گر حاجب بٹھا دیا ہے، ہر حاجب کو اشارہ کر دیا ہے کہ انسان کو حتی الوسع اُس حجاب آرائے حقیقی اور اُس منزل مقصود تک پہنچنے نہ دے۔ وحدت اُمّت کے حکم کے بالمقابل عداوت اور بغض کا بُت، اطاعت امیر کے بالمقابل خودرائی کا بت، جہاد بالسّیف کے مقابلے میں نفس پسندی کا بُت، جہاد بالمال کے مقابلے میں حُبِّ مال کا بُت، ترک وطن کے بالمقابل ہجر اولاد کا بُت، الغرض ہر امر و نہی کے برخلاف ایک زبردست اور لازوال مخالفت کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ شیطان کو نفس امّارہ کے اندر اسقدر متمکن کر دیا ہے کہ قدم قدم پر لغزش کا سامنا ہے، انسان کو سمع و بصر اور قلب سلیم کی امانت عطا فرما کر اسکے لیئے اس دنیا میں صحیح طور پر رہنا وہ دشوار کر دیا ہے کہ آسمان و زمین اِس امانت کے بوجھ کو دیکھکر لرز رہے ہیں، تعقّل اور ارادہ ارزانی فرما کر اسکے لیئے یہ موت انگیز اُلجھنیں، یہ المناک دشواریاں، یہ گمراہ کن نادور بینیاں، یہ ہلاکت خیز ناانجام شناسیاں پیدا کر دی ہیں کہ ہر قدم پر لڑکھڑاہٹ ہے۔ بے تعقّل اور بے ارادہ سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ تو روزِ اوّل سے اسی صحت اور اطاعت سے اپنے صراط مستقیم پر چل رہا ہے جو اسکے لیئے ایک دفعہ

مقرر کر دیا تھا، ہر وقت اور بہر کیف لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَآ أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰس) کا مصداق ہے، کروڑ در کروڑ آسمانی اجرام اور سورج سے کروڑ در کروڑ گنا بڑے ستارے بھی اُنہی قاعدوں پر چل رہے ہیں جو قسامِ ازل نے ایک بار متعین کر دیئے تھے، سب کے سب کسی بے مثال **حاکم** کے اٹل حکم پر **مجبور** نظر آرہے ہیں، اُس **ناموسِ اکبر** کی ذمہ داری کے بارِ عظیم کے متحمل ہیں کہ یک سرِ مُو ادھر اُدھر نہیں ہٹتے۔ نہیں ہزار در ہزار قسم کی ادنیٰ حیوانی اور نباتی مخلوق بھی روزِ آفرینش سے اپنے اپنے مقرر قاعدوں پر چل رہی ہے، أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طٰہٰ) کی صحیح مصداق ہے، عبدِ مخلص ہے، حُنَفَآءَ لِلّٰہِ ہے، اِسی لازوال ہدایت اور صراطِ مستقیم کی بنا پر سطحِ زمین کے ہر حصے میں اجتماعی دوام حاصل کر رہی ہے، متمکن فی الارض ہے، مگر فہم و ادراک کی امانتِ عظمیٰ کا قرعہ فال اِس ظلوم جہول انسان کے نام کچھ ایسے بُرے وقت نکلا ہے کہ اُسکو اپنے دین سے محض بےخبری ہے، اپنے صراطِ مستقیم کا کچھ پتہ نہیں، اپنی عبادت کے انداز کچھ یاد نہیں، اپنا دینِ حنیف کچھ ازبر نہیں، اپنے راہِ راست پر کچھ قیام نہیں، اپنے قیام و دوام کا کچھ عشق نہیں، اپنا بقا کچھ میسر نہیں: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (احزاب)۔ شیطان نے اِس زمین پر اپنا مستقر قائم کر کے اِس کمبخت وجود کے لیئے ہلاکت کے وہ لامتناہی سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ روزِ آفرینش سے مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (بقرہ) کا ایک لامتناہی محشر برپا ہے۔ ایک اُمت اگر خدا کی عبادت میں مصروف ہو کر اُبھر رہی ہے تو دس اُمتیں شیطان کی عبادت میں لگ کر ہلاک ہو رہی ہیں، مُلک سے مُلک الگ، اُمت سے اُمت جُدا، شہروں اور قریوں میں فساد، گھروں اور محلّوں میں تفریق، بات بات پر تشتت، الغرض شیطان کی حکومت اکثر جگہ قائم ہے **شرک** کے خانہ برانداز تفرقوں اور عبادتِ شیطان کے فارق النّاس وسوسوں نے بنی نوعِ انسان کے اندر وہ اختلالِ عظیم برپا کر رکھا ہے کہ پوری **نوع کی ہلاکت** سروں پر منڈلاتی نظر آرہی ہے! اِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (فاطر) کا ہولناک سماں قریب دکھائی دے رہا ہے! سفلی مخلوقات کی ہر نوع کے افراد کے مابین ایک غیر منقطع **امن** ہے، وہ سب کے سب آپس میں متحد اور متفق العمل ہیں مگر انسان ایک نوع ہو کر

ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں، ادنیٰ مخلوق کی ہر اُمت کا **ایک** مذہب، ایک راہِ عمل، ایک مسلک **ایک** رہنمائے اعظم ہے، مگر یہاں ایک نوع میں ہزار در ہزار اُمتیں، ہر طرف ایک علیحدہ رہنما، ہر جگہ ایک نیابت، اور گھر گھر فطیری اور خمیری کا جھگڑا ہے! ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ **اَيْدِي النَّاسِ** لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ (روم) ۔ الغرض یہ سب کچھ **عبادتِ شیطان** کا ظہور ہے، اُس معلّم الملکوت کی ادنیٰ کارفرمائی ہے ورنہ بنی آدم درحقیقت **ایک** ہی اُمت ہیں: كَانَ النَّاسُ **اُمَّةً وَّاحِدَةً** (بقرہ)، ایک نوع، ایک ماخذو مصدر، ایک اب و جد، ایک تقویم، ایک خدا اور ایک ہی کارفرما کی رعیّت ہیں۔ شیطان کا تعبد اور ضدا سے برگشتگی لاکھ ہوتی رہے مگر اُس چارہ فرمائے جہان اور بدیع زمین و آسمان نے بھی انسان کا ڈھانچا تیار کرتے وقت پہلا **معنوی عہد** جو اُسکی جبلّت اور طینت سے لیا یہی تھا کہ اس دنیا کے اندر خوش اسلوبی اور زور سے رہنے کا صراطِ مستقیم یہی ہے کہ شیطان سے تعبّد قطعًا نہ ہونے پائے، جس کی مخلوق ہو، اُسی کے حکموں پر چلنا تمہاری **فطرت** میں داخل کر دیا ہے، اُس بنّائے کون و مکان نے یہ بات تمہاری ہیئت اجتماعی کی ہر ممکن حالت تمہاری چال ڈھال، تمہاری سیرت اور چلن، تمہارے اندازِ معاشرت، تمہارے تمدّن، تمہاری تکوین میں نہیں بلکہ تمہارے بقا و فنا کے ہر شعبۂ سعی و عمل میں روزِ اوّل سے رکھدی ہے کہ غیر خدا کی ملازمت سِرے سے نہ ہو: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یٰس) ۔ **توحید** تمہاری مٹی میں **خمیر** کیگئی ہے۔ تمہاری **طینت** اور **جبلّت** میں مخمّر ہے۔ جس نے تمہیں پہلے دن بنایا تھا اُسنے اپنی ملازمت کے عنصر کو تمہارے ہیولے میں گوندھ دیا تھا، اُسکو بناتے وقت اِسقدر سوچ ضرور تھی کہ یہ سرکشی کا پُتلا اور آگ کا پرکالا، یہ خود رائے اور صاحبِ ارادہ مضغہ گوشت، یہ کبر وادّعا کا نطفۂ منی، یہ انانیّت اور شیطنت کا ہیکل کبیر، یہ صاحبِ دست و قدرت، یہ اوصافِ خدا کا مجسمۂ صغرٰے زمین پر رہکر اِسقدر شیطنت یا اسقدر کبریائی نہ کرتا پھرے کہ خدا کی خدائی سے نکل باہر ہو، اُس کے

دائرہ عبودیت کو مسترد کردے، جس جس رنگ میں روئے زمین پر یہ اپنا اجتماع و استعمار کرتا پھرے گا، ربِّ زمین و آسمان کے قانون کی پابندی، اُسکے حلقۂ عبودیت کے اندر ہوکر رہنا اُسکے ہر کہ و مہ پر، شاہ و گدا پر، مطیع و مطاع پر، مرید و مراد پر، کبیر و صغیر پر، **جنّ و انس** پر فرض رہیگا؛ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [†] (ذاریات))۔ اگر اس تعبّد سے نکلکر اُس نے **شیطان** کی ملازمت اختیار کی، توحید سے برگشتہ ہوگیا، زمین آسمان کے اس عالم آرا **اصل اُصول** سے عملاً بگڑ بیٹھا تو کچھ پرواہ نہیں، اُسکی **جبلّت** میں یہ بات پہلے سے **ودیعت** رکھدی گئی ہے کہ اس خصومت کے ہوتے ہوئے اسکی اس زمین پر کچھ دال نہ گل سکیگی شکست اور انتشار کے جہنّم میں پڑا جلتا رہے گا، فقر افلاس، واماندگی اور بیچارگی، محکومیت اور جوتیاں، چیتھڑے اور جوئیں، قحط اور وبائیں، ہر آن اُسکے دامنگیر رہا کرینگی، مَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ) کا منظر ہر وقت پیش پیش ہوگا، لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۰ (ہود) کا قول پورا ہوکر رہے گا، یہاں پر اجتماعی جہنّم اور آگے چلکر ایک ایک غلط کار کو اُخروی جہنّم نصیب ہوگا! **موحد** زمین و آسمان ہوکر مجھ سے یہ توقع رکھنا کہ میں نے اپنی مملکت کے اندر انسان کو اپنے سے محض **بے تعلق** پیدا کیا ہے، یا اُسکو بھولے سے مختار بناکر اپنا اختیار کھو دیا ہے محض عبث اور طفل تسلّیاں ہیں! شیطان کا اگر اس زمین پر غلبہ ہے تو یہ بھی میری **مشیت** اور قضا سے ہو رہا ہے، یہ بھی میرے ہی قانونِ فنا کی ایک شق ہے، میری ہی امتحان پسند عادت کا ایک کرشمہ ہے، میری ہی سعی طلب طبیعت کا تقاضا ہے تاہم اس زمین و آسمان کی حدود کے اندر رہکر اگر کوئی قانون بقا و حیات جاری ہے تو وہ خالصۃً میری ہی عبادت ہے، توحید اور صرف توحید ہے! میں آقا ہوں، موجد اور مصوّر ہوں، لیکن مومن اور مہیمن بھی میں ہی ہوں، اپنی ہی عبادت پر اس کارخانے کی بنیاد رکھنا میرا **حق** ہے، اور میری مخلوق ہوکر میری حدود مملکت سے باہر کسی کو مفر نہیں؛ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ (رحمٰن) یہی توحید انسان کا وہ واحد دین قیّم، وہ ایک صراط مستقیم، ایک اصل اصول، ایک اساس کار، ایک دین حنیف، ایک **فطرت** ہے جس پر سب انسانی **مجبول** بلکہ **مجبور** ہے، اس خداداد فطرت میں ردّ و بدل کا امکان

† اس آیۂ شریفہ کی مزید تشریح کے لیے دیکھو عربی افتتاحیہ صفحہ ۲۲ وغیرہ نیز اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۱+

حتمًا نہیں: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ (روم)۔ اس مضبوط اور محفوظ کارخانے کی بنا قسط و عدل پر ہے، اس میں جو بات ہو رہی ہے **قانون** کے ماتحت ہو رہی ہے، جو نعمت، جو انعام، جو امن جہاں کہیں مل رہا ہے میری ہی ابتغاءِ وجہ اور میری ہی خوشنودی کے باعث مل رہا ہے، ظلم اور استبداد سے قطعًا کچھ نہیں ہوتا، پس جہاں کہیں میری رحمت کا موسلا دھار مینہ برس رہا ہے، جہاں يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا کا سماں موجود ہے، جہاں يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے، يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ کے انعام مل رہے ہیں، جہاں لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ہے، اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا منشور خسروی نافذ ہے، جہاں استخلاف فی الارض کا عطیہ عظمٰی ہے، وراثت زمین کی موہبت کبرٰی ہے، الغرض جہاں کسی قوم میں قوت اور زور ہے، امن اور قیام ہے۔ موت اور ہلاکت میں بہت کچھ ڈھیل ہے۔ وہیں **توحید** باقی ہے، وہیں صحیح معنوں میں میری **عبادت** ہو رہی ہے، میرے قانون پر سچا **عمل** ہے، میرے آئین کا صحیح **علم** ہے، میری منشا کی سچی **درک** ہے، میری صحیح **معرفت** ہے، وہیں **صراط مستقیم** ہے، وہیں **اسلام** ہے، وہیں **محمد** پر سچا **ایمان** ہے، (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ[†] ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ (محمد)) اُسکے لائے ہوئے **قرآن** پر ایمان ہے، انبیاء کی لائی ہوئی **الکتٰب** پر ایمان ہے، **توراۃ** اور **انجیل** پر ایمان ہے، زبور اور تلمود پر ایمان ہے، وہیں شیطان کی عبادت کم ہے، وہیں بُت کم پُج رہے ہیں، شرک کم ہے، کفر کم ہے، جہاں کوئی قوم مغضوب علیہ ہو رہی ہے، اُسپر سیمرا دردناک عذاب نازل ہو رہا ہے، اُسکے ملک یک بیک چھنے جا رہے ہیں، اُسپر سے غیظ و غضب کا تنور جوش مار رہا ہے، وہیں عبادت شیطان جاری ہے، وہیں توحید قطعًا نہیں، وہیں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صراط گم ہو چکا ہے، كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ (روم) کے مصداق بن چکے ہیں، وہیں شرک قطعًا ہے، کفر قطعًا ہے، مجھ سے انکار قطعًا ہے، محمدؐ سے انکار قطعًا ہے! قول میرے نزدیک

---

† گویا رسول صلعم پر ایمان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُسکی **دنیاوی** حالت اچھی ہوگی۔ جس قوم کی دنیاوی حالت درست نہیں اُسکو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کچھ ایمان نہیں کیونکہ وہ اُنکے لائے ہوئے احکام پر نہیں چلتی۔

کچھ شئے نہیں، عقیدے اور رسمیں کچھ شئے نہیں، عیسائی اور موسائی، کرشنوئی اور محمدی بننا کچھ شئے نہیں، یہ بھی ایک **بُت پرستی** ہے، مجکو چھوڑ کر میرے بندوں کو پکڑتا ہے، قانون خدا اور امر رب العلمین سے جدا ہو کر کسی رسمی اور شرعی مذہب کے ظواہر کچھ شئے نہیں، نماز کی رکعتیں قانون سے الگ ہو کر کچھ شئے نہیں، حج کے مناسک کچھ شئے نہیں، جو شئے میرے نزدیک مقبول ہے وہ توحید پر **عمل** ہے، بہر نوع عمل ہی، ہر لحظہ عمل ہی، جو عمل کر رہا ہے، وہی میرے نزدیک مُسلم ہے، وہی مومن ہے، وہی محمدؐ کا سچا پیرو ہے، وہی بےخوف و خطر ہے، میں نے نوحؑ و ابراہیمؑ کی رسمی اُمتیں ہلاک کر ماریں، موسیٰؑ کی اُمت کو رسوائے جہاں کر دیا، لوطؑ، شعیبؑ صالحؑ، ہودؑ، سب کی شرعی امتوں کی بھنک تک باقی نہیں رکھی، وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (مریم)، یہ اس لیئے کہ وہ سب کی سب مجھ سے بگڑ بیٹھی تھیں، مَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء) کی مصداق بن چکی تھیں، اب محمدؐ کی اُمت کو ہلاک کرنے میں مجھے کیا شرم ہے یا مُنہ سے تین خدا کہنے والی لیکن توحید پر عمل کرنے والی اُمت کو زیر و زبر کرنے میں کیا عار ہے۔ مُسلمان اور اسکا انکار کیا نسل انسانی کا تختہ اُلٹ کر اُس سے بہتر اور قائم تر نسل کو لا بٹھلانے میں کیا دیر ہے (قَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ (ابراہیم) ۔ میں قاسط اور عادل، بے نیاز اور بے پرواہ خدا ہوں، بادشاہوں کا بڑا بادشاہ ہوں، میرے ہاں وہی قوم بے خوف و خطر ہے جو توحید پر عامل ہے، جو شیطان کی ملازمت کو قبول نہیں کرتی، اُسکے فوری اجر کو، اُسکی نقد تنخواہ کو اشر نہیں مانتی، جسکو میرے نبیے، میرے اُدہار، میری یوم آخرت کو دیجانے والی تنخواہ پر اعتماد ہے۔ قولی مسلمان یا شرعی ایمان دار، رسمی یہود یا اسمی نصارے، گبر و برہمن، وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، جو جس قدر عمل کر رہا ہے، اُسیقدر میرے ہاں سے اُجرت لے رہا ہے، اسیقدر وہ قوم اس دنیا میں بے خوف و خطر ہے، اسیقدر غالب اور متمکن فی الارض ہے، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (بقرہ)۔ میری اُجرت شیطان کی اُجرت کی طرح فوری، عارضی، اور

تباہ کن نہیں وہ جسکو مل رہی ہے اُسیکو اس زمین پر کبریائی اور جبروت حاصل ہے!

پس اِس کارگاہ کسب وعمل کے اندر اگر کوئی شخص کسی مفید جماعت منتہا کو پیش نظر رکھکر کڑیاں جھیل رہا ہے تو وہ ازروئے قرآن خدا کا عابد ہے۔ جو قوم تکلیف اُٹھاکر اپنے آپ کو بہتر بنارہی ہے وہ فی الحقیقت توحید پر چل رہی ہے۔ جو کاہل اور بے عمل ہے وہ مشرک ہے، منکر خدا ہے، عابد شیطان ہے۔ جو کام کر رہی ہے وہ حلقۂ عبودیّت میں شامل ہے۔ جو کہہ رہی ہے وہ کچھ نہیں۔ جہاں جہاں جو جو کچھ سعی وعمل ہو رہا ہے، خدا کے قانون کو مانکر اور شیطان کو مسترد کرکے ہو رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول فی الحقیقت اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (نجم) ہی کو تسلیم کرنا ہے۔ یہی خدا کو ماننا اور شیطان سے گریز کرنا ہے، یہی عبادت ہے، یہی توحید ہے، شیطان کی ملازمت کی اصل و بنیاد فوری آرام اور اُخروی تکلیف ہے، خدا کی خدمت کا اصل اُصول فوری تکلیف اور اُخروی آرام ہے۔ نہیں بلکہ جس عمل میں اُخروی آرام نہیں، جس کا انجام نیک نہیں، جس کا پیش نہاد اُمّت کی بہتری نہیں، جو آپ نامنظّم اور بے سلیقہ ہے، جس سے کچھ قوّت حاصل نہیں ہوتی، جو راکھ کے ڈھیر کی مانند پریشان ہوجانے والا ہے وہ بجائے خود کفر ہے، بڑی سے بڑی گمراہی ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (ابراہیم)۔ خدا کا منکر، اُسکے قانون کا منکر، اُسکے منظّم اور مرتّب زمین و آسمان کا منکر، اُسکے شمس و قمر کا منکر، اُسکی رکھی ہوئی میزان[†] کا منکر فی الحقیقت وہ شخص ہے جو ایک سعی لاحاصل کر رہا ہے، جسکی کوشش اِس دنیا کے اندر کچھ ٹھکانے نہیں لگی، جسکی تگ و دو سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا، جو ایک بے حقیقت اور باطل شئے کے درپے ہے: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد) جو کسی سراب کے پیچھے لگا ہے، پانی سمجھکر لپکتا ہے مگر پانی نہیں پاتا، ظن و وہم کی وادیوں میں سرگردان ہے اور بے نتیجہ عمل کر کرکے دُکھ اٹھا رہا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (النور)۔ عبادت کا خدائی مفہوم خدا کے اِس آخری کلام میں اِس قدر وسیع اور عالم آرا ہے، کفر کا الٰہی اطلاق اِسقدر نامقیّد اور مطلق ہے، توحید کا قرآنی مقصود

† وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (رحمٰن) کی طرف اشارہ ہے۔

اسقدر نفعمند اور نتیجہ خیز، اسقدر روزمرہ اور بکار آمد ہے کہ جہاں کہیں اس دنیا کے اندر کوئی مستقل بہتری کی صورت پیدا ہورہی ہے، جہاں کچھ کامیابی اور کامرانی کے سامان جمع ہورہے ہیں، کوئی تکلیف، کوئی تگ و دو، کوئی شیطان سے انکار اس بنا پر ہورہا ہے کہ انسان کی ہیئت اجتماعی کی حالت بہتر بنے، کچھ قوت اور زور حاصل ہو، کچھ بادشاہت زمین ملے، عزت اور غلبہ ہو، ارتقا اور بقا نصیب ہو، وہیں عبادت خدا کا شائبہ قطعًا ہے، وہیں ایمان کا شائبہ قطعًا ہے، وہیں توحید کا عمل ضرور ہے، وہیں بُت کم ہیں، شیطان کا کم غلبہ ہے، وہیں ایمان باللہ ہے۔ جہاں نامرادی ہے، وہاں کفر قطعًا ہے، خدا سے انکار قطعًا ہے، شیطان کی عبادت قطعًا ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (عنکبوت ۲۹)۔ جہاں کوئی قوم ناکامیاب ہورہی ہے وہاں خدا سے اعراض ہے، اُسکے قانون سے اعراض ہے، کسی ماسوا کی عبادت ہورہی ہے، کچھ شیطان سے لگاوٹ ہے: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (رعد ۱۳)۔ کفر اور توحید کا صحیح معیار اس دنیا کے اندر حتمًا یہی ہے کہ موحد اور مومن قوم بہر نوع غالب ہے، بہرحال ترقی کررہی ہے، اُسکی دولت اور حکومت، عزت اور اقتدار سب کچھ بڑھ رہے ہیں، جماعت کی کثرت ہورہی ہے، جنّات اور انہار مل رہے ہیں، نئی قوموں پر حکومت مل رہی ہے، الغرض وہ منعم لم یزل اُس سے بحیثیت مجموعی راضی ہے، وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور جبتک عبادت خدا اُنکا وطیرہ رہیگا اس دنیا کے اندر اُن کا فلاح پاتے رہنا ایک طے شدہ امر ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ ۵۸)۔ شیطان کی عبادت اور خدا سے اعراض کرنے کا اس دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوکر رہنے سے اسقدر گہرا اور طبعی تعلق ہے کہ کافر قوم کی زندگی بہرنوع چارپایوں اور مویشیوں کی زندگی ہے، بیگار اور بار برداری کی زندگی ہے، محکومیت اور بیچارگی کی زندگی ہے، افلاس اور آہ و بکا کی زندگی ہے، لیکن مومن کے لیئے بہرنوع جنات زمین ہیں، بادشاہت اور عزت ہے، قوت اور امن ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد) - کافر کا ہر جگہ اور بہر نوع مُنہ کالا ہے، مومن کو ہر جا اور بہر حال فتح نصیب ہے، نہیں بلکہ فتح و نصرت کی طرف اقدام کر کے اپنے آپ کو غالب کر دینا ہی عین ایمان ہے، عین عبادت اور نری توحید ہو۔ اگر زرتشت علیہ الرحمۃ نے یزدان اور اہرمن کو اس دنیا کے اندر دو بڑی طاقتیں مانا تھا، اگر اُسنے لوگوں کو اہرمن کی شکست انگیز طاقت اور یزدان کی خیر آفریں قوت کی طرف متوجہ کر کے ربّ بیمثال کے بقا و فنا کے اس پُر اسرار قانون سے آگاہ کرنا چاہا تھا تو اس کا پیش نہاد بھی ساکنانِ زمین کو اسی توحید اور تعبد خدا کی طرف بُلانا تھا، جن لوگوں نے اسکی تعلیم کو "وحدانیت" کے منافی یا "دو خداؤں کے منوانے والی" سمجھا ہے اُنکی جہالت پر جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے! جس قوم نے اس دنیا کے اندر شیطان کی برباد کن قوت کو تسلیم نہیں کیا، جو اُسکو ہر لحظہ اپنا کھُلا دشمن سمجھکر اُس سے فی الجملہ محترز نہیں رہے اُنہوں نے فی الحقیقت توحید کی حقیقت کو کچھہ نہیں سمجھا!

اگر عہد حاضر کے مسلمان قرآن حکیم کے اِن قطعی اور عام محاکموں کو نظر تعمق سے نہیں دیکھتے، اگر آج اُنکو تین خدا کہنے والے نصرانی کی دنیاوی خوشحالی کا خوشنودیٔ خدا اور عبادت رب یا توحید اور ایمان پر محمول کرنا ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر وہ آج اپنی ہر مصیبت کو "ابتلاء" اور دوسروں کی ہر راحت کو "بلا" سمجھکر مکر کی نیندیں لے رہے ہیں اور خدائے زمین و آسمان کو العیاذ باللہ مشرق کا کوئی لاابالی اور مستبد، کوئی بے اصولا اور بے قانونا نواب سمجھکر اپنی قسمت پر شاکر بیٹھے ہیں تو بیٹھے رہیں مگر انکیں ہو ہو اگر اُن کا اِس حقیقت سے انکار کرنا، مالک شمس و قمر اور خالق زمین و آسمان کو "ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ" سمجھنا، اُسکے دیئے ہوئے انعاموں کو بلا استحقاق اور اُسکی بھیجی ہوئی عقوبت کو بلا وجہ سمجھنا، اسکی مشیت کو "گہ بہ سلامے برنجند و گہ بہ دشنامے خلعت دہند" کا مصداق یقین کر کے قسمت اور تقدیر کو پیٹتے رہنا فی الحقیقت وہ آشوب چشم اور وہ سودائے سر ہے جسکا علاج موت کے سوا کچھہ نہیں۔ قرآن حکیم کے مطالعے کے بعد کفر اور ایمان، عبادت اور توحید، فتح و شکست کے متعلق میرا یہ فیصلہ اسقدر حتمی اور قطعی ہے کہ روئے زمین کی بڑی سے بڑی مخالفت بھی مجھے اس عزم میں کمزور نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ مذہب اسلام اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے کا واحد اور سچا طرز عمل ہے، توحید اس مقام محمود پر پہنچنے کا واحد اور موثر اوزار ہے۔

اِس سطح زمین پر تنومند بنکر رہنے کی سچی اور کھری سیاست ہی۔ انسان کے ہر لمحہ عمل میں اِسطرح شامل اُسکے
ہر اسلوب کار میں اِسطرح داخل، اُسکے قانون مدوجزر کی وہ شرط لاینفک، اُسکے بقاودوام کی وہ علت اولیٰ، اُسکی
بہبودی اور خوشحالی کی وہ محرک اعلیٰ ہے کہ اُسکو انسان کے کسی فعل حسن سے جُدا کرنا ناممکن ہے! نہیں بلکہ میری
نظروں میں اگر سورج اپنے وقت پر روز چڑھتا ہے تو اِسی توحید کے زور پر، اگر چاند کی منزلیں مقرر ہیں اور وہ اُنکو
نباہ رہا ہے تو اِسی توحید کے زور پر، اگر نجم و شجر روز آفرینش سے اپنے مقررہ فرائض کو ادا کر رہے ہیں اور
یک سرِ مو اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے تو اِسی عبادت خدا کے زور پر: (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ
وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (نحل ۱۶)۔ اگر دابہ اور ملائکہ
اپنا اپنا کام کر رہے ہیں تو اِسی خوف خدا کے زور پر۔ یہ ہر ایک کا اپنے فرض کو مقررہ وقت پر اور بے ردوبدل ادا
کرنا ہی اُنکی صلاۃ ہے، یہی اُنکی تسبیح اور سجدہ ہے، یہی كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۝ (النور ۲۴) کا صحیح مفہوم ہے،
یہی وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۝ (بنی اسرائیل) کا صحیح تفقہ ہے۔ پس جب اِس زمین و
آسمان کا سارا نظم و نسق اِسی توحید کے زور پر ہے تو انسانی اُمتیں بھی جہاں کہیں اُبھر رہی ہیں اِسی وحدت کے
زور پر اُبھر رہی ہیں۔ جس قوم اور گروہ میں نظم و نسق قائم ہے، جسمیں ہر شخص اپنا مقرر فرض ادا کر رہا ہے، سب کا
معاون اور سب سے متحد ہے، سب کا ایک صراط مستقیم، ایک راہ عمل، ایک قانون، ایک میزان ہے، نہیں جو قوم یا
گروہ اِس سطح زمین پر اِسطرح عمل کر رہا ہے کہ اُس کا عمل اُسکو بہتر اور طاقتور بنا رہا ہے اُسمیں توحید قطعاً موجود ہی،
اُسمیں ایمان باللہ موجود ہے، اُسمیں خشیتِ خدا موجود ہے، **اسلام** موجود ہے، دسواں یا ہزارواں حصہ موجود ہو،
مگر ایک شائبہ قطعاً موجود ہے: (وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ (رحمٰن)۔ اسلام کے مذہب
عمل سے کسی خاص فرقہ یا گروہ کی تخصیص نہیں۔ یہی اسلام ابراہیم اور موسیٰ اور لوط اور شعیب وغیرہم علیہم السلام کی
ہلاک شدہ اُمتوں سے پے در پے نکلکر قرون اُولیٰ کے عرب و عجم تک پہونچا تھا، ایک سے نکلکر دوسری میں اور دوسری
سے تیسری میں ودیعت ہوا تھا، اور اگر یہی اسلام ہم سے نکلکر کسی دوسری امت میں چلا گیا ہے تو یہ امر خدا کے نزدیک

کچھ مستبعد نہیں: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

پس جو قوم توحید کی اس نفعمند اور نتیجہ خیز حکمت کو پیش نظر رکھکر اس دنیا کے اندر پیہم عمل کر رہی ہے، جو شیطان کو اپنے اعمال کا پیہم مخرب اور خدا کو افعال انسانی کا پیہم مصلح سمجھکر اُسکے "تکلیف دِہ" احکام پر عمل کرتے رہنا اپنی زندگی کا واحد منتہائے حیات سمجھتی ہے، جو توحید کو فطرت انسانی کا سب سے نفعمند عنصر یقین کرکے حصول نعمت کے اس بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراط مستقیم پر بجزم تمام چل رہی ہے، جن کا مرنا اور جینا، اُٹھنا اور بیٹھنا خالصۃً اسی توحید کو پیش نہاد بنا کر ہو رہا ہے، جن کی الصلٰوۃ اور الزکوٰۃ میں، جن کے الصوم اور الحج میں قانون خدا اور امر رب العلمین کی سچی متابعت ہی، جسکے ہر فعل و عمل میں کسی نہ کسی بُت کو توڑنا ہے، کسی طاغوت کو، کسی دلفریب تصویر کو، کسی نابِ گل و تن کو، کسی دل آرام صنم کو دل سے محو کرتے رہنا ہے، ہاں جو اُمتیں ہر آن اور ہر لحظہ اس امر کے درپے ہیں کہ **شرک** کا قاطع حیات شائبہ اُنکے اعمال سے حتی الوسع دور ہوتا ہے، وہی آج اُس لاشریک خدا کے بھرپور خزانوں سے انعام پا رہی ہیں، وہی آج "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (فاتحہ) کی مصداق ہیں، وہی صحیح معنوں میں **صالح** اور **عابد** ہیں، اُنہی کو آج **وراثت زمین** کا بے مثال انعام مل رہا ہے، اُنہی کو فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ہے، اُنہی کی **آخرت** بھی بہرحال درست ہی: قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ† ۝ (انعام) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ† ۝ (نحل)۔ انسانی اعمال میں **شرک** کے جزو قلیل کا آ جانا بھی فی الحقیقت **ظلم عظیم** ہے کہ اس سے قومیں چشم زدن میں تباہ ہو جاتی ہیں، پوری اُمت کے اعمال چند ثانیوں کے اندر خانہ برانداز ہو جاتے ہیں، اعضا میں سستیاں اور ذہنوں میں ویرانیاں میلوں اور صدیوں تک ڈیرہ ڈالے رہتی ہیں،

† ان آیات کے مطالب کیلئے اور صراط مستقیم کی تعریف کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۲۱ - ۲۳۲ و صفحہ ۲۲۴ تا ۲۳۶

دل سخت ہو ہو کر وہ پتھر بنجاتے ہیں کہ پتھر بھی اُنکے سامنے مات ہو جاتا ہے، قلب کی سنگلاخ زمینوں میں وہ موت انگیز بربادیاں، وہ ہلاکت خیز ویرانے، وہ اعضا شکن خرابے پیدا ہو جاتے ہیں کہ سعی و عمل کی بالیدگی نام تک کو باقی نہیں رہتی ؛ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ، وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ، وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ، وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ، وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (بقرہ) یہ سب اس لیے کہ شرک اتحاد اور عمل دونوں کا صحیح معنوں میں قاطع ہے، دونوں کو قوم کے ہر کہ و مہ سے نیست و نابود کر دیتا ہے، لوگ اپنے اپنے بُتوں کو لیکر اُن میں مست ہو رہتے ہیں، کسی کو کسی سے کچھ رسم و راہ باقی نہیں رہتی! کوئی مال میں مست، کوئی اولاد میں مگن، کوئی پیر و اولیا میں مشغول، کسی کا نفس حاکم، کسی کا حاکم وقت خدا، کسی کو جاہ سے غرض، الغرض کوئی مشترک تعلق، مشترک خوف، مشترک طاقت دلوں کو مشترک حرکت دیکر اُن کو آپس میں متحد نہیں کر سکتی۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم) کا سماں سب طرف بندھ جاتا ہے۔ اُمت کے اندر مُلک مُلک میں، شہر شہر میں، محلّوں اور گھروں میں، قریوں اور مکانوں میں، حتیٰ کہ ایک گھر کے مختلف افراد میں، باپ بیٹوں میں، ماں بیٹیوں میں، ماں جائے بھائیوں میں تفریق و تشتت کا ایک محشر بپا ہو جاتا ہے! (وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم) - پیر دین میں تفریق، طریق عمل میں تفریق، مذہب اور مسالک میں تجزّی افراد و دیار میں تحزّب، قوم کی تمام قوتوں کو بیکار کر دیتے ہیں۔ اپنے اپنے بُتوں میں مشغول رہنے کے باعث ایک عارضی طمانینت اور فرحت تو فرداً فرداً ضرور حاصل ہو رہتی ہے مگر قوم کی بیخ و بنیاد ایک اقل قلیل مدت میں اس ظلم عظیم کے باعث اُکھڑ جاتی ہے! (وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمٰن)۔ انسانی قلوب کے اندر توحید ہی فی الحقیقت وہ محرّک اوّل ہے جو افراد کے مابین ایک اصلی اور ناطق، ایک دائم اور قائم اتحاد پیدا کر سکتی ہے۔ یہ نفسانی اہوا و اغراض کے بتوں کو یکسر توڑ کر سب کا ایک مشترک خدا کے اذن میں آجانا ہی اتحاد کا صحیح باعث اور توحید کی سچی تفسیر ہے۔ یہی وہ توحید

اور وہ ایمان باللہ ہے جسکا اٹل نتیجہ اس دنیا میں قوت ہی، زور اور بادشاہت ہے، **امن** اور بقا ہی: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَہُمْ **بِظُلْمٍ** اُولٰٓئِکَ لَہُمُ **الْاَمْنُ** وَہُمْ مُّہْتَدُوْنَ ۔ (الانعام)، یہی سچی اور اصلی، دائم اور قائم **ہدایت** ہے! روئے زمین کے تمامتر خزانے بھی صرف افراد کے **جسموں** کو چند لمحوں کیلئے جوڑ سکتے ہیں، اُن میں ایک ناقص اور عارضی اتحاد عمل پیدا کر سکتے ہیں مگر **دلوں کا** سچا اتحاد توحید اور صرف توحید ہی سے قائم ہو سکتا ہے! دو افراد آپسمیں اُسوقت تک صحیح معنوں میں متحد نہیں ہو سکتے جبتک کہ نفسانی اغراض کے **سب** قلبی بُت پیہم نہ محو ہو رہے ہوں اور دلوں کے اندر **ایک** محرّک اعلیٰ عملاً اور اصالتًا نہ قائم ہو گیا ہو۔ جہاں **سب** بُت ٹوٹ چکے ہیں اور صرف خدا باقی رہ گیا ہے، وہاں وحدت اور مواخات، مسامحت اور ملاطفت اٹل ہی۔ جس قوم کے دلوں کا محرک شیطان نہیں رہا، اُسکا مؤلف خدا ایکسر ہے، اور اُسیکا ہر دشمن سے عہدہ برآ ہونا اٹل ہے: وَاَلَّفَ بَیْنَ **قُلُوْبِہِمْ** لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ **قُلُوْبِہِمْ** وَلٰکِنَّ اللّٰہَ **اَلَّفَ بَیْنَہُمْ**† اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (انفال ۹)۔ جہاں **تفرقہ** ہے وہاں طاغوت سے تعبّد قطعًا ہے، **شرک** قطعًا ہے، نہیں بلکہ جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بلاشبہ قائم ہے! شیطان کی ملازمت سے عملاً انکار ہی خدا سے تعبّد کا **معنوی اقرار** ہے، اور جس قوم کے افعال روز و شب اس امر کے شاہد ہیں کہ اُس کا شیطان سے کچھ سروکار نہیں رہا، اُسکو خدا کی عابد نہ سمجھنا صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ خدا کی نظروں میں وہ قوم اسکی کڑی آزمایش میں پوری اُتر چکی ہے، شیطان کو عملاً مسترد کر چکی ہے اُسکے حلقۂ عبودیت میں داخل ہو چکی ہے کیونکہ اُسکے قانون کی معترف ہی، اُسکے حکموں پر عامل ہے، اُس کے سوا کسی کو الٰہ نہیں مانتی! یہی اصلی اور سچی توحید ہے! اس کارگاہ کسب و عمل میں نہ انسانی سعی و عمل خدا کیلئے ہے، نہ مُنہ سے اُس پناہ عالم کے مُقرّب بن کر اُسکی شان میں اضافہ ہو سکتا ہے، یہاں تو جو کچھ ہے انسان کی اپنی بہتری کے لیئے ہی، اگر اُسکے حکموں کی تعمیل ہو رہی ہے تو اپنی ہی بہتری اور خوشحالی کے لیئے، اور اگر انکار ہو رہا ہے تو اپنی ہلاکت کے لیئے، اُسکی اپنی ذات کیلئے نہ یہ ہے نہ وہ ہو رہا ہے: وَمَنْ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفْسِہٖ

† یعنی یہ خدا کی مشترکہ ملازمت ہی تھی جس نے اُنکے درمیان اتحاد پیدا کر دیا، دنیا جہان کے خزانے اُنکے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے۔ دیکھو حصّہ کتاب تحت المتن صفحہ ۶۷ و تحت المتن صفحہ ۹۰۔

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (عنکبوت)۔ پس جو آقا اسقدر بے نیاز ہے کہ غلام سے اپنے حکموں کی تعمیل کو بھی غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیے کہہ رہا ہے اور مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ (ذاریات) کا مصداق ہو، اسکو اس امر کی کیا پرواہ ہے کہ مُنہ سے مقر کرانا† بھی کچھہ شے ہے: قَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۝ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (ابراہیم)۔

اِس کشت زار سعی و عمل کے اندر نہ اعتقادی بُت پرستی کوئی بُت پرستی ہے، نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں نہ مُنہ کی بکواس کر لینے سے اُسکی شان کم ہوسکتی ہے، نہ زبان سے خدا خدا کر لینے اُسکی عزت بڑھا سکتے ہیں۔ کون و مکان کے اِس ناپیداکنار بحر میں نسل انسانی کی اضافی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو اُسکے اعمال کا علم رکھتا ہو، اور جو اُمت اس ہیچمیرزی اور بے حیثیتی کے بعد بھی مُنہ کے اقوال کو خدا کی کوئی خدمت سمجھہ رہی ہے، یا اُسپر احسان رکھکر اُسکو خوش کر لینے کے زعم میں ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ کو بہت بڑا اور اس مالک کبریا و جبروت کو بہت چھوٹا اور تھڑدلا سمجھہ رہی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت بھی اِس دنیا میں صرف رعیت کے اعمال کو دیکھتی ہے، جو شخص رائج الوقت قانون کی پابندی کر رہا ہے اُسکو اپنی رعایا سمجھتی ہے، رعیت کے حقوق، رعیت کی مراعات و انعام، امن و آسایش کے سامان بے نیازی اور استغنا سے دیتی ہے۔ جبتک حکموں کی تعمیل جاری ہے سلطنت کا قانون اسکو نہیں چھیڑتا، حکومت کے متعلق اُسکے افواہی عقیدوں کی کچھہ پرواہ نہیں کرتا۔ سزا اُس دن شروع ہوتی ہے، جب حکم عدولی شروع ہو جب قانون کی حد سے تجاوز عملاً ثابت ہو۔ بعینہ اسیطرح بلکہ اس سے بے انت بڑھ چڑھ کر رب زمین و آسمان کا محکمہ قضا و قدر اقوال سے حسب بے نیاز ہی۔ وہ آج اسی قوم کی قوت کو بڑھا رہا ہے جو متحد ہے، اُسی کو ملک بخش رہا ہے، اُسی پر یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ (نوح) کا محاکمہ عائد ہے۔ نہیں مُنہ سے خدا پرست اور بے عمل مسلمانوں سے چھین چھین کر دے رہا ہے۔ مسیح کو ابن اللہ کہنے والی با عمل قوم کو دے رہا ہے، تیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والوں کو دے رہا ہی جنہوں

† یہاں پر ایک بظاہر وزن دار اعتراض اور بھی ہوسکتا ہو کہ قرآن حکیم میں بعض جگہ صرف قول کیلئے کہا گیا ہو۔ مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اللہ کو صرف منہ سے ایک کہو، یا مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حم السجدة) یعنی جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا پھر اُسپر جمے رہے اُنپر فرشتے اترتے ہیں۔ یا مثلاً حدیث میں ہو: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوگیا۔ یہ مثالیں بذات خود اس امر کی موید ہیں کہ یہاں پر قال کے معنی صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ اس قول پر عمل کرکے اسکو سچ کر دکھانا مراد ہے؛ ورنہ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہو لیکن اس مطلب کے لیے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۲۳-۱۲۶۔

اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود دے رہا ہے، مسجد اقصیٰ کو دے رہا ہے، بلد امین کو دے رہا ہے، بیت الحرام کو دے رہا ہے، روم اور مصر کو، عراق اور عرب کو دے رہا ہے! یہ سب اسلیئے کہ قانون پر عمل دراصل انہی ابن اللہ والوں کا ہے، حکموں کی تعمیل انہی مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے، پیہم تکلیف وہی اٹھا رہے ہیں، دلوں کی بت شکنی وہی کر رہے ہیں، شیطان کی عبودیت سے وہی خارج ہیں! نرے منہ سے کہنے والے مسلمان کچھ کام نہیں کرتے، کچھ پابند قانون نہیں، کچھ عابد خدا نہیں۔ اگر اس باریک بین اور دقیقہ رس، اس لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ (یوسف) اور خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (توبہ) خدا کے احسان و امساک، اسکی جزا و سزا کی یہ توجیہ صحیح نہیں تو اس دنیا کے اندر جو کچھ مسلمانوں سے ہو رہا ہے ظلم ہے، جو کچھ نصرانیوں سے ہو رہا ہے استبداد ہے، بے سبب قہر ہے بلاوجہ جبر ہے۔ ایسے مستبد، جابر اور (العیاذ باللہ) ظالم خدا سے کیا دور ہے کہ کل کو سورج کو حکم دے کہ صرف ملک فرنگ پر چڑھا کرے یا پانی کو کہدے کہ صرف المانیہ میں بہا کرے اور عرب میں جا کر لکڑی کی مانند ٹھوس ہو جائے! إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔ (یونس) ۔ پس اس عظیم الشان اور صحیح، اس منظم اور منسق کارخانے کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کسی اصول کے ماتحت ہو رہا ہے، ظلم اور استبداد، جبر اور قہر سے کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہری بت پرست مگر متحد قومیں اسکی مطلق اصطلاح میں عابد خدا اسلیئے ہیں کہ اسکے قانون پر عمل کر رہی ہیں، رسمی بت پرستی کے باوجود متحد ہیں۔ یہ اتحاد بھی اسوجہ سے ہے کہ دیبیوں کے آگے ماتھا ٹیکنا صرف رسمی اور عادتی رہ گیا ہے، صدیوں کے آبائی رواجوں کا بقیہ ہے، ایک فعل عبث ہے، ایک بے نتیجہ بات ہے، افواہی اور ملائی کفر ہے، لیکن اس پتھر سے فی الحقیقت کوئی والہانہ تعلق یا اس میں کوئی تفرقہ انداز توغل باقی نہیں رہا۔ جو شئے قوم میں فی الحقیقت تفرقہ انگیز ہے، وہ لذّات و اہوا کی پرستش ہے، اولاد کو پوجنا ہے، مال کی عبادت ہے، نفسی اغراض کا پیدا کیا ہوا تحزب اور تجرید ہے، وغیرہ وغیرہ ایسی وہ غیر مادّی اور ہوائی بت ہیں جو بڑے سخت ہیں جنکو توڑنا بڑا مشکل ہے، پتھر کے بتوں کو توڑنا یا اُنسے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں، وہ صرف محمود غزنوی کی توحید ہے، احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں† ! پتھر کے بت اُسوقت صحیح معنوں میں ہلاکت انگیز

† چنانچہ اگر ... [illegible]

ہو جاتے ہیں جب اُن سے بھی وہی مال و اولاد والا اعتنا پیدا ہو گیا ہو، جب اُن کے آگے چند لمحوں تک ماتھا رگڑنے کی بجائے چوبیس گھنٹے کا تعبّد ہو اور ہر گھر اور قبیلے کا بُت جُدا ہو لیکن یہ عبودیّت جس قوم میں پیدا ہوئی ہے چند مہینوں یا برسوں سے زیادہ طبعًا نہیں رہ سکی۔ ایک اقل قلیل مُدت کے اندر اُن پتھروں سے عبودیّت مسلمانوں کے آجکل کے خدا سے تعلق کی طرح صرف رسمی اور زبانی رہ گئی ہے اور وہ بُت فی الجملہ بے نفع و ضرر ہو گیا ہے۔ لذّات اور اہوا یا پیر و اولیاء کے اعتقادی نفع و ضرر کے بُتوں کا یہ انداز قطعًا نہیں، وہ جبتک نسل انسانی اور خدا کا بنایا ہوا عالم الملکوت موجود ہے انسان کے ساتھ لگے رہیں گے، اُسکو اپنی عبادت پر پیہم اُکساتے رہیں گے، جوں جوں اُنکی عبادت زیادہ ہوتی رہے گی، اُن سے ولوع زیادہ ہوتا رہے گا، سب تگ و دو اُنکے لیئے وقف ہوتی رہے گی، خدا کے حکموں کیلئے کچھ عمل باقی نہ رہیگا، پھر اعضا سُست پڑ پڑ کر اُس قوم کو تباہ کرینگے! یہی حیوٰۃ دنیا میں استغراق ہے، یہی حیوٰۃ دنیا کی وہ متاع قلیل ہے جس سے اجتناب کرتے رہنا ہر عابد خدا قوم کا شیوہ ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران)۔ جس قوم نے ان بُتوں کی عبادت کی اُسکی اِس دنیا میں مٹی پلید ہے، وہ اپنے حقیقی دشمن شیطان کی عبادت کر رہا ہے جو اِن سے عفو و درگذر کر رہا ہے، اِن سے کھچا کھچا پھرتا ہے، اِن سے کنارہ کشی اور مغفرت کر رہا ہے، اِن پر صفح جمیل کا پردہ ڈالکر اُنکی طرف نظریں بھر بھر کر نہیں دیکھتا وہی اُس خدائے بے نیاز سے اجر عظیم کا مستحق ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا† فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (تغابن)۔ جس قوم نے اِن بُتوں میں لگ کر اپنی قوائے عاملہ کو مضمحل کر دیا جو اِن مرادوں کی مرید بن گئی، جسنے مال اور مکان، بیٹوں اور بیٹیوں، گھوڑے اور جورو، پیر اور کبیر، باغوں اور طویلوں کو اپنا معبود بنا لیا اُسکی عاقبت قطعًا خراب ہے، اُسکی سب رسّیاں ایک نہ ایک دن کٹ جائینگی، بہتری کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہیگا، اُسدن مرید سے مراد الگ، مطیع سے مطاع جُدا، اور یاس و حسرت کے سوا کچھ سامنے نہ ہوگا۔

† یعنی اگر تم اپنی اولاد و ازواج کی محبت سے درگذر کرتے رہو (تَعْفُوْا) اگر ان سے کنارہ کشی کرو (تَصْفَحُوْا) اسپر پردہ پوشی اور ان سے اغماض کرو (تَغْفِرُوْا) تو خدا بڑا صاحب عفو و درگذر ہے +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۞ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۞ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ)۔ حیوٰۃ دنیا کی عبادت میں جو قوم لگ گئی اُسکی عاقبت بہر نوع خراب ہے، یہی سچی بت پرستی اور سچا شرک ہے، یہی وہ ظلم عظیم ہے جسکی بخشش کی کوئی آس نہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء)۔ اسی عبادت او لگاوٹ کا نتیجہ جہنم ہے، دہکتی ہوئی آگ کے انگارے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یونس)

جس قوم نے دنیا کے متاع و اسباب سے نفرت کی، دنیا اُسکے قدموں پر گرتی رہے گی، اسکی زر خرید لونڈی بنی رہے گی، جسنے دنیا سے اعتنا پیدا کیا، اُسکے ہاتھ سے وراثت زمین کا نکل جانا اٹل ہے۔ دنیا سے نفرت دنیا کی نعمت کو اپنے پاس برقرار رکھنے کیلئے ہے، تمکن فی الارض اور استخلاف کیلئے ہے، متحد رہکر قوی بننے کیلئے ہے، موحد بنکر عابد خدا بننے کے لیئے ہے، عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) بنکر وارث زمین بننے کیلئے ہے، یہ اسلیئے کہ یہ عجوزہ عشوہ گر کمزور اور سست اعضا خاوند کو مسترد کر دیتی ہے، قوی اور مضبوط خاوند کو اپنی لو لگا کر کمزور اور کمزور کو طلاق دیکر پھر نئے خاوند کے درپے ہے، پس جو قوم حتی الوسع اسکی محبت کی مجرم نہ بنی، دنیا اور زمین اُسی کی ہے خدا اُسیکا ہے، توحید اُسیکی ہے، آخرت اُسیکی ہے، یہاں پر سرسبز جنات اور سر بفلک محلات، زُہرہ وش حور وئین اور جگر خوں کن حوریں، سونے کے کنگن اور لباس حریر اور آگے چلکر الجنۃ ہے، لیکن جس قوم کو اس دنیا کے اندر خوش اسلوبی سے جینے کی راہ نہ ملی، جسنے توحید کے اس سربمہر راز کو نہ پایا اُسکی آخرت بھی خراب ہے، اُسکو بالآخر بھی جہنم ہے، جو یہاں پر اندھا رہا اور لذات دنیوی میں مستغرق ہو گیا اُسکی آگے چلکر بھی مٹی پلید ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل)۔ خوشنودی خدا اور ابتغائے رضوان اللہ کی نعمت

* یعنی کاش کہ ہاں بہا ظالم لوگ عذاب آتے وقت اس بات کا احساس کر لیتے کہ قوم کو قوت خدا ہی کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے شیطان کی عبادت سے نہیں ہوتی +

اور صراط مستقیم کے حصول کیلئے رہبانیت اور توحید کا یہ وہ فلسفہ عظمٰی † تھا جسکو قرآن عظیم نے صدر اسلام میں ختم رسلؐ کی وساطت سے پیش کیا، جسکی حقیقت کو پاکر نسل انسانی کا ایک بڑا حصہ چند قرنوں کے اندر نہال ہوگیا، جسپر چلکر آسمان و زمین کے دروازے چوپٹ کھل گئے، جسکی تعمیل کرکے اوپر سے رزق برسنے لگا، نیچے سے دودھ اور شہد کی نہریں پھوٹ نکلیں، لیکن آج اسی فلسفے کو اس زمانے کے خرقہ پوش صوفیا، اور اپنے زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر، تسبیحوں کے منکوں کو چٹخا چٹخا کر اور اوندھے منہ غوں غوں کرکے دنیا کی اس نعمت عظمٰی پر وہ بیدردی سے لات مار رہے ہیں کہ اس منعم لم یزل نے بھی ایک چپہ بھر زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی۔ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (بقرہ) کا غلط تخیل اسقدر نابکار، اسقدر مجنونانہ، اسقدر مضحکہ انگیز، اسقدر سوقیانہ، نہیں اسقدر آرام دہ اور ریاکارانہ بنالیا ہے کہ اس مالک زمین و آسمان کے "سودائے عشق" میں تلوار ہاتھ میں لیکر دشمن سے خدا کی زمین چھیننے کی بجائے کفنیاں پہن پہن کر حال کھیلتے ہیں، سر کو ہولے سے پٹخا پٹخا کر دیواروں سے مارتے ہیں، وجد میں آکر بے ہوش ہو ہو جاتے ہیں۔ بازاری عشق و تغزل کے سب لازمات اس حد تک پیدا کرلئے ہیں کہ خدا اور اسکے رسولؐ کے ہجر میں حیا سوز غزلیں گائی جاتی ہیں، کمروں اور گیسوؤں، گالوں اور جوبن حتّٰی کہ شب وصال اور شب ہجر والی غزلیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لشکر انگیز، اور آسمان شکن توحید، وہ چالیس ہزار شہر اور قلعوں کو بارہ برس میں سر کرنے والی **توحید** علم و نبوت کی سطح سے گر کر ظن و اعتقاد کی تحت الثرٰی تک اسقدر پونہچ چکی ہے، خدا کے اولیائے کرامؒ کی شرم و حیا پر یہ پردہ پڑگیا ہے کہ اسکو بازار کی عصمت فروش طوائف کسی واصل باللہ اور خانہ برانداز ولیؒ کے مزار پر بیٹھی ہوئیں پان کھا کھا کر گا رہی ہیں! ہاں یہ سب کچھ **شرک** کا ایک بیگماں منظر ہے، محبت نفس کے مکر ہیں، ضعف ایمان کا تہلکہ انگیز رہا ہے، یہ اسلیئے کہ جہاد بالسیف کے جگرے نہیں رہے، تمنائے موت کے دل نہیں رہے‡، متحد بنکر رہنے کی نفس کشیاں نہیں رہیں، خدا پر **یقین** نہیں رہا، یوم آخرت پر ایمان نہیں رہا، جان پیاری ہوگئی ہے، ایک نصب العین، ایک پیش نہاد، ایک **قرآن**، ایک **اُمّت**، ایک امیر، ایک **رسول**، ایک **خدا** نہیں رہا۔ پس جس قوم کے ہر فعل و عمل میں شرک کا جزو کبیر اسقدر موجود ہو وہ خدا کی

† صفحہ ۹۰ کی سورہ حدید والی آیت اور تحت المتن کی طرف اشارہ ہے ‡ دیکھو صفحہ ۱۰۵ سورہ جمعہ والی آیت۔

دوستی اور ولایت کا دعوےٰ کس منہ سے کرسکتی ہے! اُسکو منعم علیہ قوموں کی توحید میں شک کرنے کا کیا حق ہے؟ اُسکو نصرانی کی عبودیت سے انکار کس برتے پر ہے؟ اُسکو اس اسلام کا احسان کس شیخی پر ہے: قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (حجرات) - نبی آخر الزمان کی صدر اسلام میں لائی ہوئی توحید فی الحقیقت وہ سکوں سوز اور تاب گسل، وہ لرزہ فگن اور شکر شکن شئے تھی، مومن کے لیئے اُسکا ہر وقت نباہتے رہنا وہ مصدر کسب عمل بن گیا تھا، اسکا ولوں کے اندر کیف حال وہ مصلح اعمال اور مزکی افعال شئے تہا کہ چند لمحوں کے لیئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بُت کی محبت کو قلب پر حکمران کرلینا بھی ایمان کے منافی ہوچکا تھا! اُنکو ہر لحظہ اور ہر آن اس امر کا خوف تہا کہ ادنیٰ سی عبادت سوا کرکے مشرکوں کے حلقے میں جا داخل ہونگے - اُنکے دن مسلسل تکلیف اور پیہم اطاعت میں گذرتے تھے، راتوں کو بستر سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدہ) - امت کی بہتری اور وراثت زمین کی طمع میں روحیں کھچ کھچکر حلق تک پہنچتی تہیں کلیجے مونہوں کو آجاتے تھے، آنکھیں پھر پھر کر رہ جاتی تہیں مگر اُس رب امتحان طلب کی خوشنودی ملازمت انہوں کو بل نہ آنے دیتی تھی: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (احزاب) - منعم لم یزل کے یہ خوشدل مزدور اور چاکری خدا کے یہ سچے شہدا[†] اسی دم مزن اطاعت اور غیر متزلزل عبادت کو الجنۃ میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ سمجھتے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (بقرہ) مومن کے دنیا ہی تمکن کو رضائے خدا کا آخری وسیلہ جانکر دشمن پر غالب آکر رہنا عین ایمان سمجھتے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (مجادلہ) - قرن اول کے مومن کی توحید کا سچا کیف کسی طوفان زدہ کشتی کے بیکس مکینوں کا وہ کیف خشوع، اور اُسکے ڈوبتے ہوئے بے بسوں کا وہ زہرہ گداز

† دیکھو ہمس کتاب تحت اللفظ صفحہ ۱۰۵

خضوع و سجود تہا جنکے ہوتے ہوئے دلوں کے اندر کسی ماسوا سے اعتنا کا باقی رہجانا طبعًا نا ممکن ہے! اسکا شرک بھی سبکساران ساحل کی تمرّد اور نڈری کی پیدا کی ہوئی وہ بتگری تھی جس کی ایک بہری اور آراستہ محفل شیطان کی دلوں پر حکومت ہر جگہ قائم کردیتی ہے : فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ۙ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚ وَ لِیَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۔ (عنکبوت ۹) اگر آج یہی توحید مسلمان کی آرام پسندی اور ہرزہ درائی، کا مچوری اور یاوہ گوئی کے باعث پتھر کے بتوں سے پرہیز کرنیوالی توحید بن چکی ہے، اگر آج ہر مسلمان نے بلا استثنائے احدے لَا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا (حج) کی روح فرسا مگر بادشاہ گر توحید کو لَا تُشْرِكْ بِیْ حجرا کی آرام دہ مگر محکوم کن توحید سے بدل دیا ہے، اگر وہ سب کے سب الٰہی مقاصد اور کلام خدا کے اندر حیرت انگیز تحریفیں پیدا کر کے اپنے نفس کے لیے آسانیاں پیدا کر رہے ہیں اور خدا کو منہ سے ایک ایک بکتے رہنا اپنی زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ خدا بھی وہ خیر الماکرین خدا ہے کہ آج اُن سے اُنکے مکر کا دردناک بدلہ اُنکی پوری امت سے لے رہا ہے، اُن کے گھروں کو اُجاڑ رہا ہے! اُنکے مرکزوں کو تباہ کر رہا ہے! اُنکی قوتوں اور فضیلتوں کو آہستہ آہستہ سلب کر کے موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے! ہاں یہ سب کچھ اُنسے چھین چھین کر علیٰ رغم انف اُن لوگوں کو دے رہا ہے جنہوں نے باپ، ماں، بیٹا، روح القدس الغرض خدا کا ایک پورا کنبہ بنا رکھا ہے، جنہوں نے آجتک ایک کلمہ شہادت نہیں پڑھا، ایک مسجد نہیں دیکھی، ایک رکعت بھولے سے ادا نہیں کی، ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ زکوٰۃ میں نہ دیا، بھولکر مکے اور مدینے یا نبی آخر الزمان اور قرآن کا نام تک نہیں سنا! ہاں لیکن خدائے عادل کے ہاں سے تباہی کا فرمان خسروی اسی قوم کے حق میں نافذ ہوتا ہے جو اُسکے ساتھ مکر کر رہی ہے جو اُسکے حکموں کو عملًا اور معنًا جھٹلا رہی ہے جو منہ سے اُسکو ایک ایک کہکر عملًا اُسکو دس ہزار ثابت کر رہی ہے، عادل اور دقیقہ رس، اللطیف (انعام) اور الخبیر (انعام) خدا صرف نیتوں اور اعمال قلوب کو دیکھتا ہے: لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (بقرہ)، لوگوں کے لغو اقوال اور بیہودہ اعتقادات کو کچھ نہیں دیکھتا، اُسکی تمامتر توجہ اسی بات میں ہیں

صرف ہوتی ہے کہ کام کیا ہو رہا ہے، داڑھیوں اور مسواکوں، ڈھیلوں اور استنجاؤں کی طرف اسکی نگاہ ہرگز
نہیں جاتی! وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۞ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (الاعراف)
الغرض اس لفظی اور قولی، اس بیچکارہ اور ناکار بر آر توحید سے قطع نظر قرآن حکیم کی توحید کا سب سے **پہلا**
اور اہم عمل **اتحاد** ہے، **وحدت امت** ہے، تالیف بین **القلوب** ہے، وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۔۔۔۔۔
إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۞ (انفال) ہے۔ جس قوم کے ذہنوں اور دلوں میں، جسکے اعضاء و جوارح میں یہ توحید سرتاپا گھر کر گئی
اسکے افراد میں **نظم و نسق** کا قائم ہو جانا اٹل ہے۔ جو امت توحید کے اس مشروط بایمان اور **عظیم الشان** راز
کو پاگئی، اس کی دنیوی فلاح قطعی ہے، اسکا اس دنیا میں **بقا** طے شدہ امر ہے، **استخلاف** طے شدہ امر ہے
دوام طے شدہ امر ہے، نہیں بلکہ آگے چلکر آخرت کا دوام بھی اسیکا ہے! جو قوم اس طرح پر موحد ہے، جس نے
خود رائی اور نفس پسندی کے **بت** کو ہر دم توڑ کر اپنے اخلاق و اعمال میں ایک لازوال متانت اور توازن پیدا
کرلیا ہے، اسکے سب افراد کا **ایک امیر** کے ماتحت ہو جانا اٹل ہے، حکم امیر پر فی الفور لبیک کہدینا ان کی
نظروں میں درحقیقت **خدا** ہی کی اطاعت ہے، أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ کے آگے گردن تسلیم خم کردینا دراصل رب بے نیاز
کے ایک اہم ترین اور مشروط بایمان[†] حکم کو نباہنا ہے، قرون اولیٰ کے عرب کی مانند رسول خدا اور امیر المومنین کی
اطاعت انکی نظروں میں خدا کی اطاعت ہے: مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء)۔ جس قوم نے توحید کو اس طرح پر
شعار عمل بنالیا، اسکے لیے امیر کے کہے پر دشمن سے **جہاد بالسیف** کرنا صرف ایک بت شکنی ہے، توحید کی
طرف ایک قدم ہے، لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ پر عمل ہے، جان کے پیارے بت کو توڑنا ہے، خدا کی دی ہوئی جان کو خدا ہی کی
راہ میں قربان کرنا ہے[‡]! جس امت نے توحید کو اس طرح پر سمجھ لیا، جس نے أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (بقرہ) کے عالمگیر فلسفے
کو اپنے اور جماعت کیلئے لفظمند یقین کرکے اسکو عملاً کر دکھایا، اسکے لیے **جہاد بالمال** کچھ مشکل نہیں، اس کیلئے
حسب موقع صدیق اکبر رض کی طرح اپنا سارا اثاث بیت لاکر امیر جماعت کے قدموں پر ڈال دینا کچھ مشکل نہیں، اسیر محبوب کے

---

† مشروط بایمان اسلئے کہ سورہ نساء میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء)۔ [illegible]

‡ [illegible]

خوش کرنیکے لیے اپنی محبوب ترین شئے دیدینا کچھ مشکل نہیں، اُسکی نگاہ میں اپنی محبت کی تصدیق کیلئے اس سے بہتر کوئی سند نہیں: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران)؛ ہاں جس قوم نے توحید کو اسطرح پر یقین کرلیا جس نے ہر بُت شکنی کو خدائے بیمثال کی سچی عبادت سمجھکر اپنے دل کے اندر ایک غیر منقطع اجر کی ڈھارس باندھ لی، اُسکے لیے اپنی قوم کی بہتری کی خاطر **ہجرت وطن** کچھ شئے نہیں، ترک اولاد کچھ شئے نہیں، ترک اقربا، ترک متاع، ترک خان ومان کچھ شئے نہیں! اُسکی نظروں میں یہ سب فوری تکلیف ایک لازوال و غیر منقطع **امن** کا پیش خیمہ ہیں، ایک قائم اور دائم حکومت، ایک رحمت خدا کی موسلا دھار بارش کی تمہیدیں ہیں، يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ (نوح) کا مقدمۃ الجیش ہیں، ایک نقد دیکر اُس صادق الوعد ذات سے دس اُدھار کرلینے کی تیاریاں ہیں! ہاں جو اُمّت اس توحید پر اس نہج سے چل رہی ہے، اسکے لیے اپنی سعی و عمل میں **استقامت** اور نتائج کے روسے خدا پر **توکّل** ناگزیر ہے، اُسکے افراد میں **ایمان بالآخرۃ** کا موجود ہونا قطعی ہے، اُسمیں **علو اخلاق** کی قدوسی بزرگیوں کا قائم رہنا قطعی ہے۔ روزانہ معاملات میں مساحت، عدل، ایفائے عہد، رحم، نکوکاری، پاکدامنی، حیا، دیانت، وغیرہ وغیرہ الغرض ان سب **مکارم اخلاق** کا موجود رہنا جو سچی خداترسی اور خداشناسی کے باعث قوم میں پیدا ہوجاتے ہیں اٹل ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُس قوم میں زمین و آسمان کی اس ناپیداکنار تکوین کے گوشے گوشے کا **علم** حاصل کرکے اپنے دوام و بقا کے لیے قانون خدا اور امر رب العٰلمین کا پتہ لگاتے رہنا، اُسکی **مشیئت** کی صحیح درک لگانا، اُسکے بالا و پست میں آیات خدا کی تلاش کرنا،† سمع و بصر کا صحیح استعمال کرکے اُسکی سچی **معرفت** میں لگے رہنا نہ صرف عین اسلام اور عین ایمان بلکہ عین توحید ہے! جس قوم کے اندر توحید کے یہ سب عظیم الشان اعمال بدرجہ اتم قائم ہیں، جسکے افراد میں **توحید فی العمل، وحدت ہمت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف والانفس، ہجرت، استقامۃ فی السعی مع التوکل فی النتائج، علم، مکارم اخلاق، ایمان بالآخرۃ** کے دس عظیم الشان اصول عملاً اور اصالتاً موجود ہیں، اُس کا اس دنیا میں ہمیشہ تک بادشاہ زمین رہنا، جنات زمین میں متمکن رہنا، قائم و دائم رہنا، منظور خدا رہنا، منعم علیہ رہنا، ایک طے شدہ امر ہے! جبتک نسل زمین

† دیباچہ صفحہ ۱۱ کی سورۂ جاثیہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

آسمان قائم ہیں اُس اُمت کو کسیطرف سے کوئی آسیب قطعًا نہیں پہونچ سکتا، اُسکی زندگی اس دنیا میں قطعًا بیخوف و خطر ہے اور یوم آخرت کو الجنۃ کی نعمت عظمیٰ کا وارث بنکر ابدالآباد تک آرام پانا اُسیکا حصہ ہے؛ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (زمر)۔

یہ وہ دس عظیم الشان اصول ہیں جنپر میری دانست میں نبی آخر الزمانؐ کے لائے ہوئے اسلام کی تمام بنیاد ہے۔ کلمہ شہادت، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ سب اسلامی شعائر جو آجکل ارکان اسلام سمجھے جاتے ہیں انہی دس سے ماخوذ اور انہی دس میں شامل ہیں۔ کلمہ شہادت صرف توحید کا ایک رسمی اظہار ہے، صوم صرف جہاد نفس کا ایک ادنیٰ مظہر ہے، الصلوٰۃ صرف اطاعت امیر اور وحدت اُمت ہے، الحج صرف وحدت اُمت اور جہاد نفس ہے، الزکوٰۃ صرف جہاد مال ہے۔ یہ سب کے سب مناسک دین اسلام کے صرف ظواہر اور شعائر ہیں لیکن اصل دین اور لُب الامر یہی دس اصول ہیں، یہی عشرہ مبشرہ دین فطرت ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم) ہے، یہی وہ لائحہ عمل ہے جسپر چلکر ہر قوم آرام پا رہی ہے، متمکن فی الارض ہے، مورث زمین ہے جس سے اجل زدہ قومیں اکثر نا آشنا ہیں، ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (روم)۔ یہی وہ علم ہے جس کے نتائج ان آنکھوں کے سامنے نظر آ رہے ہیں[†]، وہ سمع و بصر کی شہادت ہے جسپر دنیا طوعًا و کرہًا متفق ہے، وہ علم جلیل ہے جو سب انبیائے کرامؑ بلا استثنائے احدے آسمان سے لائے، وہ عہد خداوندی ہے جو بنی اسرائیل سے قائم ہوا تھا جو نسیان کار انسان سے بارہا کیا گیا، جو نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور باقی سب انبیائے عظام لائے؛ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللّٰهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ (شوریٰ) جو ہر مشرک اور طاغوت پرست قوم پر طبعًا گراں گذر رہی ہے جسکی طرف ہر موحد اور خدا پرست قوم لپک لپک کر پہنچتی ہے، جو گیتا کا مذہب ہے، کرشنؐ کا واحد پیغام ہے! یہی وہ عشرہ مبشرہ ہے جسکا ایک جزو قلیل (جہاد بالسیف) مچھر کا دائمی مذہب ہے جسکے ایک حصہ صغریٰ (استقامۃ فی السعی) پر شہد کی مکھی روز آفرینش سے چل رہی ہے، جسکے اصل اصول (توحید) پر نجم و شجر چلے جا رہے ہیں؛ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (رحمٰن)، جسکی بیخ و بنیاد (اتحاد) پر بر و بحر قائم ہیں، جسکی اساس مشترک پر دنیا آباد ہے،

---

[*] دیباچہ صفحہ ۱۴۱ کی سورۂ حج کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔ [†] دیباچہ صفحہ ۴۰ وغیرہ کے مضامین کی طرف اشارہ ہے۔

جو باعث تقویم کائنات اور بنیاد تکوین جہان ہو! جس قوم نے اس **دین حنیف** سے منہ موڑا، جسنے وحدتِ اُمّت اور اطاعتِ امیر، قتال بالسّیف اور جہاد بالمال، استقامۃ فی السّعی اور ترک لذّات (ہجرت)، معرفت خدا (علم) اور ایمان بالآخرۃ، مکارم اخلاق اور توحید فی العمل کو اپنا واحد اور دائمی شعار نہیں بنایا، ہاں جس قوم نے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء) کی لاہوتی اور عالم آرا حکمت کو نہ سمجھکر اپنے اندر ایک غیر منقطع امن کی صورت قائم نہیں کی، اُسکی اس دنیا میں ہستی پلید ہو! زمین و آسمان کا یہ منتظم اور مضبوط، یہ بے بدل اور مضبوط کارخانہ اُسکی دھجیاں اڑا کر رہیگا، اور اقل قلیل مدّت میں وہ قوم صفحۂ زمین سے حک کر دیجائیگی۔ فاطر زمین و آسمان کی نگاہ میں وہی قوم **ظالم** ہے جس نے اپنے افراد میں تفرقہ ڈالا[†]، **متقی** وہی ہو جو امّت واحدہ بنکر رہی[‡]، **مومن** وہی ہے جسنے سب کو پچھاڑ دیا[‡]، **کافر** وہی ہے جو سب سے پچھڑ گئی، **فاسق** وہی ہو جسنے اپنی حفاظت نہ کی[‡]، **عابد** وہی ہے جو وارث زمین بنی، **صالح** وہی ہے جو بیخوف و خطر ہوگئی: فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (اعراف)۔ قرآن حکیم کا دستور العمل اوّل سے آخر تک اسی فتح و شکست، اسی اجتماعی ہلاکت اور بقا کا ایک مکمل اور مفصل، ایک ناقابل بدل اور اٹل مرقع ہے اور جبتک سعی و عمل کا یہ کارگاہ اکبر قائم ہو اس آسمان و زمین کے ہوتے ہوئے یہی قانون نافذ رہیگا۔

قانون خدا کا یہ عشرہ بشرہ دین اسلام کا جزو لاینفک اسقدر ہے کہ قرآن حکیم کے طول و عرض میں جہاں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے وہیں ان دس اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصل قطعاً موجود ہو (افتتاحیہ کتاب صفحہ ۸۰ تا ۹۰) جہاں اتّقائے خدا کے الٰہی مفہوم کی تشریح ہے وہیں ان دس میں سے ایک ایک اصل **شرط لاینفک** ہے (افتتاحیہ صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۹) جہاں صراط مستقیم کی توضیح کر دی ہے وہیں یہ دس بطور **حکم ناطق** کے ہیں (افتتاحیہ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۲۹-اصل کتاب صفحہ ۳۴ تا ۱۲۶) جہاں کفر کی الٰہی تفسیر ہے وہیں ان دس میں سے کسی ایک سے عملاً اعراض ہو، (افتتاحیہ صفحہ ۱۰۹ تا ۱۲۷)، جہاں **شرک** کا قطعی محاکمہ دیدیا ہے وہیں اس ذرہ گونہ توحید سے عملی تناقض ہو (افتتاحیہ صفحہ ۶۶ تا ۶۷)، جہاں جہاں اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی کوئی شق بیان کر دی ہو وہیں ان دس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے، جہاں وراثت زمین کی جزا پیش کر دی ہے وہیں یہ بطور شرط کے موجود ہیں، جہاں الجنّۃ کی شرط لکھدی ہے وہاں یہ بطور لاینفک جزا کے قائم ہیں، جہاں جہنّم کی سزا عائد ہو رہی ہے وہاں ان دس سے

† دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۵۶ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۵۲ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۶۴ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۸

احراز قطعاً† ہے۔ الغرض جس قوم کے افراد میں ان عظیم الشان اعمال کا کچھ نہ کچھ شائبہ پیدا ہوگیا ہے اُسمیں **دین خدا** کا ایک شمہ ضرور ہے، **اسلام** ضرور ہے، **اتقا** اور **ایمان** ضرور ہے، **صراط مستقیم** پر اقامت ضرور ہے، نہیں بلکہ بطور نتیجے کے زمین کے کسی نہ کسی ٹکڑے کی **وراثت** ضرور ہے، آگے چلکر الجنۃ کے کسی نہ کسی درجے کا انعام ضرور ہے! جس اُمت نے اس دین فطرت کے اصولوں کو چھوڑدیا اکثر کو چھوڑدیا یا سب کو چھوڑدیا اُسکا **ایمان** یکسر ساقط ہے، وہ دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہے، وراثت زمین سے قطعاً محروم ہے، اُسکی ہلاکت کا فیصلہ حتماً ہو چکا ہے، اُسکی زندگی کے دن سب پورے ہو چکے ہیں۔ پس نبی آخرالزمانؐ کا لایا ہوا ایمان نہ بڑی بڑی پگڑیاں باندھ لینا ہے، نہ اسکا اتقا داڑھیوں کو چھوڑ دینا اور مونچھوں کو کتروانا ہے، نہ دین حیض و نفاس کے مسئلوں کو یاد کرنا یا ڈھیلوں سے استنجا کرنا ہے، نہ کفر 'مالابدمنہ' کا کفر ہے، نہ شرک 'کنز' و 'اصول' کا شرک، نہ مذہب تسبیحوں کا ہیر پھیر ہے، نہ دین رہبانیت کی مشق و کسرت ہے۔ دین خدا ان سب سے جُدا، اور سب کا نقیض ایک علحدہ شئے ہے جسکی ہیئت اس مُلائی شرح و تسہیل سے اصلاً مختلف ہے!

مغرب آج اس دین فطرت کے صرف چار یا پانچ اصولوں پر کما حقہٗ عمل کر رہا ہے اور فطرت کے خزانہ عامرہ سے بیمثال **امن** حاصل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا ایک اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا اسلئے جلد مٹ رہے ہیں۔ آج اُنکے کسی گروہ میں نہ توحید باقی رہی ہے نہ اتحاد، نہ طاعت ہے نہ قابل قدر امیر، نہ جہاد بالسیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال، نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ استقامت، نہ ایمان بالآخرۃ ہے نہ مکارم اخلاق، نہ خوف عذاب ہے نہ طمع ثواب، نہ شوق اصلاح ہے نہ ذوق ایمان۔ **خلافت** کا منصب جسکا ایک مُلائی اور اعتقادی، ایک ناکار بر آر اور مضحکہ انگیز ڈھانچ قرنوں کے تعطل و جمود کے بعد باقی ہے صرف ایک **عضو معطل** ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کہیں کہیں کوئی امید کی جھلک نظر آتی ہے مگر یہ صرف اُس چراغ سحری کا ٹمٹمانا ہے۔ کسی طرف سے کوئی دردانگیز کراہ نکل جاتی ہے مگر یہ سب شیوہ زنان ہے۔ اب جو شئے سامنے نظر آ رہی ہے **موت** ہے اور موت وہ لازوال حقیقت ہے جس سے کسی متنفس کو مفر نہیں!

مذہب کی ماہیت اور پیغام خدا کی حقیقت کے متعلق یہ وہ ابتدائی اور انتہائی خیالات ہیں جو میں نے اس دیباچے میں

---

† اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی اس تعریف الجنۃ کے حصول کی ان شرائط کی توضیح اور جہنم کے متعلق ان شرائط سے انحراف کا ثبوت آئندہ مجلدات میں دیا جائیگا۔ یہ اقتباس حذف طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا گیا۔

تمہیداً پیش کردیے ہیں۔ اصل کتاب کو شروع کرتے وقت مجھے اِس تحریر یا اسقدر مفصل افتتاحیہ لکھنے کا گمان تک نہ تھا، میرا خیال
تھا کہ قانون خدا کیطرف دس مجلدات کے طول طویل مباحث کے بعد بتدریج تمام رہنمائی ہو، کسی متنفس یا گروہ کے اعتقادی
جذبات کو بیکوقت کم سے کم ٹھیس لگے اور جبتک شہادت و دلیل کے پیہم تقاطر سے دلوں کی زمینیں قطعاً نرم نہ ہوجائیں
اور قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور لفظ کے متعلق کئی پہلوؤں سے نقد و نظر کر کے کوئی قطعی اور آخری، ناقابل رد اور ناقابل تنقید
انکار فیصلہ نہ ہوجائے کلام الٰہی کا تمام لائحہ عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ اِس امر کو پیش نظر رکھکر میں نے قریباً چھ مجلدات کا مسودہ
دو سال کے اندر اندر ختم کردیا۔ اسمیں یہ التزام کیا کہ تمام کتاب اوّل سے آخر تک کلام الٰہی کے مطالب اور مقاصد کی ایک
مسلسل اور مربوط کہانی ہو، اِس داستان میں صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے بیمثال عروج کا راز کھولدینا پیش نظر ہو،
عہد حاضر کے مسلمانوں کے انحطاط کی تہ کو پہنچکر اسکی وجوہات کا کھوج لگایا جائے، سب سے پہلے قرآن حکیم کے اپنے
متعلق نفس دعاوی کو دیکھا جائے، پھر ان دعاوی کی تصدیق کی تلاش ہو، پھر نفس اسلام کے ہر شعبۂ عمل پر مستقل مباحث
ہوں، اُسکے قانون کی کُنہ و ماہیت اور الٰہی اوامر و نواہی کی منطق کیطرف توجہ ہو، اور انہی مباحث کے ضمن میں آیات
الٰہی کے صحیح مطالب کی تبیین کردیجائے۔ آیات الٰہی کی توضیح اِس ترتیب سے ہو کہ ہر آیت کے مطالب کا انحصار حتی الوسع
پہلے تصدیق شدہ مطالب کی بنا پر ہو، کوئی آیت حتی الامکان ایسی نہ پیش کیجائے جسکی مصطلحات کی تبیین اِس سے پیشتر کی
آیات میں نہ ہوچکی ہو۔ گویا سب اگلے اور پرانے خیالات کو یکطرف کرکے اور قرآن کے متعلق **خالی الذہن** ہوکر
اسکو از **سر نو** پڑھا جائے اور جوں جوں آیات الٰہی پیش ہوتی جائیں، مذہب کی ماہیت کا نقشہ خود بخود ذہنوں میں بیٹھتا
رہے۔ یہ التزام اصل کتاب کی تمام تحریریں جو متن میں ہیں قائم ہے اور حتی الوسع قائم رہے گا۔ حواشی کتاب میں جو بعد میں
فرمایش پر اور نہایت اصرار سے لکھے گئے یہ التزام ہر جگہ قائم نہ رہ سکا اور نہ اسکا رکھ سکنا **ممکن** تھا۔ لیکن اسلام کی پر آشوب حالت
اور طباعت† کی بیحد مشکلات نے اِس تدریج کے خیال کو بدل دیا۔ اور جب دس مجلدات کا بیکوقت پیش کردینا متعذر نظر آیا
تو خیال ہوا کہ تمہید کے طور پر جو کچھ کہنا ہے بیخوف خطر کہدیا جائے۔ جب ایک شے **حقیقت** ہے تو اسکا چھپانا یا اسکو
روک روک کر ظاہر کرنا بھی اصل مطلب کو خبط کرنا ہے۔ دلیل کے انتظار میں یا مخالفت کے خوف سے ایک عالم آرا حقیقت کے

† چنانچہ صرف پہلی مجلد کی طباعت میں شبانہ روز محنت کے باوجود دو برس کے قریب وقت صرف ہوا۔

اعلان کو ملتوی کر دینا شیوۂ مردانگی نہیں۔ نہیں بلکہ **آفتاب** کی دلیل **آفتاب** کے سوا اور کچھ شئے نہیں! جو شخص صاحب نظر
ہے اُسکو کسی طول و طویل تحریر کی بھول بھلیوں میں لیجا کر منوانا عبث ہے، جسکی نگاہ کمزور ہو اُسکو آہستہ آہستہ آفتاب دکھلانے
کیلئے سب کے واسطے اندھیرا کر دینا کچھ ضروری نہیں۔ اگر جو کچھ میں نے کہنا ہو میری نگاہوں میں **حقیقت** ہو، **صدق بسیط**
اور **واقع الامر** ہو، زمین و آسمان کا ایک اور اٹل، دائم اور قائم **قانون** ہے، اگر یہ سب کچھ جو آج ان آنکھوں کے سامنے
ہو رہا ہے اُسکی **تصدیق** ہے، جو ہو چکا اُسکی ایک ناطق اور فیصلہ کن **سند** ہو، جو ہو کر رہیگا اسکی مبرہن دلیل ہے،
تو اس حقیقت کا جسقدر جلد ببانگ دہل اعلان کر دیا جائے اچھا ہو۔ جسقدر جلد اسکے مخالف یا موافق پیدا ہو جائیں بہتر
ہے۔ **علم** کے اعلان کیلئے کسی لمبی چوڑی **دلیل** کی ضرورت نہیں، وہ بذات خود ایک مبرہن شئے ہو اور بیّن کو بیّن کرنے
کی سعی کرنا در اصل اُسکے سچ ہونیمیں شکوک پیدا کرنا ہے۔ خود قرآن حکیم جب نازل ہوا **علم** تھا، ایک روشن اور بیّن حقیقت تھی،
لیکن جب آیا بن دلیل آیا، اس بن دلیل علم اور صدق بسیط نے سعی و عمل کی آگ اسلیئے لگا دی کہ اُس حقیقت کو تسلیم کرنیکے
لیئے دلیل کی **ضرورت** نہ رہی تھی، اُس آفتاب کے آفتاب ثابت کرنیکی حاجت نہ باقی تھی۔ جب قرآن علم نہ رہا اور ظن و
اعتقاد کی ادنیٰ سطح پر گر گیا اُسیدن سے دلیلیں شروع ہوئیں، اُسیدن سے لوگوں نے تفسیر و تشریح کے طومار باندھ دیئے!
ہر کس و ناکس نے اسکو سچ ثابت کرنا اپنا شعار بنا لیا، اسکا نتیجہ یہی ہوا کہ استدلال کے باوجود قرآن پھر **علم** نہ بن سکا، سفلی
منطق کے پائے چوبیں سخت بے تمکیں ہی رہے، سعی و عمل پھر پیدا نہ ہو سکا۔ پس اگر آئندہ اوراق کے اندر منطق اور دلیل کا
ایک بے پایاں دریا عزو تمکنت سے بہ رہا ہو تو اس دیباچے کے اندر اُس دریا کا آبدار موتی اور **گوہر غلطاں** موجود ہے!
اگر اُس مفصل کے اندر دلیل اور برہان کی متانت قائم ہے تو **دیباچے** اور **افتتاحیئے** کے مجملوں میں علم کا تحکمانہ
استیلا اور حقیقت کا بے نیازانہ اختصار ہے۔ جس سرد مہری یا گرمجوشی سے اس کتاب کا عالم اسلام میں استقبال ہوگا
مجھے اس سے سروکار نہیں، میں نے اپنی طرف سے **علم** اور **منطق** دونوں پیش کر دیئے ہیں، اجمال اور تفصیل دونوں یکجا کر دیئے ہیں!
جس نے اس اجمال سے کچھ حاصل نہیں کیا اُسکے لیئے دلیل اور تفصیل آگے آ رہی ہے، جسنے تفصیل کو دیکھکر کچھ
نہیں سمجھا اُسکے لیئے اجمال حاضر ہے۔ اسلام کی ماہیت کے متعلق جو کچھ میں نے کہا اور کہنا ہو میری نگاہوں میں

حقیقت ہے۔ فی الجملہ اور بحیثیت مجموعی حقیقت ہے۔ پس اس امر کے متعلق کسی حیص بیص میں پڑنا میری نظروں میں عبث ہے
میں اسلام کے اندر اسکی اس آفتاب لب بام حالت میں کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا نہیں چاہتا، نہ معترض سے مخالفانہ رویہ اختیار کرکے
مجھے اپنا اعلا مقصود ہے، پس مجھے اس تحریر کے مؤید سے اعتنا ہے نہ مخالف سے سروکار، اگر تمام عالم اسلام بیک آواز
اسکا مؤید بنکر اسپر عامل ہوگیا تو میں سمجھونگا کہ میرا مقصود حل ہوگیا۔ اور اگر نہیں تو خمیری اور فطیری کی بحث میں پڑنا
یا ایک گروہ کی آمادگی عمل پر خوش ہوجانا میرے نزدیک لا طائل ہے۔ مسلمانان عالم دین اسلام کی اس تبیین سے پچاس
یا سو برس تک اور انکاری ہولیں، لیکن جبتک شدید العقاب خدا کا منتقمانہ عذاب اسطرح پر نازل نہیں ہوگا کہ موت کے
علمبردار خدائی جلاد سینوں پر چڑھ چڑھ کر اُمت کا گلا گھونٹ رہے ہونگے اور فنا کی لازوال حقیقت عین سامنے
آ حاضر ہوگی تب تک اس کتاب کے مقصود کیطرف ہمہ تن رجوع ہوجانے کی امید عبث ہے۔ ابھی تک جو کچھ ہے صرف
فاقہ مستی اور بے آبروئی کے نشے ہیں، فتح و شکست کے قمار خانے میں پاک بازی کی اکڑ ہے، ملائی تکبر یا جہالت
کا پیدا کیا ہوا استغنا ہے، نسیان درس کی خوش طبعی یا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن) کی فرحت ہے لیکن جسدن موت
نے چپکے سے آ سلام دیا اُسدن یہ اکڑ سب نکلجائے گی، یہ غفلت کے نشے سب ہرن ہوجائینگے، یہ کبر و منی کے دعوے
سب باطل ہوجائینگے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ
(الواقعہ)۔ ہاں اُسدن اس تحریر کی طرف پھر رجوع ہوگا، اِسکے اوراق کو طاق نسیاں سے اُٹھا کر پھر پڑھنا شروع کردیں گے
اسکی توحید کو پاکر آمنّا پکار اُٹھیں گے، قرآن کو اُٹھا اُٹھا کر حسبنا کہدینگے، غیظ و اسف سے انگلیاں کاٹ کاٹ کرہ
جائینگے، فرش سے عرش تک ایک چیخ پکار پیدا ہوجائے گی، آہ لیکن وہ وقت توبہ اور عمل کا نہیں ہوگا، **قضا** اور
اجل کا ہوگا، موت و ہلاکت کا ہوگا، يَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ کا ہوگا، هَلْ مِن مَّزِيدٍ کے نعروں کا ہوگا، جہنم کے سر بفلک
شعلوں کا ہوگا، آہوں و کراہوں کا ہوگا، اُس لڑے اور آخری وقت میں اس توحید، اس اسلام اس ایمان کیطرف رجوع کرنا عبث ہے!
فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ
خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ (المؤمن)

ادارۃ الاشاعت للتذکرہ امرتسر

[illegible] شعبان ۱۳۴۳ ہجری [illegible] ۱۹۲۴ء [illegible] پنجاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ○ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ○ (۱۸ : ۱-۲)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۚ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ (۲۸ : ۵۸-۵۹)

مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اِس تنزّل کی سُرعت، اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اُسی قدر وہ عام جمود اور فقدانِ حسّ دردانگیز ہے جو مسلمانوں کو کامل طمانیت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت اور یقینی موت کی طرف لیجا رہا ہے۔ ملّت کے ہر فرد میں وہ قوائے ظاہری و باطنی جو تمدّن کی جان، اور عمران کی رُوحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی زد بنیادِ اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفّس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے حسیّاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصّہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مسلمانوں کا تعطّل

ضرب المثل ہو گیا ہے۔ قوّتِ ارادی اور قدرتِ اقدام عمل تنظیم جماعت اور تقسیم کار، قوائے عاملہ کا اتحاد و تمرکز، استقلال اور استمدادِ باہمی کا دستور العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبۂ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پونہچا سکتے محض چند مُہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ، اور معانی سے نا آشنا ہیں۔ اس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مُراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو، ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی اُمید میں عمل میں لائیں نامُرادی سے بدل جاتی ہو، ذہنی انتشار، اور جماعتی تفریق و اشتات کا ہولناک عفریت اُن کی قوّتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو، اور حرماں نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پاکر اُن کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔

مَیں ایک مُدّت سے اِس دردناک نظارے کو باکراہِ تمام دیکھ رہا ہوں۔ گذشتہ سَو سال کے تاریخی شواہد، اور سیاسی نامۂ اعمال کی روح فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ اُمّتِ حاضرہ اب اخلاقی تنزّل کے اُن انتہائی مدارج تک پونہچ چکی ہے جہاں اُن کا کوئی فعل، کوئی طریقِ عمل، روئے زمین کے کسی حصّے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پونہچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوئی ہے تو پیشتر اِسکے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تشتّت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اُس جماعت کی انتظامی قوّت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے! قوم کی جس تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم مُلکی تحریک، جو ایک نقطۂ نظر سے منظّم، اور ایک مقتدر وزیرِ اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیّل کا نتیجہ تھی، دستوری حکومت کے حصول کی سَتّی سالہ تبلیغ اور بالآخر اس کا انعقاد ہے۔ مگر یہ ایک کھُلی حقیقت ہے کہ انجمن اتحاد و ترقی' چند لمحوں کے لیئے بھی' یورپ کی اِس عجیب و غریب صنعت کی 'حسناتِ جاریہ' اور 'برکاتِ لامتناہیہ' سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی، اور ترکوں کی سلطنت کے لیئے اِس کار سی نفاذ بالآخر اعلانِ شکست ثابت ہوا!

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

تاریخ کے صفحاتِ خونیں کو اور اُلٹ دیجئے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ سوڈان میں مہدی کا ہولناک خروج، مصر میں محمد عبدہٗ کی نیم سیاسی تبلیغ، ہندوستان میں ہنگامۂ غدر، جنگ بلقان کا المناک حشر، ایران میں مجلس شوریٰ کا انعقاد وغیرہ وغیرہ، سب کے سب اہم اور ہمہ گیر انقلابات تھے، لیکن اگر بہ امعانِ نظر اُن کے سقوط کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہ میں عدم نظامِ عمل اور وسائل کی یاس انگیز کمی، استقلال کا فقدان اور ذہنی طوائف الملوکی، جدّوجہد کا تشتت اور غلط اندازۂ کار، آرا کا ہولناک تفرقہ اور قوتوں کا المناک انتشار، ایک ہلاکت آفریں معجون کی صورت میں نظر آئے گا۔ کم و بیش یہی صورت قوم کے ادنےٰ مشاغل کی ہے۔ کوئی مُلکی تحریک یا مقامی تجویز، اجتماعی انجمن یا سیاسی مجلس، خیراتی مصرف یا تجارتی شرکت، علمی مشغلہ یا انتظامی سلسلہ، ایسا نہیں جو مسلمانوں کی مختصر پسندانہ کارفرمائی سے ایک اقل قلیل مُدت میں کالعدم نہ ہو گیا ہو!

ہیچوں سپند پیشِ تو اے مختصر پسند!
در نالۂ تمام کنم ماجرائے دل

مگر فی الحقیقت جو حوادث دنیائے اسلام پر اس چودھویں صدی کے آغاز میں رونما ہو رہے ہیں اُن کی مثال اسلام کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر صدیوں کی مُزمن بیماری نے مریض کے ہر عضو کو مضمحل، اور ہر جوڑ کو درد آمود کر دیا ہے۔ اعضا کی پیہم شکست، اور طاقت کے مسلسل زوال نے دفعۃً خوفناک علامات پیدا کر دی ہیں۔ دل، دماغ، اور جگر، سب کے سب مرض کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ سلامتی اور بقا کی چند آخری گھڑیاں ہلاکت اور فنا کے مہیب دیو سے قطعی اور فیصلہ کن مجادلہ کرنے کو ہیں۔ حیاتِ مستعار کے چند عارضی لمحات عدم کی بیکران ازلیت اور ابدیت کے محیط میں پیوست ہونے کو ہیں! اگر مشیت

اور ممات کی یہ اندوہناک کشمکش فی الحقیقت کذب اور یقین، فساد اور امن، باطل اور حق کی آخری آویزش ہے تو فیصلہ اٹل ہے؛ فنا کی لازوال حقیقت کے سامنے کسی باطل اور فاسد ہستی کی کچھ وقعت نہیں، وہ مٹ کر رہے گی، اور تمام کوششیں جو اسکو فروغ دینے کے لیئے اِس اخیر وقت میں کی جائیں گی بیکار ثابت ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام سراپا **حقانیت** ہے، مجسمہ **صدق** اور سرچشمہ **حقیقت** ہے، شارع قدرت کی عالمگیر سنّتوں میں سے ایک **سنّت** ہے، تو فطرت کا عدل اور تسویہ اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ ایک حقیقت کے نفوذ و اجرا کے ضمن میں دوسری حقیقت قربان کر دی جائے، یا کائناتِ فطرت کی اپنی طاقتیں ہی ایک دوسری کی تخریب و تعدیم پر آمادہ ہو جائیں!

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَاؕ† لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ؗ (۳۰ : ۳۰)

دینِ اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُسنے تمام انسانوں کو پیدا کیا، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردّ و بدل کا امکان نہیں۔ دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراطِ مستقیم ہے، لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

اور تو قانونِ خدا میں کوئی ردّ و بدل ہرگز نہیں پائے گا۔

اِس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانونِ فطرت کی کوئی مضمر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی؛ مسلمانانِ عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لابدی ہے؛ اور جب تک زمین و آسمان اور کُل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم اور واقعات کی لشکر انگیزی نے بظاہر اِس کُلیے سے انحراف پیدا کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اسکی حقیقت سوا اسکے نہیں کہ مخالف

† دینِ اسلام کے متعلق قرآن کا دعوے ہے: فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، یعنی یہ کہ تمام ساکنانِ زمین کو اسی پر مجبول کر دیا ہے، اور یہی اُن کی فطرت ہے! یہ ایک بڑے اور حیرت انگیز دعوے کا اعلان ہے جسکو دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ صرف کہہ دینے سے کوئی شخص اسکو مان نہیں سکتا اور یوں تو اِس دعوے کے صحیح مفہوم کو سرسری نظر سے پا لینا بھی ازبس مشکل ہے۔ اور اِسی لیئے کہا گیا ہے کہ اکثر لوگ اِس حقیقت کبریٰ کا علم نہیں رکھتے۔ بہر نوع یہی نکتہ اِس کتاب کے طول و عرض میں پیش نظر ہے۔ اگرچہ نتائج اخیر پر جا کر مترتب ہوں گے۔

اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کر دی ہے جو ہٹ کر رہے گی! دینِ اسلام کے عالم آرا تعمیری* فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اُس کے قیام و استحکام کا ذمہ ابتدائے آفرینش سے لیا اور جو آج تیرہ سو سال کے مصائب و نوائبِ ہائلہ کے باوجود اسکی حیات کو قطعی، اور اسکے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانعِ قدرت نے اِس اصلیّت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرزِ عمل میں کیا ہے، جب تک صداقت صداقت ہے اُس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب و ریا، مکر و تلبیس، ظلم و خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم، اور قانونِ خدا کی حکومت مُسلط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے! اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری، اور خواہشاتِ سفلی کی عارضی رَوا روی کے باوجود سطحِ زمین اب تک بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اُس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے لیئے پیدا کر دیتا ہے، مگر اپنی ہستی کو ابدالآباد کے لیئے کالعدم کر دیتا ہے!

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

اسلام کا زور اثر آج اگر اس قلیل مُدت کے بعد، فی الحقیقت نابود ہو گیا ہے تو دو صورتیں ہیں: کائناتِ قدرت کا مسئلۂ قیام نیز ختم ہے! فطرت کی عظیم الشان تعمیر کا نظم و نسق بھی اپنی بنیاد سے ہٹ چکا ہے! کیفیات کے طلوع و غروب کی عمر بھی پوری ہونے کو ہے! اجسام کا جذب و اتّصال، اجزا کا مزج و خلط، احوال کی مداولت، آثار کا حلول، تراکیب کا قدر و عمل، یہ سب کچھ بھی اپنی اپنی مہلت پا کر رخصت ہو رہے ہیں اور بالآخر معمول فطرت کے اس حیرت انگیز استیلائے اثر کے بعد، زوالِ عالم کی منزل قریب ہے! اور اگر یہ حالت نہیں تو آج خود نفسِ اسلام بلکہ مقاصدِ قرآن کے اندر، حقیقت کی روح قطعاً نہیں رہی! اُسکی قوّتِ تاثیر و نفوذ اپنا ظرف چھوڑ کر کسی دوسرے قالب میں

---

* فلسفۂ اسلام کو عالم آرا اور تعمیری دونوں ثابت کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔

منتقل ہوگئی ہے؛ اُسکا دائرۂ علم و عمل مُندرِس، اور اُسکی رُوِیائے قلب محو ہوگئی ہے! **معنی** کی عروسِ منفعل، بدسلوک و نااہل مسلمان کی رفاقت سے بیزار ہو جانیکے بعد، **صورت** کے تنگ و تاریک اور **الفاظ** کے مہلک و روح حُجلوں کے اندر، اس تغافل، بے اعتنائی، اور بیدردی کا شکار ہوئی ہے کہ آج اُسکی ہستی کا اعتراف بھی کسی متنفس کو نہیں رہا! دنیائے حقیقت نواز کی جنگ آج اس قتیلِ غفلت کی انہی فاسد اور ناکارہ ہڈیوں سے ہے جن کے ڈھیر کی المناک سرگذشت، مہلت† کے پردۂ خفا نے قرنہا قرن تک مستور رکھی! زمانے کا باطل رُبا مگر بیرحم ہاتھ آج قصاب خانۂ روح و عمل کی اِسی مذبوحِ حیا نعش کو سپردِ زمین کر رہا ہے جس کے ایامِ سعید کا عہدِ حیات، مہرِ نیمروز کی کرنوں سے بھی درخشاں تر حقیقت تھی! آہ! لیکن قالب کا مکین اگرچہ رخصت ہو چکا ہے، اور حقیقت کی مضطرِ قرار روح بہتر اور صالح تر جسموں میں حلول کر گئی ہے، مگر زمانے کی عجائب نمائی، بلکہ ربِّ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم اِس مُردہ ڈھانچے کی اس قدر حُرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اُس کے اصلی خط و خال کا نقشہ صاحبِ نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ **قرآنِ عظیم** اب بھی جہل و نسیان کی ظلمات کے اندر وہ سطیع و نطیق **حکمت** ہے کہ عمیق نظروں میں سیاہی کا تقابل اُسکی سپیدی اور چمک کو اور بھی دوبالا کر رہا ہے! مطالب کی غلط فہمیوں، اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اسکی ہر بات عوام کے نزدیک ناقابلِ التفات اور بے معنی ہو رہی ہے، اُسی قدر صحیح القلب نقاد کی نظروں میں اسکی عظمت کا رنگ کُھلتا جا رہا ہے! اسلام کی از سرِ نو حیات کے دن لامحالہ اُس وقت پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر، اور تکذیب کے ہوش رُبا جمود، اور عالمگیر شکست و ریخت کے مُحیط الکُل عجز میں خود مُسلمانوں کا کوئی غمزدہ اور دل باختہ بندۂ خدا، قرآنِ حکیم کی طرف پھر متوجہ ہوگا، اور نافہمی، غلط عمل، سیہ بینی، باطل آرائی اور عدمِ یقین کے حجاب در حجاب کو اُس کے ماتمی اور پژمردہ چہرے سے اُلٹ کر، **ایمان** کی اصلیت کو بے نقاب کر دے گا۔ اُسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دُلہن پھر

---

† خلافت عباسیہ کے عہدِ انحطاط (چوتھی صدی ہجری) یا اسکے کچھ دیر بعد سے آجتک جو زمانہ جزوی امن یا عالمگیر خوف کا دنیائے اسلام پر گذر رہا ہے میرے نزدیک 'مُہلت' کی ایک صورت ہے جو لامحالہ آخری اور انتہائی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اِسی زمانے میں اسلام رفتہ رفتہ صرف ایک 'صورت' اور 'رسم' کا نام رہ گیا۔ 'معنی' اور 'روح' دونوں نکلتے گئے!

مٹ جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر دے گی!

اسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مبشّرانہ اور فیصلہ کُن وعدہ جو آیۂ کریمہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ[1]○ (۳ : ۱۳۸) میں ہے، ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے استمرار و تسلسل کے لیئے بمنزلۂ روح ہے۔ **ایمان** کی جانفزا صداقت، مرگ و زیست کی ہر کشمکش کے قیام کے لیئے اکسیرِ اعظم ہے؛ وہ ہر کامرانی کی کلید، اور ہر کامیابی کی تمہید ہے؛ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لیئے مومیائی اور مرے ہوئے حوصلوں کے لیئے آبِ حیات ہے؛ اسکی ہر افزایش میں کُشادِ کار کا راز، اور ہر کاہش میں نامرادی کا بھید ہے؛ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح، اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے؛ وہ اجماعِ اُمّت کا مرکز، نظم و نسق کا محور، اور انتہائی جدّ و جہد کی اساس ہے؛ اسکی کشش اتّصال، فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے قوّتِ دفاع کو دیوارِ آہن کی طرح مضبوط کرتی ہے؛ اسکا انجذابی اثر، اشتات و انتشار کے اجزا کو سمیٹ کر، اقدامِ عمل کی توفیق دیتا ہے؛ جس متنفّس کو حیات کی جانکاہ مسافرت میں ایسا سچا رہنما نصیب ہو، اُسکے ہر گام پر فتح و نصرت شاملِ حال ہے؛ اور جس قوم کو تحفظ و بقا کے اندوہناک مجادلے میں ایسا جارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہُوا ہو، اُسکا مخالف اثرات پر تسلّط یقینی، اور تغلّب اور **تمکّن فی الارض** ایک طے شدہ امر ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ○ (۲۴ : ۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچے دل سے قائم رہا، اور جنہوں نے اسکے علاوہ تن دہی سے اعمالِ صالحہ بھی کیئے، اُن سے اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے اُن لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں؛ وہ اِس دین کو جو اُس نے اُنکے لیئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا، اور بعد ازاں اُس خوف کو بھی جو اُنہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دیگا۔ ان کا مسلکِ عمل یہ ہے کہ میرے غلام بنکر میرے حکموں پر چلتے رہیں (يَعْبُدُونَنِي)، اور طاعت گذاری میں کسی دوسری شئے کو میرے ساتھ شام

[1] اور نرم پڑ کر ہمت نہ ہارو، اور آزردہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخر کار سب میں تمہاری ہی جیت ہے۔

نہ کریں (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا)۔ اور جنہوں نے اِس تمکن اور قیام کے بعد اطاعت احکام سے انحراف کیا، اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اِس نعمتِ عظمٰی کی بیقدری کی (کَفَرَ) تو وہی فاسق ہیں٭ (اور وہی اجتماعی ہلاکت کے اہل ہوں گے‡ (۴۶ : ۳۵))

شارعِ قدرت کا یہ حتمی میثاق، نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے۔ قرآن کریم کی حجت بالغہ، اور شریعت خدا کی حکمت جامعہ و مانعہ، جہد للبقا اور مقاومۃ للنفس کے اُس طبعی نتیجے پر تیرہ سو برس پہلے پونہچ چکی ہے، جو فلسفہ دان فارابی، ہیکل اور ڈارون‡ کے مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی کی اصطلاح میں "بقائے اصلح" کے نام سے معروف ہے۔ اِس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اوّلاً یہ کہ "استخلاف فی الارض"

٭ آیاتِ ماقبل، (۲۴ : ۴۸ - ۵۴)، و مابعد (۲۴ : ۵۶)، کے ربط کو پیشِ نظر رکھکر، 'عبادت' 'شرک' 'کفر' اور 'فسق' کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی لُغت میں یہ چاروں اصطلاحیں، اور ان کی مثل اور الفاظ جن کا ذکر آگے آئے گا، اس قدر جامع اور مانع ہیں کہ ان کی صحیح اور قابلِ اعتبار تشریح کرنا، دراصل قرآن کی تمام حکمت اور لائحہ عمل کو عیاں کر دینا ہے۔ یہاں پر یَعْبُدُوْنَنِیْ سے لیکر فٰسِقُوْنَ تک جو ترجمہ کیا گیا ہے ذرا پیش از وقت ہے، مگر اس کا کافی ثبوت کتاب کے آیندہ اوراق میں مل رہیگا۔ قرآن حکیم کا ربط بھی اس قدر ظاہر اور باہر شئے نہیں کہ اس کو کتاب کے محض ابتدائی اوراق میں واضح کیا جا سکے۔ اس کے لیئے بے انتہا غور و فکر اور صحیح علم کی ضرورت ہے۔

‡ سورۂ احقاف کے خیر میں ہے: فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۴۶ : ۳۵) "تو کیا ماسوا فاسق قوم کے کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟" گویا فاسق قوم کی ہلاکت قطعی ہے۔ اس بنا پر ترجمے میں اس ضروری ایضاح کا سبب ظاہر ہے۔

‡ مسئلہ ارتقا جس کی مجمل تشریح آیندہ موقع پر کردی جائے گی، منجملہ ان عالم آرا مسائل کے ہے جس کی اختراع و ابداع اور تصدیق کے متعلق چند سربرآوردہ ناموں کا انتخاب کر لینا ازبس مشکل ہے۔ مختلف قرون کے علما نے اس مسئلے پر بحثیں کیں، اور ہر بار متعدد اضافے ہوتے رہے۔ اہل یونان اور روما الکبرٰی کے زمانہ عروج میں اسکے اعتراف کے آثار پائے جاتے ہیں؛ مگر ماسوا ہرقلیطس (المتوفی ۴۷۵ قبل مسیح) اور لوقرطیس (المتوفی ۵۵ قبل مسیح)، مشہور شاعر کے کوئی پرانا فلسفی اسکے متعلق مفید معلومات بہم نہیں پونہچاتا۔ اہل ہند کی پُرانی کتابوں میں کہیں کہیں اسکا مشکوک سا ذکر پایا جاتا ہے۔ اسلام کے عہد عروج میں مختلف حکما نے اس مسئلے کو لیا، اور اسکے متعلق بہت کچھ چھان بین کی۔ اِس سلسلے میں، الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء) ابن سینا (المتوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء)، ابن باجہ (المتوفی ۵۳۳ھ ۱۱۳۸ء)، اور ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۲ھ ۱۰۳۰ء)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یورپ کے عہد ارتقا میں جو نام سب سے زیادہ سربرآوردہ ہیں، ہیکل (المتولد ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء)، والے (المتولد ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء)، ہکسلے (المتوفی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء)، اور ڈارون (المتوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء) کے نام ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب "اصل الانواع" مطبوعہ ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۹ء نے آج اس مسئلے کو پایہ ثبوت تک اِس قدر پونہچا دیا ہے کہ اب اسکی تحقیق و تدوین کا تمام سہرا ڈارون کے سر پر ہے۔ لیکن اس عظیم الشان نظریے کی ارتقائی شق کے دعوے کو اوّل اوّل جن علما نے مستقل صورت دی وہ حکمائے اسلام ہی ہیں۔ ابن خلدون نے تاریخ العبر کے مقدمے میں بھی ضمناً اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے ابو نصر محمد الفارابی کا نام بالتخصیص پیش کیا ہے نہ صرف اسلیئے کہ مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں الفارابی کو بہت بڑا دخل تھا بلکہ اسلیئے کہ اس حکیم اجل کی عالم اسلام میں خاص قدر و منزلت ہے۔ وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بوعلی سینا کے اِس استادِ معظم کو اسلام کا سب سے بڑا حکیم کہا ہے!

یعنی† بقا و استبقا کے لیئے **ایمان** شرط ہے، اور اللہ کا وعدہ انہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔ ثانیاً یہ کہ ایمان کامل کے ہوتے ہوئے **اعمالِ صالحہ** کا اکتساب لازمی امر ہے۔ جس جماعت کے افراد میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی **اصلح** ہے۔ اُسی کی صیانت اور سلامتی کا ذمہ قانونِ فطرت نے اپنے

† قرآن کریم میں استخلاف کا لفظ، آیۂ استخلاف سے قطع نظر، چار موقعوں پر آیا ہے جو یہاں پر اس وسیع التاویل لفظ کے مطلب کی صحیح توضیح کے خیال سے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ پہلا موقع سورۂ انعام میں ہے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ (۶: ۱۳۴)

اور اے پیغمبر! جہاں تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے وہاں بڑا بے نیاز بھی ہے، وہ اگر مناسب سمجھے تو تم سب کو دنیا سے اٹھالے جائے، اور تمہارے بعد جس میں اہلیت دیکھے تمہارا جانشین کردے، جیسا کہ آخر دوسرے لوگوں کو ہلاک کرکے اُن کی بقیہ نسل سے تم کو فروغ دے ہی چکا ہے۔

(یَشَا کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کیئے ہیں، اس کا ثبوت فلسفۂ عمل کے عنوان یعنی دوسری مجلد میں آئیگا)۔ دوسرا موقع سورۂ اعراف میں ہے:

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۷: ۱۲۹)

اس پر موسیٰ نے جواب دیا کہ لوگو! اب وہ وقت قریب آلگا ہے کہ تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کردے، اور تم کو ملک میں اسکا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔

تیسری جگہ سورۂ ہود میں ہے:

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (۱۱: ۵۷)

اس پر ہودؑ نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے ان احکام سے گریز کیا تو کم از کم میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا، اور اس نافرمانی کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ خدائے عظیم تم کو ہلاک کرکے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین کردے گا، اور وہ اس قدر صاحب قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکوگے۔ اور یاد رکھو کہ میرا پروردگار ہر قوم کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

ایک موقع، جس میں استخلاف کا لفظ ذرا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورۂ حدید میں ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ (۵۷: ۷)

لوگو! خدا کو خدا مانو، اور رسولؑ کو اُسکا بھیجا ہوا پیغامبر سمجھ کر اُسکے احکام کی تعمیل کرو، اور اُس مال میں جسکا وارث اگلوں کو تباہ کرکے تم کو بنایا ہے۔ (اعلائے خدا میں) صرف کرو۔ کیونکہ جو لوگ احکام کی پیروی کرتے رہے، اور جنہوں نے ایثارِ مال کیا، اُن کو خدا کے ہاں سے اجر عظیم ہے۔

(آمنوا کے ان معانی کی تشریح آگے آئے گی، یہاں اس سے بحث نہیں۔) ان چاروں مثالوں سے یہ امر واضح ہے کہ استخلاف کے معانی قرآن کریم میں ایک قوم کو ہلاک کرکے دوسری کو اُسکا جانشین بنانا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ اس سے مراد بالخصوص وہ سلسلہ خلافت ہے جس کا مرکز آجکل قسطنطنیہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اسمیں شامل ہے۔ نہ اس سے مراد خاص کر عرب کا استخلاف ہے، نہ عجم کا۔ نہ مشرق اور مغرب کا۔ جو قوم ایک کے ہلاک ہوئے پیچھے اُسکے مُلک اور دولت کی وارث ہوئی وہی مستخلف ہے۔ خواہ وہ چین کی ہو یا روم کی۔ یہی بقا و استبقا ہے، اور اسی لحاظ سے ہم نے یہ معانی متن میں لکھے ہیں۔

استخلاف کے ان معانی کی حتمی تائید قرآن عظیم کی دو اور آیتوں سے ہوتی ہے جن کے نفس موضوع کا مقابلہ سورۂ ہود کی متذکرہ صدر آیت (۱۱: ۵۷) سے کرنا چاہیئے۔ سورۂ توبہ میں ہے: إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۹: ۳۹)

"اگر (اے عافیت پسند عرب کے لوگو!) تم اس موقع پر لڑائی کے واسطے ہمہ تن مستعد نہ ہوئے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی دوسری مستعد

اوپر لیا ہے، قرونِ ماضیہ کی اقوامِ متمدنہ کی طرح اُسکا غلبہ اور استخلاف قائم رہیگا جب تک ایمان اور صلاحیتِ عمل اُن میں باقی رہے، اور فسق و کفر کی حد تک نہ پہنچیں!

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹) قوم کو تم سے بدل دے گا، اور وہ اس قدر صاحبِ قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے، اور یاد رکھو کہ خدا وہ بے نیاز خدا ہے کہ وہ ہر بات کر سکتا ہے۔ یہاں 'یستبدل' اور 'یستخلف' کا ترادف عیاں ہے۔ سورۂ محمدؐ میں بھی 'یستبدل' انہی معنوں میں ہے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (۴۷ : ۳۸) یعنی اگر تم نے اِن احکام سے سرتابی کی تو کچھ پروا نہیں وہ خدائے عظیم تمہارے سوا کسی اور قوم کو تم پر لا بٹھائے گا۔ پھر وہ تم جیسے بدعمل، نافرمان، اور نفس پسند بھی نہ ہوں گے۔" اِن آیاتِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ استخلافِ اقوام دراصل اُن کا استبدال ہی ہے۔ جو قوم بادشاہتِ زمین کی اہل نہ رہی، جو قانونِ خدا سے سرتابی کرنے کے باعث اپنی قوتیں سلب کر چکی اُس کا روئے زمین پر سے بیک بینی و دو گوش نکالے جانا قطعی ہے۔ جو وارثِ زمین ہے وہی 'مستخلف' ہے وہی بہتر اور صالح تر ہے، وہی ناقابلِ ضرر اور قوی تر ہے، اور اُسیکا اس دنیا پر باقی رہنا طے شدہ امر ہے۔

خَلَفَ کا استعمال استخلاف اور اِبقا کے معنوں میں کئی جگہ ہوا ہے۔ یہاں پر تین موقعے قابلِ ذکر ہیں: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ؀ (۴۳ : ۶۰)، "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تمہی کو فرشتے بناکر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے۔" ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ؀ (۱۰ : ۱۴)، "پھر ہم نے اُن کے ہلاک ہوئے پیچھے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔" وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ (۳۴ : ۳۹)، "اور جو ایثارِ مال بھی تم کرتے ہو خدا اُسکو بقا نصیب کرتا ہے اور اسکا عوض دیتا ہے۔" اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ خَلَفَ اور استَخْلَفَ دراصل ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور انہی معنوں میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ (۲ : ۳۰) ہے، یعنی "میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں۔"

ایک اور بات جو ضمناً اِن آیتوں اور بالخصوص (۷ : ۱۲۹)، (۱۱ : ۵۷)، (۱۰ : ۱۴) سے مترشح ہے، یہ ہے کہ مستخلف فی الارض کا مقام حاصل کرنے، اور اُسکو قائم رکھنے کے لیئے عمل کرنا شرط ہے۔ آیۂ استخلاف میں شرط عملِ صالح ہے۔ اب رہی یہ بات کہ عملِ صالح کیا شئے ہے۔ اِس کا جواب اس کتاب کے طول و عرض میں ملے گا۔ اور صلاح کی تعریف ازروئے قرآن کرنا آسان کام نہیں۔

تیسری بات جو اِن آیات میں غور طلب ہے یہ ہے کہ الارض کا استعمال (۷ : ۱۲۹)، (۴۳ : ۶۰)، اور (۲ : ۳۰) میں مطلق معنوں میں ہوا ہے، اِس سے کوئی خاص حصۂ زمین مراد نہیں، جیساکہ آیۂ استخلاف کے الارض کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے، اور وہاں الارض کے معنی زمینِ مکہ لیئے ہیں۔ یہ بحث کتاب کے متن میں کی جائے گی، لیکن یہاں اِس بات کا اظہار ضروری ہے کہ الارض کا لفظ مطلق ہے۔ (۷ : ۱۲۹) سے کچھ شبہ پڑتا ہے کہ موسیٰؑ کی مراد خطۂ مصر ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کو استخلاف سرزمینِ مصر میں ایک مدتِ مدید کے بعد حاصل ہُوا، اِس سے پیشتر وہ ملکِ شام میں بادشاہ بن چکے تھے۔ (۱۰ : ۱۴) سے بھی خفیف سا شبہ پڑتا ہے۔ لیکن اِس سے پہلی آیت (۱۰ : ۱۳) کو ملاکر پڑھنے سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ بہرنوع اِن آیات کے غائر مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں استخلاف فی الارض کے الفاظ سے اقوامِ عالم کا اِس پُتّے زمین پر اجتماعی بقا حاصل کرنا مراد ہے، اِس سے کم و بیش کچھ نہیں۔ وہ شرعی یا مذہبی ماحول جو اِس اصطلاح کے گرداگرد مرورِ وقت یا رسمی تکرار کے باعث پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کردہ ہے، قرآن کریم کو اِس سے کچھ سروکار نہیں۔

ڈارون کا نظریہ ارتقا، نشأۃ آفرینش سے لیکر ظہور انسان تک، ہر ذی حیات شئے کی انفرادی

۵۱ مسئلہ ارتقا کی تخفیف و توہین جس انداز سے آج مسلمانانِ عالم اپنی کمی علم اور غلبۂ جہل کے باعث کر رہے ہیں، اُس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ انحطاط پذیر اقوام میں اپنے آبائی کارناموں کی یاد کس سُرعت سے محو ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۸ کے تحت المتن میں چند اُن اسلامی حکمائے عظام کا ذکر کیا گیا تھا جنھوں نے اس مسئلے کی تصدیق و تثبیت میں مستقل حصّہ لیا، اسکو علم کلام کا اہم جزو قرار دیا، علم فطرت کی ایک بڑی حد تک توسیع کر کے مختلف ثبوت اسکی تائید میں بہم پہنچائے، اور صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں ارتقا کی نوعیت بیان کی، لیکن آج چونکہ مغربی حکما نے اس نظریے کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے، اور اس سے مستقل نتائج اخذ کر کے حفظ وہن کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں، مسلمان اس سے یکسر بیزار ہو گئے ہیں، اور اسکی تضحیک کر کے اپنی نادانی کا ثبوت دے رہے ہیں! مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی، آج مغرب کے تمام پہنائے علم و تحقیق میں وہ عظیم الشان انکشاف ہے جس کی عظمت اور نافعیت کا صحیح اندازہ لگانا قانون فطرت کے صحیح علم کے بدون ازبس مشکل ہے۔ اس مسئلے نے صحیح معنوں میں فطرت کے سرِ عظیم کو ایک بہت بڑی حد تک آشکارا کر دیا ہے! اس نے حیات کے حجاب اکبر کو چاک کر کے انسان کو معرفت نفس کا پہلا اور گراں قدر سبق دیا ہے! اس نے انسان کو شناسائی خدا میں مستقل مدد دی ہے! اس نے وحدتِ خدا اور وحدتِ ماسوا، وحدتِ مکان اور وحدتِ تکین کو ثابت کرنے میں اہم حصّہ لیا ہے! اِس نے انسان کا دائرہ علم و عمل بیحد وسیع کر کے اُسکو صحیح معنوں میں خدا کا قائم مقام بنا دیا ہے! نہیں بلکہ اسنے زوال و بقائے اُمم کے وہ پنہاں اصول بھی ایک حد تک عیاں کر دیئے ہیں جو الہامی کتابوں، اور بالخصوص قرآن حکیم کے سوا آجتک اور کہیں نہیں ملے۔ جو لوگ اس مسئلے سے اِس لیئے بیزار ہیں کہ اِنہیں نشو و خود اختیاری کے باعث تعطّل خدا کی شان پائی جاتی ہے، یا اُسکی خالقیت میں ایک ناقابل برداشت تعویق ثابت ہوتی ہے، اُن کے دلوں میں خدا کی عظمت اور قدرت، ازلیت اور ابدیت کا اندازہ بہت کم ہے۔ قرآن میں مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ط (۲۲ : ۷۴)، اِس امر کی شہادت ہے۔ اکثر لوگ اُس خلاق عظیم کا اندازہ انسانی قوتوں اور بشری واماندگیوں کو پیش نظر رکھکر کرتے ہیں، اور اسی لیئے اصلیت کی لاانتہا وسعت تک نہیں پہنچ سکتے۔ مختصر الفاظ میں اس مسئلے کا یہ دعوٰے ہے :-

۱۔ "اِس عالم کون و مکان اور پہنائے زمین و آسمان کے اندر آفرینش کے ابتدائی ایام سے لیکر آجتک ایک ارتقائی اور تعمیری، ایک تدریجی اور ترکیبی انقلاب واقع ہو رہا ہے جو تخلیق کا فوری اور بلاواسطہ باعث ہے، حرکت اور حرارت اِس تکوین کی علل اُولیٰ ہیں۔ علّت انتہائی وہ علّۃ العلل وجود ہے جس نے سب اشیا کو اپنی اپنی جبلت عطا کر کے اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔"

قرآن حکیم کا محاکمہ اس امر کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے :-

قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۝ (۲۰ : ۴۹-۵۰)

فرعون نے ازراہ سوال پوچھا کہ اے موسیٰ! وہ تم دونوں بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ وُہ رب بے مثال ہے جس نے اِس عالم کائنات کی ہر مخلوق شئے کو اسکی جبلت اور خلقت عطا فرما کر اپنا اپنا راہ راست دکھلا دیا ہے۔

۲۔ "عالم موجودات کی سب ذی حیات مخلوق، بشمولیت نباتات و خوردبینی حیوانات، ایک سلسلہ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جنکو بقدر اُنکے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ کی سہولت اشکال ترکیب کے ایک تدریجی سلسلے میں مرتب کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوین آفرینش کے مختلف مراحل میں ایک معین ترتیب سے ہوئی اور بتدریج ہوئی۔ اِس دبان کا کمال اوج انسان ہے جسکے اعضا کی تقویم سب ادنیٰ حیوانات سے بہر نوع بہتر ہے۔"

۵۱ لوگوں نے خدا کی عظمت کا اندازہ ہرگز اِس طرح پر نہیں کیا جیسا کہ کرنے کا حق تھا +

اور اجتماعی جد و جہد کی داستان، حفظ نفس اور ترقی نسل کے متواتر اجتہاد کی سرگذشت، جنس قوی کے تغلب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ (۹۵: ۴-۵)

(اے ساکنانِ زمین! اس عالمِ کائنات کا ہر ذرّہ اس بات کا شاہد ہے کہ) ہم نے انسان کو احسن الخلق بنایا، اُسکے اعضا میں بہترین صلاحیت اور استعداد پیدا کی۔ پھر اس صلاحیت کے انحطاط کے باعث اسکو (اُسی) کمتر سے کمتر مخلوق کی طرف لوٹا لائے (جو وہ کبھی زمانے میں تھا)۔

(ہم نے التین و الزیتون کی شہادت پیش نہیں کی، ان کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ مگر رَدَدْنٰهُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انسان اپنی نشارِ اوّل کے ابتدائی مراحل میں اسفل سافلین تھا۔ اسفل سافلین کی علمی تشریح آگے چلکر ملے گی۔)

۳۔ "دنیا ایک عظیم الشان امتحان گاہ جہد و عمل ہے جسمیں ہر ذی حیات فرد بطور ایک مجاہد کے ہے۔ سب کے سب اپنے اپنے دائروں کے اندر، ایک لا متناہی کشمکش، اور غیر منقطع مزاحمت میں لگے ہیں۔ قیام و بقا کا تمامتر حصر اسی جد و جہد پر ہے۔ ہر جنس، نوع، اور فرد، جغرافیائی اور استطاعتی حدود کے اندر، اپنی ہمسایہ مخلوق کے بالمقابل صف آرا ہے، فطری اور مقامی موانعات کا مقابلہ کر رہی ہے، بہتر اور قوی تر اجناس سے نبرد آزما ہے، دشمن سے عہدہ برآ ہونے کی تجویزیں لگی ہے، کمتر اور کمزور تر مخلوق پر متسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے۔ الغرض اپنی بہبودی اور بچاؤ، اپنی تقویت اور دفاع کے لیئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اس مقامِ نظر سے عالمِ حیوانات و نباتات کی سب مجتمعات باقیہ، قوی تر اجناس و انواع کی جارحانہ دستبرد کے باعث، ایک متصل خوف کے ماحول میں گھری ہیں جس سے بچ نکلنا، اور جسکو امن سے بدل دینا ہر زندہ مخلوق کا منتہائے وحید ہے۔"

قرآن حکیم کا تمام دستور العمل من و عن اس فردی اور اجتماعی جد و جہد کا مؤید ہے۔ چند مثالیں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں لفظ استخلاف کی بحث کے ضمن میں گذر چکی ہیں، مگر لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (۵۳: ۳۹) کا اصل اُصول قرآنِ عظیم کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ آیۂ استخلاف کا نفس موضوع بھی اسی خوفِ عدو کو حفظ و امن میں بدل دینے کی معنی خیز داستان ہے؛ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا، کا محفوظ مقام کسی قوم کو صرف اُس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب وہ متمکن فی الارض بن چکے، اور بے سعی و عمل اسکا حاصل کر لینا قطعاً محال ہے۔

جنس قوی کی جارحانہ دستبرد اور تشدّد، اس ابتلا گاہ سعی و عمل میں، وہ بدیہی امر ہے کہ اسکے لیئے کسی بڑی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ مخلوق سے لیکر اشرف الخلق انسان تک ہر نوع اس قاعدے پر عمل پیرا ہے؛ قوی ہر جا اپنی طاقت کا استعمال ضعیف جنس پر کر رہا ہے؛ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل کر اپنا پیٹ پال رہی ہے؛ کمزور قومیں زور آور قوموں سے ہر دم خوفزدہ ہیں، اور ہر طرف دست زور بالا کی تعمیل بظاہر ہو رہی ہے۔ سورۂ انفال میں خدائے عظیم نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کو اسی خوف عدو کا ماحول یاد دلا کر عیاں کر دیا تھا کہ دشمن پر غالب آکر محفوظ مقام حاصل کر لینا ہی تائید الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم اس زمین میں تھوڑی سی تعداد میں تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذو الجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی

---

۵۱ انسان کو کچھ میسر نہیں مگر وہ جو بقدر اُسکی سعی کے ہے۔ ۵۲ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۷۔

صنفِ ضعیف کے سقوط، اور جنسِ اصلح کے بقا اور تدریجی ارتقا کی مسلسل رُوئیداد، طبقات الارض کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲) بنایا، اور دشمن پر ترجیح دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اِس لیئے کہ تم اِن نعمائے الٰہی کی دل سے قدر کرو۔ (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ) ۔ (شکر کے اِن معانی کا ثبوت بعد میں ملیگا، یہاں اِسپر بحث نہیں)۔

۴۔ "مختلف انواع و اجناس کا ظہور اور قیام، خارجی اور مقامی حال و احوال اور باطنی استعداد و صعود کے متفقہ زیر اثر ہے! جو نوعیں احوالِ طبیعت کی خارجی مزاحمت کے بالمقابل پوری نہ اتر سکیں ہٹتی گئیں، جنھوں نے اِس کشمکش میں پورا حصّہ لیکر اپنے آپ کو مستعد ثابت کیا، صعود کرتی گئیں۔ عالمِ حیات کا سب کون و فساد اسی عالم آرا اصول کے ماتحت ہو رہا ہے 'حفظِ نفس' اِس مزاحمت کا محرک اوّل ہے۔ جس نباتی یا حیوانی نوع کا 'استخلاف' زمین کے کسی حصّے پر قائم ہے۔ وہ 'صالح' ہے جس کا تمکن فی الارض ہٹتا جا رہا ہے وہ 'غیر صالح' ہے۔ جو نوع سب سے متمکن، سب سے زیادہ مُجاہد اور مستعد، سب سے زیادہ تکثر اور ارتقائی اہلیت رکھتی ہے وہی اپنے دائرے کے اندر 'اصلح' ہے، اسی کا بقا 'قطعی' ہے فطرت خود بخود اُسکا انتخاب کر کے اُسکو بے خوف و خطر کر دیتی ہے"۔

انسانی امّتوں کے قیام و بقا کے متعلق قرآن حکیم نے بعینہٖ وہی لازوال اصول پیش کیئے جو آج مغرب کی تمام علمی تحقیقات اور مادّی تقدم کے محورِ عمل بن چکے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک گروہ کے صفحۂ ہستی سے ہٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اُس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں، اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں، تو جس قوم نے اِن احکام پر عمل کر کے حفظِ نفس کی راہ اختیار کرلی (اتّقٰی)، جو ہلاکت سے دامن بچا کر چلی (اتّقٰی)، اور صالح بن گئی (اصلح) اُسکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں۔

آگے چلکر ہم اسی مجلد میں ثابت کرینگے کہ 'اتقا' کی بعض اہم شرائط کیا ہیں، 'اتقا' کی مکمل تشریح 'عمل' کے عنوان (چوتھی مجلد) میں آئے گی۔ 'صلاح' کی تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ وہ عظیم الشان آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمِ حیوانات کا قانونِ فنا و بقا بھی اسی انداز پر ہے جس پر انسانی امّتیں چل رہی ہیں بہت بعد میں آئینگی۔ یہاں پر ہم نے صرف قرآن حکیم کی چند معاون آیات کو پیش کر دیا ہے۔ ان سے کچھ ثابت کرنا ابھی مقصود نہیں۔ لیکن اگر کتاب کے اِس محض ابتدائی حصّے میں کوئی نتیجہ خیز اور قابلِ ذکر بات اِن آیات سے مستنبط ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ کتابِ الٰہی نے کس التزام کے ساتھ استخلاف فی الارض کی شرط کو جا بجا سعی و عمل، امتحان و ابتلا، تگ و دو قرار دیا ہے جو مسئلہ ارتقا کی اصلی روح رواں ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سورۂ انعام کی آخری آیت نہایت قابلِ لحاظ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۶: ۱۶۶)

اے ساکنانِ زمین! خداوندِ عظیم الاختیار خدا ہے جس نے تمکو اِس زمین میں اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا ہے (کہ تم اسکی حکومت اور انتظام کو اپنے ہاتھ میں لو)، اور تم میں سے ایک قوم کو دوسری قوم پر کئی درجے فضیلت اِس لیئے دی ہے کہ معیشت کی اس مسابقانہ کشمکش میں وہ تمہاری اُن قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان لے جو اُس نے تم کو دیں۔ جانتے رہو کہ اگر تم اِس ابتلا میں پورے نہ اتر سکے، اور دوسروں سے پیچھے رہ گئے تو لامحالہ خدا بڑا جلد جلد سزا دینے والا ہے، اور اگر اپنی سعی و عمل کے باعث سبقت لے گئے تو اِس میں بھی شک نہیں کہ وہ عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے

مٹی میں دبی ہوئی ہڈیوں کی زبانی ہے۔ اس تمام پیچیدہ مسئلے کی تہ میں یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳) (غفور) اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۵۔ "انسان کی تکوین کمتر مخلوق کے ارتقا سے ہوئی، مگر اس انقلابِ عظیم کی تکمیل میں قرنہا قرن گذر گئے، حتیٰ کہ ایک نوع کا انتقال اُس سے اگلی نوع میں بھی ہزارہا برس میں ہوا! اس مُدت مدید میں زمین بھی لاانتہا جغرافی اور طبعی، کیمیاوی اور تعمیری انقلابات کا مکین رہی، اور اب تک ہے۔ ارتقا کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جب تک زمین آسمان موجود ہے، جاری رہیگا۔ اس نقطۂ نظر سے بہت ممکن ہے کہ ایک مُدت کے بعد انسان اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور علم و عمل میں ارتقا کرتے ہوئے اس سے بھی بہتر مخلوق بن سکے جو اپنی صفات میں شارع کائنات کی ذات سے قریب ہو! اس بنا پر زمین و آسمان کی تکوین کا سلسلہ انسانی نقطۂ نظر سے ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو ہزار در ہزار بلکہ لکھو کھا برس سے چل رہا ہے اور ممکن ہے کہ لکھو کھا برس تک اسی طرح چلتا رہے"!

مسئلہ ارتقا کی اِس شق کے متعلق قرآن کریم میں وہ حیرت انگیز اور ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ اُس کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ یہاں پر صرف چند آیات اور اُن کا مربوط ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔ صحت مطالب کی ناقابل رد دلائل ایک ایک لفظ کے متعلق اپنے اپنے موقع کتاب کے متن میں آئیں گی۔ سورہ سجدہ میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۳۲: ۴-۹)

لوگو! خدا وہ عظیم و جلیل خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے اس حیرت انگیز کارخانے کو چھ بڑے مدید الوقت اور طویل المیعاد دنوں میں پیدا کیا، اور اب تختِ سلطنت (العرش) پر جا بیٹھا اس ادارتِ عظمیٰ کو چلا رہا ہے۔ لوگو! اُسکے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی۔ اُسی کی حکومت ہر جا چل رہی ہے، اُسی کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے، تو کیا تم لوگ اِس کارخانہ جہان اور اِس عالم آرا حکومت سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے!

وہ وُہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک عالم آرا قانون (الْاَمْرَ)، ایک امرِ مُہتم (الْاَمْرَ)، ایک جلیل القدر فیصلے یا معاملے (الْاَمْرَ) کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے، پھر وہ معاملہ، اپنی عظمت اور وسعت کے باعث، رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر، ایک مُدت مدید میں (فِیْ یَوْمٍ) جس کی مقدار انسانی شمار کے لحاظ سے ایک ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ ہو، اُسکی مشیت کی طرف (اِلَیْهِ) صعود کرتا ہے (یَعْرُجُ)، اور اپنے اٹل زور اثر سے کمال کو پہنچ جاتا ہے! (گویا اُسکی عظیم الشان تجویزیں ہزاروں برس میں جا کر مکمل ہوتی ہیں، اُسکے قانون کا عالم انگیز نفوذ صدیوں میں جا کر محسوس ہوتا ہے، اسکی اٹل مشیت قرنوں کے امتداد کے باوجود پوری ہو رہتی ہے) یہ ہے وہ ہزاروں برس کے بعد کے حالات کا علم رکھنے والا (عٰلِمُ الْغَیْبِ)، اور آج کے حال و احوال کا صحیح پرکھنے والا (وَالشَّهَادَةِ)، غالب القوی (الْعَزِیْزُ)، صاحبِ عفو و درگذر (الرَّحِیْمُ)، خدا جسکے رحم و تحمّل اور کمال علم و عمل پر یہ کارگاہ اکبر چل رہا ہے!

وہ وُہ صنّاع عظیم ہے جس نے ہر پیدا کردہ شئے کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے، اور انسان سی اشرف الخلق مخلوق کی ابتدا (بَدَاَ) مٹی سی حقیر اور کمتر مخلوق سے کی؛ پھر رفتہ رفتہ اِس بدأ اول، اِس کمتر مخلوق، اور اِس خَلق قدیم کی نسل کو ہزارہا برس کی تدبیر امر اور تشکیل نوع کے بعد (اعلیٰ حیوانات کے)

عالمِ حیوانات کی کشمکشِ حیات میں جسمانی زور، یا جارحانہ قوت ہی کسی جنس کے قیام کے لئے کافی نہیں ہوسکتی!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴) مادّہ تناسل سے، جو ایک حقیر سا پانی کا نچوڑ ہے، جاری رکھا؛ پھر تناسل کے اِس عظیم الشان مرحلے کو طے کر چکنے کے بعد اُس خلقِ جدید کے اعضا میں، ہزار ہا برس کی مزید تجویز و تدبیر کے بعد، بہترین تناسب قائم کیا (ثُمَّ سَوّٰىهُ)؛ اور پھر اِس حسن الخلق شے میں اُس خدائے عزیز و رحیم نے اپنی ناپید امثال صفات اور اوصاف کا ایک ایک شمہ ڈالا، اسکو اپنی جناب سے تھوڑا سا علم، تھوڑی سی قدرت، تھوڑی سی سمجھ وغیرہ وغیرہ عطا فرما کر گویا اپنی روح اسمیں پھونک دی (وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ)؛ اور آج اے اشرف الخلق انسانو! اس نے تم کو ان تمام مرحلوں سے گذار کر وہ عظیم الشان نعمائے الٰہی، اور اوصافِ کبریا کے وہ عدیم المثال مظاہر عطا کئے ہیں، جن کا نام کان ہے، آنکھ ہے، اور ذہنِ سلیم ہے، جن کے ذریعے سے تم صحیح معنوں میں (سب کمتر مخلوق کے نقلی کانوں، آنکھوں، اور قلوب سے قطع نظر) سُن سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو، اور سمجھ سکتے ہو! افسوس کہ تم ان حیرت انگیز نعمتوں کی بہت ہی کم قدر کرتے ہو، اور ان کو بہت ہی کم صحیح استعمال میں لاتے ہو (قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ)

(الف) اِن جلیل الشان آیات کے مطالب تک پونہچنا آسان کام نہیں، مگر قرآن کے طالب العلم کو محولہ بالا مطالب کی ابتدائی تصدیق کے لیے سورۂ مؤمن کی اُس آیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کو اسقدر عظیم اور مُہتم امر قرار دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا اُس سے مقابلہ کیا ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (۴۰: ۵۷) "لوگو! اگر بچشمِ واشاہدہ کرو تو لامحالہ اس نتیجے پر پونچو گے کہ آسمانوں اور زمین کی تکوین کا سلسلہ بنی نوع انسان کے سلسلۂ تکوین سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔" گویا انسان کی تکوین کوئی خالہ کا گھر نہ تھی کہ ایک مٹی کا پُتلا سا بنا کر رکھدیا، اور پھر اُسمیں معاذ اللہ کسی شعبدہ باز نے پھونک مار کر جان پیدا کردی، جیسا کہ جُہلا کا خیال آجکل ہے؛ بلکہ وہ ایک عظیم الشان تعمیری سلسلہ تھا جو ہزار ہا سالوں کے بعد اختتام پذیر ہوا! یہی بات ثُمَّ کی معنی خیز تکرار سے ظاہر ہے: (۳۲: ۸-۹)۔ نَسْلَهٗ۔ اور سَوّٰىهُ اور فِيْهِ، میں هُوَ کی غائب ضمیر سے لَكُمُ کی مخاطب ضمیر کی طرف رجوع کرنا بھی اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ کی ضمیر انسان کی پہلی خلقتوں کی طرف ہے نہ کہ خود انسان کی طرف۔ علاوہ ازیں انسانی نسل کو ایک دفعہ قطرۂ منی سے جاری کر کے بعد میں اُسکا تسویہ کرنا قطعاً بے معنی ہے (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ ... ثُمَّ سَوّٰىهُ) بَدَاَ کے لفظ سے بھی جو (۳۲: ۷) میں ہے یہ ظاہر ہے کہ خلقت کی ابتدا مٹی سے ہوئی نہ کہ تکمیل۔ آج علمِ جدید کی حیرت انگیز تحقیق بھی انسان بلکہ تمام حیوانات کو اسی "طین لازب" سے بنایا ہوا قرار دیتی ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (۳۷: ۱۱) "ہم نے انسان کو لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا۔" سورۃ الرحمٰن میں ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۵۵: ۱۴) "اُس نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔" یہ بجتا ہوا لیس دار کیچڑ انسان کی تخلیق کا وہ سامان اوّل ہے جو ہر تالاب اور دلدل، جوہڑ اور سنڈاس کی تہ میں، یا جھیلوں کے کنارے پر، کثرت سے نظر آتا ہے، اور جس کے مرطوب قِوام کے اندر یورپ کا دقیقہ رس عالم اپنی خوردبین کے ذریعے سے اُس خلاقِ عظیم کی کروڑ در کروڑ مجرد ہستیاں چھُپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ سب وجود اسقدر دقیق ہیں کہ اُن کی کُل کائنات صرف ایک خلیہ یا حُجرہ ہے جسکے اندر حیات کا عالم آرا مکین محفوظ بیٹھا ہے! یورپ کے طبعی فلسفی کا دعویٰ ہے کہ کل ذی حیات مخلوق اِسی نفسِ واحد کے اجتماع اور استعمار سے ہوئی، اور قرنہا قرن میں اپنی ارتقائی استعداد کے باعث ایک مکان سے دوسرے مکان، اور ایک جائے قرار سے دوسری جائے قرار میں منتقل ہو کر اِس مقام پر پونہچی جسکا نتیجہ اشرف الخلق انسان ہے! قرآنِ حکیم نے اِس مہتم بالشان حقیقت کو، یورپ کی روح فرسا علمی تحقیق سے کامل بارہ سو برس پہلے، اُن ناقابلِ تاویل اور نالائق جمود الفاظ میں ادا کیا ہے جن کی اطلاع پا کر مغرب کے سب حکمائے عظام کا اِس کتابِ عظیم کے آگے سر جھکا دینا قطعی ہے! سورۂ انعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۝ (۶: ۹۹)

لوگو! وہی خلاقِ عظیم تو ہے جس نے تم جیسے اشرف الخلق وجود کی ابتدا اور اسکی نشاء، اول ایک خورد بینی نفس مطلق سے کی (اَنْشَاَكُمْ)؛ پھر اُس نفسِ واحد کو ایک عارضی جائے قرار (فَمُسْتَقَرٌّ) اور ایک مکان استقرار سے دوسری جائے قرار میں بدلا، حتیٰ کہ اُسے آخری مکان قرار ار مستقر جائے تسلیم

بلکہ اسکی حفاظت اور بقا کا اصلی راز صلاحیت اور استعداد ہے جس نوع حیوانی نے سعی وابتلا کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵) (مُسْتَوْدَعٌ) میں سے آیا، جو حسن الخلق بشر کا قالب ہے۔ جو قوم ہمارے اعمال کو سمجھتی، اور اُسکا صحیح علم رکھتی ہے، اُسکو ہم نے اپنی قدرت کے یہ عجوبات (الآیٰت) اِن لفظوں میں بالتفصیل بیان کردیے ہیں۔

(نفس کا لفظ نہایت معنی خیز ہے جسکے معنی مطلق جان کے ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے متعلق ہر جگہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا ذکر ہے، بَشَرٍ وَاحِدٍ کا کہیں ذکر نہیں لیکن یہ بحث اپنے موقع پر دوسری جگہ آئے گی)

قرآن کو کتاب خدا مان کر مسئلہ ارتقا کے درست ہونے، یا مسئلہ ارتقا کی عینی اور علمی شہادت پاکر قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے کی آجتک اِس سے بہتر اور روشن تر شہادت کہیں موجود نہیں!

(ب) یَعْرُجُ کے لفظ سے جو سورہ سجدہ کی محولہ بالا آیت (۳۲ : ۵) میں ہے، ازروئے نحو یہ ظاہر ہے کہ اِس کا فاعل خدا ہونا چاہیئے (یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ..... ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ)، اور اِلَیْهِ کی ضمیر کا مرجع الْاَمْر ہونا چاہیئے۔ مگر مفسرین نے یَعْرُجُ کا فاعل الْاَمْر اور ضمیر کا مرجع خلاف اسلوب کلام خدا لکھا ہے، اور اِس آیت کا عجیب و غریب ترجمہ کردیا ہے جس کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ متذکرہ صدر ترجمے میں ازروئے نحو عام مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے، مگر انصافاً اس اتباع کی ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور چونکہ یَعْرُجُ کے معنی یہاں بتدریج ارتقا کرنیکے ہیں۔ اِسلیئے اِس نقطہ نظر سے معانی اور بھی زیادہ صاف ہوجاتے ہیں:

"خدا وہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک امر مہم کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کردیتا ہے اور پھر اس امر عظیم کی طرف ایک مدت مدید میں جسکی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے آہستہ آہستہ اور نامحسوس طور پر ارتقا کرتا ہے۔" گویا اس امر کی تکمیل کہیں ہزار برس میں جاکر ہوتی ہے۔ اِس صاف ترجمے سے ارتقا کا وجود اور بھی واضح ہوجاتا ہے۔

(ج) سورہ سجدہ کی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ والی آیت سے یَوْم کی تشریح فیصلہ کن ہے، اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش ہماری گنتی کے چھ دنوں میں، جنکا وجود بھی اُسوقت نہ تھا، نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں برس یا کم از کم چھ ہزار برس میں ہوئی۔ لیکن یہ تعیین بھی درست نہیں۔ کیونکہ ایک دوسری آیت میں یَوْم کی اِس تعیین کو اُڑا دیا گیا ہے اور "کَاَلْفِ سَنَةٍ" کہکر اُسکو غیر محدود کردیا گیا ہے: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٥ (۲۲ : ۴۷) "اور یہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچارہے ہیں، حالانکہ خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک تو ایک دن بھی تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کی مانند ہوتا ہے، پھر اُسکو کونسی جلدی پڑی ہے۔" اور سورہ معارج میں تو یَوْم کی مدت پچاس ہزار برس لکھی ہے: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ (۷۰ : ۴) "ملائکہ اور روح اُس خدائے عظیم کی طرف ایک مدت مدید (یَوْم) میں ارتقا کرتی ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے"! الْمَلٰٓئِكَة اور الرُّوْح کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ لیکن اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ یَوْم ایک لامحدود مدت ہے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی ہوسکتی ہے، اور اَرْض و سَمٰوٰت کی پیدائش بھی لاکھوں برس میں ہوئی۔ ملائکہ اور روح کا پچاس ہزار برس میں عروج کرنا (خواہ اُن کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو) ارتقا کی طرف ایک اور اشارہ ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ سِتَّةِ اَیَّام کے متذکرہ صدر الفاظ میں لفظ سِتَّةِ (چھ) کی تخصیص کو سمجھنے کے لیئے مزید تشریح درکار ہے جو آیندہ اوراق (صفحہ ۳۶-۳۷) میں کردی جائے گی۔

(د) انسان کے اپنی موجودہ حالت سے بہتر مخلوق بننے کے متعلق قرآن عظیم میں ایک خفیف سا اشارہ ہے جو استخلاف کی بحث میں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں ہوئی، گذر چکا ہے۔ یہاں پر اسکا اعادہ کیا جاتا ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ٥ (۴۳ : ۶۰) "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تم ہی کو فرشتے بناکر اس زمین میں تمہارا جانشین کردیتے۔" یہاں مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل لحاظ ہیں، لیکن یہ امر کہ آیا مَلٰٓئِكَة بہمہ وجوہ انسان سے بہتر مخلوق ہیں یا نہیں نہایت بحث طلب ہے، اور اسکی تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔

اس عظیم الشان عمل میں موانع فطرت کا مقابلہ تندہی اور استقلال سے کیا، جو مخلوق موت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۶) مسئلہ ارتقا کی باقی شقیں یہ ہیں:-

۶ "نفس واحدہ" کے اجتماع اور استعمار سے مختلف نوعیں پیدا ہوئیں لیکن ہر نوعی اجتماع نہ صرف پہلے نوعی اجتماع سے بہتر اور صالح تر ہوا بلکہ ہر ایک صورت اجتماع میں بھی، اسکے اپنے دائرے کے اندر اصلاح اور ارتقا کی تجویز قائم رہی، حتیٰ کہ وہ صنف بذاتِ خود اوجِ کمال کو پونہچ گئی۔ گویا ارتقا ایک شجر ہے جسکی متعدد متفرع شاخیں ہیں، اگرچہ اصل ایک ہی ہے؛ مختلف شاخیں اپنے اپنے خطوں پر پھولتی پھلتی گئیں، بلکہ شاخ در شاخ بن گئیں؛ اُن پر مختلف پھول لگے، جو اس شق کی "صالح ترین" انواع ہیں۔ بعض شاخیں اور پتے جھڑتے گئے، جو "غیر صالح" انواع کی مصداق ہیں۔ اس تنے کی بلند ترین شاخ انسان ہے، جسکی کئی ایک فروع ہیں جو بلحاظ اختلاف لون و نسل، اور امتیازِ فہم و ادراک، ایک دوسرے سے قوی تر، اصلح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت، صورتاً اور معناً، اس زمین کے بر و بحر پر قائم ہے وہی آج "اصلح" ہے، اور اس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہونا اُسیکا طغرائے امتیاز ہے"!

(الف) کتاب خدا نے شجرے کی صورت کو نہایت بلیغ اور پُر معنی الفاظ میں ادا کیا ہے، مگر اُن کی حقیقت نا اہل مسلمانوں کے ہاتھوں مدت ہوئی مسخ ہو چکی ہے۔ سورہ نوح میں ہے: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (۷۱: ۱۷) "اور اے ساکنانِ زمین! خدائے عظیم نے تم انسانوں کو زمین سے ایک درخت کی طرح اُگایا"! گویا جب انسان کی زمین سے درخت کی مانند اُگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو ان الفاظِ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لیے ربّ بے مثال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی۔ مگر آجکل کے مسلمانوں کو جو کسی عزیز کے مرنے پر ایک رات میں پورے قرآن کو کئی بار دُہرا کر مُردے کو ثواب پونہچانے میں مشغول ہیں، قرآن عظیم کے مطالب سے کیا غرض ہو! جب ایک ایک حرف کی تلاوت پر لاکھوں نیکیاں خود بخود مل رہتی ہیں تو معانی جو کچھ بھی ہوں ہوتے رہیں، اُن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہو! اسی سورۃ میں ایک اور مہتم بالشان مضمون ہے جو پوری دو آیتوں میں ادا کیا گیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (۷۱: ۱۳-۱۴)

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس خدائے عظیم سے عزّت اور آبرو کی آس نہیں لگاتے، تم اُسکے قانون پر چل کر بہتر بن بننے کی اُمید نہیں رکھتے، حالانکہ وہی ربّ بے مثال اور وہی منعم حقیقی تو ہے جس نے تم کو کئی طریقوں، اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقی کر کے پیدا کیا ہے، ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق میں ترقی دیکر، اور ایک جبلّت سے دوسری اعلیٰ جبلّت میں بدلکر اشرف الخلق ہونے کا وقار بخشا ہے!

کیا "وقارًا" اور "اطوارًا" والی آیات کا ربط اس کے سوا کسی اور معانی میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا نوح علیہ السلام ایسا اولو العزم نبی اس وقار کی حقیقت معلوم کیے بغیر اپنی قوم کو خطاب کر رہا تھا؟

(ب) بنی نوع انسان کی سب مخلوق پر فضیلت خدائے عظیم کی اس زمین پر ہر شخص کو بہر نوع واضح ہے، اور جو انسانی نسل زمین کے بر و بحر، اور طیبات رزق کی مالک ہے، اُس کا تفضل بھی اظہر من الشمس ہے۔ مگر زمین و آسمان کے مالک کا کلام انسان کی فضیلت تمام عالم کی مخلوق پر نہیں مانتا، اور اسکی ناپیدا کنار آسمانی فضا میں لامحالہ کسی شریف تر مخلوق کے وجود کی گواہی دے رہا ہے، لیکن اس نکتے کی تصدیق کے لیے مریخ سے چشمک زنی کی سعی کرنے والے یورپ کو ابھی نہ معلوم کتنی اور صدیاں درکار ہیں! سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۰)

"اور بیشک ہم نے بنی آدم کو اشرف الخلائق بنا کر بڑی عزّت دی، اُن کو اس پھیلائے زمین کے برّ و بحر پر قابض کر کے صحیح معنوں میں اس زمین کا حکمران کر دیا،

وحیات کی اِس مجاہدانہ کشمکش میں اپنی ظاہری اور باطنی قوتوں کا مناسب اور بہترین استعمال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷) اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں اُنکو دیں اور اِس کائنات عالم میں جسقدر مخلوق ہم نے پیدا کی ہے، اُن میں سے اکثر پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔

ے "طبقات الارض کی تہوں میں میلوں کی گہرائی پر دبی ہوئی ہڈیاں نہ صرف اس مخلوق کی یادگار ہیں جو انسان سے پہلے اِس زمین پر بس رہی تھی، بلکہ زمین کے اُن طبیعی اور جغرافی، مقامی اور تخلیقی انقلابات کی سلسلہ وار سرگذشت ہیں جو نشاءِ آفرینش سے ہوتے، اور آج ہو رہے ہیں۔ گویا زمین کے تہ در تہ طبقے 'کتابِ فطرت' کے مرتّب اوراق، اور اُن کی ہڈیاں وہ ناقابل محو حروف ہیں جن کی وساطت سے ماجرائے زمین کا سلسلہ وار پتہ لگ سکتا ہے۔ اسفل طبقے اعلیٰ طبقوں سے لامحالہ قدیم تر ہیں، اور اُن کے باقیماندہ آثار تکوین کے تدریجی سلسلے کی صحیح سند ہیں۔ اِن آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجر ارتقا کی ابتداء سب سے نیچے طبق میں اُن نہایت ابتدائی حیوانات سے ہوئی جو محض ایک خوردبینی مضغہ گوشت تھے، مگر سطح زمین کے نزدیک کے اعلیٰ طبق میں فرعی ارتقا، اُس شدّ و مد سے ہوا کہ بڑے بڑے جسیم اور زور آور حیوان (جن کے ڈھانچے آجکل کے بڑے سے بڑے حیوان سے بھی کئی گنا بڑے ہیں) روئے زمین پر مدتوں کثرت سے آباد رہے۔ اُن کا بالآخر سطح زمین سے محو ہو جانا، اور بظاہر ضعیف جنسوں کا لکھوکھا برس سے جاری رہنا، اِس امر کی دلیل ہے کہ مزاحمت حیات میں جسمی زور یا جارحانہ قوت ہی کفایت نہیں کرتی، بلکہ 'صلاحیت بقا' اِن کے سوا کچھ اور شے بھی ہے۔ یہ صلاحیت فطرت کی اُٹل قوتوں کا، جو بقا کی راہ میں حائل ہیں، اور جو ہر مخلوق کے بالمقابل بقدر اسکی بساط کے نبرد آزما ہیں، مستعدی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر چیونٹی کی نسل باوجود اپنے ضعف جسم کے ایک مُدّت مدید سے اِس زمین پر متمکن ہے، درآنحالیکہ وہ عظیم و جلیل 'میمتھ' جو موجودہ ہاتھی سے کئی گنا بڑا تھا، تباہ ہو چکا ہے، تو اس کا باعث لامحالہ یہی ہے کہ چیونٹی نے موانع طبیعت کا مقابلہ زیادہ مستعدی اور کامیابی سے کیا ہے۔"

قرآن کریم کا تمام دستور العمل اِس حیرت انگیز اور گرانبہا حقیقت کا وہ مکمل اور آخری، وہ ناقابل ترمیم اور ناپیدا مثال مرقع ہے، جسکے بالمقابل آج اِس بیسویں صدی کے یورپ کا علم و عمل، اسکے سب معاشری اصول اور اجتماعی حکمت، اسکا علمی تفضل اور سیاست مدن، ابجد اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ یہ صلاحیت کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف کرنا ہی اِس کتاب کا اہم موضوع ہے، اور اِسکی شہادت کتاب کے ہر ورق میں ملے گی۔ خود آیۂ استخلاف اِس حقیقت کبریٰ کی بصراحت تمام مؤیّد ہے۔ فی الحال مسئلہ ارتقا کی اِس شق کی تائید میں ضمناً صرف دو معنی خیز آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں اُنکے صحیح مطالب اخذ کرنے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو، اگرچہ فہم مطالب کے لئے اِن کا اعادہ کتاب کے متن میں اپنے موقع پر کیا جائے گا:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (۲۸: ۵-۶)

(اُدھر فرعون اپنی فرعونیت میں مصروف تھا، کمزور اور مظلوم رعیت کے مختلف فریقوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہا تھا، اور بنی اسرائیل کی بے کس قوم پر توبر تو ظلم ہو رہے تھے (۲۸: ۴))، اِدھر ہم اِس بات کے درپے تھے کہ اُنہی لوگوں کو جو اُسکے مُلک میں نہایت کمزور سمجھے جاتے ہیں، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں، ان کو قانون خدا کا پابند بنا کر زمین کے سردار بنا دیں،

ے سطح زمین کی عمیق تہوں میں مخلوقات قدیمہ کے ان آثار باقیہ کو طبقات الارض کی علمی اصطلاح میں رکاز کہتے ہیں۔ ان رکازات کی تفصیل عنقریب آئندہ تحت المتن صفحہ ۲۰-۲۹ میں آئیگی۔

کرتی رہی، اور حفظ نفس کے اصل اصول پر چلکر ہر مدِ مقابل سے فی الجملہ عہدہ برآ ہوئی،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ١٨) اور بالآخر اسی سلطنت کا وارث بنائیں جس کی شیخی پر فرعون اُن سے یوں ناک بھوں چڑھاتا تھا۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے تھے کہ انکو اس زمین میں یکسر متمکن کردیں، اور فرعون بادشاہِ مصر، اور ہامان وزیرِ اعظم، اور اُن کے مغرور گورا شاہی سپاہیوں کو جو یوں مونچھوں پر تاؤ دیکر اینٹھے اینٹھے پھرا کرتے تھے، ایک دفعہ وہی تباہی اور زوال اُن کی اپنی آنکھوں سے دکھادیں جس کا چور اُنکے دلوں میں (بنی اسرائیل کے مظلوم خستہ پشتوں کو کوڑے مارتے، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو بے دھڑک قتل کرتے وقت) رہا کرتا تھا! (مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ○ (٧: ١٣٧)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو بظاہر کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدائے عظیم کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں اوج تکمیل تک ٹھیک پونہچا، کیونکہ اُنہوں نے نہایت عزم اور استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی، اُن کے ظلم و ستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، اور موسیٰؑ کی قیادت میں مدافعت کے لیئے نکل کھڑے ہوئے تھے (بِمَا صَبَرُوا)، پھر ہم نے فرعون کے سب منصوبوں کو تہس نہس کردیا! اُس کی قوم کی سب عظمت خاک میں ملادی! اور جو اونچی اونچی عمارتیں وہ بنی اسرائیل کے آدمیوں کو بیگار میں پکڑ پکڑ کر بنواتے تھے، ایک اقل قلیل مدت میں خاک میں ملادیں!

کیا آج فرعون اعمال اور خون آشام یورپ کو اس قانونِ خدا، اس آئینِ موت و فنا، اس تعریف عدم صلاح کو پڑھکر کچھ لرزش نہیں ہوگی! یا کیا بیچارہ او مظلوم مشرق کو، ان آیاتِ خدا کی صحیح روح جذب کر لینے کے بعد، صلاحِ عمل، کی کوئی اور تعریف کردینا باقی ہے!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق یہ ہے:

(الف) کرۂ فلک کے اس ناپیدا کنار محیط میں، جسکی وسعت قطعاً ناقابلِ مساحت ہے، لاانتہا عظیم و جلیل کرّے ہول انگیز فاصلوں پر ہر طرف پھیلے ہوئے اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ منظار اللون کی ناقابل انکار شہادت[٨] نے آج یہ بات پایۂ ثبوت تک پونہچادی ہے کہ ان سب مجامع عوالم کی ترکیب اجزا میں وہی مشترک عناصر، اہوۃ اور فلزات، شامل ہیں جو زمین پر موجود ہیں؛ کوئی نیا عنصر یا فلزی اور ہوائی مرکب ابتک اُن کے کسی حصے میں داخل ثابت نہیں ہوا۔ اس مشاہدے سے لامحالہ ثابت ہوا کہ آسمان کے سب دور و نزدیک کرّے (بشمولیت زمین) آفرینش کے محض ابتدائی مراحل میں ایک مشترک "ہیولائے فضائی" تھے جسکے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ ہوکر، (فارق المرکز قوت کے اثر سے) ٹھوس اجسام بن گئے، اور نئے مداروں پر چلنے لگے۔ طبعی نقطۂ نظر سے **فطرت کی وحدت** اس بنا پر ایک آشکارا امر ہے جسکے لیئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں!

(ب) اجرام سماوی سے قطع نظر کرکے پھر اگر تمام عالم حیات کی طرف نظر دوڑائی جائے تو فطرت کا طالب العلم لامحالہ اس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ ماہیتِ حیات کا راز سب روئے زمین پر ایک ہے۔ اسکا کیف و حال سب مخلوق میں[٩] اصلاً ایک ہے، اسکے لازمات اور ماجریات، تاثرات اور محسوسات ایک ہیں۔ پانی اُسکا وہ مشترک اور عالم آرا قوام ہے جسکے بغیر اس کا قائم رہنا محال ہے۔ ارتقائے حیات کے مختلف منازل میں یہی وہ شئے ہے جو ہر حال میں موجود ہے۔ اس بنا پر **حیات کی روئے زمین پر وحدت** بھی ایک بدیہی امر ہے!

---

[٩] اس حیرت انگیز حقیقت کو سرزمین ہند کے مشہور طبعی فلسفی (جگدیش چندر بوس) نے حال (سنہ ١٣٣٦ھ سنہ ١٩١٨ء) ہی میں پایۂ ثبوت تک پونہچادیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹) (ج) مشاہدہ فلک نے ثابت کر دیا ہے کہ ہیولائے فضائی "سب کا سب ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں، بعض مجامع النجوم کے گرداگرد، فضائے اثیری میں پڑا چکر لگا رہا ہے۔ اس بنا پر تخلیق عالم کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ روز بروز نئے کُرے وجود میں آ رہے ہیں، یا پُرانے نسیًا منسیًا ہو کر ہیولائے فلک بن رہے ہیں۔ الغرض یہ سب تعمیر و شکست ایک بے پایان سلسلہ ہے جس کا، کوتاہ نظر انسان کے محدود علم کے رو سے اٹل نتیجہ ایک ہی ہے؛ اور وہ یہ کہ تمام کائناتِ فطرت ایک ہی، اسکی علۃ العلل ایک ہے، صورتِ اتحاد ایک ہی نسخہ حیات ایک ہی، رازِ ممات ایک ہی، نظم و نسق اور مطلع بے مثال ایک ہے"!

وحدتِ کائنات کا یہ ہوش رُبا انکشاف مغرب کے حکمائے عظام کو آج اِس جانگزا تلاش اور قرنوں کے پیہم مشاہدے کے بعد حاصل ہوا ہے جسکی مثال سطحِ زمین کا کوئی گذشتہ قرن حتماً پیش نہیں کر سکتا۔ مگر اسی عالم آرا اور حقیقت کشا توحید کا اعلان تیرہ سو برس پہلے اِس پہنائے زمین پر ریگستانِ عرب کے اُمّی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس شدّ و مد سے ہوا کہ دنیا اُس نتیجہ خیز یقین کی مثال پھر پیدا نہ کر سکے گی۔ آج اس توحید کے رسمی نام لیوا اگرچہ اُسی خدائے واحد کے اٹل قانون کے مطابق مٹ رہے ہیں۔ مگر خدا کا نوشتہ اٹل ہی، اور یورپ کا تثلیث سے بیزار، اور قرآن سے ناآشنا طبعی فلسفی تحسین و آفرین کہتے ہوئے نہ جانے کیا کیا معنی خیز سوال کر رہا ہے! سورۂ انبیاء میں ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۲۱: ۳۰)

اے پیغمبر! کیا قانونِ خدا اور خدا کے منکروں نے، انکار کرتے وقت، اس عظیم الشان حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں کے لاانتہا کُرے بشمولیت زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، باہم ملے ہوئے تھے (كَانَتَا رَتْقًا)، اُن کے مواد کا باہمی انضمام اور اتصال تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کا ہیولا ایک تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم ہی نے اُس ہیولائے فضائی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اِس حیرت انگیز سلیقے اور ترتیب اس محیر العقول نظم و نسق کے ساتھ آسمان اور زمین کو بنایا (فَفَتَقْنَاهُمَا)۔ اور تمام عالم کے سب بالا و پست میں وحدتِ کائنات اور وحدتِ خدا کی یقینی اور ناقابلِ انکار، زندہ اور لازوال شہادت قائم کر دی! اور یہی نہیں بلکہ ہم ہی نے ہر ذی حیات شئے کی حیات کا قوام پانی سی عام اور مشترک شئے سے کر کے، تمام عالم کو وحدتِ حیات اور وحدتِ خلّاق کا بدیہی ثبوت دے دیا! تو کیا اب بھی یہ لوگ اُس خدائے عظیم کی وحدت، اُسکی لامثالیت، اُسکی لاشریک حکومت، اُس کے عالم آرا تسلّط، اُس کی عظیم کاری اور نظم پسندی پر ایمان نہیں لاتے؟

کیا آج سے تیرہ سو چالیس برس پہلے، جب کہ زمینِ خدا کے طول و عرض میں مغرب کی موجودہ علمی تحقیق کا نام و نشان تک نہ تھا، جب جہل و وہم کی گھٹاٹوپ ظلمت سب طرف یکسر چھائی ہوئی تھی، پہنائے بر و بحر کی سب سے جاہل، سب سے بے علم، مغلوب الوہم اور بے ہنر قوم کا ایک اَن پڑھ، یتیم، اور مظلوم بشر اپنے زورِ مشاہدہ سے، اپنے خداداد علم؛ اور قلبِ سلیم کے باعث سب دوربینوں اور خوردبینوں سے بے نیاز ہو کر ملکوتِ زمین و آسمان کا وہ یکتا اور فرید الدہر عالم نہ بن گیا تھا جس کا اندازہ آج لگاتے ہوئے ہوش پاش پاش ہو جاتے ہیں! اور کیا وہ اِن آیاتِ خدا کے قلب پر نازل ہوتے وقت اُس صاحبِ کبریا و جبروت سے، جو اِس کائناتِ جہان کا باعثِ اوّل ہے، دو گز بلکہ اس سے بھی قریب تر بیٹھا ہوا گردوں کے اُفقِ اعلیٰ کا تماشہ بچشم خود نہ دیکھ رہا تھا؟ سورۂ نجم میں اللہ العالمین کی طرف سے اِس یتیم بچے کو یہی سند ملی ہے جس کی شہادت آج نہیں تو کل اِس حیرت انگیز انکشاف کے بعد مغرب کا ایک ایک حکیم بے اختیار دیگا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ (۵۳: ۱-۱۲)

مرتقی، متمکن، اور صحیح معنوں میں زور آور ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج وہ عظیم الجثہ افیال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰) اے صحنک زمین کے بے خبر بسنے والو! اور اے عظمت خدا کے ناقدر دان بندو! بام آسمان کا وہ بلندیوں پر تو ضیح
والا ستارہ جو شکست کے آخری مرحلوں سے گذر کر تم سے بدرجہا زیادہ قانون فنا و بقا سے باخبر ہو گیا ہے، اس بات کا شاہد ہے
(وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى) کہ تمہارا رفیق محمدؐ نہ تو غلط چل رہا ہے، اور نہ کچھ بہک گیا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے جو جو حقائق عالیہ تمہارے
سامنے بول رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بولتا، بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشاف ہیں جو اس پر کیے جاتے
ہیں، وہ خدائی آواز ہے جو اوج آسمان سے بول رہی ہے۔ اسکو یہ سب علمی اور حکمی معارف شدید القویٰ اور غالب الامر خدا نے
خود سکھائے ہیں! اسی علم کے زور اثر سے وہ آج، اوج کمال پر پونہچکر، افق اعلیٰ پر متمکن ہے (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى) فلک
الافلاک کی بلندیوں پر جم کر بیٹھا (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى) ملکوت خدا کا تماشا کر رہا ہے! نہیں، بلکہ وہ اس سے بھی بلند تر
ہو کر آستانۂ ازل تک کے عرش تک پونہچ گیا ہے (ثُمَّ دَنَا)، اور اس آستانۂ کبریا و علم پر جبین نیاز گھسے گھسے (فَتَدَلّٰى) بقدر دو کمان
بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے! پھر جب وہ علم اور عجز، مشاہدہ اور ارادت، استعداد اور نیاز، ذوق اور شوق کے اس
مقام منیع تک پونہچ چکا، تب کہیں اس ایزد بیمثال نے اپنے بندے کو وہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے! (فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ
مَا أَوْحٰى) بے خبرو، اور ناحقیقت شناس لوگو! ذہن اور قلب سلیم (فُؤَادُ) نے جو حقیقت حال دیکھی اس میں محمدؐ کو کچھ دھوکا
نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن حکیم کے ان برحق نتائج کے متعلق جنکی حقیقت اُسنے بچشم خود دیکھی ہے، اُس سے جھگڑا کرتے ہو (أَفَتُمٰرُوْنَهٗ
عَلٰى مَا يَرٰى)۔

کیا اس سے بہتر اور قائم تر معراج علم و کمال آج تک کسی بڑے سے بڑے یورپی فلسفی، بڑے سے بڑے حکیم، بڑے سے بڑے طبعی کو حتمًا
حاصل ہوا ہے؟ کیا جہل و وہم، ظن و گمان کے عالم آرا ماحول میں اتنی وسیع نظری، ایسی صاف بینی، اسقدر بلند نگہی، ایسے حقیقت کشائی کا حاصل
ہو جانا، العیاذ باللہ، کسی دہوکہ باز بے علم، نفس پرست اور جاہ طلب آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا آیۂ رتق (۲۱ : ۳۰) آیۂ مستودع (۶ : ۹۹) آیۂ
نبات (۷۱ : ۱۷)، آیۂ سافلین (۹۵ : ۵) وغیرہ وغیرہ کا مضمون آج سے صدیوں پیشتر اُس سید کائنات، اُس حقیقت شناس اور خدا شناس
اُس خیر الوریٰ اور اعلم الناس بشر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی اور مدعی علم کسی دوسرے معلم حکمت، کسی ارسطا طالیس، یا افلاطون
زماں کے مُنہ سے نکلا؟ کیا وہ مغرب کا سب سے بڑا "معلم الحکما" ارسطو (المتوفی ۳۲۱ سنہ قبل مسیح) جس کی حکمت اور پیش بینی پر آج یورپ بھی اپنی
ہٹ دھرمی اور تعصّب کے باعث اِسقدر نازاں ہے، اور جسکی علم فطرت کے متعلق ہولناک غلطیوں کی عجیب و غریب تاویلیں پیش کر کے اُس کے
جہل پر پردہ ڈالنے کی سعی کر رہا ہے، فیثاغورس (المتوفی ۵۰۰ سنہ قبل مسیح) کے دو سو برس پیشتر کے صحیح دعاوی کے باوجود، زمین کو مرکز عالم قرار
دینے، اُسکو ساکن اور شمس و قمر کو اُسکے گرد متحرک بتانے، اور بہنائے آسمان کو خالی فرض کر کے نجوم کو آسمان کے بلوری کروں میں نصب کیا ہوا
یقین کرنے میں وہ مہلک غلطی، وہ المناک نادانی، وہ مضحکہ انگیز سوفیانہ کلام نہیں کر رہا تھا جسکے زیر اثر دنیا، کاپرنیکی نظام (سنہ ۹۳۶ھ سنہ ۱۵۳۰ عیسوی)
کے شائع ہونے تک، کامل اٹھارہ سو برس تک پڑی بھٹکتی رہی؟ اور کیا وہ پھر اُس فخر موجودات، اُس حکیم عرب، اُس مکی اور مدنی
معلّم الناس اور متعلّم خدا کا لایا ہوا معجز نما کلام نہ تھا جسنے کاپرنیکس (المتوفی سنہ ۹۴۹ھ سنہ ۱۵۴۳ء) کے موجودہ مسلّم نظام سے کامل نو سو برس پیشتر
نا اہل مسلمان کی ناقدر دانی اور ناحق نا شناسی کے باوجود، زمین کو بلکہ بلا استثنا تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دے کر ارسطو کی شرارت انگیز
حکمت کا یکسر قلع قمع کر دیا تھا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ
لِأَجَلٍ مُّسَمًّى أَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۳۹ : ۵)

اور لحیم الجسد اژدہے جو قرون خالیہ میں روئے زمین پر اس کثرت سے آباد تھے متسلّط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) لوگو! اُس رب بیمثال نے ہی آسمان کے لاانتہا ستاروں (السّمٰوٰت) اور زمین کے عظیم الشان کُرے کو پیدا کیا، اور اب روز روشن ان اجرام سماوی کی حیرت انگیز ترتیب اور وقت طلوع و غروب کی تعیین سے رات کی ظلمت آرا چادر کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ دن کے نورانی حجاب کو رات کے سیاہ جسم پر اوڑھ دیتا ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سورج اور چاند جیسے عظیم و جلیل کُروں کو اُسنے اپنی مرضی کے تابع، اپنے حکم کا محکوم، اور اپنے اشارے پر مجبور کر رکھا ہے (سَخَّرَ)۔ یہ سب آسمانی کُرے، یہ شمس و قمر، یہ سماوات، اور زمین سب کے سب (کُلٌّ) ایک وقت مقرر تک حرکت کر رہے ہیں (یَجْرِیْ) اور منشائے ایزدی کو پورا کر رہے ہیں۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے ہمتا بڑا غالب القوی (اَلْعَزِیْزُ) اور بڑا پردہ پوش (اَلْغَفَّارُ) ہے۔

کیا پھر دشمن کی حُجت کو یکسر توڑنے اور اسلام کے عالم آرا فلسفے کو ارسطاطالیسی نظام سے بدرجہا بلند اور حقیق تر جتلانے کے لیئے اُس نے اِسی یَجْرِیْ کے قدرے مشکوک لفظ کی ناقابل انکار تشریح، آیۂ رتق (۲۱: ۳۰) کے مَابعد کرکے یہ دعوے نہ کیا تھا کہ "سَمٰوٰت" اور زمین، اور شمس اور قمر سب کے سب بلا استثنا اپنے اپنے "فلک" اور اپنے اپنے مدار میں پڑے چل رہے ہیں، اور "السَّمَآء" سے مراد ("السَّمٰوٰت" اور "فلک" کے قرآنی مفہوم سے قطع نظر) وہ 'محفوظ' اور ناقابل درک، وہ نادست رسیدہ اور ناانظر یافتہ 'چھت' ہے جسکے نیچے یہ سب ہنگامہ کائنات ہو رہا ہے، اور جسکے محفوظ ہونے کا آج تمام یورپ قائل ہو چکا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (۲۱: ۳۰-۳۳)

اے پیغمبر! کیا منکرین خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لاانتہا کُرے (السَّمٰوٰت) اور زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ملے ہوئے تھے (کَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم نے ان دونوں کو آپس سے الگ الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیا کا قوام پانی بنا دیا۔ تو کیا یہ لوگ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے کہ زمین (اپنی حرکت میں) انکو لیکر ایک طرف کو نہ جُھک جائے (اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ)، اور اسکا مرکز ثقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اُس میں بنا دیں کہ لوگ راہ پا سکیں۔ اور آسمان (السَّمَآء) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست "چھت" بنا دیا، اسکے ہر حصے کو انسان یا دیگر مخلوق کے دست تصرف سے ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر دیا (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا)؛ خدا کی اس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں۔ اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا، اور شمس و قمر کے عظیم الشان کُروں کو پیدا کیا۔ یہ سب کُرے، یہ شمس و قمر، یہ سموات اور زمین، یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں!

کیا جبالِ زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جرِّ ثقیل کے اُس اصولی ضابطے، اور علم التجمیعات (انٹیگرل کلکولس) کے اُس اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اُترتی، جسکے رُو سے کسی دوّار جسم کے مرکز ثقل کا محور پر واقع ہونا، اُسکی یکساں اور ہموار حرکت کے لیئے لابدی ہے، اور جسکے بدون اُس محور کا، اُس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے کیا "اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ" کے بعد "کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ" کا دعوے خود اس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطاطالیسی نظام ایک لغو نظام تھا، جسکی تقلید ساکنانِ زمین نے صدیوں تک غلط اُصول پر کی! اور جب ہر جرم فلکی کا ایک علیٰحدہ مدار (فلک) ہے تو لامحالہ زمین بھی اپنے مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے

ہو جاتے اور حضرت انسان کے لئے گز بھر جگہ میسّر نہ ہوتی۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی اور کنجشک

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) چل رہی ہے! نہیں کیا خود کا پرنیکی نظام کے اندر، جس کے اہم حصوں کو آج یورپ نے پایۂ ثبوت تک پہنچا کر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرا اہمہ تن اپنے سر پر رکھا ہے، اور جسکی بعض شقوں پر نادیدہ ایمان بلا حیل و حجت قریبًا تین سو برس تک قائم رہا، کیا خود اس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ شرمناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری نہ رہی جس کو ہرشل (المتوفی ۱۲۳۳ھ ۱۸۲۲ء) نے، مدۃ العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۳ء میں ان معرکۃ الآرا الفاظ میں درست کیا:۔

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک دور و دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام "الجاثی علیٰ رُکبتَیہٖ" (ہرکولیس) ہے۔"

آہ! کیا پھر اسی عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمد (صلعم) کے لائے ہوئے **قرآن عظیم** نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) انہی شاندار اور شرمندہ کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دُہرانے پر قرآن سے بیخبر اور محمد (صلعم) سے ناآشنا ہرشل قطعًا مجبور ہو گیا تھا!

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۳۶ : ۳۸)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ (۳۶ : ۳۹ - ۴۰)

اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے! لوگو! اُس قاہر القویٰ اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلۂ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے اِدہر اُدہر ہٹنے کی اُس بیچارے میں کچھ طاقت نہیں۔)

اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس انداز سے کہ اُس کا روشن حصہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہجاتا ہے جیسے کھجور کی پُرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔ نہ تو سورج بیچارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کرے۔ اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جسکا ذکر (۳۶ : ۳۳) میں ہوا) اپنے اپنے فلک، اور آسمان میں پڑے تیر رہے ہیں!

ہاں! لیکن اُس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل، جسکے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گُنا بڑا کُرہ محض بیچارہ ہے، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں مسابقت کرتا!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق کے تیسرے حصے (ج) کے متعلق بھی قرآن میں وہ فیصلہ کن شہادت موجود ہے جس سے خدائے عظیم کے متعلق تعطل کا نظریہ، (جس کا فلسفہ داں ابن باجّہ اسقدر قائل تھا)، محض ساقط ہو جاتا ہے۔ "خَلَقَ" کا لفظ قرآن کریم میں ہر قسم کی مخلوق کی پیدائش کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ خود اسی تحت المتن میں یہ اصطلاح اِنْسَان (۹۵ : ۴) صفحہ ۱۳، (۳۷ : ۱۱) صفحہ ۱۵، (۵۵ : ۱۴) صفحہ ۱۵، (۷۱ : ۱۴) صفحہ ۱۷، (۳۲ : ۷) صفحہ ۱۴)، السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۳۲ : ۴) صفحہ ۱۴، (۴۰ : ۵۷) صفحہ ۱۵، (۳۹ : ۵) صفحہ ۲۱)، لَیْلَ وَنَهَارَ، شَمْسَ وَقَمَرَ (۲۱ : ۳۳) صفحہ ۲۲) بلکہ آیہ (۲۰ : ۵۰) صفحہ ۱۱ میں بلا تخصیص ہر شئے کی پیدائش کے بارے میں مستعمل ہوئی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے خدا کے ابداء و اعادۂ خلق کے متعلق وہ تمام دعاوی جو قرآن میں جابجا موجود ہیں، کسی ایک قسم کی مخلوق، (مثلاً انسان یا حیوانات یا نباتات) تک ہی محدود نہیں ہو سکتے، بلکہ اُن سے مراد ہر قسم کی مخلوق کا بار بار پیدا کرنا ہے۔ اور جس میں لامحالہ نئے سمٰوات، نئے ستاروں اور نئے کُروں کی پیدائش شامل ہے۔ یہاں پر ایک دو موقعے قابل ذکر ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے:

سے لیکر انسان تک جو جو نسلیں اِس وقت تک قائم ہیں اُن میں صلاحیت عمل کم و بیش باقی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (۱۰: ۳۴)

اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہو کہ کیا تمہارے شریکوں اور ٹھیرائے ہوئے خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرے اور پھر بار بار نئی مخلوق پیدا کرتا رہے؟ ان کو کہو کہ خدا ہی مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے تو تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو!

سورۂ عنکبوت میں یہی اشارہ ذرا واضح تر ہے۔ کیونکہ اعادۂ خلق کے عینی مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے اگرچہ اِس 'خلق' سے مراد مخلوق زمین ہی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۲۹: ۱۹-۲۰)

کیا منکرین خدا نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا مخلوق کو کس طرح نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے بیشک نہیں کہ یہ سب کام (یعنی ابدا اور اعادہ) خدا پر بیحد آسان ہے۔ ان کو کہو کہ جاؤ زمین کے طول و عرض میں جاکر تماشا کرو کہ خدا نے مخلوق کی ابتدا کیونکر کر دی ہے۔ پھر وہی خدا اِن سب کو نیست کر کے ایک دوسری پیدائش کی ابتدا (يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ) کرے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے! (آیہ (۲۹: ۱۹) اِس دنیا میں مخلوق کے اعادے کے متعلق ہے اور (۲۹: ۲۰) آخرۃ کے اعادے کے متعلق ہے)

سورۂ روم میں اعادۂ خلق کے ساتھ ساتھ سمٰوات اور زمین دونوں کا ذکر کر کے نوع مخلوق کو اور بھی عام کر دیا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۳۰: ۲۷)

لوگو! وہی رب قدیر تو ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اُسکے لیے بیحد آسان ہے! اور آسمانوں اور زمین میں اُسکی اِس عظیم الشان طاقت کی دھاک بندھی ہوئی ہے، اور وہ خدا بڑا غالب القویٰ اور صاحب حکمت خدا ہے جو ایسا کر سکتا ہے!

آسمانوں میں قوت کی دھاک تبھی بیٹھ سکتی ہے جب اُن میں بھی تخلیق کا سلسلہ اُسی طرح جاری ہو جیسے یہاں پر ہے۔ لیکن ان شہادتوں سے قطع نظر جن کے مطالب میں مفسرین نے تاویل کی بہت کچھ گنجایش اختیار کر کے اُن کو متشابہ المعانی بنا دیا ہے، اور جن کے صحیح اور مربوط معانی اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئینگے، اور شہادتیں بھی ہیں جنسے لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا خلاق عظیم اُن کی پیدائش کے بعد بھی نئے نئے مہمات امور میں مصروف ہے، اور روز بروز نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ○ (۵۵: ۲۹)

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے، اُسیکا محتاج اور سوالی ہے۔ وہ بے کار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یوم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'کام' بھی نہایت عظیم الشان ہونا چاہیئے۔ خدا کے بیکار نہ رہنے کے متعلق سورۂ قٓ میں بھی ایک پر معنی اشارہ ہے جس سے نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ خدا ہر دم نئی تخلیق میں مصروف ہے اور تعطّل کا دعوےٰ محض باطل ہے:

ہے۔ اگر افریقیہ کا قوی الجسم ہاتھی رفتہ رفتہ کشمکش حیات سے شکست کھا کر معدوم ہو چکا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰: ۳۸)

اور لوگو! بالتحقیق ہم ہی نے آسمانوں اور زمین کے اس حیرت انگیز کارخانے کو، اور جو عظیم الشان کُرے اور زندہ مخلوق ان کے درمیان ہے اُسکو چھ بڑے مدید الوقت دنوں میں پیدا کیا، اور باوجودیکہ کام اِسقدر تھا کہ اسکو دیکھکر عقل ششدر ہے اور مدّت یہ دراز تھی کہ تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی، لیکن ہماری یہ حالت ہو کہ تھکاوٹ نے ہم کو چھوا تک نہیں، اور ہم برابر اُسی طرح نئے کاموں میں مشغول ہیں۔

نوعیتِ خلق کے متعلق سورۂ نحل میں ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۶: ۸) "اور وہ خدائے عظیم اُن اشیا کو بھی پیدا کر رہا ہے جن کا تم کو سِرے سے علم ہی نہیں" جس سے کنایہ بظاہر اُس مخلوق سمٰوٰت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا علم حاصل کرنا کوتاہ بین انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بہرنوع یہ تمام اشارات اِس امر کی مجموعی شہادت ہیں کہ زمین و آسمان کا ربّ لم یزل تخلیق کائنات کے بعد "تدبیرِ امر" میں ہی مصروف نہیں جس کا ذکر آیۂ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲: ۵) صفحہ ۱۴ میں آچکا ہے بلکہ ہر قسم کی تخلیق کے نئے مہماتِ امور میں مشغول ہے اور جن میں نئے آسمانی کُروں کی پیدائش بھی شامل ہے۔ یہی مذہب آج یورپ کے طبعی حکما کا ہے، اور اُس لایزال و لم یزل خدا کے شایانِ شان بھی یہی ہے کہ ہر لحظہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے جو لوگ اسکو آجکل کے کسی عیش پرست حکمران کی مانند سریرِ حکومت پر معطّل اور مسند آرا سمجھتے ہیں، اُنکی شناسائی اُس احکم الحاکمین سے بہت کم ہے، اور **معرفت** کی پہلی بلکہ آخری منزل یہی ہے کہ اعمال خدا کا صحیح اور برای العین علم ہو، اسکی عظمت اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو، اُس کے معمول سے پوری واقفیت، اور عادات کی کماحقّہٗ شناخت ہو۔ مگر یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے جسکا یہاں پر چھیڑنا ضروری نہیں

مختصر الفاظ میں ڈارون کے مسئلہ ارتقا کا دعوےٰ یہ ہے جسکی شرح و بسط اوپر ہوئی۔ جو قرآنی شہادتیں اِس مسئلے کی تائید میں پیش ہوئیں، اُنکی بحث دراصل "علم القرآن" کے متعلق ہے، جو اِس کتاب کا اخیر ترین حصہ ہے۔ اُن کا یہاں پر لکھ دینا کم از کم ایک ایسی کتاب کے لیے جسکا منتہا علم و یقین کی طرف بالدلیل اور بتدریج رہنمائی کرنا، اور فرض و اعتقاد کے عنصر کو بیدخل کر کے قرآن کو سب انسانی علم سے بالاتر اور عالم آرا حقیقت **ثابت** کر دینا ہو، بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ ہم نے اِس تصنیف کے ابتدائی اوراق میں اِن مباحث عالیہ کو محض اسلیئے جاری کیا ہے کہ کلام الٰہی کے اُن متلاشیوں پر جو اسکی ہر آیت میں ایک مستقل حقیقت کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں، مسئلہ ارتقا کی اہمیّت (جو فی الحقیقت انسانی علم کا معراج ہے) ایک حد تک واضح ہو جائے، اور ساتھ ہی اُن علمائے علم فطرت کے ذہنوں میں جو قرآن کو لاشئے سمجھکر اُس سے بیزار ہو گئے ہیں، اِس عجیب غریب کتاب کی دقتِ مطالب اور عمقِ نظر کا اندازہ ابتدا سے ہو جائے۔ وہ آیندہ اوراق میں بچشم خود دیکھیں کہ قرآن کسقدر اِس عظیم الشان مسئلے کا مؤید ہے، اسکا دستور العمل کہانتک اِس حقیقت کبریٰ کے عین مطابق ہے۔ اُس کا تمام لائحہ عمل کیونکر "حفظِ نفس" کے منتہائے وحید کی طرف جا رہا ہے، کس انتہائی شدت سے "اجتماعی سلامتی" کے درپے، اور "انفرادی سعی و عمل" کا مؤید ہے۔ نہیں بلکہ جوں جوں اُنکا علم قرآن کے حقائق عالیہ کے متعلق وسیع ہوتا جائے، وہ آجکل کے رسمی اور لفظی اسلام کو نظر انداز کر کے اُس یقین انگیز اسلام کی ماہیّت کی طرف متوجہ ہوں جس نے ایک عالم کے اعمال اور اخلاق میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا جس نے افراد کے دلوں میں وہ ہیجانِ عمل، وہ سلیقۂ نظم و نسق، وہ اتحاد اور ارتباط جاری کر دیا تھا جو ابتدائے آفرینش سے آجتک ہر زندہ اور مرتقی قوم کا خاصّہ وہ اِس حیرت انگیز کتاب الٰہی میں بطور خود وہ عظیم الشان اصول فنا و بقا دیکھیں جن کا اجرا روز اوّل سے صفحہ زمین پر ہو رہا ہے جن کی تاریخ بزبانِ حال شاہد ہے، جن سے قومیں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں یا تحت الثریٰ میں گر کر ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر سے یہ تحت المتن جسکی طوالت کا اندازہ مصنف نے کتاب کی تحریر کے وقت نہیں کیا تھا اور جو بعد میں فرمایش پر کہا گیا، محض ایک ابتدائی تحریر ہے جس کا محولہ بالا اوراق کے نفس موضوع سے تعلق ابھی عیاں نہیں ہو سکتا، اور نہ مسئلہ ارتقا کو صحیح فرض کر کے قرآن کی صحت کو ثابت کرنا ہمارا پیش نہاد ہے۔

یا امریکہ کا ہندوئے احمر منقطع النّسل ہونے کو ہے تو مسئلہ ارتقا کے رُو سے اُن کی مدافعانہ جدّوجہد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵) کتاب کے متن کا سلسلہ استدلال بجائے خود ایک مستقل شئے ہے جسمیں اِس تحریر کو چنداں دخل نہیں البتہ اگر کتاب خدا کا علم، اِن مباحث کے ضمن میں مسئلہ ارتقا کو اپنی آغوش میں لیکر اپنے آپ کو یورپ کے اُس علم سے بدرجہا وسیع تر ثابت کردے جس کے باعث وہ آج اوجِ کمال پر چڑھ گیا ہے تو منکرین کیلئے یہ معجزۂ خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی روشن اور ناقابل انکار دلیل ہے!

مسئلہ ارتقا کی بحث آیۂ استخلاف کے الفاظ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے شروع ہوئی تھی "عمل صالح" کی مکمل اور ناقابل انکار تشریح کردینا فی الحقیقت قرآن کے تمام دستور العمل کو از سرِ نو آشکارا کرنا ہے۔ اور یہ صلاحیت عمل ہی مسئلہ انتخاب طبیعی کی وہ مضبوط اساس ہے جس پر اقوام کے بقا و استخلاف کا سب دارومدار ہے۔ پس آج اِس علم و شہادت کے زمانے میں قرآن کریم کا طبعی تعلق اِس مسئلے سے ہے، اگرچہ حکمائے مغرب کو اِس کا علم نزول قرآن کے صدیوں بعد حاصل ہوا ہو۔ یا "صالحات" کے عظیم الشان لفظ کے معانی قرنوں تک بگڑتے بگڑتے نہایت محدود، یا قطعاً محجوب ہوگئے ہوں، اور اپنا اصلی اثر کلیۃً کھو چکے ہوں! یہ حقیقت اور بھی واضح تر اس وقت ہوجاتی ہے جب کلام الٰہی کا طالب العلم کامل غور و تعمق کے بعد لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ قرآن کریم درحقیقت اقوام عالم کے فنا و بقا کے اسباب کی مکمل داستان ہے جو شارع کائنات نے تذکیر و اعتبار کے لیئے انسان کے حوالے کردی ہے، اور جسکے لائحہ عمل کو نباہنا در اصل اِس روئے زمین پر اپنی مدت قیام کو دراز کرنا ہے۔ سورۂ ملک میں مالک زمین و آسمان نے اِس حقیقت کو بوضاحت تمام بیان کرکے موت و حیات کے سوال کو خاتمے کردیا ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (۶۷ : ۲)

لوگو! وہ وُہ مالک الملک اور صاحبِ اختیار خدا ہے جس نے اجتماعی موت و حیات کے قانون کو رائج کردیا ہے تاکہ اِس بات کی آزمایش کرے کہ تم میں سے کونسی قومیں حُسن عمل کرتی ہیں؛ جبتک صالح ہیں اُن کو بقا نصیب کرے؛ جب غیر صالح بن جائیں اُن کو صفحۂ زمین سے یکسر محو کردے! اور لوگو! یاد رکھو کہ وہ شارع کائنات بڑا زبردست اور بڑا شدید العقاب (الْعَزِيْزُ) ہے، اور تائب اقوام کے اجتماعی عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا بھی ہے (الْغَفُوْرُ)۔

آج اِس مسئلہ ارتقا کی تائید و تثبیت انسانی علم و یقین کے قریب قریب ہر شعبے نے اِس حیرت انگیز طریقے پر کی ہے کہ مغرب کے لیئے اسکا منکر ہوجانا قطعاً غیر ممکن ہوگیا ہے۔ سطح زمین کے موالید ثلاثہ کی کامل تدوین و تنظیم نے اِس حقیقت کو اور بھی آشکارا کردیا ہے۔ طبقات الارض کی تمام داستان من و عن اسکی مؤید ہے؛ عالم افلاک کے پیہم مشاہدے اِسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں؛ روئے زمین کے طبعی انقلابات یہی کہہ رہے ہیں؛ اجناس حیوانات کی داستان حیات یہی سبق دے رہی ہے؛ اطلال دیار کی روئداد یہی ہے؛ احوال جہان کی سرگذشت بھی اسی قطع کی ہے؛ جنین اور میں تخلیق انسان کا تدرّج یہی ثابت کررہا ہے؛ طبعیات، ریاضیات، کیمیا، تشریح الابدان غیرہ وغیرہ اکثر یقینی علوم اسکی مساعدت میں ہیں۔ خود انسان کی مائل بہ حیوانیت فطرت زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ انسان کسی ادنٰی مخلوق کا ملخص اور کثیر ہو کر سلسلۂ خوبی ہے۔ عام تخیل کہ بندر ارتقا کرتے کرتے انسان بن گیا جہلا کی نامنصفانہ تشریح ہے، اسکو اِس مسئلہ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود بندر کو انسان سے بظاہر ہے۔ تاہم اِسمیں شک نہیں کہ اِس مسئلے کے نفس دعوے میں بھی وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہا۔ روئے زمین پر تدریجی انقلاب کا اعتراف (شق اول) انسان کو غالباً اُسوقت سے ہے جسکی صحیح تعیین بہت مشکل ہے۔ قدیم ہندو فلسفہ تکوین عالم کے متعلق عجیب و غریب دعاوی پیش کرتا ہے جن کی مماثلت موجودہ مسئلے سے ایک خفیف سی ہے۔ یونانی حکمانے قدامت مادّہ کے نظریّے کی ترویج کی۔ مگر کوئی خاص مسئلہ مدوّن نہ کیا اسلامی حکمانے پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں شقوں کے متعلق مستقل دعاوی مرتّب کیئے۔ مگر باقی تمام شقوں کی تدوین اور تحقیق (بلکہ ایک رو سے تمام مسئلے کی تصدیق)، ہمہ تن علم جدید کا کارنمایاں ہے۔ مسئلہ انتخاب طبیعی (یعنی چوتھی اور ساتویں شق)، کا دعوے اول اول سنہ ۱۲۲۸ھ سنہ ۱۸۱۳ء اور بعد ازاں سنہ ۱۲۴۶ھ سنہ ۱۸۳۱ء میں یورپ کے دو غیر معروف طبعی فلسفہ دانوں نے کیا، مگر ڈاروِن اور وَلِیس نے سنہ ۱۲۷۴ھ سنہ ۱۸۵۸ء میں اسکو از سرِ نو

اور صلاحیت کا خاتمہ ہو گیا ہے![†]

(تتمہ بحت المتن صفحہ ۲۶) دریافت کر کے پایۂ تحقیق تک پہنچا دیا۔ اُس وقت سے آجتک اِس مسئلے کی روز افزوں شہادت برابر مل رہی ہے حتیٰ کہ آج اُسکو علم جدید کی بدیہیات میں شامل کر لینا مغربی حکما کے نزدیک کچھ قابل اعتراض نہیں۔ اصل کتاب میں اِسکے متعلق 'نظریہ' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱) مگر 'نظریہ' کا لقب فی الحقیقت اِس کے شایانِ شان نہیں، اگرچہ قرآن حکیم کی مستقل اور ناقابل بدل حقیقت کے بالمقابل اِس نامکمل اور غیر مستقل مسئلے کو یہی لقب دینا زیادہ موزوں ہے!

مسئلہ ارتقا کی محولۂ بالا چوتھی شق، یعنی مسئلہ انتخاب طبیعی (صفحہ ۱۳) کی صداقت پر جو ناگہاں حملہ حال ہی (یعنی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) میں جامعہ کیمبرج (انگلستان) کے دو نامعروف الاسم حکما ڈاکٹر وِلس اور ڈاکٹر یُول نے کیا ہے اِس قابل نہیں کہ اسکی باضابطہ تردید یا تشریح اِس کتاب میں کیجا سکے۔ ابھی تک کسی قابل ذکر علمی حلقے نے اِن حکما کے دعوے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا، اور چند اشتباہی اور مشترک النتائج دلائل کی بنا پر انتخاب طبیعی کے اصل اصول کو مشکوک قرار دینا بہت کچھ پیش از وقت بلکہ حتمًا ناروا ہے۔ اِن حضرات کا دعوےٰ ہے کہ انواع و اجناس حاضرہ کا روئے زمین پر تخلف 'بقائے اصلح' کے قاعدے کے ماتحت رہ کر نہیں ہوا، بلکہ ہر نوع بقدر اپنی قدامتِ ظہور اور مدتِ قیام کے روئے زمین پر توسیع و تمکن حاصل کرتی رہی حتیٰ کہ کسی ایک باقی یا فنا شدہ نوع کے رقبہ توسیع کا حال ضرب و تقسیم کے حسابی قاعدوں کے ذریعے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اِسی نقطۂ نظر سے اِن کے نزدیک ہر جنس کے تعدد انواع کی توسیع بھی روئے زمین پر ہوتی رہی۔ بہت ممکن ہے کہ صلاحیت اور قدامت کے اعداد و شمار کے درمیان کوئی اتفاقی تعلق ظاہر ہوا ہو جس کی وجہ سے حساب لگانے میں یک گونہ سہولت پیدا ہو گئی ہو، مگر ظاہر ہے کہ فطرت کا یہ کارگاہ عظیم انسان کے تسلیم کیئے ہوئے وضعی قاعدوں کی پابندی سے اصلاً بے نیاز ہے۔ جب کون و مکان کے ہر شعبہ بقا و حیات کی بنیاد سعی و عمل پر ہے تو سعی و عمل کا قیام ہی عین صلاحیت ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس صلاحیت کا وجود ہی عین قیام و بقا ہے! پس اِس مقامِ نظر سے مدت قیام کی درازی اور صلاحیت دو مترادف اشیا ہیں جن کی اصل ایک ہی ہے۔ یہی قرآن عظیم کا دعوےٰ ہے۔ اور یہی مسئلہ ارتقا کا اصل اصول۔ اگر قدامتِ ظہور اور تکثر و تمکن فی الارض میں کوئی ظاہری تعلق پیدا ہو گیا ہے تو وہ بھی اِسی باطنی ترادف کی وجہ سے ہے نہ اِس وجہ سے کہ قانون بقا و فنا کے متعلق کوئی نیا انکشاف ہوا ہے جس کا اعتراف پہلے لوگوں سے نہیں ہو سکا۔

† اترو ہوں اور اقبال کے متعلق اِس اجمال کی تفصیل کے لیئے علم طبقات الارض کی مفصلہ ذیل معلومات کا یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

قشر الارض، یعنی کرۂ زمین کے سطحی غلاف کی تفحص اور تلاش کرنے سے فطرت کے طالب العلم پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سطح زمین کا وہ حصہ جو انسان کے دست قدرت میں ہے، اور جہانتک اسکی کُدال کی زد پہونچ سکتی ہے، دو قسم کے احجار پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ جو نسبتًہ مختصر سا ہے اُن چٹانوں کا ہے جو وقتًا فوقتًا زمین کے بطن سے سیال حالت میں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے نکل کر سطح زمین پر جمتی گئیں، اور بعد ازاں اِس مُہمل مذاب کے عظیم الشان تودے بن گئے۔ یہ سب چٹانیں نہایت سخت ہیں، اِنکے زمین پر پھیلاؤ کی کوئی ترتیب نہیں، اِن کے اندر کسی قدیم حیوان کے بقیۂ آثار کا نشان تک نہیں۔ جہاں جہاں غلاف زمین کا کوئی کمزور حصہ ہے وہاں یہ چٹانیں اسکو پھاڑ کر نمودار ہو گئی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے اِن کی ترکیب میں کچھ کچھ کیمیاوی تغیر و تبدل ہوا ہے مگر ماہر فن کے لیئے اِن احجار منقلبہ کی شناخت کچھ مشکل نہیں، اور اگر کوئی شئے مشتبہ نظر آئے تو خوردبین اسکا یکدم فیصلہ کر دیتی ہے۔

دوسری قسم چٹانوں کی وہ ہے جو مطبق یعنی تہ در تہ ہے۔ ایک تہ نہایت سلیقے سے دوسری تہ کے اوپر جمی ہے۔ انکی سطحیں بھی قریب قریب ہموار ہیں۔ ہر ایک تہ کا رنگ اُس کے اِداتی اجزا، اُسکی ظاہری ساخت، اُسکی خوردبینی بافت اور کیمیاوی ترکیب دوسری تہ سے جُدا ہے، کوئی نرم ہے

قرآن حکیم نے اِس آیۂ کریمہ میں آفرینش کی بقاو فنا، اور اقوام کے عروج وزوال کا وہ مہتم بالشان کلّیہ بیان کردیا ہے جس کی صرف پہلی شق کی اصلیت کو یورپ کے طبعی فلسفی طبقات الارض کی مسلسل تفتیش و تفحّص کے بعد ابھی پہونچے ہیں۔ غیر ناطق حیوانات میں چونکہ ایمان کی انسانی طریق پر گنجائش نہیں اور عمل مقتضائے طبیعت ہے، اِس لیئے فطرت کے حال واحوال کا ان کی ضروریاتِ زندگی سے تطابق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷) کوئی سخت کسی کے اجزا نہایت باریک ذرات سے بنے ہیں، کسی میں چھوٹے چھوٹے ساحل آب کے گھسے ہوئے گول پتھر جُڑکر چٹان بن گئے ہیں، کسی کے سالمات اتنے نفیس ہیں کہ بمشکل تمام اُن کے اتصال کو شناخت کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سورۂ فاطر میں انہی حیرت انگیز اور جلیل الشان چٹانوں کیطرف اشارہ ہے جن کی حقیقت کشا سرگذشت کم بین اور کوتاہ نظر انسان نے ہزاروں برس تک سُننے سے انکار کیا، اور ابھی ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، کہ مغرب کے چند طبعی حکما اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر اُن سے ہمکلام ہوئے، اور اُن کی جگ بیتی داستان کو سُن کر ایک عالم کو محو کردیا! نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے ایک اہم حصّے پر عمل کرکے دنیا کو معرفت خدا کے فلک الافلاک پر پونہچا گئے!

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ (۳۵ : ۲۷)

اے ساکنانِ زمین! کیا تم نے اِس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا (اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ جو اسی آیۂ کریمہ کے شروع میں ہے) کہ پہاڑوں کے اندر عظیم الشان طبقے ہیں جن میں سے کوئی سفید ہے کوئی سُرخ، اُن کے رنگ جدا جدا ہیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو بھُجنگ کالے ہیں! تم جاؤ ان کو دیکھو کہ وہ کیا داستان سُنا رہے ہیں، سفید کیا انکشاف کررہے ہیں، سُرخ کیا کہہ رہے ہیں، خدا کی عظمت اور معرفت کا کیا گراں بہا سبق دے رہے ہیں، کالے کیا بے بہا نعمتیں بخش رہے ہیں!)

اِن طبقوں کی متوازی حدیں، انکی ہموار سطحیں، انکی ظاہری ساخت اور خوردبینی بافت، اِن کے مختلف اور متقابل رنگ، لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچا دیتے ہیں کہ یہ سب احجار پانی کی تہ میں اور سمندروں کی وساطت سے بنے۔ سطحِ زمین کے مختلف نالوں اور دریاؤں کے مکدر اور ذرّات آمیز پانی جھیلوں اور سمندروں کے پانی میں ملکر ساکن ہوگئے۔ وہاں پر آہستہ آہستہ انکی تلچھٹیں (رسوبات) تہوں پر بیٹھتی گئیں اور مرور وقت کے باعث ہزارہا گز موٹی تہیں بن گئیں۔ ایک تہ کے اوپر سطح زمین کے تبدیل احوال کے باعث، دوسرے رنگ، ساخت، اور قماش کی تہ بیٹھی۔ تبدیلیٔ موسم، طوفان باد وخاک اور حرکت انہار کے تخریبی اثرات (تعریۂ جوّی)، شبنم اور طبیعی میاہ، باران و یخ بستہ کے کیمیادی اور اِرادی اعمال (تعریۂ مطری) اور تصادم امواج مدوجزر بحر کی زمینی شکست وریخت (تعریۂ بحری) نے اِن طبقات کی تدریجی تعمیر میں مستقل حصّہ لیا۔ پھر ان کے اوپر کا پانی زلازل زمین یا اور مقامی انقلابات کے باعث رفتہ رفتہ خشک ہوگیا، اور یہ طبقے سطح زمین پر نمودار ہوگئے۔ بعد ازاں اوپر کے طبقوں کے کروڑوں من بوجھ اور زمین کی اندرونی حرارت نے قرنوں کے بعد ان رسوبات کو پتھر کی مانند سخت کردیا، اور وہ مختلف چٹانیں بن گئیں۔ آج بھی ہر سمندر، جھیل، بلکہ معمولی تالاب کی تہوں میں یہ رسوبی طبقات روز بروز بن رہے ہیں، اور ہر صاحب نظر کو ارضی تعمیر و شکست کا سبق دے رہے ہیں!

لیکن جو حیرت انگیز امتیاز ان آبی اور ترسیبی احجار میں نمایاں ہے وہ ان کا حیوانی ہڈیوں اور ڈھانچوں، اُن کے قدموں کے نشانوں، اور نباتی پتّوں اور تنوں کے بقیّہ آثار (رکازات) سے معمور ہونا ہے۔ سطح زمین سے کئی کئی ہزار گز، بلکہ بعض اوقات چار چار میل نیچے تک یہ ہڈیاں کیمیاوی طور پر تبدیل شدہ حالت میں ملتی ہیں۔ بلند ترین طبقوں میں مرے ہوئے حیوانوں کے سالم ڈھانچے ترکیبی اجزا کے معمولی ردّوبدل کے بعد پائے جاتے ہیں۔ اُن کی شکلیں بالکل محفوظ ہیں لیکن اجزا متحجّر یا متحدّد بن گئے ہیں۔ بعض کے اجزا چونے سے بدل گئے ہیں، بعض لوہا یا تانبا وغیرہ بن چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں عظام کی اسی بدلی ماہیت کی طرف علیمانہ اشارہ کرکے خدا فراموش انسان کو بعث کا عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے:

یا تخالف پذیر ہونا ہی ان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت ہے، اور وہی جنس قوی تر یا صلح تر ٹھیرے گی جسکے وسائل و دفاع کا توازن (جو فطرت نے اُسکو سپرد کیے ہیں) قدرت کی خارجی اور اٹل طاقتوں کے ساتھ قائم رہے گا۔ مگر مجامع انسانیہ کی حالت جن کے ہر فرد کی ادنےٰ سے ادنےٰ ضرورت بھی تدبیر و عمل کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی، قطعی مختلف ہے۔ ان کے تحفظ و ارتقا کا مسئلہ بیحد مشکل اور بدرجہا پیچیدہ تر ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۸) وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ (۱۷: ۴۹-۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کے پیچھے گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ایسی حالت میں ہم کو از سر نو پیدا کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ کم عقلو! تم مر کے پیچھے پتھر ہو جاؤ، یا لوہا بن جاؤ، یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں اس سے بھی عجیب تر ہو، پھر کہیں گے کہ اچھا بھلا اب کون ہم کو زندہ کر سکے گا۔ انہیں کہہ دو کہ وہی خلاق عظیم جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اسپر یہ لوگ تمہارے سامنے انکار کے طور پر سر ہلانے لگیں گے اور کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا۔ انہیں کہہ دو کہ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ قریب ہی آن لگا ہو!

ایک مدت تک ان آثار باقیہ کے متعلق لوگ یونہی سر ہلایا کیئے؛ انکے وجود کے بارے میں اکثر اغماضی اور تجاہلی شان رہی؛ لوگ انکو دیکھتے مگر ان کے متعلق بحث کرنے سے محترز رہتے؛ کسی نے ان کو فطرت کا کھیل کہا؛ کسی نے خدا کی شان کا ایک نمونہ" بتاکر معترض کو چپ کر دیا۔ عیسائی پادریوں نے جو یورپ کی علمی تحقیقات سے خوفزدہ ہو کر اپنی انجیل کی حفاظت میں حواس باختہ تھے، اور پاپائے رومۃ الکبریٰ نے جو محافظ دین ہونے کی حیثیت میں علمائے فطرت کو دار و صلیب پر چڑھانے میں مصروف تھا، ان کو نوح علیہ السلام کے طوفان کا بقیہ قرار دیکر اپنی جان چھڑانی چاہی، مگر حقیقت کے بالمقابل باطل کب تک ٹھیر سکتا تھا۔ جب کئی کئی گز لمبے ڈھانچے اور پورے سر، اور پیر اور دھڑ برآمد ہونے لگے، اور میلوں کی گہرائی تک تمام سطح زمین آباد نظر آئی تو پادری دُم دبا کر بھاگے؛ سب یورپ دم بخود ہو گیا؛ علمائے فطرت کی چڑھ بنی۔ انہوں نے کامل غور و خوض کے بعد اعلان کر دیا کہ دنیا عہد عتیق کے شمار کے مطابق محض چھ ہزار سال سے ہی آباد نہیں بلکہ تخلیق کا سلسلہ لکھو کھا برس سے جاری ہے! یہ ہڈیاں لامحالہ ان حیوانوں کی ہیں جو روئے زمین پر انسان سے پہلے بس رہے تھے۔ ان کے ڈھانچے پانی کے سیلاب، ہوا کے جھکڑ یا اور مختلف اسباب کے ذریعے سے سمندروں میں چلے گئے؛ آبی حیوانوں کے ڈھانچے وہیں تہ میں گرتے رہے، بالآخر جب رفتہ رفتہ رسوبات اور ذرات کی تہ اُنپر جمی، دب گئے۔ فطرت نے ان کو نہایت حفاظت سے یادگار کے طور پر محفوظ رکھا؛ ان کی شکلیں برقرار رکھیں، ان کے کیمیاوی اجزا تقاطیر عوامض و املاح کے باعث بدل گئے مگر شکل نہ بدل سکی۔ انسان کی نوعی تخلیق ان حیوانات کے مدتوں بعد ہوئی اور بتدریج تمام ہوئی۔ اس بنا پر سطح زمین کے لاتعداد رنگا رنگ طبقے فطرت کی عظیم الشان کتاب کے رنگا رنگ ورق ہیں؛ یہ رکازات باقیہ ان اوراق پر خدا کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے "حروف" ہیں؛ انسان کو یہ عالم آرا "کتاب" اسلیئے دی گئی ہے کہ اسکو پڑھے اور اُس خلاق عظیم کی عظمت کا اندازہ بچشم خود کرے!

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ (۶۷: ۱۵)

لوگو! وہ وہ منعم حقیقی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیئے میدان کر دیا ہے کہ تم اسکے اطراف و اکناف میں دل کھول کر پھرو اور خدا کے

اور جوں جوں اقوامِ عالم ترقی کی تگ و دَو میں ایک دوسرے پر سبقت لیجارہی ہیں انفرادی معیشت اور اجتماعی حفاظت کا سوال اور بھی لاینحل ہوتا جارہا ہے۔ آج معاشرت کی اِس حیران کن مسابقت میں تمدّن کی لاانتہا ضروریات، اور تہذیب کے اَن گنت لازمات جزوِ زندگی بن گئے ہیں، علم کی حیرت انگیز جدت آفرینی اور عمل کی محیّر العقول جولانی نے میدانِ حیات ناقابل گذر کردیا ہے، ذرائع کی ناقابل یقین توسیع کے باوجود

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹) عجیب غریب اعمال کا بچشم خود مشاہدہ کرو اور اس کا رزق کھاؤ، ترقی اور آسودگی کے بام بلند پر چڑھو لیکن اِس بات کو یاد رکھو کہ تم نے ایک نہ ایک دن اُسکے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

کتابِ فطرت کی اِس حیرت انگیز اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر مغرب کے طبعی حکما نے اجزارِ زمین کے اُس حصہ عظمیٰ کو جن کی تخلیق سمندر کی وساطت سے ہوئی پانچ بڑے بڑے جلیل القدر اور طویل المدّت زمانوں یعنی "القدیمۃ الاولیٰ"۔ "القدیمۃ الاخریٰ"۔ "الحیات الوسطیٰ" "الجدیدۃ القصویٰ"۔ اور "الجدیدۃ الادنیٰ" کے صخور پر منقسم کیا ہے۔ پہلی قسم یعنی **القدیمۃ الاُولیٰ** کے طبقوں میں جنکی گہرائی زمین کے بعض حصّوں میں میلوں تک پہنچتی ہے اور جو اور سب طبق کی تہ میں ہیں، کسی ذی حیات مخلوق کا باقی نشان آجتک نہیں ملا، اگرچہ ان کی تہوں کے اندر بعض مشکوک سی لکیریں اور سوراخ پائے جاتے ہیں جنسے شبہ پڑتا ہے کہ وہ کسی بے استخوان حشرات الارض کے نشاناتِ قدم ہیں۔ باقی چار حصّے حیرت انگیز ترتیب اور تسلسل کے ساتھ عجیب و غریب حیوانات کے بقیہ آثار (رکازات) سے پُر ہیں، سطح زمین کا کوئی حصّہ اُن سے خالی نہیں۔ "**القدیمۃ الاُخریٰ**" کے طبق میں جن کی تقسیم چند بڑے بڑے حصّوں میں کیگئی ہے، زندگی کے آثار غیر مشکوک طور پر نمایاں ہیں۔ استخوان کے تمام فقدان کے باعث سب مخلوق غیر ذی فقری (یعنی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر) ہے۔ پہلے حصّے میں (خورد بینی حیوانات سے قطع نظر جنکے نشانات کا باقی رہنا ناممکن ہے) سرطان نما قشری حیوانوں (القشریات) کی ایک تعداد کثیر پائی جاتی ہے جو آج سطح زمین سے قطعًا ناپید ہوچکے ہیں۔ اِسی حصّے میں اسفنج، مفصلی اور دو برگی حلزون (گھونگھے) کی ابتدائی نوعیں رونما ہوئی ہیں۔ دوسرا حصّہ ان "سرطانی" انواع سے نسبتًا کم آباد ہے۔ مگر مرجان (مونگے) کی فی الحال ناپید انواع، اسفنج، شوکیۃ القشر لولبی (پیچدار) حلزون، اور ناموجود "سنجابی" حشرات سے پُر ہے۔ تیسرے حصّے میں قشریات "کشمکشِ حیات" کے باعث نہایت قلیل التعداد اور نحیف ہوچکے ہیں، مگر نجم نما آبی حیتان کی ابتدا ہورہی ہے۔ دریائی حلزون زوروں پر ہیں، ریڑھ کی ہڈی والے (ذی فقری) جانوروں کی نشاۃ اول کہیں کہیں نمودار ہے مگر نہایت ابتدائی اعضائی ترکیب کی مچھلیوں کے سوا اور کوئی حیوان اِس جنس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ سرطانی قشریات اعضائی ارتقا کرکے ہزار پائے بن گئے ہیں۔ آبی عقرب، جن کی کوئی قسم آج نہیں ملتی، کہیں کہیں جلوہ گر ہے۔ نمل (چیونٹی) کی ابتدائی انواع، پردار اور بے پر، دونوں پائی جاتی ہیں۔ چوتھا گروہِ طبق مچھلیوں کی بے شمار ناپید انواع سے پُر ہے۔ ارضی حیوانات کی اکثر انواع وہی ہیں جو تیسرے حصّے میں تھیں۔ مگر اقسام نسبتًہ بہت زیادہ ہوگئی ہیں، مرجان کی کثرت ہے۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے طبقات کا پانچواں حصّہ یعنی زمین کی انقلابی نشوونما کا وہ یادگار زمانہ ہے جس میں انسان کی آیندہ بہبودی کے عجیب و غریب سامان پیدا ہوئے۔ اِس زمانے میں سطح زمین پر نباتات کا وہ عظیم الشان دَور دَورہ ہُوا جسکی مثال آجتک پھر پیدا نہ ہوسکی۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت جن کے تنے موجودہ درختوں سے کئی کئی گنا بڑے تھے سطح زمین کے سب بالا و پست میں پھیل گئے۔ ہزارہا اقسام کی نئی نباتات کا ظہور ہُوا، بالآخر اِسی سرسبز نباتات کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے خزانے پایاب جھیلوں اور دلدلوں میں جمع ہو کر صدیوں کے بعد معدنی کوئلہ بن گئے، جسپر آج یورپ کی بے مثال ترقی اور تمکّن فی الارض کا اکثر حصہ ہے! قرآن حکیم میں اِسی اہم نعمت خدا کا تذکرہ، اور اِسی بے مثال صنّاعی کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اندر ہے (سورۂ فاطر میں بھُجنگ کالی (غَرَابِیبُ سُودٌ) چٹانوں کا اشارہ بھی اِسی معدنی کوئلے کی طرف ہے جسکا ذکر آیۂ (۳۵ / ۲۷) صفحہ ۲۸ میں ہوچکا ہے)!

ذاتی آسائش مفقود، اور بین الاقوامی امن ممتنع الحصول ہو گیا ہے، عمران و حفظان صحت کے التزامات نے آبادی کی المناک کثرت پیدا کر دی ہے؛ ہلاکت کے شہر شکن سامان اور بربادی کے کوہ پاش وسائل کا مہیا کرنا ہر متمدن قوم کا منتہائے عمل ہو گیا ہے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جو انسان کو نشاۃ اوّل میں قلیل ہی قلیل سعی اور ادنےٰ سی ادنےٰ تدبیر کے باعث مل رہتا تھا آج انتہائی جدّ و جہد کے بغیر میسّر نہیں ہوتا۔ علاوہ ان

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۰) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۙ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶: ۷۹-۸۰)

اے محمدؐ! ان منکرین بعث کو جواب دو کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو از سر نو زندہ وہی خلّاقِ عظیم کرے گا جس نے اوّل بار انکو نیست سے ہست کیا تھا، اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سب کیف و حال، اور اسکی تمام ممکنات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ وہ کارسازِ جلیل اور وہ بنائے رحیم ہے جس نے تمہارے استعمال کے لیئے سرسبز درختوں کے بوسیدہ تنوں سے آگ کے عظیم الشان خزانے پیدا کیئے اور آج تم انہی خزانوں کو اپنے مصرف میں لا کر ترقی کے بامِ بلند پر چڑھ رہے ہو!

آج ان گرانبہا خزانوں کے تہ در تہ طبقے ہزارہا گز گہرے وسطِ یورپ اور امریکہ، وسط ایشیا اور شرقِ ہند، روم، عرب اور مصر کی سرزمینوں میں دبے ہوئے انسانی سعی و عمل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معدنیاتِ زمین کے اسی حصّہ کبرے میں پردار مچھلیاں کثرت سے دبی ہیں۔ گویا مچھلیوں کی نسبتاً ادنیٰ مگر استخوان دار مخلوق کے ارتقا سے پرندوں کی مقابلۃً اعلیٰ مخلوق کے ابتدائی اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ انکی اقسام ترقی کرتے کرتے موجودہ مچھلیوں سے الگ بھگ بن چکی ہیں۔ اسفنج اور بولبی حلزون، کیڑے اور مکوڑے زیادہ طاقتور اور بہتر اعضائی ترکیب کے بنتے جاتے ہیں۔ لیکن جس خاص جنس کا ظہور اس عہدِ ارتقا میں اوّل مرتبہ ہوا وہ پیٹ کے بل چلنے والے دابّہ ہیں۔ ان میں سے ایک نوع کسی منقار دار چھپکلی کی ہے جس کی ایک باقی قسم ابھی تک نیوزیلینڈ کے بعض متعلقہ جزائر میں سسک سسک کر اپنی حیات کے آخری دن گذار رہی ہے!

لیکن طبقاتِ زمین کے اس "درکِ اسفل" سے قطع نظر "الحیات الوسطیٰ" کے طبق فی الحقیقت وہ حیران کن طبقے ہیں جن کے اندر اُس خلّاقِ عظیم کی کبریائی سب سے زیادہ واضح طور پر آشکارا ہوئی ہے۔ دریائی اور ساحلی کیکڑے قدیم قشری سرطانوں اور عقربوں سے ارتقا کرتے کرتے موجودہ کیکڑوں کے متشابہ بن گئے ہیں، مچھلیاں بدرجہا بہتر اور صالح تر ہو رہی ہیں، ان کے پھیپھڑے اور سر استخوانی ڈھانچے اور مغز آجکل کی مچھلیوں کے اعضا سے مشابہ ہو چلی ہیں، پیٹ کے بل چلنے والی چھپکلیاں (حرزون) نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں، ان کی منقاریں رفتہ رفتہ موجودہ حرازین کے دنداں دار موہنوں سے بدل گئی ہیں، ایک گروہ اسی جنس کا دریائی مسکن اختیار کر چکا ہے۔ جہاں یہ آجکل کے دریائی دودھ پلانے والے حیوانوں (ذات الثدی یا مرضعات) کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ "الحیات الوسطیٰ" کے اسی پہلے حصّہ طبق میں حرازین کے فرعی ارتقا کے باعث رضاعی حیوانوں کے مشکوک یا متشابہ آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ اکثر وہ اعضائی خاصیات اور آلی امتیازات جو اس جنس کے لیئے مختص ہیں، بعض اعلیٰ اقسام کے حرازین میں نمودار ہو رہی ہیں۔ دوسرے حصہ طبق میں حرزونی جنس کے حیوانات کی یہ حیرت انگیز کثرت اور پرورش ہوئی ہے کہ ان کے بقیہ آثار کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان پیٹ کے بل چلنے والے جانور جن کے ڈھانچے کئی کئی گز لمبے ہیں اور جنکی رانوں کی قدِ آدم کے برابر ہڈیاں اور گز گز لمبی دُمیں اُن کو اژدہوں کے مماثل کر دیتی ہیں، اس زمانے میں سطحِ زمین پر معمور دکھائی دیتے ہیں۔ ان ڈھانچوں میں سُم قدم، چنگال قدم، اور پنجہ قدم، تینوں قسم کے حرزونی

مشکلات کے مادّیت کے غلبے نے اقوامِ متمدّنہ میں روحانیت سے عام انحراف پیدا کر دیا ہے! جسمی طاقت اور مادی اقتدار پر ناز، کبریائی کا ادّعا اور بہیمی اخلاق سے تخلّق، طبیعت ثانیہ ہو گئی ہے! مکر و دروغ مجامعِ عالم کا شعار، بلکہ طغرائے امتیاز بن گیا ہے! بین الملّی خُلق اور اتحادِ عالم کا نصب العین خواب و خیال ہو چکا ہے! طاقتور اقوام کی سبعیّت اور درندگی کی یہ شان ہے کہ ایک دوسرے کی تباہی کے ہولناک سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۱) شامل ہیں گویا پرندوں اور رضاعی حیوانوں کی طرف ارتقا کا میلان ابھی سے ظاہر ہے۔ حزنی اژدھوں کے اعضا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیس بیس گز لمبی چھپکلیاں اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل سطح زمین پر کودتی پھرتی تھیں، یا عظیم الشان تمساحوں (مگرمچھ) کی طرح پایاب ساحلوں اور دریاؤں کے دہانوں پر شکار کی گھات میں پڑی رہتی تھیں۔ امریکہ کے بعض حزنون اپنی جسامت کے لحاظ سے اسقدر عظیم الشان تھے کہ آج سطح زمین کا بڑے سے بڑا جانور اُن کے بالمقابل دیوار کی چھپکلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا! ایک منقاردار حزنون جسکے پاؤں کی ساخت پرندوں کے پنجوں سے بہت مماثل تھی، اسقدر قدآور تھا کہ الف لیلہ کا سیمرغ بھی اسکے آگے محض ایک کنجشک نظر آتا ہے! اسکی تمام محدّب کمر پر ریڑھ کی ہڈیوں کے عین اوپر دو دو گز اونچی گھریلو مرغ کی مانند کلغی تھی، اور مخروطی دُم کے اوپر ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کئی کانٹے تھے! اونچائی میں چار انسانوں کے قد کے برابر اور دُم سے لیکر چونچ تک بلا مبالغہ دس گز لمبا تھا!

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۳۵ : ۱)

وہ رب عظیم اپنی مخلوق میں جو مناسب سمجھتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے مثال ہر بات کر دینے پر قادر ہے!

"الحیات الوسطیٰ" کے اسی زمانے میں فرعی ارتقا کے باعث اُڑنے والے اژدہوں کی ایک تعداد کثیر نظر آتی ہے۔ اُن کے تمساح (مگرمچھ) کی مانند لمبے لمبے دنداں دار مُنہ اور خفاش (چمگادڑ) کی مثل جھلّی والے پر اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ ہولناک "پرندے" درندوں سے بدرجہا خوفناک تھے۔ معمولی اژدہوں کے پروں کا پھیلاؤ بھی آٹھ آٹھ گز تک پہنچتا تھا۔ دُم سے لیکر چوٹی تک ہر ایک کی لمبائی کئی کئی گز تک تھی، اور الف لیلہ کے رُخ کی مانند یہ دہشت انگیز درندے جہاں اُڑتے تھے اپنے پروں کے پھیلاؤ سے زمین پر اندھیرا کر دیتے تھے[۱]!

لیکن فرعی ارتقا کی اِن حیرت انگیز عجائب نمائیوں سے قطع نظر جو اصلی ارتقا اس زمانے میں نمودار ہوا وہ پروالے پرندوں کا ظہور ہے۔ ان طبقات میں مُرغِ ہوا کی صرف ایک قسم محفوظ رہ گئی ہے جو آجکل کے پرندوں سے کچھ کچھ مماثل ہے۔ رضاعی (ذات الثدی) حیوانات کے آثار خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن حزنی اور رضاعی اجناس کے سلسلہ تکوین کی درمیانی کڑیاں صاف طور پر ظاہر ہیں۔ "انڈے دینے والے رضاعی حیوان" جو مرغ اور چارپائے کے بین بین نظر آتے ہیں کثرت سے ہیں۔ تھیلی والے رضاعی حیوانات کی جو حزنون اور مویشیوں کی درمیانی کڑی ہیں، رونق لگی ہے۔ مقدم الذکر نوع کی دو قسمیں آج بھی آسٹریلیا کے بعض حصوں میں پُرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر قائم ہیں۔

ارضی، ہوائی اور دریائی تمساحوں اور اژدہوں کا قیام "الحیات الوسطیٰ" کے تیسرے اور آخری حصے میں بھی بدستور رہا۔ لیکن اُنکی جسامت اس زمانے میں اور بھی حیران کن ہو گئی۔ ایک ارضی حزنون جیسے جسم کی شکل موجودہ اُودبلاؤ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی، اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا پانچ گز کے قریب بلند نظر آتا ہے۔ بعض ہوائی تمساح اُڑتے وقت تین تین گز لمبے خفاشی پر پھیلا سکتے تھے۔ بعض امریکی دریائی انواع کی لمبائی سر سے لیکر دُم تک پچاس پچاس گز ناپی گئی ہے! ایک ارضی تمساح کی ہڈیاں اسی زمانہ قدیم کے طبقوں میں سے ابھی (نومبر ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) چھ ماہ نہیں گزرے

[۱] ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ مطابق ۱۳۷۷ء) اور مارکوپولو (المتوفی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء) نے ان ہیبت ناک پرندوں کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔

الغرض عقل کی بے اندازہ کارفرمائیوں اور فوق الضرورۃ چارہ جوئیوں نے آج عقدۂ معاش میں وہ صورتِ اشکال پیدا کردی ہے جو فی الحقیقت ناقابلِ تحمل ہے!

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (۳۳ : ۷۲)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۲) کہ ہند کی سرزمین میں دریائے جہلم کے قریب نکلیں مگر اُس کا ڈھانچا اِسقدر وزنی تھا کہ تیس نفر اُسکو بمشکل اُٹھا کر اپنی جگہ پر سے جا سکے! الغرض جس حیرت انگیز طریق پر ربِ زمین و آسمان کی ان ہولناک اجناس نے انسان کے زمین پر وارد ہونے سے پیشتر زور پکڑا تھا، اُس سے گمان ہو سکتا تھا کہ انسان جیسی بظاہر کمزور، نو وارد اور بے نوا مخلوق اُن کے ہوتے ہوئے کچھ حفظ و قیام حاصل نہ کر سکے گی، مگر شارعِ فطرت کو اِن کا روئے زمین پر دیر تک رکھنا منظور نہ تھا؛ کارخانۂ طبیعت کے اٹل قوانین اُنکے تمکن فی الارض کی مخالفت میں حتماً تھے؛ بقا و معیشت کے پیہم مجادلے میں اُنکی جسامت، اُنکی قوتِ لایموت کی مقدار، اُن کا ممتنع السیر، کاہل الوجود اور بطی النسل ہونا ہی اُنکے بقا کا مانع تھا؛ وہ سب کے سب ایک اقلِ قلیل مدت میں صفحۂ زمین سے محو کر دیئے گئے، اور باعمل اور صالح تر مخلوق کو اُن کا جانشین کر دیا گیا۔ "الحیات الوسطیٰ" کے بلند ترین طبقات جسقدر ان اجناس سے پُر نظر آتے ہیں، اُسیقدر "الجدیدۃ القصویٰ" کے احجار کا ورک اسفل انسے نسبتاً خالی پایا جاتا ہے۔ مقدم الذکر زمانے کے زیر و بالا سب طبقات میں اُن کے حیرت انگیز ہَول آفرین تکثر کے بعد بلند تر طبق میں اُنکا یک لخت معدوم ہو جانا فطرت کے طالب العلم کے لیئے ازبس عبرت آموز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعی و عمل، تگ و دو، صبر و ابتلا کے اس عظیم الشان معمل میں اُنکی سعی کچھ مشکور نہ ہوئی؛ بدیع کائنات تعالیٰ کو جو بذاتِ خود شبانہ روز سعی و عمل میں مصروف ہے، اور ہر آن "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا مصداق ہے، اُن کا جمود، اُن کا ناکارہ پن، اُنکی گرانجانی کچھ پسند نہ آئی، اور ایک دو "یوم" کے اندر اندر اُن کو روئے زمین سے خاک کر دیا گیا۔ قرآن کریم میں سورۂ قصص کے اندر اُس ربِ عظیم کے اسی بے مثال اختیار کی طرف اشارہ ہے جس کے مطالب کی عظمت کو طبقاتِ زمین کی "کتاب عظیم" میں بچشمِ خود دیکھکر ہر صاحبِ نظر کا کپکپا جانا یقینی ہے!

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (۲۸ : ۶۸)

اور اے محمدؐ! تیرا پروردگار زمین و آسمان کے اِس بیکراں محیط میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد اُن کی سعی و عمل کا امتحان لیکر جو مخلوق چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے، اور جسکو مناسب سمجھتا ہے روئے زمین سے محو کر دیتا ہے (یختار) اور جو فرضی معبود اور حاکمِ اعلیٰ انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیئے ہیں اُنکو تو یہ عظیم الشان اختیار کچھ بھی نہیں! اے ساکنانِ زمین! وہ خدائے عظیم اُن تمام من گھڑت مُطاعوں اور معبودوں سے بدرجہا بلند تر اور ارفع ہے جن کو لوگ اسکے برابر بناتے رہتے ہیں (یشرکون)۔

اور اسپر طرہ یہ کہ اگر اس قیام و ممات، اس رد و قبول، اِس فنا و بقا اور اِس شکست و فلاح کے اختیار کرنے کی کوئی شرط قرآن کریم پیش کرتا ہے تو وہ بھی مغربی طبعیئوں کی علمی تحقیقات کی تائید میں "عمل صالح" ہی ہے جو اس آیۂ کریمہ سے پیشتر کی آیت میں بوضاحت تمام بیان کر دی گئی ہے:

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ (۲۸ : ۶۷)

پھر جو مخلوق اُسکے قانون کیطرف لوٹ آئی (تاب) اور جنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (آمن) اور جنے عمل صالح کیئے تو قریب ہے کہ وہی اِس دنیائے کسب و عمل میں کامیاب ہوگی۔ (توبہ اور ایمان کی تفصیل کے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر یہاں پر ایک عارضی ترجمہ کر دیا گیا ہے)۔

ہم نے فہم وادراک کی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا کہ شاید وہ اُسے قبول کریں،
مگر اُنہوں نے بزبانِ حال اس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے سے انکار کیا، اور اسکی اہمیت کو پاکر خوفزدہ
ہوگئے۔ بالآخر انسان نے اسکو اُٹھانا قبول کیا مگر وہ درحقیقت بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا جو یوں
ناحق اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا!

عالم الغیب کے حضور میں شاید تمدن کی اسی رست وخیز، اور عمرانِ حاضرہ کی اسی نفسانفسی کی قیامت نما

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۳) ایک اور موقع پر نسل انسانی کو اِنہی معنوں میں خدا کا محتاج گردانا گیا ہے، ساکنانِ زمین کو قانونِ فطرت اور حکمِ خدا کی کامل متابعت کی ترغیب دی گئی ہے، اور ان سب کو یکسر ہلاک کرکے کسی خلق جدید کے تمکن فی الارض کرنے کی دھمکی اس حیرت انگیز جرأت، صحت اور وثوق سے دی ہے کہ اعمالِ خدا کا علم رکھنے والا انسان بے اختیار لرز جاتا ہے۔ لیکن یہ آیاتِ کبرے اپنے اصلی رنگ میں لامحالہ اُسوقت نظر آئیں گی جب کتاب کے متن (غالباً چھٹی مجلد) میں تمام سورہ کا مربوط ترجمہ کردیا جائے گا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا
ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (۳۵: ۱۵-۱۷)

اے ساکنانِ زمین! تم سب کے سب کسی حال اور رنگ ڈھنگ میں ہو بہرنوع اُس خدائے عظیم کے محتاج ہو، اُس کے لطف و کرم کے محتاج ہو، ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہو، قانون پر چلنے کے محتاج ہو۔ اور اسکی یہ شان ہے کہ وہ تم سب سے قطعاً بے نیاز ہے اور باوجود اِس بے نیازی کے سزاوارِ حمد ہے۔ وہ اِسقدر بے پروا خدا ہے کہ اگر تمہارے اعمال کو دیکھکر مناسب سمجھے تو تم سب کو تختۂ زمین سے یکسر اُچک لے، اور کسی نئی مخلوق کو تمہاری جگہ لا بسائے، اور جانے رہو کہ یہ خدا کے لیئے کچھ بھی دشوار نہیں (وہ تم سے پہلے بارہا اسی طرح کرچکا ہے، اور پھر کرنے میں اُسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی)

ایک عجیب وغریب مشاہدہ جو یہاں "صلاحیت" کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیئے نہایت غور طلب ہے، اور جو "الحیات الوسطیٰ" کے ان عظیم الشان اژدہوں کے متعلق کیا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ آجکل کے بڑے سے بڑے تمساحوں اور سنساروں کے بالمقابل نہایت چھوٹے چھوٹے دماغ رکھتے تھے۔ بعض حالات میں، باقی جسم کے تناسب کو پیش نظر رکھکر کاسۂ سر (جمجمہ) بھی بے اندازہ مختصر تھا، بعض میں گوشت اور اعصاب کی زیادتی کے باعث بظاہر سر کافی بڑا دکھائی دیتا تھا، مگر حجرۂ دماغ ناقابل یقین طور پر تنگ تھا؛ حتی کہ موجودہ مگرمچھ کا دماغ تناسب بدن کے لحاظ سے دس گنا بڑا ہے۔ اِن مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دور از کار نہیں کہ کشمکش حیات کی اس شکستِ فاش میں جو اِن حیوانوں کو نصیب ہوئی دماغی قویٰ کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ کمزور دماغی طاقتوں والے حیوان مقابلۃً جلد مٹ گئے؛ جن کی قوتِ مدرکہ بڑھتی گئی محفوظ رہے۔ آجکل انسان کی نظروں میں بیوقوفی اور کند ذہنی کا مجسمہ گدھا ہے مگر اُس کا انسان کے لیئے مفید ہونا خود اسکی نسل کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر وہ بھی مزاحمتِ حیات کے میدان میں اور حیوانوں کے بالمقابل جم کر کھڑا ہوجاتا اور انسان کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہ لیتا تو شاید کبھی کا صفحۂ زمین سے نابود ہوگیا ہوتا!

"الجدیدۃ القصویٰ" کے ادنیٰ طبقات زیادہ تر اُن دیرینہ حیوانات کے آثار سے پُر ہیں جو "القدیمۃ الاولیٰ" کے زمانے سے رفتہ رفتہ ارتقا کرکے بہتر بن گئے ہیں۔ حلزون اور سفنج، حیتان (مچھلیاں)، ہزار پائے، مرجان، نجم نما مچھلیاں، قبہ دار حلزون، حشرات الارض، شقایق بحری، خار پشت بحری، وغیرہ وغیرہ نہایت کثرت سے ہیں۔ حرزون (چھپکلیاں)، حربا (گرگٹ)، ثعبان (اژدہے)، تنین (منقاری اژدہے)، تمساح (مگرمچھ)، خفاش (چمگادڑ) وغیرہ وغیرہ نسبتاً بہت کم ہیں۔ لیکن پرندے غیر مشکوک طور پر نمایاں ہوگئے ہیں۔ اُن کے منقار دندانہ دار ہیں

تصویر در پیش تھی جو انسان کو قبولِ امانت کے وقت ظلوم و جہول ٹھیرایا تھا، مگر تصویر کے اس تاریک پہلو سے ایک لمحے کے لیے قطع نظر کر کے جو اہم سوال آج اس زمانے میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مسئلہ ارتقا کے روسے وہ کونسی صلاحیت ہے، اور قرآن کریم کی لازوال صداقت کے تتبع میں وہ کیسا ایمان اور کیا اعمال صالحہ ہیں جسنے آج اقوام یورپ کو مادی ترقی کے انتہائی منازل پر پہنچاکر "اعلون" بننے، اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴) گویا ہوائی متاحوں سے ارتقا ظاہر ہے۔ رضاعی حیوانات کی بعض نامکمل نشانیاں نچلے حصے کے بعض اعلے طبق میں نمودار ہیں مگر ٹھیٹھ رضاعی حیوان ان طبقوں میں بھی بہت کم ملتا ہے۔

"الجدیدۃ القصویٰ" کے اعلیٰ طبق میں بھی قریب قریب یہی حال ہے، مگر اکثر اجناس کا بہتر اور صالح تر ہوجانا بیش از بیش ظاہر ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الادنیٰ" کے طبقات وہ سبق آموز اور عبرت انگیز طبقات ہیں جن کی مخلوق کے مطالعے سے سطح زمین کی موجودہ مخلوق کا تدریجی ارتقا اظہر من الشمس ہوجاتا ہے۔ ان حصص زمین میں حیوانات کے آثار باقیہ نہایت وضاحت اور حفاظت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ادنیٰ حیوانات کی ایک شاندار تعداد ارتقا کی ہوئی ملتی ہے۔ حرازین کی قسم کے حیوانات اکثر نابود ہوگئے ہیں مگر رضاعی اجناس کی ایک بہت بڑی تعداد آبی گاؤ، اود بلاؤ اور ویل مچھلی (حوت) کی صورت میں پیدا ہورہی ہے، مچھلیاں آجکل کی ساحلی مچھلیوں سے ترکیب اعضا میں زیادہ مشابہ ہورہی ہیں، مگر مچھ اور سنسار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، عقرب، عنکبوت، ہزار پائے وغیرہ وغیرہ ایک حد تک قائم ہیں، حشرات الارض کی سب قسمیں کثرت سے ہیں، پتنگے اور تیتریاں پہلی دفعہ جلوہ گر ہیں، پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کی یادگار مینڈکوں میں رہ گئی ہے، پرندوں نے اپنی چونچوں کے اندر دانت رکھنا قطعاً چھوڑ دیا ہے لیکن ان کی جنس کا داخلی ارتقا حیرت انگیز طریقے پر ہوا ہے۔ اسی کے زور اثر سے اڑنے کی بجائے دوڑنے والے پرندے (یعنی مرغ میدان) جلوہ گر ہیں، نعامہ (شتر مرغ) اور اسی جنس کی اور انواع جو آج صرف عرب اور افریقہ تک محدود ہوگئی ہیں نصف کرہ شمالی، یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا خط استوا کی طرف کوچ بعد میں شروع ہوا۔ نیوزیلینڈ میں آج صرف ایک قسم نعامہ کی رہ گئی ہے مگر ابھی دو سو برس نہیں گذرے کہ شتر مرغ سے نسبتہً بہت بڑے بڑے پرندے جن کی اونچائی چار چار گز تک پہنچتی تھی، ان اقطاع میں آباد تھے جنکو بالآخر اس سرزمین کے اصلی باشندوں نے نابود کردیا۔ جزیرۂ مدغاسکر میں کچھ اوپر سات صدیاں گذریں کہ ایک عظیم الشان مرغ رہا کرتا تھا جسکے قد آدم کے برابر انڈے ابھی تک الف لیلہ کے افسانوں میں بطور یادگار کے رہ گئے ہیں مگر اسکا نشان آج صرف ہڈیوں میں ملتا ہے۔

"الجدیدۃ الادنیٰ" یا "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق کی مخلوق اور موجودہ مخلوق میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ عجیب غریب رضاعی حیوانات کی ایک تعداد کثیر سے یہ سب طبقے پر ہیں۔ ان کی ۹ مختلف نوعیں شناخت کی گئی ہیں جن میں ویل مچھلی کی قسم کے مرضعات، آبی گاؤ، سم دار مویشی، کترنے والے موش، گوشت خور گربہ، کرم خور خارپشت، چمگادڑ، بغیر دانت کے رضاعی حیوان، اور بوزنہ وش انواع شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نوع اس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ رضاعی اقسام میں عجیب غریب حیوانات مرامیس (گینڈے) ہیں، جن کی بعض قسمیں نہایت خوفناک تھیں جو نابود ہوگئیں۔ ہاتھی کی بعض حیرت انگیز قد آور انواع اسی زمانے میں ظاہر ہوئیں۔ ایک بالوں والا بال دار ہاتھی (میمتھ) جو انسان کا ہمعصر تھا، اور موجودہ دو اقسام سے کم از کم دوگنا بڑا تھا، شمالی سائبیریا اور انگلستان میں نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ اسکے دانت سائبیریا میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ روسی تجارت کی محبوب شے بن گئے ہیں۔ موجودہ فیل کی بقیہ دو اقسام کا بھی انسان کی دستبرد سے مدت تک محفوظ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کو موجودہ مقدار میں برقرار رکھنے کے لیے دنیا میں ہر سال ایک لاکھ ہاتھیوں کا

مُستخلف فی الارض" کا مقام حاصل کرنیکا قطعی مستحق قرار دیا ہے، اور مسلمانوں میں وہ کیا ضعفِ ایمان اور کیا غیر صالحہ اعمال آ گئے ہیں جنہوں نے انکی ہزار سالہ عظمت کو محو کر کے اُنکو تنزل کا مترادف اور جہانبانی کا نااہل کر دیا ہے؟

پیشتر اسکے کہ یہ عظیم الشان سوال، اس کتاب کے طول و عرض ہیں[۴]، ایک مُدلّل اور ناقابلِ انکار طریقے پر طے کر دیا جائے، اس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ مفسّرین نے جن سہل اور محدود معنوں میں آیہ استخلاف کو لیا ہے کس حد تک اُس کی مشروط اور مطلق لغت کے تابع، اور سیاق کلام کے مطابق ہے: اولاً اس آیت کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۵) شکار ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہتھنی پندرہ سال میں صرف ایک بچہ جنتی ہے، اور موجودہ حیوانوں میں سب سے زیادہ بطی النسل ہے، اسلئے چند اور صدیوں کے اندر اس نوع کا تباہ ہو جانا بھی یقینی ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق میں خدا کی جس حیرت انگیز عالم آرا، اور احسن الخلق مخلوق کا ظہور ہوا وہ حضرت انسان ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں کچھ مشکوک سی ہڈیاں ملتی ہیں جنکو رضاعی حیوانات اور ابتدائی انسان کی "درمیانی کڑی" کہا جا سکتا ہے، مگر قطعی طور پر کچھ حل نہیں سکا۔ ایک مدت مدید تک حکمائے مغرب اس "درمیانی کڑی" کی تلاش میں سرگردان رہے، اور اب تک ہیں۔ اعلیٰ طبق میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے صاف طور پر ادنیٰ حیوانوں سے ارتقا کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انکے جسم نسبتاً قوی ہیں مگر دماغ کے حجم موجودہ انسان کے بالمقابل بہت چھوٹے ہیں۔ قدیم غاروں میں انکی ہڈیاں نہایت صفائی سے دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُنکے ساتھ ساتھ اکثر اوقات پتھر اور لوہے کے بید ڈھنگے اوزار اور برتن بھی دبے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آفرینش کے ابتدائی ایام میں انسان اپنے آپ کو زور آور حیوانوں سے بچانے، اور سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے میں مصروف رہا، اس وجہ سے مدت مدید تک وہ کوئی معاشری ترقی نہ کر سکا۔ پہاڑوں کی غاریں اور وادیوں کے اوٹ اُسکے مستقل نشیمن تھے حفظِ نفس اُسکا منتہائے وحید تھا۔ بالآخر جب انفرادی دفاع مفید نظر نہ آیا تو عقل سلیم نے اجتماعی اور معاشری حیات اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور آج انکی یہ حالت ہے کہ علم و عمل کے بام بلند پر چڑھکر فطرت کی عالم آرا قوتوں کو قابو میں لانے کی سعی کر رہا ہے!

ارتقائے حیات کی متذکرہ صدر تشریح میں جو بات نہایت قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ سلسلۂ تکوین متعدد مستقل منازل طے کر کے انسان تک پہنچا "القدیمۃ الاخریٰ" کے پہلے حصے میں زندگی صرف غیر ذیفقری اور مفصلی مخلوق تک محدود رہی، دوسرے اور تیسرے حصے میں ان بے استخوان اور مفصلہ وحشرات سے ریڑھ کی ہڈی والے (ذیفقری) بے دست و پا جانور پیدا ہوئے جن کی نشاءِ اوّل مچھلی سے ہوئی، چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا اعضائی ارتقا اوجِ کمال کو پہنچا، چھٹے حصے میں پردار مچھلی کے ساتھ ساتھ پیٹ کے بل چلنے والے دابّہ کا ظہور ہوا "الحیات الوسطیٰ" میں بے دست و پا مچھلی اور دابّہ سے پردار پرندوں کا ارتقا ہوا۔ پھر "الجدیدۃ القصویٰ" کے زمانے میں دو پاؤں والے پرندوں اور حرازین کے ارتقا سے چار ٹانگوں والے ذات الثدی حیوان پیدا ہوئے جو اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ ان انواع شریفہ کا مقدمۃ الجیش "الحیات الوسطیٰ" کے ادنیٰ طبق میں ہی نمودار ہو گیا تھا مگر نسبی ارتقا احسن الخلق انسان پر کر مکمل ہوا۔ طبیعی حکما کا اندازہ ہے کہ یہ تمام نوعی اور جنسی تبدیلیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں برس میں جاکر واقع ہوئیں اور بتدریج تمام ہوئیں۔ ادنیٰ مخلوق ہی بلند تر طبقوں میں اُسی ایک سلسلۂ توالد و تناسل کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً اعلیٰ مخلوق میں مبدّل ہوتی رہی۔ کسی نئی نوع یا جنس کا ناگہاں اور بلا واسطہ ظہور مافوق الطبیعی یا خارق عادت اصول پر نہیں ہوا جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ قرآن حکیم نے سورۂ نور میں حیوانات زمین کی اسی وحدتِ اصل و نسل کو، اور جوارح حیوانی کے اس تدریجی اور سلسلہ وار انقلاب کو ان غیر مشکوک، پر معنی، اور نتیجہ خیز مُبَیِّنَات میں ادا کیا ہے جن کے حقیقت کشا انکشاف کو صحیفۂ فطرت میں بچشم خود دیکھکر خدا کی طاقت کا ہر شخص کے دلمیں مشخص ہو جانا، نہیں بلکہ تخلیق عالم اور سرّ حیات کی اصلیت کے متعلق صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جانا یقینی ہے!

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّن مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن ۲۴:۴۵

[۴] اس سوال کے متعلق قطعی فیصلہ غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گا۔ سطہ کُلّ کی تعمیم، مَآءٍ کی تنکیر و تنوین اور خَلَقَ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں مراد ایک سلسلۂ تناسل ہے، صفحہ ۲ کی آیہ (۲۱: ۳۰) کا اَلَمْ

خطاب بلاقید وقت عام مسلمانوں† کیطرف ہے، مگر معاہدہ لامحالہ اُنکے ایک گروہ ہی سے باندھا گیا ہے اگرچہ چندے
کی توسیع ایمان اور اعمال صالحہ کی موجودگی میں ہر مسلمان تک ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر مسلمانانِ عالم میں سے صرف
اُسی گروہ کا استخلاف شرط ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہو؛ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‡
(۲۴: ۵۵)۔ ثانیاً استخلاف فی الارض کا میثاق، جزیرۃ العرب پر تسلط یا سیادتِ حرمین کے معنوں میں کسی
فرد واحد، یا اُسکی نسل، یا زیادہ سے زیادہ عرب قوم کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ سب مسلمانانِ عالم سے ضروری تھا۔
ثالثاً كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کیونکہ اسلام سے پہلے حرمین پر

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۳۶) يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ط
وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (۲۴: ۴۵-۴۶)

اور لوگو! اس خلاق عالم کی طاقت کی یہ شان ہے کہ اس نے روئے زمین کے تمام حیوانوں کو ایک ہی نطفے اور ایک ہی سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے (مِنْ مَّآءٍ) پیدا کیا، اور آج اِس وحدت تناسل کا نتیجہ یہ حیرت انگیز ہے (تَ) کہ اُن حیوانوں میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو صرف دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں (اور یہ محیر العقول تباین اور اختلاف اسی ترتیب و تسلسل سے اُس ایک نطفے کی قوت تولید میں ظاہر ہوا ہے)، لوگو! خدا جو شئے جس ذریعے سے مناسب سمجھتا ہے پیدا کر دیتا ہے، بگوش ہوش سن رکھو کہ وہ ہر بات کے کر دینے پر قادر ہے۔
اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم کم علم اور کوتاہ نظر انسانوں پر یہ حقیقت کشا اور جہاں نما آیات اوج آسمان سے اُتاری ہیں تاکہ تم پر تکوین حیات کا راز عیاں ہو جائے، اور یاد رکھو کہ خدائے عظیم اُسی کو علم کے صراط مستقیم پر لے جاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے۔

کیا آج سطح زمین کے طول و عرض میں مذاہب عالم کی آسمانی کتابوں کے اندر تکوین حیات کی اِس سے بہتر، صحیح تر اور مکمل تر داستان کہیں موجود ہے؟

طبقات زمین کی تعمیر کے یہ پانچوں زمانے جن کا ذکر اوپر ہوا اور جنہیں زمین و آسمان کی پیدائش فی الحقیقت تکمیل کو پہنچی، اور ظہور انسان سے لیکر آجتک کا زمانہ حال جسمیں بنی نوع انسان کا ارتقا مکمل ہو رہا ہے، مالک کون و مکاں کی حکیمانہ لغت میں وہ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" (آیہ ۲۲: ۴م صفحہ ۱۲) ہیں جنمیں اُسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا؛ یوم کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۷ میں گذر چکی ہے، اور لفظ ستہ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم زمین و آسمان کی تدریجی اور ارتقائی تعمیر کا ہمنوا مؤید ہے پس عہد عتیق کا دعوٰی کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے قائم ہے ازروئے قرآن محض غلط ہے اگرچہ ستہ ایام کا ذکر اُس الہامی کتاب میں بھی موجود ہے۔ حکمائے مغرب نے زمین کی مدت تعمیر کو چھ زمانوں میں اس بنا پر تقسیم کیا ہے کہ اُنکی مخلوق کے مابین ایک صریح تباین اور قطعی مابہ الامتیاز پیدا ہے جسکے باعث وہ طبقے اور زمانے ایک دوسرے سے طبعاً اور خلقاً الگ نظر آتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی وجہ افتراق اُس بدیع کائنات کے پیش نظر ستہ ایام کے الفاظ میں مضمر ہو مگر یہ بحث کسی آیندہ موقع پر بتفصیل کیجائے گی۔

قصیر الجسم ہاتھی جسکا ذکر اصل کتاب (صفحہ ۲۵) میں ہوا، دراصل افریقہ کا باشندہ تھا جو کشمکش حیات کے باعث دربدر پھر کر چند صدیاں گذریں نابود ہو گیا۔ اُسکی ہڈیاں آج جزیرۂ مالٹا میں ملتی ہیں۔ ایک نوع کی اونچائی گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ گز اور دوسری کی صرف ایک گز رہ گئی تھی۔ نئی دنیا کا ہندوئے احمر جو آجکل شے زمین سے ناقابل یقین سرعت سے ناپید ہو رہا ہے، سولہویں صدی کے احتلال امریکہ کے بعد یورپی اقوام کی جارحانہ دستبرد اور ستم ایجادیوں کا شکار ہوا، فرانسیسی مستعمرین نے اِس بیخ کنی میں سب سے زیادہ شرمناک حصہ لیا۔ ایک موقع پر مہلک متعدی بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل، رواداری اور غریب پروری کے بہانے سے اُنہیں تقسیم کر دیئے جس سے اردگرد کی آبادی سال بھر میں آدھی رہ گئی۔ لیکن تمدن کے مقابلہ میں آج وہ اور دوسری غیر صالح قومیں جس تیزی سے محو ہو رہی ہیں اس داستان سے کہیں زیادہ دردناک ہے!

† اگر یہ نہیں تو آج مِنْكُمْ کا خطاب بے معنی ہے اور تمام آیت سے کوئی مستقل نتیجہ اخذ نہیں ہوتا ‡ مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ، لیکن مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔

یا عرب میں استخلاف اِن خاص معنوں میں نہ تھا، اور نہ عرب کے متخاصم قبائل ایمان اور اعمالِ صالحہ کا دعوٰے کر سکتے تھے۔

درحقیقت اِس آیۂ کریمہ میں، شارعِ فطرت نے مسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کر دیا ہے جو ہر کیفیت میں، اور ہر موقع پر اُن کی انفرادی اور اجتماعی، اعتقادی اور عملی، روحانی اور مادّی زندگی میں کامل طور پر کارآمد ہو سکے۔ اِسی نصاب عمل میں افراد کے اخلاق کی صلاحیت، اعمال کی درستی، اعتقادات کی سلامتی، ہمت کے قیام، قوت کے توازن، دینی بہبودی، اور دنیاوی مرفہ الحالی کا سامان موجود ہے، اور اِسی ضابطے کے اندر اقوام کے سیاسی غلبے، اقتصادی ترقی، اجتماعی اقتدار، علمی ارتقا، اور تسلّط فی الارض کے جراثیم مخفی ہیں۔"استخلاف فی الارض" جسکا وعدہ خدائے پاک نے بلا قیدِ وقت مسلمانوں سے کیا محض ایک کمزور اور مرنجان و مرنج ملکی تسلّط ہی کا دوسرا نام نہیں جو مسلمانوں کو کچھ دیر ہوئی سرزمین عرب پر حاصل تھا، اور اب بھی زمین کے دو ایک ٹکڑوں پر حاصل ہے، بلکہ وہ تمام روئے زمین یا اُسکے بڑے سے بڑے حصّے پر کامل سیاسی اقتدار، اور مکمل اجتماعی اور اقتصادی غلبے کا نام ہے؛ وہ قومی آزادی، علمی بیداری، علمی اور ادبی احیا، جمعی عصبیّت، اور اخلاقی علوِ مرتبت کا وہ انتہائی معراج ہے جو صحیح معنوں میں مسلمانانِ عالم کو کئی سو سال تک قرونِ اولیٰ و متوسطہ میں حاصل رہا، اور معانی کی خاص حدود کے اندر یورپ کی بعض اقوام کو اِس وقت حاصل ہے؛ وہ مغرب کی سیاسی اصطلاح میں امن کے زمانے میں اپنی بہتری کی خاطر ہر ملّی اور بین الملّی وسیلے کا اختیار، اور ایامِ جنگ میں اپنے بچاؤ کے لیئے ہر جائز اور مناسب حربے کا استعمال ہے؛ حرمین شریفین کی حفاظت، جزیرۃ العرب کی کامل سیاسی آزادی، اور رسمی خلافت کا قیام و استحکام، اُسکے کُل کا صرف ایک جزو لاینفک ہے؛ وہ آیۂ استخلاف کے الفاظ میں شارعِ فطرت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت، اپنے پسند کیئے ہوئے نظامِ عمل، اور اپنے اختیار

† اِن مہتم بالشان دعاوی کا ثبوت آگے چل کر اِس کتاب میں جا بجا ملے گا۔

کیئے ہوئے مسلکِ مذہب کا زمین پر حقیقی تمکن، اور معنوی تسلط ہے: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴: ۵۵)۔ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی عروج، قومی اور انفرادی تفوق اور علمی اور ذہنی تقدم کی وہ خوشگوار منزل ہے جہاں ایمان اور عمل صالح کی قوت افزا وساطت سے ہر شکست کا فتح میں، ہر فنا کا بقا میں، اور ہر خوف کا امن میں تبدیل ہو جانا یقینی ہے۔

جس طرح ہر متنفس میں بقائے نسل اور تحفظ ارث کی خواہش ایک طبعی امر ہے اسی طرح پر ابتدائے آفرینش سے آجتک، ہر زندہ قوم کا منتہائے نظر قیام سلطنت اور حفظ نسل رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو لفظ استخلاف سے تعبیر کیا ہے، اور ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہ فطری جذبہ موجود تھا۔ شارع دین نے بعینہٖ اسی قطع کے تخلف کا وعدہ، سابقہ اقوام کی مانند مسلمانوں سے بھی کیا، اور اسی قرینے سے اُس نے جا بجا ُوراثت زمین ُ کے نام سے موسوم کیا ہے:۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ [†] (۷: ۱۲۸)

موسیٰ نے اسپر اپنی قوم سے کہا کہ تم اِن مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بنے رہو۔ زمین تو سب اللہ ہی کی ہے وہی اپنے بندوں میں سے جسکو مناسب سمجھتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جیت تو اُنہی کی ہے جو مقام خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

---

۹۱ اور وہ خدائے عظیم اِس دین کو جو اُس نے مسلمانوں کے لیئے پسند فرمایا ہے متمکن کر کے رہے گا، اور اُس حالتِ خوف کو بھی جو آج دشمن سے لاحق ہے، امن سے بدل دے گا۔

† گویا اس آیۂ کریمہ کے رو سے ُوارث زمین ُ وہی قوم بنتی ہے جس کے افراد میں صبر اور استقلال بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس بنا پر آیۂ استخلاف کو پیش نظر رکھکر عملوا الصّٰلحٰت کی ایک شق صبر ہے۔ استعانت باللہ سے مراد، درگاہ خدا میں عاجزی کرنیکے علاوہ احکام خدا سے استعانت بھی ہے لیکن خود صبر کے معانی بھی آج مسخ ہو چکے ہیں۔ ُیشآء ُ کے محولہ بالا معانی کا ثبوت دیر میں آئے گا۔ عاقبۃ کے معنی یہاں پر قیامت کی آخرت کے نہیں اور نہ اس سے معانی مربوط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم کسی قوم کی سعی و عمل کا اس دنیا میں منتج بخیر یا بشر ہونا ہے۔ انہی معنوں میں عاقبۃ کا لفظ آیۂ: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۴۰: ۸۲) میں، یا ُافلم ُ کی بجائے ُاولم ُ کے ساتھ (۴۰: ۲۱)، (۳۵: ۴۴)، (۳۰: ۹) میں استعمال ہوا ہے جسکے معنے یہ ہیں: "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ اُن لوگوں کا کیا بُرا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں"۔ ُمتقین ُ کی تشریح میں ابھی دیر ہے، لیکن ترجمے میں مطالب کی تصریح کر دی ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا † (۷ : ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدا کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں ٹھیک پورا ہوا کیونکہ اُنھوں نے عزم و استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی۔

اِسی ضمن میں ایک اور جگہ بعینہٖ آیۂ استخلاف کا مضمون ہے :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ‡ ۝ (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

† اس آیۂ کریمہ میں صبر کا انجام اور بھی واضح طور پر وراثت زمین ہے۔ گویا صبر کے معنی استقلال اور استقامت سے سب مشکلات کا مقابلہ کرتے رہنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، اور اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا نہیں۔ یہ آیۂ عظمیٰ مسئلہ ارتقا کی تشریح کے ضمن یعنی صفحہ ۱۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے۔ مزید تشریح کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

‡ ان آیاتِ الٰہی میں 'وارثین زمین' کی مکمل تشریح 'عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ' کے الفاظ میں کر دی گئی ہے 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن مجید جامع و مانع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لفظ 'عبادت' کی۔ مگر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ مسئلہ ارتقا کے 'بقائے اصلح' کا مفہوم اس آیۂ کریمہ (۲۱ : ۱۰۵) کے دعوے کے کسقدر عین مطابق ہے۔ 'عبادت' کا لفظ عبد سے مشتق ہے جسکے معنی غلام کے ہیں۔ اور وہی قوم درحقیقت عابد ہے جو خدا کی عملاً غلام ہے جو اُسکے قانون اور احکام پر عمل کر رہی ہے۔ ورنہ کوئی رسمی نمازگزار اور باقی احکام سے غافل قوم 'عابد' کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ ملازمت کی شرط اوّل آقا کے احکام کی تعمیل ہے۔ لیکن 'عبادت' کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آگے چل کر جا بجا آئے گی۔

'صلاح' کی ایک اہم شق ہم نے 'صبر' بتلائی۔ لیکن اگر 'صلح' کے معانی کی ایک جھلک کتاب کے اس ابتدائی حصے میں دیکھنی ہو تو اس آیۂ کریمہ پر غور کرنا ضروری ہے جس میں شارع کائنات ؐ نے نوزائیدہ بچے کو 'صالح' کہا ہے :

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۷ : ۱۸۹-۱۹۰)

پھر جب خداوند کے لطف سے بیوی کا حمل ٹھیر گیا اور وہ رفتہ رفتہ بوجھل ہوتی گئی تو مرد اور عورت دونوں دلمیں دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اگر تو ہمکو یہ بچہ صحیح الاعضا (صالح) متناسب البدن (صالح) جیتا جاگتا (صالح) خوبصورت (صالح) دیگا تو ہم تیرے بڑے ہی شکرگذار ہونگے۔ پھر جب ان دونوں کو وہ خدائے عظیم صحیح اور سالم، توانا اور تندرست (صالح) بچہ عطا فرماتا ہے تو اُس منعم حقیقی کے ساتھ اُسی انعام دی ہوئی چیز کو شریک کرنے لگتے ہیں، اس بچے کی محبت میں اسقدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ خدا کے برابر اُسکو کر دیتے ہیں، اُسی کو اپنا بُت بنا لیتے ہیں۔ تو لوگو! خدائے عظیم اُس شے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ لوگ اُس سے شریک کرتے ہیں۔ (پچھلے حصے کا ثبوت بعد میں آئے گا)

ان آیات سے واضح ہو کہ بچے کا صالح ہونا اسکا فی الحقیقت بے نقص اور تندرست، صحیح الاعضا اور سالم الجسم ہونا ہی ہے۔ یہی ڈر ماں باپ کو حمل ٹھیرنے کے بعد لگا رہتا ہے۔ ورنہ ماں کے پیٹ سے بچے کا نیک پیدا ہونا بے معنی ہے اور نہ یہاں جوان بنکر نیک ہونیکا ذکر ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'صالح' قوم وہی ہے جسکا ہر عضو درست ہو، متناسب ہو۔ بڑھا گھٹا نہ ہو، اُسکے ہر حصے میں یکساں بیداری ہو، حیات کا جوہر لطیف اُسکی ہر رگ و پے میں دوڑ رہا ہو وغیرہ وغیرہ جبتک مسلمانانِ عالم ان معنوں میں صالح رہے وراثت زمین اُنکے پاس رہی۔ جب صلاح کے معنی محدود ہو گئے تو اس آیت (۲۱ : ۱۰۵) کی نارواتاویلیں بھی ہونے لگیں مگر کلام خدا کے صحیح مفہوم میں ردّ و بدل قطعاً محال ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶ : ۱۱۶) اِسکی شہادت ہے۔

اور ہم زبور میں تمام احکام کی شرح وذکر کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ بلاشبہ اسمیں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک بڑا پیغام ہے۔

اور سورۂ زمر کے تفسیر میں :۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝† (۳۹ : ۷۴)

اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جسنے اپنا یہ وعدہ بھی سچ کر دکھایا، اور اس سے پیشتر زمین کا وارث بھی ہمیں کو بنایا، اب ہم بہشت میں جہاں بھی چاہیں رہیں گے؛ تو دیکھو کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے!

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیۂ استخلاف میں فاطرِ ارض وسما نے خاص مسلمانانِ عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا حتمی وعدہ کیا ہے جو محض سرزمین عرب پر قبضے کے متعلق، یا اس کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر ہی مشتمل نہیں جسکو یورپ کی خون آشام طاقتیں آج ایک لمحے کے لیئے چین نہیں لینے دیتیں، بلکہ اُسکا نصب العین دنیا کے عظیم تر حصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اِس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکنافِ عالم میں متمکن ہو سکتا ہے، اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

† یہاں پر لوگوں نے 'الاَرْضَ' کے معنے ارض جنت لے لیئے ہیں۔ مگر اس دل خوش کن تاویل کی کوئی سند نہیں۔ اَوْرَثَنَا کا ماضی کا صیغہ اور نَتَبَوَّاُ کا حال کا صیغہ اِس کا شاہد ہے کہ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ کا واقعہ پیشتر کا واقعہ ہے۔ اور جب الْجَنَّةِ کا ذکر آگے صاف ہی تو خدا کے کلام میں ایک آیت کے اندر یہ بے نتیجہ تکرار پیدا کرنا محض لغو ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں بھی 'فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ' کہہ کر سعی وعمل پر کسقدر زور دیا گیا ہے۔ گویا عمل وہ چیز ہے جسکا نتیجہ وراثت زمین ہے۔ اور وراثت زمین کا نتیجہ ہی الْجَنَّةِ آخرت میں ہے !!

ایک اور اہم بات جو قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ ان سب آیات (یعنی (۷ : ۱۲۸) ، (۷ : ۱۳۷) ، (۲۱ : ۱۰۵) اور (۳۹ : ۷۴) میں بھی 'الاَرْضَ' کا لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے کسی خاص حصۂ زمین کی تخصیص اِن میں نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے آیۂ استخلاف میں فرض کر لیا ہے۔

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی تھی جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں، اور بے ریا عاملوں کی ایک چھوٹی سی جماعت، کفارِ مکّہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف وہراس ہر طرف طاری تھا؛ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیئے بھی ہتیار بدن سے جدا نہیں ہوسکتے تھے؛ مَردوں اور یتیموں کی نیم شبی آہیں، اور عورتوں اور بوڑھوں کی صُبحگاہی دعائیں آسمانوں کو ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی ان گھڑیوں میں، خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہوکر مُسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری، اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کرسکتی؛ تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت ہو، مگر یاد رکھو کہ قادرِ مطلق کی جناب میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت، اور تمہارے ایمان کی سچّی قدر ہے؛ تمہارے سینوں میں صداقت کے موجزن دریا، اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان ہیں؛ تمہارے دلوں میں خدا کی محبّت کا سچّا ولولہ، اور رسول کی اطاعت کا سچّا ولولہ ہے؛ تم بے خان و ماں ہو، مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع، اور عقبیٰ کی راحت افزا منزل ہے؛ تم بے سروسامان ہو، مگر تمہاری اَنتھک کوششیں اور اتحادِ عمل ہی خدا کی دائمی نصرت کا سامان ہیں؛ تم قلیل التعداد ہو، مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہمرکاب، اور حوصلوں کے غیبی لشکر تمہاری تائید پر ہوجاتے ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا[١]† (۳۳ : ۹)؛ تم ایک ہو، مگر قوتِ ایمان اور صلاحِ عمل کی برکت سے

---

[١] اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جو اسنے تم پر کیا تھا جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تب ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور اسکے علاوہ ایسے لشکر بھی جو تم کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیئے تھا کہ اللہ تمہارے مردانہ وار اعمال کو بغور دیکھ رہا تھا اور تمہاری تائید و نصرت پر بہمہ وجوہ تُلا ہوا تھا۔

† ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر اس جلیل القدر آیت کا نزول ہوا۔ آیت کے آخری حصے "وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا" سے ضمناً یہ ظاہر ہے کہ صدرِ اسلام کے مومنوں کا سعی و عمل ہی نصرتِ خدا کا باعث ہوا تھا، نیز یہ کہ شارعِ کائنات صلعم کی توجہ سعی و عمل کی طرف کس قدر ہے اور اسکا انعام کیا ہے۔

دسں بنجاتے تھو، تمہارا عزم صمیم اور سچا ایثار ہی تمہارے لیئے پیغامِ بقا ہے۔ دشمن کے ہجوم نے ایک لمحے کے لیئے تم کو مرعوب اور بے بس کر دیا ہے، مگر میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر تم میں یہی خوبیاں رہیں تو تم مرف خانۂ کعبہ کے قطعی محافظ، اور سرزمینِ عرب کے حقیقی وارث بنو گے بلکہ کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار، اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلّم جانشین، بکرماجیت کی بھارت کے سچے سپوت، اور قیصر کے دنیاوی جاہ و اُبہت کے بہترین خلف ٹھیرو گے!

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا† أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ‡ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝ (۱۴: ۱۳-۱۴)

اور منکرینِ خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کرینگے یا اگر تم پھر ہمارے مذہب میں آملوگے۔ اسپر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور ان کے پیچھے تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اس قوم کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی، اور جنہنے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی۔

اِس بحث و تمحیص کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آیہ استخلاف مسلمانوں کے ساتھ وراثت زمین کے متعلق ایک مشروط وعدہ ہے، اجتباری اور بلاقید شرط نہیں۔ جب تک مسلمانانِ عالم ایمان اور اعمال صالحہ کے صحیح مفہوم پر کم و بیش قائم رہے زمین کے ایک عظیم تر حصے کی وراثت اُن کے قبضے میں رہی، دین اسلام کا تمکن مستقل ہوتا گیا، اور یکے بعد دیگرے ہر مخالف طاقت کا خوف امن سے بدل گیا۔

---

† اِس موقع پر 'اَرْضِنَا' سے مراد منکرینِ خدا کا وطن ہے اور اس لحاظ سے (۱۴: ۱۴) میں 'الْاَرْض' کے معنے بلاشبہ اُسی مخصوص سرزمین کے ہیں۔ مگر آیۂ استخلاف یا اور متذکرۂ صدر آیات میں جنہیں 'الْاَرْض' کا لفظ واقع ہے تخصیص اسلیئے نہیں ہوسکتی کہ ان میں کسی خاص وطن کا ذکر نہیں۔

‡ یہاں صاف ظاہر ہے کہ 'مَنْ' کسی فردِ واحد کے لیئے نہیں آیا بلکہ تمام قوم کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ اجتماعی حرف موصول کی اس قطع کی مثالیں قرآن حکیم میں آگے چل کر جا بجا ملیں گی۔ ایک مثال مسئلۂ ارتقاء کے تحت المتن صفحہ ۱۳، آیہ (۷: ۳۵) میں گذر چکی ہے: فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

قرآن کی اعجاز نما تعلیم نے ایک اقلِ قلیل مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کُش وحشیوں کو روحانیت اور ایمان کے حلقۂ اثر میں لاکر، انکی کایا پلٹ دی۔ ریگستان کے ان بے مُہار حُدی خوانوں کو، جن کی زندگیاں سالہا سال سے ریت کے چٹیل اور خشک میدانوں میں تشنہ اِل اور آوارہ مراد کٹتی تھیں، خدا کی حبل متین میں جکڑ کر کامران صلاح اور سُبک گام عمل کر دیا۔ بداعمالی اور فسق کے یہی آزادہ رَو بندے، جن کے ہر فرد کو قتل و غارت پر ناز، اور ہر شخص کو بدکاری کا اِدّعا تھا، چشم زدن میں طاعت کی لذت اور عشق خدا کی خلش سے آشنا ہو کر، عبودیت کے رہ نورد بن گئے۔ اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعمال میں صلاحیت آگئی۔ وہی طاقتِ عمل جو داحس اور بسوس* کی خانہ جنگیوں میں قومی تخریب کا باعث ہوا کرتی تھی، قرآن کی حُسن تجویز سے اعلائے حق میں صرف ہوئی؛ وہی جوشِ اعتقادی جو لات و منات، ہُبل و عزیٰ کی جاہلانہ پرستش سے قبائل عرب کو نصیب تھی، خدائے واحد کی سرفروشانہ عبادت سے بدل گئی۔ بالآخر ایمان کے اِنہی بے محابا فدائیوں، اور عمل صالح کے اِنہی نامصلحت اندیش والہوں نے باطل کو دنیا سے یک قلم محو کر کے، اُسکے ہر گوشے میں صداقت کی گونج اور فدویّت کی ہیبت پیدا کر دی! کلامِ الٰہی نے منتشر قوتوں کو جمع، کمزور جذبات کو مضبوط، اور نفسانیت کو مغلوب کر دیا۔ وحشیانہ عادات کو مناسب سطح پر لاکر، اقتصاد اور میانہ روی کی ہدایت کی حسیات ملیہ کو متحرک اور وسیع الاثر کر کے عالمگیر اسلامی اخوت کا سبق دیا۔ نیتوں کی راستی اور ارادوں کی درستی کو اعمال کے عواقب پر مقدم کر کے ہیجانِ عمل پیدا کر دیا۔ جائز مراسم اور مفید روایات کو مفید تر پیرائے میں بدلکر پھر رائج کیا۔ الغرض ارادات اور اعتقادات کی

---

* زمانۂ جاہلیت کی دو مشہور خانہ جنگیاں حرب بسوس اور حرب داحس کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ۴۹۴ء میں شروع ہوئی اور چالیس برس تک جاری رہی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا۔ کھیت والی نے اونٹ کو مارا بلکہ غصے میں آکر اُس کے تھن کاٹ ڈالے، اس پر فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سب قبائل اس لڑائی میں شریک ہوگئے، اور ستر ہزار آدمی اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھے۔ حرب داحس گھوڑدوڑ میں کسی شخص کے گھوڑا بدکانے پر ۵۶۸ء میں شروع ہوئی اور تریسٹھ برس تک جاری رہی! اس لڑائی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب بعض قبیلے حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ مگر قبیلوں کے قبیلے اُس وقت تک کٹ مرے تھے!

کامل صلاحیت کو **ایمان** سے، اور عبادات اور معاملات کی کامل درستی کو **اعمالِ صالحہ** سے تعبیر کر کے شریعت اور سیاست کی بنیاد ایک پتھر پر رکھدی۔ اور چند برسوں کے اندر اندر عرب کے ان سیہ کار اور فاقہ مست گداؤں کو شناسائی خدا کے ساتھ ساتھ بادشاہت زمین کی ہر رمز سے آگاہ کر کے عالم ستانی کے لائق اور جہانبانی کا اہل بنادیا!

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا (۱۷: ۹)

بیشک یہ قرآن اپنے عاملوں کو اُس طرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفرین ہے اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُنکے لیئے بڑا اجر ہے۔

پس اگر آج تیرہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے، اگر آج اُسکی ہر روش بربادی کے سپرد، اور اُسکا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے، اگر اُسکی بد طالعی اور خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں، اگر اسکی بے آبروئی اور فاقہ مستی کا ماجرا شرمندۂ بیان اور رُوکش تشہیر نہیں رہا، اگر آج اُسکی ذلت اور مسکنت کی چوٹ جگروں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کرتی، اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اُسکے ہر فرد کو بے پروائے سعی اور بیگانۂ عمل کر دیا ہے، اگر افلاس کی غیرت اور بے سر و سامانی کی آن آج اسکو منت کش چارہ گر ہونے نہیں دیتی، اگر اس کی نعش جاں سپار پر آج ایک سچا ماتمی اور نوحہ گر موجود نہیں، نہیں نہیں، اگر اسکے عزاداروں کی آسمان رس فغاں اسکے بخت خوابیدہ کو جگا نہیں سکتی، اگر اسکے یتیموں کے دلفگار آنسو، اور بھک منگوں کی جاں گداز آہیں فرش زمین میں شگاف اور سقف آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں، اگر اسکے پسماندوں کی محشر انگیز سینہ کوبیاں اللہ میاں کے عرش کو متزلزل نہیں کرتیں، اگر خدائے پاک کی غیرت اور شان عفو، زمیں پاش سجدوں اور فلک شگاف دعاؤں کے باوجود جوش زن اور متحرک نہیں ہوتی، اگر آج محبوب خدا اور حبیب ملت نبی کی **شفاعت** بھی اُمت کے حق میں کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، نہیں العیاذ باللہ نہیں! اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریق عمل،

عداوتِ رسولؐ اور عصیانِ خدا کے باعث رحم کی قطعی غیر مستحق، اور شفاعت کی یقیناً نااہل ہوگئی ہے۔ اور آسمانی اور زمینی بلائیں آج ہر طرف سے اُسکے اُجڑے ہوئے جھونپڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ویران کر رہی ہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن کے مقاصد سے قطعاً نا آشنا ہوگئے ہیں اور **ایمان** اور **اعمالِ صالحہ** کے اصلی مفہوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں!

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي† اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ (۲۵-۲۰-۳۲)

اسوقت رسولؐ پاک اللہ کی جناب میں بصد حسرت عرض کرینگے کہ آہ! اے میرے پروردگار، میری اُمّت نے تیرے اس بھیجے ہوئے قرآن کو لغو سمجھکر چھوڑ دیا! اور بعینہٖ اسطرح ہم نے ہر نبی کی مخالفت میں احکامِ خدا سے مجرمانہ تغافل کرنے والوں کی ایک جماعت بنا رکھی ہے، مگر اس مایوس کن حالت میں بھی تمہیں راہ سجھانے اور مدد کرنے کو تمہارا پروردگار بس ہے۔ اور آج منکرینِ خدا جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے رسول پر کیوں نہیں نازل کیا گیا اور جستہ جستہ کیوں اُترا، فی الحقیقت مناسب یہی تھا کیونکہ ہم اُنکو مطمئن کرنے کی بجائے سب سے پہلے اسکی صداقت اور عظمت کو تمہارے دلنشین کرنا اور تمہارے قلبِ سلیم کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی غایت کو پیشِ نظر رکھکر ہم نے اسکو ٹھیر ٹھیر کر اُتارا کہ اسکی ایک ایک آیت کی اہمیت کو تمہارے دل پر کالنقش فی الحجر کر دیں۔

† 'قوم' کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ پر خاص اُس اُمّت کے لیئے آیا ہے جس کی ہدایت کے لئے کوئی رسول بھیجا گیا ہو۔ مثلاً آیات (۶ : ۶۶)، (۱۱ : ۳۶)، (۴۲ : ۴۴)، (۴۳ : ۵۷) میں، اور بالخصوص آیۂ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴ : ۴) میں، "اور ہم نے کوئی رسول اپنے ہاں سے نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ ہمارا پیغام اُسی زبان میں لے جاتا ہے جو اُسکی قوم کی ہے تاکہ پھر ہمارے منشا کو غیر مشکوک طور پر واضح کر دے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر آیت (۲۵ : ۳۰) میں قرآن کو لغو سمجھکر متروک کر دینے کا اشارہ بالخصوص قوم عرب کی طرف ہی ہے۔ اور چونکہ کتابِ خدا کے عربی زبان میں ہونے کے باعث، اِس کے مقاصد اور مطالب اہلِ عرب کو عجم کے بالمقابل، بدرجہا واضح تر ہونے چاہیئے تھے، اسلیئے آج فقدانِ مطالب کی اکثر ذمّہ داری اہلِ عرب کی گردن پر ہے، نہ باقی دنیائے عجم پر۔ آیندہ اوراق میں چلکر بتایا جائے گا کہ اسلاف صالحین سے قطع نظر جن کے سلیم الذہن طبقے قرآن کے عظیم الشان مطالب سے کماحقہٗ واقف تھے، اور جن کے علم و عمل نے ہی فی الحقیقت اسلام کو تمدّن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا، اخلافِ عرب نے کتابِ خدا کو ہجر و ہذیان بنانے میں کسقدر مستقل حصّہ لیا، اسکے مطالب میں کیا کیا آمیزشیں کر کے ایک دنیا کو اس سے بیزار کر دیا۔ آج اس زمانے میں بھی مسلمانانِ عالم کے اکثر مذہبی اور معاشری، تمدّنی اور اجتماعی معاملات میں اہلِ عرب کا روایتی اقتدار اس انتہائی حد تک نمایاں ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت کی اکثر ذمّہ داری بھی اہلِ عرب پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اسلام کی داستانِ زوال کے ہر مرحلے میں یہ امر اسقدر روشن ہے کہ تاریخ کے ہر وسیع النظر طالب العلم کا اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا قریباً محال ہو گیا ہے۔

آج قرآن کی سچی عظمت دلوں سے محو ہوگئی ہے! اُسکے عالم افروز مطالب اور محیر العقول معانی کو دلنشین کر دینے والے درس متنفس زندہ نہیں رہے؛ اُسکے حیرت انگیز ربط اور مکمل لائحہ عمل کو عیاں کرنے والا ایک فرد باقی نہیں رہا! اُسکی بُرہان ساطع اور حکمت لامعہ، رسمی ادب اور سطحی تعظیم کے گرد آلود جزدانوں اور ریشمین غلافوں کے اندر سربلند طاقوں میں چھپی ہے؛ اسکی حُجت قاطعہ زبان کی عام نافہمی، تراجم کی حسرت آفرین کمی، اور مطالب کی نفرت انگیز تشریحوں کے باعث ہُجر وہذیان بنکر دردناک کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ طہارت کے سقیم عذروں، رموزِ اوقاف اور اسالیبِ قرأت کے فوق الضرورۃ خوف آلود فتواؤں نے اِس عظیم الشان کتاب کو اور بھی متروک و مہجور کردیا ہے۔ اِسکے کُھلے کُھلے احکام کے مطالب، اور سیدھی سادی آیتوں کے معانی بھی لغت، صرف و نحو، علم الانشا، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم رسم الخط وغیرہ وغیرہ، کے اُن لامتناہی نکات اور مصنوعی رعایات کی شرح و بسط کے نیچے دب گئے ہیں جو عرب زباں دانوں نے محض اپنی زبان کو جِلا دینے کی خاطر ترتیب دیئے تھے۔ قرآن کا صحیح مطالعہ عرب تو درکنار، دنیائے عجم کے نزدیک بھی آج زیادہ تر انہی غیر متعلق علوم و فنون کا شبانہ روز درس والتزام ہے جو اہل عرب نے خود قرآن ہی کو معیارِ فصاحت و بلاغت مان کر اُسی کے تتبع میں قرنوں† بعد اختراع کیئے تھے۔ مسلمانوں کا درد انگیز قحط عقل، اور اُن کی مضحکہ خیز کم فہمی آج عرب کی کورانہ تقلید میں مغز کو چھوڑ کر پوست کی محبت میں گرفتار ہے، اور قرآن کی نہایت ادنیٰ، وہمی، اور سطحی فضیلت کو اہل غرض کی

---

† علم نحو کی ابتدا خلیل ابن احمد (المتوفی ۱۷۰ھ ۷۸۶ء) سے ہوئی، اگرچہ ابوالاسود الدؤلی (المتوفی ۶۹ھ ۶۸۸ء) نے اس موضوع پر چند ابتدائی تقاریظ لکھیں۔ سیبویہ (المتوفی ۱۸۰ھ ۷۹۶ء)، اور کسائی (المتوفی ۱۸۹ھ ۸۰۵ء) نے بعد ازاں اس فن کو مستقل کیا۔ علم صرف عام طور پر کسائی سے منسوب ہے مگر اسکا اصلی موجد ابوعثمان بکر بن محمد مازنی بصری (المتوفی ۲۴۸ھ ۸۶۳ء) ہے۔ علم لغت کی ابتدا ابو عبیدہ (المتوفی ۲۱۰ھ ۸۲۵ء) نے کی۔ علم انشا کا ظہور ابوجعفر منصور عباسی (المتوفی ۱۳۷ھ ۷۵۴ء) کے عہد میں ہوا۔ علم المعانی والبیان پر پہلی کتاب غالبًا عبدالقادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ ۱۰۷۸ء) نے خلیفہ المقتدی باللہ کے عہد میں لکھی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی ۲۹۵ھ ۹۰۸ء) ہے جو خلیفہ المعتز کا بیٹا اور المعتمد باللہ کا بھائی تھا۔ درس و تدریس قرآن کے متعلق باقی فنون کی ابتدا بھی نزول قرآن کے قرنوں بعد ہوئی۔ کتاب الٰہی کا مطالعہ صدر اسلام میں ان تمام تکلفات سے بے نیاز ہوکر ہوتا رہا۔ لیکن کیا ان فنون کی عدم موجودگی میں آج کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کے عہد کے مسلمان قرآن کے مطالب سے بعد کے مسلمانوں کے بالمقابل کم آشنا تھے، یا اُس کی نبوی تعلیم اور معنوی خوبیوں سے کم واقف تھے؟

اپنی بنائی ہوئی دلیل، اور اپنی پیدا کی ہوئی سند سے ثابت کرنے کی لاطائل سعی کر رہی ہے!

تو سر بادیدۂ بر شعلہ می تازی زخاکستر
بہ بینی حسن خاکستر چو در روشنگراں بینی

آہ! اِس المناک تکلف اور مجرمانہ ظاہر پرستی کا خمیازہ مسلمانوں کو آج اُٹھانا پڑا ہے جبکہ صدیوں کے اِس بے سود اجتہاد، اور تضیع وقت نے اُنھیں اپنی محبوب کتاب کے مہتم بالشان مقاصد سے اسقدر علیحدہ اور دائمی بہبودی کے حیرت انگیز دستورالعمل سے اِسقدر دور کر دیا ہے۔ کاش! جس تصنع اور ظاہر نوازی سے خلیل ابن احمد، ابوالاسود الدؤلی، سیبویہ، کسائی، قطرب اصمعی وغیرہم نے قرآن کو ادب وبلاغت کی صحیح محک مان کر اُسے کئی ایک مستقل علوم ادبیہ کا ماخذ و مصدر قرار دیا تھا اگر رازی، ابن رشد، فارابی، ابن حزم، اشعری وغیرہم علیہم الرحمۃ بھی کتاب الٰہی کے دروں کو قانونِ فطرت کا صحیح ضابطہ، اور مشیّت خدا کی صحیح تصویر مان کر اُسی طریقے پر مستقل اور ناقابلِ ردّ علوم الکلام اور علوم الطبیعۃ کی بنیاد ڈالتے، اور قرآن کا تمام ضابطہ عمل عیاں کر دیتے، تو آج اسلام اِس اندوہناک مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ برخلاف اِسکے علم کلام میں مسلمانوں کی تمام تر سعی نہایت نازک اور خارج از بحث، مابعد الطبیعی اور غیر مفید موضوعوں کے غلط استنباط اور غلط اجتہاد میں صرف ہوئی۔ معارفِ الٰہی، اوصافِ نبوّت، ماہیّتِ وحی، حقیقتِ روح، بحث امامت، جبر و قدر، احوالِ قیامت، عذاب قبر، خلقِ قرآن، وغیرہ وغیرہ، ایسے مسئلے تھے جن سے کسی غائر نظر کے بعد بھی کوئی یقینی فائدہ یا قطعی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ یونان کے ضعیف اور لفاظ، غیر مستند اور خیال آرا فلسفے نے اِن مباحث کو چھیڑ کر مسلمانوں کے اعتقادات میں دردناک تصادم پیدا کر دیا۔ اہلِ سُنّت اور شیعہ، خوارج، معتزلہ، قرامطہ وغیرہا کے علاوہ جبریّہ، قدریّہ، مُشبّہ، مُرجیّہ، باطنی، ناصبی، غالیہ، وغیرہ وغیرہ بیسیوں فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے! اجماع امت شک میں تبدیل ہو گیا۔ قرآن کے مطالب کی تنظیم و تنسیق قطعاً ترک گئی۔ استدلال کا تمام تر رجحان معتقدات اور ظنیات کی طرف ہو گیا، معاملات اور یقینیات کیطرف توجہ نہ رہی

اِن نامراد قضیّوں میں پڑکر مُسلمان قرآن کی حقیقت سے اور بھی دور ہو گئے۔ جمہور عُلمائے دین کی اعتقادات میں بالغ نظری اور معاملات کی طرف کم نگہی آج ایک بہت بڑی حد تک اِسی مفسدانہ اور شر انگیز فلسفیانہ اجتہاد کا بقیہ ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝† فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (۲۳: ۵۲-۵۴)

اور مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ تمہاری اُمّت اپنے اصل و اساس کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے جو میری سرکردگی اور سرداری میں قائم ہے، اور وہ اصل مقام خدا کا خوف ہی پس مجھ ہی سے ڈرتے رہو، اور مشترک خوف کے باعث ایک اُمت بنے رہے ہو۔ آہ! لیکن خدا کا خوف اُن سے زائل ہوتا گیا، اور لوگوں نے آپس میں پھوٹ پیدا کر کے اپنا اپنا مسلک جُدا کر لیا۔ اب ہر فرقہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے۔ پس اِن سب کو غفلت میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ امر الٰہی اُنکے اِس گناہ عظیم کی پاداش میں سب کا فیصلہ کر دے!

علم کی صداقت آزما فضا، اور عمل کے فیصلہ کن میدان میں آج اِس **یونانی فلسفے** کی دھجیاں اُڑ چکی ہیں۔ سطحی خوب صورتی، لفظی نزاع، غلط مقدّمات، ظنّی استدلال، عقر نتائج، وغیرہ وغیرہ، کوئی ایسی مد نہیں جسکے رو سے اسکی اصلیّت، حسب نسب، اور نامۂ اعمال کی قلعی نہ کُھل گئی ہو۔ خود مسیحی یورپ بھی آج اپنے کمال قوّت اور عدیم المثال تمکّن کے غرور میں کبھی کبھی اِس پرانی، باتونی، اور بے وفا معشوقہ کی داستان دل لگی اور افسوس کے طور پر لے بیٹھتا ہے جسکی دلفریب باتوں کی بلائے محبت میں وہ مسلمانوں کی شہ پر دو سو برس تک گرفتارِ وصال اور منتظرِ نتائج رہا۔ مگر مسلمان ہیں کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اِس راندۂ عالم اور مضعفِ یقین، اِس تہیدست اور قلاش محض عجوزہ کے تبسّم نما لبوں اور عشوہ سنج نگاہوں کے

† حاکمِ وقت کا خوف بشرطیکہ سچّا خوف ہو رعیّت کے افراد کے مابین سچّا اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی ایک شخص کے ماتحت رہ کر متحد نہیں ہوئی تو اُسکو لامحالہ اُس حاکم کا کچھ خوف نہیں۔ خوف کے ہوتے ہوئے تفرقہ ناممکن ہے۔ اور یہ بات ہر مُنتظم محکمے اور ادارت میں روزمرّہ نظر آتی ہے۔ پس تقوٰے اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدت اُمّت ہے۔ اور وہی قوم دراصل متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد بنکر رہے! اِس عالم آرا اصول کی تائید آگے چلکر جا بجا ملے گی۔ یہاں پر اِس سے بحث نہیں۔

گھائل ہیں اور اپنی دینی اور دنیاوی کشائش کی راہ ابتک اس ناپاک فلسفے کے قدموں تلے دیکھ رہے ہیں! کیا خدائے پاک کا تنبیہی اور تادیبی اشارہ جو آیہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ[1] (۵۶ : ۷۹) میں ہے، اور جسکی سطحی تعمیل اور دور از کار تاویل[†] میں مسلمان اس جوش و خروش سے استعاذوں، استغفاروں، اور پے در پے طہارتوں کے بغیر قرآن کا

[1] اس قرآن عظیم کو پاک بندوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا۔

[†] اس معنی خیز اور حقیقت نما آیت کا غلط استعمال جسقدر مسلمانان عالم نے پے در پے کئی قرنوں سے بالالتزام کیا ہے شاید ہی کسی دوسری ایک آیت الٰہی کا کیا ہو۔ کتاب خدا کے قدیم تر نسخوں میں جسقدر اس کا سرورق پر زیب عنوان ہونا کہیں تحقیق نہیں، اسیقدر اسلام کے زمانہ انحطاط سے آجتک یہ آیت نہایت استقلال کے ساتھ قریب قریب ہر مجلد کا سرنامہ بنتی رہی ہے۔ قرآن کریم کا ہر عالم اور جاہل مؤلف بلا امتیاز اسکو سرورق پر کہیں نہ کہیں جگہ دیتا رہا ہے، اور اسکی شمولیت کو اپنی تالیف کا جزو لاینفک قرار دیکر اپنے زعم میں دنیا کو خدا کی ایک نہی مہم کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اسکے غلط العام مفہوم کے متعلق اپنے دل میں ذرا سا شک بھی نہیں رکھتا۔ مگر ہر قوم کے زوال کی داستان دراصل اسکی حسیات کے زوال کی داستان ہے، جب سعی و عمل کا اصلی ہیجان افراد کے قلوب سے رفتہ رفتہ فرو ہوجاتا ہے اور طبیعتیں آرام پسند بن جاتی ہیں تو انسان اپنے دل کی تسکین کے لیئے چند ایسی باتیں اعتقاد کے طور پر لے لیتا ہے جن کے کرنے میں کم سے کم تکلیف ہوتی ہے اور ان کے کر لینے سے ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ جبتک مسلمانان عالم، کتاب خدا کو کسی جلیل القدر حاکم کا فرمان خسروی یقین کرکے اسکے ایک ایک حرف پر عمل کرنا ناگزیر سمجھتے رہے، اسکی اہمیت اور عالی نسبتی سے خوفزدہ رہ کر لرزتے رہے، اور اسکی تعمیل میں اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈالتے رہے، قرآن کی تعظیم کا صحیح مفہوم عمل اور صرف عمل ہی رہا۔ لیکن جب سعی و عمل سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا تو لوگوں نے قولِ خدا کی لفظی اور زبانی تعظیم کو اپنے اعتقاد کا جزو کبیر بنا کر اپنے نفس کو دھوکا دیا، اسی کو حاکم اعلےٰ کا صحیح منشا سمجھنے لگے، اسی کو حکم حاکم کی مرگ مفاجات فرض کرلیا، اسی میں اپنا تمام تر اعتنا و انہماک صرف کردیا۔ پھر نفس فریب کار کی اس خوشنما بہانہ سازی نے قرآن کی تعظیم ریشمین جزدانوں میں بند رکھنے، یا کبھی کبھی تبرک کے طور پر تلاوت کر لینے پر محدود کردی، اور جب اس مکر و ریا کو نباہنا بھی طبیعت پر گراں گذرنے لگا تو اسکو ہر وقت بالائے طاق رکھنے کا شیوہ اختیار کرکے گویا خدا کو بالائے طاق رکھدیا! آج یہی ابلیس کی بنائی ہوئی منقبانہ دلیل ہر فرد و متنفس کے دل میں موجزن ہے، اور باوجودیکہ انسانی تعلق اور تعبد کا انداز ہمیشہ سے یہ ہے کہ کسی مشاہرہ دہ حاکم کے مکتوب کو دیکھکر کئی کئی راتوں تک نیند حرام ہوجاتی ہے، اور دن تیاری اور تعمیل میں صرف ہوتے ہیں۔ اور فہم مطلب کے اضطراب میں اس منشور خسروی کو اٹھا اٹھا کر پڑھا، اور پڑھ پڑھ کر رکھدیا جاتا ہے اور عمل کے سوا کسی دوسری تعظیم کا خیال تک نہیں گذرتا، تاہم مسلمانوں کے نزدیک آجکل تعظیم احکم الحاکمین اور تکریم جلّ و علےٰ کی بہترین تجویز یہی ہے کہ اسکے مکتوب کو طاق نسیان پر رکھکر پھر اس کی خبر نہ لی جائے اور ہر دم باوضو نہ ہونے کا یا اور شیطانی عذر رکھکر اسکو ٹال دیا جائے۔ آہ! لیکن جسوقت کسی قوم کی نفسیتیں بگڑ جاتی ہیں، جب تکلیف کی بجائے آرام ان کا شیوۂ عمل بن جاتا ہے تو کوئی منطق، کوئی دلیل، کوئی حس مشترک انکو بہتر بنانے کیلیئے کارگر نہیں ہوتی۔ ورنہ خوف خدا کے اس لشکر انگیز اور کشورکشا زمانے میں جب کہ قرآن کے یہی الفاظ سردار امت اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر براہ راست آسمان سے وحی ہو رہے تھے، آپ کی چاہیتی اور رازدار بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کلام خدا کو چمڑوں، اور کھجور کی شاخوں اور ہڈیوں پر لکھکر اسی طرح علی الحساب ایک صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور وہ صندوق رسولؐ خدا کی چارپائی کے سرہانے پڑا رہتا تھا!

لیکن اس استدلال سے قطع نظر جن معانی میں آیہ مُطَهَّرُونَ (۵۶ : ۷۹) قرآن کریم کے اندر استعمال ہوئی ہے۔ ان کا مسلمانوں کی اس خود ساختہ تاویل سے حتمًا کوئی تعلق نہیں۔ سورہ واقعہ کے ربط کو ظاہر کرنے کا یہ موقع نہیں مگر چند پہلی اور پچھلی آیتوں کے سیاق سے ظاہر ہے کہ نہ

درس تو درکنار، اُسکے اوراق پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتے، یہی معنی رکھتا تھا کہ تم اِس پاکیزہ کتاب کے خدائی مقولات اور اَنمول جواہرات کو یونانی فلسفے کے ناپاک سنگِ اِمتحان پر رگڑ رگڑ کر، اپنی ہی ناقص عیاری اور نااہلی کا ثبوت دو، اور دنیا کو ابدالآباد تک محوِ حیرت اور شرمسار کر دینے والی صداقتوں کے مابین الدفتین خزانوں کو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۰) اِس آیت میں کسی بات سے منع کیا گیا ہے اور نہ اِنہا مقصود ہے بلکہ معترضین کو کتابِ خدا کے مفید عام ہونے، اسکے علم کے سب انسانی علم و خبر سے بالاتر ہونے، اور اسکی تعلیم کے مصدر عزت و امن ہونے کا دعوے حیرت انگیز الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۙ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۙ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۙ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۙ وَاَنْتُمْ حِيْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ۙ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۔ (۵۶: ۷۵-۸۵)

تو اے راہ گم کردہ غفلت زدو! اور اے احکام خدا کو مکر سے ٹالنے والے بہانہ سازو! (الفاظ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ (۵۶: ۵۱) کا ترجمہ، جو اِس سے پیشتر آچکے ہیں، اور جہاں سے برابر مُكَذِّبِيْنَ قرآن اور ضَآلِّيْنَ کی طرف خطاب ہو رہا ہے۔ حتّٰی کہ (۵۶: ۹۲) میں بھی انہی (الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ کی طرف عود کیا گیا ہے،) میں تم کو آسمان کی اِس پہنائے بیکراں میں کروڑوں میل بلند ستاروں کے مقاماتِ عالیہ کو گواہ ٹھیرا کر کہتا ہوں (اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ) اور بگوش ہوش سن لو کہ اگر تم کو علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ اِن آسمانی رصدگاہوں کی شہادت ایک بہت ہی بڑی اور قطعی شہادت ہے، کہ یہ قرآن عظیم ایک بڑی ہی بلند پایہ (كَرِيْمٌ)، بڑی ہی قابل قدر و عزت (كَرِيْمٌ)، بے حد لائق غور و خوض (كَرِيْمٌ)، اور فراخور اعتنا و انہماک (كَرِيْمٌ) کتاب ہے۔ ہمارے نزدیک اِس کے احکام کی عزت، اسکے مضامین کی قدر و منزلت، اُن کی اہمیت، ضرورت اور نافعیت، فی الجملہ اسقدر ہے کہ گویا کئی تہوں میں رکھے ہوئے (مَّكْنُوْنٍ) اَنمول موتیوں کی طرح بین الدفتین لپٹی پڑی ہے، جسکو بوجہ اِس کے نایاب اور بے بہا ہونیکے پاک صاف اور اہل آدمیوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا (لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ) کم فہمو! قدر شناس انسانوں کے دلوں میں اِس کتاب عزیز کے احکام کی یہ وقعت کیوں نہو، یہ تو ایزد بے مثال کا اُتارا ہوا کلام ہے جو مخلوقِ زمین و آسمان کا پالنے والا ہے اور سب کو امن و راحت دینا جسکا اولین پیش نہاد ہے (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)۔ تو کیا تم ایسے قابل قدر، ایسے منفعت بخش اور اسقدر نایاب کلام سے مُداہنت اور مسامحت روا رکھوگے (اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ) کیا اِن بے بہا احکام کی تعمیل سے گریز کرنا، اُن کو جھوٹ سمجھکر اُن سے بے اعتنائی برتنا اپنا روزینہ اور ذریعہ معاش بنالوگے (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ)! تو خیر کچھ پرواہ نہیں شوق سے کرو، لیکن اے اجل زدو! اِس فرمانِ خسروی کو اُسدن کیوں نہ جھٹلاؤ جب کہ اجتماعی شکستِ ریخت کے قیامت انگیز سمے میں تم میں سے ایک ایک فرد کی جان بدن سے کھچکر حلق میں آپہنچے گی، اور تم اُسوقت ٹکر ٹکر پڑے دیکھ رہے ہوگے اور ہرگز کچھ نہ کر سکوگے! پھر اُسدن ہم تم سے بھی زیادہ تمہارے حلق سے قریب تر (اَقْرَبُ اِلَيْهِ) کھڑے تمہارا گلا گھونٹ رہے ہونگے، اور تم کو خبر تک نہ ہوگی (وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ)!

اِس مربوط ترجمے سے جس میں ہر آیت کے مطالب کو بعد کی آیت سے سلسلہ وار پیوست کر دیا گیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے الفاظ احکام الٰہی کی قدر و منزلت کو ساکنانِ زمین کی نگاہ میں عیاں کر دینے کے لیئے بطور استعارہ استعمال کیئے گئے ہیں۔ کتاب خدا کو آیہ (۵۶: ۷۷) میں کَرِیْم کا خطاب دیا ہے اور آیہ (۵۶: ۷۸) میں اسکے تکرّم کی تو کید مزید لفظ مَّكْنُوْنٍ سے کر دی ہے۔ گویا یہ کتاب وہ دُرِّ شہوار اور وہ گوہر نایاب ہے کہ موتیوں کی طرح تہوں میں لپٹی پڑی ہے۔ یہ کسی شئے کو لپیٹے رکھنا ہی انسان کے نزدیک انتہائی تعزز کا معیار رہا ہے، اور بعینہ یہی تشبیہ رب جل و علی نے حوران بہشتی کے متعلق آیہ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (۵۶: ۲۳) میں فرمائی ہے، گویا وہ حوریں تہوں میں رکھے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔ حوروں کا فی الواقع لپٹی ہوئی ہونا نہ یہاں مراد ہے اور نہ قرآن کا عرش معلّٰی پر آیت زیر بحث (۵۶: ۷۸) میں، بلکہ مقصود احکام خدا یا انعام خدا کی قدر و قیمت

چھوڑ کر، کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیئے ہوئے، یُونان کی مسخ شدہ حکمت کے دریوزہ گر بنو!

آفتاب اندرون خانہ وما — دربدر میسرویم ذرہ مثال
گنج در آستین ومیگردیم — گرد ہر کوئے بہر یک مثقال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۱) کا جتلاتا ہے۔ اسی قدروقیت کی مزید تائید لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۵۶: ۷۹) کے الفاظ سے کر دی ہے، یعنی وہ لپٹے ہوئے موتی اسقدر قیمتی اور آبدار ہیں کہ میلے ہاتھوں کا اُن کو چھونا بھی منع ہے۔ یہی تخصیص سورۃ الرحمٰن میں حوروں کے متعلق کی ہے: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (۵۵: ۵۶ و ۷۴) یعنی "کسی جنّ و انس نے ان کو اس سے پہلے چھُوا تک نہ ہوگا"

اب رہا یہ سوال کہ کتاب خدا کی قدرو منزلت آیا اسی سطحی تعظیم میں ہے جو کم ہمت مسلمان آج کر رہے ہیں، یا اُسکے مشمولہ احکام کی تعمیل کرنا ہی قرآن کریم کی صحیح قدر شناسی اور عزت ہی۔ اس کا جواب آیۂ مُّدْهِنُونَ (۵۶: ۸۱) اور آیۂ تُكَذِّبُونَ (۵۶: ۸۲) میں ہے۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے مداہنت، یہی ہے کہ مکر اور چرب زبانی سے کام لیکر اسکے احکام کی آرام دہ تاویلیں کر دیجائیں، ان کی تعمیل سے گریز کیا جائے، اور نری سطحی آؤ بھگت کرکے العیاذ باللہ خدا کو دھوکا دیا جائے۔ یہی کفر کے صحیح معنی ہیں اور یہی تکذیب آیاتِ الٰہی ہے۔ جیساکہ دوسری مجلد میں واضح کر دیا جائے گا۔ خدا کی نظروں میں مُکذّب، وہی شخص ہے جو اُسکے کہے پر عمل نہیں کرتا خواہ وہ اُسکے قول و کلام کا مُنہ سے رسمی اقرار کرے یا نہ کرے۔ اِنہی معنوں میں رسول خدا صلعم کے زمانے میں اکثر اہل عرب مکذّب تھے۔ مُنہ سے مقر ہو جانا اور عملاً تکذیب کرنا، خدا بلکہ فی الحقیقت ہر اولوالامر کے نزدیک وہ فعل عبث ہی جس کی کچھ اُجرت نہیں۔

تعجب ہے کہ احکام الٰہی کو عملاً ماننے کی اس حیرت انگیز تحریص و ترغیب کے باوجود آیۂ مُطَهَّرُونَ کے معانی یہ لیئے جاتے ہیں کہ خدا نے اس کتاب کو ہاتھ مُنہ دھوئے بغیر چھونے سے منع فرمایا ہے، اور صرف رسمی تعظیم مقصود ہے۔ ایک سلیم الذہن شخص کے نزدیک یہ تشریح نہایت لغو اور مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خدا کی شان سے حتماً بعید ہے کہ اپنے فرمان خسروی کی ایسی ناقص اور بے معنی تعظیم کرنے کا حکم دے جو آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کو بھی قطعاً گوارا نہیں، اور جسکا نتیجہ اسکی تبلیغ و اشاعت کو بیحد محدود اور نامسلمان ملکوں میں قطعاً مسدود کر دینا ہو۔ مگر اس تمام استدلال سے قطع نظر، کیا آج غیور مسلمانوں اور بالخصوص سات کروڑ ہندی مُسلموں کے لیئے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں کہ آیۂ مُطَهَّرُونَ کی اس تاویل کو بالاتفاق تسلیم کرتے ہوئے بھی اُن کی فاقہ مستی اور بے نوائی، اُنکی بے حسّی اور لاأبالیت اس حد تک پونہچ چکی ہے کہ قرآن کریم کی اکثر اشاعت اور طباعت کا فراد ناپاک ہندؤں کی وساطت سے ہو رہی ہے۔ اُن کا اس کتاب کو چُھونا تو درکنار، عین سرورق پر آیۂ مُطَهَّرُونَ کے ساتھ ساتھ اُنکے نام نامی لکھے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے!

میرا مقصود اس تمام بحث و تمحیص سے حتماً یہ نہیں کہ کلام الٰہی کی ظاہری تعظیم نہ کی جائے، یا کم کر دیجائے، بلکہ یہ کہ صحیح قدر شناسی صرف اُسکے احکام کی تعمیل میں ہے اور بس۔ جو شخص قولِ خدا پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال رہا ہے وہی اُسکے قول کی تعظیم کر رہا ہے، وہی اُسکو مان رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر اوقات یقین و عمل کے ساتھ ساتھ ایک ظاہری ادب بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسا احترام بھی کسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں۔ جس بات پر اعتراض ہے یہ ہے کہ کتاب خدا کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں ریا و مکر کی تعظیم نہ ہو، جمود و فریب کی عزت نہ ہو، آرام دہ "تکلّف" نہ ہو، تسکین دہ بناوٹ نہ ہو، دل سے انکار اور مُنہ سے اقرار نہ ہو، نفس کو دھوکہ نہ ہو، شیطان کی ساعت نہ ہو، خدا سے گریز نہ ہو! اگر یہ ہے اور ساتھ ہی جنت کی لَو بھی لگی ہے تو مسلمان وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ[51] (۳: ۵۴) کے مضمون کو یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ اس خوش اعتقادی کا کیا انجام ہو سکتا ہے!

(باقی بر صفحہ آیندہ)

[51] اور اِدھر اُن لوگوں نے مکر کیا تو اُدھر خدا اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ مکاروں کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے۔

مغربی حکمت کے اِن شیدائیوں نے آہ! اس تیرہ سو برس کے اندر قرآن کی مقدس مجلدات کو درس کے ہر موقع پر آنکھوں سے لگاتے اور بار بار چومتے وقت ایک مرتبہ بھی اُسکے اُن دعاوی پر غور نہیں کیا جنکو وہ ہر نئے موضوع کے عنوان میں، ہر دقیق بحث کے ضمن میں، اور ہر تازہ اکتشاف کے ضمیر میں پکار پکار کر کر رہا ہے۔ آہ! قرآن حقیقت کے اِن گمراہ متلاشیوں کو سوفسطائی فلسفے سے ہٹا کر حق و یقین کے راہ راست پر ہی لا رہا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ اسکی آیات حکمت کے کامل اُستاد، اور غالب البرہان خدا کے اپنے ہاں سے اُتری ہیں: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ[51] (۳۹: ۱)؛ اُس بے مثال ہستی کا روئے سخن حکمت کے اِنھی نامراد ہرجائیوں کی طرف تھا جب اُس نے قرآن کو حکمت کی بے بدل اور جامع و مانع کتاب قرار دے کر اُسکی قسم کھائی تھی: يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[52] (۳۶: ۱-۴)؛ وہ ربّ عزیز و حکیم، فی الحقیقت، انسان کو اسکی اپنی ایجاد کی ہوئی ہر حُجّت اور حکمت سے عملاً بے نیاز کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی بھیجی ہوئی بُرہان، اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو "کتاب حکیم" کا جامع اور مانع لقب دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ[53] (۱۰: ۱)؛ شارع زمین و آسمان کی مراد حکمت کے اِنھی نادان اور کم علم فلسفیوں کو "صراط مستقیم" پر لانے کی تھی جب اُس نے جتلا دیا تھا کہ تمہارا اُمّی نبی تو قرآن کے مہتم بالشان حقائق

[51] سورہ زمر کے علاوہ جس کا حوالہ متن میں دیا گیا، یہی آیت دو اور جگہ زیب عنوان ہے جن کا حوالہ یہاں پر دیا جاتا ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۵: ۲)، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۶: ۲)، سورہ مومنون میں "العزیز العلیم" ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۴۰: ۲)۔ ترجمہ ان کا یوں ہے: یہ تحریری پیغام (الکتٰب) بارگاہ جلّ و علیٰ کی طرف سے تمام عالم کے نام ہے جو بڑا غالب القویٰ (بڑا صاحب علم (۴۰: ۲)) اور بڑا صاحب حکمت ہے۔

[52] قرآن حکیم اس بات کا شاہد ہے کہ بیشک تم خدائے عظیم کے پیغامبروں میں سے ہو اور اسی صراط مستقیم پر چل رہے ہو جو مقصود خدا ہے۔

[53] یہی آیت سورہ لقمان کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۳۱: ۲)۔ ترجمہ یوں ہے: یہ احکام الٰہی (اٰیٰت) اُس قانون جلیل سے ماخوذ ہیں جو ایک مجسمہ حکمت کتاب ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۵۲) مواقع النجوم کی قسم کا صحیح مفہوم، اسکی عظمت کی تشریح، اور حلقوم تک پہنچنے والی موت کی صحیح کیفیت کا ذکر کسی موقع پر کر دیا جائے گا۔ محولہ بالا ترجمے میں مطالب بہت کچھ عیاں کر دیئے ہیں اور ظاہر ہے کہ مواقع النجوم کی شہادت لامحالہ اُس افق اعلیٰ کی شہادت ہے جو انسان کو کمال علم کے باعث حاصل ہو جاتی ہے اور جو عرب کے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حتماً حاصل ہو گئی تھی۔ اس کیف نبوّت کا ذکر مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۲۱ میں ہو چکا ہے۔

حکیم و علیم خدا کے ہاں سے براہِ راست سیکھ کر آتا ہے: وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ[۱] (۲۷: ۶) اور اُسکی آیات پڑھکر دنیا کو حکمت اور طہارتِ نفس سکھلاتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ[۲] (۳: ۱۶۳)۔ ادبِ آموزِ ازل[۳]

[۱] اور اے محمدؐ! اس میں شک نہیں کہ تم قرآن کی عظیم الشان حکمتوں کو حکیم و علیم خدا کے پاس سے سیکھ کر آتے ہو۔

[۲] لوگو! اس خدائے عظیم نے ایمان والوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان بے علم اور اُجڈ، اَن پڑھ اور انجان اہل عرب میں (فِيهِمْ، دیکھو (۶۲: ۲)) اُن ہی میں کا، اور حسب پسند ایک رسول بھیجا جو آج فرستادہ خدا ہونے کے باعث اس قدر صاحب علم ہو گیا ہے کہ اُن پر خدا کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے (يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ)، ان کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر رہا ہے، اُن کو قانون الٰہی (الْكِتَاب) کا علم دے رہا ہے، خدائے علیم و حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قریب قریب یہی مضمون (فِيهِمْ) اور (يُعَلِّمُهُمْ) کی ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ چار اور موقعوں پر آیا ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۶۲: ۲)

لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے اَن پڑھ اور اُجڈ لوگوں کی ہدایت کیلئے اُن ہی میں کا ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا شخص اپنا قاصد بنا کر بھیجا، وہ شخص آج فرستادہ خدا ہونیکے باعث ہی اسقدر صاحب علم ہو گیا ہے کہ اہل عرب پر خدائے عظیم کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے انکے دلوں کو اپنی زندگی کے پاکیزہ نمونے اور زور عمل سے آلائش عصیان و جمود سے پاک کر رہا ہے (يُزَكِّيهِمْ) انکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے خدائے حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

سورہ بقرہ میں ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲: ۱۵۱)

اے ساکنان عرب! یہ احسانات جو اوپر شمار ہوئے اُسی قطع کے ہیں جیسا وہ عظیم الشان احسان کہ ہم نے تم کو راہ راست پر لانے کے لیے تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ہمارے احکام تم پر واضح کرتا ہے، تمہارے نفس کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا ہے، تمکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے عزیز و حکیم خدا کی حکمت سکھلا رہا ہے، اور المختصر یہ کہ تمکو ان عظیم الشان حقائق فطرت کا علم دے رہا ہے جن کا اس سے پہلے تمہیں کچھ علم نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بھی یہی انداز تھا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! تو ان بے علم اور انجان اہل عرب میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیج، جو تیرے احکام ان پر اچھی طرح واضح کر دے، انکو تیرے قانون جلیل کا علم دے، تیری جلیل القدر حکمت کا درس دے، اور انکی اصلاح کرے (يُزَكِّيهِمْ) اسمیں شک نہیں کہ تو بڑا ہی غالب البرہان اور صاحب حکمت خدا ہے۔

سورۂ نساء میں ہے:

وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (۴: ۱۱۳)

اور اے محمد! اس خدائے ذوالجلال کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا جو اُس نے اپنی کمال عاطفت سے یہ کتاب عظیم تم پر اُتاری، اور یہ کتاب کیا ہے، دراصل مجسمۂ حکمت ہے، جسکے ذریعے سے خدائے علیم و حکیم نے تم کو وہ حقائق عالیہ سکھلائے ہیں جن کا تم کو اس سے پیشتر علم نہ تھا۔

نے یونانی فلسفے کے اِن خوشہ چینوں کو قرآن ہی کیطرف بُلایا تھا جب اسکی سچی اور بے عیب حکمت کو بشریت کے ہر نقص سے بری، اور انسانی صناعت کے ہر سُقم سے پاک ٹھیرایا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ سکتہ (۱۸: ۱)، اور صاف فرمادیا تھا کہ ساکنانِ عالم کو محیطِ ظلمت سے پہنائے نور میں نکالنے والی یہی کتاب ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ (۱۴: ۱)۔ آہ! مغربی منطق کے اِن ذلّہ برداروں نے قرآن میں یونانی فلسفے کے ذریعے سے اجتہاد کرتے وقت نہ سمجھا کہ قرآن کی قطعیت اور کفایت کی یہی دلیل بس ہے کہ وہ ایک کامل باعلم اور کامل باخبر ذات کی طرف سے ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ (۱۱: ۱)، اور اِس بنا پر اسکے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شئے کو دخیل کرنا خدا اور حکمتِ خدا کو العیاذ باللہ ناقص سمجھنا ہے!

---

۵۱ تمام تعریف اور شکر خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا اور اسمیں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔

قرآنِ حکیم کی حکمت میں کجی نہ ہونے اور اسکی صداقتوں کے ازلی اور ابدی ہونے کے متعلق دو اور اشارے ہیں جو اس جگہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ سورۂ زمر کی آیت (۳۹: ۲۷) سے قرآن کی جامعیت اور مانعیت کا دعوٰے بھی نکلتا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے اور تمہیں صحیح طرزِ عمل بتلانیکے لیے اِس قرآن کے اندر ہر ممکن مثال دیکر سارا دستور العمل واضح کردیا ہے تاکہ لوگ اِس سے نتائج اخذ کریں، اور بعد ازاں اُنپر عمل کریں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اِسکی حکمت عالیہ میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی اور ہمارا منتہائے نظر یہ ہے کہ تمام عالم کے لوگ اس بیمثال حکمت پر عمل کرکے عذابِ الٰہی سے بچیں۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ (۴۱: ۴۲)

باطل کو اِس کتابِ عظیم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں، نہ اسکو پیچھے سے وار کرنے کی جرأت ہے۔ جھوٹ نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے (مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ)، نہ پیچھے سے (مِنْ خَلْفِهٖ) نہ آج اِسکو کوئی انسانی حکمت جھٹلا سکتی ہے، نہ آج کے بعد اِسکو کہیں سے گزند پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقتِ عظمٰی اِس حکیمِ اجل، اُس استادِ ازل کی اُتاری ہوئی ہے جس کی حمد و ثنا میں ایک عالم رطب اللساں ہے!

۵۲ یہ قرآن ایک بڑے پائے کی کتاب ہے۔ اِس کو ہم نے تم پر اِس غرض سے اُتارا کہ تم لوگوں کو حکمِ خدا کی اطاعت پر آمادہ کرکے جہل کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لاؤ اور اُنکو عزیز و حمید خدا کی طرف لے جاؤ۔

۵۳ یہ قرآن وہ بے بدل کتاب ہے کہ اِسکے احکام دلائل و براہین سے بخوبی ثابت اور مستحکم کیئے گئے ہیں اور پھر حکیم و خبیر خدا کے اپنے ہاں سے اُن کی مکمل شرح و بسط کی گئی ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶ : ۸۹﴾

اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں ہر ممکن شئے کے متعلق (جسکا واسطہ انسان سے پڑتا ہے) تفصیلی بیان موجود ہے، اور تسلیم کرنے والی قوم کے لیئے یہ کتاب تو سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہے، اور اسکی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت ہی!

اِن حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں اور قرآن کو "تسلیم کرنے والوں" کا فرض تھا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے اصولی قواعد اور بنیادی ضوابط کی تلاش میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال، اور قیاس ورائے کے ہر نظری مذہب سے قطعاً بے نیاز ہو جاتے۔ وہ اللہ کا حاوی علم، اور خدا کا محیط فلسفہ موجود ہوتے ہوئے کسی افلاطون یا ارسطو کی حکمت کے محتاج نہ بنتے، وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو خوش اسلوبی سے سلجھانے کیلئے تمام تر رجوع اسی کتاب کی طرف کرتے، وہ دین اور دنیا کے ہر مسئلے اور ہر طرز عمل کے متعلق سب بشارت اور رحمت، سب نور اور ہدایت، سب علم اور خبر اسی کتاب سے لیتے، وہ قرآن ہی کو اعتقادی اور علمی مناظرات کی حقیقی سند مانتے، اور کلام الٰہی کو ہی روحانی اور مادی مجاہدات کی مضبوط اساس مانتے، وہ کتاب خدا کو نہ صرف ذاتی فلاح کا بے مثال ذریعہ اور روحانی تقرب کا واحد وسیلہ سمجھتے، بلکہ معاشری عمران کا سنگ بنیاد، اجتماعی استحکام کا مرکز ثقل، اور قومی تقدم کا محور عمل یقین کرتے۔ وہ اقوام کی ترقی کے اسباب، انحطاط کے وجوہات، بادشاہت اور تسلط فی الارض کے طریقے، حصول قوت کے مآخذ، علوم و فنون کے مصادر، فطرت کے قوانین[*]، الغرض اُن سب نکات کے کھوج جن پر ارتقائی زندگی کا تمام حصر ہے، اسی قرآن سے لیتے اور اُنپر عمل پیدا کرتے۔ منان لم یزل اور منعم حقیقی نے قرآن ہی کو مسلمانان عالم کا کامل ضابطۂ عمل اور مکمل آئینِ مذہب قرار دے کر کہا تھا کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لیئے پسند فرما کر دین و دنیا کی تمام نعمتیں تم کو بخش دی ہیں!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[**] ﴿۵ : ۳﴾

آج ہم تمہارے دین کے تمام دستور العمل کو تمہارے لیئے مکمل کر چکے، ہم نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری کر دی اور

[*] مسئلہ ارتقا کے تحت المتن (صفحہ ۱۱-۳۷) میں اس عظیم الشان حقیقت کو واضح کرنیکی ایک حد تک سعی کی گئی ہے۔ [**] نبوت کے سال اخیر سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر یہ آیۂ جلیلہ نازل ہوئی

اسلام کو تمہارے لیئے بطور آئین عمل پسند فرمایا۔

کلامِ الٰہی کی اس مہتمم بالشان اور معرکۃ الآراحیثیت کو پہچاننے کے لیئے نہایت سیدھے سادے اجتہاد کی ضرورت تھی۔ شارعِ اسلام نے قرآن کو ایک روشن اور بیّن حقیقت قرار دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۝ [۵۱] (۲۶: ۲)، مگر ساتھ ہی سورۂ قمر میں یہ امر بار بار یاد دلا دیا تھا کہ اسکے اوامر و نواہی، مواعظ و حِکَم، طرقِ توجیہ اور طرزِ استدلال سے پورے طور پر مستفید ہونیکے لیئے ذکر و فکر، صحیح استنباطِ نتائج، اور عمل کی قطعی ضرورت ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [۵۲] (۵۴: ۱۷)۔ صاحبِ قرآن اور فاطرِ زمین و آسمان تعالیٰ نے قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ، رحمتِ الٰہی کا مبدء، اور بشارت کا مصدر قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُسکے حقائق عالیہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے کامل یقین، کامل ایمان، انتہائے استقلال، اور کمال بصیرت کی ضرورت ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ [۵۳] (۷: ۲۰۳)۔

---

۵۱ "یہ آیات اس کتاب جلیل کا ایک حصہ ہیں جو واضح ہے، اور جسکے مقاصد صاف صاف بیان کر دیئے گئے ہیں"۔ یہی آیت سورۂ شعراء کے علاوہ سورۂ یوسف اور سورۂ قصص کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۝ (۱۲: ۱)، (۲۸: ۲)۔ سورۂ حجر کے شروع میں "قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ (۱۵: ۱)، "یہ آیاتِ الٰہی اس الکتٰب کی ہیں جو قانونِ خدا ہے، اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ نمل میں "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ۝ (۲۷: ۱)، "یہ آیاتِ الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس "کتاب" کی جو واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ زخرف (۴۳: ۲) اور سورۂ دخان، (۴۴: ۲) میں صرف وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۝ ہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "قرآن کریم جو ایک روشن اور مشرح فی البیان کتاب ہے اس بات کا شاہد ہے"۔

ان آیات کا صحیح مفہوم ترجمے میں ادا کرنا از بس مشکل ہے یہاں پر ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جس سے مقصود قرآن کو واضح کتاب ثابت کرنا ہے۔ لیکن یہ امر کہ "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" اور "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ"۔ "الکتٰب" اور "كِتَابٌ" کے الفاظ کا صحیح مقصود کیا ہے علیحدہ بحث ہے جو دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ "الکتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ اس سے پیشتر بھی چند آیتوں میں آ چکے ہیں، اور اس موضوع کی مستقل اور فیصلہ کن بحث سے پیشتر بھی آئینگے لیکن ان کے اصلی مفہوم کو اُسی بحث پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

۵۲ اور فی الحقیقت ہم نے قرآن کو تو لوگوں کے اخذ نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے۔ پس کوئی ہے جو اس سے سچی نصحت پکڑ کر اس کے احکام پر عمل کرے!

سورۂ دخان کے اخیر میں ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝ (۴۴: ۵۸)، "ہم نے اس قرآن عظیم کو تمہاری زبان میں محض اسلیئے آسان کر دیا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ اس سے نصیحت اخذ کریں"۔ "يَسَّرْنٰهُ" کا اشارہ ایک اور جگہ بھی آیا ہے: (۱۹: ۹۷)، مگر وہ آیت آگے چلکر متنِ کتاب میں آئے گی۔ آیۂ مُّدَّكِرٍ قرآن کریم میں سورۂ قمر میں تین جگہ آئی ہے یعنی (۵۴: ۱۷)، (۵۴: ۲۲)، (۵۴: ۴۰) میں۔

۵۳ تم ان لوگوں سے کہدو کہ میں تو اسی پر عمل کرتا ہوں جو میرے پروردگار نے مجھپر وحی کی ہے۔ یہ قرآن تو فی الحقیقت بڑی سوچ سمجھ کی باتیں ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ان میں اگر ہدایت اور رحمت ہے تو اس قوم کے لیئے جو اسکی حقیقت پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اسمیں تدبّر کرے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝)۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ؁ ﴿۴۵ : ۲۰﴾ ٹ استادلم یزل اور حلال مشکلات تعہ نے قرآن کو آسان اور مبین، کہنے کے باوجود مجسمہ بصائر اور پیکر حکمت فرمایا تھا مگر ساتھ ہی یہ معنی خیز تشریح کردی تھی کہ اس کی آیات کی صحیح اور مکمل تفصیل صاحب علم قوم کے سوا کسی کو ودیعت نہیں: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ؁ ﴿۴۱ : ۳﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ؎ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ؁ ﴿۷ : ۵۲﴾ ہادی دین اور ماحیٔ اختلاف خدا نے قرآن کو تضاد کے بدنما اور بشری عیب سے قطعاً بلند تر ٹھیرایا تھا مگر اس بات کو بوجہ احسن واضح کردیا تھا کہ اگر انسان کو اسکی آیات بینات میں کسی جگہ اختلاف کا شائبہ نظر آتا ہے، یا نقص و ضد کا گمان گذرتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے ظاہر اور باطن، سیاق بحث اور سباق کلام یا محل وقوع اور شان نزول پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی، جسقدر اسکے مطالب میں تدبر اور صحیح استدلال کیا جائے گا اسکا اختلاف مٹتا جائے گا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا؁ ﴿۴ : ۸۲﴾

توکیا یہ لوگ قرآن کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ وہ سب آپسمیں متحد اور متفق ہیں کیا ان کو اتنا بھی شعور نہیں کہ سمجھیں کہ اگر یہ کسی غیر خدا کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو لامحالہ اسمیں بہت اختلاف پاتے۔

---

۵۱ یہ قرآن تو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کی باتیں ہیں۔ ہدایت اور رحمت اسی قوم کو حاصل ہو جو اسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے پر بالاستقلال یقین رکھکر اسمیں تدبر کرے (لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)۔

۵۲ یہ قرآن عظیم ایک کتاب ہے جس کی آیات جلیلہ کے عظیم الشان مطالب کو ایک عربی متن کی صورت میں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) اس قوم کے لیئے مشرح اور مفصل کردیا گیا ہے جو علم رکھتی ہو (لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)۔

۵۳ اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم ان نادان اور اجڈ اہل عرب کے پاس وہ بے بدل کتاب لائے ہیں جس کی شرح و تفصیل ہم نے علم سے کردی ہے جو صاحب علم قوم اس قانون جلیل کے حقائق عالیہ کی صحت پر بالالتزام ایمان رکھکر اس میں تدبر کرتی ہے۔ اُس کے لیئے تو یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

؎ 'علم' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف 'علم' کے عنوان کے تحت تیسری مجلد میں آئے گی۔ وہاں پر بصراحت تمام واضح کردیا جائے گا کہ کتاب خدا کی مراد 'علم' سے بعینہ کیا ہے اور اس کے موجودہ مفہوم میں کس قدر حیرت انگیز تحریف ہوئی ہے۔ اس آیہ کریمہ (۴۱ : ۳) سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ قرآن صرف صاحب علم قوم کے لیئے اُترا ہے اور اس بنا پر اسکے حقائق عالیہ کو وہی قوم کماحقہ سمجھ سکتی ہے جو 'علم' رکھتی ہو۔ مسئلہ ارتقا کے تحت المتن میں اس علم کی ایک جھلک دکھلادی گئی ہے اور ایک دو اور مباحث آگے چلکر اسی مجلد میں آئیں گے۔ مگر علم کی تعریف تسلیم کیئے بغیر کتاب خدا کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا ازبس مشکل ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۶: ۴۴)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اسلیئے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں کردو کہ اُن لیے کیا احکام اُترے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبر کرکے نئے مطالب دریافت کریں اور تطابق پیدا کریں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○† (۳۸: ۲۹)

اے پیغمبر! یہ قرآن عظیم بڑی برکت اور رونق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تیری طرف محض اسلیئے اُتارا ہے کہ لوگ اسکی آیات پر کامل تدبُّر کریں، اور صاحب عقل و فراست لوگ اس سے صحیح نتائج اخذ کرکے عبرت حاصل کریں۔

یہی خالص **تدبّر، ذکر و فکر، ایمان و یقین، علم و بصیرت، صحیح استدلال اور تطابق** ایسے آئینی اُصول تھے جن کی بنا پر کلام الٰہی کے حُجتہ بالغہ ہونے پر ایک سچا اور ناقابلِ ردّ اجتہاد قائم ہو سکتا تھا۔ قرآن کے حیرت انگیز سربستہ رازوں، اور سر بمُہر حکمتوں کے لیئے کسی خارجی فلسفے کی ضرورت نہ

† "اُولُوا الْاَلْبَاب" کی قرآنی تعریف بھی "عمل" کے عنوان میں آئے گی۔ لیکن ان تینوں ((۱۴: ۸۲) (۱۶: ۴۴) (۳۸: ۲۹))" اور قبل کی "بصائر" والی ((۷: ۲۰۳)' (۴۵: ۲۰)) آیات کو پیش نظر رکھکر اُس مہلک تخیل کا یکسر قلع قمع ہو جاتا ہے جسکے رو سے مسلمانانِ عالم کی ایک کثیر تعداد نے قرآن میں تدبر کرکے اس کے مطالب کو دریافت کرنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ آج اس عام انحطاط کے زمانے میں غالب رائے یہی ہے کہ قرآن کسی تدبّر کا متحمل نہیں، اس کے حقائق عالیہ کا ذہن سے کچھ تعلق نہیں، اس کے مطالب میں فہم کو دخیل کرنا گناہ ہے، اسکی تشریح میں عقل کو کام میں لانا بدعت ہے" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ "علم اسرار الدین" کے منشا و وجود سے واقف ہیں جس کی رسمی بنیاد قرن اوّل میں حضرت عمرؓ نے رکھی، اور جنہوں نے اُس تنقیح و استقصا کا مزا چکھا ہے جو خود رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں اور اصحاب صُفّہ کے مابین سالہا سال تک ہوتی رہی، اور جس کو بلا استثنا سب صحابہ کرام نے ایمان و یقین کی خشت اوّل قرار دے کر قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے مطالب کی تعمیر میں مہینوں اور برسوں تک تدبّر کرنا عین ایمان سمجھا تھا، اُن کے نزدیک اس زہر آلود تخیل کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر مالک زمین و آسمان اور بخشایندۂ فہم و ادراک کا کلام انسان کی بڑی سے بڑی تنقید، ہر ممکن سے ممکن آزمائش، اور سخت سے سخت معیار کا متحمل نہیں **تو وہ ذی شعور انسان کے لیئے وجوباً قابل قبول نہیں**۔ کتاب کے اس ابتدائی حصے میں بھی صاحب نظر کے لیئے کئی مثالیں پیش ہو چکی ہیں لیکن آگے چلکر ہر ورق اس امر کا آشکارا ثبوت ہوگا کہ قرآن حکیم کی آیات کس قدر محکم، کس قدر صحیح، کس قدر مطابق، اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں۔ کوتاہ نظر انسان کا علم اُن کے علم کے بالمقابل کس قدر ہیچ ہے۔ خدا کے بیمثال کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اُن کو بغور تمام پرکھے، الٹ پلٹ کردیکھے، بار بار دیکھے، مگر اُنکے ایک حرف کے متعلق کوئی کجی، کوئی کم علمی، کسی نادانی کا دریافت کرنا قاطبتہً محال ہے۔ اس کتاب میں کلام الٰہی کے تمام مطالب اسی **تطابق** کے اصل اصول کو پیش نظر رکھکر واضح کیئے گئے ہیں، درجہ بدرجہ یکجہتی اور صحت اس کیے سے اُن مطالب میں قائم ہوئی ہے جو صاحب نظر کے سامنے ہے۔ خود انہی آیاتِ الٰہی یعنی آیہ مبین (۲۶: ۲)، وآیہ مُدّکر (۵۴: ۱۷)، اور آیات بصائر (۷: ۲۰۳) (۴۵: ۲۰) کے مطالب میں بظاہر کچھ اختلاف سا نظر آتا تھا مگر ادنیٰ سے تامل نے اسکو آیہ یعلمون (۴۱: ۳) کی وساطت سے رفع کردیا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۵۷-۵۸)

تھی۔ ربِ علیم و حکیم نے اہلِ اسلام کی رہنمائی اور رہبری کے لیئے، قرآن کے بیمثال عجائب خانے کے اندر سعی و عمل کے ہزاروں کرشمے، خوشحالی اور امن کے صدہا طلسم، قوت و اقتدار کے لاانتہا دفینے، اور علم و حکمت کے بیسیوں اساسی اصول اسکے مختلف طاقچوں اور گوشوں، دیواروں اور محرابوں کے سپرد کردیئے تھے مگر آہ! اُن کی ظاہری شکلیں بھی آج اعتقاداتِ باطلہ، غلط مطالب، اور غلط اجتہاد کے خس و خاشاک کی تہ میں محو ہوچکی ہیں! مسلمانوں کا موجودہ فلسفہ آج اس معجز العقل عجائب خانے کے انمول موتیوں کو سپردِ خاک کرکے، عمارت کی چوکھٹوں اور دہلیزوں، طاقوں اور محرابوں، روشندانوں اور کھڑکیوں، چھتوں اور نالیوں کی ثناخوانی میں مصروف ہے، اور کم فہمی اور بدّویت کی غیظ آفرین بے توجّہی سے ان پاکیزہ جواہرات پر فصاحت کا جاروب پھیر کر، شاعرانہ واہ واہ یا جُزدانی تعظیم کے جمادِ چند سے ہی اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے! آج قرآن کی کُل کائنات میں مسلمانوں کا مبلغ اجتہاد اور اُنکی اہم داستانِ حکمت، قیامت کے بے سند قصّوں، قبر کے مظنون عذابوں، روح کی مفروض قسموں، اخلاقی امراض کی آفتوں، کفر کے بے دلیل اور مضحکہ انگیز فتوؤں، نشست و برخاست کے موضوعی آداب، توبہ و استغفار کے بناوٹی اسالیب، اور طہارت و استنجا کے وضعی طریقوں کی ندامت انگیز تشریح ہے! کیا یونانی فلسفے کی المناک خیال آفرینی، اور مسلمانوں کے دردانگیز فقدانِ علم و فکر کا نتیجہ نہیں ہُوا کہ آج ظن و وہم کے ان ہوائی قلعوں کی تعمیر میں اسلام وہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے جو صرف چند برس تک مسلمانوں کو قرآن کے ادنیٰ اور ابتدائی عمل کے انعام میں ملا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ† ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِیٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ (۴۳: ۲-۵)

† "الکتٰبِ المُبِیْن" کے معانی کے متعلق، جیسا کہ صفحہ ۷۰ کے تحت المتن میں ظاہر کیا گیا ہے، ابھی کچھ بحث کرنا پیش از وقت ہے لیکن ان آیات یعنی (۴۳: ۲-۳) اور (۱۲: ۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳: ۲) میں کسی "روشن اور بیّن کتاب" کی شہادت پیش کی گئی ہے اور جَعَلْنٰهُ (۴۳: ۳)

لوگو! کتاب مبین اس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اسلیئے کر دیا ہے کہ تم اُسکے
دستور العمل کو بآسانی سمجھ لو۔ اور یہی قرآن جسکو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اُس
اُمّ الکتٰب کا ایک حصہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک مقتدر اور مخزن حکمت کتاب ہے۔ تو کیا
اس وجہ سے کہ تم لوگ اِس کتاب کے حقیقی مقاصد نہ سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو
نہیں پاتے ہم اِس کتاب کے مطالب کو تم سے سرتاسر اسطرح اُچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲: ۱-۲)

اے ساکنانِ زمین! یہ آیات الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے۔ اور اس میں
شک نہیں کہ ہم نے اِس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی اللسان قرآن
اس لیئے بنایا ہے کہ تم لوگ اس کے اسرار عالیہ کو سمجھکر عقلمند بن جاؤ۔

قرآن کے مقاصد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر یونانی حکمت کے اِس مُہلک اثر کے علاوہ اور بھی فساد
آفرین اثرات پڑے جن کا تعلّق خود اہل عرب کی جبلّت اور طینت سے تھا۔ عرب ظہور اسلام سے پہلے یونانیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٦٠) اور اَنْزَلْنٰهُ (۱۲ : ۲) کی ضمیر ہُو کا مرجع بھی اسی "کتب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدائے بیمثال نے کسی کتاب مبین کو شاہد
بنا کر یہ کہا ہے کہ ہم نے اُس کتاب مبین کو عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی قرآن اسلیئے بنا دیا ہو کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیاتِ الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے
کے لیئے بیحد غور و خوض درکار ہے لیکن صفحہ ۲۹ کے تحت المتن سے جو علم طبقات الارض کے متعلق ہے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "الکتاب المبین"
دراصل صحیفۂ فطرت ہی ہے۔ اور اسکو مبین اسلیئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اس مفہوم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیات (۴۳: ۲-۳) کے معانی
صاف ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"لوگو! یہ صحیفۂ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے (وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) کہ
ہم نے اِس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اسلیئے کر دیا ہے (جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا
عَرَبِيًّا) کہ تم اسکے راز دروں کو سمجھکر ہوشمند بن جاؤ (لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔ (گویا اسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفۂ
فطرت کے قانون کا لُب لباب ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جریدۂ فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اسکا مثل ایک کتاب کے معرفت خدا کے نکات اور معلومات عالیہ سے پُرہونا
تسلیم کیا ہے۔ اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے خود اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے۔ اعمال خدا کے اسرار و حقائق
کے متعلق اس سے روشن تر کتاب کا ملنا قطعاً غیر ممکن ہے بشرطیکہ اسکا صحیح مطالعہ ہو سکے لیکن اسکا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔
آگے چلکر اَلْكِتٰبِ الْمُبِيْن کے اِن معانی کی حیرت انگیز شہادت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ملیگی۔ یہاں صرف مطالب کو قابل فہم بنانے
کی غرض سے پیش از وقت متنبہ کر دیا گیا ہے۔ رہا اِس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کسقدر صحیفۂ فطرت کے قانون کا ہو بہو
عکس ہے اور کیونکر فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰ : ۳۰) صفحہ ۴) کا مصداق ہے اسکی شہادت اصل کتاب میں جا بجا ملے گی۔ البتہ نفس مطلب کی تائید اُن
تمام آیات سے جو صفحہ ۵۷ پر تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْن "کے تحت المتن میں بیان ہوئیں بصراحت تمام ہوتی ہے جہاں اَلْكِتٰب اور قُرْاٰن

کی طرح اوہام پرستی اور خیال آرائی میں ماہر تھے۔ اُن کے مذاہب اور ادیان میں، اُنکی عبادات اور معاملات میں، اُنکی رسموں اور رواجوں میں تخیّل اور توہّم کا عظیم تر حصّہ شامل تھا۔ اُن میں غیب دانی اور کہانت کا بکثرت رواج تھا۔ زود اعتقادی کی یہ حد تھی کہ عورتیں بھی نبوّت کا دعوٰے کرکے قبائل سے بیعت کرا لیا کرتی تھیں۔ قیافہ شناسی، تفاؤل و تشاؤم تجسیم و تسحیر، میسمرازلام، سیمیا، وغیرہ وغیرہ ایسے اعتقادات واہیہ تھے جن پر صدیوں سے نہایت ایماندارانہ عمل چلا آتا تھا۔ ظن و قیاس سے واقعات کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۱) مُّبِيْنٍ (۵ : ۱۵) اور الْقُرْاٰنِ اور كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۲۷ : ۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کرکے کتاب فطرت اور کتاب خدا کو ایک سمجھنے کا پرمعنی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتاب مبین کا لقب دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۵ : ۱۵)۔ "لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا؟ گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اتری ہے۔" گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفۂ فطرت) ایک ہی شئے ہیں۔ لیکن ان معانی کی مزید شہادت اصل کتاب میں اپنے موقع پر ملے گی۔

اَلْكِتٰبُ الْمُبِيْنُ کے اِن معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "اُمُّ الْكِتٰبِ" کیا شئے ہے۔ لیکن ادنیٰ سے تامّل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر "الْكِتٰبُ الْمُبِيْنُ" صحیفۂ فطرت کا وہ حصّہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہونچ سکتے ہیں تو "اُمُّ الْكِتٰبِ" لامحالہ تمام کائنات ہی جس کا ایک عظیم تر حصّہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعًا باہر ہے اور جس کا کامل علم لامحالہ اُس ذات باری کو ہے جس نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسی لیے اسکو "لَدَيْنَا" کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفۂ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے اسلیے اسکو "لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ عوام کی زبان میں "اُمُّ الْكِتٰبِ" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفۂ کائنات ہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے۔ اسی کے اندر خدا کا علم، اسکا قانون، اسکی حکمت چھپی پڑی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلّد نہیں جو بقول عوام "ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے اور جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔" اِس نکتے کو پیش نظر رکھکر آیۂ (۴۳ : ۴) کے مطالب صاف ہوجاتے ہیں: "اور یہ قرآن عظیم اس صحیفۂ کائنات کے عالم آرا قانون کا ایک جزء ہے (وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ) جو ہر وقت ہمارے پاس پڑا ہے (لَدَيْنَا) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (لَعَلِيٌّ) ہے اور حکمت سے پُر ہے (حَكِيْمٌ)"۔ جب دین اسلام کے رُو سے خدائے عزّوجل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعًا کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی اُمّ الکتب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً مختلف ہونی چاہیے۔

✤ زمانۂ جاہلیت کے اہل عرب کے نزدیک کہانت اور نبوّت میں بہت کم فرق تھا۔ سب وہ لوگ جو آئندہ یا گذشتہ واقعات پر اطلاع رکھنے کا دعوٰے کرتے تھے کاہن کہلاتے تھے۔ جو اس کے علاوہ شعبدہ بازی اور عجائبات دکھلانے کا ادعا کرتے نبی کہے جاتے تھے۔ چنانچہ ان شرائط کو بزعم خود پورا کرنے والے افراد ہر قبیلے اور قریے میں موجود تھے۔ افعی، جذیمہ ابرش، اسود عنسی، ابن ابی سرح، مسیلمہ، وغیرہ وغیرہ چند مشہور کاہنوں اور نبیوں کے نام ہیں۔ ایک مشہور عورت سجاح بنت حارث نے جو قبیلہ تمیم کی شاخ بنی یربوع سے تھی رسولؐ خدا کے زمانے میں نبوّت کا دعوٰے کیا مگر مسیلمہ کے بالمقابل ایک مدّت تک اسکا زور نہ چل سکا۔ رسولؐ خدا کی وفات کے بعد پھر اسی عورت نے جزیرہ بنی تغلب میں نبوّت کا دعوٰے کیا اور بنی تمیم کو اپنا حمایتی بناکر اسلام کے لیے ایک مستقل خطرے کی صورت پیدا کردی۔ اسلام سے پہلے بھی ایسی کاہنہ عورتیں عرب میں ظاہر ہوئیں اور خلق خدا کو اپنے تابع کر لینے میں چند لمحوں تک کامیاب ہوتی رہیں۔ تفاؤل اور تشاؤم کا رواج بھی اہل عرب میں اسلام سے پہلے انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا۔ عرب کے اِن اعتقاداتِ واہیہ کا بقیہ ابھی تک عالم اسلام کے اندر استخاروں اور پیشگوئیوں کے شرعی تقدّس میں رُونما ہے۔

پیش بینی، اور غیر متعلق واقعات کو ذات پر محمول کر لینا اُنکے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ من گھڑت روایات
اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار اُن کا علم ادب بلکہ اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ فصاحت اور
شعر گوئی کا یہ عشق وولولہ تھا کہ عین میدان جنگ میں، سفر و حضر میں، خطابات اور مناظرات بلکہ
عالم خواب‡ میں، رجز و سجع بے تامّل کہہ دیتے۔ ظہور اسلام سے پیشتر بیسیوں برس تک، فصاحت کے یہ جنونی
امرؤالقیس، زہیر، لبید بن ربیعہ وغیرہم کے مُعلّقات السّبع کے سامنے فی الحقیقت ماتھا رگڑتے رہے، اور
مُجمہرات اور منتقیات السبع‡ کے مصنّفوں کو اپنے تخیّل اور فصاحت، حتّٰی کہ اعمال و اعتقادات کا سچّا رہنما
مانتے رہے۔ صاحب شریعت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان تمام مراسم شنیعہ کو جہنّم کا شعلہ اور غضب الٰہی کی
آگ دکھا کر بیک قلم معدوم کر دیا۔ تمام مذاہب و ادیان ملیامیٹ ہو گئے۔ توہّم پرستی قطعاً جڑ سے اُکھڑ گئی۔ کہن
اور نبوّت کے متعلّق سب مافوق الفطرۃ عقائد اور دعاوی قرآن کے ایک ادنیٰ اشارے سے باطل ہوتے
گئے: اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِہِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ[1] ○ (۷: ۱۸۴)۔ نجوم پرستی اور سحر کے تمام شعبدے
بیکار ہو گئے۔ قرآن کی روشن اور نمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گیا: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

---

[1] کیا اِن لوگوں نے اِس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اُنکے پیشوا (یعنی رسولِ خدا) کے اندر کوئی جِنّ تو ہے نہیں، وہ کوئی پاگل تو ہیں نہیں کہ اُن کی بیہودہ اور اَن ہونی فرمائشیں قبول کرتے پھریں وہ تو صرف کھُلم کھُلا اور صاف طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں اور بس۔

‡ عالمِ خواب میں شعر کہنے کے متعلق اہل عرب کی بعض روایتیں مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

‡ مُعلّقات کے سات قصائد مشہور ہیں۔ ان کے مصنّف امرؤالقیس، زہیر ابن ابی سلمیٰ، حارث بن حلزہ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، طرفۃ بن العبد، اور عنترۃ بن شداد ہیں۔ "مجمہرات" بھی سات قصیدے تھے جو نسبتاً کم مشہور ہیں۔ نابغہ ذبیانی، عبید بن الابرص، عدی بن زید، بشر بن کازم، امیۃ بن ابی الصلت، خداش بن زہیر، نمر بن تولب العکلی، ان قصائد کے مالک تھے "منتقیات" تیسرے طبقے کے قصائد ہیں۔ جن کے مصنف مسیّب بن علس، مرقش بن جریر، مرقش الاصغر، عروۃ بن الورد، درید بن صمّہ، مہلہل بن ربیعہ، اور عثمان بن سوید تھے۔ یہ سب شعرا اکثر زمانۂ جاہلیّۃ ہی کے تھے۔ معلّقات کے سات قصائد خانۂ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے رہتے تھے۔ لوگ اُن کو آکر دیکھتے اور ان کے سامنے سجدہ کرتے۔ تذکرۃ الحکم فی طبقات الامم میں معلّقات پرستی کی مدّت ڈیڑھ سو برس (۱۵۰) لکھی ہے مگر امرؤالقیس کے عہد حیات (سنہ ۵۳۰ء) اور ابتدائے اسلام کے زمانے (سنہ ۶۳۱ء) کو پیش نظر رکھکر اس مدت عبادت میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض جدید محققین نے ان قصائد کے دیوار کعبہ پر آویزاں ہونے سے بھی یکسر انکار کیا ہے۔ اور "معلّقات" کے تسمیے کو حمّاد الراویہ سے منسوب کیا ہے۔ بہر نوع واقعات کچھ ہی ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان قصائد کی عرب میں خاص عزّت تھی۔ اور کوئی شئے ان کے بالمقابل قدر و قیمت میں ٹھیر نہ سکتی تھی۔

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[له] (۱۷: ۸۱)، فصاحت کے طاقتور اور فساد انگیز طلسم کو توڑنے کے لیئے کلامِ الٰہی نے اپنے بے ارادہ زورِ کلام سے ہی خاموش مگر ترکی بہ ترکی جواب دیکر عرب کو ہمیشہ کے لیئے دم بخود کردیا، معلقات کی پرستش از خود ماند پڑگئی، عرب کی طاقت گویائی گویا اچک لی گئی۔ مگر ساتھ ہی عرب کے اس مالیخولیائی وصف کی علانیہ تکذیب و توہین کے ارادہ سے، اور کتاب الٰہی کی حیثیت کو شعر و فصاحت سے بے انتہا بلند تر جتلانے کیلئے، شارعِ اسلامؐ نے شاعروں کو اللہ کے رستے سے بھٹکے ہوئے، وہم و گمان کی وادیوں میں سرگردان، جھوٹے اور مفتری قرار دیا۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ (۲۶: ۲۲۴-۲۲۶)

اور جیسا کہ عرب خیال کرتے ہیں رسولِ خدا شاعر بھی نہیں۔ شاعر تو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ لوگ ہی اُنکے پیچھے لگتے ہیں۔ کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ وہ عالم وہم و خیال کے ہر میدان میں پڑے بھٹکتے ہیں اور اکثر اپنے بارے میں فخر کے طور پر وہ کچھ کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ[†] وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۳۶: ۶۹-۷۰)

اور ہم نے رسولِ خدا کو کچھ شاعری تو نہیں سکھائی اور نہ شاعری اُنکی شان ہی کے لائق ہے۔ یہ قرآن تو نری نصیحت ہی نصیحت ہے، ہاں البتہ واضح کتاب ہے۔ اور اسکے مُبین ہونے سے مقصود یہ ہے کہ باحس اور بیدار لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائے اور ساتھ ہی منکروں پر ہمارے عذاب کی دھمکیاں برحق ثابت ہوں۔

[له] اور اُن سے کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوگیا۔ اور فی الحقیقت اُس نے تو ایک نہ ایک دن مٹنا ہی تھا۔

[†] اس آیت میں اور اور کئی موقعوں پر جن کی تفصیل آگے آئے گی مخالفین نے قرآن کو 'شعر' کہا ہے۔ حالانکہ قرآن موجودہ معانی میں شعر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ موزوں نہیں، بلکہ تمام کا تمام مقفٰے بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب ہر اُس شئے کو جس میں نطافت بیان ہو، ایجاز و اختصار ہو یا جسکی عبارت مقفٰے ہو، بلالحاظ وزن 'شعر' کہا کرتے تھے۔ فصاحت کا معیار بھی اُن کے نزدیک یہ تھا کہ خوبیٔ مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ خوش اسلوبی سے پیوست کیئے گئے ہوں، ان میں ترنم ہو، مطالب سادہ اور دلچسپ ہوں، ان میں غیر ضروری عمق نہ ہو، لیکن وزن کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اسی بنا پر اہلِ عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات اور قصائد سب کو 'شعر' میں داخل سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اس قطع کے شعر کا جزوِ اعظم ہمیشہ سے یہی ہے کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سامعی محسوسات کو برانگیخت کرتا ہے، اور باطنی تربیت اسمیں مدنظر نہیں ہوتی، اس لیئے قرآن کو اپنے متعلق ایسی فصاحت کے معترف بننے میں چڑ تھی۔ اسی نقطۂ نظر سے قرآن نے جابجا شعر ہونے سے انکار کیا ہے اور اسی لحاظ سے وہ فصیح بھی

اِن اعتقادی خرابیوں سے قطع نظر، عرب کا سب سے نمایاں اور مہلک عیب اُن کا باہمی انتشار اور **نفاق** بھی تھا۔ سب قبیلے ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ جدال رہا کرتے تھے، بغض و حسد اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا، سب کی سب کچھ رسم و راہ نہ رہی تھی، اُن کی ذاتی اور پشتینی عداوتیں تھیں، حریفانہ کاوشیں اور خاندانی رنجشیں تھیں، حسب و نسب کے فخریہ جھگڑے، اور بداعمالی کے اِدّعائی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۴) نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اس صریح اور پے در پے انکار کے آج مسلمانانِ عالم قرآن کو انہی معنوں میں فصیح مانتے ہیں جن سے اُسکو عمداً احتراز ہے۔ قرآن کے تمام طول و عرض میں اُنکی فصاحت کے متعلق ایک حرف کہیں موجود نہیں، نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی ماسوا قول موسیٰ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا[51] (۲۸: ۳۴) کے جو حضرت ہارونؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے کہیں نظر نہیں آتا! آئندہ اوراق میں اس امر کے متعلق توضیح کردی جائے گی، لیکن قرآن کے فصیح فی البیان ہونے کا مہلک اور شرمناک تخیل مسلمانوں کی ہر رگ و پے میں اسقدر سرایت کرچکا ہے کہ اب اس کتابِ عظیم کی اور کوئی خوبی اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی۔ اگر فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ[52] (۲: ۲۳) کی صلائے عام جو خدا نے قرآن حکیم کے متعلق جابجا دی ہے، فی الحقیقت اسکی فصاحت، اسکی شاعریت، اسکے صنائع اور بدائع کی خوبیوں کے متعلق ہے، اور اس کتاب جلیل کی عالم آرا حکمت، اُسکے ناپیدا مثال علم، اسکی حیرت انگیز صداقت اور بےنظیر ہدایت سے اِس دعوے کو چنداں واسطہ نہیں، تو آج ابوالقاسم حریری کے مقامات کا ایک ایک ورق، یا امرؤالقیس ابن حجر کے قصائد کا ایک ایک بیت ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، اِن خود ساختہ تُرّہات اور لغویات سے اسقدر پُر ہے کہ قرآن کی عبارت اُن کے بالمقابل حتماً نہیں ٹھہر سکتی۔ اگر فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ[53] (۱۱: ۱۳) سے صاحب القرآن کی مراد فی الحقیقت یہی تھی کہ برجستہ الفاظ اور چست بندشوں، یا قوافی اور استعاروں کی مناسبت میں اسکا اَدَبی مقابلہ کیا جائے، اور دینِ اسلام کو کسی اجل زدہ اُمّت کے لغو مشاعروں کا اکھاڑہ بنا کر خدائے زمین و آسمان کے ذوقِ سلیم کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے، تو آج مسیلمہ کذاب کا افترا کیا ہوا قرآن بھی جس کی چند پریشان آیتیں کہیں کہیں ملتی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، کیونکہ اُس مفتری علی اللہ کی سحر بیانی نے بھی آخر انہی عرب قبائل کی ایک تعداد کثیر کو عین صدرِ اسلام میں برسوں تک دم بخود کر رکھا تھا جو خوش اعتقاد مسلمانوں کے قول کے مطابق اس سے پیشتر قرآن کی اَدَبی خوبیوں پر مرمٹے تھے! قرآن اگر آج زمین کے طول و عرض میں پھیل کر ساکنانِ عالم کے لیے مشعلِ نور و ہدایت بن گیا ہے، اور مسیلمہ کا تمام قافلہ لُٹ کر پیوندِ زمین بن چکا ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی زبان علم ادب کے اُن رسمی قواعد کے رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان ہی نے وضع کیا، نہ اس لیے کہ مالکِ زمین و آسمان اور بادشاہِ ارض و سما نے بادشاہ ہو کر بھی ہیچمیز انسان کے اسالیبِ بیان کا بہترین تتبع کیا ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ تصنیف جلیل کلام ملوک میں وہ مَلِکُ الکلام ہے جس کی حکمت اور حقیقت، جس کا علم و فضل، نور و ہدایت سب انسانی تصانیف سے حتماً بالاتر ہے! یہ ناپیدا کنار علم کا مخزن ہونا ہی وہ بات کن فضیلت تھی جسکے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جُھک گئی تھیں، جس کے سامنے بادشاہوں نے گردن خم کردی تھی، عرب اور عجم سب دم بخود ہو گئے تھے، عمر (رضی اللہ عنہ) سا انمونڈ اور سخت گیر دشمن مُڑ گیا تھا، ابو سُفیان نے بالآخر توبہ کرلی تھی، اور آج بھی اگر قرآن عظیم سے دل میں باغی اور مُنہ سے مُقِر مسلمان اسکے آگے از سرِ نو گردن اطاعت خم کرسکیں گے تو اسکی شاعرانہ حیثیت کو دیکھ کر نہیں، بلکہ لامحالہ اسکے علم ہی کے قائل ہو کر کرینگے! سورۂ ہود میں ہے: (باقی)

[51] وہ یعنی ہارونؑ مجھ سے زیادہ اپنے کلام میں فصیح ہے۔ [52] تو اِس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ۔ [53] تو اسی طرح کی من گھڑت دس سورتیں تم بھی بنا لاؤ۔

اعلان تھے، ذاتیات پر بے اندازہ فخر وطعن تھا۔ اس بنا پر اُن کے درمیان ادنیٰ سی بات پر نارِ حرب مشتعل ہوجاتی تھی۔ پھر ان خانہ زاد لڑائیوں میں قبیلوں کے قبیلے اپنی بسالت اور تہور، اپنے شرف اور تفاخر، اپنے زور وعمل کے جوہر دکھانے کے لیے شوقیہ مل جاتے تھے۔ پھر خود نمائی اور نفس پسندی کی آن اکثر اوقات اس حد تک نمایاں ہوجاتی تھی کہ برسوں کے مقاتلے اور انتہائی کُشت وخون کے باوجود مصالحت کا نام زبان پر لانا بے غیرتی میں داخل تھا۔ ہادیٔ اسلام نے اس ہلاکت انگیز معاشرت کو حکومت خدا اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۵) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ (۱۱: ۱۳-۱۴)

کیا قرآن کے منکر کہتے ہیں کہ محمد اسکو اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے۔ انہیں کہہ دو کہ ہاں تم بھی ایسی ہی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اگر تم اس الزام دہی میں سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر تمام دنیا جہان کے لوگوں کو، جہانتک تمہاری طاقت ہی، مدد کے لیے بلاؤ کہ تمہاری بنائی ہوئی سورتیں مقابلے میں پوری اُتر سکیں۔ پھر اگر لوگ اسپر بھی تمہاری اس دعوت کو قبول نہ کریں تو جانے رہو کہ یہ قرآن عظیم اس خدائے زمین وآسمان کے علم کو اپنے ساتھ لیکر اُترا ہے (أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ) اس شارع کائنات کی ناپیدا کنار حکمت کا امین ہے اور وہ وہ علیم بے مثال ہے جسکے مثل کوئی دوسرا حتّٰی نہیں (وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ) توکیا تم اس ناممکن الحصول فضیلت کو پیش نظر رکھکر اسکو کتاب خدا تسلیم کرنیکے لیے تیار ہو؟

خدائے زمین وآسمان معاذاللہ کوئی شاعر نہ تھا کہ لوگوں کو ادبی مقابلے کے لیے بلاتا، اس کی بڑی اور کارگر دھمکی یہی ہے کہ انسان کا علم اُسکے بالمقابل محض ہیچ ہے، یہی وہ شے ہے جو شاگرد کو اُستاد کے سامنے، محکوم کو حاکم کے حضور میں، جاہل کو عالم کے روبرو، مستغیث کو منصف کے آگے حتّٰی چپ کرا دیتی ہے! اسی کے ہوتے ہوئے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں ہوتا! اگر بعثت رسولؐ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب فصاحت کا شیدا تھا، اگر عرب کو اپنی شاعری کے بالمقابل تمام دنیا گُنگ نظر آتی تھی، تو بھی خدا پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ اس موقع کو غنیمت جانکر (العیاذ باللہ) خدا اپنی فصاحت کو ظاہر کرنے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس پاک ذات نے اگر قرآن کو عربی زبان میں اتارا تھا تو محض اسلیے کہ عرب کی گمراہ قوم قانونِ خدا کو سمجھ جائے: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (۱۲: ۲) اُسکے منشا کو اخذ کرے: إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (۴۳: ۳) اُن کا کوئی لنگ عذر باقی نہ رہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴: ۴) اُن کی بہانہ سازیاں معدوم ہوجائیں اُنکو اس تشریح وتبیین کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اُن کے لیے باعث تذکیر وعتبار ہو: فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ (۴۴: ۵۸) مقصد اسمیں بشارت ہو: فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۱۹: ۹۷) اس سے زیادہ قطعًا اور قاطبۃً کچھ نہیں اور اگر مسلمانانِ عالم اسپر بھی کسی مضحکہ انگیز وہم میں گرفتار ہیں اور قرآن کو کسی عربی ہزل گو یا ہندی تُک بند کا مجموعۂ فکاہات سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں اس سے کلام الٰہی کی عظمت اور صداقت میں لزومًا کوئی فرق نہیں آتا۔

اس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب جس کا منشا علم ویقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو، جو صدق نیت اور خلوص دل سے لکھی گئی ہو، جو سرتا پا راستی

۵۱ مطالب کے لیے دیکھو متن صفحہ ۶۰-۶۱ ۔ ۵۲ دیکھو متن صفحہ ۶۱ ۔ ۵۳ دیکھو تحت المتن صفحہ ۴۶ ۔ ۵۴ دیکھو تحت المتن صفحہ ۵۷ ۔ ۵۵ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہناکر محض اس لیے آسان کردیا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والی قوم کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور نفاق پرور قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

خوف احکم الحاکمین کے حلقۂ اثر میں لاکر کالعدم کردیا۔ سب فرقہ بندیاں اور نفاق آرائیاں جڑ سے اکھاڑ دیں، صدیوں کے دشمن دوست کردیئے، سینوں کی کدورتیں نکال پھینک دیں، دلوں سے کینے یکسر اچک لیئے، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹:۱۰) کا لشکر انگیز فرمان بارگاہِ خداوندی کے ہاں سے دکھلا کر چند برسوں کے اندر اندر محکوم اور شکست زدہ اہل عرب کو فرماں فرمائے عالمیان اور بادشاہ وقت بنادیا!

یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی جبلّت اور طینت کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُنسے رخصت ہوکر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ مِلّی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے اُنکی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے، اُن کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع ظنّ اور متّحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے، اپنی آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے، اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کرسکتے تھے، بلاغت اور فصاحت کے ذاتی اِدّعا کو بھی طوعًا و کرہًا خیرباد کہہ سکتے تھے، مگر طبائع کے باطنی رُجحان اور اصلی طریق تخیّل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے اُنکا مسلک وہم و خیال یونان کی قدیم وہمی روایات سے ہزارہا سال قدیم تر تھا۔ اُنکی قبائلی زندگی کی بُنیاد روزِ آفرینش سے اِسی انداز پر چلی آتی تھی۔ وہ اِسی وہمی اور اعتقادی ماحول کے بگڑے ہوئے طِفلک اور اِسی فرقہ آرائی اور انتشار کے کُہنہ مشق استاد تھے۔ اِس بنا پر اُن میں کسی حقیقت کشا علمی صداقت یا عافیت انگیز

ڡ۵ ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ٦٦) اور حقیقت پر مبنی ہو، جسمیں واقع الامر کی تائید اور صراطِ مستقیم کی توکید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو امن کا راہ راست دکھانا اور اجتماعی ہلاکت سے حتی الوسع بچانا ہو، ہر ایسی کتاب خود بخود اپنے زورِ بیان کے باعث، اپنی صداقت اور عُمقِ نظر کی وجہ سے بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن جاتی ہے، لیکن اِس بلاغت اور فصاحت کا شاعرانہ تکلف اور آورد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِنہی معنوں میں قرآن حکیم بھی بلیغ ہے۔ جیسا کہ آگے چلکر جابجا واضح ہوگا۔

بہرنوع محولہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق شاعرانہ فصاحت کا دعوےٰ سرتاپا اہل عرب یا مسلمانانِ عالم ہی کی ایجاد ہے۔ صاحب القرآن ؐ کو اِس سے کوئی تعلق نہیں۔

معاشری آئین کا معناً اور اصالۃً رائج ہو جانا ازبس متعذر تھا۔ اِسی قطع کی ایک متفرق اور اوہام پسند نوح کی قوم، اِن سے صدہا برس پیشتر، اپنے ضعف ایمان اور طغیان کے باعث غضب الٰہی کے تنور میں دردانگیز طور پر غرق ہو چکی تھی؛ (سورہ ہود ١١: ٢٥-٤٩)؛ اِسی جزیرۃ العرب کے ایک حصے میں عاد و ثمود کی احکامِ الٰہی سے متذبذب اور آیاتِ خدا کی تکذیب قومیں بالآخر اللہ کے عذاب غلیظ اور صیحہ سے دوچار ہوئی تھیں (سورہ ہود ١١: ٥٠-٦٠)؛ اسی دیار کے بسنے والے اصحاب مدین، صدیوں پیشتر کم وزنی اور شرک کرتے کرتے غضب الٰہی کی چیخ کے شکار ہو گئے تھے (سورہ ہود ١١: ٨٤-٩٥)؛ اور وہ دراصل اسی مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ، اور قریب قریب اسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنھوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر، اُسکی غیبت میں، اپنی پرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار، اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی (سورہ اعراف ٧: ١٤٨-١٥٤)؛ نہیں بلکہ وہ انہی عرب کے ہم اصل (سامی) اور قریب النسل (عبرانی)، ہم مشرب اور ہمسائگت میں رہنے والے بھائی بند تھے جنھوں نے حکومت، فارغ البالی، زرخیز زمینوں، معتدل آب و ہوا، چشموں اور نہروں اور انواع و اقسام کے طیبات رزق کی بے قدری کر کے بالآخر ذُل و مسکنت کی وہی پرانی طرز معیشت کو پسند کر لیا تھا؛

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ ھُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ ھُوَ خَيْرٌ ۭ اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؀ (٢: ٦١)

اور اے بنی اسرائیل! کیا تمھیں وہ وقت یاد ہے جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! اب تو ہم ایک ہی قسم کے اِن اچھے اچھے کھانوں اور اس سرزمین کے شکار وغیرہ سے تنگ آ گئے ہیں تو آپ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ شیرینی درخت حلج اور بٹیر (من و سلویٰ) کی بجائے ہمارے لیئے زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں، یعنی ترکاری اور ککڑی، گیہوں اور مسور اور پیاز، پیدا کرے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم فضیلت اور حریت کے اِس مقام رفیع کو چھوڑ کر محکومیت اور افلاس کی ادنیٰ معاشرت کو پسند کرتے ہو۔ اچھا تو یہاں سے کسی متمدن شہر کو چل پڑو جہاں کی حاکم قوم تم کو

فلاحت اور زراعت میں لگا دے گی، اور تم کو وہی کچھ مل رہے گا جو مانگتے ہو۔ پھر ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدا کے قاہر کے غضب میں آگئے ؛ یہ سب اس لیئے کہ اُنھوں نے خدا کے مستعد رکھنے والے احکام سے غفلت برتنی شروع کردی تھی، اور رُسُل کو ناحق قتل کیا تھا، اور نیز اس لیئے کہ اپنے امیر جماعت کی نافرمانی کی تھی اور کاہلی، کامچوری، اور ناقدر شناسی میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا۔

صدرِ اسلام کے اہل عرب نے بلاشبہ صاحبِ شریعت کی زندگی میں ہی کلام الٰہی کے آگے سربسجود ہو کر اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا؛ وہ سارے کے سارے ایک اقل قلیل مُدت میں ماسوی اللہ کے قطعی منکر، اور خدا اور رسول کے قطعی مطیع ہو گئے تھے؛ قرآن اُن کا واحد منتہائے عمل، اور کتاب خدا اُنکی ایک جمع لانگاہ نظر بن گئی تھی؛ اُسکے محض ابتدائی اصول پر بے دھڑک اور بلا تامل عمل کرنیکے شکرانے میں منعم لم یزل نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت، اور زمین کی وسیع تر وراثت اُن کو سپرد کر دی تھی؛ وہی نہروں والے جنات جنکا وعدہ، بادی النظر میں خدا نے آخرت میں کیا تھا، قرآن کے مبادیات اور ایمان کے حرف اوّل پر بھیجا با عمل کے عوض میں اُن کو اس دنیا میں ہی مل گئے تھے؛ اُن کے مشعلستانِ ایمان دل، اور مجشرستانِ عمل جگر، اُن کو چند برسوں[†] میں ہی سمندروں کے پار، عراق عرب کے میدانوں، افریقہ کی تپتی ہوئی ریتوں، اور اُندلس کی خوشگوار چوٹیوں پر لے گئے! یہ سب کچھ اہل عرب کی بے نظیر خوبیوں کا ایک منظر تھا مگر جب زمین کی بادشاہت مل گئی، اور امن کے لازمات حاصل ہو گئے تو سلطنت کے تمکن و استقرار کیلئے قرآن میں استدلال اور اجتہاد ناگزیر ہو گیا، عرب کی مختصر سیاسیات میں توسیع اُمل نظر آئی؛ تب اسلام کے یہ جاں باز

† ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ رسولؐ خدا کی وفات (سلہ ۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں (گویا فاروقؓ اعظم کے عہد خلافت کے اختتام (سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء) تک) مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لیئے تھے۔ چار ہزار تبخانوں اور ہیکلوں کو اپنے تصرف میں لاکر مسجدوں میں تبدیل کیا۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتارِ تقدم مسلسل بارہ برس تک یہ رہی کہ ایک دن میں نو شہر یا قلعے سر کر لیتے تھے، جو آج کسی قاہر سے قاہر یورپی فوج کے لیئے ازبس متعذر ہے۔ خود المانیہ، اپنی ناپیدا مثال جُندیت کے باوجود، حال (یعنی ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۴ء) کے محاربہ عظمٰی میں اس رفتار کے عُشر عشیر تک بھی نہ پونچ سکی۔ اور یوں تو دول یورپ کے برخلاف جارحانہ تقدم چند مہینوں تک قائم رکھنا بھی اسکے لیئے بالآخر پیام موت بنکر رہا۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پرانی دنیا کے تینوں براعظموں میں پھیل گئے، ایشیا میں دریائے اٹک کی حدود اُنکے ایک طرف، اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی اُنہی کے دست قدرت میں تھا، گویا ماسوا روما الکبریٰ کی سلطنت کے قریب قریب سب مہذب دنیا پر ان کا تسلط ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا تھا۔

فدائی جو اپنے تمدّن کی تمام اگلی روایات اور کُلیات کو خدا کی راہ میں متروک کر چکے تھے، اِسکے دقیق مطالب کی طرف متوجّہ ہونے لگے؛ کچھ عرصہ قرآن کی جمع و ترتیب میں صرف ہو چکا تھا، کچھ اور تصریف کتابت میں خرچ ہوا؛ نقاط اور حرکات ایجاد کی گئیں[1]، مگر اعراب کے استعمال سے معانی کی نوعیت کے متعلق ایک علیحدہ اور انوکھا اجتہاد قائم ہونا شروع ہوا؛ عرب اپنی وہبی نفاق آرا، اور مجادلانہ طبیعت سے مجبور ہو کر اس جد و جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے؛ تلفظ کی زیروں اور زبروں اور اختلاف معانی پر، تراکیب الفاظ اور تغیرات عوامل پر مستقل مناظرات ہونے لگے؛ کوفے اور بصرے میں نحویوں کے دو مقتدر اور متخالف گروہ قائم ہو گئے۔ اِن فساد آفرین مجاہدوں میں "تلاش سند" کے بہانے سے، عرب قبائل کی مختلف لغات اور جاہلیّۃ کا سارا علم ادب مدوّن ہو گیا؛ راویوں کی مختلف جماعتیں جاہلی اور مُخضرمی شعرا کے رطب و یابس سب ابیات اور قبائل کی جھوٹی سچی سب روایتیں پیش کرنے لگیں۔ اُدھر عرب کی ارباب ذوق، نازک اور ظنّی طبیعتیں قرأت کے سطحی اختلافات کی بھی متحمل نہ ہو سکیں؛ علما کا ایک پُر مغز گروہ اختلاف قرأت، رموز او قاف، اور ترتیل قرآن کی طرف لگ گیا۔ فصاحت و بلاغت کی ان مُہلک یا دو ہانیوں میں عرب جو اپنا بیشتر اعتقاد قرآن کی بے مثال فصاحت ہی پر رکھتے تھے؛ اور جو اپنی قادر الکلامی اور سخن شناسی کے کبھی منکر نہ ہوئے تھے، اِسی ناگوار اجتہاد کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھنے لگے۔ شعر و سخن کی اِن دلدادہ طبائع، اور وہم و وسوسہ کی اِن مجبور فطرتوں میں کلام خدا کی محبت نے استدلال کی

[1] قرآن کی مختلف سورتوں کی آیتوں کی داخلی ترتیب خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں کر دی تھی، مگر ایک مدت تک یہ سورتیں علی الحساب اہل عرب کے سینوں کے اندر محفوظ رہیں اور کتابت قرآن کا سوال پیدا نہ ہو سکا؛ غزوہ یمامہ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفۂ اوّل کی توجہ جمع قرآن کی طرف دلائی تو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کی وساطت سے قرآن کو جمع کیا۔ لیکن اس وقت سورتوں کی باہمی ترتیب کا خیال غالباً نہیں کیا گیا۔ خلیفۂ ثالثؓ (المتوفی ۳۵ھ ۶۵۶ء) کے عہد میں سورتوں کی مستقل ترتیب عمل میں آئی جو آج تک قائم ہے۔ پہلے پہل قرآن کی کتابت شاید حمیری خط میں تھی۔ پھر اس کے بعد کچھ تصرف کر کے کوفی خط کو لے لیا۔ بعد ازاں زیر، زبر، پیش، جزم، وغیرہ وغیرہ حرکات اور نقاط ایجاد کیے گئے۔ اور اس خط کو اور بھی ترقی ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقہ کو فتح کر لیا اور ابو جعفر منصور نے ۱۳۲ھ ۷۵۴ء میں بغداد پر قبضہ کر کے اُس کو علوم عربیہ کا مرکز بنایا تو خط بغدادی کی ابتدا ہوئی جو آج بعض اہم تبدیلیوں کے بعد ہر جگہ جاری ہے۔

بجائے الفاظ بینی اور ظاہر نوازی، اور اجتہاد کی جگہ خیال آرائی اور بلند پروازی از خود پیدا کردی؛ فصاحت پرستی صحیح معنوں میں از سرِ نو شروع ہوگئی! قرآن ہی سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی کہ انسانوں اور جنوں کا متفق گروہ بھی اسکی ایک سورت جیسی فصیح و بلیغ "تصنیف" پیدا کرنے سے متعذر ہے[†]: وَمَا

[†] سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (۱۷: ۸۸)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اگر اس پہنائے عالم کے سب جنّ و انس بھی اس بات پر مجتمع ہوجائیں کہ اس قرآنِ عظیم کی مانند ایک دوسرا قرآن بنا لیں تو ہرگز اس جیسا نہ لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر تُلے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔ (جنّ کی تشریح اپنے موقع پر آئے گی یہاں اس سے بحث نہیں)

یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت یا عبارت آرائی کے متعلق ایک حرف نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ فصاحت ہی میں تھا تو تمام دنیا کے جنّ و انس کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی، صرف قادر الکلام اہل عرب ہی کو بلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی بھی رکھ سکتا تھا پس جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جسکے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوے کرسکتا ہے اور وہ خوبی علم حکمت یا ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی اس امر کا تصفیہ کہ محوّلہ بالا آیت (۱۷: ۸۸) میں مِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کے الفاظ سے بعینہٖ کن معنوں میں مثیل قرآن کے ممکن نہ ہونے کا دعوےٰ کیا گیا ہے، سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے جو اس لحاظ سے از بس معنی خیز ہے:

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (۸: ۳۱)

اور ان نابکار اہل عرب کے انکار کی یہ شان ہے کہ جب ہماری آیتیں انکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو مٹا بولے اٹھتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم نے محمدؐ کے قرآن اور اسکے دعوئے پیمبری کی حقیقت کو خوب سمجھا (قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا)، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی پیش پا افتادہ باتیں بنا لیں (لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ)، ان میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو اگلے لوگ ہم کو ہمیشہ سے سناتے چلے آئے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ مِثْلَ هٰذَا کا اشارہ قرآن حکیم کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت اور ہدایت ہی کی طرف ہے جس کی منکرین عرب نے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہہ کر تخفیف کرنی چاہی ہے۔ اگر ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کے الفاظ بے موقع اور بےمعنی تھے کیونکہ اَسَاطِیْر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ اَوَّلِیْنَ سے مراد پرانے اُدَباء اور فُصحاء کی جماعت ہے۔ انہی معنوں میں مِثْل کا لفظ سورۂ طور کے اندر واقع ہوا ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۝ (۵۲: ۳۳-۳۴)

تو کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لایا ہے یہ تو ان کام چوروں کے لنگ عذر اور کٹ حجتیاں ہیں، اصل بات یہ ہے (بَلْ) کہ وہ سرے سے ایمان لانے کی نیت ہی نہیں رکھتے (لَا یُؤْمِنُوْنَ)۔ (کیونکہ ایمان لانیکے ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنا انپر واجب ہوجاتا ہے) اور ویسے اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی تو لے آویں۔

یہاں بھی صاف طور پر قرآن کا مثیل شعر و فصاحت میں طلب نہیں کیا گیا بلکہ مقصود اسکے مضامین کو قدر و قیمت میں برتر ثابت کرنا ہے۔ اسکے شعر ہونے سے انکار تو آیتیں پہلے اسی سورۃ میں ہو چکا ہے: اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝ (۵۲: ۳۰) یعنی کیا لوگ رسولِ خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہے (جس نے اپنے زورِ تخیل کے باعث چند خوشامدی پیدا کرلیئے ہیں۔ اسکی واہ واہ تبھی تک ہے جبتک وہ زندہ ہے) اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آدبوچے اور اسکی سب لن ترانیاں خاک میں مل جائیں۔"

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ† قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ[۱۵] ۝ (۶۹: ۴۱-۴۳)

متن و عبارت کی خوبیاں، اور نطق کی گہرائیاں پیش نظر ہوگئیں؛ فصاحت کے عاشقوں کی ایک جماعت بلاغت کو مستقل فن بنانے میں مصروف ہوگئی؛ قرأت اور ترتیل کے موضوعہ اصول کی بنا پر ادنیٰ سی ماندگی کے عوض میں، عرب و عجم سب کے لیئے، اللہ کی سرکار سے دردناک سزائیں مقرر ہوئیں۔ آہ! لیکن ان مجاز پرستان دین کو اس اعتنا و اہتمام کے باوجود یہ کہنے کی توفیق ہرگز عطا نہ ہوئی کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حقیقی غایت خدا کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اُسکی ایک ایک آیت کے مطالب عوام کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہو جاویں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ‡ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ (۲۵: ۳۲)

اور منکرین دین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دو کہ فی الحقیقت یہی مناسب تھا۔ کیونکہ ہم اس کے مطالب تمہارے قلب پر دل نشین کرکے تمہیں مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُتارا۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ۝ (۱۷: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے اس لیئے اُتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اُسے لوگوں کو پڑھکر سناؤ اور اسکے مطالب دلنشین کردو، اور اسی مصلحت سے ہم نے اُسے رفتہ رفتہ اتارا۔

---

۱۵ اور یہ قرآن کسی شاعر کا کلام تو ہے نہیں، افسوس کہ تم اسکی حقانیت پر بہت کم ایمان رکھتے ہو جو اسے قول شاعر قرار دیتے ہو۔ نہ یہ کسی کاہن کے ڈھکوسلے ہیں۔ افسوس تم اس سے بہت کم نصیحت پکڑتے ہو جو اسے ایسا سمجھتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کیطرف سے اُترا ہوا کلام ہے۔

---

† یہ تیسرا موقع ہے کہ قرآن کے شعر ہونے سے بصراحت تمام انکار کیا گیا ہے۔ ایک موقع ابھی ابھی صفحہ ۷۱ پر اور ایک صفحہ ۶۴ پر گذر چکا ہے۔

‡ یہ آیۂ جلیلہ صفحہ ۶۴ پر پہلے بھی آچکی ہے مگر اُس جگہ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ کے مطالب کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۱: ۱۲۰)

اور یہ سب جو کچھ ہم تمکو اپنے گذشتہ پیغامبروں کے حال بیان کرتے ہیں (اُنکی کامیابیوں اور دشمن کی ناکامیوں کی اطلاع دیتے ہیں) اس سے غرض و مطلب یہی ہے کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط کردیں، تمہارے عزم کو مصمم کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) قانون خدا کی اہمیت کو واضح کرکے تمہارے دل کو اسکی صداقت کے بارے میں مطمئن کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) اور اس میں شک نہیں کہ تمہیں اس موضوع کے اندر ایک عظیم الشان حقیقت (الْحَقُّ) منکشف کردی گئی ہے (جو تمہارے آیندہ طرز عمل کیلیئے مفید ہوگی) اور علاوہ ازیں ایمان والوں کے لیئے بھی اس سورت میں نصیحت اور عبرت ہو!

حقیقت کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں مگر یہ امر ظاہر ہے کہ نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ کے معنی دل کو مطمئن کرنے کے ہیں۔

.... وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ (۴:۷۳)

اور قرآن کو خوب سوچ سمجھ کر پڑھا کرو۔

ظاہر پرستی کے اِن لاانتہا اور شبانہ روز مشاغل کے باعث قرآن کے مطالب میں حقیقی تدبّر محال تھا۔ اسلام کی دماغی قوّت کا بہترین حصّہ اِس دردناک طور پر ضائع اور منتشر ہوتا گیا۔ قرآن کی درس و تدریس تمام عالم اسلام میں اِنھی اصول پر ہونے لگی۔ اِس اثنا میں جمع و تدوین احادیث کے نئے نظریے نے اجتہاد کا رُخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظین دین تسلسل اور تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہوگئے۔ راویانِ احادیث کے حسب نسب اور نامہ ہائے اعمال کی ایک نہایت وضعی مگر پُراز کار تحقیق شروع ہوگئی۔ احادیث کی صحت کا معیار اہلِ عرب نے پھر اُسی عقیدتمندی اور غلبۂ وہم کی بنا پر، کتاب آلہی سے تطبیق یا کم ازکم عدم تضاد کی بجائے رُواۃ کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اس نا روا ارادت کا اظہار، اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدتمندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جسکا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث، موقع اور مطلب کے نباہنے کے لیئے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتّٰی کہ اُن کی چھان بین محال ہوگئی، اور بیحد قیمتی وقت صرف ہوا کلام آلہی کے مطالب میں براہ راست اجتہاد اُسیقدر کم ہوتا گیا، اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر، قرآن کے ناقص اور غیر مکمّل، مغلق اور غیر مشرّح ہونے کے خاموش قائل ہوگئے!†

درحقیقت اِس تمام سطحی جدّوجہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصلی وجہ اہلِ عرب کا طریق تخیّل تھا۔ عرب کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں اُن کا واسطہ تخیّل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ مشق کی بنا پر انھوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اسکو کمال پر پہنچا دیا، عجیب و غریب رسمی علوم ایجاد کر کے اسکے صنائع اور بدائع کی مکمّل تدوین کی، نصّ قرآن کو ایک زیر و زبر کے اختلاف سے پاک کر کے

† احادیث کے معیارِ صحت کی حقیقت اور متعلّقہ معاملات کے بارے میں ایک مبسوط بحث عنقریب تیسری مجلّد میں آئے گی۔

ابدالآباد تک انسانی تصرف سے محفوظ کردیا۔ اوہامی شق کی بنا پر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کردیا تھا مگر چونکہ طبائع میں غیب کی باتوں سے الفت تھی، اور کہانت، وسواس، ظن، اور فرضیت کے عناصر غالب تھے اس لیئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی اُن کا خیال ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی، ملائک و جنات، موت و مابعد الموت، بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ، کی طرف معاً منتقل ہوگیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اس نمط کے تھے کہ اُن کے متعلق تخیل کی بلند پروازی بدرجہ اتم ہوسکتی تھی ظن و تخمین کے ان معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں، جاہلیہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہنا کر ان اتھاہ مضامین میں خلط مبحث کردیا۔ مگر چونکہ ازمنہ جاہلیہ کے عقائد، یونانیوں کے علم الاصنام کی غیر مانند، مدون بھی نہ ہوئے تھے، خود قبائل میں پہلے سے ہی ان ظنیات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تہا، اور اُن کی صحت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہوسکتی تھی، اسلیئے اس نوع خیال کا لازمی نتیجہ **فرقہ بندی** ہوئی، عرب نے اس حادثہ عظمیٰ سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بنا پر تفرقہ ڈال کر، اسلام کو دو ناقابل وصال گروہوں میں تقسیم کردیا تہا، مگر اب ظنی اجتہاد سے الٰہیات کی سطحی موشگافیاں کرکے، ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک تشتت پیدا کردیا؛ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝[1] فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝[1] (۱۵: ۹۰-۹۳)؛ جامع المتفرقین خدا نے، جو مسلمانوں کی ایمانی اور عملی دونوں

---

[1] یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من و عن مانکر اسکے مطالب میں تطابق قائم کریں، بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اتارا ہے جو حسب خاطر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپسمیں بانٹ لینے والے ہیں۔ اپنے اپنے حصے کو علیحدہ کرکے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سب سے ان کے ان بداعمال کی ضرور باز پرس کرینگے!

[1] قرآن کو عِضِيْنَ (ٹکڑے ٹکڑے) کرنیکے معانی یہی ہیں کہ اُسکے کسی ایک حصے کو لیکر اپنے مطلب کے معنی پیدا کرلینا، اسی پر اپنی کشش توجہ صرف کرنا، اور باقی حصوں کو نظرانداز کرکے فرقہ بند بننا جیسا کہ آج ہر اسلامی فرقے کا شیوہ عمل بن گیا ہے، گویا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۳) کا مصداق بننا جسکی تشریح صفحہ ۴۹ پر گذر چکی ہے۔ یہ طریق تخیل ظاہر ہے کہ کسقدر مُہلک ہے۔ جبتک کسی تصنیف کا تمام لائحہ عمل پیش نظر نہو، اُسکے کسی ایک حصے کے ظنی معانی انسان جو چاہے بنا سکتا ہے مسلمانان عالم نے کتاب اللہ کو اکثر اسی نقطہ نظر سے دیکھکر اپنے اپنے فرقے بنا لیئے ہیں۔ اسی لیئے آج انہیں دردناک پرسش ہو رہی ہے؛ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۲-۹۳) ضمناً ان آیاتِ الٰہی سے یہ بھی مترشح ہے کہ قرآن حکیم فی نفسہ تمام کا تمام **مربوط ہے**۔ اور یہ انسان ہی ہے جو آیات کے حسب مطلب معانی بیان کرکے اُسکو بے ربط کررہا ہے لیکن یہ حقیقت اُسوقت اظہر من الشمس ہوگی جب رفتہ رفتہ ہر ایک سورت کو اس کتاب میں مربوط المعانی ثابت کردیا جائے گا۔

زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا، لامحالہ ظن کے انہی ناہموار نتائج کو پیش نظر رکھکر، اسکی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا، مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پونہچنے کے لیئے تابعین عرب کو اسکی آیات میں حقیقی تامّل اور تدبّر کی ضرورت تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (۴۹ : ۱۲)

اے ایمان والو! اکثر قسم کے ظن سے بچتے رہا کرو، کیونکہ بعض ظن داخل گناہ ہیں۔

اسلام کی ارضی سلطنت کے استمرار و تمکن کے لیئے یہ فساد آفرین مباحث کس طرح مفید ہو سکتے تھے۔ قرآن کے متعلق ان لفظی تنازعات اور سطحی کج بحثیوں میں ہی مسلمانوں کی زندگی کے کم و بیش دو سو برس صرف ہوگئے۔ اس اثنا میں حفاظت قرآن کے مفید اور بے مثال عمل کے ماسوا عرب تخیّل کا ایک دیکر یہی نتیجہ ہوا کہ کلام الٰہی کی درس و تدریس کے ضمن میں عوام کے سامنے جاہلیۃ کا سارا علم ادب، اُن کی طرز معاشرت، اُن کی روایاتِ واہیہ، اُن کے اوہام باطلہ، اور اُن کا دیرینہ اخلاق مدوّن ہوکر التزام کے ساتھ پیش نظر ہوگیا۔ ان بے سود تصریحات اور ناگوار انکشافات کے سم آلود اثر کے باعث، اسلام کی تعلیم اعتقاد میں صدہا غیر متعلق اور مفروضہ باتیں ازخود دخیل ہوگئیں۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسکی جیّد عبارت اور حسن بیان میں منتقل ہوگیا! اسکی تلاوت عرب سخن فہمی اور زباں نوازی کی بہترین داستان بن گئی۔ پھر فصاحت اور نغز گوئی ہر خاص و عام کا مستقل بلکہ مستند شغل ہوگیا۔ عرب اور عجم قیل و قال میں، تحریر و تقریر میں، زباندانی کا اہتمام ذوق و شوق سے کرنے لگے۔ اُدھر قرآن کی فرضی تائید پر جنات اور ملائکہ کے متعلق عقائد کی تدوین ہونے لگی۔ بہشت اور دوزخ کے مختلف مقامات اور مدارج وضع کیئے گئے۔ عذاب قبر کی تشریحوں کے متعلق کلام الٰہی سے دوراز کار استناد کیا گیا۔ ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی وغیرہ کے مختلف نظریوں کے باعث، قرآن، رسول، بلکہ خدا کے متعلق بھی طرح طرح کے توہمات و شکوک عوام میں پھیل گئے۔ قرآن کی اکثر آیات میں عجیب و غریب تاویلیں ہونے لگیں۔ بدعت کا عام اجرا ہوگیا۔

پھر قیاس کے اِن بے نتیجہ مجادلات، آراکی اِس عام کشاکش، اور الفاظ وحی کے جاذبی اثر کے باعث عوام کے غیر مطمئن اور تشنہ نتائج دل کہانت کے جاہلی عقائد کی طرف ازخود مائل ہوگئے، قرآن کا مطالعہ محض رسم و تبرک کے طور پر رواج پاتا گیا، کلام الٰہی کے الفاظ میں غیبی برکت اور طبّی تاثیر مانی جانے لگی، تمائم پرستی اور زیارت قبور کی جاہلی علامات نمایاں ہونے لگیں، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ[1] (۹:۷۰، ۹:۳۰)۔ پھر آیندہ احوال اور خانگی معاملات، حتّٰی کہ ملّی اور بین الملّی مناقشات کی پیش بینی کی غرض سے کلام خدا سے تفاؤل کیا جانے لگا! احادیث نبویؐ اور حروف مقطّعات قرآنیہ سے زوال و بقائے قوم، مُدّتِ قیام عالم، اور بقائے اسلام کی تشریحیں نکالی گئیں! سحر و طلسمات کا وجود قرآن سے غلط مستنبط کرکے، اور حلول جنّات وغیرہ وغیرہ جاہلی عقیدوں کا منفی ثبوت† غیر متعلق اور دور از کار آیات سے از سر نو نکالکر عجیب و غریب فریب سے اُن کی قرآنی تحریم و تردید کی نوعیت بدل دی! انہی مراسم جاہلیہ اور عقائد واہیہ کی تجدید کے سلسلے میں مُسلمانوں کو نجوم کے مفروضہ اعمال سے بھی لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ رفتہ رفتہ آثار کواکب جاہلیہ عقائد کی تائید، ایک نہایت شرم انگیز طریقے سے کلام خدا کی وساطت سے کی جانے لگی۔ بعض فِرقِ صوفیا نے بھی تنجیم کے ان متعدّی اور ہلاکت انگیز اثرات میں پا بگِل ہوکر، طبائع کوکبی اور اُرواحِ فلکیؔ کو مظاہر اسمائے الٰہی فرض کیا، اور مکر و دروغ کے خجالت آفرین ڈھکوسلے اُسرارالحروفؔ کے نام سے وضع کیئے! تیسری صدی کے اخیر میں زیدیہ اور رافضیہ فرقوں نے امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی تقلید کے بہانے سے کلام الٰہی کو قطعًا ناقابل فہم قرار دے کر، اسکے اسرار و رموز کا حل جفر اور رمل سے مناسب

[1] تو اللہ ان پر ظلم نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے تھے۔

† اِس منفی ثبوت کی ایک مثال صفحہ ۶۳ آیۃ (۷: ۱۸۴) میں گذر چکی ہے۔ "مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ" سے بعض خوش اعتقادوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ اگرچہ رسولِ خدا میں (معاذاللہ) جن نہیں گھُسا تھا مگر عام لوگوں کے بدنوں میں جنّات کے گھُس جانے کی قرآن تائید کرتا ہے! جن کی حقیقت کے متعلق مکمل بحث غالبًا چوتھی مجلد سے پہلے نہ ہوسکے گی۔ مگر جستہ جستہ اشارات درمیانی مجلدات میں بھی آئیں گے۔

جانا! اِن اوہام کی گرفت بالآخر اسقدر وسیع ہوگئی کہ عین اُسوقت جبکہ اسلامی عظمت وجبروت کا آفتاب نصف النہار پر ٹھیرا ہوا تھا، اور اللہ کی بخششوں کے خزانے مسلمانوں کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے، اسلام کا مقتدر امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید، قرآن اور اسلام کو بالائے طاق رکھکر، فلکیات کے مطالعے میں بذات خود اس نیت سے مستغرق تھا کہ آثار نجوم سے اطلاع پاکر بقائے سلطنت کی بشارت اور نزولِ حوادث کے حالات معلوم کرے!

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ† ۝ (۴۳: ۳-۵)

ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے عظیم الشان مطالب کو پاکر عقلمند بن جاؤ، اور یہی قرآن ہمارے ہاں ام الکتب میں درج ہے جو ایک بڑی بلند نظر اور پُر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اِس وجہ سے کہ تم اِس کتاب عظیم کی اصلی غرض و غایت سے دور ہوتے جاتے ہو ہم اس کو تم سے یکسر کیوں نہ اُچک لیں؟

کیا اِن اعمال کے بعد انسان کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں، کفر اور ضلالت، جہل اور ابلہی، مکر اور سیہ کاری کی اِس سے بہتر اور روشن تر مثال پیدا ہوسکتی ہے جیسی کہ سلف راشدین علیہم الرحمۃ کے اِن ناخلف عرب و عجم نے ظہور اسلام کے پانچ سو سال بعد تک، قرآن کے مطالب پر غور کرنے، اور اللہ کی مُفت بخشی ہوئی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کرنیکے بہانے سے دنیا کے سامنے پیش کی؟ کیا خود ابلیس، اپنی شبانہ روز مصروف کاری، شیطانی اغوا، اور طاغوتی مکر وحیل کے باوجود، اپنے سارے نامۂ اعمال میں، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے دلوں پر ایک ہی وقت میں اُس کامل حکومت کی کوئی مثال پیش کرسکتا ہے جو ہم کے

† یہ آیات صفحہ ۶۰ پر گذر چکی ہیں مگر مُسْرِفِيْنَ کی تشریح اُس موقع پر چھوڑ دی گئی تھی۔ "مسخ حقیقت" کے عنوان میں اس قرآنی اصطلاح اور اکثر ایسے الفاظ کی مکمل تشریح آئے گی۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں کن وسیع اور مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہاں ہر صاحب نظر بطور خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہی معنی جو ہم نے اصل کتاب میں کیئے ہیں، مطالب کو مربوط کرسکتے ہیں۔ اِن کا بعد کی آیتوں سے ربط بھی ظاہر ہے۔ "الذِّكْرَ" کا لفظ قرآن کے معنوں میں جابجا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً آیہ (۱۶: ۴۴) میں جو صفحہ ۵۹ پر آئی ہے۔ اِن آیات میں خطاب تمامتر اہل عرب کی طرف ہے۔

ہلاکت انگیز عفریت، اور جہل کے موت افزا دیو نے عرب کی بے علم و ہنر قوم کو کامل طور پر مسحور کر کے قائم کی؟ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا، وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۝[۵۱] (۲: ۲۶)۔ کیا اسلام کی ازلی صداقت اور قرآن حکیم کی ابدی حقانیت کی آڑ میں، مکر و دروغ کا یہ علانیہ جواز، ماسوی اللہ کی یہ آشکارا عبادت، اوثان جاہلیہ کی یہ فاش عبودیت، فی الحقیقت بنی اسرائیل کی پرستش عجل سے بہت بڑھکر جہالت، خودکشی، اور ظلم نہ تھا جس سے اہل عرب نے آج اس خسیر دم تک توبہ نہیں کی؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ، فَتَابَ عَلَيْكُمْ، اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝[۵۲] (۲: ۵۴)۔ کیا قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی امیدیں رکھنا، اُسکے اوراق سے فالیں نکالکر نتائج کا چشم براہ رہنا، کلام الٰہی کے حروف کو طلسماتی فسون سمجھکر فوری اثر کا منتظر رہنا، حادثات زمانہ کو اللہ کے آسمانی کروں پر محمول کر کے غیب جاننے کی سعی کرنا، اور اس طرح پر خدا کے وجود کا بالجہر امتحان لینا، دراصل بنی اسرائیل کی خدا کے آشکارا دیدار کی خواہش، اور اُن کے مشروط ایمان کے مترادف نہ تھا جسکی سزا میں بالآخر اُن پر بجلی گری تھی؟ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝[۵۳] (۲: ۵۵)۔ نہیں، کیا پھر انہی عرب پر شدید العقاب خدا نے بنی اسرائیل کی مانند، اُنکے مفتریانہ اعمال اور فسق و ظلم کی پاداش میں جلد تر عین اُن کی سلطنت کے قلب میں ہلاکو کی بجلی نہ گرائی، اور اُن کی شش صد سالہ عظمت کو تاتاریوں کے طوفان جراد سے چند دنوں کے اندر خرد برد نہ کیا؟ کیا یہی عرب آٹھ سو سال تک اندلس کے روح پرور

[۵۱] بہتوں کو اسی سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن گمراہ انہی کو کرتا ہے جو درحقیقت فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل، دیکھو صفحہ ۸ سطر ۱۳)

[۵۲] اور لوگو! کیا تمھیں وہ وقت یاد ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! درحقیقت تم نے بچھڑے کی پرستش اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس اپنے خدا کی طرف پھر آؤ، اسکی جناب میں توبہ کرو، یا اگر یہ نہیں کرتے تو اپنے آپ کو ہلاک کرو، غرق ہو جاؤ، اور مر جاؤ (فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ)* خدا کی نگاہ میں تمھارے لئے یہی بہتر ہے کہ یا توبہ کرو یا مر جاؤ۔ پھر اُن لوگوں نے توبہ کی تو خدا نے بھی اُن کی توبہ قبول کر لی۔ ان پر عطا کی ہوئی نعمتیں بحال رکھیں، اُن سے کچھ مواخذہ نہ کیا، اور وہ خدائے عظیم باز آجانے والوں کے حق میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

[۵۳] اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تمھیں ہرگز فرستادۂ خدا یقین نہ کریں گے جب تک ہم خدا کو آشکارا نہ دیکھ لیں۔ پھر تم کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

* گویا فَتُوْبُوْا اور فَاقْتُلُوْٓا میں فاء سے مقصود اختیار جتلانا ہے۔ فَتُوْبُوْٓا کے بعد اور فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے پہلے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ مقدر ہیں۔

چشموں، سایہ دار بادلوں، دلفریب گھاٹیوں، پُر فضا وادیوں، اور حیات افزا جنّتوں میں رہ کر اللہ کی نافرمانی کے عوض میں، عبادت طاغوت کی سزائیں، ممنوعہ درخت کے پاس نہ جانے کے بدلے میں، غیب پر سے نقاب اُلٹنے کی جزائیں، اللہ کے آشکارا دیدار کی خواہش کی سرزنش میں، بالآخر اُسکے زبردست ہاتھ سے بیک بینی و دو گوش اس بے آبروئی اور دُرگت سے نہیں نکالے گئے کہ آج اس داستان کو دُہراتے ہوئے پسینہ آجاتا ہے؟ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۚ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ٥ (۲: ۵۷) کیا آج آٹھ سو برس کی بے مثال حکومت اور جاہ و جلال کے بعد، اُس سرزمین میں، اُن کا ایک متنفّس اور ایک نوحہ گر بھی باقی رہا ہے جو اُنکی خاموش مزارو۔۔۔ پر بیٹھ کر ہو کر چار آنسو ہی بہا دیا کرے!

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ٥ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ٥ (۱۹: ۹۷-۹۸)

ہے اور ہم نے تمہیں ایسے قطعات زمین پر آباد کیا جہاں ابر تم پر سایہ کئے رہتا تھا، اور تم کو شیرینی درخت حاجّ اور عمدہ اقسام کے بٹیر کھانے کو دیئے، اور اجازت دی کہ جو کچھ عمدہ رزق ہم نے تم کو دیا ہے شوق سے کھاؤ۔ لیکن تم نے ان نعمتوں کی بیقدری کی۔ تو ان لوگوں نے ہم پر کچھ ظلم نہیں کیا، وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے رہے۔

† یہ لغو تشریح ہے جو پھیلانے بنالی ہے کہ بنی اسرائیل جہاں جاتے بادل کا چتر اُنکے سر پر رہتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جزیرہ نما سینا کے جن شمال مشرقی حصص میں بنی اسرائیل فتح کنعان سے پیشتر رہے وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ عین قادیش کا تمام گردونواح جہاں چھ لاکھ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہے ایک نہایت خوشگوار ملک تھا، آب و ہوا میدانی علاقوں سے نسبتاً اب بھی خنک ہے، موسمی نہریں، چشمے اور دریا جابجا نظر آتے ہیں۔ درخت حاجّ جس کی شیرینی کو قرآن اور تورات نے مَنّ سے تعبیر کیا ہے بکثرت ملتا ہے۔ پرندوں کی بھی بہتات ہے۔ مصر اور سینا کے تپتے ہوئے بیابانوں سے نکلکر بنی اسرائیل کا ان علاقوں میں آباد ہونا انکے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا۔ قرآن نے اسی حقیقت کو "ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ" کے خوب صورت الفاظ میں ادا کیا ہے اور اگر قرآن فصیح و بلیغ ہے تو درحقیقت انہی معنوں میں کہ اسکا تمام اسلوب بیان نہایت مختصر اور مؤثر ہے، اور اس سے بہتر انداز وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع تاریخ القرآن کا ہی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہی۔ اسی لیے انکے ظلم کی تشریح کو اُس موقعے کیلیے چھوڑ دیا گیا ہی۔

‡ تُبَشِّرَ کے بالمقابل تُنْذِرَ اور مُتَّقِيْنَ کے بالمقابل قَوْمًا لُّدًّا کے الفاظ آئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں 'مُتّقی' قوم دراصل وہی جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد بن کر رہے۔ اتّقا کے ان معانی کا ثبوت جابجا آگے چلکر آئیگا۔ تقوٰے کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں اسکی کوئی سند موجود نہیں۔ اقوام کے بارے میں اسکا اطلاق اور بھی بے معنی ہے۔ اس کتاب میں ہم نے فی الحال لفظی معنی کر دیئے ہیں۔ لیکن اتّقا کے ان معانی کی ایک جھلک صفحہ ۹۴ کی آیۃ (۲۳: ۵۲) میں صاف نظر آتی ہے۔ جہاں مقام خدا کا ڈر اس بات پر منتج کر دیا گیا ہے کہ انسان اُمّۃ واحدہ بنکر رہے: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ٥ (۲۳: ۵۲)۔ کسی آقا (ربّ) کا سچّا ڈر یہی ہے کہ اُسکے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور حاکم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔

اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیئے آسان کر دیا ہے کہ تم اسکے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذابِ خدا سے ڈراؤ۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا اب تم اُن میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو، یا اُن کی بھنک تک بھی سُنتے ہو!

آج یہی اللہ سے نڈر اور جھگڑالو قوم جس نے دین کی ہر جزوی بات میں پھوٹ، اور ہر فرع و اصل میں تفرقہ ڈالکر خدائے پاک کے محبوب مذہب کو نہایت بیدردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کے شدید کفر و نفاق کی روداد، رسولؐ خدا کے حین حیات میں ہی قرآن کے قریب قریب ہر ورق پر روز روشن کی طرح ثبت ہے: اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝ (۹: ۹۷) [ف۱] جس کے مکر و فریب، جھوٹی قسموں، لنگ عذروں اور منافقانہ دوستیوں سے تنگ آکر علیم و حکیم خدا نے اُن کے عظیم تر حصے کو قرآنی ہدایت اور حدود خدا پہچاننے کا قطعی نااہل قرار دیا تھا، جس کی کج بحثیوں، بیہودہ سوالوں، اور لغو فرمائشوں کا جواب دیتے دیتے اللہ کا محبوب نبیؐ اپنی جان کو ہلاک کر رہا تھا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّـفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ‏ ۝ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِيۡنَ‏ ۝ (۲۶: ۳-۴) [ف۲]، جسکے باہمی جنگ و جدل کی سرگذشت، اور آپس کے فتنہ و فساد کی داستان بعثتِ نبیؐ کے بعد بھی، تاریخ عالم کا سُرخ تر اور خونیں تر ورق ہے! آہ یہی قوم کسرٰی، اور دارا کے سربفلک ایوانوں میں شکار کھیل کر، بابل اور نینوا، مصر اور کارتھیج کے مٹے ہوئے نشانوں پر گھوڑے دوڑا کر، نمرود اور فرعون کی مغرور کھوپڑیوں کو لکد کوب کر کے۔ بالآخر اپنے ظلم کی سزا میں، ذُل و مسکنت کے انہی خراب آباد صحراؤں میں، ندامت انگیز قناعت کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دن بسر کر رہی ہے جو اس کے

ف۱ یہ جنگلی اور بادیہ نشین لوگ از روئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور درحقیقت اس لائق ہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود نہ جانیں، اور خدا تو ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور بڑا صاحب حکمت ہے جو انہی کے ذریعے سے اسلام کا بول بالا کر رہا ہے!

ف۲ اے پیغمبر! تم تو اُن کے پیچھے اپنی جان بھی ہلاک کر دو گے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم مناسب سمجھیں تو اسی وقت ان لوگوں پر آسمان سے دردناک عذاب بھیجیں حتّٰی کہ ان کی گردنیں اسکے آگے جھک کر رہ جائیں۔

اصلی ساکن تھے، مگر اللہ کا المناک انتقام افسوس! آج بھی کم ہوتا نظر نہیں آتا، اور یورپ کی حرص سلطنت، جوع الارض، اور حریت کش اقتدار سے انہیں اور بھی ذلیل و پامال کرنا چاہتا ہے!

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ† ○ (۲۸: ۵۹)

اور اے پیغمبر! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جبتک اُسکے اہم اور مرجع خلق حصّے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پر ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے، اور اسپر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جبتک اُن کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کرکے ہماری اصطلاح میں ظالم نہ ٹھیریں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ† ○ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۶: ۴۷-۴۸)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہوگا۔ اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لیئے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کردیں۔ پھر اسکے بعد جو قوم ایمان لے آئی، اور جنھوں نے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُن کی زندگی بے خوف و خطر ہے!

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ† ○ (۴۶: ۳۵)

† ظلم اور فسق کی قرآنی اصطلاحیں منجملہ اُن جامع و مانع مصطلحات کے ہیں جن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ اسی قسم کے چند اور الفاظ (مثلاً ایمان، صلاح، شرک، کفر، اتقا، وغیرہ) اس سے پیشتر گذر چکے ہیں، مگر اُن کا صحیح مفہوم بھی معرض التوا میں ڈالدیا تھا۔ سردست جو مقصود ان آیات کے پیش کردینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کے روسے جو قوم صفحۂ عالم سے نابود ہورہی ہے، جسکا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے، جو ہلاکت کے قعر عمیق کیطرف بڑھ رہی ہے، وہ شارع کائنات کی نظروں میں بلا لحاظ مذہب و ملت 'ظالم' اور 'فاسق' ہے۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اُس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین پر سے محو ہوجائے۔ ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہوجانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اسکی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اُس اُمت کے افراد بھی روئے زمین پر سے محو ہوگئے ہیں حتّٰی کہ اُن کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا، جیسا کہ صفحہ ۹۷ کی آیہ (۱۹: ۹۸) سے ظاہر ہے مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلب قوت کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے۔ مسئلہ بقائے اصلح کو پیش نظر رکھکر آیہ (۶: ۴۸) میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ انہی دو آیات یعنی (۶: ۴۷-۴۸) سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے۔ اُن کی رسالت کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقا کے رستے پر لیجائیں یا نافرمانبرداری کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیغام سنائیں یہ نکتہ نہایت قابل لحاظ ہے کیونکہ اسکی طرف اشارہ جا بجا اصل کتاب میں آئیگا۔ بعینہ یہی بات آیات (۱۹: ۹۷-۹۸) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۹۷ کے متن پر آچکی ہیں۔

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پونہچا دیا! تو کیا اسکے بعد، فاسق قوم کے سوا اس دنیا میں کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں "فاسق" ہو)۔

عرب تخیل اور اسلامی فلسفے کی اس مختصر حکایت کے بعد کیا کوئی صاحبِ نظر ایک لمحے کے لیئے بھی اس طرزِ عمل کا ممنون، اور اس فلسفۂ خیال کا شرمندۂ احسان ہو سکتا ہے؟ کیا جنّوں کے حالات کُرید کُرید کر بیان کرنا، اُن کے حسب نسب، ذُرّیت، حتّٰی کہ حکمت اور علم ادب[†] کی تشریحیں کرنا، ملائکہ کو فرضی گروہوں میں تقسیم کر کے اُن کے بے سند اور عجیب و غریب فرائض مقرر کرنا، آسمان و زمین کے آر پار سڑکیں اور پُل باندھنا، بہشت کی نہروں درختوں اور مقاموں، دوزخ کے طبقوں پُلوں ایندھنوں حتّٰی کہ کلید برداروں اور محافظوں کے نام وضع کر کے، خلقِ خدا میں تذبذب یقین پیدا کرنا ہی عرب کے نزدیک وُہ حیرت انگیز علم لدُنّی تھا جسے احمد مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حکیم و خبیر خدا کے ہاں سے لایا تھا؟ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ[1] (۵۳ : ۲۳)؛ کیا رعد، صراط، صاعقہ، سدرۃ المنتہیٰ، کوثر، تسنیم، طُوبیٰ، علّیون، وغیرہ وغیرہ، سیدھے سادے اور مُمثّل الفاظ[‡] کی تشریح میں عرب مفسّرین کا آسمانوں اور بادلوں، ہواؤں اور عرشِ معلّےٰ، خلد بریں اور مساکن ارواح کی سیریں کرانا اور دین متین کو یکسر افسانہ بنا دینا ہی قرآن کے مطالب میں وہ حقیقی تدبّر و تفکّر تھا جس کی خدائے پاک نے

[1] یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے اپنی طرف سے رکھ لیے ہیں، خدا نے تو ان ناموں کی کوئی سند اُتاری نہیں۔ یہ لوگ تو محض ظن پر چلتے ہیں یا جو کچھ دل چاہتا ہے گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ ان کو اپنے پروردگار کے ہاں سے کامل ہدایت مل چکی ہے۔

[†] ابو السّری سہل بن ابی غالب خزرجی جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مقبول شاعر تھا اس بات کا مدّعی تھا کہ اُسکو ایک جنّیہ نے دودھ پلا کر پالا تھا۔ اُس نے اپنے دعوے کی تصدیق میں ایک کتاب جنّوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی اور خلیفۂ وقت کو خوش کرنیکے لیئے اعلان کیا کہ اُسنے جنّوں کی مخلوق سے امین بن ہارون الرشید کے حق میں بیعت لی ہے۔ یہ کتاب ایک مدّت تک مقبول عوام رہی چند اشعار آج بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

[‡] ان الفاظ کی تشریح حتی الوسع اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ اہل عرب نے انکے متعلق بے سر و پا افسانے بنا لیئے ہیں جن کی کوئی سند نہیں دین اسلام اغیار کی نظروں میں آج انہی توجیہوں کے باعث تمسخر کا سامان بن رہا ہے۔ "صاعقہ" کا تمثیلی مفہوم ہم نے صفحہ ۹ پر ظاہر کرنیکی سعی کی ہے۔ عرب نے "صاعقہ" کو شہاب ثاقب سے گرے ہوئے لوہے کی تلوار یا گرز سمجھ لیا ہے جسکو "رعد" کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیکر مارتا ہے۔

تاکید کی تھی؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (۱۷: ۳۶)؟

۵۱ اور جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اُسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اِس امر کی پرسش ہوگی کہ اٹکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔ (علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہو!)

اِس عظیم الشان آیت میں "علم" کی ایک نہایت حکیمانہ تعریف کردی گئی ہے، اور فیصلہ کردیا ہے کہ شارع کائنات کی نظروں میں "علم" وہ شئے ہے جو براہِ راست سمع اور بصر اور فؤاد کے ذریعے سے حاصل ہو گویا جس شئے کی تصدیق کان، آنکھ، اور ذہن سلیم کرلیں وہ علم ہے۔ جو اس کے ماسوا ہے وہ "ظن" ہے، اور علم کے یقینی مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ "فؤاد" کا عام مفہوم عربی زبان میں "قلب" ہے۔ مگر عرب کے نزدیک "قلب" ایک وسیع اصطلاح ہے جسکا اطلاق انسان کے اُن اعضائے شریفہ پر ہوتا ہے جو اُس کی فہم و ادراک کے متعلق ہیں۔ اس قول کی تصدیق میں دو مثالیں صفحہ ۲، کی آیت (۲۵: ۳۳) اور اسی صفحہ کے تحت المتن کی آیت (۱۱: ۱۲۰) میں گذر چکی ہیں اور باقی تصریحات اپنے اپنے موقع پر آئینگی لیکن سورۂ حج کی اِس آیت سے قلب کا مفہوم قطعاً عیاں ہے: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ۝ (۲۲: ۴۶) یعنی کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ اُن کے "دل" ہوتے جن سے تعقل کرسکتے، یا کان ہوتے کہ بگوش ہوش سُن سکتے اور خدا کی دردناک سزاؤں سے عبرت پکڑتے۔ کیونکہ دراصل آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن "دل" جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں اندھے ہوجایا کرتے ہیں"۔ گویا عرب کی اصطلاح میں "دل" ہی فہم و ادراک کا نشیمن ہے اور اسی کے ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے "فؤاد" کا زیادہ صحیح ترجمہ "قلب سلیم" ہے جس میں لامحالہ ذہن بھی داخل ہے۔ اور چونکہ جبتک کسی شئے کو ذہن تسلیم نہ کرلے، دل کے لیئے اسکا تسلیم کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے "ذہن سلیم" ہی "فؤاد" کا صحیح مفہوم ہوسکتا ہے۔ اِسی "فؤاد" میں باقی حواس ثلٰثہ (یعنی لامسہ، ذائقہ اور شامہ) بھی شامل ہیں کیونکہ اُن کے محسوسات کی اطلاع بھی سامعہ اور باصرہ کی مانند، ذہن ہی کو ملتی ہے۔ علم کی یہ حیرت انگیز تعریف اِسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ اُن کی تمام تلاش و تفحص کا معیارِ تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر انکے ہاتھوں آج اِنہی ارکان ثلاثہ کے زور پر ہورہی ہے۔ اُن کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلائے جانے کی اہل نہیں جبتک کان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ نے ہر مرتبہ اُسکو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو، دل نے بلاعذر اُسکی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی اُن کے نزدیک "علم" ہے۔ اور جو اسکے سوا ہے "ظن" ہے اور اسلیئے قابل التفات نہیں۔ اِسی سچے معیار کو پیش نہاد بناکر انہوں نے اُن تمام انسانی مکتشفات کو "علم" کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبعیات، علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب، وغیرہ وغیرہ انکے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ، قانون، ادب، صرف نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جن کی اساس قیاس، رائے، یا وضعی اجماع پر ہے، "علم" کے بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے، اور نہ سمع و بصر اور قلب سلیم کو ان سے کچھ تعلق ہے۔ بیکن (المتوفی ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقرا (۱۰۲۹ھ سن ۱۶۲۰ء) کی تمام بنیاد علم کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنۂ مظلمہ کی جہالت سے نکالکر ایک اقل قلیل مدت میں "نشأة الثانیہ" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کیطرف رہنمائی کی تھی!

علم کے صحیح اور ناقابل انکار قرآنی مفہوم کے متعلق اصل کتاب میں ایک طول و طویل بحث بعد میں آئے گی! مگر کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں سورۂ بنی اسرائیل کی اِس جلیل القدر آیت کے متعلق یہ سرسری توضیح اسلیئے بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں اِس نہی مہتم یعنی آیہ وَلَا تَقْفُ ..... (۱۷: ۳۶) کو ربانی حکمت کا ایک مستقل جزو قرار دیا گیا ہے، جو بعد کی آیہ: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ (۱۷: ۳۹) یعنی "یہ احکام ہیں جو تمہارے پروردگار نے اپنی حکمت کاملہ سے اخذ کرکے تم پر وحی کردیئے ہیں"؛ سے ظاہر ہے۔ اِس حکمت عظمیٰ کے متعلق ایک پُر معنی بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی۔ لیکن ہر صاحب نظر قرآن حکیم کی اِس آیۂ کبریٰ یعنی (۱۷: ۳۶) کے صحیح مطالب کو پاکر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ آج جن اقوام عالم نے "علم" اور صحیح علم کو اپنا منتہا

کیا تعویذوں اور گنڈوں، رمل اور جفر، تفاؤل اور حساب جمل سے آیندہ واقعات اور اسرارِ غیب کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۳) بنایا ہے، جنہوں نے قرآن کے اِس اہم حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو لغو اور بے سند، اٹکل پچّو اور بے تکی باتوں کا شکار بنا کر قوم کی ذہنی اور عملی قوتوں کو تباہ نہیں کیا، وہ آج ترقی کے فلک الافلاک پر کس طرح چڑھ رہے ہیں، اور دوسری قوموں کے بالمقابل کسقدر طاقتور بن چکے ہیں!

لیکن اور اُمتوں سے قطع نظر، خاص مسلمانانِ عالم نے جس حیرت انگیز خوش اعتقادی سے پچھلی چند صدیوں سے عالمِ عُقبیٰ کی جسمانی تصویر اپنے ذہنوں میں جمانے کی بے طرح سعی کی ہے، جو بے سند قصّے بہشت اور دوزخ کی مکانیت کے متعلق اپنے شاعرانہ تخیّل کے باعث گھڑ لیئے ہیں، جو عجیب و غریب خیالی سماں اُن کی فرضی کیفیّت کے بارے میں بلا شہادت باندھ لیا ہے (مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط (۵۳ : ۲۳) صفحہ ۸۲) بجائے خود اُن کے ضعفِ یقین کی دلیل ہے۔ دنیائے آخرت کی صحیح ماہیّت کے متعلق بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، اگر باوجود اُس تمثیلی کیفیت کے جو قرآن نے انسانوں ہی کی زبان میں اُس سانحۂ عظمٰی کے بارے میں جابجا بیان کی ہے جس کا واقع ہونا اٹل ہے، اور باوجود اُس مثالی کیف و حال کے جو بہشت کی بے مثال آسائش اور دوزخ کی بے مثال تکلیف کے متعلق بار بار ظاہر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سرورِ کائنات کے اُس مشہور قول کی بھی کچھ وقعت پیشِ نظر نہیں جس میں بہشت اور دوزخ کی بابت فیصلہ کر دیا ہے کہ "لا عینٌ رأت لا اُذنٌ سمعت ولا خطر علیٰ قلب البشر" یعنی اُسکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سُنا، اور نہ اسکا خیال ہی کسی بشر کے قلب پر گذرا ہے۔ جب حال یہ ہے کہ سمع اور بصر اور فؤاد ان کی صحیح کیفیت تک نہیں پہونچ سکتے، اور اُن کا علم حاصل کرنا اُن کے واقع ہونے سے پیشتر محال ہے تو حیرت ہے کہ مسلمان "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ" کے محاکمے کے باوجود کیوں اُن کے پیچھے پڑے ہیں اور فرضی قصّے بنا بنا کر اپنے دین کو غیروں کی نظر میں مضحکہ انگیز بنا رہے ہیں۔ عالمِ عُقبیٰ کے بارے میں جو تعلیم اسلام نے دی ہے فقط یہ ہے کہ وہ ہے، اُسکا واقع ہونا یقینی ہے اور بس:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ۙ لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا کَاذِبَۃٌ ۘ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ (۵۶ : ۱-۳)

اے لوگو! ذرا غور کرو کہ جب وہ کپکپا دینے والا سانحہ واقع ہوگا، اور قیامت جس کے ہونے میں ذرا شک و شبہ ہی نہیں تمہارے سروں پر آموجود ہوگی تو تمہارا کیا ہی خستہ حال ہوگا۔ اُسدن تمہارے اعمال کی حقیقت صاف کھل جائیگی، بہتیروں کو ابد الآباد تک ذلیل کر دے گی اور بہتیروں کے درجے ہمیشہ کے لیئے بلند کر جائے گی۔

اِس حادثۂ کبریٰ کے واقع ہونے کا ناقابلِ انکار ثبوت کتاب کے متن میں اپنے موقع پر آئیگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کب ہوگا، کہاں اور کیونکر ہوگا، جزا کیا ہوگی، سزا کس طرح ہوگی، کیا کیف و حال ہوگا، کیا منظر پیش ہوگا، یہ سب امور انسان کے احاطۂ علم سے باہر ہیں کیونکہ سمع و بصر اور فؤاد کے حیّزِ درک میں آنیکا امکان نہیں رکھتے۔ اِسی بنا پر اُنکے بارے میں بحث کرنا بھی عبث ہے۔ اور نہ قرونِ اولیٰ میں ان کی کسی ایک شق کے متعلق بحث کرنے کی اجازت تھی۔ سورۂ اعراف میں ہے:

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ ج (۷ : ۱۸۷)

اے پیغمبرؐ! لوگ تمہیں قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آخر اس سانحۂ عظمٰی کا ٹھل بیڑا بھی کہیں ہے، کوئی شناخت کرنے کی علامت یا نشان بھی ہے۔ ان کو کہدو کہ اُسکا علم تو صرف میرے خدا ہی کے پاس ہے۔

جو بات نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ اُس السَّاعَۃ کے واقع ہونے پر کامل اور علمی یقین ہو، اسکی اہمیّت اور صداقت کو پا کر بدن میں کپکپیاں پیدا ہوں۔ دار الجزا کی امید میں سعی و عمل دہ چند ہوتا جائے، شوق کا حس بڑھے، خوف کا تکیف ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ نادیدہ انعام کے فرضی قصّے گھڑ لیئے جائیں، انکو ادھر اُدھر اکر بے اثر، اور سعی و عمل کو کالعدم کر دیا جائے۔ انعام میں قوتِ تشویق اور سزا میں طاقتِ تخویف تبھی تک ہے جبتک اُنکی صحیح کیفیّت معلوم نہیں اور ساتھ ہی انکے بہترین یا بدترین ہونے میں کلام نہیں۔ یہی انداز اس موضوع کے متعلق تمام قرآنِ عظیم کا ہے مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمانوں نے اِس راز کو اکثر نہیں سمجھا۔

ٹوہ لگانا، اور اِس مکر و حیل سے آیاتِ خدا کو کوڑیوں کے مول بیچنا ہی قرآن حکیم کی وہ محیر العقول حکمت آموزی تھی جس کا دعوےٰ حکیم حقیقی نے بار بار کیا تھا؟ کیا صرف و نحو، علوم لغت اور فنونِ بلاغت کو اسلامی دینیات کا جُزلاینجزی قرار دے کر سبع اسابیع، حماستین اور مقامات حریری کے صنائع اور بدائع کا مطالعہ کرنا ہی فی الحقیقت "قَوْمٌ يُّؤْمِنُوْنَ" و "قَوْمٌ يُّوْقِنُوْنَ" کے لیے وہ "هُدًى وَّ بُشْرٰى" اور "هُدًى وَّ رَحْمَةً" تھی جس کا قرآن میں ملنے کا وعدہ کیا گیا تھا؟ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ (۵۲: ۲۹-۳۱)؛ کیا قرآن کے پُرحکمت اور پُرمغز قصّوں، تشبیہوں اور مثلوں، سورتوں اور آیتوں کی فرضی اور بے سند تاویلیں بنا کر، اللہ کی پاک اور بے عیب کتاب کو سحر اور تُمن، خوارق اور عجائبات کا جامع قرار دینا، انبیاء کو عجیب و غریب کرامات کا عامل قرار دے کر اُن کو تماشہ گر اور حقہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اُس تفکّر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلام الٰہی نے کی تھی؟ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۷: ۱۷۶)،

---

۵۱ تو اے پیغمبر! تم اپنی نصیحت کیئے جاؤ کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو بازیگر (کَاهِنٍ) ہو اور نہ سودائی (مَجْنُوْنٍ)۔ کیا لوگوں نے تمہاری نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمّد تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیّل اور شعر و سخن سے ہی چند افراد کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اس کی پیروی اور اسکی دھمکیاں تبھی تک ہیں جب تک وہ زندہ ہے۔ اور ہم تو اِس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آدبوچے اور اس کی سب لن ترانیوں کو ختم کر دے۔ تم ان سے کہدو کہ بہت اچھا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دھمکیاں محض باد رہوا باتیں تھیں، اور کس کی ہدایت صرف نقش بر آب تھی۔

۵۲ پس تم ان کو یہ باتیں بیان کر دو تاکہ اِن پر غور کر کے مستقل نصیحت اخذ کریں۔

---

† صفحہ ۴۳-۴۴ کے تحت المتن سے ظاہر ہے کہ علم لغت الٰہی اصطلاح میں درحقیقت علم نہیں علیٰ ہذا القیاس صرف و نحو یا بلاغت کے فنون۔ اسی لحاظ سے علوم کو دادین میں گھیرا ہے۔

‡ متاخرین عرب نے اپنے علم ادب میں سے طبقہ شعراء کے سات اعلیٰ پائے کے قصیدوں کو معلقات کے انداز پر منتخب کر کے سات حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس مجموعے کا نام سبع اسابیع رکھا ہے۔ اِن سات حصّوں کے نام یہ ہیں: معلّقات، مجمہرات، منتقیات، مذہبات، مراثی، مشوبات، ملحمات۔ پہلے تین مجموعوں کی تفصیل صفحہ ۶۳ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ باقی شعراء کے نام یہ ہیں: مذہبات (حسّان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، مالک بن عجلان، قیس بن حطیم، احیحہ بن جلاج، قیس بن اسلت، عمرو بن امرالقیس)، مراثی (ابوذویب ہذلی، محمد بن کعب، اعشیٰ باہلی، علقمۃ المطموس، ابوزبید طائی، مالک بن ریب نہشلی، متمم بن نویرہ) مشوبات (کعب بن زہیر، نابغہ جعدہ، قطامی، حطیئہ، تمیم بن مقبل، شماخ، عمرو بن احمر) ملحمات (فرزدق، جریر، اخطل، عُبید راعی، ذوالرمّہ، کمیت بن زید، طرماح)۔

‡ صفحہ ۵۷-۵۸ کے متن کی آیات (۷: ۲۰۳) اور (۵۲:۷) اور (۴۵: ۲۰) کی طرف اشارہ ہے یا (۱۲: ۱۱۱) کی طرف جو آگے آ رہی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۵ (۱۲: ۱۱۱) - اگر صاحب القرآن عزّ اسمہ کی حقیقی غرض و غایت اسی فلسفے اور اسی حکمت سے تھی، اگر کتاب خدا میں بصیرت اور تدبر کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اگر غور و فکر اسی نمط پر اسکے حقائق کو بیّن کر سکتا تھا ؛ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۵ (۱۶: ۴۴)، اگر یہ عالم افروز اور مبین کتاب دنیائے اسلام کو اسی طور پر ظلمت سے نور میں نکال سکتی تھی، نہیں، اگر آیۂ استخلاف کے وعدے کے مطابق یہی **ایمان** اور یہی **اعمال صالحہ** ہونے چاہیئے تھے جو عرب اور عجم نے صدیوں اور قرنوں تک ملکر کیئے تو آج کیوں قرآن حکیم کے یہی سچے مترجم، کیوں کتاب مبین کے یہی اصلی مفسر، یہی پکّے مومن اور صالح العمل **اہل عرب**‡، ایک قلیل سے قلیل زمانے میں، شدید العقاب خدا کے عذاب مہین کے اس دردناک طریقے پر شکار ہو چکے ہیں کہ خدا کی گز بھر زمین بھی صحیح معنوں میں ان کی وراثت میں نہیں رہی ؟

ﻁﻟ بلاشبہ دانا آدمیوں کیلیئے اِن لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی یا جھوٹ بات تو ہے نہیں بلکہ جو کچھ اُنکے سامنے ہے اسکی تصدیق ہے اور فی الحقیقت یہ تو تمام آئین جہان کی تفصیل ہے اور اُس قوم کیلیئے جو ایمان داری سے اسکے احکام پر عمل پیرا ہے ہدایت اور رحمت ہے۔ ﻁﻟ اور ہم نے یہ کتاب نصیحت تم پر اسلیئے اتاری ہے کہ تم اسکے حقائق عالیہ کو اُنپر اچھی طرح عیاں کر دو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بطور خود اسمیں تفکر کریں اور نئے حقائق دریافت کریں۔

---

‡ اِس آیت کے صحیح مفہوم، اور بالخصوص تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کے معانی کے متعلق ایک مستقل باب باندھا گیا ہے جو غالبًا پانچویں مجلد میں آئیگا۔ ایک اور مستقل بحث اسی ضمن میں عنقریب آنیوالی ہے اسلیئے یہاں پر اِس آیہ کریمہ کے متعلق کچھ کد و کاوش کی ضرورت نہیں ہم نے الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کا ایک لفظی ترجمہ کرکے مطالب کو نظر انداز کر دیا ہے

‡ اِس جگہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کا مجرم خاصۃً اہل عرب کو کیوں قرار دیا ہے حالانکہ عباسیہ سلطنت میں علما، ادبا، متکلمین اور مفسرین اکثر عجمی الاصل تھے اور قرآنی مطالب کی نشر و تبلیغ بھی عجمیوں کی وساطت سے ہوئی۔ چنانچہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اِس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ یہ اعتراض بظاہر وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامل کے بعد اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی حکما و فضلا نے قرون عباسیہ میں متاع قرآن اور باقی علوم و فنون کی تبلیغ جو کچھ کی سب کی سب عرب روایات اور عرب اثر، عرب تخیل اور عرب حکومت کے ماتحت رہکر کی۔ دینیات کے متعلق تمام علوم کا مرجع و منتہا قرآن تھا اور وہ عربی میں تھا، احادیث کی روایت عربی زبان میں تھی، بحث مباحثے، اسناد اور حوالہ جات سب عربی میں تھے، تصانیف کی زبان عربی تھی، اُنکے اکثر موضوعات بھی عرب تاریخ، عرب خصوصیات اور اخلاق، عرب اعتقادات اور روایات پر یکسر مبنی تھے۔ نہیں بلکہ عجم مصنفین نے قول و خیال کے اعتبار سے اپنے آپکو عرب میں مدغم کرنیکی سعی اِس شدت و مد کی تھی کہ صرف تصنیف کو دیکھکر مصنف کی اصل نسل کا پتہ لگانا آج بھی بہت مشکل ہے۔ اِس مقام نظر سے یہ کہنا کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کی ذمہ داری عرب پر ہی ہے حقیقت کے اعتبار سے کچھ غلط نہیں۔ آج ہند کی سرزمین میں انگلستان کی شہنشاہی، تمدنی اور اخلاقی روایات کی اکثر نشر و تبلیغ متفرنج ہندیوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے ٹھیٹھ انگریز جو اس اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں مقابلۃً صفر ہیں لیکن با ایں ہمہ یہ کہنا کسقدر نادرست ہے کہ ہندوستان کے اخلاقی افلاس اور مادّی انحطاط کے مجرم ہندوستانی ہیں، انگریز نہیں۔ حاکم قوم کی حکومت ہی اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اُنکے ایما بلکہ انہی کے کیئے سے ہو رہا ہے، آلۂ کار خواہ کوئی بھی ہو۔ اِس نقطۂ خیال سے دین متین کو ہجر و ہذیان بنا دینے کے مجرم اہل عرب ہیں اور اسی لیئے سزا بھی انہی کو جلد تر ملی۔ لیکن اِس موضوع پر ایک ابتدائی بحث صفحہ ۴۶ کے تحت المتن میں بھی ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ إِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷)

اور ہم زبور میں تمام ضروری تفصیل کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ درحقیقت اسمیں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک اہم پیغام ہے۔ اور اے محمدؐ ہم نے بلا شبہ تم کو سارے جہان کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ انہیں قیام و بقا کے نشیب و فراز سے مطلع کرو۔† (۴۷: ۴۸)

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا‡ ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى‡ ۝ (۵۳: ۲۸-۳۱)

---

† صفحہ ۸۱ کی آیات (۶: ۴۷-۴۸) کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت واضح کر دی تھی۔ (۶: ۴۸) میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔ علی ہذا القیاس یہاں پر وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اس نقطہ نظر سے پیغمبر خدا کے رحمۃٌ للعالمین ہونے کی کیفیت بھی واضح ہے یعنی یہ کہ دنیا کو اجتماعی ہلاکت کی راہ سے ہٹا کر حفظ و بقا کی راہ پر چلانا ہی وہ پیام رحمت اور بشارت تھی جو وہ لائے تھے۔ اس بنا پر ہم نے یہ توجیہ ترجمے میں داخل کر دی ہے۔ پیغام رسول کو رحمۃٌ للعالمین ثابت کرنے میں ابھی دیر ہے۔ یہ تمام کتاب اسکی شہادت میں ہے۔

‡ ان آیات الٰہی کے مطالب اور 'علم' و 'ظن' کے صحیح مفہوم کے متعلق صفحہ ۴۰، ۴۱ کا تحت المتن پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر دو ایک اہم باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اولاً یہ کہ 'علم' کے بالمقابل 'ظن' اس دنیا میں کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا: (وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا)۔ یہ حقیقت اسقدر جلیل القدر ہے کہ مسلمانان عالم نے چند صدیوں سے اسپر کافی غور نہیں کیا، اور ظنیات میں پڑ کر قوم کی عملی قوتوں کو بیکار کر رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ 'علم' کا تتبع کرنا، یا بعبارت اُخریٰ اپنی تمام معلومات کی بنا تجربے اور مشاہدے پر قائم کرنا درحقیقت سبیل خدا پر چلنا ہے۔ اور یہی 'ہدایت' کی ایک اہم شق ہے: (ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى)۔ ثالثاً یہ کہ تمام انسانی مساعی میں یقینیات کو پیش نظر رکھنا اور 'علم' کو رہنما بنانا گویا 'حسن عمل' کرنا ہے۔ اسی حسن عمل کا نتیجہ زمین و آسمان کے بہترین انعام ہیں جو مسلمانوں کو کئی قرنوں تک بالالتزام ملتے رہے۔ اور جو آج غنیٌّ عن العالمین خدا نے ان سے چھین کر ان اقوام کے سپرد کر دیئے ہیں جن کا سعی و عمل ان کو 'علم' کے راہ راست پر لیجا رہا ہے۔

ضمناً ان آیات الٰہی میں 'صلاح عمل' کی ایک اہم شق صاف ہو گئی جس کو آج اس چودھویں صدی کے مسلمان قطعاً بھول گئے ہیں۔

‡ 'حیاۃ دنیا' کی صحیح تعریف 'عمل' کے عنوان میں آئے گی۔ یہاں ہم نے الگ لگتے ہوئے معنے کر دیئے ہیں مگر اسکی قرآنی سند سورہ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (۳: ۱۴)

لوگو! دنیا کے اس دارالامتحان میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو مثلاً بیبیوں اور اولاد سے محبت کرنا، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کو جمع کرنا، اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور زمینوں سے دل بستگی رکھنا، بھلا کر کے دکھلایا گیا ہے۔ لوگو! یہی حیات دنیا کی متاع ہے جسکا قیام چند روزہ ہے اور خدا کے نزدیک انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ بازگشت ان اشیا کی بے اندازہ محبت سے الگ تھلگ ہو کر اسکے احکام کی طرف رجوع ہونا ہی ہے۔ (وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ)۔

ان کو اس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں۔ وہ تو نرے ظن اور اٹکل پر چلتے ہیں، اور ظن یقین کے بالمقابل کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ پس اے پیغمبر! جو شخص ہمارے حقیقت نما قرآن (ذکرِنا) سے روگردانی کرے، اور دنیاوی شغل و اشغال میں مگن رہنے کے سوا اسکو کسی اور بات سے غرض مطلب نہ ہو، تم اُس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ان کا مبلغ علم یہی کچھ ہے جو وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور وہ ان کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں۔ اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے تاکہ اس میں سے بہترین شئے حسنِ عمل کرنے والوں کو، اور بدترین عذاب بُرے عمل کرنے والوں کو دے ۔ ؎ (یہاں ذکرِنا سے مراد خدا کی یاد قطعاً نہیں بلکہ کتاب خدا ہے و الا مطالب مربوط نہیں بنتے ہو کیونکہ پہلے اور بعد کی آیتوں میں علم کا ذکر ہے اور قرآن کا مجسمہ علم ہونا ثابت ہے (دیکھو صفحہ ۶۴-۶۷) ذکر بمعنی قرآن کئی جگہ آیا ہے۔ (دیکھو (۴۴:۱۱۷) و (۹:۱۵) صفحہ ۸۹ و ۹۲ میں)

کیا کلام الٰہی کے یہ ظاہر پرست اور وہم زدہ شارحین اسکی آیات میں استدلال کرتے وقت اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام کی دنیا میں آنے کی تنہا غرض ساکنانِ عالم کو خدا کی عبودیت اور قانون احکم الحاکمین کی اطاعت کی طرف منتقل کرنا ہے، اور اس بنا پر اسکی تشریحوں میں زمانہ جاہلیت کے ان خناسی وساوس اور ظنی واہیات کو پھر دخیل کر دینا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی، اور کتابِ خدا کی صریح توہین ہے؟: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ ؎۱ (۲۳: ۶۶ — ۷۰) کیا قرآن حکیم کو اہل عرب کی سخن فہمی، ظاہر آرائی، اور باطل طرازی کی شرم انگیز داستان بناتے وقت انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جب خود قرآن شعر و فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ منکر ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ† فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ ؎۲ (۲۱: ۵)، اور اور اہل کتاب بھی اپنی آسمانی

؎۱ میری آیتیں تم پر واضح کیجاتی تھیں مگر تم ازروئے غرور قرآن کو قصے کہانیاں اور لغو سمجھکر اپنے گذشتہ اعتقادات کی طرف رجعت قہقری کر جاتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے سرے سے ہمارے اس قول عظیم پر غور ہی نہیں کیا، یا کیا انکے پاس کوئی طرفہ شئے آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے رسول کی راستبازی، حق پژوہی اور یقین گوئی سے واقف نہ تھے کہ اب اسکی ان خصائص سے منکر ہیں؟ کیا اب آیات خدا کو یوں توڑ مروڑ کر، اور قصے کہانیاں سمجھکر گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجنون ہے؛ وہ تو دنیا کے پاس جو کچھ لایا ہے، حق لایا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر حق بات ہی سے متنفر ہیں!

؎۲ ان عرب نے تو قرآن کو سحر کہنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جو رسول نے اِدھر اُدھر سے اکٹھے کر لیے ہیں، بلکہ رسول نے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنا لی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ تو ایک شاعر ہے جو قافیہ بندی اور خیال آرائی میں ماہر ہے! اگر وہ فرستادہ خدا ہے تو ہمارے پاس اگلے نبیوں کی سی کوئی نشانی لاوے۔

† یہ چوتھا موقع ہے کہ قرآن نے بصراحت شعر ہونے سے اعراض کیا ہے، پہلے مواقع صفحہ ۲۴، ۷۱، ۷۲ پر گذر چکے ہیں۔

کتابوں کے بارے میں جو اُسی خدائے وحدہٗ کی طرف سے ہیں، اور لامحالہ اُسی کا کلام ہیں، فصاحت کا ادعا حتماً پیش نہیں کرتے، جب خود اہل اسلام خدا کے تورات کو "مُستبین" کہنے کے باوجود، اُسکے فصیح ہونے کا گمان تک نہیں کرتے: وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ (۳۷: ۱۱۷)، جب خود خدائے عظیم کا آسمانی کتابوں کے بارے میں دعوے اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کے سطحی محاسن کو اس اعتنا و اہتمام سے دیکھنا اور باطن کو یکسر نظر انداز کر دینا، اُس کی

---

۱ اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو مشترح اور بلیغ فی البیان کتاب دی۔

۲ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر قرآن اور تورات دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں بھی اسکی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

✡ تورات کے متعلق جو دعاوی قرآن کریم نے کیئے ہیں مفصلہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہیں:-

سورہ مائدہ میں ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (۵: ۴۴)۔ "ہم ہی نے توراۃ کو اتارا، اسمیں ہدایت اور نور ہے" سورہ انعام میں ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ (۶: ۹۲) "ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسکو موسیٰ لایا تھا اور جو ساکنانِ عالم کے لیئے نور اور ہدایت تھی"۔ اسی سورہ میں توراۃ کے متعلق ہے: تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (۶: ۱۵۵)۔ "تمام خوبیوں پر مشتمل ہی اور تمام اشیا کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہی" اگر ان خوبیوں میں ادبی بلاغت اور شاعرانہ فصاحت بھی شامل ہے تو مسلمان کیوں آج اسکو فصیح و بلیغ نہیں کہتے۔ سورہ اعراف میں الواح موسیٰ کے بارے میں ہے: وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۴)۔ "اور اُن الواح کے متن میں اُن لوگوں کے لیئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی"۔ سورہ بنی اسرائیل میں علی ہذا القیاس: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ آیا ہے (۱۷: ۲)، یعنی ہم نے کتاب موسیٰ کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنا دیا ہی۔ سورہ قصص میں اسی تورات کے بارے میں بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۲۸: ۴۳) آیا ہے، یعنی "تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہی تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں"۔ سورہ سجدہ میں پھر وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۳۲: ۲۳) آیا ہے۔ سورہ مومن میں هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۴۰: ۵۴) فرمایا ہے، یعنی "دانا اور صاحب عقل لوگوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہی"۔ سورہ احقاف میں "امام" کا عزیز القدر لقب بھی اسی کتاب کے بارے میں آیا ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۝ (۴۶: ۱۲)۔ سورہ انبیاء میں ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲۱: ۴۸) ہے یعنی ڈرنیوالوں کیلئے نور اور عبرت ہی۔

انجیل کا تعارف رب زمین و آسمان نے ان الفاظ میں کرایا ہے:-

سورہ آل عمران میں ہے: وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳: ۳)۔ یعنی "اُسی نے توراۃ اور انجیل کی الہامی کتابیں بھیجیں جو قرآن سے پیشتر ساکنانِ زمین کے لیئے ہدایت تھیں"۔ سورہ مائدہ میں ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (۵: ۴۶)۔ یعنی "اس میں نور اور ہدایت ہی" اور اسی آیت میں وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۵: ۴۶) کے الفاظ ہیں یعنی "خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے ہدایت اور نصیحت ہی"۔

قرآن کے متعلق بعض دعاوی اس سے پیشتر اصل کتاب میں آچکے ہیں مگر تقابل کے خیال سے تمام آیات کو یہاں پر جمع کر دیا جاتا ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۱۳۸)۔ یعنی "یہ قرآن ساکنانِ زمین کے لیئے ان کے دستور العمل کی تشریح ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے ہدایت اور عبرت ہی"۔ سورہ انعام میں ہے: اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ (۶: ۱۱۵)۔ یعنی "اُسی خدائے پاک نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری جسکے بعد کسی شرح کی گنجائش نہیں ہی"۔ اسی سورۃ میں کچھ آگے چلکر ہے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶: ۱۵۶)

قدر وقیمت کو بے انتہا کم کرنا اور اسکی حقانیت سے انکار کرنا ہے؟ کیا قرآن میں فلسفیانہ اور فقیہانہ، لغوی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۹) یعنی "اور یہ بھی ایک کتاب ہے جسکو ہم ہی نے اُتارا۔ یہ بھی بڑی برکت پیدا کرنے والی شئے ہے پس اسکے قدم بقدم چلو"۔ اسی آیت سے ذرا آگے ہے: فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ (۶: ۱۵۸)۔ یعنی "تو جان لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے جو تمہارے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورۂ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷: ۵۲)۔ "اور ہم اُن کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسکی تفصیل ہم نے اپنے علم سے کردی ہے۔ جو قوم اس پر عمل پیرا ہو اس کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورۂ یونس میں اسی کتاب کو هُدًى اور رَحْمَةٌ کے سوا مَوْعِظَةٌ اور شِفَآءٌ کہا گیا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۰: ۵۷)۔ یعنی "اے ساکنانِ زمین! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کیطرف سے آخری دستور العمل (مَوْعِظَةٌ) پونہچ چکا ہے، وہ دراصل تمہاری بدباطنیوں اور نفسانی امرض کی شفا ہے، اور جو قوم اسکی صداقت پر ایمان لاکر اسکے احکام پر عمل پیرا ہے اُسکے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورۂ ہود میں کتاب خدا کی صداقت، موعظت اور عبرت پر زور دیا گیا ہے: وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۱: ۱۲۰) صفحہ ۷۲ کے تحت المتن میں اس کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ سورۂ یوسف میں اسی قرآن عظیم کو تَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲: ۱۱۱) کہا گیا ہے جسکی تشریح صفحہ ۸۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ سورۂ رعد میں اسکو قانونِ خدا کی قطعی سند (حُكْمًا) منشائے احکم الحاکمین کی آخری شہادت (حُكْمًا) اور الْعِلْمِ کا خطاب دیا گیا ہے: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ (۱۳: ۳۷) یعنی "اور اسیطرح ہم نے اس قرآن عظیم کو عربی زبان میں منشائے ایزدی کی سند بناکر اتارا ہے اور اگر اے محمدؐ! تو نے اس علم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کا تتبع کیا تو یاد رکھنا کہ خدا کی دردناک سزا سے بچانے والا تیرا کوئی حامی نہوگا"۔ سورۂ نحل میں پھر وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۶: ۶۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سورۂ شریفہ میں قرآن کو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹) فرمایا ہے جس کے معانی صفحہ ۵۶ کے متن میں گذر چکے ہیں۔ ذرا آگے بڑھکر پھر اسی کے متعلق هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۱۰۲) ہے۔ سورۂ انبیا میں ہے: وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ (۲۱: ۵۰)۔ "یہ بہت برکت پیدا کرنے والی کتاب ہے جسکو ہم نے اُتارا"۔ سورۂ نمل میں دو جگہ بوضاحت تمام یہی مضمون ہے: هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۷: ۲)، وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۷: ۷۷)۔ سورۂ عنکبوت میں کتاب خدا کو ایمان والوں کے لیئے رحمت اور عبرت فرمایا ہے: اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۲۹: ۵۱)۔ سورۂ لقمان میں هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۳۱: ۳) ہے، یعنی "حسن عمل کرنے والوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ هُدًى وَّشِفَآءٌ کے الفاظ سورۂ حٰم السجدہ میں پھر آئے ہیں: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ (۴۱: ۴۴)، یعنی "اے پیغمبر کہدو کہ قرآن عظیم اُن لوگوں کے لیئے جو اسکو کتاب خدا تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہیں ہدایت اور شفا ہے"۔ اور سورہ جاثیہ میں تو قرآن کو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کا مجسمہ کہکر عمل پیرا قوم کے لیئے ہدایت کا لازوال مصدر اور رحمت خدا کا بے مثال ذریعہ قرار دیا گیا ہے: هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۴۵: ۲۰)۔ اور سورۂ احقاف میں اسکو حُسن عمل کرنے والی قوموں کے لیئے قیام و بقا کی بشارت بتاکر ایک عالم کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے: وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۴۶: ۱۲) یعنی "حسن عمل کرنے والی قوم کیلئے قیام و بقا کی بشارت ہے"۔ الٰہی بشارت کی نوعیت کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱

یہ تمام آیات قرآنی جو قرآن کے طول وعرض میں مختلف مواقع پر آئی ہیں اور جن کے حیرت انگیز تطابق اور توافق کو دیکھکر کتاب خدا کا طالب العلم اس کے استقلال کا از خود قائل ہوجاتا ہے، اس امر کی صریح شہادت ہیں کہ خدا کی نظروں میں توراۃ، انجیل اور قرآن کی مشترک خوبی اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے۔ یہی اُن کا جزو اعظم ہے۔ کسی ادبی یا لغوی، سطحی یا رسمی تفوّق کا ان آیات میں ذکر تک نہیں۔ جس شئے پر بجا فخر ہے وہ اُن کے نفس موضوع پر ہے، ہدایت اور نور پر ہے، رحمت اور بشارت پر ہے، عبرت اور موعظت پر ہے، برکت اور شفا پر ہے، علم اور بصیرت پر ہے، حکمت اور امامت، تفصیل اور جامعیت پر ہے، استقلال اور کمال پر ہے۔ اسکے ماسوا کسی دوسری شئے پر نہیں۔ اور جب توراۃ و انجیل کو قریب قریب انہی اوصاف کے ساتھ موصوف

اور منطقی اجتہاد کرتے وقت اُنہوں نے اِس امر پر غور نہیں کیا کہ اسلام ایک کامل مذہب عمل اور کلام الٰہی ایک کامل کتاب شریعت ہے، اور اِس لحاظ سے اِسکے نکات کو حل کرنے یا تکمیل درس کیلئے کسی ناقص فلسفہ، کسی جاہلی نقل و روایت، کسی مصنوعی لغت[1]، حتّٰی کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ٩٠) کیا ہے جو قرآن حکیم کے حق میں آئے ہیں اور تمام عالم کو صلائے عام دیدی کہ توراۃ اور قرآن سے بہتر کتاب تو لے آؤ: قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (٢٨ : ٤٩)، تو قرآن کی فصاحت کا وہ مخصوص اوعاجو عرب نے صرف اپنی زبان کی برتری جتلانے کے لئے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے اُس وقت تک محض باطل اور بے معنی ہے جبتک کہ توراۃ کی عجمی زبان (یعنی عبرانی) کو بھی اسیقدر فصیح نہ مان لیا جائے۔ لیکن مغرور عرب کو گنگ عجم کے ساتھ یہ ناقابل برداشت رقابت اور شرکت کب گوارا ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ منظور نہیں تو اِس مہلک تخیل کی تو تنہا قرآن تک نشر و اشاعت کر کے باقی دنیائے اسلام کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہے کہ قرآن کی بڑی سے بڑی فضیلت اسکی شاعرانہ بلاغت ہی ہے! اِسی پر ایک دنیا مرتی تھی، اسی کے جوش اعتقاد میں عرب سرنگوں ہو گیا تھا، عمرؓ سا شاعری سے بیزار انسان دم بخود ہو کر اسلام لے آیا تھا، ایک ایک آیت کی فصاحت پر سب عرب و عجم سر دُھنتے تھے، اُندلس کی چوٹیاں فرش جبیں ہو گئی تھیں، کسریٰ کا تخت ہل گیا تھا۔ اگر حال یہی تھا تو قرآن آج بھی موجود ہے۔ اسمیں ایک حرف کے برابر تغیر و تبدّل نہیں ہوا۔ آج اسکی بلاغت کو دیکھکر ان اہل عرب کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی۔ آج وہ کیوں اپنی بے تمیّزی کے جوش میں سکّے اور مدینے کو، قرآن اور اسلام کو غیر کے ہاتھوں بیچ رہے ہیں اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے!

قرآن کی کل کائنات میں سے دیکر اگر کوئی آیت ہو جس کی بنا پر اسکی شاعرانہ فصاحت کا دعوےٰ چند لمحوں کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ ذیل کے الفاظ ہیں جنکو توڑ مروڑ کر حسب حال کر لینا نسبتاً آسان ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ٥ (١٦ : ١٠٣)، "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کٹ حجتی لوگ افواہیں اُڑاتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ قرآن عظیم ایک چلتا پرزہ انسان سکھلا جاتا ہے۔ عجیب احمقیت ہے کہ جس شخص کیطرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اُسکی زبان تو عجمی ہو، اور یہ قرآن شستہ اور سلیس عربی زبان ہو"۔ یہاں زیادہ سے زیادہ نتیجہ جو ایک سلیم العقل شخص نکال سکتا ہے یہ ہے کہ قرآن کی زبان اسقدر صاف اور ستھری ہے کہ کم از کم کوئی عجمی یا غیر عرب شخص اسکی نقل نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ نتیجہ نکالنا حتماً ناروا ہے۔ نہیں بلکہ اس آیت سے صاف اس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ کوئی عرب اہل زبان قرآن کی عبارت کی نقل اُسی سلاست سے کر سکے۔ اگرچہ عجمی کے حیز امکان سے یہ بات قطعاً خارج ہو۔ جب ایسی سلیس عبارت کا مثل پیدا کر لینا عجمی کی استطاعت سے باہر ہے تو ایک عربی الاصل شخص کی استطاعت سے بھی باہر سمجھنا بیجا اور غلط ہے۔ اگر یہی بات تھی تو عجمی اور عربی میں تفریق کرنیکی کیا ضرورت تھی، صرف یہ کہہ دیا ہوتا کہ وہ تو محض ایک انسان ہے اور یہ قرآن ایسی شستہ زبان ہے کہ ابن آدم سے اسکا مثل پیدا ہونا محال ہے۔ میرے خیال میں یہ آیت بجائے خود اِس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی بے مثال فضیلت کم از کم اسکی عبارت آرائی اور لفظی فصاحت نہیں۔

[1] علم لغت پر پہلی کتاب جیسا کہ صفحہ ٤٢ کے تحت المتن میں ظاہر کر دیا گیا ہے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تیار ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف عربی زبان تک محدود نہیں بلکہ ہر زبان کا یہی رویّہ رہا ہے کہ اسکی لغت صدیوں اور قرنوں بعد میں مدوّن ہوتی رہی ہے۔ جب جب کسی زبان کو روئے زمین پر استقلال حاصل ہوتا گیا، لوگوں نے اُسکے الفاظ کو لیکر رائج الوقت معانی کو مرتب کر دیا۔ اور اُس خاص زمانے کو مدنظر رکھکر ایک لغت تیار کر لی۔ لیکن کسی زبان کے معانی الفاظ کی تاریخ بجائے خود ایک انقلابی داستان ہے اور حیات قومی کے ارتقا، بقا و فنا سے اُسکا ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ لوگ زمانے کی چلن کے مطابق الفاظ کو لیکر اُسکے حسب مطلب معانی وضع کر لیتے ہیں، پھر جوں جوں محسوسات اور اعمال میں تغیّر ہوتا جاتا ہے، معانی بدلتے جاتے ہیں۔ اِس مقام نظر سے کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُسی زمانے کے مروّجہ معانی کی سند ہو سکتی ہے، ماقبل اور مابعد کے مطالب میں اسکو چنداں حَکَم نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں الفاظ کی ایک تعداد کثیر ہر زمانے میں موجود رہتی ہے جن کے مفہوم کی اصلیت بگڑ بگڑ کر زائل ہو چکی ہے کچھ نامکمل تشریح سے، کچھ غلط رواج سے، کچھ عادت کے اجتہادی اثر سے، کچھ صورت کے معنوی فساد سے الفاظ کا صحیح اور اساسی مفہوم محرف

ضرورت نہیں ؛ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (۵ : ۵۰)[۱] کیا وہ اس قانون جلیل کو

[۱] تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم (یعنی سند) چاہتے ہیں لیکن اس قوم کے لیے جسکو قرآن کی حقانیت پر کامل یقین ہو اللہ سے بہتر حکم (سند) کس کا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۱) ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات مرور وقت کے باعث اسکا اعتراف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ کی صدہا مثالیں موجود ہیں جنکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ لیکن خاص قرآن کی لغت کے اندر جو معنوی انقلاب امتداد عہد کے باعث وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے مسلمانوں کی حیات کے ہبوط کی بہترین مثال ہے۔ 'ایمان'، 'شرک'، 'عبادت'، 'کفر'، 'صلاح'، 'تقویٰ'، 'ہدایت'، 'ظلم'، 'فسق' وغیرہ وغیرہ بیسیوں الفاظ قرآن میں موجود ہیں جنکے مطالب جزءً یا کلیۃً مسخ ہو چکے ہیں۔ ان کا اصلی مفہوم قطعاً محو ہو گیا ہے۔ ایمان آج کسی رسمی کلموں کو دہرانے کا نام بنا ہوا ہے، عبادت دو چار رسمی سجدوں تک محدود ہو گئی ہے، اصلاح کے کوئی مستقل معانی نہیں رہے، تقویٰ پرہیزگاری کی بے معنی اصطلاح کے مرادف بن گیا ہے، ہدایت کا صحیح مفہوم ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت ان الٰہی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم نے اول مرتبہ ان الفاظ کو زبان عرب سے لیا۔ اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مدنظر رکھکر اپنی لغت وضع کی۔ پھر اس مفہوم کی تلقین رسول خدا سے تیئیس برس میں براہِ راست کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ جوں جوں اس ماحول کا اثر ناپید ہوتا گیا معانی بدلتے گئے۔ مگر ان الفاظ کا الٰہی اور نبوی مفہوم اب تک قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ انسان اسکے دریافت کرنے کی سعی گوارا کر سکے۔ انہی معانی میں کتاب خدا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶ : ۸۹) اور تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲ : ۱۱۱)، اور فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ (۷ : ۵۲)، اور الْكِتَابَ مُفَصَّلًا[†] (۶ : ۱۱۵) ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے وہ سب تغیر پذیر اور موضوعی لغات سے بے نیاز ہے۔ اس حقیقت کبریٰ کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کی آیندہ مجلدات میں پیش کر دیا جائے گا۔ یہاں پر مدعا صرف نفس دعوے کی تعیین ہے۔ یہ معانی کے لحاظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہونا، اور اپنے دائرے کے اندر ایک محکم اور مبسوط، مفصل اور مکمل، مشرح اور ناتغیر پذیر کتاب ہونا ہی قرآن کے انسانی تصرف سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے اور اسی لیئے اس کی شان میں کہا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (۱۵ : ۹)

لوگو! ہم ہی نے اس قرآن عظیم کو تم پر اتارا اور ہم ہی باوجود تمہاری سب جدت پسندی اور تغیر آرائی کے اس کے ظاہر اور باطن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اسکے مطالب کو روئے زمین پر سے نابود ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب چاہیں نکال لیں، تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں۔ مگر ان کے صحیح اور واحد معانی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں۔ ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح انہی اوراق کے اندر ہے۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی اور ایک جزو دوسرے جزو کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے۔ نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے، نہ حکمت کی، نہ لغت اور نہ حدیث کی۔ وقت، حالت، موقع، زمانہ، مصلحت وغیرہ وغیرہ کا اسکے مطالب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسکے کلمات صدق اور عدل پر ختم ہو چکے ہیں: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ[‡] (۶ : ۱۱۶)، اب ان کے معانی کو، ان کے الٰہی مقاصد کو کوئی خارجی طاقت بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اُسی نے اسکو اسقدر مفصل اور مکمل کر دیا ہے کہ اب اس کے الفاظ کے علاوہ مطالب بھی ابدالآباد تک محفوظ ہیں۔ انسان کا یارا نہیں کہ مکر و تاویل سے یا قیاس و رائے سے ان میں تبدیلی پیدا کر کے خدا کو اپنا ہم آہنگ کر سکے!

اللہ اللہ! کتاب خدا کے جامع اور مکمل ہونے پر ایک وقت وہ کاشف غطا یقین تھا کہ روئے زمین کا ہادیٔ اعظم اور سالار انبیاء وفات سے چار دن پہلے بیہوشی کے عالم میں قلم دوات اور کاغذ طلب فرماتا ہے کہ ایک تحریر لکھدے جسکے بعد امت گمراہ نہ ہونے پائے۔ لیکن عرب کی اُس بہترین اُمت کا وہ اولوالعزم اُمتی عمرؓ اس فرمایش کو سنکر ذرا نہیں گھبراتا اور اطمینان قلب کے ساتھ کہدیتا ہے کہ ختم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت ہے جس کی وجہ سے بے ربط باتیں کر رہے ہیں ورنہ کتاب خدا تو ہمارے لیئے ابدالآباد تک کافی ہے، اب ہمیں کچھ شئے بڑھانے کی نہیں رہی!

[†] ان آیات کے مطالب اور سلسلے کیلئے دیکھو بالترتیب صفحہ ۵۶ و صفحہ ۶۰ و صفحہ ۵۸ و صفحہ ۹۳۔ [‡] دیکھو صفحہ ۹۳ آیہ (۶ : ۱۱۶)

منجانب اللہ اور مکمل یقین کرتے ہوئے اِس نتیجے پر نہیں پونہچ سکتے تھے کہ اسلام کے حقیقی محافظ تو نے قرآن کی آیاتِ بیّنات میں مسلمانوں کی حالتِ ضعف کا، اُن کے عہدِ قوّت کا، اُن کے وقت جنگ کا، اُنکے خوف و حُزن کا، ان کے دَورِ امن کا، ان کے انفرادی مقام اور اجتماعی حیثیات کا، الغرض ان کی دائمی بہبودی کا کامل دستور العمل جمع کردیا ہے؟ کیا امن اور تہذیب، اجتماعی تقدم اور علم، تغلب اور تمکن، قضا اور قانون کا لائحہ عمل ڈھونڈتے وقت وہ اُن قطعی اور عام احکام کو پیش نظر نہیں رکھتے تھے جو مسلمانوں کو ہر ممکن حالت میں صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے کافی تھے، اور جن میں شارعِ اسلام نے صاف صاف فرمادیا تھا کہ اللہ کا طریقہ معلوم کرنے کے لیئے کلامِ الٰہی کی حکمت اور موعظت یکسر کافی ہے، بلکہ دینی اور دنیاوی سب معاملات کی بہترین حکم خدائے عظیم کی یہی مفصّل اور جامع و مانع کتاب ہے!

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ† ○ (۶ : ۱۱۵ - ۱۱۸)

† ان آیاتِ الٰہی کے مطالب کی تشریح کا ایک حصہ صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو باتیں جو نہایت قابل غور ہیں بیان کر دیجاتی ہیں۔ اولاً 'يَعْلَمُونَ' (۶ : ۱۱۵) اور 'السَّمِيعُ الْعَلِيمُ' (۶ : ۱۱۶) اور 'إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ' (۶ : ۱۱۷) اور 'أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ' (۶ : ۱۱۸) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں پر قرآن حکیم کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو لوگ فی الحقیقت اس کتاب عظیم کا 'علم' رکھتے ہیں اُنکو یقین ہوچکا ہے کہ یہ کتاب اُس السَّمِيعُ اور الْعَلِيمُ یعنی بڑے سمع رکھنے والے اور بڑے علم والے کے ہاں سے اُتری ہے۔ (۶ : ۱۱۵) میں قرآن کے مفصّل اور مصدرِ علم ہونیکا دعویٰ ہے تو (۶ : ۱۱۶) میں اُسکے مکمل اور ناقابل بدل، صادق اور عادل ہونے کا ادّعا ہے۔ (۶ : ۱۱۷) میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب کا بتایا ہوا دستور العمل ہی 'سبیل خدا' ہے اسلیئے کہ صحیح 'علم' پر مبنی ہے، اور جو شئے اِس علم کے مخالف یا ماسوا ہے 'ظنّ' ہے۔ گمراہی یہی ہے کہ اس لائحہ عمل سے پرے ہٹا جائے اور اس علم کو نظر انداز کردیا جائے۔ 'ہدایت' یہ ہے کہ اِس خزینۂ علم کو مستقل دستور العمل بنالیا جائے۔

اِن نکات کو پیش نظر رکھکر (۶ : ۱۱۷) اور (۶ : ۱۱۸) کے مطالب کا تطابق صفحہ ۸۷ کے متن کی آیات (۵۳ : ۲۸) اور (۵۳ : ۳۰) سے ظاہر ہے۔ اور 'سبیل' کے معانی عیاں ہوجاتے ہیں۔ گویا 'سبیلِ خدا' وہ ہے جو 'علم' سے حاصل ہو اور چونکہ 'علم' سمع و بصر اور فواد سے حاصل ہوتا ہے اس لیئے جو شئے مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو وہ سبیل خدا ہے۔ 'السَّمِيعُ الْعَلِيمُ' خدا کا بھیجا ہوا کلام بھی علیٰ ہذا القیاس 'علم' ہے۔ اور اس پر چلنا بھی سبیل خدا پر چلنا ہے۔

تو کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں (یعنی رسولؐ) ماسوا خدا کے کوئی اور حکم تلاش کروں، اور تمہارے معاملات کا قرآن کے ماسوا کسی اور کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کروں، حالانکہ اس خدا نے تمہاری طرف مشرح اور مبسوط کتاب بھیجی جسمیں ہر طرح کی تفصیل موجود ہے۔ اور جن لوگوں کے لیئے درحقیقت ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے وہ تو خوب جانتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، اور حقائق عالیہ سے پُر ہے۔ تو اے پیغمبرؐ ان کے لغو اعتراضات کو سن کر اس کتاب کے مفصل اور کامل ہونے میں کہیں شک نہ کرنا۔ تمہارے پروردگار کے سب کلمات اس کتاب میں صدق و عدل پر ختم ہوگئے ہیں، اب کچھ بات کہنے کے لائق نہیں رہی، اور نہ اس کے کلمات کے صدق و عدل کو کوئی خارجی طاقت ہی بدل سکتی ہے، اور وہ خدائے عظیم انسانی ضروریات کو بڑا سمجھنے والا اور آئندہ احوال کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اے پیغمبرؐ! اگر تو اس کتاب خدا کو چھوڑ کر اکثر ان کی جو زمین میں بستے ہیں، پیروی کرے گا تو وہ تم کو خدا کے راہ راست سے بھٹکا دیں گے، یہ لوگ تو محض ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، علم و یقین کا ان میں نام تک نہیں۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اسکے دکھائے ہوئے رستے سے بھٹکتا ہے اور کون صراط مستقیم پر ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝† (۲۹: ۵۰-۵۲)

† ان آیات الٰہی میں معترضین کی اس فرمایش کو کہ رسول خدا پر نشانیاں (یعنی معجزے) اترنے چاہیئے تھے، مسترد کردیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزے خدا کے پاس ہیں، اور رسولؐ تو تم کو اجتماعی ہلاکت سے ڈرانے کیلئے آئے ہیں، تماشہ دکھلانیکے لیئے نہیں آئے۔ آگے چلکر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم بذات خود ایک آیت الٰہی (معجزہ) ہے کیونکہ لوگوں کے پاس اجتماعی بقا اور امن کی بشارت (رَحْمَةً) لیکر آیا ہے اور اسکے ذریعے سے مستقل عبرت (ذِكْرٰى) حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ معجزہ کم ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص ایسی جلیل القدر ذات کا کلام لائے جو آسمان و زمین کا کامل علم رکھتا ہو! (يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) گویا یہاں پر بھی قرآن کی فضیلت "علم" بتلائی گئی ہے اور اسی لحاظ سے اسکو تمام معجزوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ جو نادان قرآن کو معجزہ اسلیئے قرار دیتے ہیں کہ اسکی شاعری اور فصاحت بیمثال ہے ان کے لیئے یہ آیات ازبس قابل غور ہیں۔ یہ نکتہ اور بھی واضح اسوقت ہو جاتا ہے جب ان آیات سے پیشتر کی آیت یعنی بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ (۲۹: ۴۹) کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ "یہ قرآن عظیم صاحب علم لوگوں کے سینوں میں روشن اور ناقابل انکار آیات (احکام) کا مجموعہ ہے"۔

ان آیات کا آخری حصہ یعنی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۹: ۵۲) بھی نہایت قابل غور ہے۔ یہاں پر معجزات پر ایک نہایت خفیف اور معنی خیز چوٹ کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزات کو دیکھ سنکر کسی کو رسول خدا ماننا فی الحقیقت ایک ناپائدار اور غیر قائم ظنی اور وہمی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ بڑے سے بڑے معجزے کا اثر بھی مقامی اور وقتی ہی ہوتا ہے اور کچھ مدت کے بعد زائل اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں

اور یہ جو عرب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص پر اپنے پروردگار کیطرف سے عجیب غریب نشانیاں
کیوں نہیں اُتریں تو اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس، اور اُسی کے دست قدرت
میں ہیں، اور میں تو صرف ایک عذاب خدا سے ڈرانے والا اور احکام کو کھُلے طور پر بیان کر دینے والا ہوں۔
کیا ان لوگوں کے لیئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو انپر واضح کر دیجاتی ہے، اور جسمیں
اُس قوم کے لیئے جو اسکے حقائق عالیہ پر ایمان رکھتی ہو، رحمت اور نصیحت ہو۔ ان سے کہدو کہ میرے اور
تمہارے درمیان خدا گواہ بس ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کا علم رکھتا ہے، اور جو لوگ ظنی
اور وہمی، باطل اور غیر یقینی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں وہی بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ✝ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ
رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ (۱۶: ۱۲۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۴) معجزات کی ماہیت سے بحث کرنے کا مقام نہیں اور نہ اُن کے وجود سے انکار کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔
یہ بحث غالباً تیسری مجلد میں نہایت شرح و بسط سے کیجائے گی اور بتایا جائے گا کہ قرآن عظیم کسقدر کم از کم اپنے عہد نزول میں معجزوں کو غیر ضروری گردانتا
ہے اور اپنی صداقت کا تمام اِدّعا اپنے علم اور حکمت کو قرار دیتا ہے۔ مگر سر دست یہ ظاہر ہے کہ خدا کو جو رسولؐ اور عوام کے درمیان گواہ ٹھیرایا گیا ہے:
(قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا) اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ کتاب جو اُن کے سامنے ہے مخزن علم ہے اور اُس ذات پاک کی اتاری ہوئی ہے
جو آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ہے: قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲۵: ۶)؛ یعنی اے پیغمبر! اعلان کردو
کہ اس کتاب کو اس پاک ذات اور عالی تبار خدا نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کا علم رکھتا ہے!" گویا کہا گیا ہے کہ اس کتاب کو بطور خود جانچ
تول کر دیکھ لو اگر اس میں وہ علم اور حکمت موجود ہے جو تم کسی خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں ہونے کے متوقع ہو تو اسکو مان لو، ورنہ رد کر دو۔ یہی میری
صداقت کی دلیل ہے۔ میں معجزوں سے اپنے آپ کو منوانا نہیں چاہتا۔ اور جو لوگ صرف معجزوں کے ذریعے سے کسی کی سچائی کو آزمانا چاہتے
ہیں اور نفس پیغام کو نہیں دیکھتے، یا جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اُنہی کو نقصان پونہچتا ہے کیونکہ ہر کس و ناکس کچھ نہ کچھ خرق عادت باتیں دکھلا
سکتا ہے یا اِدّعا کر سکتا ہے کہ یہ بجلی میری وجہ سے گری، یہ قحط میری بددعا سے پڑا وغیرہ وغیرہ۔
آج چونکہ مسلمانان عالم نے قرآن کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور علم و مشاہدے کو چھوڑ کر باطل اور بے حقیقت باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں
اسی وجہ سے وہ گھاٹے میں ہیں (أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○) اور اسوقت تک رہیں گے جبتک حقیقت کو اپنا رہنما نہ بنائینگے۔

✝ کلام خدا کو بار بار "الْحِكْمَة" کہا گیا ہے جیسا کہ صفحہ ۵۴ کے تحت المتن کی آیات (۲: ۱۶۲)، (۲: ۱۵۱)، (۲: ۱۲۹) اور (۴: ۱۱۳) سے ظاہر ہے
قرآن کے لیئے "مَوْعِظَة" کا لقب بھی تین بار آیا ہے جیسا کہ صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات (۳: ۱۳۸)، (۱۰: ۵۷) اور (۱۱: ۱۲۰) سے ظاہر ہے۔ اس
بنا پر آیت کے مطالب صاف ہیں یعنی لوگوں کو اس قرآن ہی کے دستور العمل کی طرف بلاؤ۔ کیونکہ خزینۂ علم و حکمت ہونیکے باعث سبیل رب
یہی ہے۔ ماقبل کی آیات (۶: ۱۱۵-۱۱۸) سے اِن مطالب کا تطابق بھی ظاہر ہے۔ جن لوگوں نے اس آیہ شریفہ کے یہ معانی سمجھے ہیں کہ عوام کو حکمت (یعنی دانشمندی)
سے، اور اچھی اچھی نصیحتیں کر کے اپنے پروردگار کی طرف بلایا کرو، وہ ایک سطحی، لایعنی اور غیر متعین بات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اصلیت کے پہنچنے
کی سعی نہیں کرتے۔ ان کا مقصود صرف جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کے الفاظ سے پورا ہو سکتا تھا۔ پھر تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مصدر
علم و یقین ہے۔ پس اسی کو بنیاد قرار دیکر سبیل خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ یہ علم و یقین کیطرف رہنمائی کرنا ہی سبیل خدا پر چلانا ہے۔ دیکھو
تحت المتن ✝ صفحہ ۸۰ و ۹۳۔

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راہِ راست کی طرف لوگوں کو اس قرآن ہی کے ذریعے سے بلایا کرو، کیونکہ یہی حکمت کاملہ اور موعظۂ حسنہ ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بحث چھڑ جائے تو نہایت پسندیدہ طور پر اور نرمی سے کرو۔ پھر اس کے بعد جو اُسکے دکھائے ہوئے راہِ راست سے بھٹک گیا، اور جو ہدایت پا گیا اُن سے خدا ہی بہتر واقف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ† ○ (۵ : ۴۵)

اور جو لوگ ہر اہم معاملے میں کلام اللہ کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی 'ظالم' ہیں۔ (اور ہلاکت کے مستوجب دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷-۴۸))

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ† ○ (۵ : ۴۷)

اور جو لوگ ہر دور رس معاملے میں قرآن سے اخذِ نتائج نہیں کرتے وہی 'فاسق' ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل (۴۶ : ۳۵) دیکھو صفحہ ۸۱۔ اور تحت المتن صفحہ ۸)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ† ○ (۵ : ۴۴)

اور جو لوگ ہر معاملے کے متعلق کتابِ خدا کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی منکرِ خدا ہیں۔ اور اجتماعی ہلاکت کے اہل

آج قانونِ اُمَم کی یہ مُفَصَّل کتاب، یہ سُنّتِ خدا کا ناممکن التبدل مرقّع، یہ الٰہی محکمۂ قضا و قدر، یہ علمی معجزات کا سحرستان جلال‡ انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی، اور عجائب نوازی کے بعد

---

† اِن تینوں آیتوں میں 'کفر'، 'ظلم'، اور 'فسق' کے الفاظ ایک ہی موضوع کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں۔ قرآن کی لغت میں یہ تینوں اصطلاحیں اسقدر خوفناک اور لرزہ انگیز ہیں کہ کسی قوم پر ان کا خدائی اطلاق اسکو انتہائی سزا کا مستوجب یکسر قرار دیتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے متن میں کتابِ خدا کا محاکمہ 'ظالم' اور 'فاسق' اقوام کے بارے میں پیش کر دیا گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایسی قوموں کی ہلاکت روئے زمین پر یقینی ہے، دیکھو آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)، (۴۶ : ۳۵) یہی بات آیات لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (۱۴ : ۱۳-۱۴) سے بھی ظاہر ہے جو صفحہ ۴۳ کے متن میں آچکی ہیں۔ کافر قوم کے متعلق بھی محاکمہ قرآن میں جابجا موجود ہے۔ سورۂ مومن میں ہے: فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (۴۰ : ۲۲)، یعنی "پھر انہوں نے کفر کیا تو خدا نے بھی اُن کو دھر پکڑا اور یکسر ہلاک کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خدا بڑا طاقتور اور شدید العقاب ہے۔" گویا کفر اور اجتماعی ہلاکت آپس میں توأم ہیں۔

سورۂ سبا میں سیلِ عرم کی ہلاکت کے بعد ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ (۳۴ : ۱۷) "یہ تھی سزا جو ہم نے اُن کو کفر کی پاداش میں دی، اور کیا سوائے کافر قوموں کے ہم کسی اور کو بھی ایسا بدلہ دیتے ہیں" یعنی نہیں دیتے، گویا ظاہر ہے کہ کافر قوم کی ہلاکت بھی روئے زمین پر یقینی ہے۔ اِس نصّی شہادت کی بنا پر ہم نے متذکرہ متن آیات کے ترجموں میں "ہلاکت کے اہل" کے الفاظ زیادہ کر دیئے ہیں۔ رہا یہ امر کہ 'ظالم' اور 'فاسق' اور 'کافر' کی کیا تعریف ہے، یہ بحث نہایت طول طویل ہے۔ اور آئندہ مجلّدات میں بتدریج اس عظیم الشان راز کو کھول دیا جائے گا۔ کتابِ خدا کو حَکَم ٹھیرانے کے معنی یہی ہیں کہ تمام اعمال ہر قانونِ خدا کی عملی متابعت ہو جو آجکل کے نام نہاد مسلمانوں میں قطعاً نہیں ہے۔

‡ واوین کے درمیان گھرے ہوئے اِن چاروں الفاظ میں بالترتیب آیہ (۶ : ۱۱۵) صفحہ ۹۳ (مُفَصَّلًا) آیہ (۶ : ۱۱۶) صفحہ ۹۳ (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ) آیات (۵ : ۴۴، ۴۵، ۴۷) صفحہ ۹۶۔ اور آیات (۲۹ : ۵۰-۵۲) صفحہ ۹۴ کی طرف اشارہ ہے۔

طاقِ نسیان وریا کا وہ ناقابلِ فہم اور ناکارہ برآرد دفتر بن چکا ہے کہ اُس کے بارے میں امّتِ حاضرہ کی غلط روی کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ اُسکی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدّعی آج کشور کشائی اور جہانبانی، قوّت اور امن، تمکّن اور تغلّب کے سب اگلے اور لشکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذُلّ و امساک اور عجز و خمول کے عبرت انگیز ماحول میں، حُجروں کے اندر بیٹھے، اکبر مولویت میں مگن ہیں۔ اُسکی رواں تلاوت کو دارِ آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں، اُسکو اکثر بجھارت اور چیستاں بنائے بیٹھے ہیں، کہیں اُسکو پُڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جا رہا ہے، کہیں اُسکے تعویذ بنکر گلے کا ہار ہو رہے ہیں، کہیں اُسکی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، کہیں خوش اعتقاد اسکو گھول گھول کر پی رہے ہیں، کہیں ستم ظریف پھونکیں مار مار کر اُڑا رہے ہیں، کہیں اُسکے اوراق میں کسی اسمِ اعظم کی تلاش ہے، کہیں اسکو رٹ رٹ کر بے اثر کیا جا رہا ہے، کہیں اُس سے مُردے کو ثواب پہونچ رہا ہے، کہیں خدا کو دادِ سخن مل رہی ہے، کہیں تحسین ناشناس اور جاہل کی واہ واہ ہے! نہ غرض و مطلب سے بحث ہے نہ مقصود سے سروکار ہے، نہ تعمیل پیشِ نظر ہے۔ اس کتابِ جلیل سے بے دیکر اگر کچھ اخذ ہو رہا ہی تو یہی استخارے اور فالنامے[†] ہیں، تمائم اور ٹوٹکے ہیں، فسونی اور سحری اعمال ہیں، اور اگر کوئی طبقہ ان مُہلک اثرات سے

[†] ایک استخارہ نامہ اسی قطع کا حال میں میری نظر سے گذرا ہے جسکو طابع اور ناشر نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے علامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۸ھ مطابق ۱۲۴۰ء) اندلس کے مشہور فقیہ اور محدّث، اور صاحب الفتوحات المکیّہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس طومار نویس متکلم کے بارے میں، جس نے اپنی عمر میں ۲۸۹ کتابیں لکھیں، اور جو ظاہریہ فرقے کا رکنِ رکین شمار کیا جاتا تھا، وثوق سے معلوم نہ ہو سکا کہ کہانتک یہ مختصر رسالہ اُسکے قلم سے نکلا ہی مگر جرمن مستشرق بروکلمین نے اسکی ایک سو پچاس موجودہ تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اُسمیں اسکا کہیں مذکور نہیں۔ تاہم اسکی بعض تصانیف کے مذاق کو پاکر جنمیں سے اکثر جفر اور رمل، اور اعتقاداتِ واہیہ پر ہیں، عجب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ استخارہ نامہ بھی اسی عجب ایجاد شخص کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ لیکن مصنف کی ذات سے قطع نظر، جس مکر و فریب سے طابع صاحب نے اس رسالے کو عوام کی نظروں میں عجیب و غریب ثابت کرنے کی سعی کی ہے، جس دریدہ دہنی سے اسکی طلسمی جداول کو قرآن کا زندہ معجزہ بتایا ہے، اور جو ادّعا مصنّف کی اسرار دانی خدا اور رسالے کی حقانیّت کے بارے میں کیا ہے، اُسکا پول کھول دینا لازمی ہے۔ مصنّف نے اس رسالے میں ۲۳ جدولیں تیار کی ہیں۔ ہر ایک جدول میں ۱۰ خانے شرقاً غرباً اور ۱۶ خانے شمالاً جنوباً کھینچے ہیں۔ پھر قرآن کی پانچ حسبِ حال آیتوں کے ٹکڑے لیکر (یعنی وہ ٹکڑے جن سے سائل کے مطلوبہ سوال کے جواب کا ہاں یا نا، سعد یا نحس، مخالف یا موافق ہونے کا اندازہ ہو سکے) ہر جدول کے ۱۶۰ خانے اس انداز سے پُر کر دیئے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا ایک ایک حرف علی الترتیب چار متصل خانے چھوڑ کر پانچویں خانے میں سما جائے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کے حرف خانہ نمبر ۱، ۶، ۱۱، ۱۶ وغیرہ میں، دوسری آیت کے حروف خانہ نمبر

نسبتہً محفوظ ہے تو اسمیں مقاصدِ قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے، سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں، تفریق آرا ہے، انتشارِ نظر ہے، تشتتِ عمل ہے! ایسا تختۂ مشقِ اختلافِ قرآن، ایسا مجموعۂ شعر و سخن قرآن، ایسا سحری اور طلسماتی جدول، ایسا کاہنی لٹبا عمل، اُمّت کے افراد میں کیا امتثالِ امر اور کیا اتحادِ کار پیدا کر سکتا ہے۔ اُنکی نظروں میں یہ اختلاف و شکست ہی قرآن کی اکثر ہدایت ہے، بشارت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے! عرب کی جاہلی عادتوں اور وہمی عقیدوں کا پُرانا خمیر مسلمانوں کی اعتقادی زندگی میں اس تیزی سے سرایت کر چکا ہے کہ اب اُن کے طرزِ تخیل سے اس اثر کو دور کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ آج دینِ متین کے باقی علم بردار اہلِ عجم بھی عرب کی اِن روایات کے اعلا اور آیاتِ خدا کی تکذیب کے جرم میں تیرہ سو برس کی خواب آور مہلت کے بعد رفتہ رفتہ اُسی موت و فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جس پر اُن کے پیشوا اہلِ عرب کئی سو برس پہلے اُترے تھے!

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ (۷: ۱۸۲-۱۸۳)

لوگو! سُن رکھو کہ جس قوم نے ہماری آیات کی تکذیب کی، جسنے اُنکو حقیقت کے بلند مرتبے سے گرا کر جھوٹ بنا دکھایا ہم اُنکو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت کیطرف گھسیٹ لیجائینگے اور کچھ مدّت تک اُنکو ڈھیل بھی دینگے کہ خوب نیند کر لیں کیونکہ میرا داؤ بیشک بڑا پکّا داؤ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۷) ۲، ۷، ۱۲، ۱۷ وغیرہ میں، تیسری آیت خانہ نمبر ۳، ۸، ۱۳، ۱۸ میں علیٰ ہذا القیاس باقی دو آیتیں بھی باقی خانوں میں اسی ترتیب سے بھری گئی ہیں۔ پھر اس جدول کو خوش اعتقاد سائل کے سامنے رکھکر حکم دیا گیا ہو کہ وہ آنکھیں بیچ کر کے کسی خانے پر انگلی رکھے۔ اور اُس حرف سے شروع کر آگے اور پیچھے کے چار خانوں کو علی التواتر چھوڑ کر سب حرف لکھتا جائے یہ سب حروف ظاہر ہے کہ اُن پانچ آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے ہونگے۔ اِس لایعنی عمل کو دیکھکر بیوقوف شخص حیران رہجاتا ہے کہ یہ کیا کرامت ہے کہ جس حرف پر انگلی رکھتے ہیں ایک قرآنی آیت بنجاتی ہے اور ہمارے سوال کا جواب خود بخود دیدیتی ہے۔ استخارہ نامہ میں کل ۳۳ جدولیں موجود ہیں مگر طابع صاحب کو واضح رہے کہ تیئیس کیا ایسی تیئیس ہزار طلسمی جدولیں چشم زدن میں تیار ہوسکتی ہیں اور نہ صرف قرآن کی آیتوں سے بلکہ کوک شاستر کے ہر اشلوک سے بھی! رہا مصنف کی اسرار دانی اور تقرب کا عقیدہ، سو اسکی نسبت اسیقدر کہدینا کافی ہو کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ۷۵ برس میں بالاوسط ہر برس چار کتابیں لکھی ہوں اُسکے زود نویس قلم سے بعض اوقات ایسی لایعنی تصنیف کا نکل جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

† یہاں ترجمے میں ہم نے "تکذیب آیات" کے صحیح مفہوم کی ایک ادنیٰ صورت پیش کردی ہے اور اشارہ کر دیا ہے کہ کسی حقیقت پر جھوٹ کا لباس اوڑھہ دینا بھی تکذیب ہی ہے۔ اس تکذیب کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس حقیقت کے متعلق تذبذب یقین و ایمان پیدا ہوجاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی تعمیل متعذر ہوجاتی ہے۔ یہ فقدانِ عمل ہی صحیح معنوں میں تکذیب ہے جیسا کہ کچھ دیر بعد چل کر ظاہر ہوگا۔

مگر یُونانی فلسفے اور عربِ تخیّل کے اِن تمام ضعفِ ایمان، اور مخربِ عمل اثرات کے علاوہ دنیائے اسلام کو دائرہ عبودیت اور حلقۂ صلاحیت⁺ سے حقیقی اور معنوی طور پر خارج کرنے، اور آج وراثت زمین سے یکسر محروم کر دینے کا سب سے بڑا باعث وہ طریق اجتہاد تھا جو صاحب شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے کچھ دیر بعد ہی اسلام میں شروع ہو گیا تھا۔ اِس سمت تخیّل نے جس سرد مہری، ناآشنائی اور بے دردی سے اسلام کے آباد آشیان کو بے رونق کیا، جس رعونت اور استغنا سے اسکی خانہ براندازی کی، جو نقصان عظیم رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر مسلمانانِ عالم کی علمی اور تمدنی، ذہنی اور اقتصادی زندگی کو پہنچایا، تاریخ عالم میں تخیّل کی حیرت انگیز انقلاب آفرینی کی واحد مثال ہے! مگر اس اہم موضوع کے مطالب دلنشین کرنے کیلئے ایک مستقل اور طول وطویل بحث⁺⁺ کی ضرورت ہے جو قرن اولیٰ

⁺ صفحہ ۸۷ کی آیات (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے۔

⁺⁺ یہ بحث اسقدر طول وطویل ہے کہ غالبًا آیندہ تین یا چار مجلدات سے پیشتر ختم نہ ہو سکے گی۔ اسمیں بتدریج تمام اُس مہلک اور جمود انگیز تخیّل کی تکذیب کر دی گئی ہے جسکے باعث اسلام آج محض اعتقادی اور نظری، لفظی اور رسمی شئے کا نام بن گیا ہے، سعی وعمل سے اسکا خانہ کچھ واسطہ نہیں رہا۔ سب اعتقادات اور معاملات عالم قول وخیال میں منتقل ہو گئے ہیں یا اُن کے مقاصد واغراض قطعًا بدل چکے ہیں اور فعل وعمل کے لائق کوئی شئے نہیں رہی۔ یہ معرکۃ الآرا بحث دراصل آیۂ استخلاف (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷ کے الفاظ 'اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کی تشریح ہی ہے اور اسی ضمن میں کلام الٰہی کے ایک معتد بہ حصے کے مطالب بھی عیاں ہو گئے ہیں صفحہ ۳۲-۳۷ کے اُس عبرت آموز سوال کا جواب کہ آج تیرہ سو برس کے بعد مسلمانانِ عالم کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے، اور مغرب کی بیدار قومیں کیوں انکی مستخلف بن چکی ہیں، نیز اِس اثنا میں منظر انداز نہیں کیا گیا۔ جہاں جہاں موقع ملا ہے جواب کی مختلف شقیں ظاہر ہوتی گئی ہیں حتیٰ کہ عنوان عمل کے اخیر میں (جو غالبًا پانچویں مجلد ہو گی) اس جواب کو حتمًا طے کر دیا ہے۔ اس مجلد میں باقی بحث صرف لفظ 'ایمان' اور اسکے تکیف پر ہے۔ پھر اسکی اہم شرائط کو پیش نظر رکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کا واحد منتہائے نظر کیا تھا۔ اسکا تمام دستور العمل کس مستقل نصب العین کے در پے تھا۔ وہ مطمح نظر کیونکر حاصل ہوا تھا اور آج کیوں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے وغیرہ۔ مجلد کا آخری حصہ 'عبادات' کی اساسی حکمت عملی پر مشتمل ہے۔ اسلام کے موجودہ ماحول میں یہی وہ اہم اوامر ہیں جو دین اسلام کے ارکان خیال کیے جاتے ہیں اور انہی پر 'اعمال صالحہ' کے الفاظ کا اکثر اطلاق آجکل ہوتا ہے۔ اِس بنا پر کتاب کے ابتدائی حصوں میں 'عبادات' کے صحیح مفہوم کو واضح کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کا مستقل حصہ دراصل اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے جو آیندہ اوراق میں قائم کیا گیا ہے۔ مقدمۂ کتاب میں صرف اُن دعاوی کو پیش کیا گیا تھا جو قرآن حکیم نے اپنے بارے میں کیے۔ قرآن کی تعلیم یا تجویز وتدبیر سے اُس حصے کو چنداں سروکار نہ تھا۔ آیندہ اوراق میں قریبًا پانچ جلدوں کے اندر کتاب الٰہی کی 'تعلیم' پیش کر دیجائے گی، اور ثابت ہو جائے گا کہ تاسیس جماعت کے متعلق قرآن کی تجویز وتدبیر کس قدر حکمت کاملہ سے پُر ہے اور کس صحت واستقلال سے اُن دعاوی کی تائید کرتی ہے جو اس حیرت انگیز کتاب نے اپنے بارے میں علی الاعلان کیے۔ اِس مجلد میں بالخصوص عبادات کی حکمت اور تاسیس جماعت کے چند اساسی اصول پر بحث کی جائے گی جیسا کہ گذر چکا ہے۔ باقی اصولوں اور بالخصوص 'معاملات' اور 'عملیات' پر

کی اعتقادی اور سیاسی زندگی، اور قرآن حکیم کے اجتماعی دستور العمل کے متعلق ہے:۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۹) بحث بعد کی چار جلدوں میں ہوگی۔ انہی مجلّدات میں ضمناً "معتقدات" کی حقیقت کا انکشاف کر دیا جائیگا۔ تین یا چار جلدیں علم القرآن (معلومات)، تاریخ القرآن (ماجریات) اور طریق عمل کے متعلق ہونگی جو اس کتاب کا آخری حصّہ ہے۔

"معاملات" کی بحث کے ضمن میں اسلام کی موجود فرقہ آرائیت کا پول کھول دیا جائے گا، اور ثابت کر دیا جائے گا کہ **ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے ہوتے ہوئے صراط مستقیم بھی صرف ایک ہی ہے** ۔سب فرقہ بندی اور تشیّع، رہبانیت اور غلط تخیّل زہد، غلوّ فی الدین اور مُلّائی افراط و تفریط وغیرہ وغیرہ کتاب الٰہی کے منشا کے نقیض اکثر عیاں کر دیجائے گی۔ دین اسلام کے وجود پر سے عارضی اور اکتسابی غلاف اُلٹ کر اسکو صحیح معنوں میں **فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** (۳۰:۳۰) (صفحہ ۴) کا مصداق ثابت کر دیا جائیگا۔ یہ حقیقت کہ بدے **از سر نو منکشف** کر دیجائے گی کہ اسلام وہ راہ عمل، وہ مذہب سعی و کار، اور وہ **فطرۃ کاملہ** ہے جس پر **سطح زمین کا ہر فرد بشر بلا لحاظ ملک و ملت مجبول بلکہ مجبور ہے**۔ اُسی پر چلکر سرتاسر امن ہے، دنیوی اور اجتماعی امن ہے، فردی اور شخصی امن ہے، اُخروی اور دائمی امن ہے۔ اُس سے ذرا ہٹ کر **ضعف و شکست** ہے، قوموں اور اُمتوں کی شکست ہے، قبیلوں اور گھروں کا انتشار ہے۔ الغرض دین الٰہی کو اُمّتِ مرحومہ کے مختلف گروہوں اور بھیڑوں کے اعتقادی رنگ سے یکسر آزاد کر کے خدائے واحد کی **وحدت انگیز یکرنگی** میں رنگ دیا جائے گا۔ اس نازک موضوع کی بحث و تمحیص سے مفید نتائج برآمد کرنے کیلئے اس امر کا عمداً خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب خدا کے طالب العلم کے اُن ذاتی جذبات کو جو وہ کسی فرقے سے متعلق ہونے کی حیثیت میں کسی عقیدے یا شخص یا طرز عمل کے متعلق اس کتاب کے کامل مطالعے سے پیشتر رکھتا ہو حتی الوسع کم سے کم ٹھیس لگے، حقیقت کی طرف بتدریج اور بالدلیل رہنمائی ہو، جو بات کہی جائے اسکی سند موجود ہو، محض سفلی جذبات کو بھڑکا کر راہ راست پر لانے کی بے سود سعی نہ کی جائے۔ اس مدعا کو پیش نظر رکھ کر کتاب کی طوالت کا باعث ظاہر ہے۔ میرا مقصود ایک فرقے کو سراہنا، یا دوسرے کی توہین کرنا نہیں بلکہ حتی الامکان اسلام کے سب رسمی ماننے والوں کو ایک مشترک اور صحیح راہ کی طرف انگشت نمائی کرنا ہے اگر جو کچھ میں نے کہا ہے **حقیقت** ہے تو ذہن خود بخود اسطرف مائل ہوگا، اسکے لئے کسی ناروا ترغیب یا غیر ضروری تشویق کی ضرورت نہیں۔

قارئین کتاب سے صرف اسقدر استدعا ہے کہ آیندہ مجلّدات کے **ربط** اور **تسلسل** کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کیونکہ ہر دعوے کی بنا پیشتر ثابت کیے ہوئے دعوے پر ہے اور کتاب کے سب آیندہ مباحث ایک سلسلے کی مختلف اور مرتّب کڑیاں ہیں۔ اور ایک ہی نتیجے کی طرف استقلال سے جا رہی ہیں۔ اگر تمام کتاب کے سب گذشتہ مطالب درس و تدریس کے کسی مرحلے میں پیش نظر نہ رہے تو قرآن حکیم سے کوئی مدلّل نتیجہ اخذ کرنا محال ہو جائے گا۔ اس تصنیف کا سب سے اہم حصّہ آخری مجلّدات ہیں جنہیں قرآن حکیم کی تمام تعلیم سے کامل تفتیش و تلاش کے بعد مستقل نتائج اخذ کیے گئے ہیں پھر اجل زدہ اُمتوں کے تحفظ و بقا کیلئے ایک اٹل **طریق عمل** مستنبط کر کے مسلمانان عالم کو اُنکی **حیات و موت کا آخری پیغام** دیدیا گیا ہے!

[1] **فطرت** لامحالہ وہ شئے ہے جس سے کسی فرد متنفس کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اگر دین اسلام فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے جیسا کہ صفحہ ۴ پر دعویٰ کیا گیا ہے تو وہ بھی بلا شبہ وہ شئے ہے جسکی تعمیل پر سطح زمین کا ہر شخص اسیطرح مجبور ہے جس طرح کہ اپنی کسی اور فطرت پر، اور جسکے برخلاف چلنے کی فوری سزا بھی اسیطرح ملنی چاہیئے جس طرح کسی اور فطرت سے باغی شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ ایک شخص اگر کھانا نہیں کھاتا یا کئی دن مطلق نہیں سوتا تو اُسکا جلد مرجانا لازمی ہے۔ اس لیے کہ کھانا اور سونا اس کی فطرت میں داخل ہیں، اور فطرت سے باغی ہونے کی انتہائی سزا ہلاکت ہے۔ پس اس مقام سے نظر سے دین اسلام بھی وہ **طریق عمل ہے جس پر چل کر اس دنیا میں ہر جا امن مل رہا ہے** جیسا کہ آیندہ اوراق میں چلکر واضح ہوگا۔ وہ کسی رسمی کلمہ شہادت کا پڑھ لینا نہیں جیسا کہ اکثر مسلمان سمجھے بیٹھے ہیں!

تکیّف ایمان و منتہائے اسلام[†]

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳: ۱۳۸)

اور تم ہی سب سے برتر ہو اگر ایمان والے ہو

متذکرہ صدر صحبت کے اُس حصّے سے جو تبلیغ دین اور اعلان نبوت کے متعلق ہے، یہ امر واضح ہے کہ داعیٔ اسلام کی بعثت ائتلاف ملل کے حق میں ایک بےنظیر رحمت تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق نے اعتقادات کے علاوہ، عرب کی ہیئت اجتماعی میں ایک ناقابل یقین انقلاب پیدا کردیا تھا۔ نعرۂ توحید نے، اور اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے خُلق عظیم نے اہل عرب کے سینوں کو چاک کرکے، اُنکے دلوں کو چیر چیرکر، عداوتیں اور کینے نکال دیئے تھے! پیغمبرؐ برحق کی بےلوث ریا، اور وقفِ عمل زندگی نے بخل و حسد کے تنگ و تاریک قلوب میں ایمان کا نور، اور اعمالِ صالحہ کی وسعت دیدی تھی! خدائے واحد کی ہستی پر محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ناقابل انکار شہادت نے ہر متنفّس کو اللہ کی حمایت میں آمادہ عمل کردیا تھا! خدا کی حقیقت، اُسکی رحمتوں کے دریا، اُسکی حکمت اور علم کے سمندر، اُسکی لاانتہا بخششیں، اُسکی قدرت کاملہ، ساتھ ہی اُسکے عذاب کے طوفان، اُسکے زلزلے، اُسکی تہس نہس کردینے

---

† صحبت حاضرہ کے مطالب خاص طور پر قابل غور ہیں۔ آئندہ مباحث، بلکہ ایک رو سے کتاب خدا کی حکمت کو کماحقہ سمجھنے کا اکثر دارومدار اسی صحبت پر ہے۔ تیرہ سو برس کے انقلاب تخیل کے بعد ایمان کی حقیقت کو ازسرنو پالینا، یا دل پر اُس کا صحیح کیف و حال پیدا کرکے پیکر ایمان اور شاہد خدا بن جانا آسان کام نہیں۔ مگر اس فقدان حال اور صورت اشکال کے باوجود قرآن حکیم کے اندر ایمان کی صحیح تصویر اور منتہائے اسلام کی ناقابل انکار دلیل موجود ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھکر جہاں جہاں اس صحبت کے اندر آیات الٰہی میں ایمان کا لفظ آیا ہے الفاظ کو جلی حروف میں لکھدیا ہے کہ اِس ناقابل تشریح اصطلاح کی صحیح ماہیت سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسکی اہم قرآنی شرائط اور لوازم واضح ہوں اور پھر رفتہ رفتہ انسان کے ذہن میں اسکا تکیّف بیٹھتا جائے۔ سب سے اہم یہ امر کہ کلام خدا کا طالب العلم بطور خود اس حقیقت کبریٰ کا قائل ہو کہ سعی و عمل ایمان کا جزو لاینفک کس انتہائی حد تک ہے۔ منتہائے اسلام کی حقیقت صفحہ ۱۸۲ پر عیاں ہوگی۔

والی چیخیں، اسکی بجلیاں، آنکھوں کے سامنے صاف نظر آگئی تھیں! اُس رب لم یزل کو جسکی عجیب شخصیت وہم کے محیط سے باہر، اور امکان کے نقص سے بری ہے، احمدؐ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز شناسائی نے ہر شخص کے روبرو عیاں کر دیا تھا! مومنوں کے کانوں میں اسکی صدائیں بلا آگئی تھیں! انکی آنکھیں، اُنکے دل، اُنکے ہاتھ، اُس لامکان ذات کو اپنے گھروں کے اندر، میدانوں اور حجروں میں، سجدوں اور دعاؤں میں آشکارا محسوس کر رہے تھے! وہی آسمان و زمین، وہی چاند اور ستارے، وہی زرع و نخیل، جو عرب کی ہموار اور غیر دلچسپ سرزمین میں ہر دم اُن کے پیش نظر رہتے تھے، اِس جویائے حق نبیؐ کی دیدۂ عبرت نگاہ کے باعث **معرفتِ خدا** کے بیکراں قدرت اور حقانیت کے بے پایاں مظاہر بن گئے تھے!

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ (۲۷: ۶۰)

لوگو! ذرا اسپر تو غور کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ اور آسمان سے تم لوگوں کے لیئے پانی کس نے برسایا؟ پھر اُسی پانی کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ لگائے! لوگو! کیا تم میں طاقت ہے کہ اُنکے درختوں کو اُگا سکو؟ اور کیا پھر اِس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد سوا خدا کے کوئی اور قابلِ اطاعت اور لائقِ عبودیت رہجاتا ہے! آہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں کہ ناحق دوسری طرف جھکے ہوئے ہیں!

پھولوں کی پنکھڑیوں میں، پرندوں کے پروں اور درختوں کے خوشوں میں صناعِ بے مثال کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف نظر دلا دیا تھا!

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝† (۱۶: ۷۹)

کیا لوگوں نے پرندوں کے حال پر نظر نہیں کی جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، اُن کو اُڑتے وقت کون سنبھال رہا ہے اور کون سنبھلنے کی طاقت دے رہا ہے؟ جن لوگوں میں ایمان موجود ہے اُنکے لیئے اس حقیقت میں بھی غور و فکر کی کئی علامتیں ہیں۔

فطرت کے بدیع الخلق ظواہر اور محیر العقول صنائع کی طرف، کلام الٰہی کی انتھک ترغیب و تحریص نے عرب کی طبائع پر گہرا اور ناقابل انمحا کا اثر پیدا کر دیا تھا!

† اس کا حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھیے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ٭ (۶: ۱۰۰)

وہی قادر مطلق تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس پانی کے ذریعے سے ہر اُگنے والی چیز کی بُوٹیاں نکالیں، پھر اُن بوٹیوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں۔ اُن سے ہم گُتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھے میں گچھوں کے گچھے خوشے جو بارے بوجھ کے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار، ظاہر اُشکل و مشابہت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر مزے اور تاثیر میں جُدا جُدا ہیں۔ تم اُسکے پھل کی طرف بغور دیکھو جب نکل رہا ہو اور پک رہا ہو، بے شک جن میں ایمان ہے اُن کے لیئے اِس مشاہدے میں عجیب غریب نشانیاں خدا کی قدرت کی موجود ہیں!

صدیوں کے باطل عقیدوں، خوف انگیز وسوسوں، اور مذبذب قلوب واہموں کے بعد حقیقت کے اس دلنشین انکشاف، اور خدا ہونے کے اس قطعی ثبوت نے بالآخر عرب کے دلوں میں ایمان کا آسمان تاب نور، اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ صداقت کا روح پرور اثر اُنکے بدنوں اور طبیعتوں، دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری و ساری ہو گیا تھا کہ مجرد اللہ کا ذکر آنے پر اُن کے دل کپکپا جاتے تھے!٭٭

٭ ضمناً ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ اعمال خدا کا مشاہدہ، اُسمیں استقصا اور تفکر، خدا کی عطا کی ہوئی بصر کا استعمال (اَلَمْ یَرَوْا (۱۶: ۷۹)، اُنْظُرُوْٓا (۶: ۱۰۰)) اور کارگاہ فطرت سے طلب علم (دیکھو صفحہ ۸۳) ایمان کے اہم لازمات میں سے ہیں، ان کے بغیر ایمان ناقص اور معرفت خدا محال ہے۔ اس بحث کو یہاں پر طول دینا ضروری نہیں مگر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ آج وہ قَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ کے صحیح مصداق ہیں یا مغربی قومیں جنہوں نے فطرت کا پتا پتا دیکھ مارا ہے!

٭٭ سورہ انفال میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ٭ (۸: ۲)

لوگو! ایمان والے تو وہی بندے ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو آجاتی ہے تو اُنکے دل ہل جاتے ہیں، اور جب اُسکے احکام (اٰیٰتُهٗ) انپر واضح کر دیئے جاتے ہیں تو اُنکی تعمیل کا یقین (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھتا ہے، اور وہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع سعی و عمل کے بعد نتائج کے بارے میں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں (یَتَوَكَّلُوْنَ)

(توکل کے ان معانی کی توثیق آگے چلکر آئے گی)۔

یہ ایمان والوں کی لرزش کوئی مصنوعی لرزش نہیں جو آجکل لوگ رسماً پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور باوجود مشق کے صحیح معنوں میں پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ فی الحقیقت خدا کی عظمت، ہیبت، اور طاقت کا ہول انگیز یقین ہے جو اسکے اعمال کے برای العین مشاہدے اور اس کارگاہ فطرت کی براہ راست بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ تکیف قلب ہے جو آج ان قوموں کو حاصل ہے جو قانون خدا سے ہر دم خوفزدہ رہکر سعی و عمل میں مصروف ہیں، جو حکم حاکم کو مرگ مفاجات کے برابر سمجھکر طوعاً و کرہاً اسکی تعمیل میں لگی ہیں، جو قانون فطرت کے ایک ایک حرف کو بغور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ لرزش ہمہ تن حاکم کے مقتدر ہونے کی لرزش ہے، اُسکے قانون کو اٹل ماننے کی لرزش ہے، اُسکی سزا کے شدید ہونے کی لرزش ہے، حکم کے اٹل اور حاکم کے بے پرواہ ہونے کی لرزش ہے۔ اسی لرزش کا اٹل نتیجہ عمل ہے، احساس فرض ہے، تگ و دو ہے، تکلیف و محن ہے، یہ کوئی دوستی کے باہمی ناز و نیاز، یا عشق کی لطف آمیز چشمکیں نہیں جو مسلمانوں نے رسماً اور خاطراً خدا سے پیدا کر لی ہیں اور جسکا نتیجہ نادانی خدا کے سوا کچھ نہیں۔

دلوں نے اللہ سے وہ سچا لگاؤ پیدا کر لیا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے ایک دُنیاوی حاکم کیطرح اُسکے حضور میں سراپا ادب بنکر اُسکی رحمتوں اور بندہ نوازیوں کے چشم براہ اور اُسکے قہر سے خوف زدہ رہتے۔ حضوریِ قلب کی حیات افروز نے اور قربِ رسولؐ کے جرأت آموز اثر نے اُن کو اللہ کی رضا میں مصیبت سے قطعی بے خوف اور جان سے قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرأتیں، اُس احکم الحاکمین تعالیٰ کی خوشنودی اور حمایت میں ہر وقت پا بہ رکاب رہتیں! وہ ایک اہل الغرض اور مشاہرہ دار نوکر کی طرح، اُس آنکھ اوجھل اور جلیل القدر ذات کی خوشنودی کی خاطر، اُسکے ادنیٰ اشاروں اور حکموں پر چونک چونک اُٹھتے، اور دوڑ دوڑ کر جاتے! وہ اللہ کے رعب و وقار اور اُسکے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بیقدر و قیمت، اور دنیاوی رعب داب کو ہیچ سمجھتے! وہ اپنے سچے مخدومؐ، اور مقتدرِ منعمؐ کا بول بالا کرنیکے ولولے میں جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھکر قیصر و کسریٰ کے دربار میں، اپنے خرقہ پوش اور اُمّی پیغمبرؐ کا تنبیہی پروانہ بے دھڑک لیجاتے! وہ اپنے حقیقی آقا کا آوازہ بلند کرنے کی غرض سے جان، مال، اور تعلقاتِ دنیوی کے انقطاع[†] سے ایک لمحے کے لیئے دریغ نہ کرتے! وہ ایک مزدورِ خوشدل کی طرح اللہ کے اس نیک بندے کی حمایت میں تلواروں سے کٹ، اور تیروں سے چھن جاتے مگر ہمت نہ ہارتے! وُہ اُس کالی کملی والے رسولؐ کی جانفروشانہ اطاعت میں موت کی آرزوئیں، اور قتل کی منّتیں مانتے! وہ اللہ کی کبریائی اور جبروت کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کے لیئے پہاڑ سے لڑجاتے اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے! اُن کی مودّبانہ خدمت اور فدایانہ عبودیت خدائے ذوالجلال کے وجود، اُسکی عالم آرا حکومت، اُسکی عالی مقامی

[†] سورۂ مجادلہ میں ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ (۲۲ : ۵۸)

اے مخاطب! جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لاتے ہیں، اور جو روزِ آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اُن کو تو تم ہرگز نہ دیکھو گے کہ خدا اور اسکے رسول کے مخالفوں اور نافرماں برداروں کے ساتھ میل جول رکھیں گو وہ انکے باپ، یا انکے بیٹے، یا انکے بھائی بند، یا ازواج ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا گہرا نقش کر دیا ہے، اور جنکو اپنی ناپیدا کنار طاقت اور رحمت کا ایک حصّہ عطا فرما کر انکی مدد کی ہے (بِرُوْحٍ مِّنْهُ)۔

اُسکی استقامت عہد، اُسکی سطوت وجبروت، اُسکے جبروقہر کی وہ زندہ اور زبردست **شہادت تھی** جو ہر منکر کو قائل کردیتی! اُن کی سرتاپا سعی اور رہینِ عمل زندگی اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی، اور اُسکی چاکری کو مفید تر چاکری بنانے کی وُہ بانگ دُہل اور وُہ صیت ناقوس تھی جسنے اقل قلیل مُدت میں ایک سیہ کار اور بےحس عالم کو اللہ کی عبودیّت پر متفق العمل کردیا تھا!

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ‡ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (۲: ۱۴۳)

اور اس تسلیم کی خو اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانیکے باعث (دیکھو آیہ (۲: ۱۳۸)) ہم نے تم سب کا ایک مرکز (یعنی قبلہ) قرار دیکر تم عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرجع ومرکز بھی بنادیا ہے تاکہ تم اپنے حسنِ عمل سے تمام دنیا کے سامنے خدا کے وجود کی گواہی دو، اور رسولِ خدا تمہیں اللہ کی گواہی دیتے رہیں!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا‡‡ رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۝ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (۲۲: ۷۷-۷۸)

---

† 'کذٰلِکَ' کا ربط پہلے مضمون کے تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے جو آیہ (۲: ۱۲۲) سے شروع ہوا ہے۔ اِس ربط کو ثابت کرنے کا یہ موقع نہیں مگر سورہ بقرہ کے ربط کا اظہار غالبًا پانچویں مجلّد سے پہلے نہو سکیگا۔

‡ "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" ہونے کے یہی معانی ہیں کہ لوگوں کو تمہارے اعمال و افعال سے، تمہاری تگ و دَو اور تکلیف برداری سے، تمہاری خدمت گذاری اور ملازمت سے خدا کے خدا اور حاکم اعلیٰ ہونے کی سچّی گواہی لمجائے، وہ بچشم خود دیکھ لیں کہ تم کسی ایسی جلیل القدر ہستی کے ملازم اور پابند ہو جو گو نظروں سے اوجھل ہے مگر اُسکے ہونے اور مقتدر ہونے میں گمان نہیں یہی سعی وعمل آج کسی دنیاوی حاکم کی ملازمت اور اُسکے موجود ہونے کی صریح بلکہ عینی شہادت ہے، خواہ وہ حاکم ہردم لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے اور عوام نے اسکو ایک لمحے کے لیے بھی بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ جبتک ایک ملازم کسی آقا کے حکموں کی تعمیل میں مصروف ہے، اسکی خاطر اپنی جان کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اور کسی دوسرے کے ہاں سے امیدوار مزد نہیں ہوتا، تب تک اس آقا کے ہونے کی عینی گواہی موجود ہے۔ کیونکہ کوئی متنفس اپنے آپ کو بلا مزد رنج و محن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ 'شہادت' یہ نہیں کہ مُنہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، یا کوئی اور ایسا کلمہ پڑھ لیا جائے جیساکہ آجکل کے مسلمان سمجھ بیٹھے ہیں! جبتک ملازمت اور عبادت عملًا نہ ہو گواہی یعنی شہادت جسکا تعلق لامحالہ مشاہدے سے ہے، قائم نہیں ہوسکتی۔ رہی یہ بات کہ عمل کی نوعیت کیا ہو اسکی تشریح آگے چلکر خود کتاب خدا کریگی۔ اِس امر کا ثبوت کہ شہادت خدا ہی کی ہے آیہ (۴: ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲ کے الفاظ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے ملتا ہے۔

‡‡ 'عبادت' کے قرآنی معانی آج صدیوں کے انقلاب تخیّل کے بعد قطعًا مسخ ہوچکے ہیں۔ عامۃ الناس نے بلا استثنا اسکے معانی 'نماز پڑھنا'

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو، (اِرْکَعُوْا) اُس کے سب احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو، (وَاسْجُدُوْا) اس کے سچے غلام بنے رہو، (وَاعْبُدُوْا) اور بھلے اور پسندیدۂ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہو جاؤ اور اپنی مراد کو پونہچو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیساکہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم ہی کو اس مطلب کے لیئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے، اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ نارو اسختی نہیں کی۔ یہی دستور العمل تمہارے باپ ابراہیمؑ کا تھا، اور اس خدا کی عملی غلامی، اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدنظر رکھکر ہی اُس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکمبردار اور کارکن آدمیوں کا نام 'مسلم' رکھا تھا، اور اب بھی تمہیں اُسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اس لیئے کہ رسولؐ تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں، اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو! پس ان سب باتوں کو مدنظر رکھکر نماز پر قائم رہو، ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دو، اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کر دینے کی خاطر قربانی مال (الزّکوٰۃ) بھی کیا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے، پر کیا ہی اچھا آقا، اور کیا ہی اچھا مددگار ہے!

قبولیّت اثر، اور محسوسات قلب کے تہیّج و احیا کا وُہ عہد سعید اور وُہ نکو کار زمانہ تھا جب کہ خدا کو خدا تسلیم کر لینا، اہل عرب کی نگاہوں میں آفتاب کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے بھی عیاں تر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۵) لے لیئے ہیں، اور ہر شخص چند بار ماتھے کو زمین پر رگڑ کر بے غل و غش اپنے آپ کو 'عابد' قرار دیتا ہے۔ شارحین، واعظین، علما، فقہا، جُہلا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے، اور اگر کوئی شخص ذرا زیادہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخل عبادت کر دیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احساناً کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے"۔ یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہو گئی ہے۔ پُرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُن کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت، روح، اور مطالب سب بگڑ چکے ہیں مگر قرآن حکیم کے اندر 'عبادت' کا اصلی اور صحیح مفہوم ابتک موجود ہے بشرطیکہ اسکی آیات میں صحیح تدبّر کیا جائے۔ ان آیات الٰہی میں جو زیر بحث ہیں، 'ارْکَعُوْا' اور 'اسْجُدُوْا' اور 'اعْبُدُوْا' کے تین الفاظ آئے ہیں اور اگر، جیساکہ کم از کم مجھے یقین ہو چکا ہے، خدائے زمین و آسمان کا کلام ہر قسم کے حشو و زوائد، بے نتیجہ تکرار، یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً مبرّا ہے، اور اس کا ایک جملہ، ایک لفظ اور ایک حرف بھی اَدل بَدل، پس و پیش، یا حذف نہیں کیا جا سکتا، تو اس نتیجے پر پونہچنا کچھ مشکل نہیں کہ 'ارْکَعُوْا' اور 'اسْجُدُوْا' اور 'اعْبُدُوْا' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارعِ قرآن کے ذہن میں اسوقت تھے جب یہ آیت وحی کی گئی۔ اُن کو نماز کا رکوع و سجود سمجھکر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا، یا زورِ بلاغت کا تکرار فرض کر لینا کلامِ خدا کی توہین ہے۔ کتاب خدا کے اس ابتدائی حصے میں اس حقیقت کبریٰ پر

واسطۂ عمل بن گیا تھا؛ تعبّد کی یہ شانِ اضطراری (وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ)[۱۵] اور اعتصام خدا کا یہ الحاقی رنگ تھا

[۱۵] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۶) چنداں زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کلام الٰہی کے الفاظ کے استقلال مطالب اور وحدت معانی کی مثالیں کثرت سے پیش نہیں ہوئیں، لیکن آگے چلکر جوں جوں اور شہادتیں ملتی جائیں گی یہ نکتہ عیاں ہوتا جائیگا ''مسخ حقیقت'' کے عنوان میں اس بات کا کافی ثبوت دے دیا جائے گا کہ نص قرآن کے رُو سے 'سجدہ' اور 'عبادت' ایک کیف دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لیئے بالالتزام علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔ 'سجود' کے معانی بھی قرآن کریم میں ماتھا رگڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں، بلکہ اس سے مقصود تکیف اطاعت اور صرف اطاعت ہی۔ اگرچہ ماتھا رگڑنا اُس کا ایک جزو ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے اپنی اطاعت کے جوش میں ماتھا بھی رگڑے مگر ہر کبھی ماتھا رگڑنے والا لازماً مطیع نہیں ہوتا! سورۂ الرحمٰن میں ہے: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ○ (۵۵: ۶)، ''اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں''۔ یعنی احکام خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ... (۱۶: ۴۹) ''اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شئے ہے خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے''۔ یعنی اسکے قانون کی مطیع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (۱۳: ۱۵) اور (۲۲: ۱۸) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کے متعلق کہا ہے: يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ (۳: ۱۱۳)، ''یعنی رات کے اوقات میں احکام خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں''۔ حالانکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اُن کا طریق نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ○ (۷: ۲۰۶)۔ یہاں 'عبادت' اور 'تسبیح' اور 'سجدے' کا وہی لغوی تکرار ہے، اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آجکل لوگوں نے ان الفاظ سے لے لیئے ہیں۔ کیونکہ مذکور اُن کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں ہیں اور عالم ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ○ (۵۳: ۶۲)، یہاں بھی 'سجدہ' اور 'عبادت' کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ تکیف ہی اطاعت الٰہی کا ہے۔ 'سجدے' کا لفظ کلام الٰہی میں صرف دو جگہ ظاہری ماتھا رگڑنے کے معنوں میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نمل میں ملکہ سبا کے متعلق: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۷: ۲۴)، یعنی ''وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے''۔ اور دوسری سورۂ حٰم السجدہ میں: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (۴۱: ۳۷) مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع الامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی لوگ سورج کے آگے ماتھا رگڑتے تھے یا یہ عبث فعل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیہ (۴۱: ۳۷) سے 'تَسْجُدُوْا' اور 'تَعْبُدُوْنَ' کا الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ''اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے مطیع اور اُسی کے حلقہ بگوش بنے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ)، تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو، چھوڑ دو، کہ یہ بھی کیف عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا ہی کے آگے ادا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے''۔ گویا خدائے عزوجل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اگرچہ ایک شخص کے ظاہرا سورج کو سجدہ کرنے اور در پردہ عابد خدا ہونے کے استثنائی امکان کو یہاں پر پیش ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکو اشارۃً تسلیم کیا گیا ہے۔

'رکوع' کا لفظ بھی جسکے معانی اصطلاحاً آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنے کے ہیں، قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیل احکام الٰہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (۵: ۵۵) یعنی ''اے ایمان والو! تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اسکا رسول (جو تمہیں راہ رحمت پر لے جا رہا ہے)، اور باقی ایمان والے (جو عملاً ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں، اور قربانی مال کرتے ہیں، اور قانون خدا کے آگے عملاً سر تسلیم خم کرتے ہیں (وَهُمْ رٰكِعُوْنَ)''۔ یہ آخری الفاظ قافیئے کی ضرورت کے لیئے (معاذ اللہ)

(وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ)† کہ ربّ العرش کی مقتدر حکومت دلوں کی زمینوں، عزائم کے رہگذروں، اور اعمال کی شاہراہوں پر یکسر قائم ہوگئی تھی! سب عمل اُسی کے لیئے وقف تھے، سب جدّ وجہد اُسی کی خاطر

† وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کے یہی معانی ہیں کہ بیم و امید کا پیدا کیا ہوا سب عملی تعلق خدا سے قائم کرو۔ یعنی جس طرح کسی دنیاوی آقا سے غرضمندی اعتصام پیدا کر دیتی ہے اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس احکم الحاکمین سے اعتصام پیدا کرو۔ اِسی کیف عبودیت کو متن کتاب میں "الحانی رنگ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۷) نہیں بڑھاتے، ادر یہ ایک بیہودہ تکرار ہے جو "الصَّلٰوۃ" کے بعد کر دی ہے اور جس میں رکوع لامحالہ شامل ہے بلکہ "رٰکِعُوْن" کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خدا ہی تھے یا کم از کم کلام اٰلہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ "رکوع" بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کر لیا اور زبان زد عوام اس قدر ہوا کہ اصلی معانی مسخ ہوگئے۔ اب **انسانی لُغت اُس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز ہی** جیسا کہ ہم نے صفحہ ۹۱-۹۲ کے تحت المتن میں دعویٰ کیا ہے یہی بات: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۲: ۴۳) سے ظاہر ہے۔ یعنی "الصَّلٰوۃ" پر قائم رہو اور "الزَّکٰوۃ" کو دیا کرو، اور سب سے اہم یہ امر کہ قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سر تسلیم خم کر دو۔" سورۂ مرسلٰت میں ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (۷۷: ۴۸-۴۹)۔ "اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قانون خدا کے آگے جھک جاؤ تو اسکی تعمیل کرنے سے کتراتے ہیں۔ تو لوگو! اُس دن ان جھٹلانے والوں کے حال پر افسوس ہے۔" گویا "رکوع" (تسلیم) نہ کرنا **تکذیب پیغام رسل ہے**۔

ان تمام آیاتِ اٰلہی سے جو قرآن سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں، ثابت ہے کہ قرآن کی لُغت میں "رکوع" "سجود" "عبادت" "تسبیح" وغیرہ وغیرہ اطاعت خدا کے قلبی تکیف کے مختلف مراحل اور مظاہر ہیں جنکا نتیجہ احکام اٰلہی کی تعمیل ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں، کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسمًا ادا کرکے یا تسبیح کے منکوں کو پھیر کر عبدِ خدا نہیں بن سکتا، اگرچہ جو شخص **فی الحقیقت** اطاعت گذار ہے اُس کے لیئے ان عبادات کو کیفیتِ دل اور رقت قلب کے ساتھ ادا کرنا اُسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شبانہ روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا، یا اجیانًا اُسکی حمد وستایش کرنا بھی ایک لازمی فعل ہے۔ پس یہ **احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی عبادت ہی، اور اسی نقطہ نظر سے کسی کی "عبادت" کرنا فی الحقیقت اُس کی ملازمت اور تعبّد اختیار کرنا ہی ہے**۔ اسکے ماسوا کچھ نہیں، "عبادت" کے یہ معانی کلام اٰلہی کے قریب قریب ہر ورق پر ثبت ہیں اور اصل کتاب میں اسکی بیسیوں مثالیں آگے چلکر ملینگی۔ سردست دو تین مثالیں اُور پیش کر دی جاتی ہیں جنسے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہی:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (۲۱: ۷۳)

اے لوگو! ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو لوگوں کا سردار اور پیشوا بنایا، وہ ان کی رہنمائی ہمارے قانون (بِاَمْرِنَا) سے کرتے رہے، اور ہم نے اُن کی طرف نیک اور مفید جماعت کاموں (الْخَيْرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُن کو حکم دیا کہ الصَّلٰوۃ پر قائم رہیں، الزَّکٰوۃ کو دیتے رہیں۔ اور وہ لوگ تو نماز گذار یا پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ جبتک رہے ہمارے اطاعت گذار بندے اور غلام بنے رہے (وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝)۔ (باقی)

ع ۵ اکثر شارحین کلام اٰلہی نے "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کے الفاظ سے باجماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے متعارف رکن کے لیئے ہیں، نماز کے باجماعت ادا کرنیکے وجوب لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جیسا کہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۵، پر واضح کر دیا جائیگا لیکن اِن الفاظ کو باجماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا حتمًا ناروا ہی کیونکہ "رکوع" کا لفظ رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اِس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۳: ۴۳) یعنی اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل حکمبرداری کرتی رہو اُسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرو (وَاسْجُدِيْ) اور قانون خدا کو تسلیم کرنیوالوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر مطیع بنجاؤ۔" حضرت مریمؑ کو یہاں پر نماز باجماعت ادا کرنیکا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزو نماز کبھی ہوا ہی۔ اسیطرح یہ عورتوں کے لیئے نماز باجماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں اگرچہ رسول خدا کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف باندھکر نماز ادا کرنا مذکور ہی۔ اس آیہ شریفہ سے بہر نوع ظاہر ہی کہ "قنوت" اور "سجود" اور "رکوع" سے مراد احکام خدا کی تعمیل، اور کیف اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں۔

اور اسی کی راہ میں تھی، (وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ[۱]) سب طاعت و تسلیم اُسی کی گواہی کے لئے تھی، (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ[۲]) داعیِ اسلام کی جاذب القلوب صحبت اور حقیقت کُشا شہادت (لِيَكُونَ

[۱] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔ [۲] دیکھو (۲: ۱۴۳) صفحہ ۱۰۵۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۸) یہاں پر پھر 'عبادت' اور 'الصَّلوٰۃ' اور 'الزَّکوٰۃ' کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا 'عبادت' وہ شے ہے جو نماز اور زکوٰۃ سے علیحدہ بلکہ بڑھکر ہے۔ اور یہ وہ عملی ملازمت، وہ امتثال امر، اور وہ شبانہ روز چاکری ہے جسکے لئے کسی وقت یا ہیئت کی تعیین نہیں۔ ایک اور جگہ موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں 'عبادت' اور 'الصَّلوٰۃ' کے فرق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے: اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ (۲۰: ۱۴)۔ یعنی اے موسیٰ! اسمیں شک نہیں کہ میں ہی مالک زمین و آسمان ہوں، میرے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، تو تم میری ہی عبادت اور ملازمت اختیار کرو، اور میری یاد، اور غائبانہ خوف دل میں رکھنے کے لئے (لِذِكْرِيْ) 'الصَّلوٰۃ' پر قائم رہو یعنی احیاناً میرے حضور میں حاضر بھی ہوا کرو۔" گویا 'عبادت' ایک **غائبانہ تعمیل احکام** ہے اور 'الصَّلوٰۃ' اس غائبانہ خدمت کے جذبے کو محترک رکھنے کے لئے بالمشافہ **سلام اور حاضری** ہے۔ لیکن سورۂ مومن میں 'عبادت' کا قرآنی مفہوم اِن سے بھی عیاں تر ہے:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝
فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ (۲۳: ۴۵-۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون اُنکے بھائی کو اپنے احکام (بِاٰيٰتِنَا) اور اُنکے منجانب اللہ ہونے کی روشن شہادت (سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ) اپنی طرف سے دیکر فرعون اور اُسکے حاشیہ نشینوں کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ اُنکو دیکھکر اکڑ گئے، اور درحقیقت وہ تھے بھی سرکش اور مغرور لوگ جو شیخی میں آکر کہنے لگے کہ کیا ہم اِن اپنے جیسے دو آدمیوں کو اپنا رہنما مان لیں حالانکہ انکی حیثیت یہ ہے کہ انکی قوم ساری کی ساری ہماری غلام ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری چاکری اور خدمتگذاری میں دن رات لگی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمہ تن ہمارے زیر اثر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری محتاج اور دست نگر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری نظروں میں خوار و ذلیل ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے آگے ہاتھ جوڑتی اور پاؤں پڑتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے دست شفقت کی آرزومند ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری دی ہوئی روٹیوں پر گذارہ کرتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، وغیرہ وغیرہ۔

گویا از روئے قرآن 'عابد' وہ شخص ہے جسکی ہیئت کذائی بعینہ وہ ہو جو خروج سے پیشتر بنی اسرائیل کی فرعون کے ماتحت رہ کر تھی یا جو اکثر **مشرقی اقوام کی یورپ کے دست تسلط سے آجکل ہے**۔ بنی اسرائیل کے مظلوم فرعون کے محلات کی تعمیر کے ضمن میں ہزار ہا من پتھر لدے ہوئے چھکڑوں میں ہانکے جاتے تھے، اُمراکی لقفر یجی گاڑیاں میلوں تک ہانپ ہانپ کر کھینچتے تھے، اُن کی بیگمات کو پالکیوں میں اُٹھا پھرتے تھے، اُن کے سروں پر چھتریاں لگائے دم بخود چلے جاتے تھے، اُن کی سواریوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، پراوں میں شبانہ روز خشت سازی اور جنگلوں میں گھاس پھوس جمع کرنا اُن کا آبائی پیشہ تھا، چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے اُن کے بدنوں کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ اُن کی ضرب سے سڑکوں اور چوراہوں پر بے ہوش و حواس گر پڑتے لیکن بادشاہت کے رعب جلال کے آگے اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ اُن کے چیتھڑوں سے پیوند کیئے ہوئے تہمد اور مسکنت کے سیاہ کیئے ہوئے بدن، **فرعون کی عبادت** اور طاغوت کی غلامی، تحکّم شاہ اور تعبد گدا، تعلّی بشر اور **قہر خدا** کی وہ عبرت انگیز شہادتیں تھیں جو ہر صاحب نظر کو کپکپا دیتی تھیں۔ نہ اس تعبد میں صدیوں کی عادت اور رواج کے باعث اسقدر محو و منہمک ہو گئے تھے کہ اس مغرور قوم کی خدمت میں دن رات لگے رہنا انکی نظروں میں عین سعادت تھا۔ فرعون مصر اُن کو بلا بلا کر کچھ اپنے آگے ماتھا نہیں رگڑواتا تھا۔ اور نہ منہ سے رسماً اپنے آپ کو خدا کہا کرتا تھا بلکہ یہی تعلق اور تعبد وہ جبری عبادت تھی جو ظاہری سجدوں اور زبانی دعووں سے بڑھکر تھی۔ اِسی کے ضمن میں حسب موقع ماتھے بھی رگڑے جایا کرتے تھے۔ منتیں اور خوشامدیں بھی ہوا کرتی تھیں، جبینیں فرش زمین بن جاتی تھیں، آرام کی پروا نہ رہتی تھی، جان کو جوکھوں میں ڈالکر آقاؤں کو خوش کیا جاتا تھا۔ یہی طرزِ عمل بعینہ آج مشرقی قوم کا

[۱] لَنَا عٰبِدُوْنَ کی جمع متکلم کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل صرف فرعون کے عابد نہ تھے بلکہ تمام مصری قوم کی خدمت میں لگے رہتے تھے، سجدہ کرنا تو کجا ادنیٰ نہیں۔

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ[۵۱]، نے عالمِ ارواح کے شاہدِ لم یزل[۵۲] پر سے نقاب اُلٹ کر، خدا اور بندوں کے درمیان آقائی اور غلامی، حاکمی اور محکومی، حُسن و عشق کے انداز پیدا کر دیئے تھے! (هُوَ مَوْلٰكُمْ)

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۹) شیوۂ عبادت ہے، اور جس فرد یا قوم کے طریقِ عمل میں خدا سے زمین و آسمان کے بارے میں یہی شیوۂ عبادت اور یہی اندازِ عشق ظاہر ہو وہ "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵) کے الفاظ کا صحیح مصداق ہو سکتی ہے۔ عبادت کے اسی اندازِ عمل کو پیشِ نظر رکھکر اصل کتاب کی زیرِ بحث آیت (یعنی ۲۲: ۷۷) کے بعد "وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" کے الفاظ آئے ہیں یعنی "اس ربِّ زمین و آسمان کی خدمت اور اِعلا میں وُہ وُہ کوششیں، وُہ وُہ حکم برداریاں، وُہ وُہ ایثار اور تکلیفیں اُٹھاؤ جو اتنے بڑے آقا کے شایانِ شان ہوں!" عبادت کا یہی مفہوم آیہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ (۲۶: ۲۲) میں ہر صاحبِ نظر پر عیاں ہے۔

اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ اگر عبادت یہ ہے تو رکوع و سجود یعنی اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲: ۷۷) کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اسکی تشریح بھی بنی اسرائیل کی عبادت کی محوّلہ بالا تفصیل میں ضمناً ہو گئی ہے مگر ذرا زیادہ وضاحت پیشِ نظر ہے۔ غرضمندی اور احتیاج، شوقِ انعام اور خوفِ سزا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہر عبادت کی محرکِ اوّل ہیں۔ انہی کے ہوتے اطاعت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، پھر اطاعت کے ساتھ ساتھ رکوع و سجود کا پیدا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ جبتک کسی منعم کے انعام کی امید لگی ہے یا اسکی سزا کا خوف باقی ہے، اُسکے آگے جُھکتے رہنا، اُس کے پاؤں پڑنا، اسکی خوشامد اور اطاعت کرنا قطعی ہے۔ یہی رکوع و سجود کا سچا کیف و حال ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے رکوع و سجود اسلامی نماز کا جزوِ لاینفک بھی ہے۔ بیم و امید کا وجود عبادت یعنی تعلق اور ملازمت از خود پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی عبادت کا ایک ادنٰی جُز رکوع و سجود ہے۔ لیکن نماز میں رسمًا ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل گر پڑنا نہ عبادت ہے نہ رکوع۔ جبتک خوف و رجا کا قلبی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسمًا نہیں بلکہ عملاً بلکہ جبرًا خدا کے آگے جُھکیں۔ اسی کیف کو پیشِ نظر رکھکر سورۂ انبیا میں ہے: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ (۲۱: ۹۰) یعنی "وہ لوگ ہمیں بیم و رجا سے بلایا کرتے تھے اور اسی لیئے ہماری درگاہ میں عاجزین بنکر آتے تھے"۔ قرونِ اُولٰی کے عرب کی یہی کیفیتِ دل ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کی ہے (دیکھو صفحہ ۱۰۴) اور یہی ایمان کا جزوِ لاینفک ہے جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے ظاہر ہے۔ کتاب کے عربی دیباچے میں ہم نے لفظ عبادت سے جا بجا اسکا یہی عملی مفہوم مراد لیا ہے۔

عبادتِ خدا کے صحیح معانی آج یہانتک مسخ ہو چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی ایک مذہب بھی اس کے اصلی یا خدائی مفہوم پر عمل کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نہیں بلکہ جسقدر کوئی مذہب قدیم تر ہے اسیقدر اسکی عبادت ایک لفظی اور رسمی، بے نتیجہ اور بے معنی شے بن گئی ہے حتیٰ کہ اسکی نماز کے بقیہ آثار بھی مرورِ مدت کے باعث قطعًا بے حقیقت اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں۔ وحشی اقوام میں جنکے مذہبی محسوسات متمدن اقوام کے معتقدات باقیہ سے نسبتًہ قدیم تر ہیں، نماز یا عبادت کا کوئی مستقل تخیل حتمًا باقی نہیں رہا۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض وحشی قومیں بظاہر اِس کُلیے سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں مگر اُن میں بھی نماز کا تخیل کسی مٹی کے بُت کے گرداگرد ناچنے یا باآوازِ بلند نام پکارنے تک محدود ہے اگرچہ خدمتِ جن (عبادت) کے خیال سے قبروں کے اندر آگ جلانا اور پانی، میوے، اور ہتیاروں کے چڑھاوے چڑھانا بھی کہیں کہیں مروّج ہے۔ ہندوؤں میں عبادتِ خدا کسی دیوی کی مورتی پر پھول چڑھانے یا خوراک اور مال کی قربانیاں کرنیکے مترادف ہے۔ نماز کا تخیل اُنکے ہاں بگڑتے بگڑتے صرف اشنان کرنے، قشقہ لگانے، ماتھا ٹیکنے، ہاتھ جوڑنے اور مندروں کے اندر گھنٹے بجانے تک رہ گیا ہے۔ بدھ مذہب جسکی عبادت اور صلوٰۃ کے تخیل میں آج کوئی مابہ الامتیاز قائم نہیں رہا، اور جو خود کسی زمانے میں آریہ مت کی اصلاح کے لیئے آیا تھا، اسی انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ اُسکی نماز آج صرف ایک چرخ کے گھمانے پر ختم ہے! جسقدر چکر چرخ کو دیئے جاتے ہیں اُسیقدر زیادہ مؤثر یا بہتر نماز ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے ہیکلوں میں اِس چرخِ عظیم کو گھمانے کے لیئے آبی کلیں اور پن چکیاں استعمال ہوتی ہیں! خود عرب اور اہالیٔ مکہ کا قدیم

دِلوں میں ارادت کے اُسی کارکن جوش کی خوش آیند خلش، اور سینوں میں تعلّق کے اُسی غرضمند شوق کی دل آویز لگن رہا کرتی تھی۔ مومنوں کے توجّہ طلب اور رشک آشنا قلوب میں، شاہدِ معنیٰ کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۰) ابراہیمی مذہب خدائے ذوالجلال کی عملی عبودیت اور اس کے احکام کی سرفروشانہ اطاعت سے ہٹتے ہٹتے اسقدر لغو اور بے معنی شے بن گیا تھا کہ خانہ کعبہ کی نماز' صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہوگئی تھی۔ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (۸ : ۳۵) کا اشارہ اسی لایعنی 'نماز' کی طرف ہے اور بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ نماز کی ابراہیمی کیفیت کو مسخ کر دینا 'کفر' اور ہلاکت کے مترادف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذہبی حلقوں میں عبادت اور نماز اصالتاً اور عملاً ایک ہی شے سمجھی جاتی ہیں، اور زیادہ ترگیت گانے، ارغنون بجانے، یا صدر سے حد وعظ سُننے اور تسبیح پھیرنے' یا توراۃ و انجیل کے ترجموں کی رواں تلاوت کرنے پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ عبادت' یعنی خدمتِ خدا کا اظہار ہیکلوں اور کلیساؤں میں خوشبودار چیزیں جلا جلا کر، شمعوں کو قربانگاہ کے گرداگرد روشن کرکے، یا اسقفوں کی مقرر کردہ رسوم کو بصحت تمام ادا کرکے کردیا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اگرچہ نماز کی ظاہری شکل و صورت میں اسکے جدید ترین مذہب ہونے کے باعث (فرقہ بند لوگوں کے جزوی اختلاف سے قطع نظر) قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی مگر اسکے مقاصد و اغراض اسقدر نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں کہ 'الصَّلٰوۃ' اب صرف ایک رسمی اُٹھک بیٹھک کا نام رہ گیا ہے جو ہر نماز گذار تہایت صحت اور التزام سے ادا کر دیتا ہے اور اسیکو 'خدمتِ خدا' کا جزوِ اعظم شمار کرتا ہے۔ گویا جہاں خدمت نفس اور عبادت حکام، تعلق اولاد اور تعبّد مال و جاہ میں دن رات ایک کر دیئے جاتے ہیں وہاں خدمت خدا کے لیئے یہی دو ایک سجدے کر دینا 'کارِ عظیم' اور 'بارِ گراں' بن چکا ہے۔ بیم و رجا کا تکیف دلوں سے محو ہو کر خدا پر احسان و امتنان کی صورت پیدا کر گیا ہے۔ ارضی حاکموں اور نفسانی بتوں کی عملی عبادت درگاہِ خدا میں خشوع کو حتماً بیدخل کر چکی ہے، اور اسی لیئے یہ پنجوقتہ بیگار طبعاً بُری معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن جب خوف کے مستحق، اور رجا کے سزاوار 'ارضی خدا' بن چکے ہوں تو ربّ زمین و آسمان سے استعانت کی ضرورت کیوں باقی رہے اور سچّا خشوع و خضوع کیونکر پیدا ہو! سورۂ بقرہ میں ہے!

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲ : ۴۵)

اور لوگو! اپنی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال سے طلب اعانت کیا کرو اور ساتھ ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں بھی گڑگڑاؤ کہ اصلی حلّال مشکلات اور مسبب الاسباب وہی ہے اور یہ نماز تو ان لوگوں کے سوا جن کا تمام تعلق ہم سے وابستہ ہو چکا ہے (الْخَاشِعِينَ) جن کا سب بیم و رجا ہم ہی سے ہے (الْخَاشِعِينَ' دیکھو آیۂ (۲۱ : ۹۰) جو اوپر گذر چکی ہے) جو ہم ہی کو منعم اور ہم ہی کو مذل قرار دیتے ہیں اور اسی لیئے ہمارے ہی آگے عاجزیاں کرتے ہیں (الْخَاشِعِينَ)، باقی سب کے نزدیک ایک بیگار ہی بیگار ہے!

اسلامی مذہبی حلقوں میں 'نماز' اب صرف الفاظ کو صحت اور خوش الحانی سے دُہرانے کا نام رہ گیا ہے، مطالب سے کوئی غرض یا بحث باقی نہیں رہی، پیش امام کی ساری توجہ اسی میں ہے کہ قراَت درست ہو، صفیں سیدھی ہوں، ارکان صحیح طور پر ادا ہوں، قرآن کا کوئی ٹکڑا حسب حال یا ناحسب حال ہر رکعت میں چلا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مقتدی کا اکثر اہتمام بھی انہی سطحی باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لیئے نماز کے ادا کرنے میں ایک تکلف اور آورد پیدا ہو گئی ہے جو اسکی اصلی غایت بلکہ صورت کو بھی آہستہ آہستہ مسخ کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آیندہ ہزار دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی کم مدت میں اسلامی نماز اہل چین کے چرخ کی مانند مضحکہ انگیز بنجائے۔ اور جس طرح آج کسی سے قرآن اور درود پڑھوا کر یا بالوساطت روزہ رکھوا کر ثواب حاصل کرنا مرسوم ہو گیا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ نماز کو ادا کرنے والے پیشہ ور اصحاب بھی مقرر ہو جائیں جو اُجرت کے خیال سے اسکو کسی منجنیقی ترکیب سے جلد جلد ادا کرنے کی کوئی آسان سبیل نکال لیں۔ اب بھی موسیقی عنصر اور تطریبی اسلوب نماز میں اسقدر نمایاں ہو چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ دنیاوی حاکم کے روبرو جا کر دم خشک ہو جاتا ہے، ملاقات سے پہلے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں، بدن میں کپکپیاں اور چہروں پر زردی چھا جاتی ہے، اور فرطِ رعب کے مارے مُنہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے، وہاں مالکِ زمین و آسمان

نگاہوں کی غلط اندازیاں، اور لب جاں بخش کے تبسّم کی غیر نوازیاں خلجان عظیم پیدا کردیتی تھیں!
وہ خدا کی دامن درازی کے بالمقابل اپنے دست نارسا کو دیکھکر اور بھی سعی و عمل کرتے اور انتخابِ خدا کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۱) اور خالق شمس و قمر کے حضور میں جاکر ترنّم پیدا ہوجاتا ہے! پروا تک نہیں رہتی کہ کس کی جناب میں کھڑے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں۔ کیوں مانگ رہے ہیں، کیوں گھٹنوں کے بل گر رہے ہیں، کیوں سجدے کر رہے ہیں، کیوں ٹھوڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیش امام کا سارا زور اسمیں صرف ہوتا ہے کہ نماز بلند سے بلند آواز میں ادا ہو، مقتدی سب کے سب اس کے ترنّم کو سُن سکیں اور سجدے سے بے اختیار واہ واہ کرتے نکل جائیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ایک الٰہی ارشاد ہے جو بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ آجکل کی ترنّم والی نماز قرونِ اولیٰ کی نماز نہیں ہے

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۱۱۰)

اے محمدؐ! اِن مجاز بینوں کو کہہ دو کہ خدا کو 'اللّٰہ' کہہ کر گڑگڑاؤ یا 'رحمٰن' کہکر بلبلا اُٹھو جس نام سے بھی پکارو گے تو اُسکے سب نام اچھے ہی ہیں (مقصود صرف تکیّف دل ہے، باطنی خوف ہے، اسکی جناب میں سچی عاجزی ہے، دل کو ہلا دینے والا خشوع و خضوع ہے، اور پھر اس خشوع و خضوع کے بعد باقی اوقات میں کیفِ اطاعت ہے)۔ اسکے لیئے نام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نام لے لے کر پکارنے سے تمہارے حالِ دل کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ ہاں البتہ اپنی نماز میں اتنا ظاہری ادب ضرور ملحوظ رکھو کہ اسکو چلّا چلّا کر مت پڑھو اور بالکل چپکے ہوکر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ ایک متوسّط طریقہ اختیار کرلو (جانے رہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو، اور وہ کتنا بڑا بادشاہ ہے۔ یہ ظاہری ادب بھی کیفِ دل پیدا کرنیکے لیئے ازبس ضروری ہے۔ اگرچہ خدا سب باتوں سے بے نیاز ہے)۔

نماز کے موجودہ رنگ سے صرف نظر کرکے پھر اگر دوسری مرسوم عبادات کی کُنہ و ماہیت کیطرف نظر دوڑائی جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ انکی غرض و غایت میں بھی مرورِ مدّت کے باعث بے انتہا تصرّف ہوچکا ہے۔ صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب معنًا بدل چکے ہیں۔ تسبیح کا تخیّل مسلمانوں نے قطعًا نصرانیوں اور یہودی راہبوں سے لیا ہے۔ اگرچہ تسبیح ہندوؤں اور بُدھ کے معتقدوں میں بھی مدّت مدید سے جاری ہے۔ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام عمر میں تسبیح کا استعمال کالیّۃً نہیں کیا، اور اگرچہ عبادت خدا کا یہ مضحکہ انگیز ہتیار آپنے ضرور کہیں نہ کہیں دیکھا ہوگا مگر اسکے استعمال کے متعلق آپکے ارشاد کا ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ اُسوۂ حسنہ پر چلنے والے مسلمانوں نے آج زہد و اتقا کا تمام ساز و سامان اسی چار گرہ دھاگے کے اندر دیکھ لیا ہے، اور اس خدائے عظیم کے کپکپا دینے والے اسماء کو اِدھر اُدھر اکر بے نتیجہ اور بے اثر کردینا اس قدر آسان سمجھ لیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو ہاتھ میں رکھکر مسلمان ہونے کی سند حاصل کرلیتا ہے اگرچہ در پردہ وہ قوم کی بیخ کنی کے منصوبے سوچ سوچ کر اُمّت کو تباہی کے کنارے پر لگا رہا ہو۔ مگر یہ نازک موضوع اس قابل نہیں کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسکے مالہٗ وما علیہ پر مدلّل بحث کی جاسکے۔

محوّلہ بالا بحث و تمحیص سے کم ازکم یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت کے معانی احکامِ خدا کی پیہم تعمیل کرنا ہی ہے کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت اسکے صحیح مفہوم کو حتمًا ادا نہیں کرسکتی۔ اور جسطرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسیطرح عبادت بھی وقت سے حتمًا بے نیاز ہے۔ 'الصّلوٰۃ' صرف ایک پنجوقتہ حاضری اور سلام سلام ہے جو ہر وفادار اور حکمبردار، مسلم اور مطیع غلام کے لیئے روزانہ خدمت کے بعد ضروری ہے لیکن بجائے خود عبادت نہیں۔ اسی لیئے قرآن میں بارہا 'صلوٰۃ' کے لفظ کو عبادت سے علیحدہ کردکھایا ہے۔ اور اسی تعبّد کا اقرار نماز میں ہاتھ باندھکر ہوتا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۴) یعنی "اے خدا! ہم تیرے ہی غلام بنیں گے اور تجھ ہی سے مشکلات میں مدد مانگیں گے۔" ورنہ 'نَعْبُدُ' کے معانی "ہم تیری ہی نماز پڑھتے ہیں" لے لینا بے معنی ہے کیونکہ نماز تو اسی کی پڑھی جارہی ہے پھر اسکا اقرار لغو ہے۔ خدا کی 'خدمت' صرف یہی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے احکام عملاً مانے جائیں۔ اس سے زیادہ یا کم کچھ نہیں۔ آگے چلکر اصل کتاب میں بتایا جائیگا کہ یہ فرماں برداری بھی انسان کے اپنے ہی نفع کے لیئے ہے، خدا اس خدمت سے قطعًا بے نیاز ہے۔ گویا یہ خدمت بھی عجب خدمت ہے جو غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے ہے۔

(باقی)

حق ادا کرنے میں کچھ کسر اُٹھا نہ رکھتے (ھُوَ اجْتَبٰکُمْ[۵۱]) تسلیم اُن کا واحد شیوۂ عمل، اور اطاعت اُن کا اہم طریق کار تھا، (ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ[۵۲])، بڑی سے بڑی مصیبت، اور مشکل سے مشکل خدمت اُن کے چہروں پر ملال اور ماتھوں پر بل نہ آنے دیتی (وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ[۵۳])۔ منعم بے مثال کے یہ خوشدل مزدور، اور ملّتِ ابراہیم کے یہ سچے پیرو، اپنی بہتری اور فلاح کی خاطر پسندیدۂ خدا کاموں کیطرف لپک لپک کر پہونچتے اور ایک عالم کو محو و سرشار کر دیتے (وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ[۵۴])؛ خدائے بے نیاز کی جناب میں اُنکے رکوع و سجود کسی غمزدہ اور بے نوا انسان کی نگاہ عاطفت کی پیہم دُعا، اور بے محابا کرم کے سوال بن بن کر ظاہر ہوتے تھے نمازوں اور دعاؤں میں اُنکے قومے اور قعدے ہولِ جاہ اور رعبِ جلال کی مضطربانہ حرکات، اور عجز و بے بسی کے ترحّم انگیز اور اضطراری اعمال بن گئے تھے! بارگاہ خدا میں اُنکا دست بستہ

---

[۵۱] دیکھو (۲۲ : ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ [۵۲] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۵۳] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۵۴] دیکھو (۲۲ : ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۱۲) عبادت کا یہ اصلی اور نتیجہ خیز مفہوم سنسکرت کے مشہور لفظ سیوا (خدمت)، اور انگریزی کی کلیسائی اصطلاح سروس (ملازمت) سے ظاہر ہے گرچہ آج کوئی شخص انکو ان معانی میں نہیں لیتا۔

مذکرہ صدر بحث و تمحیص سے بہرنوع یہ ظاہر ہے کہ ارْکَعُوْا، اور اسْجُدُوْا، اور اعْبُدُوْا، کے الفاظ قرآن حکیم میں اپنے اصلی معانی استعمال ہوئے ہیں، ان سے مقصود خدا کی ملازمت بعینہٖ اُنہی معنوں میں اختیار کرنا ہے جن معنوں میں کسی دنیاوی حاکم کا تعبّد اختیار کیا جاتا ہے، رسمی سلام سلام اور پنجوقتہ نماز اُس ملازمت کا صرف ایک جزو خفیف ہے۔ اس چاکری کا حصہ عظمٰی عمل ہے، اطاعت احکامِ خدا ہے، تسلیم و انقیاد ہے، جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ہے۔ اسکے سوا ختنا کچھ نہیں۔ جو سطحی غلاف عبادت کے صحیح مفہوم پر انسان کی سہل پسندی اور کاہلی و مجبوری کے باعث پڑ گیا ہے خود لوگوں نے ڈالا ہے، قرآن کے محفوظ اور ناقابلِ بدل کلام کو اُس سے کچھ واسطہ نہیں۔ عبادت کے معانی خود کلام کے اندر موجودہ مضمون میں کوئی لُغت انکو ابدالآباد تک بدل نہیں سکتی قرآن میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اسکی اصلی غرض و غایت یہی ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

[۵۳] اگرچہ شارحین قرآن نے عام طور پر اس غور طلب فقرے کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "خدا نے مسلمانوں پر دین کے بارے میں کوئی تنگی روا نہیں رکھی" اور اپنے حسب مطلب معانی پیدا کر کے مسلمانوں کیلئے (اور سب سے پہلے اپنے نفس کیلئے) سعی و عمل سے گریز کرنیکی ایک عمدہ سبیل نکال لی ہو لیکن اگر ذرا تأمل سے کام لیا جائے تو ان الفاظ کے یہ معانی ہرگز نہیں ہوسکتے۔ خود انہی آیات (یعنی (۲۲ : ۷۷-۷۸)) اور انسے جو آگے چلکر پیش کر دیجائینگی ظاہر ہے کہ ایمان کی شرط خدا کی راہ میں سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا ہے۔ یہی بات وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ (۲۲ : ۷۸) سے ظاہر ہے۔ پھر خدا کیونکر کہہ سکتا ہے کہ تمہارے لئے دین اسلام میں ہم نے کوئی ذرا سی تنگی بھی نہیں رکھی حالانکہ ایمان کی شرط وحید یہ ہے کہ اسکی راہ میں جان تک سے دریغ نہ کرو۔ دراصل یہ تمام خطاب اُن اہل عرب کیطرف ہے جو رسول اللہ کے زمانے میں اپنی انتہائی سعی و عمل سے "شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ" بن چکے تھے، اور انہی کارکن لوگوں کی بابت خدا نے فرمایا ہے کہ تم ہی صحیح معنوں میں مُسلم ہو، تم ہی خدا کو درحقیقت خدا تسلیم کرتے ہو، تم ہی ابراہیم کے سچے پیرو ہو، تم ہی میری منتخب اُمت ہو، اور تم ہی خدا کے وہ سچے غلام ہو کہ خدا کا مشکل سے مشکل اور صبر آزما سے صبر آزما حکم تم کو تنگ نہیں کرتا، تم ہی وہ مستقل مزاج اور تکلیف بردار، وہ اولوالعزم اور صابر لوگ ہو کہ خدا کی کوئی خدمت بھی تمہارے ماتھوں پر شکن نہیں پڑنے دیتی! عَلَیْکُمْ پھر اور ان آیات میں جہاں جہاں لفظ کُمْ ہے ان سب پر زور ہے۔ روئے خطاب صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کیطرف ہے یا اُن کیطرف جو اُن جیسے کارکن ہیں۔ اُنہی کے لیے خدا نِعْمَ الْمَوْلٰی اور نِعْمَ النَّصِیْر بھی ہے نہ آجکل کے برائے نام مسلمانوں کا جن کو دردناک سزائیں دے رہا ہے!

قیام کسی نیازمند دل کے طبعی اضطراب کی سکوت افزا دھڑک، اور غرضمند انسان کی بے تابئ دل کی ادب آموز دبک بن بن کر ظاہر ہوتا تھا (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا[۵۱])۔ اُن کا ایمان اُنکے **اعمال** کا صحیح عکس، اور اُن کے سجدے اُنکی **اطاعت** کی صحیح تصویر تھے! خداوندِ عالم کی یہی وہ سچّی عبادت اور وہ ناقابلِ انکار شہادت تھی جسنے ایک اقل قلیل مدت میں اہلِ عرب کو روئے زمین کی اُمّتوں کا مرکز بنا دیا تھا! (۲: ۱۴۳[۵۲])۔ عشق و عمل کے اِسی نقطۂ وحید سے خدائے واحد کی محبّت کے آتش افشاں فوارے، اور نورِ ایمان کے آسمان سیر شعلے پھُوٹ پھُوٹ کر اکناف عالم میں پھیل گئے تھے! یہی وہ برگزیدہ اور منتخب اُمّت تھی جسکے دعوئے محبّت کو آزمانیکے لیے شاہد امتحان طلب[۵۳] نے قوم کے ہر فرد پر **جہاد بالسیف** فرض کرکے مُدعئ ایمان کی جان کو عشقِ خدا کے بیباکانہ جُرم کا خونبہا تجویز کیا تھا، اور پھر وہ اِس نعم المولےٰ اور مُنعم لم یزل کی حیرت انگیز حیلہ جوئی اور حکمت آمیز بہانہ طلبی تھی جو اس سرفروشانہ تہوّر کے انعام میں مومنوں کو ہر موقع پر عطا فرما کر چند برسوں کے اندر ہی اندر روئے زمین کے بڑے سے بڑے حصّے کی بادشاہت بخش دی تھی! (فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ)

به تمنائے تو ترکِ دو جہاں کردو ولی

مہربانئ تو ہم درخورِ آں می بایست

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ (۸: ۷۴)

---

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵ ۵۲ دیکھو صفحہ ۱۰۵۔ ۵۳ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔

۹ "الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" کی شرائط جو اس آیۂ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں نہایت غور طلب ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مقابعد ہجرت اور جہاد اور نصرت باہمی کی شرائط پیش کر دینے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا مُنہ سے اقرار کر لینا محض کچھ شے نہیں جبتک کہ اُس زبانی اقرار کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کے شروع میں یہی تو کید ہے (بلکہ یہی بات آیہ (۲۹: ۱۵) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۱۵ کے متن میں ہے):

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝ (۲۹: ۲-۳)

کیا لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائیگا۔ حالانکہ اُنکو اِس بات کا خوب علم ہے کہ ہم نے اُن لوگوں کی آزمایش بھی ازروئے عمل کی تھی جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ خدا اُن لوگوں کو ضرور معلوم کر کے رہیگا جو اپنے یقین کی بذریعۂ عمل تصدیق کرنے والے ہیں (الَّذِیْنَ صَدَقُوْا) اور اُن کا بھی پول کھول دیگا جو منہ سے بکواس کرتے ہیں اور دل سے جھٹلاتے ہیں (الْكٰذِبِیْنَ)۔ صَدَقُوْا کیلئے دیکھو ص ۱۱۷

اور جن لوگوں نے خدا کو مولا مان کر اسکا آوازہ بلند کرنے کی خاطر ہجرت وطن اختیار کی، اور اُس کی راہ میں دشمنوں سے لڑے، اور جنھوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی، اور حصول مقصد میں اُن کی حتی الامکان مدد کی، تو یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں! ان کے لیے میرے ہاں سے اُنکی تقصیروں اور گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی ہے، اور علاوہ ازیں بالآخر عزت و آبرو کی روزی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (۴۹: ۱۵)

سچے ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے خدا کو فی الحقیقت اپنا آقا سمجھا (اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ)، اور رسول کو صدق دل سے اُسکا بھیجا ہوا پیغام بر جانا، اور پھر اسکے بعد خدا کی آقائی اور رسول کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اس قلبی ایمان کی تائید میں اپنے جان و مال سے خدا کا بول بالا کرنے کی خاطر دشمنوں سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے، اور اپنے ایمان کو سچ کر دکھانے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ (۹: ۲۰-۲۲)

* 'جنّٰت' کا ترجمہ ہم نے باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا ہے۔ یہاں اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں۔ قرآن حکیم میں 'جنّٰت' اور 'الجنّة' دو مختلف اصطلاحیں ہیں جنکا مفہوم بھی لامحالہ مختلف ہونا چاہیئے۔ 'جنّٰت' اور 'الجنّة' میں فرق، اور اوّل الذکر کا قرآنی مفہوم تیسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا۔ اگرچہ 'الجنّة' کی حقیقت پر بحث چھٹی مجلد سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں 'جنّٰت' کا لفظ کئی موقعوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورہ رعد میں ہے: وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ (۱۳: ۴)۔ "اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت"۔ سورہ قٓ میں ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۝ (۵۰: ۹)۔ "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اُسکے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج"۔ سورہ مومنون میں پھر اسی بار مبارک کے بارے میں ہے: فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ (۲۳: ۱۹) یعنی "ہم نے اس پانی کے ذریعے سے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ اگائے"۔ سورہ یٰسٓ میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے: وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ۝ (۳۶: ۳۴)۔ "اور ہم نے اس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کیے اور اس میں پانی کے چشمے بہائے"۔ سورہ انعام میں ہے: وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ (۶: ۱۴۲)۔ "اور وہی قادر مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کیے، جن میں سے بعض کی بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر رینگتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی"۔ اسی سورۃ میں ہے: وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ (۶: ۱۰۰)۔ "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات"۔ ان مثالوں کے علاوہ جن سے 'جنّٰت' کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں جلسے جنّٰت کا

جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے اللہ کی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال و جان سے اسکی لڑائیاں لڑیں، اُن کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے! اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائز المرام ہوں گے۔ انکا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز اُن باغوں (جنّت) اور سر سبز سینوں کی حکومت کی جن میں اُنکو دائمی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہونگی۔ وہ وہیں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بیشک ایسے لوگوں کیلئے خدا کے پاس اجر عظیم ہے۔

الغرض آلہ العالمین کی نگاہ میں ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا، اور دشمن کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہی تھا۔ ترک اقربا، ترک اولاد، ترک خان و مان، ترک وطن، ایثار مال، ایثار نفس، ایثار جان ہی وہ انتہائی پیشکش تھے جو ربّ بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے بطور قیمت مقرر کر دیئے تھے، (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا[ط])۔ انہی کی موجودگی میں محبت خدا

[ط] دیکھو (۸: ۴۷) صفحہ ۱۱۴۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۵) مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعرا میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنیکے متعلق ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ؕ (۲۶: ۵۷-۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، اُن کی عظمت یوں خاک میں ملادی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمتہائے الٰہی کا وارث بنایا" سورۂ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ۙ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۙ (۴۴: ۲۵-۲۸) یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے، اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اُڑایا کرتے تھے۔ ہاں اِن نااہلوں کی سزا یہی ہونی تھی۔ اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا" سورۂ شعرا میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ (۲۶: ۱۴۷-۱۴۸)۔ "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ اِن باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک اور امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے" اسی سورۃ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے: وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۚ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ۙ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ (۲۶: ۱۳۲-۱۳۴) "اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جسنے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی، باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ"

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معانی آخرت کے جنّت کے لیلئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا آنکھوں سے یکسر اُچک لیا ہو مگر مسلمانوں کی نیّت بدل جانیسے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے، وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اُس وقت تھے جس وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا، امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا اُنپر ہرگز کچھ اثر نہیں! اگر یہ بحث جستہ جستہ کتاب کے متن میں آگے چلکر آئے گی۔ آیاتِ زیر بحث (یعنی (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵) میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا کے الفاظ بظاہر جنّت کے ان معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) اور اخروی انعام دنیاوی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہو تو خٰلِدِیْنَ اور اَبَدًا کے الفاظ نہ صرف موافق بلکہ نہایت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہو جانیکا امکان ہے۔

کی وہ عملی تثبیت، یقین ربّ کا وہ عملی ثبوت، اور عبودیّت کی وہ ناقابل انکار تصدیق ہوتی تھی جس سے بڑھکر کم نوا اور فرومایہ انسان کے پاس کوئی تصدیق نہیں، کوئی ثبوت ممکن نہیں: (اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ†)۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو اس حاکم اعلیٰ کی ملازمت میں کر دینا سچّی ارادت، سچے تعبُّد اور سچے ایمان کی قطعی دلیل تھا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (۲: ۱۶۵)[۱] یہی عبادت کا صحیح مفہوم، بلکہ رکوع وسجود کی صحیح منطق تھی۔ خدا کی بندگی یہی تھی کہ کسی کمتر اور کہتر خواجہ کی غلامی نہ ہو، اُسکی محبت کے بالمقابل کسی شئے کو ترجیح نہ ہو، وطن کا غم نہ ہو، اولاد کی عبادت نہ ہو، مال کی غلامی نہ ہو، نفس کا تعبُّد اور جان کی پروا نہو، نمازیں سچّی شانِ اطاعت، اور اعمال میں رنگ سجود کا ظہور ہو۔ یہی شدّتِ محبت اور غلبۂ عشق قرنِ اول کا اصل ایمان تھا، اور یہی ہر دنیاوی حاکم کی عبادت کا صحیح پیش نہاد آج بھی ہے۔ اسی "سبیلِ خدا"، اور ایمان کے صلے میں مغفرت تھی، رزق کریم تھا (۸: ۷۴)، رحمت کی نوید امن اور رضائے ربُّ العرش کی بشارت تھی، جنّت تھے، قائم اور دائم نعمتیں تھیں، اجر عظیم تھا، فوز جلیل تھا، (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ٥)۔ خدائے بے نیاز کی خدائی پر سچا ایمان، اور رضائے احکم الحاکمین کا سچا عشق آجکل کے لفظی اور نظری، سطحی اور ناکارہ ایمان کی غیر نامند کسی بے روح و بے حقیقت "اقرار باللسان" یا کسی بے نتیجہ اور غیر مرئی "تصدیق بالقلب" سے ہی کسطرح رو براہ ہو سکتا تھا، اِس سے عہدہ برآ ہونیکے لیئے سعی و عمل کی مستقل خلش، رنج ومحن کی صبر گسل ابتلا، تکلیف و مصائب کی پیہم برداشت، اور ظلال سیوف کی عمل پرور آزمائش لازم تھی! وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

---

[۱] دیکھو (۴۹: ۱۵) صفحہ ۱۱۵ [۲] اور جن لوگوں نے خدا کو حاکم اعلیٰ مان لیا اُن کی محبت اور ارادت خدا سے بہت شدید ہے۔ اور سب با سوائے یا؟ ہے (گویا ایمان کی شرط یہ ہے کہ سب سے گہرا تعلق خدا سے ہو۔ سب سے زیادہ ملازمت اُسیکی ہو، اُسی کے حکموں کی اطاعت ہو وغیرہ وغیرہ) [۳] دیکھو (۲: ۱۹) صفحہ ۱۱۵

† 'صادق' کا لفظ بالالتزام قرآن کریم میں اُس شخص کے لیئے استعمال ہوا ہے جو اپنے قول و ایمان کو فعل و عمل سے سچ کر دکھائے۔ آجکل 'صادق' کے معانی میں کچھ تحریف واقع ہو چکی ہے، اور معمولی سچ بولنے والے کو بھی صادق ہی کہتے ہیں۔ 'صدیق' مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کو لامحالہ اسی بنا پر ملا تھا کہ وہ اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھاتے تھے۔ 'صدقۃ' کی اصطلاح کا قربانی مال کے معنوں میں ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ مال کا ایثار معطی کے معاون اور مؤید ہونے کی تصدیق ہے۔ 'مصدّق' بمعنی 'صادق' بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ 'صادق' یا 'مصدّق' کی ضد 'کاذب' یا 'مکذّب' ہے۔ جس کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کے تحت المتن میں آیہ (۲۹: ۳) کے اندر آچکا ہے اور وقتاً فوقتاً آگے چل کر آئے گا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کے معانی صفحہ ۱۱۵ پر ہم نے اسی بنا پر کیئے ہیں۔

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ† وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝ (۴۷ : ۳۱)[۵۱] "رب زمین و آسمان کی عبادت" کا ادّعا کسی رسمی اور دو رکعتی نماز یا پنجوقت رکوع و سجود کی مقابلۃً آسان، بے اثر اور بے ضرر مشق کر لینے سے ہی کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا تھا اسکی صادقانہ تکمیل کے لیئے ہر آن اور ہر وقت اطاعت کا رنگ لازمی تھا تسلیم کے اعمال، اور تعبّد کی شان چاہیئے تھی؛ ماسوا کا جحود لابدی تھا، نفس پر کامل تحکّم اور غیر پر کامل قدرت ناگزیر تھی۔ گویا سب کا انکار اور ایک کا اقرار؛ سب سے سرکشی اور ایک کی ماتحتی ضروری تھی! عالم آرائے کون و مکان اور وجہ طراز زمین و آسمان کی عبودیت وہ بے ریا محبت اور وہ بے لاگ خدمت تھی جسمیں غیر سے تعلق اور ماسوا کی اطاعت کو حتماً دخل نہ تھا۔ اسی عالم آرا اصول پر تکوین عالم کی اساس قائم تھی، اسی پر کون و فساد کا سب انحصار تھا، اسی پر چل کر رزق کریم تھا؛ اسی سے ہٹ کر عذاب الیم تھا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝‡ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ (۵۱ : ۵۶ – ۵۷)[۵۲]۔ اس تمام ہنگامۂ کائنات کی وجہ بنا یہی تھی کہ زمین و آسمان کی سب کہ وہ مخلوق؛

---

[۵۱] اور اے مسلمانو! ہم تمہارے ایمان کو ضرور آزماکر رہیں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جو لوگ ہماری حمایت میں دشمنوں سے لڑنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم اچھی طرح معلوم کرلیں اور تاکہ تمہاری اصلی اور اندرونی حالت کو جانچ لیں۔ [۵۲] اور اے لوگو! ہم نے اس کائنات فطرت کے جنّ و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر، اور ہمارے ہی حکمبردار بنے رہیں۔ ہم اُنسے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اسکے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔

† یہاں عیاں ہے کہ "صبر" کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھنے کے نہیں جیسا کہ عافیت پسند اُمّت نے لے لیئے ہیں، بلکہ مصائب اور حوادث کا استقلال اور عزم سے مقابلہ کر کے اُنپر فتح پانا ہے۔

‡ یہاں ظاہر ہے کہ "عبادت" کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لیئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اسکی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں۔ بلکہ مقصود تعمیل احکام ہی ہے۔ یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے، اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جیسا آگے چلکر ثابت ہوگا، انسان سے تعمیل احکام کی آرزو رکھنا کچھ خواہش اختیار کے باعث نہیں، بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کیلئے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آیۂ "وَمَا خَلَقْتُ" سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جنّ و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس جبلّت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں۔" یعنی انکی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھدی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بدون انکی اس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب جب وہ اطاعت سے منحرف ہونگے سزا انکو لامحالہ ملکر رہیگی۔ اور تکوین عالم کا اصل اصول ہی ملازمت قانون خدا (یعنی عبادت) ہے۔ یہ اصول ہر صاحب نظر کیلئے اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکو اور عیاں کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جسوقت انسان قانون خدا کی متابعت یا مخالفت کی، اُسیوقت یا بدیر وزود اسکو اُسکا نفع یا نقصان ملجاتا ہے حتی کہ ایک رات ضرورت سے کم نیند کرنیکا مزا اسکو اگلے دن ہی دردِ سر یا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔

اس حقیقت کشا آیت (۵۱ : ۵۶) کی مکمل تشریح و تصدیق آئندہ مجلّدات میں ہوگی جبکہ قانون خدا اور آئین فطرت کو عیاں کر دیا جائیگا، اور جب ہر ساکن زمین کو اس قانون سے مفر اور اس "عبادت" سے گریز کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے گی۔ یہاں پر مقصود صرف "عبادت" کے معانی کی توضیح ہے۔

(باقی)

سب جنّ و انس اُس شارعِ کائنات ہی کے تابع فرمان ہو کر رہے، اُسی کے حلقۂ عبودیّت میں داخل ہو، اُسی
کے سکھائے یا بتائے ہوئے قانون پر چلے، گویا اُسی کی 'عبادت' میں لگی رہے۔ وہ خدائے عظیم و جلیل انسان
کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے فعل کو ہر آن اپنی ہی مرضی، اور اپنے ہی قانون کے مطابق
دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسکی غیور ذات رحم و مغفرت کی ناپیدا کنار وسعت کے باوجود، انسان کی ہر صغیرہ و کبیرہ خطا
کو معاف کر سکتی تھی مگر اپنی اطاعت، اپنی محبّت، اور اپنی عبادت میں شرکتِ غیر کو قطعاً ناقابلِ عفو جرم
قرار دیتی تھی: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
بَعِيدًا (۴: ۱۱۶) صاحبِ ایمان بشر کے ہاں سے یہ دلبرِ امتحان پسند فرہاد کی سی تمکینِ قلب کا خواہشمند، اور

---

۵ بیشک اللہ اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کر سکتا کہ اُسکے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریکِ طاعت اور شریکِ محبت کیا جائے۔ اسکے ماسوا جو تقصیریں انسان کرے اُنکو اگر مناسب سمجھے تو نظر انداز کر سکتا ہے، اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیر اللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کے راستے سے بہت دور بھٹک گیا۔ (یَشَاۗءُ کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کیئے ہیں۔ اسکا ثبوت تیسری مجلد میں فلسفۂ عمل کے عنوان میں آئے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اِس آیۂ شریفہ میں 'جنّ' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ 'جنّ' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں ہو سکتی، اسکے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر 'خلقتُ' کے لفظ سے اسقدر ضرور ثابت ہے کہ 'جنّ' خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور ان سے قانونِ فطرت کی تعمیل کا متوقع خدا اسیقدر ہے جسقدر انسانوں سے ہے۔ مزید غور کرنیوالے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ 'جنّ' بھی 'اِنس' کی طرح ایک سرکش خدا مخلوق ہے جس کی بغاوت کو دُور کرنے کیلئے خدا نے 'عبادت' کا تریاق تجویز کیا ہے۔

۶ 'غفر' کے معانی دراصل پردہ پوشی کر دینے کے ہیں۔ اسی سے 'مغفار' بمعنی زرہ کے ہے۔ لوگوں نے مجازاً 'بخشش' کے لے لیئے ہیں اور فرض کر لیا ہے کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہو گی۔ اِس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور علیٰ ہذا القیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اُسیدن ہو گی۔ مگر اِس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ 'یغفر' کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔ اسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا، یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یومِ آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جب گناہ اسقدر ناقابلِ معافی ہے تو سزا میں کیوں اتنی ڈھیل دے دیجائے کہ لاکھوں برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ مخواہ شرک کرنے پر جرأت ہو! دراصل یہ تمام ناروا اور بے سند تاویل 'شرک' کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اور جب آج مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصطلاحی 'مشرکوں' کو اِس دنیا میں سزا کی بجائے پے درپے انعام مل رہے ہیں تو اُنکے لیئے روزِ قیامت کے متعلق یہ دل خوش کن داستان گھڑ لینا بھی ازبس ضروری ہو چکا ہے گویا اُنکے نزدیک خدا کی حکومت (العیاذ باللہ) اس دنیا پر قائم نہیں ہے اور وہ اگرچہ 'مشرکین' سے بیحد ناراض ہے مگر اُنکو سزا دینا اسکے بس کی بات نہیں ہے۔ اگلی مجلدات میں رفتہ رفتہ ہم اِس تخیّل کو غلط ثابت کر دینگے، اور بتائینگے کہ مشرک کو کیونکر سزا اِس دنیا میں ہی ملتی ہے۔ وہ خدائے عظیم کسقدر سریع الحساب اور شدید العقاب ہے۔ اور شرک کا بدلہ کس بیدردی، کس بے نیازی، کس شدّت اور سرعت سے لے لیتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیا کے عذاب سے کہیں بڑھکر ہے: وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ (۱۳: ۳۴)۔

'شرک' کی تعریف از روئے قرآن بے حد جامع و مانع ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے۔ یہاں پر اسکی صرف ایک شق کی سرسری تصریح کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ کسی شئے کو محبت اور اطاعت میں خدا کے ہم پلہ اور برابر نہ کر دیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کو غور کرنا چاہیئے کہ آیۂ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (۲: ۱۶۵)

---

۷ اور آخرت کی سزا تو دنیاوی سزا سے سخت تر ہے۔ ۸ ترجمے کے لیئے دیکھو صفحہ ۱۱۷۔

بیستون کی جوئے شیر کے سے تاب گسل اور صبر پاش اعمال کا اُمیدوار تھا! اُسکی نظروں میں ایمان وہ کیفیت قلب تھی جسکا اٹل نتیجہ سعی و عمل تھا! وہ ہجرت اور جہاد کی آڑ میں ایمان کے دعویداروں سے نقد جان کا طالب تھا! اور انہی سرفروشانِ حکم آلہ کو عشق خدا کے سچے "شہید"، رب العزّۃ کی حکومت کے سچے گواہ، اور رزق کریم کے قطعی اہل قرار دیتا تھا۔

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ‌ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ† وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ‏ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ○ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ○ وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ○ (۳: ۱۳۹-۱۴۲)

اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہو تو اس سے پہلے فریق مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدر مناسب کبھی ادھر اور کبھی اُدھر پھیرتے ہی رہتے ہیں، اور یہ اسواسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہے، اور نیز اسلیئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچّے گواہوں کو منتخب کرے ورنہ وہ کچے ایمان والوں کو تو محبّت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریق عمل سے ایمان والوں کو اپنے متعلق شک و شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہے، اور پھر اپنے اصلی محب پیدا کر کے منکرین کے زور کو توڑ دینا، اور تمہاری جماعت میں سے شائبۂ شک کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ (خدا کو مُنہ سے خدا کہکر) جنّت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے اُن لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اسکی حمایت میں ثابت قدم ہو کر لڑنیوالے، اور مصیبتوں کو برداشت کرنیوالے ہیں۔ اور تم تو موت کے آنیسے پہلے ہی (میری محبّت کے جوش میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۹) کی تعریف ایمان کو پیش نظر رکھکر وہ ہر روز کسقدر اس شرک کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی بخشش کی قطعاً کوئی اُمید نہیں! سورۂ نساء میں بھی اسی قطع کی ایک آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰ لِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَـرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ○ (۴: ۴۸)

لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے عظیم اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کرتا کہ اُسکے برابر کسی دوسری شے کی اطاعت کی جائے یا اس سے محبّت رکھی جائے۔ ہاں اسکے سوا اگر کوئی اور گناہ ہو تو جسکو مناسب سمجھے معاف کر سکتا ہے۔ اور لوگو! جس شخص نے خدا کیساتھ ماسوا کو برابر کر دیا تو اُسنے اپنے پلّے ایک گناہ عظیم باندھ لیا!

† "تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ" کے خدائی الفاظ آج قوم کی مرثیہ خوانی کی مجالس اور مسلمانوں کی عام گفتگو کے ضمن میں اس بیدردی، سطحیت اور

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۰) مکرسے استعمال ہوتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرے الفاظ نہ ہوتے ہونگے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی، اپنی کاہلی، اپنی مجبوری، اپنے ناکارہ پن کو معلم الملکوت کی آستین میں چھپا کر قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علیحدہ کیئے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اور اپنی نامرادی اپنی شکست و ریخت، اپنی موت پسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد رب زمین و آسمان کے غیظ و غضب سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ حالانکہ ان آیات الٰہی (یعنی (۳: ۱۳۹-۱۴۲)) کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مداولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ خدائے بے نیاز صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے لاگ و رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اُسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جا بجا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (۱۰: ۴۴) کا مضمون اس امر کی تائید میں ہے۔ یعنی "خدا ساکنان زمین پر کسی حالت میں قطعاً ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں"۔

ان آیات الٰہی سے پہلے کی آیت ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۳: ۱۳۸)۔ جس سے ظاہر ہے کہ ایمان والی وہی قوم ہے جو 'اَعْلَوْنَ' بنکر رہے۔ جنگ اُحد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے مسلمان بھلے چنگے خاصی تعداد میں تھے، دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ نسبتاً غزوۂ بدر میں تھی۔ اُس غزوے میں باوجودیکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی، لیکن اُحد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جسکو خود رسولؐ خدا نے ایک مقام پر معین کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، مال غنیمت کے لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہل مکہ اُسی مورچے پر پل پڑے، اور دفعتاً لشکر میں بھاگڑ مچ گئی۔ پیغمبرؐ خدا چند رفیقوں کے ساتھ تن تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ فرق مبارک پر چوٹ آئی، دانت ٹوٹ گیا، سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔ خدائے عظیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی مٹھی بھر مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ تم بددل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چوم لے گی۔ اور ہماری ذرہ پروری اور بے نیازی تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جسقدر سعی و عمل کرتی ہے اُتنا ہی اجر ہم سے لامحالہ لیتی ہے۔ کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اور اسی لیئے اگر آج فتح اس قوم کے شامل حال ہے تو کل دوسرے کی قدمبوسی کر رہی ہے: (وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ)۔ ہمارا مقصود اس جنگ اُحد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا، صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کن کا ایمان ناقص ہے، کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں، کون ہمارے حاکم اعلےٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے، ہم کو آخری وقت تک آقا مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے: (وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ)۔ اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں: (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○)۔ خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے (وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھائے، اُنکو بالآخر نیست و نابود کر دے (وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ)۔ اگلی عبارت بالکل صاف ہے: اَلْجَنَّة اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں (جٰهَدُوْا مِنْكُمْ) اور استقلال والوں (الصّٰبِرِيْنَ) کو ہی ملتا ہے۔ تم تو اس جنگ اُحد سے پہلے موت کی منتیں مانا کرتے تھے، شیخی میں آکر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی 'عبادت' میں جان تک دینے کیلئے تیار ہیں تو اُحد کے دن کیا موت آگئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اُس سے جی چُرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیات الٰہی میں ضمناً **ایمان** کی تشریح ہو گئی کہ اسکا اٹل نتیجہ فتح قوم ہے۔ **شہداء** کے معنی معلوم ہو گئے۔ **ظالمین** کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ ظالم ہیں۔ اور اسی لیئے ہلاکت اور شکست کے اہل (صفحہ ۸۱، آیات (۳: ۷۰، ۵۹، ۷۶) 'کفر' کی ایک حد تک وضاحت ہو گئی کہ میدان جنگ میں

ﷺ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۲

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ[†] ۝ (۳ : ۱۹۴)

پھر پروردگار عالم نے انکی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مرد ہو یا عورت ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو تو جن لوگوں نے ہماری خاطر ہجرت وطن کی، اور ہماری ہی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور دشمنوں سے لڑے، اور مارے گئے، ہم انکی سب اجتماعی بدحالیوں، خانہ بربادیوں، اور واماندگیوں (سَيِّاٰتِهِمْ) کو انسے دور کر دینگے، اور انکو ایسے عمدہ باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ یہ اللہ کے ہاں سے انکے اعمال کا بدلہ ہوگا اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

آہ! لیکن اس مالک الملک اور پروردگار عالم خدا کو، جسکی طاقت اور حکومت، جسکی عزت اور عظمت صحیفۂ فطرت کے ہر ذرے میں نمایاں ہے، جس کی بے نیازی کی شان صفحۂ عالم پر ر وزِ روشن کی طرح ثبت ہے، ایک ذلیل، بے حیثیت، اور ہیچمیرز انسان کی پیہم عبادت، سچی محبت اور لاشریک طاعت کی کیا حاجت تھی؟ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[۵۱] (۵۹ : ۲۲-۲۴)، وہ جانوں کا خالق، دنیا کے امن و آسایش کا کفیل (الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ) موجد اور مصور خدا جسکی تسبیح و تقدیس میں اُس کے

---

[۵۱] وہ اللہ ایسا پاک ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی آقا ہونے کے لائق نہیں۔ بادشاہِ جہان ہے، پاک ہے، تمام عیوب سے مبرا ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، زبردست اور بڑا دباؤ والا ہے، صاحب عظمت ہے۔ جس جس کو یہ لوگ اُس کی عظمت میں شریک کرتے ہیں وہ ان سب سے بالاتر ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق، بلکہ موجد اور مصور ہے، اُسکے بڑے بڑے اوصاف ہیں (الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى)۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اُسکے احکام کی تعمیل میں سرنگوں ہے (يُسَبِّحُ)، اور وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۱) خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا 'کفر' اور انکار خدا ہے۔ 'صَبْر' کے مطالب صاف ہو گئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے 'جِهَاد' کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسیف ہی ہے۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر زور دینے کے لیتے ہیں اُن کے لیئے یہ آیات ازبس عبرت انگیز ہیں۔ اور بالآخر یہ کہ 'تمنائے موت' کے معنی سمجھ میں آگئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنیکے ہیں کہ یہی سب سے بڑی عبادت کسی آقائے نامدار کی ہو سکتی ہے۔ یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام، جاگیریں اور زمینیں تقسیم کر دیتا ہے۔ 'تمنائے موت' کا ذکر تیسری مجلد میں عنقریب آئیگا۔

[†] اس آیہ کریمہ میں "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں 'مصیبت' کے عنوان میں آئے گی۔

اپنے قول کے مطابق آسمان و زمین ہر وقت مصروف رہتے ہیں، اس ذرۂ مقدار انسان سے اپنی محبت کے ولولے میں، تحمل آلام، نقص امن، اور خرج مال و جان کا کیوں طالب تھا؟ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ † الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ‡ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۲: ۱۵۵-۱۵۷)

سلہ اور ایمان والو! اسمیں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بِشَيْءٍ) دشمن کا خوف دلا دلاکر، میدان جنگ میں بھوکوں مار مارکر، مال اور جانوں میں کمی کرکرکے پیداوار کا قحط ڈالکر (الثَّمَرَاتِ) نتائج کو خلاف امید کرکرکے (نَقْصٍ مِّنَ ..... الثَّمَرَاتِ) آزما کر رہیں گے اور تمہارے ایمان کی قدر و قیمت اور سعی و عمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوئے تو تم بھی ان آزمایشوں میں پورے اُتر کر رہوگے اور اپنے سعی و عمل کو ہرگز کم نہ ہونے دوگے۔ اور اے محمدؐ! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی ہے تو معًا بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں۔ (إِنَّا لِلَّهِ)، اسی کے بتائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اُسی کی طرف اپنا تمامتر رجوع کردینگے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اور اپنے سعی و عمل سے خدا کو پھر خوش کرلیں گے (یہ مصیبت جو ہمیں پونہچی ہے لامحالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ دیکھو قرآن کریم وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)) اور سعی و عمل کو دوبالا کردینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں، تحسین و آفرین کے نعرے (صَلَوَاتٌ) ہیں، رحمت اور عنایت ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنیکے متعلق صحیح راہ عمل مل چکی ہے (وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ)۔

---

† یہاں الصَّابِرِينَ کا لفظ پھر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اسکے دور کرنے کے لیے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی بربادی کا تماشہ کرتے اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے کبھی کبھار آہیں نکالکر یا عورتوں کی طرح آنسو بہاکر اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ صابر ہیں!

‡ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے الفاظ مسلمانانِ جہان جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور نافہمی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا ادنیٰ سی ادنیٰ خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں، اور اس محض زبانی عبادت کے صلے میں اپنے آپ کو رحمتِ خدا کا مستقل حقدار گنتے ہیں، اُس سے کم ازکم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا صحیح علم کسقدر جلد رسم و رواج کی لکیر میں پڑکر بے اثر ہوگیا تھا، اور آیاتِ خدا کے مطالب یقینیات کے بلند مرتبے سے گرکر ظن و اعتقاد کی ادنےٰ سطح پر کس سرعت سے پونہچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے ان آیات (یعنی (۲: ۱۵۵-۱۵۷)) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کردیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان میں نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مرجائے تو إِنَّا لِلَّهِ کے الفاظ مُنہ سے بڑبڑاؤ، پھر جب کہہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صَلَوَاتٌ" اُتریں گی، رحمتِ رب نازل ہوگی، اور تم ان الفاظ کے دہراتے ہی "مُهْتَدُونَ" یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤگے (۲: ۱۵۷)۔ یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے۔ کوئی ذہن سلیم اسکو ایک لمحے کے لیے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے۔ جسکی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہے جو ان آیات میں برابر چلا جارہا ہے۔ "مُصِيبَةٌ" جس کا ذکر آیہ (۲: ۱۵۶) میں ہوا ہے لامحالہ وہ خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ اُمت پر ہر آن حاوی رہتا ہے (بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ)، وہ فقر و افلاس ہے جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا (وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ)، وہ قلت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت، اُبہت اور ہجوم کے بالمقابل عجز و بیچارگی پیدا کردیتی ہے (وَالْأَنفُسِ)، وہ قہر خدا ہی جس سے

وہ کیوں ہجرتِ وطن اور قتال بالسیف کو ہی ایمان کا صحیح معیار قرار دے کر مہاجرین و انصار کو سچے مومنوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا ق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۳) اُنھیں قحط اور وبا، فاقوں اور بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں، جس کے باعث دنیاوی انعام سب اُچک لیے جاتے ہیں (وَالثَّمَرَاتِ)، دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے، اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گویا یہاں پر بعینہٖ اُس قطع کی مصیبت کے امتحان و ابتلا کا ذکر ہے جو 'اَعْلَوْنَ' نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہو جاتی ہے اور جس کا مصداق آج تمام عالمِ اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلتِ تعداد اور ضعفِ قوت، اس خوفِ عدو اور بیمِ موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیّبات رزق سے متمتع ہونا ہی نصرتِ الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (۸: ۲۶)

او مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی بنایا، اور دشمن پر فتح دیکر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیے کہ تم قوت اور امن، نعمائے الٰہی اور تائیدِ خدا کی دل سے قدر کرو، اور اُسکے قوت انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)۔ (شکر کے اِن معانی کی تصریح کے لیے دیکھو صفحہ ۱۴۸)

یہ آیت مسئلہ ارتقا کی بحث کے ضمن میں صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیاتِ اِنَّا لِلّٰہِ (یعنی (۲: ۱۵۵—۱۵۷)) میں 'خوف' یہی يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کا خوف ہے، اور 'نَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ' یہی 'قَلِيلٌ' اور 'مستضعف فی الارض' ہونا ہے، اور یہی وہ مصائب کبریٰ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مرجانا 'نَقْصٍ مِنَ ....الْأَنْفُسِ' نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں تعجب ہے کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر 'اِنَّا لِلّٰہِ' کا غیر متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصانِ مال کے موقع پر رواجاً نہیں بولا جاتا! یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ اخلافِ مسلمین نے کلمۂ استرجاع کو قطعاً غلط سمجھا ہے اور اسکے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کر دیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت وہ 'مُصِيبَةٌ' ہے جس پر اِنَّا لِلّٰہِ کہنے کی ضرورت یا اجازت ازروئے قرآن ثابت ہے۔ 'مُصِيبَةٌ' کا لفظ کلامِ الٰہی کے اندر بالالتزام اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس جدول میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر شخص کا مرنا ازروئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وبا کا پھیل جانا یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہو جانا 'مُصِيبَةٌ' میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ اس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ 'مُصِيبَةٌ' کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:-

سورۂ آلِ عمران میں غزوۂ اُحد کے متعلق ہے:

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ (۳: ۱۶۴—۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگِ اُحد میں شکست کی مصیبت آپڑی' حالانکہ تم ہی جنگِ بدر میں دشمنوں پر اس سے دُگنی مصیبت ڈال چکے تھے، تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کیے سے آئی، اپنی نامردی اور بزدلی سے آئی، اور خدا تو اسقدر باحوصلہ اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کے کسی گروہ پر بے جا رعایت نہیں کرتا (اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ

لہ مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۴—۱۱۵۔

نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸: ۷۴)؛ وہ کیا سمجھکر اور کیا مدنظر رکھکر اپنی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو زندہ اور بقید حیات کہا کرتا تھا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۴) شَيْءٍ قَدِيْرٌ) اور اسپر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھکر تمہیں شکست دے۔ اور یاد رکھو کہ جس دن مقام احد میں دونوں فریق بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پونہچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا اور غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کرلے اور ظاہری مسلمان بننے والوں، لیکن دل میں نفاق رکھنے والوں کو الگ پہچان لے۔

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مُصِيْبَةٌ وہ شئے ہے جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہے۔ سورہ نسا میں ہے: فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ (۴: ۶۲)، یعنی "تو پھر ان منافقوں کی کیا ہی بُری حالت ہوگی جب ان ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے انپر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو"۔ اسی سورہ میں انہی منافقین کے متعلق ہے: وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ (۴: ۷۲)، یعنی "مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے ہٹے رہیں گے، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آپڑتی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ خدا نے مجھپر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا"۔ یہانپر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہے۔ سورہ توبہ میں پھر انہی مسلمان نما منافقوں کے ذکر میں ہے: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۹: ۵۰)، یعنی "اے محمد! اگر تم کو جنگ میں فائدہ پونہچتا ہے یا غلبہ حاصل ہو رہتا ہے تو ان لوگوں کو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آ نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا، اور تمہارے پاس سے اُٹھکر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں"۔ یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہے، انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورہ قصص میں پھر مصیبت کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۲۸: ۴۷)، یعنی "اور یہ اتمام حجت اس لیے ہے کہ مبادا ان پر انکے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو......"۔ سورہ شوریٰ میں مصیبت کے مفہوم کو یہ کہکر قطعاً عیاں کر دیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ انکے اپنے ہی کرتوت سے ہے اگرچہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (۴۲: ۳۰)۔ سورہ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہکر اور بھی واضح کر دیا ہے کہ دنیا کی سب مصیبتیں نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ (۵۷: ۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں، یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تمپر آتی ہیں، سب کی سب پیشتر اسکے کہ ہم انکو پیدا کریں ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے) (جس کے اندر اس مصیبت کے مالہٗ اور ما علیہ پر پوری بحث ہوتی ہے، اسکے سب وجوہ کامل طور پہ بیان ہوتے ہیں، واقعات اور حالات سلسلہ وار قلمبند ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور و خوض کے بعد اس مصیبت کے اجرا کا فیصلہ کیا جاتا ہے (اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا)، اور لوگو! اس بادشاہ کون و مکان کی حکومت اس قدر منظم، اس قدر قوی، اس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لیئے بیحد آسان ہیں۔ اور اے ناعاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا و سزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لیئے مدنظر رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شئے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اسکو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو، اور ناحق خدائی فیصلوں کو اٹا سٹا استبدادی اور بے اصولے سمجھکر اپنی قسمت پر پشیمان نہ ہوتے پھرو (تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ)، یا جو انعام تمکو دیا گیا ہے اُسکو بلا سبب اور بے وجہ سمجھکر اکڑتے اکڑتے پھرو اور سعی و عمل سے غافل ہو جاؤ، اور جانے رہو کہ خدا اترانے والے کا مچور اور شیخی باز نکمے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (خدا کے سعی و عمل کے پسند کرنیکے متعلق اب تک اس کتاب میں اتنی شہادتیں مل چکی ہیں کہ ان آیات الٰہی کا اسکے سوا کوئی اور مفہوم ہو نہیں سکتا)۔ (باقی)

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (۲: ۱۵۴)، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○

(۳: ۱۶۸)؛ وہ کس حکمت عملی کی بنا پر انکو مغفرت عامہ کے بے تحاشا انعام، اور جنّت کی دلفریب نہروں کے

۱ اور لوگو! جو شخص خدا کی راہ میں اور اُسکا اعلا کرتے کرتے قتل ہو گیا، اُسکو مرا ہُوا نہ کہو، وہ فی الحقیقت زندہ ہے، وہ ابدالآباد تک اپنا نام چھوڑ گیا، اپنے کارنامے چھوڑ گیا، وہ ہر وقت دوسروں کو شجاعت کی ترغیب دے رہا ہے، حوصلے بڑھا رہا ہے۔ لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے۔

۲ اور لوگو! جو شخص راہ خدا میں قتل کیئے گئے اُن کو مُردہ شمار نہ کرو، وہ تو فی الحقیقت زندہ ہیں اور خدا کے پاس بیٹھے ہوئے اُسکی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۵) ان آیات سے ظاہر ہے کہ مصیبت یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو اُن کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اسمیں شامل نہیں اور نہ کسی عزیز کی موت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ قوموں کی پشتینی غفلتیں اور کامچوریاں ایک اقل قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں، پھر جب انکی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہو جاتا ہے جیساکہ سورۂ تغابن میں ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (۶۴: ۱۱) اور جہیں کافروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) 'مصیبت' کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اُسکی تصریح کر کے متذکرہ صدر کُلیے کو برقرار رکھا ہے: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ (۵: ۱۰۶)، یعنی "اگر سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں"۔

الغرض 'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ اصل کتاب کی آیاتِ زیر بحث میں خدائے عظیم نے اس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تم پر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو، یا غریب اور نادار ہو جاؤ، یا کوئی عزیز مسلمان مرجائے، یا تمہاری تجارت کا جہاز ڈوب جائے تو فوراً "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کا طلسمی منتر دُہراؤ، بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اسمیں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت، فقر و افلاس، بیچارگی، اور شکست و ریخت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے، لیکن اگر تم سچے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں، اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہکر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کروگے، اور اپنے سر پر سے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہو گے۔ اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پہ سوار دیکھکر قانون خدا کیطرف از سرِ نو رجوع کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہے اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنیکے لیئے آئے دن بعینہ اسی قطع کا 'رجوع' اختیار کرتا ہے، وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کر دیتا ہے، اُسکے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہو کر اُسکی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ نہ یہ کہ زبان سے کوئی فسون دُہراتا پھرے، اور آقا اُس کی خوش الحانی پر فریفتہ ہو کر اُس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے! 'قَالَ' کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض مُنہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ سورۂ حٰم السجدہ میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ .... (۴۱: ۳۰) یعنی "جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہہ دیا، پھر استقامت سے اس قول پر جمے رہے اُنپر فرشتے اُترتے ہیں"۔ یہاں محض مُنہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے از روئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا، اُن کا ذکر ہے۔

تشریح سَیِّئَۃ و حَسَنَۃ

'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے معانی آج قریب قریب مسخ ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اُسکے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن بذاتِ خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اسی نقطۂ نظر سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب

دائمی وعدے دے دیا کرتا تھا؟ وہ کیوں اپنی سُرمہ گیں آنکھ کی الفت سے بھری ہوئی نظر میں اُن غازیانِ ملت، اور فدائیانِ دین پر ہی ڈالتا تھا جو اسکی راہِ محبت میں دیوارِ آہن کی طرح ثابت قدم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۶) مُصِیبَة "یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے سَیِّئَةٌ ہے اور جس کی ضد حَسَنَةٌ ہے۔ یہاں اِس تقریب پر اِن اہم اصطلاحات کی توضیح بھی کر دیجاتی ہے اگرچہ اسکی ضرورت آگے چل کر واضح ہو گی سالف سورہ نساء میں ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)، یعنی "اے لوگو! جو بھلائی تم کو اِس دنیا میں پونہچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے، اور جو سزا تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے"۔ علی ہذا القیاس سورہ شوریٰ میں ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۳۰: ۳۶، ۴۲: ۴۸) یعنی "اگر ان کو انکے اپنے کرتوت سے کوئی بُرائی پونہچے"۔ جس سے مقصود افراد اُمت کی غفلت کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورہ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا (۷: ۹۵) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہانتک کہ وہ لوگ اسکے زعم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں"۔ اسی سورہ میں آگے چلکر ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ (۷: ۱۳۰) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لیئے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب اُنپر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پروانہ ہمارے ہی نیک اعمال کیوجہ سے ہے، اور اگر اُنپر کوئی مجموعی آفت آتی تو موسیٰ اور اُسکے ساتھیوں کے بدافعال کا نتیجہ گردان کر اُن کے سر تھوپتے"۔ یہاں نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کے متذکرہ صدر معانی (صفحہ ۱۴۴۔ تحت المتن) کی تائید بھی ہو گئی اور سَيِّئَةٌ کے مطالب بھی صاف ہو گئے۔ سورہ رعد میں ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ (۱۳: ۶) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے وہ وہ دردناک عذاب آئے ہیں کہ اُن کی کہاوتیں چلی آتی ہیں"۔ علی ہذا القیاس سورہ نمل میں حضرت صالح کا قول ہے: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۲۷: ۴۶) یعنی حضرت نے کہا کہ اے قوم! تم کیوں خوشحالی اور امن (الْحَسَنَةِ) کو چھوڑ کر ذِلّ و مسکنت کے عذاب (السَّيِّئَةِ) کے لیئے جلدی مچا رہے ہو، تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (تَسْتَغْفِرُوْنَ) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہو جاؤ"۔ یہاں بھی سَيِّئَةٌ سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعۃً یا رفتہ رفتہ نازل ہو جاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ (۳: ۱۱۹) یعنی "مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پونہچتا ہے تو انکو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہو جاتے ہیں"۔ یہاں سَيِّئَةٌ کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۷: ۱۶۸) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو بالآخر گروہوں میں تقسیم کر کے سطح زمین پر پھیلا دیا، اِن میں سے بعض اُمتیں صالح بنی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں) اور بعض بہت جلد غیر صالح ہو گئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کر دی گئیں) اور ہم نے اِن غیر صالح اُمتوں کی آزمایش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الْحَسَنٰتِ) اور قسم قسم کی جماعتی بدحالیوں (السَّيِّاٰتِ) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی لِم کو سمجھکر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پا کر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)"۔ گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لیئے راہ راست پر آجاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے، اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو اُن کو بدحال کر دیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی اُنکے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورہ زمر میں سَيِّاٰت کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے: فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ

رہ کر لڑا کرتے تھے : اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۶۱ : ۴)؛ نہیں ! وہ زمین و

آسمان کے خزانوں اور ملاء اعلیٰ کے گنجینوں کا مالک خدا، جس کے قبضے میں کائنات عالم کی مقالید

لے بیشک خدا انہی لوگوں کو پیار کرتا ہے جو اسکی حمایت اور محبت میں صف باندھکر لڑتے ہیں اور ایسے جمے رہتے ہیں کہ گویا ایک دیوار ہیں جسمیں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۷) ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَیُصِیْبُھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا، وَمَا ھُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ٥ (۳۹ : ۵۱)' یعنی "تو اُن لوگوں کو اُن کی بداعمالی کے بُرے نتائج اجتماعی بدحالیوں (السَّیِّاٰتُ) کی صورت میں پونہچے، اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ حدود سے تجاوز کر رہے ہیں (ظَلَمُوْا) اُن کو بھی اُن کے اعمال کے بُرے نتائج قومی زبون حالی کی صورت میں عنقریب پونہچنے والے ہیں، اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں" اِس موقع سے ذرا پہلے سَیِّاٰتُ کو پھر اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے : وَبَدَا لَھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ٥ (۳۹ : ۴۸)' یعنی "پھر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے بُرے نتیجے اجتماعی شکست وریخت (سَیِّاٰتُ) کی صورت میں ظاہر ہو گئے، اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی مخول سمجھ رہے تھے اُن پر آ نازل ہوئی" یہاں بھی سَیِّاٰت سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس، خوف کا ماحول، اور ذِلّ و مسکنت ہی جو اقوام عالم کو اُن کی غفلتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اِس سے مقصود گناہ، نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں سَیِّاٰت کا یہ حالی مفہوم اور بھی واضح ہے : وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ط (۱۱ : ۱۰)، یعنی "اگر انسان کو کسی تکلیف کے پونہچنے کے بعد ہم نعمائے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو فوراً اپنے دل میں یقین کر لیتا ہے (لَیَقُوْلَنَّ) کہ اب (ہمیشہ کے لیے) میری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں"

(ب) اِن مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتُ' اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتُ' کے معنی خیز جملے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا اُن مجموعی گناہوں، اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونا ہے جسکا نتیجہ اجتماعی شکست وریخت ہی۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے : وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَةٍ بِمِثْلِھَا، وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّةٌ ط (۱۰ : ۲۷) یعنی "جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ بُرے عمل کا ویسا ہی بُرا نتیجہ ہے، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اُس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی" گویا از روئے قرآن 'سَیِّاٰت' وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی، بدنظمی، بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اِس آیت میں اِس دنیا کی جزا و ذلت کا ذکر ہے، آخرت کی سزا کا مذکور نہیں، اِس کا ثبوت تیسری مجلد میں آئے گا جہاں تمام رکوع کا مربوط ترجمہ کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے : مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا، وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥ (۲۸ : ۸۴)' یعنی "جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اُسکو اس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا، اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پونہچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو اُن کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملیگی" گویا 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ' کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خریدنا، اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ' کا صحیح مفہوم اِس بدحالی اور ذلت کے لیے عمل کرنا ہے جیسا کہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لیے اصالتاً اور عمداً کر رہا ہے۔ ایک اِسی قطع کی قرآنی اصطلاح 'مَکَرُوا السَّیِّاٰت' ہی جو سورۂ نحل میں واقع ہوئی ہے : اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ٥ (۱۶ : ۴۵)، یعنی "تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کارگاہ سعی و عمل میں بداعمالیوں اور غفلتوں کا جال بچھا رکھا ہے (مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ) فی الحقیقت اِس امر سے بیخوف و خطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن اُن کو زمین دھسا مارے، یا اُنپر کوئی اور عذاب اُدھر سے آ نازل ہو جدھر سے اُن کو ساں گمان تک نہ ہو" گویا مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ سے مراد اجتماعی غفلتوں کا پے در پے مجرم بننا، لیکن مکرو ریا سے یہ سمجھنا کہ دراصل کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا جیسا کہ آجکل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات 'حَسَنَةٌ' اور 'سَیِّئَةٌ' کے الفاظ بادی النظر میں انفرادی نیکیوں اور ذاتی بُرائیوں کے لیے مستعمل نظر آتے ہیں۔ معاشری خصوصیات

اور جمیع مخلوق کا رزق ہے: لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝¹ (۳۹: ۶۳)، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝² (۱۵: ۲۱)،

¹ زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں۔ جسکو خوش ہوکر جو چاہے اُن میں سے بخش دے۔ تو جو لوگ احکام خدا سے منکر ہیں اور اُسکے مطابق نہیں چلتے وہی گھاٹے میں ہیں۔

² اور اس زمین و آسمان کے اندر کوئی ایسی شے نہیں جسکے ہمارے ہاں خزانے نہ بھرے پڑے ہوں، اور ہم اُنکو اس دنیا میں بھیجتے بھی ہیں تو ایک مناسب اندازے کے ساتھ جو ہمارے علم میں ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۸) سے بظاہر ان کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق و سباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ اُن کا اٰلہی مفہوم بھی اجماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم اپنے کسی امر و نہی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظر انداز نہیں کرتا، اور اُنہی اعمال کو حسنات یا سیئات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں۔ نہیں! بلکہ ازروئے قرآن 'حَسَنَةٌ' انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصۃً اس ارادے کو پیش نظر رکھکر کیا جائے کہ اُسکے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے، اور علیٰ ہذا القیاس 'سَيِّئَةٌ' وہ فعل ہے جسکا تعلّل اور استمرار من حیث الجماعۃ نقصان دہ ہے' اور اسی لیئے اسکے عامل کی نیّت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ **اعمال کا نیّات کے ساتھ لازم ملزوم ہونا** اسلامی فلسفۂ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات اپنی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھکر کرتے آئے ہیں، اور یہی مطمحِ نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلاتجسس نتائج 'سیّئات' شروع ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر 'حَسَنَات' بھی 'سَيِّئَات' بن جاتی ہیں جیسا کہ آجکل زکوٰۃ ہے کہ بیہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنیسے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کرکے ضعف پہنچا رہی ہے۔ اِس اہم موضوع کے متعلق اسلامی فلسفۂ عمل کے تحت میں مستقل بحث کی گئی ہے جو تیسری مجلد کے شروع میں آئے گی۔ سردست صرف اِسقدر دکھلانا مقصود ہے کہ '**حَسَنَةٌ' کی صحیح تعریف ازروئے قرآن یہ ہے کہ اِس سے کسی مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی 'السَّيِّئَة') کا دفعیہ ہو۔** مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانت داری کے اصول پر اسلیئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے اُن کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا، اُنکی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی، اُن کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا، وغیرہ وغیرہ، تو وہ قوم بلاشبہ ایک 'سَيِّئَةٌ' کا دفعیہ ایک 'حَسَنَةٌ' سے کر رہی ہے، اور اسی لیئے فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اسکے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا، اور اُس کے افراد فرداً فرداً نیک عمل **بلانیّت** کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے بدانجام سے غافل ہوکر بدیاں کر رہے ہیں تو قرآن کے رو سے یہ حالت کچھ داخلِ حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (۱۳: ۲۲)

لوگو! صاحب علم و نظر تو وہ لوگ ہیں ('اُولُوا الْاَلْبَاب' کا ترجمہ جو آیہ (۱۳: ۱۹) میں ہے) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر استقلال کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (صَبَرُوْا) 'الصَّلٰوة' کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایثار مال در پردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا یعنی دنیاوی معاشرت (الدَّار) کا انجام (عُقْبٰی) اچھا ہی اچھا ہے۔

'الصَّلٰوة' کی اجتماعی خوبیوں، اور ایثار مال کے اجتماعی فوائد کے متعلق اصل کتاب میں بحث ہو رہی ہے، اور آیندہ کئی ورق انہی اہم موضوعوں کے لیئے وقف ہیں، تاہم اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ 'صبر' 'اقامت الصلوٰۃ' 'انفاق مال' 'ادفاع سیئات' سب کے سب اجتماعی اعمال ہیں جنکا اجتماعی حالت کو درست کرنے کی نیّت سے کیئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص[۱] (۲۸: ۵۴) میں ہے، اور وہاں بھی یہی مجموعی

[۱] اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۲۸: ۵۴)۔

اِن فاقہ مست اور گدیہ گر عرب کے مال و متاع کا محتاج اور قرض حسنہ کا امیدوار کیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۹) جذر و جد مراد ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مدّ و جزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توجیہ کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ (۱۷: ۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے نافرمانبردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں کو تم پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) تم کو اُن پر غلبہ دیکر تمہیں باری دی، مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی، اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا۔ اور ہم نے باور کر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حُسن عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کر لی (اِنْ اَحْسَنْتُمْ)، تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچا (اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ)، اور اگر اس سے پیشتر تم نے بُرے عمل کر کے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا (اِنْ اَسَاْتُمْ) تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ملا تھا (فَلَهَا)۔

یہاں صاف طور پر رب زمین و آسمان کی لغت میں حُسن عمل' (الحسنات) سے مراد اجتماعی بیداری اور قومی احیاء کے وہ متعارف اعمال ہیں جنکا اٹل نتیجہ غلبۂ قوم ہے، اور سُوءِ عمل' (السیّئات) قومی اخلاق کا وہ انحطاط عظیم ہے جس کا نتیجہ محکومیت اور غلامی ہے جن لوگوں نے حسن عمل' سے مراد نہانخانوں میں بیٹھکر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہو اُن کے لیئے یہ آیات ازبس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (نہیں بلکہ خدا کے سخت گیر اور بارُعب بندوں عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) سے نجات' اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیر کر حاصل نہیں کی تھی، وہ لامحالہ تیغ و تفنگ لیکر باہر نکلے ہونگے، ایمان کی اٹل قوتیں اُنکے دلوں میں موجزن ہوئی ہونگی، اتحاد، صبر، ایثار مال وغیرہ ان کا مذہب عمل بن گیا ہوگا، پھر رب غفور و رحیم نے انکے اس حُسن عمل' کو دیکھکر اُن کے گذشتہ گناہ، معاف کر دیئے ہوں گے، اور یہ بادشاہت کا حاصل ہونا ہی خوشنودیٔ خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت (اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ)، اور اُن کا جم غفیر ہو جانا (وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا) بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا، یہ سب افضال الٰہی عروس سلطنت کی وہ ادنےٰ کنیزکیں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں، اور ہر اُس قوم کے گھر کا اُجالا بن جاتی ہیں جسکی مہمانی عروس بادشاہت قبول کرے! جو قوم اس کارگاہ عمل میں اپنی بہتری کے لیئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے، جو سعی و عمل کی دوست ہے، آزاد اور زور آور ہے، جو اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ہے، وہی اَحْسَنْتُمْ' کی مصداق ہے، وہی قانون خدا کی پابند ہے، وہی خدا کی عملاً غلام ہے، وہی عبادت' کا حق ادا کر رہی ہے، وہی عِبَادًا لَّنَآ ہے! منکوں کو ہاتھ میں پھیر پھیر کر رواں کر دینے سے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہو سکتی! اسکے لیئے ملازم ہونا شرط ہے، کام کرنا شرط ہے، متفق اور متحد ہو کر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے! لیکن اس موضوع کو یہاں پر طول دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔

(ج) سَيِّئَةٌ' اور حَسَنَةٌ' کے متعلق متذکرۂ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اسقدر ظاہر ہے کہ جہاں آیات مشمولہ (الف) میں ان اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے، وہاں آیات مذکورہ (ب) میں ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے کلام الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت افروز یا شکست انگیز اعمال ہیں اس سے کمتر قطعاً کچھ نہیں۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۶: ۱۶۱)، یعنی جو متنفس اس کارگاہ سعی و عمل سے ایک حَسَنَةٌ' کما لایا تو اُسکو اُس جیسی دس حَسَنَاتٌ' انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اسکو صرف اسیقدر سزا ملے گی جسقدر اُس نے شکست و ریخت کی تھی، اور اُنپر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہوگی" یہاں بادی النظر میں محاکمہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص نیکی کی تخصیص نہیں کی لیکن اس سے پہلے کی آیت: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ

رہا کرتا تھا، اور اِس بروقت مالی امداد کے صلے میں چند سِکّوں کے بدلے، جنّت کے نظر فریب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۰) اَمْرُهُمْ إِلَى اللهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ٥ (۶ : ۱۶۰) یعنی اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، تمہارا اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے، اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے، وہ خود ہی انکو دردناک سزائیں دے گا اور اس وقت ان کے بداعمال کا نتیجہ موبمو بتلادے گا جبکہ شکست و ریخت اُن کے سروں پر چھا رہی ہوگی" سٗا فیصلہ کردیتی ہے کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کے الفاظ بالتخصیص اسی اتحاد اور فرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے، اور ایسے ہی دور رس اور نتیجہ خیز اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدائے زمین و آسمان نے دس گنا ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گدیہ گر کو دو پیسے دیدیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہوجائے۔ علی ہذا القیاس سورہ نمل کے اخیر میں الْحَسَنَةَ کو اسقدر جلیل القدر اور لائق الطاف و اکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسا نفسی اور کس مپرسی کے دن اُس ایک الحسنۃ کا عامل سب جزع و فزع سے امن میں ہوگا، اور ایک السیئۃ کا کرنے والا اوندھے مُنہ جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا، وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ٥ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ٥ (۲۷ : ۸۹ - ۹۰) یعنی "جس متنفس نے قیامت کے دن الْحَسَنَة کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اسکو اُسکے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اُس دن قیامت کی تمام جزع و فزع سے امن میں ہونگے، اور جو السَّيِّئَة کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے مُنہ دوزخ میں دھکیل دیے جائینگے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے" ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ الْحَسَنَة کا معیار ازروئے قرآن کسقدر بلند ہے۔ آج لوگوں نے نیکی کا معیار اسقدر پست متصور کرلیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے نتیجہ نیکیاں کرکے دس گنا ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اس ناروا زعم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات سورہ المومن (۴۰ : ۴۰) میں ہے مگر اسکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کائنات میں صرف دو یا تین موقعے (۴۲ : ۴۰)، (۴۱ : ۳۴)، (۲۳ : ۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں سَيِّئَةٌ یا حَسَنَةٌ کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں مگر جس وقت اُن آیاتِ الٰہی کا ربطِ اصل کتاب میں ظاہر کردیا جائے گا تو عیاں ہوجائے گا کہ اُن موقعوں پر بھی ان قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اِس تمام طول و طویل بحث و تمحیص سے جو ان اوراق میں سَيِّئَةٌ اور حَسَنَةٌ کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ سَيِّئَةٌ کے معانی بھی مُصِيبَةٌ کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو جو سزائیں اقوام عالم کو اس دنیا میں قانون خدا سے منحرف ہونے، اور ذاتی غفلتوں کے تسلسل میں ملتی ہیں اُن کے لیئے قرآن نے لفظ سَيِّئَات تجویز کیا ہے۔ اسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ" یا "لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ" وغیرہ کے الفاظ ہیں انکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم اُن کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دُور کردینگے"۔ نہ یہ کہ "ہم اُن کے گناہوں کو معاف کردینگے"۔ جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اسکے گناہ درحقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے ان الفاظ کا یہ بے معنی اور بے نتیجہ سا ترجمہ کردیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

سَيِّئَةٌ کے لفظ پر طول و طویل بحث آیہ إِنَّا لِلهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥ (۲ : ۱۵۶) صفحہ ۱۲۳ کے تحت میں اس لیئے کی گئی ہے کہ صفحہ ۱۲۲ کے متن کی آیہ (۳ : ۱۹۴) میں لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کے الفاظ آچکے ہیں اور سَيِّئَةٌ کی تشریح نہیں ہوسکتی تھی جبتک کہ مُصِيبَةٌ کی تشریح نہ کردیجاتی۔ بہر نوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترک وطن پر مجبور ہوئے، میں اُن کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کردونگا، اور اُنکو ایسے باغوں اور سرسبز زمینوں (جَنَّاتٍ) کا بادشاہ بنادونگا جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ ضمناً یہاں جَنَّاتٍ کے معانی کی بھی تشریح ہوگئی۔ اگرچہ جَنَّاتٍ کے متعلق مکمل بحث تیسری مجلد کے لیئے چھوڑ دی گئی ہے۔ جو شخص اس قتال میں پیچھے رہتے اُن کے لیئے زمین کے جنّات کی بادشاہت، اور جو مارے گئے اُنکے لیئے آخرت کے

باغات اور نہریں کیوں فروخت کردیا کرتا تھا، اور پھر ان نعمائے الٰہی کے باوجود اِس

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۱) **باغ بہشت** - یہی "ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ 'مِنْ' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب دنیاوی ہے اور سودا نقد۔ آخرت کا اُدھار مقصود نہیں جیساکہ شارحین نے بالعموم فرض کرلیا ہے اور اس ناروا فرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ اہم نصب العین اور بہترین انعام دور کردیا ہے جس پر سعی وعمل کا تمام حصر تھا۔

صلوٰت کے مفہوم کی تشریح

آیۂ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲: ۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعیین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح وبیان رہجاتی ہے یہ ہے کہ آیۂ (۲: ۱۵۷) صفحہ ۱۲۳ کے الفاظ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ میں صَلَوٰتٌ کا مفہوم بعینہٖ کیا ہے، نہیں بلکہ مروجہ طریق درود خوانی میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے کیا معانی ہیں۔ اہل اسلام کی شرعی مجالس میں اور دوسرے موقعوں پر نبی کریمؐ کے نام پر درود بھیجنے کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے، اسمیں ہر مسلمان روزِ اول سے نہایت شدومد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے، اور اس درود کا بار بار پڑھنا 'داخل ثواب' سمجھتا ہے۔ صدر اسلام میں یا اسکے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخر الزمانؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا، اور اسلامی اوامر ونواہی کی حکمت بالغہ ہر مسلمان کے ذہن نشین اسقدر ہوگئی تھی کہ اسکی تعمیل کیلئے عند الضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اُسکے لیئے ناگوار نہ تھا، ممکن ہے کہ کم وبیش ہر مسلمان 'درود' پڑھتے وقت اُسکے صحیح مفہوم سے واقف ہو، بلکہ اسکو صحیح لہجے اور تکیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن آج جبکہ مسلمانانِ عالم اسلام کا اکثر درس بھول گئے ہیں، 'درود' کا صحیح مفہوم اور اُسکا سچا کیف حال ذہنوں سے قاطبۃً نکل چکا ہے، اور باقی ملفوظات شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے۔ آج جب کسی اوسط مسلمان کو 'درود' کے متعلق سوال کیا جاتا ہو کہ وہ کیا ہے، کیوں اور کس لیئے بھیجا جاتا ہے، اسکی الٰہی حکمت کیا تھی، تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے، اور بالآخر جب تہ تک نہیں پونہچ سکتا تو سب ہتیار ڈالکر کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں! اسمیں کلام نہیں کہ یہ طریق تخیل کسی حق طلب قوم کے لیئے ازبس مہلک ہے، اور فقدان عمل کا راز بھی اِسی دم مزن اور لب بکشا حالت کے قیام میں ہے۔ آیۂ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی متذکرۂ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے اُن لوگوں کو تحسین وآفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے قانون خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں، اور ایسے ہی کارکن لوگوں کے بارے میں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کے الفاظ استعمال کیئے ہیں۔ گویا صَلَوٰتٌ سے مراد وہ شاباش اور تحسین وآفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سرانجام کرنیکے بعد دیجاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سرور کائناتؐ پر 'صلوٰت' اور 'سلام' بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳: ۵۶)

(لوگو! تم کس ناروا زعم میں ہو اور کیوں آئے دن نئے نئے بہتان باندھکر اور خوابیدہ فتنے جگا جگا کر رسول خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر نبی کی تو شان ومنزلت ہے کہ) خود زمین وآسمان کا مالک خدا، اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علم بردار فرشتے سب کے سب اُسکی حیرت انگیز طاقت عمل، اُسکی صحبت کے دیرپا اثر، اُسکے انقلاب انگیز زور برداشت، اُسکی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین وآفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں (یُصَلُّوْنَ) اور ہر دم اُسکے خیر الورٰی اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اپنے اِس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ (صَلُّوْا عَلَيْهِ) اور اُسپر اپنی تمام اُمّت کا سلام بھیجا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) اُسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کردیا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)۔

مَلٰٓئِكَة کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں، نہ اسپر کہ رسول خدا کا وہ کیا زور عمل تھا جس نے ایک عالم کو انگشت بدنداں کردیا تھا، اسکی حقیقت اصل کتاب میں بتدریج عیاں کردیجائے گی۔ لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبیؐ پر درود بھیجنے سے مراد کیف دل کے ساتھ اُسکے جلیل القدر کارناموں پر متحیر ہونا، اُس کا نام زیر لب آنے پر تحسین وآفرین کے نعرے لگانا، اسکو زندہ باد (سلام) کہنا وغیرہ وغیرہ ہے جیساکہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیدار سے مشرف ہوکر کیا کرتی ہے۔ اِس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں اُن کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے، اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ اس ہنگامے

قرض حسنہ کی چند در چند واپسی کا کیوں اقرار کرتا تھا؟

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) قدم بقدم چلنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہی مقصود نبی کریمؐ پر "درود" بھیجنے سے تھا اور یہی اسکا ثواب، (فائدہ) ہے مگر واحسرتا کہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے!

رہی یہ بات کہ صَلوٰۃ سے مقصود بعینہٖ یہی تھا جو اوپر بیان ہوا، اور صلوٰۃ کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر در خور تحسین شخص اس کا مستحق ہے، اور اس زمانے میں تھا جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا، اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولؐ خدا کو دیا گیا ہے!:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹:۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشککین اور منافقین عرب سے اُنکے مال میں سے کچھ شئے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو صدقہ کی تعریف تحت المتن صفحہ ۱۱۷))، تم یہ طریقہ اختیار کر کے فی الحقیقت ان کے دلوں کو محبت ماسویٰ سے پاک صاف کر دو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور ان کے نفسوں کو آلائش حُبِّ زر سے مبرا کر دو گے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ ان کا شکریہ ادا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو اس ایثار مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) اُنکے لئے موجب طمینان ہوتی ہے اور انکو ان سے بھی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

اسی سورۃ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (۹:۸۴)" یعنی اگر ایسی موت مریں تو انکو ہرگز شاباش نہ کہو! اور پھر آگے چلکر اعراب

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹:۹۹)

اور لوگو! ان بدو اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اُسکے حضور میں روز قیامت کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں، اور جو ایثار مال وہ کرتے ہیں اُسکو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (صَلَوٰت) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بیشک ان کے لیئے باعث تقرب ہے، اور اگر وہ اسیطرح اپنی اجتماعی بہتری کے لیئے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا انکو اپنی رحمت میں لے لیگا۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا، اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر "صَلَوٰت" کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسولؐ خدا ایسے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو اُن کے لیئے باعث افزائش اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرون اولیٰ کے کارکن اور شہدائے خدا مومنوں پر خدا اور اُسکے فرشتوں کا درود بھیجکر "صلوٰت" کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے: (اس آیت میں "الظُّلُمٰت" اور "النُّوْر" کے صحیح مفہوم پر بحث نہیں، آئندہ ترجمے میں ان اصطلاحوں کا قرآنی مفہوم ادا کر دیا ہے لیکن اسکا ثبوت بعد میں کسی موقع پر آئیگا)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ (۳۳:۴۳)

مسلمانو! اُس رب ذوالمنن کے احسان و اکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار ملائک آج تم خستہ حال اور پھیچڑ کر تم اجل زدہ اور نابکار اہل عرب کو اپنی تمام مستعدی کے ساتھ تحسین و آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے (مِنَ الظُّلُمٰتِ) نکالکر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (اِلَى النُّوْرِ) نکال لائیں، اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بادشاہ زمین و زمان، با ایمان لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحب لطف و کرم رہا ہے۔" (مَلٰٓئِكَة کی حقیقت اور اُنکے "درود" کی کیفیت سے یہاں پر بحث نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ سے مراد یہاں پر وہ تحسین و آفرین ہے جو ایک صاحب حرم اور ہوشمند، ایک عادل اور محسن شخص کسی مصیبت زدہ اور غافل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اسمیں اپنے آپ کو اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ اور استعداد پیدا ہو۔ مومنین عرب کے حق میں خدائے بے مثال کے اسی بے اندازہ کرم کو مد نظر رکھکر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (۳۳:۴۱-۴۲)

لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۹: ۸۸-۸۹)

لیکن رسولؐ اور جو لوگ اسکی تائید میں ایمان لاکر اپنے مال و جان سے جہاد کرتے رہے، یہی ہیں جنکو بہتر سے بہتر چیزیں دیجائیں گی، اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے اُن کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُنمیں ایک مدت مدید تک رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) یعنی "اے ایمان والو! خدا کا اپنے دلمیں احساس کثرت سے کیا کرو، اور صبح و شام اسکی تسبیح و تقدیس کرتے رہو" گویا ایسا محسن، ایسا رحیم، ایسا صاحب لطف و کرم خدا جو تم کو شاباش دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے حوصلے بڑھا بڑھا کر تم کو حقیقت اور امن، تمکن فی الارض اور بقا کی طرف لاتا ہے اسی کے شایاں ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اسکی یاد دل میں لگی رہے)۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ 'صلّ علیٰ' کے گرداگرد پیدا ہوگیا ہے خود لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں، قرآن حسب موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا! ضمناً یہ بھی ثابت ہوگیا کہ الصلوٰۃ تحمید و تحسین رب العٰلمین ہے۔

اس تمام تصحیح کے بعد ضمناً اُس عظیم الشان حکایت کے صحیح مطالب بھی صاف ہوجاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہٗ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھکر کرتا ہے۔ یعنی 'التحیات' اور 'اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ' اور اللّٰھم بارک علیٰ محمدٍ کے مطالب۔ آج فیصدی ایک متنفس بھی ان تینوں قرأتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پونہچتا اور علی الحساب بڑبڑا کر سلام پھیر دیتا ہے۔ الصلوٰۃ کے صحیح مقاصد کے متعلق مفصل بحث اصل کتاب میں آگے آرہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضوریٔ دل نہ ہونیکا بڑا باعث اُسکے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض و مطلب کے لیئے کہہ رہا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اُسکو طوطے کی طرح پڑھکر چھٹکارا سا اُتار دے اور بس۔ 'التحیات' خدا کے حضور میں ہر مسلمان عالم اور عامل کا وہ خراج تحسین و آفرین ہے جو وہ نبی کریمؐ کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لاکر دن میں پانچ وقت ادا کرتا ہے، وہ رب ذوالجلال کی جناب میں اطمینان سے بیٹھکر سب سے پہلے اس آقائے ذوالمنن کی نعمتوں کا مُقِرّ ہوتا ہے (اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ)، پھر اس رسول اعظم کے اعمال کو جسنے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اُجڈ قوم کا باوا آدم بدلکر انکو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنا دیا تھا، سراہتا ہے، اُسپر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے، اُسکو اعظم الناس سمجھتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ)، پھر اپنے آپ کو اُسی جلیل القدر رہنما کا ایک پیرو، اور اُمت وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کرکے اُس شھداء علی الناس اُمّت[1] اور اُسکے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ)، بعد ازاں خود اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین و آسمان کے حضور میں پیشکش کرکے اپنے آپکے شاہد خدا ہونے اور اُس رسول کے اُمّتی ہونے کا مُقِرّ ہوتا ہے (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اسکے بعد اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ اور بارک علیٰ محمدٍ ہے۔ پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی حضوریٔ دل، اور خلق خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگان زمین کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا نعرہ دائیں بائیں ہے، اور نہایت ادب سے اُسکے حضور سے اُٹھ جانا ہے۔ یہ نماز اگر اسی کیف دل کیساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے، نتیجہ خیز ہے ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جسکو لاکھ بار کرنے سے کچھ نتیجہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ انسان جو چاہے فرض کرے مگر اس کارخانۂ قدرت کے اندر وہی شئے نتیجہ خیز ہے جو واقع الامر ہے۔ فرض اور ظن کو اسکے اندر کچھ دخل نہیں!

† 'الحسنات' کی تشریح صفحہ ۱۲۶ کے تحت المتن میں سیّئۃ اور سیّئات کی شرح و بسط کے ضمن میں ہوچکی ہے اور وہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ 'حسنات' کا اصلی مفہوم وہ اجتماعی برکتیں اور خوشحالیاں ہیں جو اُمتوں کو اُن کے حُسنِ عمل کے انعام میں ملا کرتی ہیں، نیز یہ کہ بعض موقعوں پر حسنۃ سے

[1] دیکھیے تحت المتن صفحہ ۱۰۵۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۴) مقصود بالذات خود وہ اجتماعی اعمال ہیں جن کا نتیجہ قوم کی خوشحالی ہوا کرتا ہے۔ اس آیۂ شریفہ میں 'الخیرٰت' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی 'مومن' اور مجاہد بالمال والانفس قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے (اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)۔ شارحین نے 'خیرٰت' سے مراد نیکیاں، اور فلاح کا مطلب 'اُخروی نجات' لے لیا ہے۔ بے معنی ہے، کیونکہ نیک عمل (یعنی جہاد مال و جان) کے بدلے 'نیک عمل' ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور 'فلاح' بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے، صرف اُخروی نہیں جو نظروں سے تا حال نہاں ہے اور اسقدر محرک سعی و عمل نہیں ہو سکتی جسقدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہو جانا، یا اسکی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کر دینا ہی کسی متنفس کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے، اور یہی اُس آئندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ اس موضوع پر مدلل بحث اصل کتاب میں کچھ دیر بعد آئے گی، سر دست لفظ 'خیرٰت' سے سروکار ہے جسکے معنی ہم نے دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمہائے الٰہی کئے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مومنون میں فرقہ بند، مشرک، اور منتشر الاعمال قوموں کے بارے میں ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ (۲۳: ۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ہم جو فی الحال مال اور اولاد کی کثرت سے انکی مدد کر رہے ہیں، اُس سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہم انکو اچھی اچھی اشیا (الخیرٰت) اور نعمہائے الٰہی (الخیرٰت) کے عطا کرنے میں جلد بازی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے، بلکہ لگے دیئے ہوئے انعام بھی رفتہ رفتہ چھین رہے ہیں۔" آگے چلکر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ (۲۳: ۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً انعامات خدا (الخیرٰت) کے حاصل کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (نہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳: ۵۵-۵۶)، اور یہی اُن کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں۔" ان دونوں موقعوں پر 'الخیرٰت' کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے، اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں، انفرادی نہیں۔ سورۂ مائدہ میں علیٰ ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (۵: ۴۸)

اور اے ساکنان زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔ لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خود رائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کر لی ہے اس سے شارع کائنات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان اُن اہلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دیں (لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ) تو اے انسانی اُمتو! تم اپنے آپ کو اس آزمائش میں کامیاب ثابت کرنے کے لیئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ)۔ جانے رہو کہ تم سب نے ایک ایک دن خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے۔ پھر اُسدن وہ بنی نوع انسان کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے مطلع کر دے گا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کر کے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے تھے۔

اس آیۂ شریفہ کے مطالب کے متعلق مکمل بحث صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں آئے گی۔ وہاں پر 'لَوْ شَآءَ اللّٰهُ' کا متذکرۂ صدر مفہوم ثابت کر دیا جائے گا لیکن ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ 'الخیرٰت' سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو اُن کے سعی و عمل کے بدلے میں خدا کی جناب سے ملتے ہیں اور انہی انعامات پر قبضہ کرنیکے لیئے 'اسْتَبِقُوْا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ 'نیکیوں کی طرف لپکنا'، جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ اور بے ربط ہے کیونکہ سعی و عمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھکر ہو سکتی ہے، سعی بے حاصل کو فی نفسہ مآل سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے، جس کی حقیقت از روئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم 'الخیرٰت' کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ

اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ○ (۲: ۱۴۴-۱۴۵)

اور خدا کا بول بالا کرنیکے ضمن میں اگر دشمن سے لڑائی کی نوبت بھی آ پہنچے تو قتال کرو، اور خوب جان لو کہ خدا تمہارے ارادوں کو بڑا سمجھنے والا، اور تمہارے اعمال کو بڑا جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے، اور پھر خدا اُس قرض کو اسی کے لیئے کئی گنا بڑھا دے۔ تنگ دست کرنا یا کشائش دینا بالآخر خدا ہی کے اختیار میں ہے، اور اُسی کیطرف تم بالآخر رجوع کرتے ہو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۵) اَلَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ؕ (۳۵: ۳۲)، یعنی "اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانانِ قرونِ اولیٰ) اُسکو قانونِ خدا (الۡکِتٰبَ) کا وارث ٹھیرایا، تو اُن (کی آئندہ نسلوں) میں سے کوئی اُمت ایسی ناخلف ہوگی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی و عمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مُقۡتَصِدٌ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی جو اپنے انتہائی جہد و عمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کے پونہچے گی (سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ)، اور یہ آخری حالت کا قائم ہوجانا انتہائے فضل و کرم ہے۔" یہاں 'سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ' کے ساتھ 'بِاِذۡنِ اللّٰهِ' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے۔ خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا کچھ بے معنی سا ہے، اور یہاں استعارہ بظاہر اُس حالت کو پیش نظر رکھکر لیا گیا ہے جب منعم کسی انعام کی بخشش کے لیئے اذن دیتا ہے اور منعَم علیہ اسکے لینے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کے بہشت کی حوروں کو لفظ "خَیۡرٰت" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی انکی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: فِيۡهِنَّ خَيۡرٰتٌ حِسَانٌ ۚ (۵۵: ۷۰) یعنی "اُن باغات کے اندر یہ عزیز القدر انعامات الٰہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہونگی۔"

'خَیۡرٰتٌ' کے اِس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں پر اس اصطلاح سے مراد (حَسَنَات کے مفہوم کیطرح) وہ اعمال ہیں جنکا نتیجہ افضال و اکرام ہے۔ ایک آیت (۲۱: ۷۳) صفحہ ۱۰۸ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ مگر یہاں پر اُسکا اعادہ کیا جاتا ہے:

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ۙ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو بھی اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُن کی قوم کا پیشوا بنایا، وہ اپنی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے، اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (الۡخَيۡرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، انکو حکم دیا کہ الصَّلٰوة کو قائم کریں، الزَّكٰوة کو دیتے رہیں، اور وہ لوگ تو نمازگذار اور پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بنکر رہتے تھے۔

الصَّلٰوة اور الزَّكٰوة کی اجتماعی حیثیت کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آنے والی ہے تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اُن قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ فلاح قوم ہے اور جو ائمّہ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے۔ گوشہ نشین بن کر رام رام جپنے کا یہاں مذکور نہیں۔ عامۃ الناس نے نیک بننے (یعنی فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے۔ بعینہ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں ہے: اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوۡا لَنَا خٰشِعِيۡنَ ۞ (۲۱: ۹۰) یعنی "ہم نے اُن پر احسان بدیں وجہ کیئے کہ اسمیں شک نہیں یہ لوگ مفید قوم اور مصلح اُمت اعمال طرف لپک لپک کر پونہچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت، اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور اسی بیم و رجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع و خشوع کیا کرتے تھے۔" رغب و رہب اور خوف و اُمید کا تکیف دل میں تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو، اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ یہاں بھی الۡخَيۡرٰت سے مراد خدمت عباد ہے، تسبیح گردانی قطعًا نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدائی محاکمہ بعض صالح العمل اہل کتاب کے بارے میں ہے اِس مفہوم کا صریح طور مؤید ہے: يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۝ (۵۷: ۱۱)

کون ہی جو اپنے مال کا بہترین حصّہ خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر صرف کرے، اور پھر خدا بھی اسکے واسطے اسکو چند در چند کر دے، اور ساتھ ہی اُسکو اُسکی خدمت کا باعزّت اجر دے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ۝ (۶۴: ۱۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۶) مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۝ (۳: ۱۱۳ - ۱۱۴) یعنی یہ یہود و نصارٰی سے اسقدر باایمان لوگ ہیں کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں، اور مفید جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو در اصل 'صالح' کہلائے جانیکے مستحق ہیں۔ اور یہ لوگ کوئی بھی مصلح قوم عمل (مِنْ خَیْرٍ) کریں ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ اُن کے اُس عمل کی قدر نہ کی جائے گی، اور خدا تو اپنے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر'، 'صالحین' 'متقین' وغیرہ اصطلاحات قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ 'الخیرٰت' سے مراد اجتماعی جد و جہد ہی ہے' اعتکافی عمل نہیں کیونکہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت خانہ نشین رہ کر نہیں ہو سکتی، اور 'یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ' کا عمل بھی اسی ضمن میں ہے۔ سورہ بقرہ میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکز اُمّت گردانے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ (۲: ۱۴۸) "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اس کارگاہ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر اُمّت اپنے لیے کوئی نہ کوئی سمتِ اتحاد تلاش کرتی ہی (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ) اور پھر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعًا اُسکی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (هُوَ مُوَلِّیْهَا)، تو اے مسلمانو! تم بھی اس کلیئے کو پیش نظر رکھکر قوت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ) اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو اور کسی طرح پر بکھرے ہوئے ہو خدا تم کو اس ترکیب سے مجتمع کر دیا کریگا، اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکھیگا، جانتے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔" 'الخیرٰت' کا مفہوم یہاں پر اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکے لیئے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض اِن تمام آیات الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہی کہ 'خیرٰت' کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی 'حسنات' کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو منعم حقیقی اقوام عالم کو اُنکے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہی۔ جو اعمال اُن انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی از روئے قرآن 'الخیرٰت' میں داخل ہیں خواہ اُنکی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی عین حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کے رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کے لیئے ہی ہے۔ جو عمل اس دنیا میں اسطرح پر نتیجہ خیز نہیں وہ داخل خیرات و حسنات نہیں، جو بہبودی قوم کی نیت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جد و جہد اور اجتماعی حسن عمل کا یہ وہ عالم انگیز فلسفہ تہا جسکی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کر دیا تہا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام، ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سر بکف اور تیغ بدست پھر کر بھی اپنے آپکو 'اسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے، اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعًا نکل چکا ہے، انحطاط عمل کی یہ حالت ہی کہ کسی جھک منگے کو دو پیسے دیکر، یا تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ رٹ کر 'اسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کے مصداق اور جنت کے حقدار بنے بیٹھے ہیں اگرچہ ہوشمند نظروں میں آج نیکی کے اس پست تخیل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ پست کن ثابت ہوا ہی کہ جہاں قرون اولیٰ کے نکوکار مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں زمانۂ حال کے نسیہ پسند تسبیح برداروں اور 'صالح العمل' 'پاکبازوں' سے سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ذلّ و مسکنت سب طرف سے یوں لبیک کہہ رہی ہی کہ پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا! فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔

٭ اس آیہ کریمہ اور پیشتر کی آیات (۵۷: ۱۱) اور (۲: ۲۴۵) میں 'قَرْضًا حَسَنًا' کے الفاظ آئے ہیں۔ عوام نے اس سے مراد خدا کے نام پر زکوٰۃ بطور 'قرض حسنہ' دینے کے لے لیئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں ایک حد تک یہی صورت برقرار رکھی ہے لیکن اگر تامل سے دیکھا جائے تو یہاں ایثار یا مال کی

اگر تم خدا کے لیئے اپنے مال کا بہترین حصّہ کاٹ کر الگ کر دو گے تو تمہارے ہی لیئے وہ اسکو چند در چند کر دے گا، تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ تو بڑا قدرشناس اور فراخ حوصلہ خدا ہے جو کسی کی اُجرت روک کر نہیں رکھتا۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (۹ : ۳۴-۳۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۷) کچھ خصوصیت نہیں اگرچہ "قرض" کا لفظ بگڑتے بگڑتے یہی معانی اختیار کر چکا ہے۔ "قرض" کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے "اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اگر تم لوگ خدا کے لیئے اور اُسکی آقائی کو مدنظر رکھکر "بہترین ٹکڑا کاٹکر الگ کر دوگے" تو خدا بھی اس حصّے کو چند در چند کر دے گا گویا اس احکم الحاکمین کی خاطر اگر انسان اپنے آرام کا، اپنی جان کا، اپنے مال وجائداد کا، اپنی محبوب اشیا کا بہتر سے بہتر ٹکڑا وقف کر دے، اور اپنے پر تکلیف گوارا کرکے اسکی لڑائیاں لڑے تو یہ اسکی نوکری کی بہترین شہادت ہے۔ یہی بات سورۂ مزمل کے مفصلۂ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے جہاں "زکوٰۃ" اور "قرض حسنہ" کو الگ الگ بیان کرکے اُنکے مطالب میں تفریق نمایاں کر دی ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۷۳ : ۲۰)

تو ان وجوہ کی بنا پر (وجوہ کی تفصیل پھر کسی موقع پر آئے گی) جو حصہ اس قرآن عظیم کا تم آسانی سے مطالعہ کر سکو، پڑھ لیا کرو۔ اور الصَّلوٰۃ پر قائم رہو، اور ایثار مال کیا کرو، بلکہ خدا کے لیئے اپنی ہر مملوکہ شے کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا کرو۔

آیۂ زیر بحث میں "وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" کے الفاظ بھی غور طلب ہیں۔ "شکر" کے معانی آج قطعاً مسخ ہو چکے ہیں۔ ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھاکر اس رسم کو ادا کر دیتا ہے اور چند الفاظ مُنہ سے بُڑبُڑا کر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو لیا۔ حالانکہ عام انسانی تعامل میں کیفیت قلب کا وجود ہی سچا شکر ہے۔ جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے، اور منعم کا "شاکر" ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے۔ اس کیفیت قلب کے لیئے ظاہر ہے کہ کسی وقت کی تعیین، یا رسم کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ ہمہ قدر دانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کر رہا ہے، اُسکو برقرار رکھنے کے لیئے مسلسل سعی و عمل کرتا ہے، اُس سے متمتع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہے، اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے، تو وہ صحیح معنوں میں "شاکر" ہے۔ خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسمًا ہاتھ نہ اٹھائے برخلاف اس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اُن کو برقرار رکھنے کے لیئے حتی الامکان سعی نہیں کرتا، اُن کو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرا دیتا ہے، کفایت کو پیش نظر نہیں رکھتا، یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کرکے اُن کی بے قدری کرتا ہے، وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے، اور مُنہ سے نعتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ مسلمانان عالم نے آج "شکر" کا مفہوم اسقدر غلط سمجھ لیا ہے کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کر دیا ہے۔ "وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا "شکر" ادا کر سکتا ہے مگر ہاتھ اٹھاکر نہیں بلکہ اُن کی خدمات کی سچی قدردانی کرکے اور وقتاً فوقتاً ان کا صلہ دینے سے "شکر" کے ان معانی کا قرآنی ثبوت جابجا آگے چلکر (اور بالخصوص تیسری مجلد میں) آئے گا۔

۞ یہ آیات شریفہ اگرچہ رسولؐ خدا کے زمانے میں احبار اور رہبان کے خلق خدا کو لوٹ لوٹ کر بے اندازہ مال جمع کرنیکے متعلق آئی ہیں، مگر میں نے اُن کا اطلاق اسلیئے عام کر دیا ہے کہ آج مسلمانان عالم کے دلوں میں، اور قوموں کے بالمقابل، مال کی محبت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کم و بیش اسکا مصداق ہو رہا ہے۔ خود دین اسلام کے اندر اہل کتاب کے احبار اور رہبان کے بالمقابل لاتعداد ایسے سرگروہ پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشوں کو مدنظر رکھکر لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر اسکو خدا کی لڑائیاں لڑنے میں صرف نہیں کرتے۔ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں جیساکہ غالبًا تیسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا۔

اور جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے رکھتے ہیں اور خدا کا نام بلند کرنیکی خاطر کچھ صرف نہیں کرتے، اُنہیں میری طرف سے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دو۔ روزِ قیامت کو وہی دولت جہنم کی آگ میں رکھکر تپائی جائے گی، اور پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُنکی کروٹیں، اور اُنکی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور اُنسے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیئے جمع کر رکھا تھا تو آج اپنے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کر رکھنے کا مزہ چکھو!

کیا مخالفین اسلام کی نظروں میں خلد بریں کی یہ ارزاں فروشی، اور ادائے قرض کے یہ دل خوش کن وعید، اُس خدائے غنی کے کامل غنا اور کمال تنعّم کے نقیض نہیں ہو سکتے تھے؟ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ[1] (۱۸۰:۳) کیا خود سیّد البشرؐ اور سرورِ کائناتؐ کے بارے میں زکوٰۃ و صدقات کے اِن نازک اور شکوک انگیز تقاضاؤں کے باعث، معاندین اُمت کی طرف سے طمّاع و حریص ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا "راہ خدا" کی بظاہر بے معنی اصطلاح کی آڑ میں انفاقِ مال، جُرمِ عشق کا کوئی خدائی تاوان، یا مذہبی کاروبار کا کوئی آلۂ محصول تھا جو (العیاذ باللہ) کسی بُت پرست مجاور کی طرح، خدا کا کودڑی میں یہ مست رسولؐ ہر مسلمان سے وصول کر لیا کرتا تھا؟ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[2] (۹: ۱۰۴) کیا خدا کی عبودیّت کے اعتراف میں قربانیٔ مال کا یہ وجوب و لزوم بنارس کے کسی مندر کے چڑھاوے یا نذر و نیازِ قبور کی کوئی رسم تھی جو خدائے پاک نے اسلام میں گداگروں اور مفت خوروں کی اُمت کو ترقی دینے کی نیت سے وضع کی تھی؟ کیا دینِ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طالب جان و مال خدا (العیاذ باللہ)، کسی برہمن کی جبینِ نیاز کیش کی غضب آلود دیوی، یا متھرا کے قشقہ نما اور زنار پوش مشرک کا کوئی

[1] اللہ نے ان لوگوں کی بکواس سُن لی ہو جو تمہیں طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا اللہ تو محتاج ہے جو قرض مانگتا رہتا ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم انکی ان گستاخیوں کو لکھ رکھیں گے، اور اُنکے پیغمبروں کے ناحق قتل کو بھی۔ پھر جس دن ہمارے غضب کا دریا جوش مارے گا ہم کہیں گے کہ اس بھسم کر دینے والے عذاب کا مزا چکھو۔

[2] کیا ان لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ اپنے غلاموں کی توبہ بھی ہر وقت قبول کرنیکے لیئے تیار ہے اور اس توبہ کی تائید و تصدیق میں خیرات کا مال بھی لے لیتا ہے، اور وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم دل ہے۔

مہیب دیوتا تھا جو انسانی جان کی خوں چکاں قربانی، اور مال وزر کے ہلاکت آفرین جرمانوں کے بغیر مطمئن اور مُسکن نہیں ہو سکتا تھا، اور جسکے نائرہ حرص وغضب کے تنور میں قیامت کے روز مسلمان عاصیوں کی پیشانیاں اور بدن داغے جانے کا وعدہ تھا! اور کیا یہ اسلام کے جابر اور قاہر خدا کا تحکمانہ ظلم وستم یا محض ایک بے سبب اور بے نتیجہ دراز دستی تھی جسکے رو سے وہ جنت کے پیش پا افتادہ وعدے کرکے، مومنوں کے جان ومال پر قابض ہو گیا تھا؟

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ† أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۹ : ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے اُنکی جانیں اور اُنکے مال اس وعدے پر خرید لیے ہیں کہ اُنکے بدلے اُنہیں اخروی جنّت دیگا۔ یہ لوگ اب خدا کے نام کا ڈنکا بجانے کی خاطر دشمنوں سے لڑتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور آپ بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں ہر مومن کے ساتھ برابر چلا آیا ہے، اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اے ایمان والو! اپنے اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ، اسمیں تمہاری بڑی کامیابی ہے۔ اس میں تم کو فلاح دارین ہے۔

آہ معاذاللہ نہیں! اس تمام عجیب وغریب لین دین، اور محیّر العقول ترغیب وتحریص سے خدائے بے نیاز کا مقصدِ وحید ساکنانِ عالم کو اپنی ناپید امثال ذات کا شیدا ومفتون بنا کر، اُنکے دلوں میں

† 'مُؤْمِن' کی صحیح تعریف، اور 'الجنّة' کے حقدار بننے کی کامل شرائط اس آیہ کریمہ سے واضح ہیں۔ یہی شرائط بعینہ صفحہ ۱۴۵ کی آیات (۸ : ۷۴) اور (۹ : ۴۹، ۱۵) اور صفحہ ۱۲۰ کی آیہ (۳ : ۱۴۱) میں درج ہیں۔ اگر آج مسلمانانِ عالم نے اپنے نفس کو دھوکہ دے کر کوئی اور شرطیں وضع کر لی ہیں تو اس سے قانونِ خدا میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی، اور نہ اس خوش اعتقادی کے بدلے میں 'الجنّة' مل سکتا ہے، خواہ لوگ ہزاروں برس تک یہ سبز باغ اور خوش کن خواب پڑے دیکھا کریں۔ شرط پوری جان اور سارے مال کے ایثار کی ہے نہ یہ کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے یا چند پیسے ناروا طور پر خیرات کرکے ایک مکر سا بنا لیا جائے۔ جیسا کہ بالعموم ہر مسلمان نہایت التزام سے کر رہا ہے۔ ضمناً فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر عمل کرنے والی مجاہد اقوام بھی صحیح معنوں میں مومن اور جنّت کی حقدار ہو سکتی ہیں۔

درد پیدا کرنا تھا! اپنی محبت اور اپنے تعلق سے وہ دارائے عالمیان، انسان کے غرضمند اور انعام طلب قلوب میں ایک اولوالامر کا خوف، اور ایک منعم اعلیٰ کا ڈر بٹھلانا چاہتا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (۷:۵۴)[1] وہ باشندگانِ روئے زمین کا ایک حاکم کل اور ایک بادشاہ حقیقی تعؔ سے لگاؤ پیدا کر کے، اُن کے اعتقادات اور معاملات میں، اُن کے اعمال و افعال میں مشترک عبودیت کا تذلل اور عام نیازمندی کا عجز دیکھنا چاہتا تھا، اور پھر اس عجز و نیاز کی حوصلہ افزائیں، اور حیات انگیز تڑپ سے چار دانگ عالم میں، اِس گنبدِ افلاک کے نیچے توحید کا نغمہ مستطیر اور حقانیت کا ہنگامہ عظیم پیدا کرنا چاہتا تھا!

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ (۶۳ : ۷)

یہی منافق تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بھکایا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تائید و تقویت میں جو رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے ہیں اپنا مال نہ خرچ کیا کرو۔ جب روپیہ پیسہ ان لوگوں کے پاس نہ ہوگا تو عاجز آکر آپ ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہی انکی قوت کا راز ہے۔ آہ لیکن منافقین نہیں سمجھتے کہ مال انکی قوت اور اجتماع کا راز نہیں، اور نہ خدا کو اسکی ضرورت ہی ہے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں!

آہ یہ بھی نہیں! اُس صاحب جلال خدا کو جسکی سطوت اور جبروت میں، جسکے حاکمانہ رعب و وقار میں، جسکی طاقت اور حکومت میں، روئے زمین کے تمام انسانوں کی سرکشی اور متفقہ انکار بھی یک سرِ مُو فرق نہیں لا سکتی؛ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ۝ (۱۴ : ۸)[2] فی الحقیقت یہ منظور تھا کہ درد دل کے اِس نائرہ عمل میں، اور مشکلات و محن کی صبر آزما مجمر میں، وہ ہر مومن کے قلب کو دنیا کی

---

[1] لوگو! سُن رکھو کہ تمام کائنات جہان اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسکے حکم کے ذریعے سے سب کچھ ہو رہا ہے، نیز ہو سکتا ہے۔ پروردگار عالمین درحقیقت بڑا صاحب برکت ہے۔

[2] اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ملکر بھی خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اور ویسا ہی سزاوار حمد رہیگا۔

خطرات اور بدنی مصائب کے خوف سے پاک کر کے اُن میں صبر انگیز کا کشور کشا نور اور قوت کی جلا پیدا کر دے: وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ (۳: ۱۴۰)، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۳: ۱۵۳)؛ وہ ہر مسلمان کے دل کو توحید کے مشترک مرکز پر لا کر ان کی جماعت میں وحدت و استحکام کا دستور العمل پیدا کرنا چاہتا تھا: وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸: ۱۱)؛ وہ اپنی ذات پر کامل ایمان، اور اپنے جاہ و منصب کے سچے خوف سے اُمت کے ہر فرد میں استقلال کا نظم و نسق، اور اتحادِ عمل کا طریق کار دیکھنا چاہتا تھا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۹۹)؛ وہ ایمان کے جرأت انگیز ولولوں، اور مقامِ خدا کے ہمت آفریں تذکروں سے اسلام کے ہر متنفس میں مقابلے کی ناقابلِ تسخیر روح اور ثبات کا ناقابلِ شکست

۵۱ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو خالص بنا دے اور خدا کے وجود میں شک و شبہ کرنے والوں کو ملیامیٹ کر دے۔
۵۲ اور اس غزوۂ اُحد میں تم کو ہرا دینے میں یہ مصلحت تھی کہ خدا اُس ایمان کو جو تمہارے سینوں کے اندر چھپا بیٹھا ہے آزمائے، اور دیکھے کہ باوجود ہزیمت کے خدا پر یقین رکھنے والا کون ہے، اور تمہارے دلوں کو ڈر اور وسوسوں، خوف مصائب اور خطرات سے پاک صاف کر دے، اور جانتے رہو کہ خدا سینوں کے حالات سے موبمو واقف ہے، جبتک تمہارے دلوں میں یہ وساوس اور خدا کے متعلق شکوک ہیں فتح تمہارے قدموں کو نہیں چوم سکتی۔
۵۳ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ تائید غیبی کے وصلہ افزا، اور جامع القلوب اثر سے شیطان کی آلائش (یعنی نفاق) کو تم سے دور کر دے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط کر دے، اور پھر اس اتحاد کے ذریعے سے تمہارے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھے۔
۵۴ اے ایمان والو! اُن اجتماعی تکالیف کا جو تمہیں پیش آئیں سختی سے مقابلہ کرو، اور ایک دوسرے کو مقابلہ کرنے کی تلقین کرتے رہو، اور ایک دوسرے میں گتھ کر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہا کرو تاکہ دشمن کے بالمقابل تم کامیاب ہو جاؤ۔

❋ اس آیۂ کریمہ میں 'ایمان' کی بعض اہم شقیں بتلادی گئی ہیں۔ گویا مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا 'ایمان' ہے: (اصْبِرُوْا)؛ جماعت کے عضا کے مابین استقلال کا ماحول پیدا کرنا 'ایمان' ہے: (وَصَابِرُوْا)، اور سب سے اہم یہ کہ کامل اور باہمی اتحاد پیدا کرنا بھی 'ایمان' کا جزوِ اعظم ہے: (وَرَابِطُوْا)۔ جس قوم کے اندر یہ عظیم الشان خاصیتیں موجود ہیں، وہ خدائے عظیم کے ایک اہم حکم کو مان رہی ہے، اور وہی ہے جو اس کے اٹل قانون کے بموجب کامیاب ہو رہی ہے: (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں پر بھی 'تُفْلِحُوْنَ' سے مراد دنیاوی غلبہ ہی ہے، اُخروی فلاح کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس استقلال، تلقین صبر، اور اتحاد کو 'اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے: (وَاتَّقُوا اللّٰهَ)، گویا وہی قوم 'متقی' ہے جو فی الحقیقت خدا سے، اُس کے قانون سے، اُس کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے جس میں استقلال ہو، ایک دوسرے کو مستقل بنانے کی اہلیت ہو، اور متحد رہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ فرقہ بند اور ڈرپوک قوم خدا سے قطعاً نہیں ڈرتی کیونکہ وہ اس کی سزا سے بے خوف ہو چکی ہے اور اسی لیئے 'متقی' کہلانے کی اہل نہیں۔
'اتقا' کے یہ معانی بالصراحت دو اور آیتوں سے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۹۴ و ۹۷ پر گذر چکی ہیں ثابت ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کو اس خدائی محاکمے سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

جذبہ قائم کرنا چاہتا تھا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۸: ۴۵)؛ وہ اپنی لاشریک اطاعت اور بے ریا عبادت کے آلۂ عمل سے مسلمانوں کے ارادوں میں قوت، حوصلوں میں افزائش، نیتوں میں صداقت، اور پائے عمل میں ثبات دیکھنے کا متمنی تھا؛ وہ اسلام کی دنیاوی شوکت واحتشام اور مادی ارتقاو عروج کو روحانیت کے بے امان ہتیاروں، اور اخلاق کی اٹل قوتوں سے حاصل کرنا چاہتا تھا، اور اُمت کے اس اجتماعی اور انتلافی غلبے کو ہر مدعی ایمان کا واحد منتہائے نظر، اسکی فلاح ونجات کا اٹل ضابطۂ عمل، اُسکے تقوے اور عبادت کا صحیح معیار، اسکے کفر وشرک کی سچی محک، اسکی جزا وسزا کا قطعی مدار قرار دیتا تھا!

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (۱۴: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو اپنے پکے قول کے ساتھ اس دنیا کی زندگی میں خوب جماکر رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اُنکو خوب جماکر رہیگا، لیکن کچے ایمانداروں اور بُزدلوں کو جو اُسکے احکام کی متابعت نہیں کرتے وہ حفظ وامن کی راہ سے ڈگمگا دیتا ہے، اور خدا تو وہی کچھ کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے۔

سلہ اے ایمان والو! جب دشمن کی کسی فوج کے بالمقابل تم صف آرا ہو جاؤ تو ثابت قدم رہا کرو، اور اُسوقت خدا کا دھیان اور بھی زیادہ دل میں رکھو تاکہ تمہارے حوصلے بڑھیں، اور بالآخر تم دشمن کے بالمقابل کامیاب ہو جاؤ۔

٭ یہاں "ایمان" کو پھر دشمن کے بالمقابل ثابت قدم رہنے پر محمول کیا گیا ہے۔ "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا" کا مقصود یہ ہے کہ جب تم دشمن کے بالمقابل ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو اُس حاکم اعلیٰ کا خیال دلمیں لاؤ جس کی ماتحتی میں تم لڑرہے ہو۔ پھر جس طرح ہر سپاہی کو اپنے سپہ سالار کی یاد، اسکے انعاموں کی یاد، اُسکی سزاؤں کی یاد میدان جنگ میں اور بھی مستعد کردیتی ہے اسی طرح تم بھی مالک زمین وآسمان کی یاد کرکے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ تاکہ تم دشمن پر فتح پاؤ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں بھی تُفْلِحُوْنَ سے مراد دنیاوی فتح ہے، اُخروی فلاح مراد نہیں۔ ورنہ "وَاذْكُرُوا كَثِيْرًا" سے مقصود یہ ہے کہ گھر بیٹھے تسبیحوں پر خدا کا نام بڑبڑاتے رہو تاکہ قیامت کے دن فلاح پاؤ جیسا کہ بعض نادانوں نے سمجھکر آیات الٰہی کو بے ربط اور ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے اور جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ (۱۵: ۹۱) (صفحہ ۴۷) کے مصداق بن گئے ہیں۔

٭٭ جو عجیب وغریب تاویلیں شارحین قرآن نے اس آیہ شریفہ کے مطالب میں اپنے پاس سے بنالی ہیں بجائے خود ایک دفتر ہے۔ بعضوں نے قول ثابت کو کوئی "اسم اعظم" فرض کرلیا ہے جیسا ایک زبانی سادا ایمان، لانا فرض قرار دیا ہے، بعضوں نے عالم اسلام کی موجودہ زبون حالی، اور خدا کے اس اٹل وعدے میں اختلاف دیکھکر يُثَبِّتُ کے معنی "روحانی ثابت قدمی" بنالیے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لیکن "ایمان" کی اُن کڑی شرطوں سے جو اب تک بیان ہوئیں ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ خصائص موجود ہوں اُسکا اس دنیا میں جم کر رہنا، مضبوطی اور قوت سے بسر کرنا، علی الرغم عدو غالب آکر رہنا اٹل ہے۔ یہی حقیقت بعینہ اس آیہ کریمہ میں عیاں کردی گئی ہے، اور جتلا دیا ہے کہ صاحب ایمان قوم کا اس دنیا میں تمکن اور استخلاف فی الارض قطعی ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۳) اور آخرت میں بھی اُسی کا بول بالا ہے۔ گویا اس آیت اور آیہ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا مضمون ایک ہی ہے جو صفحہ ، پر گذر چکی ہے۔

"روحانی ثابت قدمی" جس کا ذکر آجکل کے مسلمان اس شد و مد سے کرتے ہیں ایک پادر ہوا اور بے معنی سی بات ہے۔ 'يُثَبِّتْ' کا لفظ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیا ہے اسی مادی تمکن اور دنیوی استقلال کے لیے آیا ہے۔ دو مثالیں اصل کتاب میں ابھی ابھی گذر چکی ہیں، یعنی 'يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸: ۱۱)' اور 'اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (۸: ۴۵)'۔ دو اور پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (۸: ۱۲)

اے محمدؐ! یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار، تمہارا سپہ سالار اعظم خدا ملائکہ کی فوج کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم ایمان والوں کے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھو، اُن کے حوصلوں کو دہ چند کردو، اُن کے استقلال کو اور بھی مضبوط کرو، ہم عنقریب منکرین کے دلوں میں اپنی مٹھی بھر مسلمانوں کی دہشت ڈال دینگے، تو مارو ان کی گردنوں پر کہ چور چور ہو جائیں، اور لگاؤ ان کی پور پور پر کہ ان سب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

'مَلٰٓئِكَة' کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ 'فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' سے مقصود ارضی تغلب اور تمکن ہی ہے۔ روحانی استقلال کا کچھ ذکر نہیں۔ یہی الفاظ قریب قریب زیر بحث آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا موقع سورۂ نحل میں ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۱۰۲)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہدو کہ اس قرآن عظیم کو روح القدس میرے پروردگار کے ہاں سے لیکر اسلیئے اترا ہے کہ جو لوگ اسکے احکام پر ایمان لائے ہیں اُن کو اس دنیا میں مضبوطی سے، اور جما کر رکھے اور تاکہ یہ قانون جلیل "تسلیم کرنے والوں" کو صحیح راہ عمل دکھائے (هُدًى)، اور اُن کو اجتماعی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت دے (بُشْرٰى)۔

'روح القدس' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں۔ صفحہ ۷۸ کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی بشارت کی نوعیت واضح کردی گئی ہے۔ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی "لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے دنیاوی ثبوت اور استقلال ہی مراد ہے۔ 'روحانی ثابت قدمی' کی ترغیب پیش کرنا منکر قوم کے لیئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دنیاوی خوشحالی کا لالچ ہی وہ شئے ہے جو ہر مخالف کو ماننے پر مجبور کرسکتا ہے۔

'قول ثابت' کے الفاظ جو زیر بحث آیت میں آئے ہیں، اُن سے مراد وعدہ خدا کی توثیق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ضمناً اس آیت سے 'يُضِلُّ' کے معانی بھی صاف ہوگئے کہ یہ 'يُثَبِّتُ' کی ضد کے طور پر آئے ہیں۔ گویا اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی اور تمکن سے نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ 'ظالمين' کا لفظ پھر یہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے پیشتر صفحہ ۱۲۰ کے متن کی آیت (۳: ۱۳۹) میں ہوا تھا۔ یہاں پر بھی 'ظالمين' سے مراد کچے ایمان والے ہی ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی کمی کی وجہ سے دشمن سے شکست کھا جائیں وہ فی الحقیقت اپنی جانوں پر آپ ظلم کررہے ہیں۔ آج 'ظلم' کی قرآنی اصطلاح کے معانی بالکل بدل چکے ہیں۔ لیکن آئندہ مجلدات میں وقتاً فوقتاً اسکے مختلف مفہوم بیان کردیئے جائینگے۔ مقدمۂ کتاب میں 'ظالم' قوم کے متعلق قرآنی محاکمہ پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظالم قوم اجتماعی ہلاکت یقینی ہے (دیکھو صفحہ ۱۸۔ آیات (۲۸: ۵۹)، (۶: ۴۷)) گویا 'يُضِلُّ' اور 'يُهْلِكُ' کا تعلق ظاہر ہے۔

'بیننا' کے معنی ہم نے 'مناسب' سمجھا کیئے ہیں لیکن اسکا ثبوت فلسفۂ عمل (غالباً تیسری مجلد) میں آئیگا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳: ۱۰۱-۱۰۴)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اُسکے احکام کے آگے ہر دم سرِ تسلیم خم رکھو، اور مرتے دم تک سرتاپا تسلیم بنے رہو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھُل مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور تتّر بتّر ہرگز نہ ہو جانا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے، پھر خدا کو اپنا سچا آقا ماننے کے باعث اُس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، پھر تم اسکی اس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اِس سے پہلے اسقدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جا لگے تھے، پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو صرف اِسی اتحاد (الخیر) کی دعوت دے، اِسی عظیم القدر نیکی (المعروف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے، اور تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم اس دنیا میں کامیاب کرینگے۔ اور دیکھو ہم پھر کہے دیتے ہیں کہ اُن جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، اور جنھوں نے خدا کے کھُلے کھُلے احکام آنے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف قائم کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم دردناک عذاب دینگے۔

کیفیّتِ اتّقا

صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۹۹)

(ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرو، اور باہم ملکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو کہ کامیاب ہو جاؤ)

جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مُدعیِ ایمان کا صحیح تقوٰی اِسی کامل مصالحت اور

---

* ان آیاتِ قرآنی کے مطالب نہایت قابلِ غور ہیں۔ اصل کتاب میں سیاقِ کلام کو پیش نظر رکھکر ایک مربوط ترجمہ کر دیا گیا ہے مگر دو ایک باتیں خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں جو یہاں بیان کر دی جاتی ہیں:-

اوّلاً:- اعتصام بحبل اللہ، اور جماعت کے کامل اتحاد کو پھر تیسری بلکہ چوتھی بار "اتّقائے خدا" پر محمول کیا گیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۸، ۷۹،

اتحاد (لَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۲)) کا مسلکِ عمل تھا۔ یہی وہ سچّی ہدایت (لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳: ۱۰۲)) اور یقینی فلاح (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۰۲)) تھی جسکا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصدِ حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں عبادت (غلامی)، اور اُسکے جاہ و منصب کے سچّے خوف (تقویٰ) کا صحیح پیش نہاد یہی ہو سکتا تھا (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳: ۱۰۱)) کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند، اُسکے بندوں میں تالیفِ قلوب کے جذبات، اور اخوت و مساوات کے اصول قائم ہو جائیں (فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۵، اور ۱۴۲ پر گذر چکی ہیں۔ گویا کسی قوم کا بالاجماع قانونِ خدا (حَبْلِ اللّٰهِ) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بندنہ بننا ہی "اتّقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدید العقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے، وہی اسکی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے خوفزدہ ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کرکے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست و ریخت ہے اور یہ قانون اِسقدر عالم آرا ہے کہ اسکا اطلاق ہر جا اور ہر وقت ہو رہا ہے، کوئی اُمّت یا گروہ اِس کلیے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جبتک ایک حاکمِ اعلیٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے رعیّت کے افراد آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں اُن کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے!

ثانیاً: ائتلافِ قلوب کو نعمتِ خدا کہا گیا ہے اور "اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ" کے الفاظ نہایت قابلِ غور ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں اِس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی" لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اِس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی، استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جسپر آجکل کے مسلمان نہایت تن دہی سے اعتقاد رکھتے ہیں اور بلا سعی و عمل اسکے پھر واقع ہونیکے منتظر رہتے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس ایک خدا کی عبودیّت ہی تمہارے اتحاد کا باعث ہوئی۔ تم سبنے اسکو صحیح معنوں میں آقا اور حاکمِ اعلیٰ مان لیا اور پھر اُسکے سچّے خوف و اتّقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جُڑ گئے۔ گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبّب بالاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرّک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً۔ باہمی تفریق اور اختلاف کو "عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" کہا گیا ہے۔ یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنّم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو 'النَّارِ' سے تعبیر کرنا از بس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدمِ اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے جن خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ 'النَّار' کو خالصتہً اُخروی جہنّم سمجھا ہے اُن کے لیئے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ لیکن ان آیاتِ الٰہی میں سب سے زیادہ غور طلب آیت آیۂ 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' (۳: ۱۰۳) ہے۔ جو بات لائق دریافت ہے یہ ہے کہ 'دعوۃ الی الخیر'، 'امر بالمعروف'، اور 'نهی عن المنکر' کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور وہ کیا شئے ہے جسکی تبلیغ و تلقین کے لیئے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامّل بھی ہر صاحبِ نظر کو اِس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ 'الْخَيْر' اور 'الْمَعْرُوْف' کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتّحاد ہی ہے، اور اسی نقطہ نظر سے ان الفاظ پر آل تخصیصی واقع ہوا ہے، اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی بُرائیاں ظاہر کیگئی ہیں اور یہ آیت اُن کے درمیان گھری ہوئی ہے اِس لیئے خدائے عظیم نے عالمِ اسلام کے لیئے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب اُمّت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی رہے اور اُنکو تفرقے کی مکروہات (المُنْكَر) سے دمبدم باز رکھے۔ اِس مطمحِ نظر کے ماسوا یا اِس سے کم و بیش حتّٰی اِس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلامِ الٰہی کو مربوط اور مدلّل یقین کرنیوالوں کیلیئے اِسکے سوا کسی اور نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔

مسلمانانِ عالم اور شارحینِ قرآن نے اِس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے، اور الْخَيْر و الْمَعْرُوْف کے معنی عام کرکے عالمِ اسلام کو ایک غلط

اِخْوَانًا (۳: ۱۰۲)؛ وہ سب کے سب یکجان و یک زبان ہو کر اُسکی حکومت کے ہر آن شاہد، اور اُسکی بارگاہ عالیہ سے بہرحال مرعوب رہیں؛ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (۲۳: ۶۰)؛ وہ اللہ کو ہر وقت اپنے ذاتی مناقشات میں حاضر و ناظر، اور ہر حالت میں نگرانِ اعمال یقین کر کے اُسکے رُعب و وقار کا احترام، اور احکام کا پاس کرتے رہیں؛ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

سلہ خدا سے ڈرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو باوجود اسکے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کر دیتے ہیں، مگر اُنکے دل اندر سے ہلتے رہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دن خدا کے حضور میں جوابدہی کے لیئے کھڑا ہونا ہے (اور ممکن ہے کہ خدمت خدا کا حق ادا نہ ہوا ہو!)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۶) اور مہمل، نامعلوم اور نامحدود رستے پر لیگئے ہیں۔ مطالب کی اس عام افراتفری میں چنانچہ آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے ظاہری ادّعا کی آڑ میں ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور کسی مستقل پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو کر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کر رہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو 'داعی الی الخیر' کا خطاب دیکر جماعت میں تفریق و اشتات پیدا کر رہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت کبر و تحکم سے جا رہے ہیں، اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کر رہے ہیں! جو حیرت انگیز فرقہ بندیاں ان گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہو رہی ہیں بجائے خود خدائے عظیم کے مقصد اصلاح و اتحاد اور اس آیت کے منتہائے نظر کو باطل کر رہی ہیں، وہ 'اعتصام بحبل اللہ'، اور 'ائتلاف قلوب'، اور 'اخوانیت'، جو امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر سے مطلوب تھی یک قلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی دُکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لیکر بے وقوف اُمت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے!

اگر بنظر تعمق اس آیہ شریفہ کے مضمون کیطرف دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ ربّ کون و مکان تعالی نے تمام عالم اسلام کیلئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے لیئے تجویز کیا ہے نہ دس بیس مختلف گروہوں کو، جو 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آرا، ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے، اُن کو اعتصام خدا کی دعوت دے، اُن کے اختلافات کو وقتاً فوقتاً دور کرتا رہے، اُن میں فرقہ بندیاں نہ پیدا ہونے دے، سب دنیائے اسلام کو جبراً ایک مقصد وحید، ایک مطمح نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لیجائے، وہ گروہ خود کسی مقتدر نظام کے ماتحت کام کر رہا ہو، اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اول سے قطع نظر مسلمانوں نے آجتک نہیں بنایا اور اسی لیئے میرا یقین ہے کہ اُمت مرحومہ اس آیہ کبریٰ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے حتماً قاصر رہی ہے!

اس گروہ کے متعلق 'وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ' کا ارشاد ہے۔ 'فلاح' کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں جیسا کہ کئی ایک مثالوں سے جو پیشتر دی گئیں ظاہر ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاح دارین حاصل کرے گا اور اُمت کو صحیح معنوں میں قوت دیگا۔ آگے چلکر فرقہ بند اُمت کے لیئے 'وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ' کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ اُمت کو دنیا میں ملتا ہے۔ 'اُولٰٓئِكَ' کا تکرار بھی لامحالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد و منتہا پر قائم و متحد رکھنا ہی ہے اور وہ پیش نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔

لیکن اس تمام خارجی استدلال سے صرف نظر کر کے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اس نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ 'الْخَیْر' 'الْمَعْرُوْف'، اور 'الْمُنْكَر' کے الٰہی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ 'الْخَیْرٰتِ' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مختصر بحث ابھی ابھی صفحہ ۱۳۵ کے

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۱۵ (۵۸: ۷)؛ وہ اسکی محتسبانہ رقابت میں سب جزوی معاملات اور فرعی مختلفات کو بالائے طاق رکھکر اُسی کی خدمت و اعلا میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں؛ وہ اس احکم الحاکمین کے

۱۵ اے انسان! کیا تو نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہو رہا ہے اسکا علم رکھتا ہے؛ جب تین شخص آپس میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں تو بہرحال چوتھا وہ ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے پھر جو جو کام یہ آج کر رہے ہیں اُن کو روزِ قیامت کو مو بمو بتلا دے گا، لوگو! درحقیقت خدا ہر چیز سے واقف ہے!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۷) تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی حسن عمل کو یہاں پر لفظ 'الخیر' سے یاد فرمایا ہے (يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ)۔ 'المعروف' اور 'معروف' کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (۲: ۲۳۱)، "اور جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو اور اُنکی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کرکے اُنکو پوری صلح صفائی سے (بمعروف) پھر زوجیت میں رکھ لو، یا اُن کو مصالحت سے رخصت کر دو، اور دکھ دینے کی نیت سے اُنکو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو۔" یہی مضمون اس آیت میں پہلے بھی ہے: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ (۲: ۲۲۹)؛ یعنی "یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا، یا خوش اسلوبی سے رخصت کر دینا۔" ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے: وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ (۲: ۲۲۸)، یعنی "اور اگر اُنکے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو اُن کو پورا حق ہے کہ اس اثنا میں اپنی عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں، اور اس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) اسی طرح پر مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے۔" اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے: فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ (۲: ۲۳۲)، یعنی "طلاق ہوئے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ نئے خاوندوں سے نکاح کریں اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (بِالْمَعْرُوفِ) راضی ہو گئے ہوں۔" آگے چلکر دودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں ہے: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ (۲: ۲۳۳)، "اور باپ پر لازم ہے کہ ایسی زیر تجویز مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے۔" اور اگر دایہ سے دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہو جائے تو فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ (۲: ۲۳۳)، یعنی "اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماؤں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے دو۔" رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ (۲: ۲۳۴)، "پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو نیک نیتی اور صلاح روی سے (بالمعروف) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اسکی پرسش تم وارثان میت سے کچھ نہیں، اور اسی لئے تمہیں اس فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں اُن کو کرنے دیں۔" اس موقع پر المعروف سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے، نہ یہ کہ اُٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور خانگی فساد کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شبِ زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں اُن کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہیے: عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲: ۲۳۶)، "مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق۔ تم اسکو ایک نذرانہ

پاس ادب اور لحاظ سے دلوں کے بُغض اور سینوں کے حسد نکالکر باہمد گر متحد اور متفق ہوجائیں ؛ وہ دانائے نہاں و آشکارا کی متجسسانہ دانش اور متفحصانہ بینش کا کامل یقین کرکے، دلوں کی تہ کے سرائر و خفایا کو آلائش گناہ سے قطعاً پاک صاف کردیں مخلص اور عقیدتمند خواجہ تاشوں کا اپنے آقائے حقیقی سے یہ وہ معترفانہ خوف، اور وہ غیر متزلزل اتقا تھا جس نے ہر ناگہاں مصیبت کے وقت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۸) سمجھو جسکی غرض و غایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پائے (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ نذرانہ تو ایک طرح کا حق ہے۔" کچھ آگے چلکر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ٥ (۲: ۲۴۱) یعنی "مطلقہ عورتوں کے لیئے بھی کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور احسان یا یادگار ملنا چاہیئے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں، اور خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لیئے تو یہ معمولی سی رواداری بطور ایک فرض کے ہے۔" مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں مُتّقی ہے اُسکا منتہائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شئے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اسکا واقع ہونا بہرنوع ضروری ہوگیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اُس عورت کو جسکے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتدبہ رقم بطور نذرانے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پہنچنے پائیں۔ ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم ازکم دشمن نہ سمجھیں اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفریق پیدا نہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورہ نساء میں ہدایت ہے: وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۴: ۵) یعنی "اُن کے ساتھ صلح صفائی سے برتاؤ کرو۔" محتاج سرپرست کے بارے میں ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۶) یعنی "اگر سرپرست کم مقدور ہو تو اُس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (بِالْمَعْرُوْفِ) اپنے گذارے کے لیئے لے لے۔" یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ دلمیں اس یتیم کی طرف نیکی، صلاح روی اور مصالحت کا خیال ہو، اُسکو تباہ کرنے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو، اُسکے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۱۹)، یعنی "انکے ساتھ حُسن سلوک سے رہو۔" لونڈیوں سے نکاح کرنیکے متعلق ہے: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (۴: ۲۵)، یعنی "اُن کو انکی اس مستقل مصاحبت کے عوض میں اُنکے مہر منصفانہ طور پر (بِالْمَعْرُوْفِ) ادا کردو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھریلو عورتیں بنکر رہیں، بدکاری اُن کی غرض نہو، اور نہ پوشیدہ طور پر یار رکھیں۔" یہاں "المعروف" سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہوجائے، گویا منتہائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورہ نساء میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ (۴: ۱۱۴)، "اُن لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں متحد کرنے (خَيْر) یا صلح و صلاح کی صورت (خَيْرًا) بنانے کا تو نام نہیں، اِن کا دار و مدار ہی نفاق پر ہے، البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس نے اوروں کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (اَمَرَ بِصَدَقَةٍ)، مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (اَوْ مَعْرُوْفٍ)، یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بویا۔" یہاں صاف "مَعْرُوْف" سے مقصود اتحاد برخلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی غایت ہوا کرتی ہے۔ سورہ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ (۹: ۶۷)، یعنی "نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں، لوگوں کو نفاق (المُنْكَر) کی ترغیب دیتے ہیں، اور مصالحت اور اتحاد (المَعْرُوْف) سے باز رکھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے

مومنوں کے صبر میں استقامت، اور اتحاد میں استواری پیدا کردی تھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۱] (۳: ۱۹۹)۔ یہی وہ ہیبت انگیز ذکر، اور ارتعاش آفریں یادِ خدا تھی جو تیروں اور تلواروں کی بارش میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتی تھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۲] (۸: ۴۵)۔ اسی باہمی ولایت اور اتقا کا لازمی نتیجہ فلاحِ دین اور غلبۂ اسلام تھا: وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ[۳] (۵: ۵۶)۔

---

[۱] دیکھو صفحہ ۱۴۲ [۲] دیکھو صفحہ ۱۴۳ [۳] اور جو اللہ کا دوست اور رسول کا معاون بنا رہا، اور جس نے ایمان والوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا، وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے۔ اور اللہ کا گروہ ہی تو غالب گروہ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۹) موقع پر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے ہیں"۔ یہاں پہلی دفعہ 'المنکر' کا لفظ آیا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ 'المعروف' اور 'المنکر' کا منتہائے نظر اس آیۂ کریمہ میں بعینہ وہی ہے جو آیات زیر بحث یعنی (۳: ۱۰۱-۱۰۴) صفحہ ۱۴۵) میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آیندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ (۹: ۷۱)، "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں، وہ لوگوں کو باہم گر متحد ہونے (المعروف) کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور نفاق (المنکر) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں اور 'الصلوٰۃ' کو قائم کرتے ہیں، اور حسب موقع ایثار مال کرتے، اور خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں"۔ الصلوٰۃ کی اجتماعی حیثیت، الزکوٰۃ کے اجماعی فوائد اور اطاعت خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمت عملی پر بحث آیندہ اوراق میں آئے گی، لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے کہ 'المعروف' کی دعوت فی الحقیقت اتحاد ہی کی دعوت ہے، اسکے سوا حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔ المنکر کی الٰہی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں، باقی موقعے اصل کتاب میں عنقریب آئیں گے۔ سورۂ حج میں ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ (۲۲: ۷۲)، یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور نتیجہ خیز احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم ان لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانیوالوں پر حملہ کر بیٹھیں گے"۔ گویا 'المنکر' یہاں پر وہ قلبی انکار ہے جسکا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے: اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ڏ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ (۲۹: ۲۹)، یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے اور ناچاقیاں پیدا کرتے ہو (المنکر)"۔ مفسرین نے جو 'المنکر' سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے محض بے سبب اور بے سند ہے۔ جب تاتون الرجال اور تقطعون السبیل کے الفاظ میں نوعیت جرم کی پوری تخصیص ہے تو تاتون المنکر میں بھی تخصیص جاری رہنی چاہیئے اور وہ سوا اسکے نہیں جو ہم نے بیان کردی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ جرم عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی۔ لواطت سے بڑھکر کیا بے حیائی ہوگی جس کا ذکر تاتون الرجال بلکہ اس سے پیشتر کی آیت (۲۹: ۲۸) میں اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ پھر یہ بیک دفعہ ایک ہی شئے کو بے سبب دُہرانا کلام الٰہی کے شایان شان نہیں۔

(باقی)

اسی اتقا کے قیام اور باہمی نفاق کو دور کرنیکے لیئے قرآن آیا تھا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۱۹: ۹۷)[۱] اسی الخیر اور المعروف کی مسلسل تبلیغ اور پیہم تلقین کیلئے رب العلمین نے مسلمانوں میں ایک مستقل جماعت کی تاسیس ضروری سمجھی تھی[۲] یہ تفریق بین الافراد ہی وہ المنکر اور صحیفہ کائنات کا وہ سب سے بڑا گناہ تھا جسکے انہدام و استیصال کے لیئے مسلمانان جہان پر ایک غیر منقطع جہاد لازمی کردیا تھا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۱۰۴)[۳] اسی صحیح تقویٰ کے وسیلہ عمل سے مسلمانان عالم کو ساکنان زمین پر ایک امتیازی خصوصیت اور مقام بلند ملنے کا وعدہ تھا[۴] اور اسی تقویٰ کے انعام میں منعم حقیقی نے دنیا کے

سلہ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر سہل الفہم صرف اسلیئے کردیا تھا کہ تم اسکے ذریعے سے متقی (اور متحد) قوم کو (اجتماعی بقا) کی بشارت دو اور نفاق ارا اور جھگڑالو قوم کو اجتماعی ہلاکت اور عذاب سے ڈراؤ۔ (اس آیت کے لفظ الْمُتَّقِيْنَ کے متعلق ایک بحث صفحہ ۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے) ۹۵ ترجمے کیلئے دیکھو صفحہ ۱۴۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۵۰) الغرض جس نقطۂ نظر اور درجہ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے ہر صاحب نظر کو ان کا مطالعہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچا تا ہے کہ کلام الٰہی کی قانونی زبان میں "المعروف" کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور "المنکر" سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہے۔ نیکی اور برائی کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لیئے ہیں اسقدر غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پہنچنا از بس دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنان زمین کے لیئے ایک قانون عمل ہے۔ اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اس کا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہوسکے، بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریق عمل ہو اور بس، نہیں بلکہ سب سے ضروری امر یہ کہ ہر متفرع المعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اُسکے اندر موجود ہو، اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح و بسط کے لیئے اسکو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہ انہی معانی میں قرآن عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۱-۹۲) وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے، آپ ہی اپنی لغت، اور آپ ہی اپنی تشریح ہے، اُسکے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی پیش نہاد، ایک ہی مقصود، اور ایک ہی طرز عمل ہے۔ دستور خدا کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اُس مقنن عظیم کے واحد عندیے کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کردیں کہ انتشار عمل کی گنجایش باقی نہ رہے، کوئی شخص یا گروہ تاویل کو دھوکے کی ٹٹی بنا کر گریز کی سبیل نہ نکال سکے، مکر و ریا کی آڑ میں نہ چھپے، جہل کو عذر نہ بنا سکے۔ جو تفسیر اس اہم مقصود کو پیش نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلام خدا کی شرح نہیں۔ اس کا پیش نہاد تشتت عمل ہے، تفریق قوم اور تضعیف امت ہے۔ جب تک مطالب بین اور غیر مشکوک، واحد اور محدود نہ ہوجائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے، جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۱۶: ۴۴)۔ "المعروف" اور "المنکر" کے صحیح مفہوم کے متعلق اسی تبیین کی سعی میں نے اس تحت المتن میں کی ہے اور میرا یقین ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بہر نوع یہ تمام بحث مجھے اس دعوے کا مزید اور حتمی ثبوت ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی تبیین میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہی نہیں بلکہ لغت اسکے مطالب کی تشریح کیلئے اکثر اوقات گمراہ کن ہے کیونکہ تغیر پذیر ہے اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶: ۱۱۶) صفحہ ۹۲-۹۳ کے تحت میں نہیں آسکتی۔

مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۵۹۔

شاداب اور سرسبز ملکوں کی بادشاہت مومنوں کے لیے اپنے پاس بطور امانت رکھ لی تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (۸: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم خدا کا سچا خوف کر کے (متحد بنے) رہو گے تو وہ تمہارے لیئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا، تمہاری سب اجتماعی واماندگیوں اور دنیاوی خستہ حالیوں کو تم سے دور کر دیگا، تمہاری پچھلی غفلتوں سے چشم پوشی کرے گا، اور خدا تو فی الحقیقت بڑا فضل کرنیوالا ہی بشرطیکہ بندے اُسکے حکموں پر چلیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا ‡ وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)

اور اے پیغمبر! مخالفوں کی ایذاؤں کو صبر اور استقلال سے برداشت کرو۔ جہاں تمہیں تکالیف خدا کی وجہ پونہچ رہی ہیں، وہاں تمہارا تحمل بھی خدا ہی کی وجہ سے ہوگا (ورنہ یہ لوگ فی الحقیقت صبر کے اہل نہیں)۔ لیکن انکے سلوک کو دیکھکر غم بھی نہ کھاؤ اور جو چالبازیاں یہ تمہارے برخلاف کر رہے ہیں اس سے دل تنگ بھی نہ ہو جاؤ، بلکہ استقلال سے اپنے اصولوں پر جمے رہو، کیونکہ تقوٰی کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ اللہ بیشک اُنھیں کا ساتھ دیتا ہے جو مقام خدا کا سچا خوف دل میں رکھکر اسکی لڑائیاں استقلال سے لڑتے ہیں، اور جو اجتماعی بہبودی کو پیش نظر رکھکر حُسن عمل کرتے ہیں (هُم مُّحْسِنُونَ۔ دیکھو حَسَنَات کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۳۰ الی آخرہ)۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

---

† 'يُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ' کے الفاظ کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اس جملے سے صاحب القرآن تعالیٰ کی مراد اجتماعی اور دنیاوی بدحالیوں، اور قومی واماندگیوں کا دور کرنا ہے۔ 'يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا' کے الفاظ سے ان مطالب کی اور بھی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ 'فُرْقَان' یعنی امتیاز باقی اقوام عالم کے بالمقابل، اور دنیاوی حیثیت ہی سے ہو سکتا ہے ورنہ بے معنی ہے، اور اگر یہ امتیاز روز قیامت ہی کو عیاں ہونا جیساکہ آجکل کے ناکارہ مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے تو 'يَغْفِرْ لَكُمْ' کے الفاظ اس مطلب کو ادا کرنے کے لیئے بالکل کافی تھے۔ یہ بات 'وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ' سے بھی ظاہر ہے کیونکہ جیسا آگے چلکر ثابت کیا جائے گا 'فَضْل' کے معنی از روئے قرآن دنیاوی افضال ہی کے ہیں۔

‡ ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ 'صَبْر' یعنی مصائب و نوائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا "اتقائے الٰہی" کی ایک اہم شق ہے یہی بات آیہ (۷: ۱۲۸) سے ظاہر ہے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۳۹ پر آچکی ہے۔

فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ○ (۳: ۱۹۵-۱۹۷)

اے پیغمبرؐ! دشمنانِ خدا کا اِن تمہارے شہروں میں چلنا پھرنا، اور ایمان والوں کے بالمقابل دنیا میں آرام و آسایش سے رہنا تمہیں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔ یہ سب ایک قلیل فائدہ، اور چند روزہ مہلت ہے جو انکو دیجارہی ہے۔ پھر دیکھ لینا اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا سچا خوف کیا ہم اُنکے استقلال اور استقامت، اُنکے صبر اتحاد کے بدلے میں انکو ایسے خوشنما باغوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اسمیں ایک مدت مدید تک رہینگے۔ یہ تو انکی مہمانی اللہ کی طرف سے اس دنیا میں ہوگی، اور جو کچھ حُسنِ عمل کرنیوالوں کے لیئے اللہ کے پاس رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

● اِن آیات میں بعض باتیں نہایت غور طلب ہیں:-

اولاً۔ یہاں پر 'کفر' اور 'اتقا' کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔ کافر اقوام کی دنیوی آسایش اور بہجت کو 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کہا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ہر کافر قوم سے دنیاوی نعمتوں کا چھینا جانا اٹل ہے، اور بعد ازاں اس دنیا کے اندر شکست و ریخت ابداً آباد تک انکا حصہ ہے (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔ کافر قوم کے دنیاوی عذاب اور اجتماعی ہلاکت کے متعلق مقدمہ کتاب کے آخری حصے (صفحہ ۹۶) میں قرآن حکیم کا محاکمہ پیش کر دیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ہر کافر قوم کی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا متذکرہ بالا مفہوم عیاں ہے۔ اکثر لوگوں نے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ کافر اقوام کو جو دنیاوی نعمتیں مل رہی ہیں وہ انکو دنیا کی اس چند روزہ زندگی کیلئے ملتی ہیں اور نسلاً بعد نسل بدستور ملتی رہیں گی، پھر مرنے کے بعد یا قیامت کے دن انکو جہنم میں ڈالا جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ، یہ سب فلسفہ نہایت لچر اور ناپاک ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب خدا اُن سے ناراض ہے تو دنیا کی چند روزہ نعمتیں بھی کیوں اُنکو ملیں، یہیں سے عذاب کیوں نہ شروع ہو جائے اور آخر دم تک ملتا رہے۔ کیا یہ بات (معاذ اللہ) خدا کے بس کی نہیں رہی کہ وہ اس دنیا کے اندر اُن سے نعمتیں چھین سکے۔ اور سزائے آخرت کے واقع ہونے سے پہلے نہ دے سکے۔ قرآن حکیم کی تمام حکمت اس ناروا تخیل کے سراسر خلاف ہے۔ اور اس تخیل کا اُمت حاضرہ میں رواج پا جانا بھی درحقیقت 'کافر' اور 'کفر' کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ خود 'وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ' (۳: ۱۳۹، صفحہ ۱۴۸) کا مضمون 'کافر قوم کی دنیاوی خوشحالی کے حتماً نقیض ہے اور صاف اس امر کا دعویدار ہے کہ مومن قوم ہی کی دنیوی فلاح قطعی ہے۔ یہی بات 'فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ' (۵: ۵۶، صفحہ ۱۵) سے ظاہر ہے، اور اگر قرآن حکیم اختلاف کے انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے تو دنیاوی خوشحالی کسی کافر قوم کے شامل حال حتماً نہیں ہوسکتی۔ جو بات آیات زیر بحث (یعنی (۳: ۱۹۵-۱۹۶)) میں کہی گئی ہے یہ ہے کہ منکرین خدا کی ظاہری خوش حالی، اُن کا تغلب اور تمکن فی الارض ایمان والوں کو دھوکہ نہ دے، اُن کو متعجب نہ کردے کہ خدا کی طرف سے ان کو انعام کیوں مل رہے ہیں، در اصل انکو انعام مل نہیں رہے بلکہ رفتہ رفتہ ان سے چھینے جا رہے ہیں۔ جو تغلب یا تمکن اُن کو اپنے آبا و اجداد کیطرف سے وراثۃً ملا ہے وہ ایک متاع قلیل ہے۔ ایک اقل قلیل مدت میں اُنکے نااہل اور بے ایمان ہوجانے کے باعث چھین لیا جائے گا گویا نعمتہائے الٰہی کے چھینے جانے کی تباہی ہو رہی ہے اور ہلاکت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر جب عذاب الٰہی آپونچے گا تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے! (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔

ثانیاً۔ آیات زیر بحث (۳: ۱۹۵) میں 'کافر' قوم کی متاع قلیل کے بالمقابل 'متقی' قوم کی دائمی آسایش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ جہاں 'کافر' قوم کی دنیوی طاقت روز بروز زوال پر ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ صفحۂ زمین سے نیست و نابود ہو جائے وہاں 'متقی' قوم کا یہ حال ہے کہ سرسبز زمینوں کی بادشاہت اُن کا حصہ ہے (لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ)، وہ ان زمینوں کے مالک سدا سدا کو رہیں گے

آہ! یہ کیا فرقانِ عظیم تھا؟ یہ کیا ممیز مقام تھا؟ یہ کیا نہروں والے باغوں کی دائمی بادشاہت تھی جو دربارِ رب العٰلمین سے تقویٰ کے صلے میں مہمانی خدا بن کر نازل ہوئی تھی اور جلد تر ہوئی! کیا یہ 'تقویٰ' کیا یہی تقویٰ جو آج ہماری مسخ مصطلحات، غلط محاورات، اور تحریف شدہ مطالب کے رو سے تسبیح کے دانوں کا دیوانہ وار مرتعش انگلیوں کے درمیان سے سرکاتے رہنا، لمبے لمبے جُبّے، بڑے بڑے عمامے اور رنگ دار داڑھیاں بنا بنا کر اسلام کُش اور تفرقہ انگیز اعمال کرنا، خلقِ خدا کی آنکھوں میں دُھول ڈال کر پرہیزگار بنے رہنا، یا شبانہ روز بے روح وا اثر سجدوں سے ماتھے کو زمین پر ٹھکرا کر، دنیا و مافیہا سے الگ تھلگ رہنے، اور اللہ کی عزیز القدر نعمتوں پر نہایت بیدردی اور اصرار سے لات مارنے کا مترادف ہی: يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ[۹۵] (۱۶: ۸۳)، کیا یہی تقویٰ وہ خوفناک اسلحہ تھا

[۹۵] یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں پھر تجاہل عارفانہ کر کے اُن سے منکر ہوتے ہیں اور اُن میں سے اکثر اِن نعمتوں ہی کے منکر نہیں، بلکہ درحقیقت خدا کے منکر ہیں۔ (گویا از روئے قرآن خدا کی دنیوی نعمتوں کی بیقدری کرنی کفر ہے۔ 'نعمت' کا قرآنی مفہوم آگے چلکر اسی مجلد میں واضح کر دیا جائے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۳) (خَالِدِينَ فِيهَا)۔ گویا جبتک قرآنی اصطلاح میں مُتّقی رہینگے دنیوی تغلّب اُن کے حصے میں رہیگا!

'اتقا' کی مکمل تشریح ابھی تک نہیں ہوئی، اِسکے لیئے ابھی بہت وقت درکار ہے مگر جو کچھ ابتک حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ از روئے قرآن (۱) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۳۹- آیت (۷: ۱۲۸) اور صفحہ ۱۵۲- آیات (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸))؛ (۲) 'اُمّتِ واحدہ' بنے رہنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۴- آیت (۲۳: ۵۲))، (۳) "قَوْمًا لُّدًّا" نہ بننا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۷- آیت (۱۹: ۹۷))، (۴) 'اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ' اور 'لَا تَفَرَّقُوا' کا مصداق بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴- آیات (۳: ۱۰۱-۱۰۲))، (۵) 'اصْبِرُوا' اور 'صَابِرُوا' اور 'رَابِطُوا' پر عمل کرنا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۰- آیت (۳: ۱۹۹))۔ جس قوم میں یہ خاصیّتیں موجود ہیں وہ از روئے قرآن مُتّقی ہے، اور ایسی مستقل مزاج، اولوالعزم، متحد، نافرقہ بند، اور صاحبِ اخوّت قوم کا روئے زمین پر تسلط قطعی ہے۔ اِس مقام نظر سے ثابت ہے کہ زیرِ بحث آیت میں 'کافر' قوم کا 'مُتّقی' قوم سے مقابلہ کر کے اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اوّل الذکر قوم کی دنیاوی نعمتیں محض چند روزہ ہیں مگر مؤخر الذکر کے لیئے جنّات زمین ہیں جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں، وہ اُن میں جبتک مُتّقی بنے رہیں گے، رہیں گے۔ یہ مہمانی اُن کی اس روئے زمین پر خدا کے ہاں سے ہوگی (مِنْ عِندِ اللَّهِ) اور جو کچھ روزِ آخرت کو اِس بادشاہت زمین کے سوا خدا کے پاس (عِندَ اللَّهِ) ملیگا، وہ اس سے بدرجہا بہتر (خَيْرٌ) ہے۔

'نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ' کے الفاظ کے بعد 'وَمَا عِندَ اللَّهِ' کہنا، اور بعد ازاں مقابلے کے لیئے 'خَيْرٌ' کا لفظ استعمال کرنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ 'جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ' سے مراد بادشاہت زمین ہی ہے اسکے ماسوا اَور کچھ نہیں، اور 'وَمَا عِندَ اللَّهِ' کا مفہوم 'الْجَنَّةَ' کی آسائش ہے جو آخرت میں ملیگا، اور جو بادشاہت زمین کی نعمت سے بدرجہا بہتر نعمت ہے۔ 'خَالِدِينَ فِيهَا' سے شارحین قرآن نے مراد ابد تک بہرہ ور ہونا لیلیا ہے۔ لیکن خلود کے معنی ایک مدّت مدید تک رہنے کے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ 'مِنْ عِندِ اللَّهِ' اور 'مَا عِندَ اللَّهِ' کا تقابل صفحہ ۱۲۲ کی آیت (۱۳: ۱۹۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں بھی 'جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ' کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ دونوں آیات الٰہی جنّات کے متذکرہ صدر معانی کی زبردست دلیلیں ہیں۔

جس کی آسماں دوز زُدْ اور زمیں پاش ٹکر سے قرنوں کی مستحکم اور مقیم سلطنتوں کی بُنیادیں ہل جاتی تھیں! جس کی آہنیں ضرب سے رومۃ الکبرٰے اور فارس کے بلند نشینانِ عیش و عشرت کے تخت ہلنے، اور تاج ڈگمگانے لگتے تھے! جسکے قلعہ شکن اور حوصلہ کش گھمسان کے باعث قوی سے قوی دشمن کے حواس باختہ، اور روحیں فنا ہوجاتی تھیں! جس کی خانہ برباد طاقت اور تباہ کن قوّت کا راز، دشمن سے قطع نظر، آج خود ہمارے لیئے تازیانۂ عبرت ہے:

هُوَ الَّذِيٓ أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَأَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يٰٓأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ (۵۹ : ۲)

وہ خدا ہی تو تھا جسنے اپنے بہادر اور ثابت قدم مومنوں کے ذریعے سے منکرِ خدا اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی بھاگڑ بناکر نکال دیا! اے ایمان والو! تمہیں اپنی قوّت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، وہ اس خیال میں مست تھے کہ اُنکے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچالیں گے، مگر اللہ کے لشکر نے انکو اُدھر سے دھر پکڑا جدھر سے اُن کو وہم و گمان بھی نہ تھا، اور اُن کے دلوں میں ایمان والوں کی ہیبت بٹھا دی! اب وہ اِن گھروں کو اپنے ہاتھوں اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے ہیں، تو اے بصیرت والو! اِس واقعہ سے عبرت پکڑو کہ ایمان کیا کچھ کرسکتا ہے!

کیا یہ اللہ کا محبت آمیز **ڈر** کیا یہ اُس سب سے بڑے سپہ سالار صلعم کا **ہول** مرتبت، کیا یہ اُس قائد اعظم صلعم کا عشق انگیز **خوف**، کیا یہ اُس دلق پوش پیغمبر کا رُعبِ رسالت، یورپ کی حصن پاش توپوں اور رومۃ الکبرٰی کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا ندہش اور مُہلک تر **ہتیار** نہ تھا جس نے صدر اسلام کے مُتقی مومنوں کو انہی شکستہ نیزوں اور کند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب ترملکوں کا وارث بنادیا تھا!

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ

؎ یہاں صاف ظاہر ہے کہ "متقی" قوم کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی بخیر گذریگی یس دنیا ہی خوشحالی کا ہونا اور نعمائے الٰہی سے فیضیاب ہونے کی اہلیت رکھنا ہی "اتقائے خدا" کی علامت ہے، لیکن یہ بحث پانچویں مجلد سے پہلے نہو سکیگی۔ انشاءاللہ کے متذکرہ صدر معانی کا ثبوت فلسفۂ عمل میں آئے گا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۵۶:۷)

اور اُنھوں نے کہا کہ اے پروردگارِ عالم! تو اِس دُنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح ہمارے نام لکھ دے کیونکہ ہم سب سے الگ ہوکر تیری ہی طرف آ گئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اپنا عذاب تو اُسی پر نازل کرتے ہیں جسکو ہم بہمہ وجوہ مستوجبِ سزا قرار دیتے ہیں (مَنْ اَشَآءُ)، لیکن ہماری رحمت تمام عالم پر حاوی ہے تو ہم بہبودیِ دنیا اور فلاحِ آخرت عنقریب اُن لوگوں کے نام پر لکھدینگے جو ہم سے سچے طور پر ڈرتے ہیں، جو ہمارا بول بالا کرنے کی غرض سے قربانیٔ مال کرتے ہیں، اور جو ہمارے احکام کے نفع مند ہونے پر ایمان رکھکر اُن پر عمل کرتے ہیں (یُؤْمِنُوْنَ)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ + وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳۵:۵)

اے ایمان والو! مقامِ خدا سے ڈرتے رہا کرو، اور پسندیدۂ خدا کاموں کے وسیلے سے اُس سے قرب حاصل کرنے کی سعی کرو۔ اور اسکی حمایت میں جانیں لڑا دو تاکہ تم آخر کار اِس دنیا میں کامیابی اور آگے چلکر فلاح حاصل کرو (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔

+ جس حیرت انگیز نادانی بلکہ تجاہلِ عارفانہ سے بعض ناعاقبت اندیش اور فرقہ بند مسلمانوں نے اِس آیتِ الٰہی کے مطالب میں قصداً تحریف کرکے "اِبْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" کے الفاظ کو اپنے انسانی کارفرماؤں اور پیروں کی تلاش، اور اُنکے توسّل سے "قربِ خدا" حاصل کرنے پر محمول کیا ہے، اور جس ظاہری سکوت اور باطنی اطمینان سے پیر حضرات نے بھی اس آیت کو اپنی طرف منسوب دیکھکر دنیائے اسلام کی صدرنشینی خود بخود قبول کرلی ہے، اُس سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانانِ عالم نے قرآنِ حکیم کے الفاظ کی حفاظت میں اس شدّ و مدّ سے حصہ لیا کہ باقی دنیا اُنکے اِس کارنامے پر ہمیشہ رشک کرتی رہے گی، وہاں کتابِ الٰہی کے مطالب کی حفاظت کی طرف سے کامل بے اعتنائی اور بے حسّی اختیار کرکے دینِ اسلام کی روح کو نہایت سرعت سے فنا کر رہے ہیں۔ اب ہر شخص جس آیت کا جو مطلب چاہتا ہے بنا لیتا ہے، اور الفاظ کے مطالب کو کھینچ تان کر اُسکے زیرِ سایہ ایک نہایت آباد اور پُر رونق دکان سجا لیتا ہے۔ آج تاویل کے محشرستانِ مکر و فساد میں کسی ایک آیتِ الٰہی کے معانی کی تعیین مشکل ہو گئی ہے، ہر شخص اپنے اپنے ٹکڑے اور من مانی تاویل کو ہاتھ میں لیئے ہوئے تفریق و انتشار کے عدم آباد کی طرف نہایت شوق سے جا رہا ہے، اور خدا سے قطعاً نہیں ڈرتا کہ جن مطالب کی نشر و تبلیغ وہ نہایت تن دہی سے کر رہا ہے، اور جس "خدمتِ اسلام" کے برتے پر وہ نجاتِ آخرت کا امیدوار ہے اس خدمت اور مطالب کی کوئی خدائی سند بھی ہے۔ آج یہی آیۂ "وَسِيْلَةَ" (۵: ۳۵) پیر پرستی کی سند میں ہر موقع پر اس یقین اور التزام کے ساتھ پیش کر دی جاتی ہے، قرآن سے دن رات سروکار رکھنے والے مسلمان اور پیروں کے پڑھائے ہوئے مرید خدا تک پہنچنے کے لیئے پیروں کے توسّل کو اسقدر ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اُن کے طرزِ استدلال اور تعقّل، اُن کی قرآن فہمی اور تکبّر کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے لیکن یہ خدا کے اِس آخری کلام کا زندہ معجزہ ہے کہ جس جس آیت کے مطالب مسلمانوں نے اپنا مطلب نباہنے کیلئے محرّف کر لیئے ہیں اسکی تغلیط کا پورا سامان خود قرآن کے اندر حیرت انگیز استقلال کے ساتھ موجود ہے۔ قرآنِ حکیم کا ہر حصہ اپنے مطالب کا آپ محافظ ہے، اُسکو کسی مفسّر یا شارح کسی من مانی لغت یا دل سے بنائی ہوئی حدیث کی حاجت نہیں۔ آیۂ وَسِيْلَةَ کے اِن ناروا معانی کا پورا ردّ سورۂ بنی اسرائیل کے اندر موجود ہے اور یہ ردّ اِس درجہ مُسکِت ہو کہ کسی بڑے سے بڑے پیر پرست کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ بشرطیکہ ذہن کو کام میں لانے کی توفیق اسکو ارزانی

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (۹:۱۳)

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں سے دل کھولکر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول خدا کو وطن بدر کر دینے کا ارادہ کیا، اور ایذا دینے میں پہل بھی انہوں نے کی۔ کیا تم ان لوگوں کی طاقت اور تعداد سے ڈرتے ہو؟ پس اگر تم میں ایمان موجود ہے تو خدا ان کہیں بڑھکر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۶) ہو جائے! انسان کے انسان کی عبادت کرنیکے متعلق کتاب خدا کا محاکمہ ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ○ (۱۷: ۵۶-۵۷)

اے محمدؐ! ان لوگوں سے کہہ دو کہ خدا کو چھوڑ کر تم نے جن انسانوں (الَّذِينَ) کو اپنے زعم میں اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے۔ (جن کو تم خدا کے ساتھ ساتھ طاقتور اور مشکلکشا سمجھ بیٹھے ہو) ان کو پکار دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ نہ تم سے تکلیف کو دور کر سکینگے اور نہ اسکو بدل ہی سکیں گے۔ یہ شخص جنکو نادان لوگ حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، (اور جنسے اپنے مشکلکشا اور سفارشی بننے کی آس لگائے بیٹھے ہیں) خود اس قدر محتاج ہیں کہ ان میں سے خدا کے بڑے مقرب بھی (أَيُّهُمْ أَقْرَبُ) اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنیکے وسیلے ڈھونڈتے رہتے ہیں (يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ)، اُس کی رحمت کے ہر دم چشم براہ، اور اُسکی سزا سے ہر آن خوفزدہ رہتے ہیں (تو وہ پھر مشکلکشا اور سفارشی آپ کیسے بن سکتے ہیں)، اور لوگو! خدا کا عذاب وہ شے ہے جس سے ڈرنے کے سوا کسی کو چارہ نہیں۔

یہاں پر انسان کو انسان کی عبادت' اور ملازمت اختیار کرنیسے منع کیا ہے، اور بصراحت تمام اس بات پر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان بڑے سے بڑا انسان اور معزز سے معزز بشر بھی حاجت روائی کا وسیلہ یا نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان میں سے جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ہو وہ بھی اُس صاحب کبریا و جبروت کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ اسکو اپنا ہی قرب اور تعزز برقرار رکھنے کے لیئے وسائل ڈھونڈنے سے فرصت نہیں ملتی، پھر وہ کسی غیر کی سفارش یا مشکلکشائی کیا کر سکیگا۔ گویا جب بڑے سے بڑا نبیؐ بھی اپنی ہی نجات کے فکر میں ہے، اور اُسکے لیئے شب و روز سعی کر رہا ہے تو پھر کسی خود ساختہ "پیر طریقت" یا "ولی" کی کیا مجال ہے کہ کارسازی کر سکے۔ جب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا 'وسیلہ' نہیں بن سکتا، اور بڑے سے بڑا انسان حتیٰ کہ نبیؐ بھی اپنی نجات کا 'وسیلہ' ڈھونڈھتا ہو تو يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ، کے 'الْوَسِيلَةَ'، کا مفہوم لامحالہ پیر پرستی کے علاوہ کوئی اور شئے ہے جو انبیاء جیسے مقرب بارگاہ انسان بھی تلاش کرتے ہیں، اور وہ شئے سعی و عمل کے سوا اور کچھہ نہیں ہو سکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے 'أَقْرَبُ' بارگاہ اللہ ہونے میں کسی ایک مسلمان کو اعتراض نہیں ہوگا، اور یہ بھی مسلم ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں کوئی پیر نہیں پکڑا تھا بلکہ تمام عمر سعی و عمل کرتے کرتے انتقال کر گئے۔ یہی بات آیت زیر بحث کے سیاق سے ظاہر ہے جہاں ابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ، کے مقابل وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ، کہا گیا ہے جسکے واحد معنی یہی ہیں کہ خدا کی راہ میں اپنا جان، مال، آرام، گھربار سب کچھہ دیدو۔ ایک سپاہی کو بادشاہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنیکے لیئے بعینہ یہی سعی و عمل ضروری ہے نہ یہ کہ بادشاہ کی لڑائیاں لڑنے سے انکار کرے اور تمغے حاصل کرنے یا کرسی نشین بننے کے لیئے دوسروں کی سفارش کا طلبگار رہے۔ خدائے زمین و آسمان کی حکومت اہل فرنگ کی حکومت کی طرح (معاذ اللہ) پوچ نہیں ہے کہ تمغے کسی کی سفارش پر بلا سعی و عمل لٹا دیا کریں۔ ان آیات کا مضمون کپکپا دینے والا مضمون ہے۔ بشرطیکہ مسلمان غور کریں۔

❁ یہاں 'ایمان' کی شرط لاینفک قرار دی گئی ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کمتر ہستی سے خوفزدہ نہ ہو اور دشمن سے بیخوف و خطر قتال کرے۔

لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ٭ ○ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُہُمْ فَہُمْ فِیْ رَیْبِہِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ○ (۹: ۴۴-۴۵)

اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روز آخرت کے محاسبے کا بھی اُنکو یقین ہے، وہ تو تم سے اِس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے مال و جان سے شریک جہاد ہوں اور اللہ تو سچے تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔ نہ شامل ہونیکے لیئے لنگ عذر پیش کر کے تم سے خواہانِ اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روز حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ اُنکے دل شک میں پڑے ہیں، اور اسی شک میں پڑے تردّد کر رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ لَہُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا٭٭ وَفِی الْاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ؕ ○ (۱۰: ۶۲-۶۴)

٭ یہاں "ایمان" کی شرط جہاد بالمال والانفس ہے، اور یہی شرط تقویٰ کی ہے: (وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ)۔ گویا خدا جیسے حاکم اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُسکی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج یہی شیوہ ہر ملازم کا اپنے مشاہرہ دہ آقا سے ہے۔ وہ اگر جانباز سپاہی اور سچا غلام ہے تو اپنے حاکم سے ڈرکر اور اُسکی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

٭٭ یہاں صاف ظاہر ہے کہ مُتقی قوم کو جہاں آخرت میں کچھ باک نہیں وہاں اسکی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جسکی دنیا درست نہیں "متقی" ہونے کی مصداق نہیں ہو سکتی، اور چونکہ اتقا کے معانی صاف ہو چکے اسلیئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، "صَابِرُوْا" اور "رَابِطُوْا" پر عمل کرے گی، خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلیئے ابتغائے وسائل کرے گی، "قَوْمًا لُدًّا" نہ بنے گی، اسکی دنیا بہر نوع اور لامحالہ اچھی ہے، اور وہی "لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" کی بشارت کی سچی اہل ہے، اُسکو یہاں پر بھی کسی دشمن کا ڈر نہیں اور آگے چلکر تو ابدالآباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی "اولیاء اللہ" ہونیکی صحیح مصداق ہے۔ وہ بیگماں خدا کی "دوست" ہے اور خدا اسکا "دوست" ہے کیونکہ یہاں بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چلکر بھی بے حساب دیگا۔

مسلمانوں نے نہ معلوم کس بنا پر "اولیاء اللہ" کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مو صحاب کو دیا ہے جو تمام عمر اپنے اعتکاف خانوں میں بند رہ کر خلق خدا سے بیزار رہے، جنہوں نے امت کو متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی، جنہوں نے خدا کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا، جنکو خدا نے حیاۃ دنیا میں کوئی بشارت نہ دی، جو خلق خدا کو متحد کرنے کی بجائے اُلٹا اپنے پیچھے لگاکر متخالف الآرا اور منتشر العمل کر گئے، جنکی تمام تر زندگیاں نہایت رنج و غم اور ذلّ و مسکنت میں کٹیں۔ خدا کا "دوست" وہی ہے جو اُسکی خاطر تکلیف اُٹھائے لیکن پھر دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالک الملک خدا اُسکو اس تکلیف اٹھانیکے صلے میں سب سے بیخوف و خطر کر دے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ "اولیائی" نہیں۔ اگرچہ ساری دنیا اُسکو "ولی" کہکر پکارتی رہے! آج اگر سطح زمین کے طول و عرض میں خدا کا صحیح معنوں میں دوست کوئی ہے تو وہ بندۂ خدا جو اپنی جماعت کی بہتری کی خاطر تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، جو دشمن کی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتا، جو ما سوا سے قطع نظر کر کے خدا ہی سے ڈر رہا ہے، جو فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ (۹: ۱۳) پر عمل کر کے سب سے بیخوف و خطر ہو گیا ہے۔ اگر کسی خدا کے بندے میں یہ ڈر اور یہ نڈری، یہ تقویٰ اور یہ بیخوفی، یہ خوف خدا اور لاخوف ولاحزن ما سوا آچکا ہے تو وہ بلاشبہ "ولی" ہے، وہ لاریب خدا کا دوست ہے، خواہ وہ چین کا رہنے والا ہو یا ہند کا۔ خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی تخصیص نہیں!

لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مقامِ خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی عافیت اور امن کی بشارت ہے، اور آخرت میں بھی فلاح ہے۔ خدا کے وعدوں میں ردّوبدل کا امکان ہرگز نہیں اور یہ فلاح دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝ (۱۴:۱۴)

اور دشمن کے غارت ہوئے پیچھے ہم ضرور تم کو اسی سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اُس شخص کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈرتا رہا اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی سعی کی۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ (۱۶:۳۰)

اور اُن لوگوں سے جنہوں نے مقامِ خدا کا سچا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے اپنے ہاں سے تمہاری اِس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے اچھی خدمت کی اور اپنے حسنِ عمل سے خدا کو خوش کر دیا اُن کے لیے اس دنیا میں بھی بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے۔ اور تقویٰ کرنے والوں کا ٹھکانا تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳۹:۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہہ دو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقامِ خدا کا تقویٰ کرتے رہا کرو۔ جنہوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پروا نہ کی اُن کے لیے اس دنیا میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے۔ اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہے۔ بیشک مصیبت برداشت کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

---

* یہاں "متّقی" قوم کے لیے بادشاہت زمین کا انعام صاف ہے۔

** یہاں پھر صاف طور پر "متّقی" قوم کے لیے دنیا کے بہترین انعام وقف کر دینے کا وعدہ ہے۔

*** یہاں پھر روئے زمین کی وسیع بادشاہت "متّقی" قوم کے لیے وقف ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اس قدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ) یہی سچا حسنِ عمل ہے (لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ)، اور اعمالِ صالح عمل کی بھی یہی تعریف ہے جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں۔ حسنات کے تحت المتن صفحہ ۱۳۰ میں بھی أَحْسَنْتُمْ سے یہی مراد ہے! (دیکھو آیۃ (۱۷:۷)) ضمناً اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ "صبر" یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اتقائے خدا کی ایک اہم شق ہے (إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ)

اِس اتّحادِ عمل اور تزکیۂ اخلاق کا اصلی راز خدائے واحد کی **خالص** عبادت، اور **براہِ راست** عبودیت تھی۔ قرآن کی حیرت انگیز تعلیم، اور داعیٔ اسلام کی حیرت انگیز یقین آفریں صحبت نے خداوندِ عالم کا اپنے عاجز اور محتاج بندوں سے براہِ راست تعارف کراکے عبد و معبود کے درمیان سے سب مشکوک حجاب دُور کر دیئے تھے۔ رسولِ خدا کی ناقابلِ انکار صداقت اور انکسارِ نفس نے بندے کا ہاتھ مالکِ ارض و سما کے مقتدر ہاتھ میں دے کر خود ایک بے تعلق اور پیغامِ وہ بشر کی حیثیت قبول کر لی تھی؛ ذاتیات اور شخصیت کا مُہلکِ ایمان اور مضعفِ یقین عنصر اسلام کے خمیر میں قطعًا نابود تھا؛ توحید تمام اُمّت کے اجماع کا نقطۂ وحید بن گئی تھی؛ ہر فردِ بشر کا معاملہ، بلا وساطتِ غیرے اور بلا اشتراکِ احدے، اُس معبودِ منزل حقیقی کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا جسکی قدرت اور عظمت کے صحیح اندازے نے ایک عالم کو کپکپا دیا تھا! نفع اور ضرر کے اسی بے مثال یقین نے سرزمینِ عرب میں **خوف** خدا کی مشترک لہر دوڑا دی تھی؛ اِسی خوف کے باعث باہمی عداوتیں مٹ گئیں، کینے اُچک لیئے گئے، بھائی چارے کا سماں ہر طرف بندھ گیا تھا؛ "انسان کی عزت و تکریم اور اُسکے انعام و اکرام کا معیار بھی خدا کے نزدیک اُس کا تقوے ہی تھا": اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ[۱] (۴۹: ۱۳)، قلوب کے اندر ایک مشاہدہ وہ حاکم کی مانند اُسکے رعبِ مرتبت اور ہولِ جاہ کی بجلیاں، نفع و ضرر اور بیم و رجا کی لاانتہا تاروں کے ذریعے سے دوڑ گئیں؛ پھر وحدتِ تیر کی کشش اتّصال نے، اور یک منعی کے متحد القلوب خوف نے ہر مومن کے قلب میں مشترک عبودیت کی عصبیت، اور عالم آرا اخوت کا اعتصاب پیدا کر دیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ[۲]† (۴۹: ۱۰)؛ یہی وہ **عملی تقوٰی** اور وہ **مخلصانہ توحید** تھی جو

---

[۱] اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑی عزت والا اور مستحق فضل و کرم وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اللہ تو انسان کی قدر و قیمت کو بڑا جاننے والا، اور اُسکے حال و احوال سے بڑا باخبر ہے۔

[۲] خدا پر ایمان رکھنے والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تمہارا فرض ہے کہ اپنے دو بھائیوں کو درمیان مصالحت کرا دو اور خدا کی خفگی سے ڈرتے رہو اور اُسکا تقوٰی کرو کہ وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

† یہاں پر پھر مصالحت اور مواخات کو اتّقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے جس قدر خوف رعیّت کو حاکمِ اعلیٰ کا ہے اسیقدر اُسکے افراد متّحد رہیں گے۔

سالہا سال تک اسلام کو نئی طاقت اور نئی زندگی بخشتی رہی ؛ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ٭ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ٥ (۳۹ : ۱۱-۱۲)[1]، قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ٭ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ٥ (۳۹ : ۱۴)[2] اِسی تقوٰی کی پاداشِ عمل میں اللہ کی رحمتوں کے دریا اُمڈ جاتے تھے! یہی اتقا و اتحادِ عمل اُس جلیل القدر ذات کی سچی عبادت اور اُسکی موجودگی اور وحدت کا زندہ اشتہار تھا؛ اِسی کی بے انتہا برکت سے نصرتِ حق اور فتحِ مبین ہر وقت شاملِ حال رہ کر اشاعتِ اسلام کا قطعی باعث ہوا کرتی تھیں : اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ٥ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا٥ (۱۱۰ : ۱-۳)[3]۔ اللہ کے یہ محکوم اور خالصتہً اُسی سے ڈرنے والے سپاہی، عقیدت کے سرفروشانہ جوش، مستعدی کی داعیٔ انقلاب اُمنگ، اور محبت کی مضطرب امتحان وفا کے باعث صبر اور استقلال، توکل اور مردانگی کے عدیم النظیر پیکر

---

[1] اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہدو کہ مجکو تو خدا کے ہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں تمام ارادت اور اخلاص (الدِّیْن)، تمام عقیدت اور اعمال (الدِّیْن) کو خالصتہً خدا ہی کیلئے وقف کر کے ہمہ تن اُسیکا غلام بنا رہوں (اَعْبُدَ اللّٰهَ)۔ اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اُسکو اپنا آقائے حقیقی تسلیم کروں، اور عملی طور پر اُسکی عبودیت میں رہوں (اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

[2] ان سے کہدو کہ میں اپنی تمام ارادت اور محبت کو اُسی کے لیئے خالص کر کے اُسکی غلامی کر رہا ہوں (اَعْبُدُ)۔

[3] اے پیغمبر! جب اللہ کی مدد آئے گی، اور دین اسلام کی فتحِ عظیم کا وقت آ پہنچیگا، اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق در جوق دینِ خدا میں داخل ہو رہے ہیں، تو اُس وقت اپنے پروردگار کے شکر کرنے میں سر بسجود ہو جاؤ؛ اُسوقت اپنی جماعت کی اور اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کرو۔ کیوں کہ وہ فی الحقیقت بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (اور ایسی مہربانیوں کے موقعے پر ہی اُس سے ایسی درخواستیں کرنی چاہئیں)۔

٭ یہاں 'اَعْبُدُ' کے معنی صاف ظاہر ہیں اور اِس سے مقصود نماز پڑھنا قطعًا نہیں ہو سکتا۔ 'دِیْن' کے معنی قرآن کی اصطلاح میں 'طرزِ عمل' یا 'راہِ عمل' کے ہیں۔ یہی معنی لفظ 'مذہب' کے ہیں۔ گویا 'اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا تمام طریقِ عمل خالصتہً خدا کی منشا کے مطابق کر کے اُسکے غلام بنے رہو۔ ہر سچے ملازم (یعنی عبد) کا شیوہ بھی یہی ہے کہ وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا؛ اُسکی سب بھاگ دوڑ آقا کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے اور وہ اپنی مشیت اور اپنی خواہشات کو مالک کے حکم کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے۔ رہا اس امر کا تصفیہ کہ مالکِ زمین و آسمان کی مشیت فی الواقع کیا ہے؟ یہ ایک بڑا ادق سوال ہے اور اصل کتاب میں اِسی کی ایک اہم شق پر بحث جاری ہے۔ بہر نوع اِن دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ 'دِیْن' کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا، یا نصرانی ہونا، یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرزِ عمل ہی اُسکا دین ہے۔ 'والا مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ' کے کچھ معنی نہیں بنتے یہی بات 'لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ٥' (۱۰۹ : ۶) سے ظاہر ہے یعنی 'تمہیں تمہاری خدمت کا اجر ملیگا اور مجھے میرے کیئے کا۔' خدا کو 'مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ' (۱ : ۳) بھی اسلیئے کہا کہ وہ دن اعمال کی اجرتوں، اور خدمتوں کی مزدوریاں، ادا کرنے کا ہوگا۔ (دین کے ان مطالب کی حقیقت کیلئے دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۷)۔

٭٭ اس سورۃ کے صحیح معانی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دفعہ سوال کیا گیا تھا۔ میں نے مربوط اور ناقابلِ انکار معانی لکھدیئے ہیں۔ خدا کی نصرت قطعًا کسی قوم کے شاملِ حال نہیں ہوتی جبتک کہ اسکی سعی و عمل خدا کو فی الواقع خوش نہ کر دے یہی وقت فی الحقیقت کسی حاکم سے عنایت مانگنے کا بھی ہے۔ اِسیوقت اسکی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے اور وہ بسا اوقات علی الحساب سے دیتا ہے۔

بن گئے تھے؛ انکی قوت و استحکام کا رازِ دروں اُنکے متحد اور متفق قلوب میں مضمر تھا؛ نیتوں کی یگانگت اور تہذیبِ نفس کے التیام آفریں اثر نے اُن کے اعمال میں ناقابلِ یقین ضبط، اور افعال میں طبعی یکسانیت پیدا کر دی تھی؛ بڑے بڑے مقتدر اور جری عساکر جو مدّت مدید کی تیاری اور صرفِ کثیر کے بعد اُن کے مقابل کھڑے ہوتے تھے؛ اُنکے ضابطۂ عمل، انکی پیش بندی اور اہتمام، اُنکے نظم و نسق اور خوفِ قانونِ خدا، انکی مشق تحمل اور ستم برداری پر دنگ رہ جاتے تھے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۵۹: ۱۸)؛ لالچ اور بزدلی، ہراس، موت اور قنوط، تشتت اور جمود کے اُن زرخرید اور بے مولا، اُن ناآشنائے پایانِ عمل اور کرایہ پر لیے ہوئے

---

۵۹ اے ایمان والو! قانونِ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہیئے کہ ہر شخص اِس بات پر نظر کرتا رہے کہ اُس نے آنے والے کل کے لیئے کیا تیاری کی ہے اور آیندہ مصائب کے لیئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے۔ اور قانونِ خدا سے مکرر ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ سعی و عمل کر رہے ہو اُس سے بخوبی واقف ہے۔

ؔ اس آیت الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دور اندیشی کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور دشمن کے بالمقابل حفظِ نفس کو اسقدر اہم قرار دیا ہے کہ دو دفعہ "اتَّقُوا اللَّهَ" کے الفاظ ایک آیت کے اندر آئے ہیں۔ اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اٹل اور واجب التخوف ہے؛ وہ اُسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو بہر نوع اسکی اہل ہو، جنے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو، جس نے آنیوالے کل کے لیئے تیاری کی ہو (مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ)۔ خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدِنظر نہیں رکھتا، جس جس نے جتنا زادِ راہ کل کے لیئے جمع کیا ہے؛ جسقدر تحفظ اُس نے آنے والی مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے، اُسیقدر اجر اُسکو لامحالہ ملیگا۔ یہی بات "إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ" سے ظاہر ہے گویا خدا عمل، اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور اُسیکو دیکھکر فیصلے صادر کرتا ہے۔

نسیہ پسند اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے معنی "روزِ قیامت کی تیاری" کے لیئے ہیں حالانکہ "غَدٍ" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں، اور مزا یہ ہے کہ اسپر الِ تخصیصی بھی داخل نہیں کہ اسکے معنی خاص روزِ قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء) میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ۔ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَّخِرُ لِغَدٍ "یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کے لیئے کوئی ذخیرہ جمع نہ کرتے تھے"۔ روایت کی صحت یا عدمِ صحت سے بحث نہیں، صرف "لِغَدٍ" سے مطلب ہے جسکے معنی یہاں پر صاف آنیوالے کل کے ہیں روزِ قیامت کے نہیں ہو سکتے۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر "غَدًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنیوالے کل کے معنی میں ہیں۔ سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق اُنکے بھائیوں کا قول ہے: أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (۱۲: ۱۲)، یعنی "ہمارے ساتھ کل یوسفؑ کو بھیجدو کہ کھائے پیئے اور کھیلے، اور ہم اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں"۔ سورۂ کہف میں ہے: وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ (۱۸: ۲۳) یعنی "کسی شئے کی بابت یقینی طور پر مت کہو کہ میں اسکو ضرور بالضرور کل کرونگا"۔ سورۂ لقمان کے اخیر میں ہے: وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ (۳۱: ۳۴) "اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ قمر میں قومِ ثمود کی تباہی کے متعلق ہے: سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۝ (۵۴: ۲۶) یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے"۔ تعجب ہے کہ اِس شہادت کے ہوتے ہوئے "غَدٍ" کے معنی کسطرح قیامت کے ہو سکتے ہیں، اور کس بیدردی سے مسلمان آیاتِ خدا کو توڑ مروڑ کر تحریفِ معنوی کے مجرم بنتے ہیں۔

سپاہیوں کی، اِن اللہ کے عاشق، بیقرارِ ابتلا و محن، نصرتِ حق اور وراثتِ زمین کے موعد، موت کے تشنہ و منتظر، دست بخت گہوارۂ امید، اور جنت خرید غلاموں کے مقابلے میں کیا بساط تھی جو برو ئے کار آتی، مومنوں کے فلک کشا حوصلے اور متحدہ دلوں کی کوہ شکن طاقتیں، دشمن کے جم غفیر کو پہلے ادا میں ہی پیوندِ زمین کر دیتیں، ایمان کا جرأت افزا اثر مغاً اُن کی قوتِ عمل کو چند در چند کر دیتا، اور ایک حیرت انگیز طریقے پر بہی ظاہر اکم سامان جماعت دشمن کا تہس نہس کر دیتی!

یا مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوح

ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را

لَاَانْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ (۵۹ : ۱۳-۱۴)

مسلمانو! تم اللہ پر ایمان رکھنے کے باعث ہی ان منکرین خدا کے دلوں میں اشد شدید ہیبت بٹھا رہے ہو، اور یہ محض اسلیئے ہی کہ یہ ایک ناسمجھ قوم ہے، جسکو ایمان کی قوت کا علم نہیں۔ اب تو انکی یہ حالت ہی کہ سارے کے سارے ملکر بھی تم سے لڑنے کی تاب نہیں رکھتے مگر یہ کہ محفوظ بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ہو کر لڑیں۔ بات یہ ہے کہ انکی آپس کی لڑائیاں اور باہمی عداوتیں سخت ہیں۔ بظاہر

---

* "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" کے الفاظ یہاں پر نہایت قابل غور ہیں۔ گویا یہ منکرین خدا لوگ اس بات کا تفقہ اور تعقل ہی نہیں کر سکتے کہ قانونِ خدا کیا ہے، وہ کن اقوام کو دنیا پر برقرار رکھتا ہے، کن کو سزائیں دیتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑمر کر اپنی قوتوں کو ضائع کر رہے ہیں، اور دشمن سامنے آتا ہے تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں، ان کو اتنی عقل ہی نہیں کہ سمجھیں کہ اتحاد اور ائتلاف قلوب میں کیا برکتیں ہیں، اور خدا کس طرح متحد القلوب قوم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ گویا ان آیات میں رمزًا اور کنایۃً جتلا دیا ہی کہ بزدل، متفرق، اور معاند ہونا کافر قوم کا خاصہ ہے۔ آج مسلمانانِ عالم خود "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" اور "تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى" کے صحیح مصداق بنے ہوئے ہیں! دوسری قوموں نے اپنے افراد کے مابین اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ مسلمان اُن کے خوف سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور قلعوں کی اوٹ میں بیٹھکر بھی لڑ نہیں سکتے۔ ہر جگہ شکست و ریخت ہے، خوف و حزن ہے، رنج و ماتم ہے؛ "بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" اسقدر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ آہ لیکن خدا کوئی مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العالمین ہے اور ہر قوم کو اسکی سعی و عمل کے مطابق اجر دے رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ!

"بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے متعلق اُن کا خوف آپس میں بہت شدید ہے مگر اس سے مطلب کافی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔

تو انکو مجتمع اور متحد دیکھیگا لیکن اُنکے دل ایک دوسرے سے جُدا ہو چکے ہیں یہ اسلیئے کہ ان لوگوں میں سلیقۂ اتحاد نہیں، انہیں عقل نہیں۔ یہ متحد قلوب کو کیا جانیں۔ اور ایک نصب العین پر قائم ہونے کی قوت کو کیا سمجھیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۴: ۱۰۴)

اے ایمان والو! دشمن قوم کی تسخیر و تعاقب میں نرم نہ پڑ جاؤ، اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پہونچ رہی ہے تو جیسے تم کو پہونچتی ہے انکو بھی پہونچ رہی ہے، اور تم کو تو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو انکو ہرگز ہرگز نہیں۔ اور اللہ طرفین کے سب حالات سے اور قتال کی حکمت عملی سے خوب واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۸: ۶۵-۶۶)

اے پیغمبر! ایمان والوں کو دشمنان خدا کے برخلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا کرو۔ ایمان والوں کی قوت تو اسقدر زبردست ہے کہ اگر تم میں سے برداشت کرنے والے بیس مومن بھی ہوں تو وہ مخالف فریق کے دو سو نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایسے سو ہوں تو کفار کے ہزار نفر پر غالب رہینگے یہ اسلیئے کہ یہ قوم ایمان کی غلبہ افزا طاقت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اس وقت اللہ نے اپنے حکم کا بوجھ تم پر سے ہلکا کر دیا ہے، اور محسوس کیا ہے کہ ابھی تم میں کمزوری و سائل باقی ہے۔ تو اس کمزوری کی حالت میں بھی تم میں سے ایک سو صابر ہونگے تو وہ دو سو دشمن نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہونگے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تو مستقل مزاج لوگوں ہی کا ساتھی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ

❋ یہاں صَبْر کے مطالب اسقدر صاف ہو گئے ہیں کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ کے الفاظ یہاں پھر آئے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ صَبْر کے غلبہ افزا نتائج کو نہیں سمجھتے۔ ان آیات میں صَبْر کو ایمان پر محمول کیا ہے: (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) گویا ایمان کی ایک شق صبر بھی ہے لیکن جو اہم نتیجہ ان آیات کے مطالعے سے نکلتا ہے یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا کے اندر اپنے سے کم تعداد قوم سے پچھڑ رہی ہو اسمیں شائبہ کفر ضرور ہے، انتہائی کفر یہ ہے کہ اپنے سے دس گنا کم تعداد سے شکست کھائی لیکن اگر اپنے سے نصف تعداد سے بچھڑے تو بھی کافر ہے۔ انتہائی ایمان یہ ہے کہ ایک مومن دس کو پچھاڑے لیکن اگر ضعف کی حالت میں دو کو بھی ہرا سکے تو ایمان کا کچھ نہ کچھ دعویدار ضرور رہتا ہے! گویا کفر کی ایک اہم شق از روئے قرآن بزدلی ہے، نامردی ہے، میدان جنگ سے ہارنا ہے! لمبی داڑھیاں رکھنے یا شرعی پاجامے پہننے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مطلب کے لیئے صفحہ ۱۶۳ کا تحت المتن بھی دیکھنا چاہیئے۔

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ [†] (۳۷: ۱۷۱-۱۷۳)

اور لوگو! ہمارے پیغامبر بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارے ان سے لئے ملی ہم انکو مدد دیجائے گی، اور بیشک ہمارے بندوں کی فوج ضرور غالب آکر رہے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ [‡] (۴۱: ۳۰-۳۲)

بیشک جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا اور پھر اُسپر تندہی اور استقلال سے جمے رہے، اُن پر ہماری رحمت کے علمبردار فرشتے نازل ہو کر اُن سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے خالص بندو! دنیا کے مصائب اور دشمن کے ہجوم کو دیکھکر کچھ اندیشہ مت کرو اور غم نہ کھاؤ بلکہ اپنے تحمل اور استقلال کے صلے میں بہشت کی، جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، خوشیاں مناؤ۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور تمہارے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں (فِيْهَا) جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملیگا، اور جو کچھ بھی طلب کروگے حاضر کیا جائے گا۔ غفور و رحیم خدا کے ہاں سے یہ تمہاری مہمانی ہے۔

[†] اِن آیات الٰہی اور بعد کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ دنیاوی تمکن اور ارضی تغلب کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا قطعی ہے۔ اس موقع پر گرچہ "عِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں مگر بعد کی آیتوں میں یہ قید اُٹھا دی گئی ہے۔ "مُرْسَلِيْنَ" کی نصرت سے بعض عافیت پسند اور کاہجور مسلمانوں نے یہ لغو نتیجہ نکالا ہے کہ صرف پیغامبر ہی مظفر و منصور ہوا کرتے ہیں یا وہ مومن جو اُن کی معیت میں خدا کی لڑائیاں لڑتے ہیں۔ بعد کے مومنوں کیلئے "اَعْلَوْنَ" بنکر رہنے کی کوئی شرط نہیں، وہ صرف زبانی ایمان سے "مومن" کے درجے تک پہونچ سکتے ہیں۔ یہ لچر اور ناپاک تاویل اسقدر مضحکہ انگیز ہے کہ اسکے لیئے کسی رد کی ضرورت نہیں۔ فتح و نصرت کا سلسلہ دنیا میں روز اول سے لگا ہے اور روز قیامت تک جاری رہیگا۔ کاہجور قومیں اسطرح کے مکر بنا بنا کر اپنے نفس کو دھوکہ دیتی ہیں۔ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا محاکمہ اسقدر صاف اور ناقابل تاویل ہے کہ اسکے بعد کسی مکر و ریا کی گنجایش نہیں رہتی۔ لیکن یہ بحث و تمحیص چوتھی اور پانچویں مجلد کے لیئے وقف کر دی گئی ہے۔

[‡] اِن آیات سے ظاہر ہے کہ ایمان والوں کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی۔ "قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" سے مراد صرف مُنہ سے کہنا نہیں بلکہ خدا کو فعل و عمل سے اپنا حاکم اعلےٰ ماننا، اور اسکے احکام کی نہایت تندہی سے تعمیل کرنا ہے۔ مَلٰٓئِكَہ سے یہاں پر بحث نہیں مگر اسقدر ضرور ظاہر ہے کہ "مَلٰٓئِكَةُ" خدائے عظیم کی وہ "مخلوق" ہے جو فتح و نصرت کا پروانہ اس دنیا میں لیکر پہونچتی ہے۔ جو قوم "لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ" کی مصداق ہے، جسکو اس دنیا میں قوت اور امن نصیب ہے، جو دشمن کے خوف و حزن سے نجات پا چکی ہے اس پر خدا کے ملائکہ کا نزول ہو رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیونکر نزول ہو رہا ہے، اسکی تشریح میں ابھی دیر ہے۔ "نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ" کے "مِنْ" سے ظاہر ہے کہ فِيْهَا کی ضمیر کا مرجع "الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" بھی ہے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ○† (۴۰: ۵۱)

اے لوگو! بگوش دل سُن رکھو کہ ہم اپنے پیغامبروں، اور اُن لوگوں کی جو سچے دل سے ہمارے خدا ہونے پر ایمان لے آئے ہیں مدد کرتے ہیں، ان کو غلبہ عطا فرما کر رہتے ہیں، اور یوم قیامت کو بھی اُن کی تائید کرینگے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ○‡ (۱۰: ۱۰۳)

اے لوگو! پھر جس دن ہمارے عذاب کا وعدہ آپہنچتا ہے تو ہم اپنے پیغامبروں، اور ایمان والوں کو عذاب کی شکست سے نجات دیتے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ایمان والوں کو بہر نوع نجات دیں۔

فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ○‡ (۳۰: ۴۷)

پھر اے لوگو! ہم نے مجرموں کو شکست دیکر اُن سے بدلہ لیا، اور ایمان والوں کو مظفر و منصور کرنا تو ہم پر لازم تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○* (۴۱: ۱۸)

اور پھر اے لوگو! ہم نے ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اُن لوگوں کو جو ہمارا سچا اتّقا کیا کرتے تھے۔

ربّ الافواج اور عزیز و حکیم خدا نے ایمان کی اِسی منقلب العمل کیفیت، اتّحادِ قلوب کی اِسی

---

† یہاں بصراحت تمام کہدیا ہے کہ رُسُل کے سوا صاحب ایمان قوم کی دنیوی فلاح یقینی ہے۔

‡ یہاں پھر رُسُل کے ساتھ ساتھ وَالَّذِينَ آمَنُوا بھی ہے۔ اور نجات کے مطالب صاف ہوگئے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی تمکن سی ہی نجات کو محض اُخروی نجات' سمجھنا آج ناکارہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

‡ یہاں رُسُل' کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف ایمان والوں' کی نصرت کا حتمی وعدہ ہے بشرطیکہ وہ ایمان والے' ہوں صفحہ ۱۲۰ آیات (۳: ۱۳۹-۱۴۲) میں غزوۂ احد کی شکست کے بارے میں خدائے عظیم نے مسلمان' بھگوڑوں کو کافر' اور ظالم' کہا تھا۔ گویا اگر سب کے سب صاحب استقلال ہوتے تو یہ شکست نصیب نہ ہوتی۔ یہاں پر تاکیداً اسی مضمون کو دوسری عبارت میں دُہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قوم صاحب ایمان ہے اُسکو نصرت عطا کرنا ہمارے لیے لازم ہو چکا ہے۔ خدائے عظیم کی اپنے پر یہ پابندی از روئے عدل ہے نہ از روئے احسان و امتنان' جیسا کہ بے سعی و عمل مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے، اور آج پے در پے شکستوں کو دیکھکر حیران ہیں کہ خدا کا وعدہ کیوں پورا نہیں ہوتا!

* صفحہ ۱۰۵-۱۰۶ کے متن کی آیات میں ہم نے جستہ جستہ قرآن عظیم سے وہ موقعے پیش کر دیئے تھے جس میں متقی' اقوام کی دنیوی فلاح اور تمکن فی الارض کا قطعی وعدہ کیا گیا تھا۔ اتّقا' کی بعض اہم شرطیں بیان کر دی تھیں۔ ان آٹھ موقعوں پر جو کتاب کے متن میں پیش کر دیئے ہیں صرف ایمان والوں کی دنیوی فلاح کا ذکر ہے، لیکن خاص اس آیت یعنی (۴۱: ۱۸) میں ایمان' اور تقویٰ' دونوں کو یکجا کر کے متّقی' اور مومن' قوم کی دنیوی نجات کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ایمان کی شرائط اس سے پیشتر ذکر کر دی گئی ہیں۔ اور اُن میں اور تقوے کی شرطوں میں مماثلت عیاں ہے۔ چنانچہ آگے چلکر صفحہ ۹۰ پر ثابت کر دیا جائے گا کہ ایمان اور اتّقا قریب قریب ایک ہی شے ہیں۔

عدو شکن طاقت، اور صبر کی اسی عزم گسل استطاعت کو مدِ نظر رکھکر رسول کریمؐ کو اطمینان دلایا تھا کہ کامیابیٔ اسلام کیلئے **توحید** کا یہی **وحدت** انگیز ماحول، اور **ایمان** والوں کی یہی چھوٹی سی جماعت کافی ہے!

وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ○ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ (۸: ۶۳-۶۴)

اے پیغمبرؐ! سب سے بڑا احسان جو خدا نے تم پر کیا ہے یہ ہے کہ اُسنے مومنوں کے دل گانٹھ دیئے! اگر تم روئے زمین کے خزانوں کو خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں یہ الفت نہ پیدا کرسکتے تھے لیکن وہ خدا کی مشترک معبودیت ہی تو تھی جسنے ان کو آپسمیں جوڑ دیا! بیشک وہ خدا بڑا زبردست اور صاحبِ تدبیر ہے۔ اے پیغمبرؐ! اب تمہیں اللہ اور یہی مومن جو تمہارے تابع فرمان ہیں ہر ایک سے نبٹنے کے لیئے کافی ہیں۔

کفایتِ خدا کا یہ عظیم الشان وعدہ عرب کے بے زر اور بے ضرر نبیؐ سے اُس وقت ہوا تھا جب کہ بعثت کے چھٹے سال میں اسلام کا وہ زبردست اور تُند خو دشمن عمرؓ محمدؐ کے خُلقِ عظیم کے آگے سپر ڈال چکا تھا، اور عرب کے کُل برّاعظم میں صرف **چالیس مرد** اور **پندرہ عورتیں** ایمان لائی تھیں! مگر **اُلفت** کی دلوں کے بیچ میں چلی ہوئی نہر سلسبیل نے اور **طاعت** کے پیدا کیئے ہُوئے ابرِ بہار نے اِس بے نشان اور کمزور پودے کو ایک دن سر بفلک درخت بن کر سایہ پرور اور نہیں شگاف کر دینا تھا!

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تَرٰىهُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ

وَاللّٰہُ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ ـ کے مطالب کے لیئے صفحہ ۱۴۱ کے تحت المتن کو دیکھنا چاہیئے۔ مرقومہ صدر ترجمے میں ہم نے ان معانی کا ماحصل بیان کردیا ہے۔ خدا کو سچے معنوں میں خدا مان لینے کے بعد اسکے ماننے والوں کا آپسمیں متحد ہو جانا قطعی ہے۔ اسی حقیقت کو اصل کتاب میں توحید کا وحدت انگیز ماحول کہا گیا ہے اگر آج یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسکا باعث یہ ہے کہ مسلمان خدا کو درحقیقت خدا نہیں مانتے۔

فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۠ (۴۸ : ۲۹)

اے دین خدا کے دشمنو! یاد رکھو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے، اور اسی لیئے تمہاری سب کارستانیوں کے باوجود بیخوف و خطر ہے! جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اعدائے اسلام کے حق میں بڑے سخت ہیں، آپس میں بیحد رحمدل ہیں، رافت و محبت کی ایک نہر سلسبیل اُنکے دلوں میں بہ رہی ہے تم انکو دیکھو گے کہ ہمارے حضور میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہیں، کبھی زمین پر ماتھا ٹیکے ہیں۔ گویا سرتاپا مطیع رہکر فضل خدا اور خوشنودی رب العالمین کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اطاعت کے نشان (اَثَرِ السُّجُوْدِ) اُنکے چہروں میں (فِیْ وُجُوْهِهِمْ) عیاں ہیں (سِیْمَاهُمْ) حکمرانی کی علامتیں انکی شکلوں سے نظر آرہی ہیں۔ یہی اوصاف اُنکے توریت و انجیل میں مذکور ہیں، یہی آج اُنکا طرز عمل ہے وہ روز بروز اسطرح زور پکڑتے جائینگے جیسے ایک کھیت ہو جسنے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی، پھر جلبِ غذا اور جذب آب سے آہستہ آہستہ زور پکڑا، پھر رفتہ رفتہ موٹا ہوکر اپنی جڑ پر سرو قد کھڑا ہو گیا۔ اب کسان ہیں کہ اپنی محنتوں کو بار ور دیکھکر باغ باغ ہو رہے ہیں، اور دشمن ہیں کہ مارے حسد کے جل رہے ہیں۔ اے لوگو! خدا نے محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے، اور جنہوں نے تندہی سے مناسب اعمال بھی کیئے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ) اِس دنیا میں اجر عظیم دینے اور انکی اجتماعی واماندگیوں اور بدحالیوں پر پردہ پوشی کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے!

* یہ آیہ جلیلہ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی پہلی قسط ہے جو ہم نے صفحہ ۳۰۵ کے جواب میں ایمان کی تشریح کے بعد پیش کردی ہے گویا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا، تعمیل احکام خدا میں رُكَّعًا رہنا، اور سب سے اہم یہ کہ ہر دم اور ہر آن خدا کے انعامات کی تلاش میں لگے رہنا، قوت و طاقت، تمکن و تسلط کے درپے رہنا (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ) اور اسکے لیئے وسائل تلاش کرنا ہی ایمان و عمل صالح ہے۔ جو قوم دشمن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آرہی ہے، آپس میں نہایت متحد اور رحمدل ہے، قانون خدا کی نہایت پابند ہے، خدا کی دنیاوی نعمتوں اور وراثت زمین حاصل کرنیکے درپے ہے اور ساتھ ہی خدا کے حضور میں اپنے آپکو عاجز شمار کرتی ہے، وہی اعمال صالحہ کر رہی ہے، وہی ایمان کی شرطوں کو پورا کر رہی ہے، وہی حیرت انگیز سرعت سے نشو و نما پا رہی ہے، وہی آج زمین کے طول و عرض میں اسطرح پھیل رہی ہے کہ نام نہاد مسلمان آج اُسکے تمکن کو دیکھکر دنگ ہو رہا ہے، اور شدت غیظ کے باعث اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔ آہ! لیکن خدا صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العٰلمین ہے اور جو اُسکے قانون پر چل رہا ہے وہی انعام پا رہا ہے!

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن لوگوں نے نمازیں پڑھ پڑھکر اپنی پیشانیوں پر گٹے ڈال لیئے ہیں جیسا کہ آجکل بعض سادہ لوح مسلمان اپنے ماتھوں کو زمین پر بعد از گڑ گڑ کر ڈال لیتے ہیں اور اس ترکیب سے "معیت رسول" اور اَجْرًا عَظِيْمًا (۴۸ : ۲۹) کے حقدار بنتے ہیں بلکہ یہ حرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کیفیتِ قلب اور شدت اطاعت کا تمثیلی اظہار ہے گویا یہ کہا ہے کہ اطاعت کے نشان تم اُنکے چہروں پر دیکھو گے جسطرح آج کسی کو کہا جاتا ہے کہ ذہانت اور اقبال فلاں شخص کے چہرے پر نظر آتے ہیں۔ یہاں ماتھے کا ذکر تک نہیں بلکہ چہروں (وُجُوْهِهِمْ) کا ہے اور تمام چہرے میں اطاعت نظر آرہی ہے نہ صرف ماتھے میں۔ اس غرض کی تصدیق کیلئے مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اور مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اہل کتاب کا شیوہ نماز نہ تھا۔ سِيْمَا کے معنی نشان کے ہیں چنانچہ سورہ بقرہ میں مجاہد فی سبیل اللہ فقراء بارے میں ارشاد ہے: تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (۲ : ۲۷۳) یعنی تم ایسے لوگوں کو اُنکے نشانوں سے تاڑ جاؤ گے" (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۰۱) یہاں بھی گٹوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور نہ یہ گٹے ڈال لینے سے کوئی شخص مطیع خدا ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ وہ گٹے تمام چہرے پر ڈال لیئے ہوں! ایک قابل توجہ بات اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ ہے جس سے ظاہر ہے کہ رسول خدا کے ساتھیوں میں سے بھی اجر عظیم کا وعدہ صرف اُنہی کو ہے جو اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق رہے، گویا کلمہ پڑھکر مسلمان بن جانا شرط نہیں بلکہ پیہم عمل کرتے رہنا اور ہر دم مجسمہ ایمان بنے رہنا شرط ہے!

اطاعتِ رسولؐ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴: ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔

طاعتِ رسولؐ، اور اُسکے منجانب اللہ ہونے کا یہ یقین تھا کہ عین اُسوقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اس پاک نبیؐ کی امامت میں اللہ جل شانہٗ کے حضور میں، اپنے عجز اور بینوائی کی داستان گڑگڑا گڑگڑا کر سنا رہی تھی، اور مسلمانوں کے ایمان سے منور دل اس بارگاہ عالیہ کی رفعت کا سماں اپنے سامنے صاف دیکھ رہے تھے، تحویلِ قبلہ کا حکم ملا! قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کر دینے والے یہ مومن سٹا اس اللہ کے سچے نبیؐ کی تبدیل سمت پر اسی طرح بیچون و چرا اور دستبستہ بے شائبہ استعجاب منتقل ہو کر پھر صف بستہ ہو گئے، اور آستانۂ خدا پر سر ٹیکنے لگے! عرش کے دم بخود اور صف آرا فرشتے جنھوں نے اپنی مدۃ العمر طاعت، بے اختیارانہ عبودیت اور دم مزن عبادت کے حوصلے پر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں انسان کو برا بھلا کہنے، اور اپنی فوقیت جتلانے کی جرأت کی تھی۔ اور جنہیں خدائے پاک نے انسان کی خفت و توہین کرنے پر ٹوک٭ دیا تھا، اس کیفیت کو دیکھکر انگشت بدندان رہ گئے، مگر جریدۂ رحمت کے کاتبوں کو حکم ملا کہ اس نادرۂ روزگار اُمت کے نام پر روئے زمین کی بادشاہت اور اللہ کی سب نعمتوں کی وراثت ابھی سے لکھہ دی جائے!

٭ سورۂ بقرہ میں اس عبرت آموز اور شاندار قصے کا یوں ذکر ہے۔ ہم نے ایک لفظی ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس کا نتیجہ خیز مفہوم دوسری مجلد سے پہلے بیان نہ ہو سکے گا۔ ملائکہ کی تشریح اور سورۂ بقرہ کا ربط پانچویں جلد میں عیاں کر دیا جائے گا:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۳۰)

اور اے پیغمبر! ساکنان زمین کو وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے مَلٰٓئِكَة سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرشتو! میرا ارادہ ہے کہ اس زمین میں اپنا ایک قائم مقام بناؤں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! کیا حضور کسی ایسی مخلوق کو اپنا نائب منتخب فرمائینگے جو اس زمین میں فساد پھیلائے اور آپس میں خونریزیاں کرے، حالانکہ ہم ہیں کہ روز آفرینش سے تیری تعریف میں لگے ہیں، اور تعمیل احکام کر کے تیرا ہی بول بالا کر رہے ہیں۔ پروردگار عالم نے جواب دیا کہ ہاں بیشک لیکن میں اپنی ان شہنشاہی مصلحتوں کا خوب علم رکھتا ہوں جنکی ماہیت تک تم نہیں پہنچ سکتے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ † اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (۲: ۱۴۳)

اور اے پیغمبرؐ! ہم نے کچھ عرصے کے لیئے بیت المقدس کو قبلہ اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ جب تحویل قبلے کا حکم پہونچے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی بے چون وچرا پیروی کریں، اُن سے جو سرتابی کر کے اپنے پاؤں پھر جائیں، الگ معلوم کرلیں۔ اور قبلے کا دفعتہً بدلا جانا بلاشبہ ایک اہم بات تھی مگر جن لوگوں کو خدا نے اطاعت رسول کا رستہ دکھا دیا تھا اُنکے لیئے کچھ قابل اعتراض نہ تھی۔ اور خدا ایسا نہیں کہ رسول کی صداقت پر تمہارے اِس حیرت انگیز عملی ایمان کو ضائع ہونے دے، وہ تو ایسے اعمال کو دیکھکر بیشک تمام عالم پر بیحد مشفق اور مہربان ہو جاتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ‡ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ○ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (۸: ۲۰-۲۲)

اے ایمان والو! اللہ کے احکام مانو، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی بھی بلا حیل وحجت تعمیل کیا کرو، اور درانحالیکہ تم اسکا حکم سُن رہے ہو (یعنی دیدہ ودانستہ) اُس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمھارا اولوالامر ہے۔ اور نہ تم ان لوگوں کی مانند بنو جو مُنہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وُہ ڈھیٹھ اور مچلے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ اُنکو کتنا ہی سمجھایا جائے، اور اطاعت امیر کی لِم سے بیخبر ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ‡ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

† اِس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ میں متابعت رسول بھی فی الحقیقت ایمان کی ایک اہم شق تھی۔ رہا یہ امر کہ یہ اتباع کن معنوں میں تھا اور آج جبکہ رسول خدا صلعم موجود نہیں کیونکر ہوسکے اسکی تصریح اسی صفحہ کے آیندہ تحت المتن میں کردی ہے۔ تحویل قبلہ کی متذکرہ صدر توضیح سے صرف ظاہر ہے کہ رسول خدا کے قدم بقدم چلنا اور بے چون وچرا اُسکے حکم کی تعمیل کرنا اُسپر ایمان لانیکے مرادف تھا۔ یہی بات "اٰمَنُوْا بِهٖ" کے الفاظ سے ظاہر ہے جو آیہ (۷: ۱۵۷) میں آگے چلکر آرہی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۶۲)۔

‡ "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" کا آلہی مقصود مرورِ مدت اور نسیان درس کے باعث مسلمانانِ جہان کے ذہنوں سے اسقدر محو ہوگیا ہے کہ وہ آج اِس انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمائشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا ورسول سمجھکر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کر رہے ہیں۔ اُنکے نزدیک صوم وصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ارکانِ دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا مکتبی درس اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا ورسول کا انتہائی مقصود ہے۔ اِسکے سوا کوئی دوسری شے اُنکے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی، کوئی آلہی یا پیغمبری آواز آج اُن کی

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ (۸: ۲۴-۲۵)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہو (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم اُنکے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے اُنکی تعمیل کرو۔ اور خوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷۰) خواب استراحت میں مُخل نہیں، کوئی امر امیر لائق امتثال و استجاب نہیں۔ "اطاعت خدا" اور "اطاعت رسول" کی اصلی و ابتدائی غرض و غایت کو عیاں کر دینے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع "اطاعت امیر" کے عنوان میں بالاستقلال باندھا گیا ہے جو دوسری مجلد میں آئے گا۔ مگر متذکرہ صدر آیات (یعنی (۹: ۲۰-۲۲) اور (۸: ۲۴-۲۵)) سے جو یہاں پر بطور تمہید کے پیش کر دی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ "اطاعت خدا" کا علمی منظر قرن اوّل میں کچھ ہی ہو، لیکن "اطاعت رسول" کا مقصود نبیؐ آخر الزمان کے عہد حیات میں اسکے بالمشافہ احکام کی تعمیل ہی تھا۔ آیات (۸: ۲۰-۲۱) میں "وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ" اور "قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ" کے الفاظ، اور آیہ (۸: ۲۴) میں "إِذَا دَعَاكُمْ" کی قید اس دعوے کی صریح تائید میں ہے۔ گویا رسول خدا کا کسی بات کو منہ سے کہنا، اور صدر اسلام کے مومنوں کا بطیب خاطر اُس حکم کی فوری تعمیل کرنا، اور لنگ عذرات پیش نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں نہ کوئی حدیث کی کتابیں تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف تھی، نہ فقہی تصانیف تھیں جنکو عینک لگا کر پڑھ لینا، اور پڑھکر بادب تمام "بالائے طاق" رکھدینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا، جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوہ اعتقاد ہے۔ قرن اوّل میں رسولؐ خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونیکی حیثیت میں وقتاً فوقتاً احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لیئے ضروری تھے، عرب کے جس جس گوشے میں ان فرامین کی صدائیں پونہچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے، اور اپنا تن من دھن اس نیک سیرت سردار کی خاطر قربان کر دیتے! یہ اطاعت رسول کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جب کہ رسولؐ خدا بذات خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لیئے موجود نہیں تو "اطاعت رسول" کا بدل کیا ہو، اور کسکے حکم کی تعمیل فرض ہے، یہ ایک علیحدہ سوال ہے جسکی تصریح اپنے موقع پر کر دیجائیگی مگر اس صحبت میں آیہ (۹: ۲۵) کے مطالب خاص طور پر قابل التفات ہیں جسمیں عصیان خدا و رسول کا نتیجہ وہ فتنۂ عظیم قرار دیا گیا ہے جسکی لپیٹ میں بلا امتیاز اسود و احمر ساری کی ساری جماعت آ رہتی ہے۔ یہ فتنہ لامحالہ سیاسی شکست و ریخت اور اجتماعی بدنظمی ہی ہے جو امیر جماعت کی نافرمانی اور تشتت آراء سے ہر جا پیدا ہو جاتی ہے اور جو نظام کائنات کا اٹل اصول ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "اطاعت رسول" اور "استجابت للرسول" کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لیئے ہر وقت کسی ایسے امیر کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے جو خدا و رسول کے احکام کی تابعداری عملاً کرائے اور حسب موقع اُمت کو شکست و ریخت سے بچائے۔ "لِمَا يُحْيِيكُمْ" (۸: ۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ یہ احیا اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا۔

اب رہا یہ امر کہ "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا کیا مفہوم ہے اسکا جواب اعتقاداً اور نظریۃً اگرچہ یہی رہا ہے کہ جو کچھ کلام الٰہی کے اندر لکھا ہے اسکی پیروی کرنی "اطاعت خدا" ہے، مگر علمی مقام نظر سے یہ بات ناممکن العمل اسلیئے ہے کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جنمیں اکثر کی بیک وقت پیروی کرنی محال ہو جاتی ہے، اُن میں بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حالات و احوال کو دیکھکر ہوتا ہے اور جو لامحالہ کسی امیر کے ماتحت رہکر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر بھی مسلمانوں کی اُمت کا کسی ایک اولوالامر کے اذن میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے، مگر رسولؐ خدا کے عہد حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالمشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے پونہچتے تھے، حتیٰ کہ سورہ نساء میں "مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (۴: ۸۰) کہکر اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کر دیا ہے۔ گویا قرون اولیٰ کے عرب کو بھی بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ "جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو بلا چون و چرا مانا اُسنے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا"۔ پس "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا مفہوم صدر اسلام میں "اطاعت رسول" ہی تھا۔ اس نکتے کی تائید "وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ" (۸: ۲۰) اور "إِذَا دَعَاكُمْ" (۸: ۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے

سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اُسکے دل کے درمیان حائل ہے، اور جو کچھ اُن کے درمیان بحث و پز ہوتی ہے اُسکو خوب جانتا ہے یہ بھی جانے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اُسی کے حضور میں حاضر کیئے جاؤ گے۔ اور اُس اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر پیدا ہوتی ہے اور جو خاصکر اُنھی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنھوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے بلکہ تم سب اُسکی زد میں آجاؤ گے، اور جانے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۷)

تو جو لوگ اِس رسول کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے، اور اُنکی حمایت کی، اور اُن کو مدد دی، اور بعینہٖ جو راہ ہدایت اُنھوں نے اِس نور عظیم (قرآن) کے ذریعے سے دکھلائی جو اُن کے ساتھ اُترا، یا جو اُن کے قلب میں تھا، اُسکی متابعت کرتے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اِس دنیا میں کامیاب ہونگے۔

آہ! یہ وہ صادق النّیّۃ متابعت، اور وہ محیّر العقل اطاعت امیر تھی جو مومنوں کے بے مثال ائتلاف قلوب اور طہارتِ نفس کا نتیجہ تھی؛ یہ وہ کرشمۂ اتحاد و عمل تھا جس کا قطعی اور حتمی باعث حُسنِ نفس اور اتّقائے خدا تھا؛ یہ وہ محتبانہ اتّقا، اور مقامِ خدا کا ہول تھا جس کا محرّک اصلی وجودِ خدا کا یقین اور اُسکی خالص عبادت تھی: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۝[۱] (۳۹: ۲-۳)؛ یہ وہ غیر

---

[۱] تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اُسی کی خدمت کیا کرو۔ دیکھو سچی خدمت گذاری خدا ہی کے شایاں ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۷۱) جن کا مرجع رسول ہی ہے، تثنیہ کی ضمیروں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن اِن باتوں سے قطع نظر، آیہ (۸: ۲۵) میں 'ظَلَمُوْا' کا لفظ سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ مقدمہ کتاب میں کئی جگہ (مثلاً صفحہ ۸۱، ۹۶) پر اِس قرآنی اصطلاح کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اِن آیات (یعنی ۸: ۲۴-۲۵) سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کائنات کی نگاہوں میں امیر جماعت کی نافرمانی کرنا ظلم ہے اور اسکا نتیجہ عذاب خدا اور اجتماعی شکست ہے۔ ظلم کے معانی کی یہ دوسری قسط ہے جو ضمناً یہاں پر ادا کردی گئی ہے۔ پہلی قسط صفحہ ۱۲۰ کی آیہ کریمہ (۳: ۱۳۹) کے تحت المتن میں ادا کی تھی جہاں بتلایا گیا کہ جو قوم بزدل ہوکر میدان جنگ میں لڑتی ہے وہ ربّ زمین و آسمان کی نظروں میں ظالم ہے۔

[۲] اِن آیات کے مطالب پر غور کرنیکے بعد لفظ 'دِیْن' کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں جو صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں بیان ہوئے۔ 'لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ' کا مقصود یہی ہے کہ انسان کا سب سعی و عمل (الدِّيْنُ) خالصۃً (الْخَالِصُ) خدا ہی کی رضا میں وقف (لِلّٰهِ) ہو اسب خالص فرمانبرداری (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) خدا ہی کی ہو ما سوا کی نہ ہو، سچے دل سے اطاعت (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) اُسی احکم الحاکمین کی ہو، خالص راہ عمل (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) خدا کے لیئے مخصوص کردیا جائے گویا 'دِیْن' کے معنی 'راہ عمل' کے ہیں اور یہ طرز عمل ہی خدا کی نظروں میں کسی شخص کا 'چلن' یا 'مذہب' یا 'دین' ہوسکتا ہے۔ اعتقادی یا نظری 'دین' کے معنی خدا کی نگاہوں میں کچھ نہیں، جیساکہ آج کل بعض خوش اعتقادوں نے دین اسلام کو سمجھ لیا ہے۔ مزید تشریح کیلئے اردو دیباچے کے پہلے صفحوں پر غور کرنا چاہیئے۔

محلّل اور منکر ماسوا توحید تھی جسنے دل کی قوت تسلیم پر خدائے برتر کی کامل حکومت قائم کر کے انسان کو تسلیم کا خوگر اور قانون الٰہی کا پابند کر دیا تھا: فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ أَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥[۵۱] (۲۲: ۳۴-۳۵)۔ اور یہ وُہ ادب آموزِ باطن، ماحیِ نفس، مبطلِ کذب، اور محرّک اعتصاب اسلام تھا جسکا واحد منتہائے نظر تقویتِ قوم اور استحکام جماعت تھا۔ خدائے جلّ و علےٰ کو اسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بندوں اور نطفہ منی سے پیدا کیئے ہوئے انسان کے رسمی سجدوں، ظاہری عبادتوں، قربانیوں اور بَیلوں کی مطلق حاجت نہ تھی: وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥[۵۲] (۳: ۹۶)۔ وہ اس ہیچمیرز بشر کے ترک اولاد اور ترک وطن، ایثار مال و ایثار جان سے قطعی بے نیاز تھا۔ اسکو اس ذرّہ مقدار اور بے حقیقت انسان کی نصرت کی کچھ خواہش نہ تھی: وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ[۵۴] ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥[۵۳] (۲۹: ۶)۔ وہ اگر چاہتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں سرکش اور متمرّد انسان کو فطرت کی زمیں پاش طاقتوں کے قابض ارواح ملائک، اور طبیعت کے عالم آشوب حوادث کے علمبردار مصیطروں کو ایک اشارہ کر کے مکھی یا مچھر کی طرح مسل ڈالتا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ٥ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ٥ (۳۶: ۶۶-۶۷)

اور اگر ہم چاہیں تو فوراً ان سب کی آنکھوں سے بینائی اچک لیں اور پھر یہ رستے کی طرف دوڑیں تو کہاں سے دیکھ پائیں، اور اگر ہم چاہیں تو یہ جہاں ہیں وہیں انکی صورتیں اور طاقتیں مسخ کر دیں پھر نہ تو ان سے آگے جاتے ہی بن پڑے اور نہ لوٹتے ہی بن پڑے۔

---

[۵۱] تم سب کا خدا ایک ہی خدائے واحد ہے پس اُسیکے احکام کی تعمیل کیا کرو اور اُسی کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اور اے پیغمبر! تم ہماری طرف سے ہمارے حضور میں عاجزی سے رہنے والے بندوں کو بشارت دو کہ ہم اُنکی خدمت سے خوش ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تعمیل احکام نو در کنار جب اللہ کا نام اُنکے آگے ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل لرز اُٹھتے ہیں، او اسکی حمایت میں جو جو مصیبتیں بھی اُنپر آن پڑتی ہیں بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں اور پہر دن میں پانچوقت ہمارے سامنے ماتھا رگڑتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [۵۲] اور جو کوئی خدا سے منحرف ہوا تو اللہ وہ غنی ذات ہے کہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

[۵۳] اور جس نے تکلیفیں سہیں اور جہاد کیئے، سعی و عمل کیا اور مصائب کا مقابلہ کیا سو وہ کچھ اپنے ہی بھلے کے لیئے کر رہا ہے ورنہ خدا تو تمام عالم سے قطعاً بے نیاز ہے، اُسکے واسطے کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

[۵۴] اس ذاتی مفاد اور "لِنَفْسِهٖ" کی تشریح عنقریب آئندہ صفحوں میں آئے گی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

مگر اسکی شان عاطفت اور کبریائی اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ انبیائے کرام اور کتابِ وحی کے ذریعے
سے اُس ظلوم و جہول انسان کو جسنے فہم و ادراک کی امانت اپنے ذمے لیکر (۳۳ : ۷۲) اور حیوانوں کی نیز مانند
اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے قطعی بے خبر کر رکھا ہے، جسکے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے
اسکو اپنی راہِ عمل میں ہر قدم پر لغزش کا سامنا ہے، جو آپ صاحب ارادہ ہونیکے باعث اپنے مالک حقیقی
کے ارادے سے طبعًا نا آشنا ہے، جسکے صاحب تدبیر ہونیکے جرم میں فطرت نے اُس کو اپنے پاس سے
کوئی ہدایت نامہ یا طرزِ عمل مہیا نہیں کیا، جسکے فساد فی الارض کی اور خونریزی کی داستانیں، جسکے ظلم و
ستم اور تمرّد، نفس پرستی اور خود پسندی کی حکایتیں، اسکی نشاءِ اوّل سے پہلے ہی، زمین و آسمان کی
حکمبردار قوتوں، اور مقدس فرشتوں کے بزبان ہو چکی تھیں، جو آج اپنے علم و عقل کے غرور اور ہوش و
تمیز کے گھمنڈ میں کتابِ خدا حتّی کہ وجود خدا کا بھی متکبرانہ انکار کر رہا ہے: اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ
نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝ [۱] (۳۶ : ۷۷)، جو اپنی
تجویز پر نازاں، اور اپنی سعی و عمل پر مفتون ہو کر قدرت کی قاہر اور جابر روحانی قوتوں، اور کارخانہ جہان کے
اٹل اور عدیم المثال اخلاقی اصولوں کی معاندانہ روک اور تمسخر کے درپے ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ
ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ ؕ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ [۲] (۳۹ : ۴۹)، ہاں وہ
کتابِ وحی کے ذریعے سے اِسی ظلوم و جہول انسان کو فطرت کے عالم آرا اخلاقی اور احسانی، مادّی اور
روحانی قانون سے باخبر کر کے، ابد الآباد تک بیخوف و خطر، اور قوّت و استقامت سے رہنے کے قابل
بنا دے، وہ اُسکی قوائے مُدرکہ کے سامنے **فطرت** کی کتابِ مبین کا فوری اور تیار ملخص پیش کر کے کارگاہ

---

[۱] کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُسکو گندے پانی سے پیدا کیا پھر بھی وہ کھلم کھلا ہمارا مخالف بنا رہتا ہے اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا ہے، اپنی اصل کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ بھلا گلی سڑی ہڈیوں کو کون از سرِ نو زندہ کرے گا۔

[۲] انسان کی عادت ہے کہ جب اُسے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اسکو کوئی نعمت ہم بطور احسان عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے میری ذاتی لیاقت کی وجہ سے (یعنی سمع و بصر اور ذہن سلیم کے صحیح استعمال کے باعث (عَلٰی عِلْمٍ کا ترجمہ دیکھو صفحہ ۸۳) ملی ہے۔ اے نا سمجھ انسان! یہ نعمت تو آزمایش کے طور پر ہی ہے کہ ہم دیکھ لیں کہ تو اُسکا جائز استعمال کہانتک کرتا ہے لیکن افسوس کہ اُنمیں سے اکثر لوگ ہماری داد و ستد کے قانون کا علم نہیں رکھتے۔

قدرت کے عظیم الشان اور ممتنع الحصول اسرار سے آگاہ کر دے : تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ [۵۱] (۲۷ : ۱-۲)، الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى [۵۲] (۹۶ : ۴-۸)؛ وہ اسکے محدود اور ناقص علم پر حکیم حقیقی کی لامتناہی حکمت کے مہتم بالشان اسرار و خفایا کا اضافہ کر کے اُسکو حفظ نفس اور اجتماعی استحکام کے اٹل اصول سکھلا دے، وہ اسکے جزوی اختیار کے بالمقابل قادر مطلق کی ناپید اکنار قدرت اور استطاعت کی عملی سرحد مقرر کر کے، بنی نوع انسان کو تجاوز کے نفس کُش عمل، اور عدوان کے ضبط شکن فعل سے روک دے : تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [۵۳] (۲ : ۲۲۹)؛ وہ اُن کو نظم و نسق کا طبعی اور صحیح طریقہ سکھلا کر، ان کے اعمال میں فطری صلاحیت، اور عزائم میں لازوال استقامت بخش دے؛ وہ انسان کے تنگ افق نظر کو کتاب خدا کے اٹل فیصلوں، اسکی فقید المثال ہدایت اور بشارت، برکت اور رحمت، علم اور حکمت، نور اور شفا کی وساطت سے وسیع تر کر کے اقوام عالم کے تمکن و بقا کا مسئلہ سہل کر دے : وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [۵۴] (۷ : ۵۲)۔ وہ الغرض انسان کی دینی اور دنیاوی، انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو اعتدال کے زریں اصول، صلاحیت کی محکم

[۵۱] یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب مبین کے احکام ہیں جو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایمان والوں کے لیئے ان احکام میں سراسر ہدایت عمل اور بشارت ہے۔

[۵۲] خداوہ پاک ذات ہے جس نے ظلوم و جہول انسان کو کتاب وحی کے ذریعے سے (بالقلم) وہ عظیم الشان حقائق سکھلا دیئے جو اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔ نہیں نہیں یہ درحقیقت انسان کی کمال سرکشی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اگر وہ بنظر عمیق دیکھے تو وہ اسقدر محتاج ہے کہ ہر بات میں اُسکو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے۔

[۵۳] یہ قانون فطرت ہے اور یہی اسکی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ پس اس سے تجاوز نہ کرو، حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اور جس قوم نے خدا کی حدود سے تجاوز کیا وہی ظالم ہے۔

[۵۴] اور ہم تو ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسمیں ہم نے ہر اہم امر کی تفصیل اپنے علم کے ذریعے سے کر دی ہے۔ ایمان والی قوم کے حق میں اسکے احکام سرتاسر ہدایت اور رحمت ہیں۔ (یہ آیہ شریفہ صفحہ ۵۸ کے متن اور صفحہ ۱۵۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے)

* کِتَابٍ مُّبِیْنٍ، کی ضمنی تشریح مقدمہ کتاب میں صفحہ ۶۱، ۶۲ پر گذر چکی ہے جہاں اس آیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

‡ یہاں ظٰلِمُوْنَ کے متعلق فیصلہ کر دیا ہے کہ جو قوم قانون فطرت کی حدود سے تجاوز کرے وہ شارع کائنات کی اصطلاح میں ظالم ہے اور آیہ (۶ : ۴۷) صفحہ ۱۸ کے محاکمے کے مطابق ہلاکت کی اہل۔ ظلم کے معانی کے متعلق یہ تیسری قسط ہے جو ہم نے ادا کر دی ہے پہلی دو قسطیں یعنی جُبْنًا فِی الْقِتَالِ اور عصیانًا صفحہ ۱۷۲ اسکے تحت المتن میں آچکی ہیں۔ ‡ قرآن حکیم کے متعلق صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

سطح ، اور اتّقا و اتّحاد کی استوار زمین پر لاکر انکی جماعت کو پیش از وقت شکست کے **خوف** سے قطعی نجات اور بیوقت **فنا** سے عملاً مامون و مصئون کر دے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶)

اے باشندگان زمین! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ نور اور واضح کتاب آچکی ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو منشائے ایزدی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی ظلمتوں سے نکالکر علم اور حفظ نفس کے نور کی طرف لائیگا، اور انہیں اس نعمت عظمیٰ کے سیدھے رستے پر ڈال دیگا!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹)

اور اے محمدؐ! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں انسان کے متعلق تمام اصولی قواعد کا مفصل بیان موجود ہے۔ اور تسلیم و عمل کرنے والی قوم کے لیئے تو یہ سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہی اور سلامتی اُمم کی بشارت ہی!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور ہم نے تو کافۃ الناس کو راہ ہدایت اور طریق عمل جتلانیکے لیئے اس قرآن میں ہر ممکن حالت کو پیش نظر رکھکر مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ اُن سے نتائج اخذ کر سکیں۔ اسی وضاحت کے لحاظ سے ہم نے اسکو عربی زبان میں کر دیا ہی۔ اسمیں کسی طرح کی پیچیدگی یا منطق کی کجی نہیں رکھی۔ اور یہ سب اس لیئے

٭ آیہ (۵: ۱۵) کے متعلق بحث صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ "سُبُلَ السَّلٰمِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اقوام عالم کو تمکن فی الارض اور حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔ "ظُلُمٰتِ" کا صحیح مفہوم بھی جہالت اور عدم تعقّل قانونِ خدا کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مقدمۂ کتاب میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن کا طغرائے امتیاز اسکا علم ہی ہی اور یہی بات آیہ (۵: ۱۹) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۷۵ کے متن میں آچکی ہی۔ "روحانی ظلمتوں" اور "روحانی نور" کا ذکر جو بعض ناقرآن شناس مسلمان کرتے ہیں ایک بے معنی سی اور بے نتیجہ بات ہی صفحہ ۵۵ کی آیت (۱۴: ۱) بھی انہی معانی کی مؤید ہی لیکن "الظُّلُمٰتِ" اور "النُّوْرِ" پر مکمل بحث بعد میں آئیگی۔ ضمناً ان آیات کبریٰ سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہی کہ "سُبُلَ السَّلٰمِ" یعنی حفظ نفس کی راہوں پر چلنا اور جہالت کی ظلمتوں سے نکلکر علم کی منور راہوں پر گامزن ہونا ہی صراط مستقیم ہی۔ صفحہ ۸۶، ۹۳ اور ۹۵ کے حواشی میں کسی قوم کا علم کی حقیقت نما راہوں پر چلنا "سبیل خدا" پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا تھا، اور قریب قریب یہی مضمون ان آیات میں ہی "صراط مستقیم" کے مکمل مفہوم بیان کرنیمیں ابھی کچھ دیر ہی مگر اسکی پہلی قسط یہی ہے کہ اُمت اجتماعی خوف (دیکھو مسئلہ ارتقا تحت المتن صفحہ ۱۲) کے ماحول سے نکلکر سلامتی اور امن کی راہ پر قدم بڑھائے، اور جہالت کی قیود سے آزاد ہوکر علم کے جہاں کشا نور سے مزین ہو۔ یہی صراط مستقیم ہی جس کی درخواست ایکدن میں پانچوقت خدا کے حضور میں ہوتی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (۱: ۵) "اے خدا ہم کو صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلا"۔

کہ لوگ اِن مشرح احکام کو سُنکر اِتقا پیدا کریں، بربادی سے بچیں۔ اور حفظِ نفس اختیار کریں (تتّقون)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اُنکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اُس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اسوقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم ہم نے تمہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پونہچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں۔ تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچا کر چلی اور جسنے اپنی حالت کی اصلاح کر لی، اُنکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر لاحق نہیں ہوگا۔

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ‡ (۲: ۱۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ جسنے اپنے آپ کو ہمہ تن قانونِ خدا کے سپرد کر دیا، اور اسکے بتائے ہوئے پسندیدہ عمل کیے تو اسکا اجر تو اس شخص کو اُسکے پروردگار کے ہاں سے ملیگا لیکن وہ قوم دنیا میں بے خوف و خطر ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

---

† یہ آیت مسئلہ ارتقا کے تحت اِمتن صفحہ ۱۲۲ میں آچکی ہے مگر وہاں پر "اتّقیٰ" اور "اَصلَحَ" کے صحیح مفہوم کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس وقت تک "اتقا" کے الٰہی مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں؛ مثلاً اُمت واحدہ بننا (آیہ ۲۳: ۵۲) صفحہ ۹۴)، باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ ۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۵۰)، ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرنا (آیہ ۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۵۰)، تفرقہ نہ پیدا کرنا (آیات ۳: ۱۰۱-۱۰۲) صفحہ ۱۴۳)، مصالحت بین الفریقین کرانا (آیہ ۴۹: ۱۰) صفحہ ۱۶۰)، آیندہ مصائب کے لیے پیش از وقت تیاری کرنا اور حفظِ نفس کے لیے مستعد رہنا (آیہ ۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲) وغیرہ وغیرہ سب اعمال "اتقا" میں داخل ہیں۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی وہ از روئے قرآن "فَمَنِ اتَّقیٰ" کہ مصداق ہے۔ اور اس دنیا کے اندر وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کا مصداق بننا بھی اُسیکا حصہ ہے! "اَصلَحَ" کی تشریح بھی کچھ کچھ ہو چکی ہے۔ مثلاً "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" والی آیت (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸ کے متن میں، اور اُن آیتوں میں جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۴۰، ۸۷، اور ۱۵۹ پہ ہو چکی ہیں۔

‡ "اسلام" اور "احسان" کا ذکر جو اِس آیت میں آیا ہے وہ دراصل "اتقا" اور "اصلاح" ہی کے دوسرے نام ہیں جیسا کہ کچھ دیر بعد عیاں کر دیا جائے گا۔ اِسی لیے "مُسْلِم" اور "مُحْسِن" قوم بھی دنیا میں بے خوف و خطر ہے۔ بَلیٰ سے رَبِّہٖ تک واحد کی ضمیر استعمال کرنا اور اِبعد ازاں عَلَيْهِمْ اور يَحْزَنُونَ میں جمع کی ضمیر لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہر متنفس کو اُسکے ذاتی عمل کا اجر آخرت کی صورت میں واضح ہو جائے (فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ) اور جس قوم کا وہ رکن ہو اُسکا دنیاوی اجر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی صورت میں ہویدا ہو۔ حتیٰ یہاں بھی اجتماعی مقصود ہے جسکی ایک مثال صفحہ ۴۳ پر گذر چکی ہے۔

فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۵: ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک دشمن قوم نے تم پر اپنا دست تعدی
دراز کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اللہ نے تمہیں صبر و استقلال، تہوّر اور اتحاد کا سبق دیکر تم سے انکے
ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اے مسلمانو! مقام خدا کا خوف دل میں ہر آن رکھکر اسکے احکام کی متابعت
کرتے رہو کیونکہ دشمن پر غالب آ جانے کا راز اسی تقویٰ میں ہے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اپنی
حتی الامکان سعی کے بعد نتائج کے بارے میں خدا ہی پر توکل کیا کریں۔

آہ! اُس مالک الملک، اُس رب العالمین خدا کی عالم آرا رواداری امت رسولؐ کے اسی خوف
حزن کو امن و امان میں بدل دینے کے اہتمام میں تھی۔ قرآن حکیم کے اوامر و نواہی، آجکل کے عام اور
پست کن تخیل کے مطابق، دنیاوی نقطۂ نظر سے محض بے وجہ اور بے نتیجہ نظریئے نہ تھے، وہ کسی تحفۂ
آخرت اور زاد معاد کے بے سبب اور بے دلیل، انفرادی اور شخصی سامان نہ تھے جنکا تیار کرنا خوشنودی
خدا کے لیئے "وَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ (۵: ۱۶)" رسمًا اور فردًا ضروری تھا، بلکہ وہ مستقل و نتیجہ خیز اجتماعی اعمال تھے
جن کا اولین پیش نہاد اس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنا ہی تھا۔ خدائے واحد پر ایمان، اسکی عبادت
اور طاعت، اسکے تقوے اور اتحاد، اسکے جہاد اور ہجرت، صبر اور توکل، بلکہ صدقات اور زکوٰۃ کا صحیح مآل
یہی تھا کہ دین اسلام مسلمانوں کے متفقہ کسب و عمل سے دنیا کی تمام مجتمعات پر سیاسی اور اجتماعی
معنوں میں غالب آ جاتے۔ وحدت جماعت، مصالحت افراد، ائتلاف قلوب، اطاعت خدا،
اطاعت رسول، متابعت اولوالامر، ایمان کے وہ لاینفک اجزا، اور اتقائے خدا کے وہ ناقابل انفصال

✤ اس آیۂ شریفہ کے مطالب کی مسئلہ ارتقا کی شق ۳ دہم صفحہ ۱۲۹ سے مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اسمیں دشمن سے بچ
نکلنے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ قانون خدا پر چلنا ہی دشمن کے دست تشدد سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نہیں بلکہ
قرآن حکیم کی حکمت جامعہ نے حفظ نفس کا تیر بہدف نسخہ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" کے جامع اور مانع الفاظ کے اندر بند کر دیا ہے۔ گویا جس قوم کے
افراد میں "اتقا" کی صلاحیتیں موجود رہیں، جو قوم متحد اور متفق بنکر رہی، جس نے تفرقے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور حفظ ما تقدم کے طور پر اپنے آپکو
بہمہ وجوہ تیار کیا وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۷) اسپر کسی دشمن کی دست درازی عبث ہے۔ آیت کے آخری حصے سے "توکّل" کے معانی کی
ایک جھلک نظر آتی ہے۔ گویا توکل یہ ہو کہ انسان قانون خدا پر کماحقہٗ چلکر نتائج کا منتظر رہے، عافیت پسند مسلمانوں نے آج توکل کے معانی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
بیٹھنا سمجھ لئے ہیں!

حصص تھے جنکا مآل کار لامحالہ اس دنیا میں حصول عافیت اور غلبۂ اسلام ہی تھا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۸ : ۱)[۵۱]، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ (۴ : ۵۹)[۵۲]، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۵ : ۱۱۲)[۵۳]۔ ہجرت اور جہاد کے جارحانہ اور مدافعانہ اوامر بھی حفظ نفس اور تقویت جماعت کے وہ عالم آرا، معرکۃ الآرا اور جلیل القدر اصول تھے جن پر ظہور آفرینش سے آجتک روئے زمین کی ہر زندہ قوم، عالم حیوانات کی ہر صالح اور مستعد نوع بلکہ کائنات فطرت کی ہر ذی حیات جنس طبعًا اور حتمًا کاربند ہے! شارع فطرت کے نزدیک اعلائے حق کی خاطر حزب خدا اور اعلون بننا ہی وہ لازمۂ ایمان، مستحق اجر، اور مستوجب رضا فعل تھا جسکا انجام راحت دنیا اور فلاح عاقبت دونوں تھا: رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۵۸ : ۲۲)[۵۴]، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵ : ۵۶)[۵۵]، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۳ : ۱۳۹)[۵۶]

---

[۵۱] پس اس احکم الحاکمین کے مقام و منصب سے ڈرتے رہو اور اگر تمہیں اسکے منصب کا صحیح احساس ہے تو آپس میں کامل طور پر متحد اور مصالحت سے رہو۔ اور اگر تم ایمان اور تقوے کے مدعی ہو تو خدا کے سب احکام کی کلی متابعت کرو اور اسکے علاوہ رسول (یعنی تمہارے امیر جماعت) بھی جو کچھ تمہیں کہیں معًا تعمیل کیا کرو۔

[۵۲] اے ایمان والو! اللہ کے احکام کی فوری اور کُلی متابعت کرو، رسول کا کہا بلا چون و چرا مانا کرو، اور تم میں سے جو شخص تمہارے گروہ کا امیر مقرر کیا گیا ہو اُسکے احکام کی بھی پوری متابعت کرو۔ پھر اگر خدانخواستہ تمہارے اور حاکم وقت کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا بھی ہو جائے تو اللہ اور رسول پر چھوڑ دو (اور حاکم جماعت کی اطاعت میں کسر اٹھا نہ رکھو) اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور روز قیامت کا تمہیں پورا یقین ہے (اُس دن آپ ہی خدا اور رسول نبٹ لینگے کہ کون غلطی پر تھا) یہی تمہارے لیئے بہترین طریق عمل ہے اور تمہاری اطاعت گذاری کی بہترین تاویل ہے۔

[۵۳] تو اس نے کہا کہ اگر تم میں فی الحقیقت ایمان موجود ہے تو خدا کو ہر دم محسوس کرتے رہا کرو اور اُس کا اتقا کرو (یعنی وہ اعمال پیدا کرو جو اتقا کے لیئے ضروری ہیں)

[۵۴] خدا اُن سے اُنکے اعمال کے باعث خوش ہو چکا ہے اور وہ خدا سے اپنے کیئے کا اجر پا کر خوش ہو گئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی فوج اور اللہ کے سپاہی ہیں۔ منکرو! بگوش ہوش سن رکھو اور مومنو! مطمئن رہو کہ خدائی فوج ہی اس دنیا میں غالب آئیگی اور آخرت میں فلاح پا کر رہے گی۔

[۵۵] تو لامحالہ خدا کے سپاہی ہی اس دنیا کے اندر غالب آ کر رہیں گے۔

[۵۶] اور اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو تو بالآخر تم ہی غالب آ کر رہوگے۔

٭ اس وسیع التاویل، پیچیدہ، لیکن اہم اور سبق آموز آیت کے صحیح مطالب کی تصریح دوسری مجلد میں پیش کر دی جائے گی۔ یہاں پر مطالب سے صرف اس قدر بحث ہے کہ "اطاعت خدا" اور "اطاعت رسول" کو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا گیا ہے۔ اطاعت اولوالامر کا سوال بعد میں اٹھایا جائیگا

٭٭ اس آیت میں صاف طور پر اتقا کو شرطِ ایمان قرار دیا ہے گویا اتقا کے اعمال کا موجود ہونا فی الحقیقت ایمان کے موجود ہونیکے مترادف ہے (دیکھو صفحہ ۱۲۶ آخری سطر)۔

"خوشنودیٔ خدا" کی خاطر ایثارِ مال اور ایتائے زکوٰۃ بھی وہ مصدّقِ ایمان، محرّکِ عشق اور مظہرِ قلب[†] اعمال تھے جن کی تہ میں اسلامی جماعت کی اقتصادی استواری اور مالی استحکام کا عظیم الشان راز مضمر تھا، انہی کے باقاعدہ اجرا و التزام میں **تاسیس بیت المال** کی وہ عظیم المنفعت اور کثیر النفع **حکمت** پنہاں تھی جو سب مہمّات امور میں اور خوف و خطر کے موقع پر، اُمت کو مالی مشکلات سے قطعاً بے نیاز کر سکتی تھی۔ الغرض اُس چارہ فرمائے جہاں ﷺ کو جس کی ذات مستجمع الصفات عارضۂ احتیاج سے قطعاً مستبعد ہے اس تمام کارفرمائی سے انسانوں کی اپنی ہی بہبودی مدِّنظر تھی: هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ

---

† قرآن حکیم نے جابجا قربانیٔ مال کو ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے، بلکہ ایک روسے ایمان کی تصدیق کا معیار ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرت، تائید مجاہدین کے ساتھ ساتھ (جن کا ذکر صفحہ ۱۴۴ کی آیہ (۸: ۷۴) میں ہوچکا ہے) اقامت صلوٰۃ اور جہاد بالمال کو بھی تسلیم کیا ہے جیساکہ سورۂ انفال کی مفصلہ ذیل آیت کے الفاظ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے ظاہر ہے:

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ **الْمُؤْمِنُوْنَ** حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۚ (۸: ۳-۴)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو الصلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایک معتد بہ حصہ تقویت جماعت کے لیے صرف کرتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت ایمان والے ہی ہیں۔ پروردگار جل وعلیٰ کے نزدیک ایسے ہی لوگوں کے درجے بلند ہونگے، انکی پہلی واماندگیوں سے اغماض کیا جائے گا (مَغْفِرَةٌ) اور عزت و آبرو کے مقام اُنکے لیے وقف ہونگے۔

الصّلوٰۃ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، مگر الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کا استعمال تمام قرآن میں صرف انہی دو موقعوں پر ہوا ہے۔ اور ان سے ایثارِ مال کا مصدّقِ ایمان ہونا ظاہر ہے۔ کلامِ الٰہی نے صدقہ (بمعنی انفاق مال) کی اصطلاح بھی اسی قرینے سے وضع کی ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) اور اسی شخص کو 'صادق' اور 'مصدّق' ٹھیرایا ہے جو اپنے زبانی دعووں کو عملاً یعنی زرِ خرچ کرکے سچ کر دکھائے۔ سورہ حدید میں ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ (۵۷: ۱۸)

اسمیں شک نہیں کہ اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں وہی ہیں جنہوں نے خدائے زمین و آسمان کی خاطر اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو اُن کے ایثار کا اجر چند در چند کر دیا جائے گا، اور آگے چلکر بھی انکی ارضِ مت کا باعزت بدلہ ملیگا۔

ایثارِ مال کا محرّکِ عشقِ الٰہی ہونا سورۂ آلِ عمران کی اِس آیت سے ظاہر ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝ (۳: ۹۱)

لوگو! خدا کی محبت کے بارے میں تزکیۂ نفس اور اخلاص کے مرتبے (الْبِرّ) کو تم ہرگز نہ پہنچ سکو گے جبتک کہ اُسکے اعلاہیں، اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جنکو تم محبت کرتے ہو (مقابلہ کرو اسکا آیۂ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۹: ۱۰۳) سے جو صفحہ ۱۱۷ پر گذر چکی ہے اور جس میں بتلایا ہے کہ خدا کی محبت کے بالمقابل کسی شئے کی محبت ٹھیر نہیں سکتی) اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم خرچ کروگے خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اِس آیۂ شریفہ میں بالصّراحت اِس واقع الامر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی محبوب کی خاطر کسی عزیز شئے کا ایثار کرنا عاشق کے شعلۂ محبت کو اور بھڑکاتا ہے۔ بالخصوص اُس حالت میں کہ عاشق کو اطلاع ہو کہ محبوب کو اُسکے ایثار کا علم ہے۔ بِرّ کی مکمل تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہاں ہم نے ترجمے میں ظاہر کر دیا ہے کہ

مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ؀ (۴۷ : ۳۸)، وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ؀ (۲۹ : ۶)؎ وہ مسلمانوں کے سب اعتقادات اور معاملات اور ہر فعل و عمل کو اُنکی دنیاوی فلاح و بہبود کی خاطر ہی درست کرنا چاہتا تھا، وہ انکو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش میں غیر اقوام کے بالمقابل قوت اور زور سے رکھنا چاہتا تھا، وہ کائنات جہان کی اس ہولناک اور تاب گسل مزاحمت میں مسلمانوں کو سلامتی کے طریقے، حفظ و امن کے دائمی اصول، اور عافیت اور تمکن کے اٹل قواعد بتلانا چاہتا تھا، وہ توحید کے متحد القلوب ماحول اور عبودیت کے سرفروشانہ ولولے میں مسلمانانِ عالم کو ایک نصب العین پر قائم کرکے اُنکو حقیقت اور حریت کے

سلہ ۵ تم لوگ بگوش ہوش سُن رکھو کہ تم وہ قوم ہو کہ آج تمہیں خدا کی راہ میں اپنے قومی فائدے کے لیئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اسپر بھی تم میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دینے سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو آج بخل کرتا ہے تو حقیقت میں اپنے آپ سے بخل کرتا ہے، ورنہ اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے اور تم ہی اسکے محتاج ہو اور اگر تم نے حکم خدا سے روگردانی کی تو اسی بخل کے باعث ہلاک ہو جاؤ گے اور خدا دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے بدعمل، نفس پسند اور ناکارہ لوگ بھی نہ ہونگے! سلہ ۵۲ اور جسنے خدا کی حمایت میں اپنے پر تکلیفیں سہیں اور دشمن سے جہاد کیئے تو وہ اپنے ہی بھلے (یعنی حصول قوت) کیلئے سعی کر رہا ہے ورنہ خدا تو دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے (۳۹ : ۲ - ۵ کو مدنظر رکھکر جَاهَدَ کا یہ ترجمہ کیا گیا)

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۰) ماسوا کی محبت سے خدا کی محبت کو مبرّا، رکھنا برّ کا جزو لاینفک ہے۔ ایثار مال کا مظہر قلب ہونا (جو فی الحقیقت برّ کا مقام حاصل کرنیکے مترادف ہے) کلام الٰہی کی اس آیت سے ظاہر ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؀ (۹ : ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان متشککین اور منافقین عرب سے (انکے تذبذب اور نفاق کے قلبی مرض کو دور کرنیکی غرض سے) اُنکے مال میں سے کچھ شئے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے) تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبت ماسوا سے پاک کرو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُنکے نفوس کو آلایش حب زر سے مبرّا کرو گے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کیا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکے اس فعل کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) انکے لیئے موجب تسکین ہوتی ہے اور اُنکو اور بھی بہتر کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

'صَلِّ' اور 'صَلٰوتَ'، کے مفہوم کے متعلق تفصیلی بحث صفحہ ۱۳۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں پر اس نقطہ نظر کی کامل تصدیق ہو جاتی ہے اور ظاہر کہ 'صَلٰوةَ' سے مقصود تحسین و آفرین ہے لیکن ضمناً یہاں پر 'تُزَكِّيْهِمْ' کے لفظ سے 'زکوٰۃ' کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گئی کہ زکوٰۃ فی الحقیقت وہ شئے ہے جس سے تزکیۂ نفس ہو یعنی مال کی محبت گھٹے اور خدا کا عشق بڑھے!

؎ آیہ (۴۷ : ۳۸) سے صاف ظاہر ہے کہ انفاق مال فی سبیل اللہ کی صحیح غرض و غایت اُمت کی اجتماعی اور سیاسی بہتری ہی ہے، اور اسمیں بخل کرنا گویا اپنی قومی بہتری میں مخل ہونا ہے۔ اس امر کی تائید کہ 'يَّبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ' سے مراد قوم کی دنیاوی اور اجتماعی بہبودی سے بخل کرنا ہی ہے، (نہ روز قیامت کے بہشت سے بخل کرنا جیسا کہ بعضوں نے زکوٰۃ کے اصلی مدعا کو مسخ کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے) 'وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ' کے الفاظ سے ہوتی ہے جو معاً بعد میں آئے ہیں۔ گویا ایثار مال نہ کرنے کا نتیجہ ہوگا کہ قوم کی مالی قوت کو نقصان پہنچے گا، پھر کسی طرح سے غیروں کے بالمقابل اسکی مدافعت نہ ہو سکے گی

علمبردار، اخوت اور مساوات کے مبلغ، عالم آرا عصبیت کے محافظ، اور وراثت زمین کے اہل بنانا چاہتا تھا!

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۶۱: ۹-۱۳)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۱) مجاہدین کو ہتھیاروں سے لیس کرنا متعذر ہو جائے گا اور بالآخر کوئی دوسری قوم جو اعمال میں اس کم ہمت قوم سے بہتر ہوگی اُن کے ملک پر قبضہ کرے گی اور اس قوم کی سیاسی قوت کو تباہ کر دے گی۔

جن خوش اعتقادوں نے زکوٰۃ کو بیت المال کی حکمت عملی سے الگ سمجھ کر کسی بھک منگے کو چار پیسے دینا سمجھ لیا ہے اُنکے لیئے یہ آیت از بس قابل غور ہے لیکن فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے صحیح معانی اور زکوٰۃ کے متعلق باقی بحث آگے چلکر آئے گی۔

آیہ (۲۹: ۶) میں بھی 'لِنَفْسِهٖ' کا لفظ ہے، اور ان دونوں آیتوں کے مضامین کی مماثلت سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی 'فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ' سے مراد اپنی دنیاوی بہتری کے لیئے سعی و عمل کرنا ہے۔ باغ بہشت کا قصہ جو لوگ آسانی سے وضع کر لیتے ہیں اور 'جَاهِدْ' کے لفظ سے مراد تسبیح پھیرنا اور روحانی مجاہدے کرنا لے لیتے ہیں، اسکی سند قرآن میں موجود نہیں۔ بہشت بھی آخرت میں تبھی ملسکتا ہے جب سب اُمت اُمتیوں کی متفقہ طاقت عمل سے 'اَعْلَوْنَ' بنکر رہے۔ ورنہ نرے روحانی مجاہدے بے معنی ہیں اور اُنکی کچھ اُجرت نہیں لیکن اس بحث کو چھیڑنا یہاں پر پیش از وقت ہے۔

ان آیات جلیلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں:۔

(۱) اسلام کا اس دنیا میں منتہائے وحید 'اَعْلَوْنَ' اور غالب بنکر رہنا ہے، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ قرآن کے تمام طول و عرض میں رسول کے بھیجنے کی اسکے سوا کوئی اور غرض کہیں نہیں بتلائی گئی۔ یہ اس عنوان کا جواب ہے جو ہم نے صفحہ ۱۰۱ پر قائم کیا تھا۔

(۲) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال کا نتیجہ قرآن حکیم نے 'عذاب الیم سے نجات'، 'ذنوب کی مغفرت'، 'جنّت میں داخل ہونا' اور 'مساکن طیبہ' بنایا ہے۔ اگر یہ سب باتیں روز قیامت سے متعلق کر لیجائیں تو بھی 'اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُمت کی دنیاوی اور اجتماعی بہتری بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ایثار مال یعنی زکوٰۃ کی غرض اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

(۳) 'جنّت' کی تشریح کے ضمن میں ہم نے صفحہ ۱۱۹ پر دعوے کیا تھا کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ ارضی بادشاہت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، آخرت کے باغ بہشت کے لیئے 'اَلْجَنَّة' کا لفظ مخصوص ہے۔ یہاں پر اس دعوے کی بادی النظر میں تغلیط ہوتی ہے مگر چونکہ ساتھ ہی 'لِیُظْهِرَهٗ' اور 'فَتْحٌ قَرِیْبٌ' کے الفاظ استعمال کرکے سیاسی اور دنیاوی غلبے کو واضح کر دیا ہے، 'جنّت' کا ذکر عمداً اس انداز سے کیا ہے کہ دنیاوی تغلب اور اُخروی انعام دونوں معنے لیئے جا سکیں گویا جس مجاہد بالمال والانفس کو باوجود اُسکے جہاد کے جنّات زمین کی بادشاہت نہ مل سکی اسکے لیے اُخروی جنّت مخصوص ہے۔ اسطرح کا استثنائی استعمال قرآن میں ایک دو جگہ اور ہوا ہے جو آگے آئینگے مگر یہ مستثنیات ایسی ہیں کہ ان سے نفس دعوے کی تردید نہیں ہوتی۔

(۴) صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں بشارت رُسل کی نوعیت واضح کی گئی تھی یہاں 'وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ' (۶۱: ۱۳) کے الفاظ سے پھر اس دعوے کی تائید ہوئی کہ بشارت اجتماعی تمکن کی بشارت ہی ہے۔ ایمان کی ماہیت کے بارے میں ابتک جو کچھ قرآن حکیم سے مستنبط ہوا ہے یہ ہے کہ (۱) فطرت کا بغور مشاہدہ کرنا (۱۶: ۷۹ و ۶: ۱۰۰) صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳، (۲) لرزش قلب کا موجود ہونا (۸: ۲) صفحہ ۱۰۳، (۳) مخالف متعلقین سے اعلائے اسلام کے لیئے قطع تعلق کرنا آیہ (۵۸: ۲۲)

خداوہ پاک ذات ہے جسنے اپنے رسول کو یہ عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (راہِ عمل) دیکر بھیجا تاکہ اسکے زور اثر سے باقی سب غلط راہ ہائے عمل پر غالب آجائے اگرچہ دشمنوں کو بُرا ہی لگے۔ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمکو دُنیاوی شکست کے دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو (تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ)، اور اُسکے رسول کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو، اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑا دو۔ تمہاری بہبودی اور غلبۂ اُمت کیلئے یہی بہترین دستور العمل ہے اگر تم اسکو سمجھو۔ ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کریگا، تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دیگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہے جسکو تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ تم کو اس دنیا میں خدا کیطرف سے مدد ملیگی، فتح تمہارے شامل حال ہوگی، اور اے پیغمبر! یہ بشارتِ تمکّن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۲) صفحہ ۱۰۴، (۴) اعْبُدُوا رَبَّكُمْ اور جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کا مصداق بننا (۲۲: ۷۷-۷۸) صفحہ ۱۰۵، (۵) راہِ خدا میں جہاد اور ہجرت کرنا، مجاہدین کو مدد اور پناہ دینا (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴، (۶) مشکک فی اللہ نہ ہونا اور جہاد بالمال والانفس کرنا (۴۹: ۱۵) و (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵ او (۹: ۸۸) صفحہ ۱۳۴ و (۹: ۱۱۱) صفحہ ۱۴۰، (۷) ثابت قدم ہوکر لڑنا (۳: ۱۴۰) صفحہ ۱۲۰ و (۳: ۱۶۵) صفحہ ۱۲۴ تحت المتن، (۸) اصْبِرُوا اور صَابِرُوا اور رَابِطُوا کا مصداق بننا (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۴۲، (۹) دنیا کے اندر جم کر رہنا (۱۴: ۲۷) صفحہ ۱۴۳، (۱۰) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بندنہ بننا (۳: ۱۰۱-۱۰۳) صفحہ ۱۴۴-۱۴۵، (۱۱) دشمن کے دل میں اپنی قوت کی ہیبت بٹھا دینا (۵۹: ۲) صفحہ ۱۵۵، (۱۲) اتقائے الٰہی کرنا اور سعی و عمل سے قربِ خدا کی تلاش کرنا (۵: ۳۵) صفحہ ۱۵۶ و (۵: ۱۱۲) صفحہ ۱۷۹، (۱۳) ماسوا سے نہ ڈرنا (۹: ۱۳) صفحہ ۱۵۷، (۱۴) جہاد کے وقت لنگ عذرات نہ کرنا (۹: ۴۴-۴۵) صفحہ ۱۵۸، (۱۵) اولیائے خدا بننا (۱۰: ۶۲-۶۴) صفحہ ۱۵۸، (۱۶) بادشاہ زمین بننا (۳۹: ۱۰) صفحہ ۱۵۹، (۱۷) حفظِ نفس کرنا (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲ (۵: ۱۱) صفحہ ۱۷۰، (۱۸) قتال بالسیف کی طرف راغب ہونا (۸: ۶۵-۶۶) صفحہ ۱۶۴، (۱۹) آپس میں کامل طور پر متحد ہونا (۸: ۶۳-۶۴) صفحہ ۱۶۷، (۲۰) أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ وغیرہ ہونا (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸، (۲۱) امیر جماعت کا کامل طور پر مطیع ہونا (۲: ۱۴۳) (۸: ۲۰-۲۲)، (۸: ۲۴-۲۵) صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱، (۲۲) امیر جماعت کی مدد کرنا (۷: ۱۵۷) صفحہ ۱۷۲، (۲۳) اطاعت اولوالامر کرنا (۴: ۵۹) صفحہ ۱۷۹ (۲۴) الصلوٰۃ پر قائم رہنا اور الزکوٰۃ دینا (۸: ۳-۴) صفحہ ۱۸۰، (۲۵) يُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا مصداق بننا (۶۱: ۹-۱۳) صفحہ ۱۸۲۔ ایمان ہے۔ صحیح بخاری باب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے"۔ چنانچہ اسوقت تک پچیس شاخوں کی توضیح اس کتاب میں کردی گئی ہے۔ اسکے بعد اب جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئیگا وہاں مراد یہی اعمال لینے چاہییں (۵) رسولؐ کے ساتھ 'الْهُدٰى' اور 'دِيْنِ الْحَقِّ' کے بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ 'دِيْن' کے معنی 'راہِ عمل' ہم نے صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں ثابت کردیئے ہیں۔ اس بنا پر 'دِيْنِ الْحَقِّ' اِس دنیا میں قوی بنکر رہنے کیلئے وہ صحیح راہِ عمل ہے جو عرب نے رسولؐ خدا کی سیادت میں اختیار کی تھی۔ جبتک مسلمان غالب آتے رہے یہ راہِ عمل ازروئے قرآن درست رہی۔ جب اعلون بنکر رہنے کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو مسلمانوں کا طرزِ عمل بھی دِيْنِ الْحَقِّ نہیں رہا، اور اسی لئے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا میثاقِ ایزدی آج پورا نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ رہا کہ 'الْهُدٰى' کیا شے ہے۔ اسکا علی الحساب جواب تو یہی قرآن ہے جو مجسمہ ہدایت ہے مگر صحیح مفہوم وہ تکیفِ دل اور صحتِ عمل، وہ صلاحیت اور استعداد کار ہے جو قرونِ اولیٰ میں رسول خدا کی تعلیم نے پیدا کردی تھی اور جو آج قطعاً مفقود ہے لیکن اسکے مخصوص معانی کیلئے دیکھو ... اللہ اللہ! کسی زمانے میں دین اسلام کا واحد مطمح نظر تمکّن فی الارض اور غلبہ اقتدار تھا کہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسافر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شاہ محمد تغلق کے سکوں پر ایک طرف أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے الفاظ کندہ تھے۔ ساتھ ہی اُس غلبے کو حاصل کرنیکے لئے اطاعت امیر کا درس اسقدر تازہ تھا کہ دوسری پشت پر من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن بے خوف خطر لکھا تھا گویا خدا رسول اور سلطان کی اطاعت اصلاً ایک ہی شے ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۱)

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (۹: ۳۲-۳۳)

یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی مشعل نور کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں اور خدا اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ علی الرغم اعدا اپنے نور کو پورا کرکے رہے۔ خدا ہی تو وہ پاک ذات ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کردے، گو مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار لگے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (۴۸: ۲۸)

وہ خدا کی مقتدر ذات ہی تو ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو بالآخر دنیا کے تمام طرق عمل پر غالب کردے، اور درحقیقت اس طرز عمل کو کامیاب کرنے کیلئے خدا نگہبان بس ہے۔

وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ (۸: ۷-۸)

٭ اس آیہ کریمہ سے جس کے لگ بھگ ایک آیت سورہ صف میں بھی متذکرہ صدر آیات (۶۱: ۹-۱۳) سے عین پہلے آئی ہے، اور یہی ظاہر ہے کہ "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" سے مراد اسلام کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے۔ اسکے ماسوا احتمالاً کچھ نہیں؛ کافر عرب اسلام کی دنیاوی طاقت ہی کو مٹانا چاہتے تھے، وہ اپنی گھٹتی ہوئی قوت کے بالمقابل مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے درپے تھے۔ اور اس سیاسی تمکن ہی کو نُورَ اللّٰہ کہا گیا ہے جسکے اتمام کا وعدہ خدائے عزوجل کر رہا تھا۔ کفار کو اسلام کی روحانی طاقت سے کچھ حسد یا تعرض نہ تھا۔ جن نام نہاد مسلمانوں نے آج اُمت کی زبوں حالی اور شرعی وضع قطع کو مذاہب عالم پر اپنی روحانی فتح سمجھ لیا ہے اُنکے لیئے یہ آیات نہایت سبق آموز ہیں۔ سورۂ صف کی متذکرہ صدر آیت یہ ہے: يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (۶۱: ۸)۔ اسکا پھر ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

٭ اس آیہ شریفہ سے پیشتر کی آیت ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۴۸: ۲۷)

اسمیں شک نہیں کہ خدائے عزوجل نے اپنے بھیجے ہوئے رسول کی وہ رؤیائے قلبی جو اسکو پیہم اضطراب اور شبانہ روز اہتمام کیوجہ سے عالم خواب میں دکھائی دی تھی بالتحقیق سچ کر دکھایا اور وہ رؤیا یہ تھی کہ اگر خدائے بے نیاز نے ہماری سعی و عمل کو پسند فرما کر مناسب سمجھا (إِنْ شَاءَ اللَّهُ) تو تم لوگ مسجد حرام میں سب دشمنوں سے محفوظ و مامون ہوکر بے خوف خطر داخل ہوگے، اور وہاں جاکر رسم کے مطابق اپنا سر منڈواؤگے یا بال کترواؤگے۔ پھر مسلمانوں نے فتح مکہ کے اس اہم مرحلے تک پہنچنے کیلئے خدا وہ وسیلہ تاڑ گیا جس کا تمھیں علم نہ تھا (فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا) اور حدیبیہ کا عہد نامہ مکے کے سر ہونے سے پہلے دشمن سے کرادیا جو فی الحقیقت ایک ضمنی فتح ہے۔

رؤیا کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں اگرچہ ہم نے ترجمے میں رؤیا کے واقع ہونے کی توجیہ، اور مناسب حالات میں صحیح سعی و عمل کے بعد اسکے سچ ہو رہنے کی بھی اشارۃً بیان کردی ہے مگر یہ آیت اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ زیر بحث آیت یعنی (۴۸: ۲۸) میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے اور فتح قریب کا ذکر ہے اُروحانی غلبہ، جسکی داستان آجکل کے کم ہمت اور ناکارہ مسلمانوں نے اپنا دل خوش کرنے کیلئے گھڑی ہے قطعاً مراد نہیں، اور نہ روحانی غلبہ کوئی ایسی شئے ہے جس پر وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۹: ۳۲؛ ۶۱: ۸) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۹: ۳۳؛ ۶۱: ۹) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (۸: ۸؛ ۱۰: ۸۲) کا اطلاق ہو سکے، اور جس سے کافروں کی جڑ بنیاد کٹ سکے، جیسا کہ آگے چلکر سورۂ انفال میں ہے: وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (۸: ۷)۔

اور لوگو! خدا تو اس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اپنے احکام کے قوت افزا اثر سے صداقت کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دے، اور منکرین کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے، اور یہ اسلیئے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ اُن مجرموں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے جو اسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے؛

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۸۲)

اور خدا اپنے احکام کی قوت افزا وساطت سے حق کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دیتا ہے اگرچہ مجرموں کو جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غلبہ اسلام و اتحادِ عالم[†]

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶)

ہم انبیاء میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے (سب کو ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کو حاکم اعلیٰ ماننے والے ہیں

اُس قاضیٔ حاجات تعؔ کے پیش نظر دراصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تنسیق تھی جو مال و جان کی مہذب نفس اور مطہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام اُمتوں پر غالب آ کر انسان کی دنیوی فلاح اور اجتماعی نجات کا باعث ہو؛ وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادت خدا کے حوصلہ انگیز عمل، تقویٰ کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کے غلبہ اندوز عزم کے ذریعے سے ہر معاند گروہ سے عہدہ برآ کر کے اُسکے عالم آرا اتحاد، اور ناقابل شکست اخوت کی ہیبت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظ جماعت اور دفاع نفس کا اسلحہ وحید، اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دیکر، ہر متنفس کے دل میں مقابلے کی ناقابل شکست روح، اور فیروزمندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا! ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۶۱: ۱۱)؛ وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے ستھیلائے اثر سے پہنائے جہان کے اندر اسکی ہیئت اجتماعی میں روزافزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا؛

[†] غلبے کو پیش نظر رکھکر اسلام کا اتحاد عالم کی دعوت دینا (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) ظاہر بین نظروں میں دو متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ادنیٰ تامل اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہی کہ اسلام انسان کی ہیئت اجتماعی میں ایک ستعداد عمل (الھدیٰ)، ایک راہ عمل (الدین)، اور ایک صراط مستقیم (دین الحق) پیدا کر کے سب کو مجتمع کرنا چاہتا تھا گویا سب کو فطرت کے اس واحد راہ رست پر عملاً چلانا چاہتا تھا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض ہے؛ یہودیوں اور نصرانیوں کیطرح ایک شرعی فرقہ بنجانا اسکا مطمح نظر قطعاً نہ تھا اگرچہ وہ آج بن بھی چکا ہی! اسی اتحاد اور نسل انسانی کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھکر اسنے سب انبیاء کو ماننے کا اعلان کیا تاکہ فرقوں کا ذاتی تعصب اس اتحاد میں حائل نہو (دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۶۲)

نہیں وہ سب نسلی اور تمدّنی اختلافات، اور سب مُلکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک ملازمت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیاً منسیاً کر کے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی طبعی یکرنگی، اور کارگاہِ فطرت کی جنسی یک وضعی از سرِ نو قائم کرنا چاہتا تھا، وہ اغراض حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور باعمل، یک خدا اور باخدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصول قوت کے محکم اصول، حفظ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ

❋ اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کی مشترک اساس پر بلا کر متحد العمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ دونوں فرقے کم از کم زبانی طور پر "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے مدعی تھے۔ اسی لیے اس کلمے کو "كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ" کہا گیا ہے مگر عملاً وہ خدا کے حکموں کی جو توراۃ و انجیل میں مذکور تھے کچھ تعمیل نہ کرتے تھے۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح خدا کو منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، یا اس کے نام پر نماز پڑھ لینا انکا رسمی اعتقاد تھا مگر عبادت یعنی ملازمتِ خدا صحیح معنوں میں ہرگز نہ رہی تھی۔ یہودیوں نے احکام خدا کی تعمیل کو خیرباد کہکر، احبار اور رہبان (یعنی اسقفوں اور گوشہ نشینوں) کو اپنا مخدوم بنایا ہوا تھا، وہ ان کے پیچھے لگ کر ایک دوسرے سے الگ اور فرقہ بند بن گئے تھے۔ علی ہذا القیاس نصرانی بھی خدا کی اطاعت اور ملازمت کو چھوڑ کر اپنے اپنے پادریوں کے صحیح معنوں میں ملازم بنے ہوئے تھے۔ گویا ان کا مرتبہ عملاً خدا کے برابر بلکہ اس سے بہتر بنا رکھا تھا۔ سورہ توبہ میں اسی عبادتِ ماسوا کی طرف اشارہ کرکے احبار اور رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کہا گیا ہے: "اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ" (۹:۳۱)، یعنی انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اپنے نبی کو خدا بنا کھڑا کیا ہے اور عملاً ان کی ملازمت و عبادت میں لگے ہیں"۔ اس آیہ شریفہ میں قرون اولیٰ کے کارکن مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کو دعوت ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے اصل اصول پر عملاً کاربند ہو جائیں (یہی معنی "تَعَالَوْا اِلٰى" کے ہیں) اور بصراحتِ تمام بتلایا ہے کہ خدا کی عملاً ملازمت کرنا، کسی شے کو عملاً اور معناً اس کے برابر نہ کرنا، اور خدا کے حکموں کو پس انداز کرکے علما اور مشائخ کے من گھڑت حکموں پر نہ چلنا ہی عین اسلام ہے۔ گویا یہ زبانی اعتقاد کو خیرباد کہکر عمل کیطرف آنا اور خدا کو معناً حاکم اعلیٰ سمجھنا ہی مسلم بننے کے مترادف ہے: (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)۔ یہ وہ بے مثال دعوت اتحاد اور وہ وسیع النظر بنائے مصالحت تھی جس پر قرن اول کے مسلمان سب دنیا کو متحد العمل کرنا چاہتے تھے۔ آج جو بُعد المشرقین انکے اور یہود و نصاریٰ کے درمیان واقع ہو چکا ہے، نہیں، بلکہ جو ناقابل گذر خلیج انکے آپس کے فرقوں کے درمیان حائل ہے اور جسکے باعث وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے میں مصروف ہیں، اسلام کی ماہیت نہ سمجھنے اور منشائے خدا کے مطابق عمل نہ کرنے کی صریح شہادت ہے۔

ماہیتِ اسلام اور اتحادِ عمل کے متعلق یہ اہم بحث تفصیل کیساتھ پھر پانچویں مجلد میں کیجائیگی۔ سردست جو بات غور طلب ہے یہ ہے کہ آج امتِ مرحومہ کا ایک ایک فرد بذات خود "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے برخلاف صحیح معنوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اپنے احبار اور رہبان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن چکا ہے، انکو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" بنا رہا ہے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا طریقہ الگ کرکے امت کو صدہا بلکہ ہزارہا فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ غرض و غایت جو خدا کی مشترک عبودیت اور ایک حاکم اعلیٰ کی اطاعت میں مضمر تھی قطعاً مفقود ہو چکی ہے۔ گویا آج انکے طرزِ عمل کو دینِ اسلام کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

ضمناً اس آیہ شریفہ میں عبادت کے معانی کی تائید ہو گئی جس پر ایک طول و طویل بحث صفحہ ۱۰ الخ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔

ف چنانچہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد ہے: "وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا" (۹:۳۱) گویا عبادتِ خدا صحیح معنوں میں نہ رہی تھی بلکہ کئی خدا بنے ہوئے تھے، یہاں عبادت کا صحیح مفہوم اسقدر روشن ہو گیا ہے کہ

بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳: ۶۴)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہو جائیں جسکا ہمارے اور تمہارے درمیان کم از کم زبانی طور پر یکساں اقرار ہے، اور جسپر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہو سکتا ہے نہ ہمیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم ما سوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنینگے، اور نہ کسی شئے کو اطاعت گذاری میں اُسکے ہم مرتبت کرینگے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی منہ موڑلیں تو ان سے کہدو کہ اب گواہی دو کہ ہم ہی حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف مُنہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (۲: ۱۳۶-۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی اُمتوں سے مصالحانہ طور پر کہدو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں اور ہم قرآن کو اُسکا قانون تسلیم کرکے اُسپر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل و اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترا، اور جو کچھ بھی موسٰی اور عیسٰی کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے دیگر تمام

* ان آیات الٰہی میں اتحاد کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھایا گیا ہے اور صاف الفاظ میں تمام انبیا نے جہان کو بلا تفریق احد منجانب اللہ تسلیم کرکے متحد العمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس اتحاد کا اساس کار پھر وہی خدا کو حاکم اعلےٰ تسلیم کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶)) اور اسکی عملی عبادت کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (۲: ۱۳۸)) قرار دیا گیا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ایمان فی الحقیقت عمل ہی کا دوسرا نام ہے، زبان سے اسکو کچھ تعلق نہیں، جو شخص کہتا ہے مگر کرتا نہیں وہ از روئے اسلام کچھ نہیں۔ اس امر کی تصدیق میں کہ دعوت عام ہے اور روئے سخن کسی ایک فرقے مثلاً یہود یا نصاریٰ کی طرف ہی نہیں بلکہ تمام عالم کی طرف ہے، قرآن حکیم کی اُن آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جن میں بصراحت تمام کہا گیا ہے کہ ہر اُمت بلکہ ہر فرقے میں خدا کا کوئی نہ کوئی رسول ہو گذرا ہے جو لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلایا کرتا تھا۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۝ (۱۶: ۳۶)

یعنی "ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول اس غرض کے لیئے بھیجتے رہے ہیں کہ لوگوں کو بتلائیں کہ اے لوگو! اس خدائے عزّ و جل کی ملازمت اختیار کرلو، اور شیطان کی غلامی سے بچتے رہو"

اس قسم کی اور آیتیں آگے چلکر دوسری مجلّد میں آئیں گی (دیباچہ کتاب میں ہم نے اسلام کی اس اتّحادی دعوت کی حکمت کو دوسرے نقطۂ نظر سے واضح کیا ہے) (دیکھو صفحہ ۶۲-۶۳)

پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اُسی ایک خدا کی طرف سے تھا۔ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی، اِس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو بہر نوع اُسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر اسیطرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکام خدا کے لیئے وقف کر دیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کر دیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری لئے کوئی وجہ پرخاش نہیں لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تم کو اُن کے شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھیگا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سمجھنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ اُن سے کہدو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوئے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اُسی کی خدمت کرنیوالے ہیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ٭ ○ (۳ : ۸۳)

اے محمدؐ! ان یہود و نصارے سے صلح صفائی سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہمکو دی گئی، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اُتارا گیا تھا اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کیطرف سے دیا گیا تھا، اُسی خدا کی طرف سے تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اُسی خدا کے فرماں بردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٭٭ ○ (۲ : ۲۱۳)

٭ صفحہ ۱۰۸ کی آیہ (۲ : ۱۳۶) سے اس آیت کی مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہ کی شرط یہاں بھی التزام کے ساتھ موجود ہے۔ گویا مُسْلِم بننا خدا کی خدائی کو عملاً تسلیم کر لینے کے ہم معنی ہے۔

٭٭ شارحین قرآن نے اس آیہ شریفہ کے مفہوم کو اکثر غلط سمجھا ہے اور نہایت لایعنی، بے نتیجہ، اور متناقض ترجمہ کرکے مطالب کو گڈ مڈ کر گئے ہیں۔ میں نے متن میں ایک بامعنی اور مدلل ترجمہ کر دیا ہے مگر ایک دو باتیں لائق تشریح ہیں:-

(۱) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں 'كَانَ' کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنیکے لیے استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ ایک ایسے واقع الامر کے اظہار کیلئے جو بہر حال درست ہی۔ اس طرح پر 'كَانَ' کا استعمال قرآن میں بیسیوں جگہ ہوا ہے۔ ہم صرف سورہ نساء کے پہلے چند رکوعوں سے مثالیں اخذ کرتے

انسان توحقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ نظر رکھکر خدا نے انکی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے، اور خدا نے ان سب کے ساتھ ہی نوع انسان کیلئے (مختلف زبانوں میں) ایک دستور العمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی برحق تھا تاکہ وہ کتاب اُن کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۸) ہیں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ہ (۴: ۱۱)، (۴: ۲۴)، بیشک خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ہ (۴: ۱۶)، بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے؛ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ہ (۴: ۱۷)، اور خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ہ (۴: ۲۳) بیشک خدا بڑا صاحب عفو و درگذر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ہ (۴: ۲۹)، بیشک خدا تم پر بہت مہربان ہے؛ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ہ (۴: ۳۰)، اور یہ بات کرنا خدا کے لیئے بیحد آسان ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ہ (۴: ۳۲)، خدا لامحالہ ہر شئے سے موبمو واقف ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا ہ (۴: ۳۳)، بیشک خدا ہر شئے پر پوری نگرانی کر رہا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ہ (۴: ۳۴)، خدا لامحالہ بڑا عظیم و جلیل خدا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ہ (۴: ۳۵)، خدا بیشک بڑا صاحب علم و خبر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ہ (۴: ۳۶)، بیشک خدا اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اترائے اور بڑائی مارتا پھرے؛ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کَانَ کا یہ استعمال خدائے عزوجل کی صفات کے متعلق مخصوص نہیں بلکہ ہر واقع الامر کے اظہار کے لیئے آیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ہ (۱۷: ۱۱)، اور انسان بڑا ہی جلدباز ہے؛ علیٰ ہذا القیاس سورۂ کہف میں ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ہ (۱۸: ۵۴)، اور انسان اکثر معاملات میں جھگڑالو ہے؛ اسی سورۂ نساء میں آگے چلکر ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ہ (۴: ۱۰۳)، اسمیں شک نہیں کہ نماز وہ حکم الٰہی ہے جو ایمان والوں پر بتعیین وقت فرض ہے؛ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ہ (۱۷: ۵۳)، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے؛ الغرض کہانتک مثالیں لکھی جائیں تمام کلام مجید اُن سے بھرا پڑا ہے لیکن اُنکے مطالعے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۟ فقف (۲: ۲۱۳) میں صرف ایک واقع الامر اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ حقیقت کبریٰ یہ ہے کہ کُل بنی آدم فی الحقیقت ایک ہی گروہ ہیں، ایک دوسرے کے اعضا ہیں، انکی نوع ایک ہی ہے، ایک جیسی شکل صورت، ایک جیسے اعضا، ایک ہی آبا و اجداد، بلکہ آفرینش بھی ایک ہی جوہر سے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس وحدت نوع کے ہوتے ہوئے اُن میں بنائے نزاع و اختلاف طبعاً اور فطرتاً ناروا ہے۔ کارگاہ فطرت کے قانون کے مطابق اگر کسی غیر انسانی نوع یا فرد کو وجہ پرخاش ہے تو صرف غیر نوع کے افراد سے۔ ہم جنس سے برسرپیکار اور آمادہ جدال رہنا مقتضائے طبیعت ہرگز نہیں، اور نہ ادنیٰ مخلوق کی طرز معاشرت اس طریق عمل کی تائید کرتی ہے۔ اس آئین طبیعت کی طرف مجمل اشارات مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۲ میں کیئے جاچکے ہیں لیکن تفصیل کے لیئے ابھی وقت درکار ہے۔ بہرنوع زیر بحث آیت میں اس گرانقدر حقیقت کو آشکارا کر کے کہا ہے کہ شارع کائنات ؐ نے انسان کو ایک ہی اُمت گردانکر انکی طرف مختلف اوقات میں مختلف انبیاؑ کی وساطت سے الْکِتٰبَ یعنی اُن کا واحد لائحہ عمل بھیجا جو اگرچہ مختلف زبانوں میں آتا رہا مگر اسکا منشا و ماحصل ایک تھا (وَاَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ)۔ اس لائحہ عمل کا مقصود بالذات نسل انسانی کو اجتماعی بقا کی بشارت دینا، یا عدم تعمیل کی صورت میں اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی تھا؛ (فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ)۔ انبیاؑ کے پیغام کی نوعیت کے متعلق کافی بحث صفحہ ۱۸۱ کے تحت المتن میں ہوچکی ہے۔ اور یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس اسی اجتماعی بقا کی بشارت مقصود ہے جو قانون خدا کی تعمیل کا طبعی نتیجہ ہے۔ "الْکِتٰبُ" کے صحیح مفہوم کے متعلق زیادہ توضیح کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ آگے چلکر دوسری مجلد میں ہم نے ایک مستقل عنوان اس موضوع کے لیئے باندھا ہے، مگر اَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لائحہ عمل جو مختلف انبیاؑ کی وساطت سے آیا فی الاصل سب اقوام عالم کیلیئے ایک تھا۔ اور معقول بات بھی درحمل یہی ہے کہ ایک خدا کی طرف سے ایک ہی نوع انسان کی طرف ایک ہی پیغام ہو، خواہ اُسکے پیغامبر کئی مختلف اشخاص ہوں۔ اسی حقیقت کبریٰ کو مدنظر رکھکر قرآن حکیم نے بلا امتیاز سب انبیائی

اعمال کی رہنمائی کرے اور اگر کسی امر میں اُن میں اختلاف پیدا ہو تو اُسکا قطعی فیصلہ کر دیا کرے۔
لیکن جن لوگوں کو کتاب دیگئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھلے کھلے اور واضح احکام آئے پیچھے اُس کے
مقاصد میں اُسکے معانی اور مطالب میں بیجا اختلاف محض آپسمیں ضد کے باعث کرنے لگے اور
فرقے بن گئے۔ پھر آخر کار وہ راہ حق جسکے متعلق لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے
اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھا دی اور اللہ تو اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۹) کتابوں کو 'الکتٰب' کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ سب انبیائے جہان کو منجانب اللہ تسلیم کرنا، اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کرنا عین اسلام ہے۔ آیت زیر بحث میں بتایا ہے کہ 'الکتٰب' اِس لیے بھیجی گئی تھی کہ انسان کی امت واحدہ میں اگر کوئی جزوی یا فرعی اختلاف واقع ہو جائے، تو یہ کتاب جلیل اُسکے متعلق اپنا قطعی محاکمہ دیکر اُس اختلاف کو مٹاتی رہے، اور بنی نوع انسان بدستور اُمت واحدہ بنے رہیں جیسے کہ وہ فطرتًا بنائے گئے تھے: لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۔ بعدازاں انسانوں نے آپس میں ضد اور ہٹ دھرمی سے ان روشن احکام (الْبَيِّنٰتُ) کو توڑ مروڑ کر نئے معانی پیدا کر لیئے اور الگ الگ فرقہ بندیاں کر لیں۔ کتاب خدا کے سب انسانی معاملات میں آخری اور قطعی حکم ہونیکے متعلق کئی آیتیں مقدمے کے اخیر (یعنی صفحہ ۹) میں پیش کر دی تھیں، مگر آیت زیر بحث سے عیاں ہے کہ 'الکتٰب' کے بھیجنے اور انبیاؑ کی بعثت کا مقصود بالذات نوع انسانی کو متحد الغرض اور متفق العمل کرنا ہی تھا، متفرق و فرقہ بند کر کے ایک فریق کو دوسرے کے برخلاف لڑوانا حتمًا نہ تھا۔ یہ اتحاد عالم کا برقرار رکھنا ہی اسلام کی تعلیم کا وہ درس اولین ہے جو اُسکے ہر صفحے سے عیاں ہے اور اسی کیلئے حتی الامکان سعی کرنا عین ایمان ہے: (فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا) یہی سچی ہدایت ہے اور قرآن حکیم کی حکیمانہ لُغت میں یہی صراط مستقیم کے مفہوم کی اہم شق ہے: (وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق الیعنی علم فطرت کا حاصل ہونا صفحہ ۴۷ کے تحت المتن (آیہ (۲: ۳۸)) میں، اور دوسری شق یعنی حفظ نفس صفحہ ۱۷ کے تحت المتن (آیہ (۵: ۱۶)) میں بیان ہو چکی ہے۔ دیباچہ کتاب میں جو دعوے میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ایک پیغام لانے کی بابت کیئے تھے انکی تصدیق بیانہ الصراحۃ ہو گئی ہے۔

اس آیہ شریفہ کے مطالب میں نسیان مقاصد کے باعث معنوی تحریف اسقدر واقع ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے لیئے متذکرہ صدر مفہوم کا معترف بن جانا آج نہایت غیر مانوس معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب انسان کے ہر رگ و پے میں اس شدت سے سرایت کر چکے ہیں کہ اسلام کو جامع ملل مذہب یقین کر لینا آج مسلمانیت کے منافی اکثر ہو چکا ہے۔ تاہم اگر غائر نظر سے حقیقت کی طرف دیکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ رب العالمین اور رازق گبر و برہمن خدا جسکے نزدیک سب انسان یکساں ہیں، جو سب کو کمال محبت سے پال رہا ہے، جسکے خزانہ غیب سے سب یکساں انعام پا رہے ہیں، ایسا حکم دینا کیونکر گوارا ہو سکتا ہے جس سے انسان ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھائیں، اُس روحانی باپ کی طرف سے اگر کوئی پیغام ہو سکتا ہے تو یہی کہ سب انسان مل جُلکر رہیں، اتحاد اور اتفاق سے رہیں، ایک حاکم اعلے کے حکموں پر چلیں، شیطان کی ملازمت کم کریں، آپسمیں بھائی بھائی بنیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہی عین اسلام ہے، اور یہی اسلاف صالحین کے اِس قول کا صحیح مفہوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں۔ قرآن حکیم کے بلیغ فی المطالب اور عمیق فی البیان ہونے کی یہ آیت ایک روشن شہادت ہے۔

قرآن کی عبارت کے متعلق ترتیل کے نشانات اور رموز اوقاف اہل عرب نے نزول وحی کے بہت دیر بعد غالبًا حجاج بن یوسف والی عراق کے ایما سے امیر عبدالملک (المتوفی ۸۶ھ) کے عہد خلافت میں لگائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قرآن کا صحیح علم سینوں کے اندر نازہ بتازہ تھا۔ اسی وجہ سے کوعول کے نشان اور اوقاف کی علامتیں اکثر اوقات قرآن کے ربط کو معلوم کرنے اور صحیح مطالب کے حل کرنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ آیت زیر بحث میں كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے بعد علامت قف ہے جس سے مراد یہ ہے کہ مطالب کی تہ تک پہنچنے کیلئے کافی دیر تک ٹھہرنا ضروری ہے۔ اگرچہ پڑھنے والے کو یہاں پر مسلسل عبارت کا گمان ہوتا ہے۔ یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے وہ معنی نہیں جو اخلاف شارحین کے کیئے ہیں۔ انبیائے کرام ہرگز اس مطلب کے لیئے نہیں آئے تھے کہ فرقہ بند بنکر لوگوں کو آپس میں لڑائیں۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی اُمّت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتاب خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے انکو ایک معیّن مدّت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی نہ ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا انکو صفحۂ ہستی سے معدوم کر کے فیصلہ کر دیا ہوتا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ فَاِنْ حَاۗجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستور العمل یہی اپنے آپ کو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہل کتاب اگر اسلام کے اس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھکر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اس

٭ یہاں بھی وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے مقصود ایک واقع الامر کو ظاہر کرنا ہے نہ کسی گذشتہ واقعے کو یاد دلانا۔ اس طرح کا وَمَا كَانَ کا استعمال قرآن میں بعض جگہ ہوا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ کے اخیر میں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا (۴۲: ۵۱)، "اور یہ کسی بشر کی مجال نہیں کہ خدا اُس سے دو بدو ہو کر کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل میں ہے: مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (۲۷: ۶۰)، یعنی "تمہاری طاقت نہیں کہ اُن کے درختوں کو اُگا سکو"۔ اور سورۂ قصص میں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ ہے۔ یعنی "انکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔
بہر نوع یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ منشائے خدا تمام عالم کو متحد کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسان اپنی خود رائی کے باعث آپ متفرق ہو گیا ہے۔ نیز یہ باہمی اختلاف اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مجادلے اور محاربے کرنا رب زمین و آسمان کی نظروں میں وہ مکروہ اعمال ہیں جن کا فیصلہ وہ کسی نہ کسی دن کرے گا اور زیادتی کرنے والوں کو کما حقہٗ سزا دیگا!

✝ ان آیاتِ جلیلہ میں اسلام کی حقیقت قطعاً عیاں ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام وہ صحیح طرزِ عمل (الدِّيْن)، وہ سچا انسانی دستور العمل (الدِّيْن)، اور خدا کا وہ طبعی آئین کار (الدِّيْن) (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۱) ہے جس کا دوسرا نام ایک حاکم اعلیٰ کی ماتحتی میں رہکر اتحاد اور اصلاح بین الناس ہے۔ جو اختلاف پہلے حاملینِ الکتٰب میں قائم ہو گیا تھا وہ لوگوں کا خود پیدا کردہ تھا اور اس کا اصلی باعث انسان کی آئین خدا (الْعِلْمُ) سے بغاوت تھی (بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ)، ورنہ اِسْلَام اور اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ کی صورت میں افتراق قطعاً پیدا ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ ایک آقا کے کئی غلام یا ایک حاکم کے کئی ماتحت ملازم بشرطیکہ وہ اُسکے آقا اور حاکم ہونیکے دل سے مُقر ہوں اور اسکی طاقت سزا و جزا سے خوفزدہ ہوں آپس میں پھوٹ پیدا نہیں کر سکتے۔ پس یہی اتحاد، یہی قانونِ خدا کے آگے سر جھکا دینا، یہی خدا کو خدا تسلیم کر لینا اِسْلَام ہے اور یہی سچی ہدایت ہے؛ (فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا)۔ یہاں پھر اتحاد کو ہدایت کہا ہے۔ پہلے دو موقعے آیہ (۲: ۱۳۷) صفحہ ۱۸۷ و (۲: ۲۱۳) صفحہ ۱۸۸ میں گذر چکے ہیں۔ فتتاحیہ اور دیباچہ کتاب میں میں نے بعینہٖ یہی اسلام پیش کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۷ افتتاحیہ و ۶۲ آخر دیباچہ

علم کے آنے پیچھے جوانکو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اِس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی لیکن جو شخص خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں اُن سے بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیت خدا کی اِس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی، کم ہمتی، اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو اُن سے کہدو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے۔ پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اِس بات کے لیئے تیار ہو پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آگئے اور اگر مُنہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پونہچا دینا فرض ہے اور بس۔ اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۶: ۹۳)

اس آیہ شریفہ میں اُمّت واحد بن کر نہ رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور متفق و متحد بننے کو پھر چھٹی بار ہدایت سے تعبیر کیا ہے (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جناب سے ضرور بالضرور ہوگی جیسا کہ آج مسلمانانِ عالم کو ہو رہی ہے، مگر وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں پر مَنْ پھر اجتماعی موصول ہے اور تمام قوم کیلئے آیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۳، ۱۷۷ پر گذر چکی ہیں۔ اتحاد کو بالالتزام (۲: ۱۳۷)، (۲: ۲۱۳)، (۳: ۱۹)، اور (۱۶: ۹۳) میں ہدایت کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلالِ مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شَآءَ کا استعمال اِس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس دقیق المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھکر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک اُمت بنانا نہیں چاہا، تو اِس بیچارے کا اِسمیں کیا قصور ہے، اور جب خدا اپنے حسب مرضی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اِس فعل کو كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے تعبیر کرنا روا ہے؟ یہ اعتراض بجائے خود اِس امر کی روشن دلیل ہے کہ شَآءَ کے وہ معنی قطعاً نہیں ہیں جو عوام نے لے لیئے ہیں۔ مشیت خدا کے متعلق مکمل بحث فلسفۂ عمل کے عنوان (غالباً تیسری مجلد) میں آئے گی۔ اگر متذکرہ صدر آیات کو پیش نظر رکھکر جو اختلاف پسندیٔ انسان کے متعلق پیش ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں، خدا کا منشا ہرگز نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشر العمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہے، اور اسکے بالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے، اسلیئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال کے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اسکی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسکے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر ہرگز نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے درمیان یہ باریک فرق بعد میں اور بھی عیاں کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق شَآءَ کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اِس آیہ کریمہ میں تو عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعاً صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیت کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو تم کو اُمت واحدہ بناتا اور روز قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا (لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً)، کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک اُمت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جسکو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو درخورِ ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دیدیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذاتِ خود آپس میں پیدا کر رہے ہو اُسکی باز پرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵ : ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) اگر وہ اپنے حسبِ پسند کام کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۲) اور واحد الاصل ہو (یہاں اللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اسنے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہے اسلیئے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم بھی تمہارے اعمال کو دیکھکر جس قوم کو نا اہل قرار دیتا ہے اپنی مشیّت[۱] (یعنی قانون اور سنّت اللہ) کے رو سے تفریق و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے، (وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور جسکو بہمہ جوہ اہل سمجھتا ہے اپنی مشیّت کے اٹل زور سے اتحادِ عمل کا راہ راست دکھاتا ہے (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اُسکی پرسش ضرور ہوگی: (وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)"

آگے چلکر ہم دوسری مجلد میں عیاں کر دینگے کہ خدائے خیر آفریں نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی غیر مانند اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی، اور جسکا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا، اُمت واحدہ ہی بنایا ہے اُن کے افراد کے مابین حتّٰی کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں۔ لیکن آپس میں متحد اور متفق ہیں لیں یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تباین فی الحقیقت اسکی خود رائی اور صاحب اختیار و ارادہ ہونیکے باعث ہے ورنہ فطرت کا منشائے وحید کم از کم ایک نوع کے افراد میں اتحاد ہی اتحاد ہے۔

۹۰ اِس آیہ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے: (بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ) اور خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر رہے۔ (اَلْخَيْرٰتِ) کے صحیح مفہوم کی تشریح صفحہ ۱۳۵ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا کسی اُمت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ اُمت مشیت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے۔ (مثال کے طور پر اگر وہ اُمت اُمَّةً وَّاحِدَةً بنکر رہتی ہے اور فرقہ بند نہیں بنتی تو لا محالہ خزانۂ خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام باقی ہے) ایسا اقوام کے بارے میں ایک آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آچکی ہے۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی انکا سعی و عمل اور ایک دوسرے پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کو پیش نظر رکھکر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

[۱] آگے چلکر فلسفۂ عمل میں ہم ثابت کر دینگے کہ مشیت خدا فی الحقیقت اس کا قانون ہی ہے۔ جو قانون خدائے عزوجل نے روز اول سے بنا دیا ہے، اُسی کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے، اُسیکے رو سے جزا و سزا مل رہی ہے اور وہی اُسکی مشیت ہے۔ ہر معقول حاکم کے شایان شان یہی ہے کہ ایک دفعہ سوچ سمجھکر قانون نافذ کر دے اور پھر اُسکے مطابق عمل کرنا اپنا فرض گردانے، حتی الامکان اُسپر قائم رہے، بلکہ اُسکو ہر خارجی آسیب سے بچائے رکھے۔ خدا کی مشیت العیاذ باللہ کوئی استبدادی مشیت نہیں کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ بن دکھائے بلکہ وہ روز آفرینش سے اٹل ہے، ناقابل رد و بدل اور نالائق ترمیم ہے: فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (۳۵ : ۴۳)، یعنی "اے مخاطب! تو قانون خدا میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور ہرگز کوئی تحول نہیں دیکھیگا۔"

تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی) لیکن یہ صورت اختلاف جواب تمہاری اپنی خود رائی، خدا سے برگشتگی، اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اسلئے ہو کہ وہ خدائے عالمیان تم سب مختلف شدہ اُمتوں کا امتحان اُن اہلیتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دی ہیں (لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ)، تو اے انسانی اُمتو! تم بھی اس آزمایش میں پورے اُترنے، اور اس کشاکش عظیم میں فتح پانے کیلئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ)، جانے رہو کہ تم سبنے خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی وعمل کی جوابدہی کرنی ہے، پھر اُس دن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے آگاہ کر دیگا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے!

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝[1] (۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہو کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں۔ اور متحد اور متفق العمل ہو کر

[1] جو حیرت انگیز اور موت افزا معنوی تحریف کچھ مدت سے ان دو آیات جلیلہ کے مطالب میں بعض نا عاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شرارتاً پیدا کر دی ہے، جس دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر دریا سے وہ ان آیات الٰہی کو سند گردانکر اپنی موجودہ فرقہ بندی اور شکست انگیز حالت کو "جبلت انسانی" بلکہ "مشیت ایزدی" پر محمول کر کے موت کی نیندیں لے رہے ہیں اور چار دانگ عالم سے ایک آواز اس تشریح کے برخلاف اُٹھتی دکھائی نہیں دیتی، اس سے آج عالم اسلام کے فقدان فہم و فکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ جب کسی اُمت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو سمع و بصر اور قلب سلیم اُسکے افراد سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں، اور اِذَا جَاءَ الْحِينُ لَمْ يَبْقَ أُذُنٌ وَلَا عَيْنٌ کا سماں ہر طرف عملاً بندھ جاتا ہے۔ آج مسلمانوں نے "وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقتاً اختلاف پیدا کرنے پر مجبول و مجبور ہے، اور "وَلَوْ شَاءَ" کا محاکمہ اسکی تائید میں ہے! اور اسی لیئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً اور حکماً لا علاج ہو، بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکست و ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی رحمت الٰہی کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے! اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر خطیب، خودنُما اپنے ماتم افزا حجرے میں بیٹھکر کبر و نخوت سے کر رہا ہے اور اپنے زعم میں رب زمین و آسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف و نحو کے اُن خدا فرسا قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے۔ جن کے پیغمبر قطرب اور کسائی و غیرہم تھے، اور جنہوں نے اپنی متنبیت گری میں کبھی کہہ دیا ہوگا کہ ذٰلِكَ کبھی اشارہ قریب کیلیئے آتا ہے، اور اشارہ بعید کے لیئے ذٰلِكَ کا لفظ مخصوص ہی۔ اس فرمان واجب الاذعان کے رُو سے ذٰلِكَ کا مشار الیہ مُخْتَلِفِينَ ہی ہو سکتا ہے، "أُمَّةً وَاحِدَةً" نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیئے ربّ زمین و آسمان اُن کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے! یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہو۔ اور کسی ذہن سلیم کیلیئے قابل التفات نہیں۔ یہاں پر إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور اُمت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے، اور لِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ کا اشارہ قریب اسی رحمت مستمرہ کی طرف ہی، "وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ" کے الفاظ کی طرف نہیں ہو سکتا

تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا ہی ایسا کیا تھا کہ ایک اُمّت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہیگا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دینگے، اور نافرمانیٔ احکام کا انتقام لیکر رہیں گے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۴) دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا اسلامی تعلیم کا جزو اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چلکر ایسی اُمّت کے کل جن و انس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لیے امّت حاضرہ پر (جسکے لیے آتش جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اسکا اطلاق حتماً نہیں ہو سکتا! اس خوش اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہاں تک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" تک ایک مضمون سمجھا ہے اور "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" کو نیا مضمون فرض کر کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا ناروا سمجھا گیا ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیت ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر اس میں انسان کا کوئی قصور نہیں، اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اصل کتاب میں ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیے گئے ہیں اور ہر صاحب نظر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس استقلال اور التزام سے جا بجا اتحاد بنی نوع انسان کا حامی اور وحدت امت کا مؤید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کس قدر مبرا ہے لیکن آیہ (۱۱: ۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق "تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ" کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھدی جاتی ہے۔

سورۂ اعراف میں شیطان کے انسانی اغوا کے متعلق یہ معنی خیز مکالمہ درج ہے۔ جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحب نظر کو نظر آرہا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۷: ۱۶-۱۸)

پھر شیطان رب زمین و آسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالک کون و مکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق ناروا انسان کے مطیع ہو کر نہ رہنے اور اُسکے آگے سجدہ نہ کرنیکے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوع انسان کی تاک میں تیرے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر بیٹھ رہونگا، پھر انکو اس صراط مستقیم سے بھٹکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہنکر اور قسما قسم کے مکر و فریب کے جتبے اوڑھ کر کبھی آگے سے آدونگا، اور پیچھے سے جا ملونگا، کبھی داہنی طرف سے آملونگا، کبھی بائیں طرف سے آ سلام کرونگا، اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہونگا، اور اگر میرا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو انسانوں میں اکثر کو تُو اپنا قدردان اور مطیع نہ پائیگا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل تمتما اٹھا اور فرمایا کہ باغ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو، اور سدا کے لیے ملعون اور مردود بنا رہو۔ لیکن بنی نوع انسان میں سے جس جس نے تیری پیروی کی ہوگی تو یہ میرا حتمی وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور اُن سب سے جہنم کو لبالب بھر دونگا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں، اور نہ اسپر کہ یہ مکالمہ کیونکر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن ان آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ "تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ" والی آیت یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے۔ صفحہ ۱۸۸ کے تحت المتن میں آیت (۲: ۲۱۳) کی تشریح کے ضمن میں ہم ابھی ابھی بتا آئے ہیں کہ اتحاد امت ہی صراط مستقیم کی ایک اہم شق ہے، پس شیطان کا صراط مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے۔ اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اس طرح پر شیطان کی متابعت کرے گی اسپر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بعینہٖ اسی طرح کا مکالمہ سورۂ ص میں ہے:- (باقی)

تمکنِ اسلام و نقشِ توحید

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴: ۱۳۵)

خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال پر قائم رہو

آہ! یہ وہ ماحیٔ اختلاف، متحد الاعمال، اور جامع النّاس اسلام تھا جس کا آماجگاہ سعی روئے زمین پر ایک اُمت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولادِ آدم کے طبعی اور نوعی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۹۵) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۸: ۸۲-۸۵)

اس پر شیطان لعین نے کہا کہ مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بھی ماسوا اُن چند بندوں کے جو خالصۃً تیرے ہی غلام ہیں اور جو میرے بس کے نہیں باقی سب کو گمراہ کر کے رہونگا۔ رب لم یزل نے فرمایا کہ بہت خوب تو نے اپنا عندیہ سچ سچ کہدیا اور اب میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ اگر یہ ہوا تو ہم بھی تم کو مع تمہارے چیلے چانٹوں کے جہنم میں لبالب بھر دینگے یہاں مِنْكَ کی تخصیص سے ظاہر ہے کہ انسانوں کے سوا خود ابلیس بھی جہنم میں بھر دیا جائیگا۔ گویا آیت زیر بحث یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں "مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" کے الْجِنَّةِ سے مراد شیطان یا وہ شیاطین کا گروہ ہے جو انسان کو صراط مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے۔ میں اس موقع پر حقیقت شیطان یا ماہیت جن کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ صرف اپنے قول کی تائید مزید میں سورہ کہف کی آیت كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (۱۸: ۵۰) کو پیش کرتا ہوں جہاں بصراحت تمام ابلیس کو از قسم جن کہا گیا ہے جس نے حکم خدا سے سرتابی کی تھی۔ جہنم کو بھر دینے کا ایک اور اشارہ سورہ سجدہ میں ہے؛

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۲: ۱۳)

اور اگر ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے (وَلَوْ شِئْنَا)، (یہاں بھی آیہ (۱۱: ۱۱۸) صفحہ ۱۹۴ کی طرح شِئْنَا کے نَا پر زور ہے) اور انسانی اختیار و ارادے کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتے تو ہم ضرور بالضرور ہر فرد متنفس کو اُسکے صراط مستقیم اور صحیح راہ عمل (هُدَاهَا) پر چلا دیتے، (اور وہ ہدایت لامحالہ یہی امت واحدہ بننے کی ہدایت ہوتی)، لیکن چونکہ انسان اصلاً خود رائے ہے اور ہدایت کو من وعن مان لینا کسرِ شان سمجھتا ہے اس لیئے لامحالہ میرا وہ قول پورا ہو کر رہے گا جو میں نے شیطان سے کیا تھا کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن وانس سب سے لبالب بھر کر رہونگا۔

یہاں وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا اور لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً میں معنوی ترادف عیاں ہے کیونکہ ہدایت کے قرآنی معانی کی ایک اہم شق ہم اتحاد امت ثابت کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۲) اور یہاں پر اس مفہوم کی تائید مزید ہوتی ہے۔

بہر نوع اس تمام استدلال کو پیش نظر رکھکر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اُمتِ واحدہ بنے رہنا فطرت انسانی ہے اور منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے، اختلاف کی سزا شکست ریخت کا جہنم اس دنیا میں، اور آخرت میں اس سے بدترین حالت ہے۔ اسلام تمام عالم کو توحید کے نصب العین پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا، فرقہ بندیاں پیدا کرنا اسکا مآل کار ہرگز نہ تھا۔ سب انبیاءؑ کو منجانب اللہ تسلیم کر لینا، سب الہامی کتابوں کا نفس مضمون ایک سمجھنا، ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا، ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا، اور اُسکے سوا کسی دوسرے رب کے پیچھے لگ کر فرقہ بند نہ بننا، اسلام کی اصلی تعلیم تھی۔ اُمت واحدہ بنے رہنا اسکا بتایا ہوا صراط مستقیم تھا، متحد الغرض اور متفق العمل رہنا اسکی ہدایت تھی۔ یہی الھُدیٰ، اور دِینُ الْحَقِّ کا صحیح مفہوم تھا (دیکھو آیہ (۶۱: ۹) صفحہ ۱۸۳) اسی فطرت کے عظیم الشان اصل اصول کو لیکر رسولؐ آیا تھا اور اسیکا نتیجہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تھا۔ اسی پر عمل کر کے قرنوں تک مسلمان عالم پر غالب ہے، اسی پر آج سب مغرب چلکر غالب آرہا ہے، یہی وہ دین فطرت کی ایک اہم شق ہے جس پر تمام عالم مجبول ہے (فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰)) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھولکر شکست پر شکست کھا رہے ہیں تو اسکی وجہ بھی اسی دین فطرت سے انحراف کے سوا کچھ نہیں!

ائتلاف کی طرف یہ آخری بازگشت تھی جسکا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدہ ماسوا کر کے ایک کر دینا تھا! دین اسلام کی صلائے عام (۳: ۹۳)، (۳: ۸۳)، (۴۲: ۱۳)[۵] انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تمدنی تفریق و تحزیب کے برخلاف وہ عربدہ جو صدا، اور آمادہ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید توحید کا عملی اقرار، اور بندگی خدا کا عملی اعتراف تھا؛ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ[۱] (۳: ۸۴) فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۴۰: ۱۴)[۲] بین الملّی مصالحت اور جنسی اتحادِ عمل کی یہی وہ طبعی اور قابلِ تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہو سکتا تھا؛ اِس اللہ احد کی عملی اور نتیجہ خیز للکار میں ہی وہ آسمان شگاف

[۱] اور جو شخص اِس عملی اسلام کے سوا کسی اور مذہب عمل کی تلاش میں ہوگا، اُسکا وہ مسلک ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوگا، اور بالآخر وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

[۲] تو اے ایمان والو! اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی خدا کے لیئے مخصوص کر کے اُس کو پکارا کرو، اگرچہ منکرینِ خدا کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

* یہ آیہ شہیرہ قرآن حکیم میں صفحہ ۱۸۸ کے متن کی آیہ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۳: ۸۳) کے عین بعد واقع ہوئی کہ دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الاسلام، درحقیقت انبیائے جہان کو صرف ایک پیغام (الکتٰب) کا حامل سمجھنے، اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ مذہب کا موجد نہ تقیین کرنے، بنی نوع انسان کو مشترک اساسِ عمل پر لانے اور خدا کو فعل و عمل میں حاکمِ اعلیٰ تسلیم کر کے اسکے قانون پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ راہِ عمل (دین) تھی جسکے سوا کوئی اور طرزِ عمل اختیار کرنا خدا کی نظروں میں پسندیدہ نہ تھا: (فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ) گویا تفرقہ ایجاد بننا، عمل میں اتحادِ انسانی کو پیشِ نظر نہ رکھنا، اور اپنے سعی و عمل کا مطمحِ نظر اصلاح بین الناس نہ سمجھنا وہ شیوہ کار ہے جسکا نتیجہ بہت بُرا ہے، جس کا انجام شکست و ہزیمت ہے: (وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) جس میں بالآخر نامرادی ہی نامرادی ہے۔ یہ دونوں آیتیں اسلام کو مجسمۂ اتحاد ثابت کرنے میں بے مثل ہیں مگر آج لوگوں نے آیہ وَمَنْ يَبْتَغِ الخ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی قشقہ نما برہمن اپنی چٹیا کاٹ کر اور زنار توڑ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اُس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا، اور بعد ازاں ٹخنوں تک کے پائینچے والے پاجامے اور شرعی جبہ و دستار کو تادمِ موت اپنا اسلامی شعار نہ بنائے گا تب تک اِس بےچارے کو قیامت کے دن گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ گویا آخرت کو سدھارنے کے لیئے اس ہیئت کذائی میں ہونا لازمی ہے۔ اور ربِ زمین و آسمان اسی طرح کی قطع کی ہوئی قمیص و ازار کو پسند فرماتا ہے کسی دوسرے خیاط کے ہاں کا بنا ہوا کپڑا اسکو پسند نہیں۔ آہ! قرآن حکیم کے الفاظ اُسیطرح باقی ہیں صرف روح نکل چکی ہے۔ اور نکلکر کسی حقیقت شناس اور دقیقہ رس قوم کے جسم کی مکین بن رہی ہے! مگر جس قوم میں حلول کر گئی ہے۔ اُس کی رگ رگ میں بس کر انمیں حیات کا عالم انگیز خون دوڑا رہی ہے مسلمان لاکھ بار اپنے اِس شرعی اور بہوت انگیز اسلام کو اسلام سمجھتے رہیں لیکن اسلام وہیں ہے جہاں اُس خدائے بے نیاز اور حاکم عادل کیطرف سے قبولیت کی سند مل رہی ہے، جہاں طاقت اور حکومت، عزو شرف کا دریا اُمڈ رہا ہے، جہاں سلطنتیں لونڈیاں بنی ہوئی ہیں، جہاں بادشاہت زمین کی عروس جلوہ گر ہے۔ جہاں دولت، وقار، رعب اور حکم کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں نہ اُسجگہ جہاں سب طرف عجز و مسکنت ہی، خوف، بیچارگی ہے، مانگے ہوئے ٹکڑوں پر گذارہ، اور جوئیں جزو بدن ہو رہی ہیں!

[۵] دیکھو صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸۔

طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمحِ نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا! اسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور مستم بالشان نافعیت‡ کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر اضطرار عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف و خطر مسکن بن گیا تھا۔ لیکن یہ توحید ہی وہ مُسکنِ قلب اور مزکیِ نفس دوا تھی جو غلبے کے مسکرا اثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونیسے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رفق و سماحت حسن معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیئے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اُسکے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حدِ اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہر دم محافظ، اور حقوق عباد کی ہر آن نگراں تھی، جسنے حسنِ خلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوفِ خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جسکے صحیح نقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جسکے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لیئے قابل تقلید نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریق قوم، اور بلا امتیاز مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی: بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ[۵] (۳: ۷۵)‡ میدانوں میں لڑنے والے یہ شیر ہژبر، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ

---

[۵] سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے عہد پر قائم رہا، اور خوفِ خدا کے باعث بد معاملگی سے بچا تو اللہ تقویٰ کرنے والوں کو بیشک دوست رکھتا ہے۔

‡ توحید کے متعلق میں نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اٹل نتیجہ اتحاد قلوب ہے علیٰ ہذا القیاس جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بس رہی ہے! چونکہ سب ایک کام کر رہے ہیں اسلیئے اُنکا آقا بھی ایک ہی ہے۔ جو قوم متفرق ہو اُسکے خدا بھی الگ الگ ہیں بلکہ اُسکا خدا درحقیقت شیطان ہی ہے جو آپس میں عداوتیں ڈالتا رہتا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے خدا میں منہمک ہے۔ اسی لیئے اتحاد عمل کی کوئی صورت پیدا ہو نہیں سکتی۔ یہی راز اللہ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (۸: ۶۳) صفحہ ۱۶ کے الفاظ میں مضمر تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے توحید کی نافعیت ظاہر ہے۔

‡ یہاں ایفائے عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے گویا جو شخص اپنے قول کا پکا اور معاملے کا راستباز ہے وہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈر رہا ہے، اُسکو اللہ کے ہر دم حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے، وہ فی الحقیقت اُس پاک ذات کو اپنے اور فریق ثانی کے درمیان گواہ (یعنی شاہد) اور ضامن ٹھیرا کر عہد کرتا ہے، اور پھر ایسی جلیل القدر ذات کی ضمانت میں اُس عہد کو نباہنے کے سبب اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ ایسا کھرا شخص اور ایسی خوش معاملہ قوم بلاشبہ خدا کی دوستی کے قابل ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۰ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۰ (۱۶: ۹۱)

(باقی)

جانبازبطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امرونہی کے آگے یوں جُھک گئے تھے کہ اُنکے اعمال کو دیکھ کر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گذرتا تھا! وہ سلاطین عالم پر تحکّم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلّی کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۸) اور لوگو! جب جب کسی شئے کے کرنے کا اپنے دل میں عزم مصمم کرلو تو اس خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرکے رہو! اور یہی نہیں بلکہ اُن معاہدوں کو جنکو تم اپنے داہنے ہاتھوں (الایمان) کو ایک دوسرے سے ملا کر کرتے ہو، پکا کیئے پیچھے نہ توڑو کیونکہ اگرچہ معاہدہ دو شخصوں ہی کے درمیان ہوا ہے مگر تم فی الحقیقت خدا کو اپنا ضامن ٹھیرا چکے ہو۔ اور اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اُس سے بخوبی واقف ہے۔

اسلام نے ایفائے عہد کو ہر حالت میں سختی سے برقرار رکھنا اپنے پر اسقدر لازم کرلیا تھا کہ عین اُسوقت جب کہ اکیس[۲۱] برس[†] کی مسلسل سعی و عمل کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اوج کمال پر پہونچ چکی تھی، جب دشمنانِ دین کو خدا کی جناب سے قتال کی صلائے عام مل رہی تھی اور برارت کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں، رب عز و جل نے مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی بہرحال تلقین فرمائی اور کہدیا کہ میری دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ میری ضمانت رسوا نہ ہونے پائے، جبتک عہد ہو چکا ہے تب تک قائم رہے بعد ازآں تمہارا اختیار ہے لیکن اُس سے پہلے دشمنوں کو چھیڑنا اتقائے خدا کے برخلاف ہے:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ٥ (۹: ۴)

ہاں یہ سب کرو لیکن دشمنانِ دین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا ہے، اور بعد ازآں انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، وہ مستثنےٰ ہیں۔ اُن کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اُسے اس مدت تک جو اُنکے ساتھ ٹھیری تھی پورا کرو۔ اور جانے رہو کہ خدائے بے نیاز اُنہی لوگوں کا دوست ہے جو اس سے صحیح معنوں میں ڈرتے رہتے ہیں اور بہرحال اُسکی آبرو کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہاں چھہ سورتوں کے تفاوت کے بعد ایفائے عہد کے بارے میں پھر وہی إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ٥ کے الفاظ دُہرانے، اور تکمیل عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کرنا قرآن کے حیرت انگیز تطابق اور اتحادِ مطالب کا بدیہی ثبوت ہے۔

عہد و پیمان کو برقرار رکھنا، اسمیں ذاتی اغراض کو بہرحال حائل نہ ہونے دینا، ہر دم خدا کو فریق ثالث سمجھتے رہنا، اور ایفائے عہد کا اطلاق بلا تفریق رنگ و نسل ہر قوم پر کرنا وہ عظیم الشان سیاسی اصول ہیں جنپر ہر سلطنت کی بنیادیں اُستوار ہوتی چلی آرہی ہیں۔ جبتک مسلمانانِ عالم نے اس اصل اصول کو برقرار رکھا وہ تمام عالم کے بادشاہ بنے رہے، جب اُن سے یہ حبل متین چھوٹ گئی، اور مغربی اقوام کی استواری عہد کی دھاک بیٹھی تو مغرب کو ایشیائی اقوام پر وہ تسلط اور تمکن، اور عزت کو اُنپر وہ اعتماد واثق نصیب ہوا کہ دنیا عش عش کر اُٹھی، اور آج جبکہ انگلستان کے عدم اتقا اور بدعہدی کا چرچا ہر جا ہو رہا ہے تو اُسکے رعب و وقار کی بنیادیں بھی اسی تیزی سے ہل رہی ہیں کہ ہر صاحب نظر قانون خدا کے اٹل ہونے کا ثبوت پا کر کپکپا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے عجائب خانے کے اندر یہ آیتیں وہ عزیز القدر جواہر ریزے ہیں جو تہوں کے اندر لپٹے ہوئے موجود ہیں، انکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا، انکی حکمت عالیہ کی تہ تک پہنچنا ناشناس کا کام ہرگز نہیں! یہ وہ انمول موتی ہیں جنکو نا اہل کا ہاتھ لگنا بھی جائز نہیں، وہ انکو سنگ خذف سمجھکر پھینک دیگا، اُسکے آگے سیدھے معانی کرکے ولمیں اساطیر الاولین سمجھ لیگا۔ لیکن جن قوموں نے ان کشور کشا اصول کو لیکر خزانہ غیب سے انعام پائے ہیں وہی ان الفاظ کو سمجھیں گی، نادان کیا سمجھے اور کیا پائے اسکا پلید دماغ اور نارسا ذہن قرآن کے پاکیزہ مقولات کو معرض بحث میں لاکر درحقیقت پلید کر رہا ہے اور اسی لیئے قرآن عظیم کو ایسے شخص کے ہاتھ لگنے سے چڑ ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۵۶: ۷۷ — ۸۰)

† سورۂ برارت کی پہلی آیتوں کا نزول سنہ ۹ھ میں ہوا تھا گویا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو اکیس برس گذر چکے تھے۔

اُن میں نام نہ تھا! وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ (۱۷: ۳۷)[۵۱] وہ آسمان کی زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے، مگر اللہ کی اِس زمین پر دھیمے چلتے تھے! وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ (۲۵: ۶۳)[۵۲] مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن

۵۱ اور اے انسان! میری اِس زمین پر اکڑ کر مت چلا کر کیونکہ اِس دھماکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکیگا، اور نہ تن کر چلنے سے تو پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکیگا۔ ۵۲ اور اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اِس زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں، اور جب کم علم اور لغو ران آدمی اُن سے بحث مباحثہ کریں تو سلام کہہ کر ٹال دیا کریں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۹) لوگو! یہ قرآن عظیم بڑی ہی عزیز القدر کتاب ہے۔ اسکے اندر کے جواہر ریزے اوراق میں تہ در تہ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ قدر شناس لوگوں (الْمُتَّقِينَ) کے سوا کوئی اسکو چھونے نہیں پاتا، کوئی اسکی تہ کو نہیں پہنچتا، اُنکی عظیم الشان نافعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اِسکے اندر یہ بے بہا گوہر کیوں نہ ہوں یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے!

سلطنت کے امور عالیہ تو یک طرف، ذاتی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آج مسلمان کو قطعاً حس نہیں رہا کہ وعدہ کیا شئے ہے، اسکے ایفا کے کیا معنی ہیں، وہ کس سبیل کا نام ہے، اسکے کرتے ہی کسقدر اہتمام کی ضرورت ہے، خدا کے نزدیک اسکا پورا کرنا کسقدر محبوب ہے۔ اسلاف صالحین کے نزدیک کریم النفسی بلکہ مردمی یہی تھی کہ وعدہ بہر حال وفا ہو خواہ اسکے ایفا میں جان جو کھوں نہیں تھے الکریم اذا وعد وفی۔ اور قول مرواں جان دارد کے مقولے اسکی شہادت میں ہیں۔ لیکن آج بدعہدی اور ناپاسداری کا شیوہ زنان مسلمانوں میں اسقدر رواج پاگیا ہے کہ مرد ایک نظر نہیں آتا۔ یورپ کی قومیں مقابلۃً اب بھی بدرجہا اچھی ہیں، ان میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے، پابندیٔ وقت بیحد ہے، زمین و آسمان ٹلجائے لیکن اوسط مغربی اپنے وعدے کو ٹال دینا نامردی سمجھتا ہے اور اسی لیے صحیح معنوں میں متقی ہے، محبوب خدا ہے، اور اسی محبوبیت کے صدقے میں بادشاہت زمین کا انعام پا رہا ہے!

[۵۱] تکبر نہ کرنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا جہانبانی، حکمرانی، اور ہر دلعزیزی کا وہ عظیم الشان اصل اصول ہے جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے متکبر و فرعون اعمال اقوام کی بادشاہت کے تختے اپنی آنکھوں سے الٹتے دیکھے ہیں۔ آج مغرب کے متمرد اور ناانجام شناس حاکموں کے اپنی رعیت سے فرعونی سلوک کا دردناک نتیجہ ہندوستان کی مسافر نواز اور غیر پرور زمین میں یہ دیکھ رہا ہے کہ برطانیہ کی عالم آرا سلطنت کی بنیادیں سو برس کی نہایت قلیل مدت میں متزلزل ہو چکی ہیں، دلوں پر حکومت کے آثار قطعاً باقی نہیں رہے، اعتماد کا اکثر حصہ کالعدم ہو چکا ہے، رعیت کے دل بگڑ چکے ہیں، اور اگر نظام سلطنت بایں ہمہ باقی ہے تو کثرت جبر و تعدی کے زور پر، ورنہ بیخ کھوکھلی ہو چکی ہے، اور کوئی انسانی تجویز آج اسکو مضبوط نہیں کر سکتی۔

[۵۲] اِس آیۂ شریفہ میں منکسر المزاج اور فروتن انسانوں کو عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ کا خطاب دیا گیا ہے، گویا ایسا اخلاق پیدا کرنا صحیح معنوں میں خدا کی عبادت ہے۔ جو شخص اِس قطع کا ہو، ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آئے، عجب و غرور کا اسمیں نام تک نہ ہو، اور بڑے سے بڑا دنیاوی مرتبہ رکھنے کے باوجود خوش خلقی سے پیش آئے وہ فی الحقیقت خدا کی خدائی سے مرعوب ہے۔ اپنے آپ کو اُسکے بالمقابل ہیچ سمجھتا ہے، سب انسانوں کو برابر یقین کرتا ہے اور اسی لیے صحیح معنوں میں اُسکا بندہ (عَبْد) ہے۔ علی ہذا القیاس جاہل اور کم علم آدمی سے بحث نہ کرنا اور حکمت عملی سے اُسکو ٹال دینا بھی عبادت میں داخل کیا گیا ہے گویا باوجود اِس تمام انکسار طبیعت کے لغو اور لایعنی آدمیوں کی صحبت سے حتی الوسع اعراض کرنا بھی ملازمت خدا میں شامل ہے۔ سورۂ قصص میں صاحب ایمان لوگوں کی تعریف میں ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۝ (۲۸: ۵۵)

اُن کے قدموں پر نچھاور ہوتے تھے، مگر اُن کے انکسارِ طبع، اُنکی لینتِ دل، اُنکی ملائمتِ سلوک، اُن کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا! فرمانروائی کی اُمنگیں، اور جہانبانی کے ولولے اُن کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکرِ انجامِ قوم اور ناموسِ اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ انکی زندگیاں فطرت کے اعتدال کی صحیح تصویریں، اور اُنکے دل خشیتِ خدا کے مستقل نشیمن بنگئے تھے؛ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف (۷: ۲۹) کہ اُن کا ہر عمل اور ہر شغل ربّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۰) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو بات کو سنتے ہیں تو اس سے حتی الوسع کنارہ کش ہوجاتے ہیں، اور ایسے لوگوں سے کہدیتے ہیں کہ بھائی جو ہم کررہے ہیں اسکا نتیجہ ہم کو ملیگا اور جو تم کررہے ہو تمہارے ساتھ ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں اور ہم کو اس بحث میں شامل نہ سمجھیں، خدا کی سلامتی تم پر ہو لیکن ہم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں جو علم نہیں رکھتے اور بے علم اُنکلیں دوڑاتے ہیں۔

یہاں پر قریب قریب یہی مضمون ہے جو زیرِ بحث آیت (۲۵: ۶۳) میں ہے۔ بلکہ قَالُوْا، اور سَلٰمٌ اور اَلْجَاہِلِیْنَ کے الفاظ بھی مشترک ہیں اگرچہ سَمِعُوا اللَّغْوَ کا مضمون آیہ (۲۵: ۶۳) میں بالصراحت بیان نہیں کیا گیا بلکہ آگے چلکر اسی سورہ میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی تعریف کے تسلسل میں بیان کیا گیا ہے: وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲)، یعنی "خدا کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بے نیاز ہوکر گذر جاتے ہیں"۔ اس تکرار کو پیشِ نظر رکھکر جو وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (۲۵: ۶۳) اور وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲) کے دو قریب المعانی مضامین میں ایک ہی بیان کے سیاق میں واقع ہوتی ہے، مجھے خیال پیدا ہوا ہے کہ اوّل الذکر آیت میں جٰهِلُوْنَ سے مراد کم علم اور اُجڈ لوگ نہیں بلکہ ناواقف اور ناآشنا لوگ مقصود ہیں جیساکہ سورہ بقرہ میں مستحق زکوٰۃ فقراء کے بارے کہا گیا ہے: يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲: ۲۷۳) یعنی "یہ فقراء وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اپنے مال وجان کو لٹانے والے مستِ الست لوگ ہیں کہ ناواقف اُن کی ظاہرا بے نیازی اور خودداری کو دیکھکر اُن کو غنی سمجھتا ہے، اُنکے چہرے اسقدر بارونق اور پیشانیاں اسقدر کشادہ کشادہ ہیں کہ تم اُن کی صورت سے اُنکو صاف پہچان جاؤگے، وہ بھک منگوں کی طرح لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔ علیٰ ہذا القیاس خَاطَبَهُمُ سے مراد بھی مخاطب ہونا یعنی بالمقابل آجانا ہے نہ بحث و مباحثہ کرنا۔ اگر اس تاویل کو تسلیم کرلیا جائے تو آیہ (۲۵: ۶۳) کے معانی نہایت مربوط اور صاف ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"اور اللہ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر فروتنی اور انکسار کے ساتھ چلیں، اور انکی اخوت کا حس
اِس قدر تیز ہے کہ جب ناواقف اور ناآشنا آدمی بھی سرِ بازار اُن سے دوچار ہوجاتے ہیں (خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ)
تو اُنہیں سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں"۔

یہ تشریح اسقدر مستحسن اور نتیجہ خیز ہے کہ میں اسکو عالمِ اسلام کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ یہ ناواقف اور ناآشنا شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا عالی ہمتی اور حسنِ اخلاق کا وہ انتہائی درجہ ہے جسکو مسلمان کسی زمانے میں سیکھ کر تمام عالم کے بادشاہ بن گئے تھے (اسی کے باعث ایک دنیا اُنکے قدموں پر نثار ہوگئی تھی)، یہی وہ عالم آرا اخوت تھی جسنے دشمن کو کپکپا دیا تھا۔ رسولِ خدا خود اسی خلقِ عظیم کے موجد تھے۔ راہ چلتے لوگوں کو سلام کرتے۔ اور ہمیشہ پہلے سلام کرنے میں بازی لیجاتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ فرمایا "بہترین اسلام یہ ہے کہ فقراء کو کھانا کھلاؤ (یعنی اُن فقراء کو جنکی تعریف (۲: ۲۷۳) میں گذری) اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اُسکو سلام کرو"۔ یہی اسوۂ حسنہ فاروق اعظمؓ کا تھا۔ اسلام کا یہ جابر امیر المومنین اور احزابِ اکاسرہ اولوالعزم سپہ سالار مدینے کی گلیوں میں مشک اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے چاروں طرف واقف اور ناواقف سب کو سلام سلام کرتا گذر جاتا تھا۔ اور اگر آج مسلمانانِ عالم بھی چند بھولے ہوئے یہ شیوہ عمل اختیار کرلیں تو اب بھی اُنکی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے مگر آہ! اب اخوت کا وہ پرانا احساس باقی نہیں رہا۔ اور اُنسے نکلکر یورپ کی "بداخلاق اوز" کا فرقوموں میں چلا گیا ہے!

لم یزل کے وجود کی صریح شہادت، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل
لاریب اُس مصور حقیقت، اُس سید البشر، اُس ہادئ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی حیرت انگیز تعلیم اور
مقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جسنے غار حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکلکر، ریگ زار عرب کے ان بادیہ پیما
بدؤوں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اسقدر مشخص کر دی تھی!

سر خدا کہ عابد و زاہد بکس نگفت
در حیرتم کہ دُرد کشاں از کجا شنید

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ (۴: ۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو،
خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵: ۸)

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بنکر خدا کی حمایت میں جم کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت بھی
تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہ ہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو، یہی تقوٰی ہے، اور خوف خدا سے
قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے۔

یہاں ہر معاملے میں قسط و اعتدال پر قائم رہنے، اور عدل کو ہر حال اور بلا امتیاز احد رہنمائے حیات بنانے کو اتقائے خدا پر محمول کیا گیا ہے گویا وہی شخص خدا کے وجود کا صحیح معنوں میں شاہد ہے وہی اسکا نوکر اور اُس سے بیگانہ رہتا ہے جو بڑی سے بڑی آزمایش اور ذاتی مفاد کے موقع پر بھی ناانصافی نہیں کرتا بلکہ ہر آن اُسکو حاضر و ناظر یقین کر کے اُس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

آہ! صدر اسلام کا عالم انگیز زمانہ تو در کنار، نزول قرآن کے کامل سات سو برس بعد تک بھی مسلمانوں نے فخر رسل کے ابر آسمان سے لائے ہوئے پیغام پر عمل کرنا اسقدر ضروری سمجھا ہوا تھا کہ محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کی انصاف پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور سافر ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اپنا چشم دید واقعہ (۷۴۳ھ) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ کسی امیر کے لڑکے نے دعوٰے کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اُسکو مارا ہے، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ یا لڑکے کو راضی کرے، ورنہ قصاص دے۔ ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ شاہ تغلق نے لڑکے کو دربار میں بلایا اور لکڑی اُسکے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اپنا عوض لیلے۔ پھر اپنے سر کی قسم دلا کر کہا کہ جیسا میں نے تجھکو مارا ہے تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں لکڑی لیکر اکیس بید بادشاہ کے لگائے حتی کہ ایک دفعہ اُسکی کلاہ بھی سر سے گر پڑی!!

ہاں! لیکن جہاں اُس زمانے میں حکم خدا کی تعمیل یہ تھی، جہاں خوف خدا اس اوج کمال تک پہنچ چکا تھا وہاں بارگاہ خدا سے انعام بھی یہ تھا کہ مسلمانان عالم کے دنیا کے طول و عرض کے بادشاہ بن گئے تھے، دنیا انکے رعب و وقار کے آگے لرزہ براندام رہا کرتی تھی۔ آج جبکہ قرآن کو چوم چوم کر بالائے طاق رکھنا اسلام کا ماحصل بن چکا ہے تو خدا بھی کان سے پکڑ پکڑ کر ملکوں سے نکال رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔

حکمتِ عبادات

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ (۲۲: ۶۷)

ہر امت کے لیئے ہم ہی نے ایک نشانِ بندگی مقرر کیا ہے جس کو وہ شعار بنائے ہوئے ہیں تو چاہیئے کہ لوگ قانونِ خدا کے بارے میں تم سے نزاع نہ پیدا کریں

اِس رُوحانیت، اور علوّ اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا؛ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرۂ کفر مومنوں کے اِن اعمال کو دیکھکر وجودِ خدا کے از خود قائل ہوجاتے، اور دینِ الٰہی کے بہترین معاون اور مددگار بنتے! اسلام کا زور اثر قرونِ اُولیٰ کے ابتدائی ایام میں، ایک بہت بڑی حد تک اِسی خاموش طریقِ عمل، شہادتِ خدا، اور تقوے پر تھا؛ مومنوں کا صلاحِ عمل، اُنکی ربانیت، اُن کا سچا زہد و تورّع خود بخود دلوں میں گھر کرجاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بنکر عوام کے لیئے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے - خود رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائقِ رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآن حکیم کی اصلی غرض و غایت فی الحقیقت بنی نوع انسان کی درستیٔ اخلاق اور صلاحِ اعمال ہی تھی: اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۝ (۱۱: ۸۸)[۱] اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر "امر بالمعروف" کا سراپا مجسمہ، اور "نہی عن المنکر" کا مکمل ضابطہ ہی تھا مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اُسکی حیثیت خالصۃً داعیانہ تھی، اُسکی نسبت بزرگ تر تھی؛ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ اخیر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا؛ اُس میں پیغامِ خدا کی **انانیت**، اور انتخابِ ربّ العرش کی **رعونت تھی**! اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ (۳: ۱۸)[۲] اُسمیں تقویتِ نفس کا ہیجان، اور اجماعِ خلق کا

[۱] اِس پر شعیب علیہ السلام نے اہل مدین سے کہا کہ میں تو حتی الامکان تمہارے اعمال و اخلاق میں صلاح ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں، کچھ تم سے اجرت اور رزق نہیں مانگتا (۱۱: ۸۸ قرآن کریم)، میرا اِس ارادے میں کامیاب ہونا خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی پر توکل کرکے میں نے اپنا کام شروع کیا ہے، اور نتائج کے بارے میں میرا رجوع بھی اُسی کی طرف ہے۔

[۲] خدائے زمین و آسمان کی نگاہوں میں اسلام ہی پسندیدہ ترین مذہب ہے؛ یہ ایک سرسری ترجمہ ہے جو ہم نے کردیا ہے اور جو عوام کے ذہنوں میں رائج ہے۔ اگرچہ صحیح مفہوم یہ ہے "الاسلام (یعنی خدا کو عملاً احکم الحاکمین تسلیم کرلینا) ہی وہ طرزِ عمل (دین) ہے جو خدائے زمین و آسمان کی نظر میں پسندیدہ تر ہے"۔ جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۹۱ میں واضح کردیا ہے۔

اضطرار تھا! دعوتِ جہاں اُسکا مایۂ خمیر، اور کل کائنات اسکی مشارٌ الیہ تھی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷: ۱۵۸)

اے محمد! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جسکی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُسکے سوا کوئی شے لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کردیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ تو آؤ! اُس پاک ذات کو اپنا مالک یقین کرو اور اُسکے بھیجے ہوئے اُمّی نبی کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اُسکے احکام بجالاتا ہے! اپنا رہنما تسلیم کرو۔ اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ! گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہو جاؤ (دیکھو ھدایت کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۹۲)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴: ۲۸)

اور اے محمدؐ! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بناکر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے قانون پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوش آئند خبر، اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب‡ کا پیغام پہونچادو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس واقع الامر سے مطلع نہیں ہوئے کہ تمہارا پیغام تمام عالم کے نام ہے

ہر متنفّس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیش پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سیماب کی جاذبی تڑپ، اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تھا! حصول قوت اُسکا نشانِ سیما، اور غلبۂ عام اُس کا طرۂ امتیاز تھا! وہ عامۃ الناس کو اپنی حقیقت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روز افزوں اثر اور جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے مومن کے زورِ اخلاق اور روحِ عمل سے خدائے واحد کی عملی عبادت اور غلامی کیطرف کھینچکر جامعیت اور وحدت پیدا کرنا چاہتا تھا، اِسی حیثیت کی بنا پر اُسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلب اقتدار، توسیع اثر، اخوّت اور مساوات کا بطور خود متواتر جہاد تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلاشبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے متنفّس کی ذاتی ہدایت یا انفرادی نجات ہی پیش نظر تھی، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرائع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں، کسی ایمان دار کا شخصی ایثار یا اُسکے نفس امّارہ کا شخصی اجتہاد ہی تھا، طواف بیت الحرام بھی بظاہر مسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہار ارادت کا ایک مرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اوامر و نواہی بھی سطحی نظر میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لیے ہوئے تھے،

‡ دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۱

مگر سرنوشت اُمت کے اُس خوشنویس اجل ؐ نے، اِن تمام احکام کی تہ میں، غلبۂ اسلام کی وہ نستعلیق حکمت عملی ملحوظ نظر رکھی تھی جو صدہا برس تک مسلمانوں کو اور امتوں کے بالمقابل، مابہ الامتیاز مقام دیتی رہی! اِن احکام کی اجتماعیت، اِن کی مرکزیت، اِنکی پابندیٔ وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، انسان کی نوعی وحدت کا اظہار، ضبطِ نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیت کی روح تھی؛ اُنکے استمرار و تعلّل میں، اُن کے تعدد اور تسلسل میں حکومتِ خدا کا متواتر سماں اور اتقائے قلوب کا پیہم ضبط باندھ دیا تھا؛ وہ تقویت اسلام کے بہترین اوزار، اور تکثیر جماعت کے زبردست محرک تھے، وہ تہذیب نفس اور اصلاح اعمال کے بہترین کفیل تھے۔ اِس

الصّلوٰة

کے پنجوقتہ قیام میں باہمی محبت کی لہریں تھیں! اسمیں خدا کی خدائی کا مشترک اقرار، اور اللہ کی غلامی کا مشترک اعلان تھا! اسمیں ہر دل کی دوسرے دل سے سچی رسم و راہ تھی! اسمیں خوف خدا کی مشترک لرزشیں، اور نیازمندی کی مشترک خلشیں تھیں! وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ؁٭[1] (۷:۵۶)؛ اسمیں ہم آہنگ دلوں کی طبعی ہم رنگی، اور ہم غرض انسانوں کی فطری یک جہتی تھی! اسمیں یک منعموں کا باہمی اُنس و اجلاس، اور ہم انعاموں کا برادرانہ ربط و اختلاط تھا! اسمیں ایک امیر کی عملی اطاعت، ایک عرض اور ایک غرض، ایک کی پیشوائی اور سب کی اقتدا، ایک کے عرض حال اور سب کے سکوت کا سچا سماں باندھ دیا گیا تھا! یہ ایک منظم اور منضبط، ایک مرعوب خدا اور منکسر پا سوا، ایک لرزہ براندام اور سربکف فوج کی پنجوقتہ اپنے قائد اعظم ؐ کے حضور میں پیشی تھی! اسمیں عصیان کار اور خود پسند، تفرقہ ایجاد اور مختلف نواز

[1] عذابِ خدا سے ڈر کر اور انعام کی آس میں دونوں موقعوں پر اُسکو پکارا کرو، بے شک فضل خدا ان لوگوں کے شامل حال ہے جو خلوص دل سے اُسکو پکارتے ہیں اور اُسکے احکام کی متابعت میں حُسنِ عمل کرتے ہیں۔

٭ 'احسان' کا صحیح قرآنی مفہوم صفحہ ۱۳۰ پر واضح کر دیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ یہاں پر خوف و طمع بھی اجتماعی شکست کا خوف اور اجتماعی راحت کی طمع ہی ہے شخصی خوف و طمع مراد نہیں۔ اُدْعُوْہُ اور مُحْسِنِیْن کا جمع کا صیغہ بھی اسی پر دال ہے۔

انسان کو دن میں پانچوقت ایک کی قیادت اور سب کی پیروی، ایک کے اقدام اور سب کے اتباع، ایک کی خدائی اور سب کی عبودیت کا عملی سبق دیا گیا تھا! یہ جماعت کے خارجی نظم و نسق، باطنی ضبط اور ظاہری مساوات، وحدت خدا اور وحدت امام کی سچی محرک تصویر تھی! اسکے رکوع و سجود میں ادنیٰ اور اعلیٰ، شاہ و گدا کی تمیز عمداً اُٹھا دی گئی تھی! اسکے وضو میں احکم الحاکمین کی پیشی کا اہتمام، جسم کی پاکیزگی اور لباس کی تطہیر، ظاہر کی صفائی اور خوف پریشان حالی کا سماں چھایا ہوا تھا! وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝[۵۱] (۷۴: ۳-۵) اسکی تسویہ صفوف نے پیشگاہ خداوندی کا ضبطِ ادب، مساوات کا باطنی احساس اور قرب و ہم پلگی کی عصبیت پیدا کردی تھی، مساجد میں جماعت کے بے تکلف قیام نے مسکینان فقر و افلاس کو صدر نشینان جاہ و حشم کے ساتھ، ایک قطار میں کھڑا کرکے ایک کردیا تھا! وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝[۵۲] (۷: ۲۹) بارگاہ ربّ العالمین میں اِس پنجوقتہ محاسبے اور غیر منقطع حاضری نے اُن کے نفس عصیان و نفاق سے پاک کردیئے تھے! إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ

---

[۵۱] اور اے پیغمبر! اپنے آقائے نامدار کا بول بالا کیا کرو، اور جب جب اُسکے حضور میں جانے کا ارادہ کیا کرو تو صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہنکر جایا کرو، اور کپڑوں کی پاکیزگی کے علاوہ بدن کو تمام نجاست اور آلایش سے پاک صاف رکھو۔

[۵۲] اور درگاہ احکم الحاکمین میں ہر بار تمہارا گرنے کیوقت ہمہ تن توجہ بن جایا کرو اور اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی کیلئے مخصوص کرکے اُسکو پکارا کرو۔

---

‡ جن لوگوں نے "الصَّلوٰۃ" کی ماہیت کا باِمعانِ نظر مطالعہ کیا ہے انکو یقین ہو چکا ہے کہ اِس روزانہ حاضری کی تہ میں خدائے عزّوجلّ کی حکمت عملی بعینہٖ یہ تھی کہ اُمت کے افراد کو دن میں پانچ وقت خارجی اور باطنی ضبط کا وہ مکرر سبق دیا جائے جو اسکو کبھی بھولنے نہ پائے۔ اگر ایک فوج کے سپاہیوں کو ہر روز علی الصّباح میدان میں نکالکر قواعد سکھائی جاتی ہے، اگر انکو معلمِ قواعد کی آواز پر حرکت کرنیکی تعلیم دیجاتی ہے، اگر سب کو ایک حکم پر چونک اُٹھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے، اور وہ سب کے سب بیک وقت اور بالالتزام ایک ہی انداز پر حرکت کرتے ہیں تو اسکا مقصود یہی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں اُنکی اِس اطاعت سے فائدہ اٹھایا جائے، اور وہ اپنے سپہ سالار کے حکموں پر فی الفور عمل کرنیکا سبق سیکھیں گرچہ لڑائی میں سپہ سالار کے احکام اِن روزانہ قواعد کے احکام سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی مقصود بعینہٖ نماز سے تھا اور امام مسجد کی پنجوقتہ اطاعت سے امیر جماعت کی اطاعت حسب موقع مراد تھی، یہی حکمت تسویہ صفوف میں تھی، یہی راز وقت کی پابندی اور مقتدیوں کے خاموش رہنے میں تھا۔ اور اسی نکتے کو پیش نظر رکھکر اگر ایک شخص امام کے پیچھے کئی گز یا ایک میل دور بھی کھڑا ہو (مثلاً عیدین کے موقع پر) اور اُس کی قرأت کا ایک لفظ بھی نہ سن سکے لیکن رکوع و سجود اسکے تتبّع میں ادا کرتا جائے تو اسکی نماز کا ہو جانا علمائے سلف نے مسلّم قرار دیا تھا کیونکہ نماز کا مقصود بالذات اتحادِ عمل اور اطاعت تھا، خدا کو اِس پنجوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہ تھی۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اپنے مقتدیوں کی گھٹی میں اسقدر ڈالدی تھی اور نماز کو اطاعت کے نصب العین کیساتھ اسطرح مدغم کردیا تھا کہ عین وسط نماز میں تحویل قبلہ کیوقت بھی انکو کچھ دقّت محسوس نہ ہوئی (دیکھو صفحہ ۱۶۹)۔ اسی تعلیم کی بنا پر عہد نبوۃ میں لوگوں نے نماز کیوقت ظاہری ضبط کا قائم رکھنا اسقدر ضروری سمجھا تھا کہ انکے نزدیک مسجد کے اندر وضو کرنے یا سنتیں پڑھنے سے بے ترتیبی اور انتشار کا ماحول پیدا کرنا نماز کی حکمت کے منافی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھر سے وضو کرکے اور سنتیں پڑھکر آتے اور رسول خدا صرف فرض پڑھاتے۔ آج جبکہ الصّلوٰۃ کا اصل مفہوم ہی بھلایا جا چکا ہے لوگ اپنی مسجدوں کے اندر وضو کرتے ہیں، کلیاں بھر بھر کر صفوں میں پھینکتے ہیں، نالیوں میں بول و براز کرتے ہیں اور سنتیں پڑھ پڑھ کر مسجد کو محشرستان فساد بنا دیتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ یہ باتیں خانۂ خدا کی ہتک اور گستاخیاں ہیں جیسا ‡‡ صفحہ ۱۵۱ کے تحت المتن میں ثابت کردیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ شئے تفرقہ اندازی ہے اور یہی نفاق سے رہنا ہی "الْمُنکَر" کا صحیح مفہوم ہے۔ اب یہ اس ‡ کہ "الْفَحْشَاءِ" کا اصلی مقصود کیا ہے، قرآن حکیم

اَکْبَرُ ۭ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۹:۴۵) ۔ مقام خدا کا پیہم اور زندہ احساس اُن کے اعمال کو یکسر سُدھار رہا تھا، دلوں میں حمیّت دین کے جوش زن تنور، اور ذہنوں میں غلبۂ اسلام کے موّاج دریا تھے ۔ پھر ذلّل و

سلہ بیشک نماز بشرطیکہ اسمیں خدا کا سچّا احساس ہو، اور اسکو الصّلوٰۃ کہہ سکیں، وہ مطہر نفس شے ہے جو تمام اخلاقی بداعمالیوں (الفحشآء) اور اجتماعی تفرقہ اور نفاق (المنکر) سے روکتی ہے ۔ اور خدا کا پیہم احساس تو نماز سے زیادہ موثر ہے ۔ اور خدا جو کچھ بھی تم کرتے ہو سمجھ جانتا ہے ۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۶) میں الفحشآء کا ذکر چند موقعوں پر آیا ہے ۔ لیکن وہ موقعے معانی کی تعیین کے لیئے کافی ہیں ۔ سورۂ بقرہ میں ہے :

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو! زمین میں جو چیزیں پاکیزہ صورت اور خوش تاثیر، ممد صحت اور دافع شہوات (حلٰلًا طیّبًا) ہوں انکو کھایا کرو اور نفس امّارہ کا کہا مان کر شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ اور ہمیشہ ایسی چیزوں کے کھانے کی ترغیب دیگا جس سے تمہاری شہوات نفسانی کا ہیجان ہوتا رہے ۔ شیطان لعین تو لامحالہ تمہیں بدی اور بے حیائی (السّوٓء والفحشآء) کے کام کرنے کو کہیگا، اور ضرور اس بات پر آمادہ کرے گا کہ نفس پروری کے جوش میں جھوٹ موٹ وہ احکام خدا کی طرف منسوب کرو جن کا تمہیں علم نہیں ہے ۔ (آیہ (۲: ۱۶۹) کا مقابلہ آیہ (۲۸:۷) سے کرو جو اسی صفحہ کے اخیر میں ہے)

حلال و حرام کی حکمت سے یہاں پر بحث نہیں ۔ یہ موضوع پانچویں مجلد میں آئے گا ۔ نہ یہاں پر شیطان کی حقیقت سے سروکار ہے لیکن الفحشآء سے مراد یہاں پر صاف بیحیائی، نفس پروری، اور شہوات نفسانی کو فروغ دینے والی باتیں ہیں ۔ کیونکہ آگے چلکر آیہ (۲: ۱۷۳) میں لحم خنزیر کو حرام کر دیا ہے ۔ جو بڑا مہیج شہوت تسلیم کیا گیا ہے ۔ اسی سورۃ میں ہے :۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (۲: ۲۶۷-۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امت کی تقویت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیاء (طیّبٰت) صرف کیا کرو، اور جو اشیاء ہم نے تمہارے لیئے زمین سے پیدا کی ہیں اُن میں سے بھی بہترین چیزیں دو، اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگے اسی سے خیرات کا چندا اسلام حالانکہ وہی شئے اگر کوئی تم کو دینا چاہے تو تم اسکو بطیب خاطر منظور نہ کرو ماسوا اسکے کہ دیدہ و دانستہ اپنی بات رکھنے کے لیئے اُس شئے کے بیکار ہونے سے چشم پوشی کرو ۔ جانے رہو کہ خدا ان چیزوں کو اپنے لیئے نہیں مانگتا، جو کچھ ہے تمہاری اپنی خاطر ہے اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوار حمد ہے ۔ شیطان لعین تمہیں ایثار مال اور بہترین اشیاء کے دینے کے وقت افلاس سے ڈراتا ہے، اور بخل و امساک کی باطنی بے حیائی (الفحشآء) کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مغفرۃ) اور دنیاوی انعام و اکرام (فضلًا) کا وعدہ فرماتا ہے اور جانے رہو کہ وہ خدائے عظیم بڑی گنجایش والا اور ہر قوم کی نیات سے بخوبی واقف ہے ۔

یہاں اُس قلبی بے حسی اور باطنی بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثار مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الفحشآء سے تعبیر کیا ہے ! سورۂ اعراف میں شیطان کے آدم ع کو بہکانے کے قصے کی تفصیل کے بعد ہے :

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۷: ۲۷-۲۸)

اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو پھر اسی آزمایش میں نہ ڈالے جس طرح کہ اسنے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوایا تھا، انکے لباسوں کو بدنوں سے

انکسار کے اس ملکوتی ارتعاش میں سب شخصی معاملات اور ذاتی تمناؤں کو بالائے طاق رکھ کر، جو تنہا اور اہم سوال تمام جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر، بآواز بلند پیش کیا جاتا تھا یہ تھا کہ اے بار الٰہا!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۷) کھینچتا پھرتا تھا کہ اُنکے عیوب اور شرمگاہیں اُنپر ظاہر ہوجائیں، وہ بمع اپنے چیلے چانٹوں کے تمہاری گھات میں لگا ہے اور تمکو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسکو نہیں دیکھتے، پس تم اُس سے حتی الوسع بچتے رہو اور اُسکے دام تزویر میں پھنسکر اپنے آپ کو شکار ہونے اور اپنی شرمگاہوں کو عیاں کرنیکا موقع نہ دو۔ لوگو! ہم نے اس دنیا میں اُن لوگوں کو جو ایمان کے قوت افزا اعمال وخصائص سے بے بہرہ ہیں (اَلَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ) انہی شیطانوں کا محب صمیم (اَوْلِیَآءَ) بنا رکھا ہے۔ اور یہ بے ایمان لوگ وہ ہیں کہ جب جب کوئی منفور قوم، اُمت کُش، یا موت افزا عمل (فَاحِشَةً) کرتے ہیں تو اپنی عیب پوشی کے لیئے یہ بہانہ ایجاد کر لیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو شروع سے یہی کرتے دیکھا ہے، بلکہ درحقیقت خدا نے ہم کو اس کام کا حکم دے رکھا ہے، اے محمدؐ! ان نادانوں سے کہہ دو کہ خدا ہرگز کسی بیہودہ کام (اَلْفَحْشَآءِ) کا حکم نہیں دیتا جسکا انجام ہلاکت ہو، جسکا نتیجہ حفظ و امن کے جنت سے اخراج ہو، کیا تم جھوٹ موٹ خدا پر وہ باتیں تھوپ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔

یہ قصہ نہایت نتیجہ خیز ہے اور اسکا انطباق جو انسان کی موجودہ نسلوں پر کیا گیا ہے اور بھی عبرت انگیز ہے مگر نفس قصے سے یہاں پر بحث نہیں نہ آدم و شیطان کی شخصیتوں سے البتہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اَلْفَحْشَآءِ سے مراد قوم کے وہ پشتینی عیوب اور اجتماعی بداعمالیاں ہیں جو لوگ نہایت وثوق سے بدیں خیال کرتے ہیں کہ باپ دادا سے چلی آئی ہیں، اور اس نقطہ نظر سے خدا کا حکم ہیں۔ ان بداعمالیوں میں مثال کے طور پر فرقہ بندیاں، گورپرستی، رسوم قبیحہ، اعتقادات واہیہ وغیرہ شامل ہیں جن کا نتیجہ بحیثیت مجموعی یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے اجتماعی (سَوْاٰت) عیوب روز بروز عیاں ہوتے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ ساری کی ساری قوم شیطان کو دوست رکھنے کے جرم میں قوت اور امن کے دار السلام سے بیک بینی و دوگوش نکال دیجاتی ہے۔ فحشآء کے ان معانی کی تائید ان آیات سے اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جو متن کتاب میں صفحہ ۲۰۱، ۲۰۶ پر آچکی ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ (۷: ۲۹) یعنی "اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ ان بداعتدالیوں کا حکم ہرگز کہیں نہیں دیا گیا بلکہ میرے پروردگار نے تو مجھے ہر نوع قسط واعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر سجدے کے وقت ہمہ تن متوجہ ہو جایا کرو، اور تمام ارادتمندی اور اخلاص اس احکم الحاکمین کے لیئے وقف کر کے اس کے حضور میں کھڑا ہو، جانے رہو کہ تم اُسی طرح بے یار و مددگار اُس کے حضور میں واپس آؤ گے جس طرح کہ تم روز آفرینش کو تھے"۔

اس آیت میں صاف کسی ماسوا کو وسیلہ نہ بنانے اور خالصتہً خدا کی غلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنے (قسط) کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ان تینوں آیتوں میں ظاہر ہے کہ اول سے آخر تک ربط تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب اَلْفَحْشَآءِ کو ان معنوں میں لیا جائے جو ہم نے کیئے ورنہ اَلْفَحْشَآءِ کے بالمقابل اَلْقِسْطِ اور اُدْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کے الفاظ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اَلْفَحْشَآءِ کا ذکر قرآن حکیم میں اور جگہ بھی ہے۔ مثلاً یوسفؑ اور زلیخا کے مشہور قصے میں جب اول الذکر بدفعلی سے صاف بچ نکلے تو فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ (۱۲: ۲۴) "اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادۂ بد کر ہی چکی تھی اور علیٰ ہذا القیاس اگر یوسفؑ کو اپنے خدا کے احکم الحاکمین اور حاضر و ناظر ہونے کی دلیل اُسوقت آنکھوں کے سامنے نہ پھر جاتی تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادۂ بد کر بیٹھتے، اور یہ اسباب ہم نے اس لیئے پیدا کر دیئے کہ یوسفؑ کو بدکاری اور بے حیائی سے باز رکھیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ہمارے خالص اطاعت گذاروں میں سے تھا"۔ یہاں اَلْفَحْشَآءِ سے مراد صاف زناکاری اور بے حیائی ہے۔ سورہ نحل میں خدا کے متعلق یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ (۱۶: ۹۰) ہے مگر وہاں اَلْفَحْشَآءِ کا مفہوم کچھ نہیں دیا۔ سورہ نور میں قصہ افک کے متعلق حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی برأت کے بعد ایمان والوں سے خطاب ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

تو اسلام کی جماعت کو سیدھے سے سیدھے، چھوٹے سے چھوٹے، اور قریب سے قریب راستے سے دُنیاوی نعمت
اور اقتدار تمکن فی الارض اور تخلّف کے اُس معراج پر پونہچا جسکو حاصل کرنیکے لیئے تو نے اپنا پاک رسول الھُدیٰ اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٢٠٨) فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ (٢٤: ٢١) یعنی اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور سطرح کی بیحیائی کی باتیں آپس میں نہ پھیلنے دو یا کرو، اور تم میں سے جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلیگا تو جان لے کہ شیطان لعین اُسکو ایسی ہی بیحیائی کی باتیں (الفحشآء) کرنے کا حکم دیگا اور آپس میں فساد برپا کرنے اور نفاق پھیلانے (المنکر) کی ترغیب دیگا۔ اے مسلمانو! اگر تمپر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے ایک فرد و تنفس کا دل بھی آلائش عصیاں سے پاک نہ ہوتا۔ لیکن وہ خدائے عظیم جسکو مناسب سمجھتا ہے (یشآء) تزکیہ نفس کی توفیق دیتا ہے، اور وہ بُری نیتوں کو سمجھنے والا (سمیع) اور دلوں کی پخت و پز کو جاننے والا (علیم) ہے۔ یہاں الفحشآء اور المنکر دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور دونوں کے مطالب کی تصریح کر دی ہے گویا الفحشآء شیطان کی طرف سے نفس امّارہ کو وہ باطنی ترغیب و تحریص ہے جس سے کوئی شخص اپنی قوم کے کسی فرد کے متعلق کوئی بیحیائی یا بدنامی کی بات پھیلانے پر آمادہ ہوتا ہے اور المنکر وہ باہمی نفاق اور باطنی کدورتیں، وہ فساد آرا اور انتشار عمل ہے جو ایسی باتوں کے ناحق پھیلانے سے پیدا ہوتا ہے اور جو آج ہر مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے۔

اس تمام بحث و تمحیص سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفحشآء سے مراد وہ انسانی عیوب ہیں جو شیطان نفس امّارہ کی وساطت سے کراتا ہے اور جن میں بالتخصیص (١) شہوات نفسانی کے ہیجان کی تدابیر اختیار کرنا (٢) محبت مال میں غلو کرنا اور خدا کیلیے بہترین شئے نہ دیسکنا، (٣) آبا و اجداد کی بیہودہ اور ہلاکت انگیز رسموں کی اندھا دھند تقلید کرنا، (٤) زنا کاری کیطرف مائل ہونا، (٥) افراد ملت کو بدنام کرنیکی غرض سے بیحیائی کی باتیں لوگوں میں پھیلانا، شامل ہیں۔ ان باتوں کا کرنا شیطان کا صحیح معنوں میں اتباع اور اسکی سچی عبادت ہے۔ زیر بحث آیت یعنی (٢٩: ٤٥) میں کہا گیا ہے کہ الصلوٰۃ وہ شے ہے جو الفحشآء اور المنکر سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح معنوں میں الصلوٰۃ کو خدا کے حضور میں حاضری سمجھ رہا ہے، اگر وہ دن بھر کے اعمال کے بعد الصلوٰۃ کو حاکم اعلیٰ کی پیشی میں ان اعمال کا محاسبہ سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ فحشآء سے بچیگا۔ علی ہذا القیاس اگر الصلوٰۃ وہی متفقہ درخواست ہے جو تمام اسلامی جماعت کیطرف سے خدا کے حضور میں کی جاتی ہے تو اسکے بعد مسلمانوں کے آپس میں نفاق (المنکر) واقع ہونے کی گنجایش قطعاً نہیں رہتی۔ انہی معنوں میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ ہے اور اسی لیئے ال تخصیصی اُس پر داخل ہے۔ الصلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق مفصل بحث چوتھی مجلد میں آئیگی۔ ان اوراق میں اسکی حکمت عملی سے بحث ہے۔ لیکن الفحشآء کی تخصیص اور تحدید جو قرآن عظیم نے متذکرہ صدر آیات میں کی ہے زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ یہ پانچوں شقیں ہر قوم کی اجتماعی زندگی کیلیئے ازبس مہلک ہیں۔ اگر مسلمانان عالم نماز کو فی الحقیقت مجرم کی پنجوقتہ پیشی سمجھکر فواحش کی ان پانچوں قسموں سے محترز رہیں تو آج انکی بگڑی پھر بن سکتی ہے۔ مغربی اقوام میں دوسری، تیسری اور پانچویں شقیں اسقدر کالعدم ہیں کہ الفحشآء کا ایک عظیم حصہ انکی ہیئت اجتماعی سے بالکل نکل چکا ہے۔ ایثار مال انہیں بیحد ہے، آبا و اجداد کی واہی رسموں کی تقلید تین صدیوں سے بالکل غائب ہے، علی ہذا القیاس اپنی قوم کے افراد کی بدنامی کے درپے نہ ہونا انکا قومی شعار ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ پہلی اور چوتھی شق یعنی نفسانی شہوات اور زنا کاری کی طرف نسبتہً بہت زیادہ مائل ہیں اور ممکن ہے کہ زمانہ قریب میں یہی انکی اجتماعی ہلاکت کا باعث بن جائے لیکن اس موضوع پر بحث غالباً تیسری مجلد میں آئے گی۔

الصلوٰۃ کی اس جامع و مانع تعریف کے بعد قرآن حکیم نے زیر بحث آیت یعنی (٢٩: ٤٥) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کہکر نماز کی حکمت عملی اور صحیح منتہائے نظر کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ بعبارۃ اُخریٰ یہ کہا ہے کہ الصلوٰۃ، اگرچہ دن بھر میں پانچوقت خدا کے حضور میں حاضری اور اپنے اعمال کی جوابدہی ہے لیکن خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا (ذکر اللہ) اُس کا کھٹکا ہمیشہ ہر وقت لگائے رکھنا (ذکر اللہ)، چوبیس گھنٹے اُس حاکم اعلیٰ کا خوف جو در کھنا (ذکر اللہ)، غیبت اور حاضری، نماز اور غیر نماز دونوں موقعوں پر اسکو حاضر ناظر اور نگران اعمال یقین کرنا وہ مصلح اعمال شئے ہے جو الصلوٰۃ سے کہیں بڑھکر (اکبر) ہے۔ انسان کو اگر یہ کیف و حال نصیب ہو جائے تو الصلوٰۃ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ذکر کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے نہایت نافہمی سے وضع کر لیئے ہیں اور وہ یہ کہ سب کاروبار چھوڑکر تسبیح ہاتھ میں لے لیں اور خدا کا نام تمام دن رٹ رٹ کر بے اثر کرتے رہیں یہ تشریح نہایت لچر اور مضحکہ انگیز ہے اور وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام دنیاوی کاروبار کے ضمن میں خدا کا کھٹکا لگائے رکھنا اور ان اعمال کو قوانین خدا کے مطابق کرنا ہی ذکر خدا ہے۔

دِینِ الحق† ساتھ دے کر بھیجا تھا!

اِھدِنَا‡

† الھُدیٰ اور دِینِ الحق کا اشارہ آیہ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (۶۱: ۹) کی طرف ہے جو صفحہ ۱۸۲ پر منتہائے اسلام کی تعیین کے ضمن میں پیش کی گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس الھُدیٰ کے بھیجے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے، اسکی ایک اہم شق کی توضیح صفحہ ۱۹۲ وغیرہ پر ہو چکی ہے جہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ الھُدیٰ کا اصلی مفہوم وُہ استعداد و مصالحت و اتحاد ہے جو پیغمبر آخر الزمان نے عرب قوم کے اندر ایک اتنی قلیل مدت میں پیدا کر دی تھی اور جو صحیح معنوں میں لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا باعث ہوئی۔ دِینِ الحق کے معنی سچائی کی راہ عمل کے ہیں گویا سورۃ فاتحہ میں جس الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی درخواست پنجوقتہ ہوتی ہے وہ یہی دینِ الحق ہے جو رسول خدا کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اگلے اوراق میں اسی صراط مستقیم کی تبیین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ یا اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا مصداق بنانا اسلام کا منتہا ہے۔

‡ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے سورۂ فاتحہ کا صحیح مفہوم پا لینا، اور بعد ازاں اسکو پیش نظر رکھکر زندگی کا منتہائے عمل بنانا اسقدر اہم ہے کہ اسکے بدون نہ کوئی نماز صحیح معنوں میں نماز ہے اور نہ اس غرض و مطلب کے لیے کوئی مستقل عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قرنہا قرن کے تدریجی نسیان اور فقدانِ علم کے بعد اوسط مسلمان کو یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ وہ خدا کے حضور میں پنجوقتہ ہاتھ باندھ کر کیا مانگ رہا ہے، وہ سرے سے کچھ مانگتا بھی ہے یا نہیں، یہ رکوع و سجود کیوں ہیں، یہ اٹھنا بیٹھنا کس مطلب کا ہے، یہ ظاہری ادب اور مسلسل قومے اور قعدے کس اضطراب دل کے مظاہر ہیں، اگر یہ سبق جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تئیس۲۳ برس کے مسلسل عمل کے بعد پڑھایا تھا قطعاً بھولا جا چکا ہے تو ایسی نماز سوائے اس کے کہ وہ کچھ بن جائے جو آجکل ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان آیات میں بعض امور نہایت غور طلب ہیں: 'الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ' کیا شے ہے؟ اگر اس کی تعریف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے تو اس میں 'نِعْمَتِ' کا کیا مفہوم ہے؟ 'الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ' سے بعینہٖ کون مراد ہیں؟ 'الضَّآلِّیْنَ' کے مصداق کون لوگ ہیں؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ ان کے اطمینان بخش حل کے بغیر 'الصَّلوٰۃ' کی ماہیت کو سمجھنا ازبس محال ہے۔

شارحینِ کلام الٰہی نے بالعموم ان عظیم الشان آیات کے مطالب کو اپنے مشہور خود پسندانہ اور تحکمانہ لہجے میں بیان فرما کر چند جملوں میں ختم کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک 'الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ' دین اسلام کا سیدھا رستہ ہے۔ گویا تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ 'اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' سے مراد انکی رستے میں روحانی نعمتیں ہیں جن کے اہل روز اول سے "مسلمان" قرار پا چکے ہیں۔ 'الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ' یہودی ہیں جن پر قہر خدا صدیاں گذریں نازل ہوا تھا اور اب تک اُن کی اولاد پر نازل ہو رہا ہے۔ 'الضَّآلِّیْنَ' نصرانی لوگ ہیں جن پر غضب خدا آنے والا ہے اور ان کی گمراہی مسلّم ہے۔ گویا اس مقام نظر سے مسلمان دن میں پانچوقت وہ شئے مانگتا ہے جو اسکو الحال حاصل ہے۔ اور ابد الآباد تک حاصل رہے گی بشرطیکہ منہ سے مسلمان بنا رہے! آج یہ نارواتخیل ہر مسلمان کی اقلیم خیال میں اسقدر مستحکم اور متمکن ہو گیا ہے کہ کوئی دلیل اسکو اقوام عالم کی اس مفروضہ صدر نشینی سے ہٹانے کے لیے کارگر نہیں ہوتی، بلکہ لطف یہ ہے کہ جب اسکو اسلامی امت کی خستہ حالی اور نصرانی کی دنیاوی خوشحالی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آکر اور بھی اپنے آپ کو خدا کا منظور نظر اور 'اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' کا صحیح مصداق شمار کرتا ہے۔ اور اس کرسی نشینی سے دست بردار ہونا اپنے لیے گناہ سمجھکر روحانیت کی نادیدہ اور ناقابل درک کشور میں سر چھپا لیتا ہے۔ اسکی نظروں میں نصرانی بہرنوع مستوجب عذاب ہیں، ان سے خدا ہیجد ناخوش ہے۔ یہ انعام جو آج انکو مل رہے ہیں بلا استحقاق مل رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اسکے نزدیک آج دنیاوی نعمت کچھ شئے نہیں رہی، اگرچہ تیرہ سو برس سے وہ اسی دنیاوی نعمت کا راگ الاپتے ہوئے بادشاہت زمین کو اپنے منظور خدا ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اسکو یہود کے مغضوب علیہم ہونے کا اعتراف بھی اکثر اسی بنا پر ہے کہ انکی قوم پر اجتماعی مسکنت اور ذلت چھا رہی ہے، انکی کوئی زمینی بادشاہت نہیں رہی، وہ دنیا کے ملکوں میں دربدر اور مارے مارے پھر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب اسی حالت کا اطلاق آج بعینہٖ اپنے آپ پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسکا ذہن سلیم اسکو جواب دے دیتا ہے، اور وہ باصرار اسی خیال پر قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان باوجود اس زبوں حالت کے صراط مستقیم پر ہیں، الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہیں، مغضوب علیہم ہرگز نہیں، الضَّآلِّیْنَ بننے کا امکان ان کے حق قطعاً نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس دل خوش کن تخیل کی ظاہر

الصِّرَاط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۰) کہ کوئی سند سورہ فاتحہ کے اندر موجود نہیں، اور نہ اِس فیصلے سے، خواہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کا متفقہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہو قانونِ خدا یا قول رب العالمین کے مفہوم میں کوئی تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے۔ جو بات کسی دلیل کی محتاج نہیں یہ ہے کہ رب زمین و آسمان نے اِن آیاتِ شریفہ میں ہر مسلمان کو دن میں پانچ وقت بلکہ ہر نماز میں کئی دفعہ صراط مستقیم پر رہنے کی دعا سکھلائی ہے، گویا یہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہی وہ شے ہے جس سے ہر انسان کے بھٹک جانے کا ہر لحظہ خطرہ ہے، ہر مسلمان کے اِس راہ سے بے راہ ہو جانے کا ہر آن امکان ہے، اور جب تک اِسکی تمام توجہ صرف نہو، اُسکا اِسپر از خود چلتے رہنا محال ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل ہر ہوشمند شخص کو اِس نتیجے پر پونہچا دیتی ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر قائم رہنے کے لیئے بیحد جد و جہد کی ضرورت ہے اور جب تک وہ سعی و عمل جاری ہے ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ اگلے وقتوں کے ہوشمند، دقیقہ رس اور اسلام شناس عُلمار نے اِس حقیقت کبریٰ کو اِن نہایت خوب صورت، بلیغ، اور نتیجہ خیز الفاظ میں ادا کیا تھا کہ اسلام کا صراط مستقیم ایک نہایت دشوار گذار **بال سے سوا باریک، اور تلوار سے سوا تیز رستہ ہے** جس پر سے ہر متنفس کو گذرنا ہے، جو شخص **مسلمان** ہے وہ اِس رستے پر سے آسانی سے گذر جائے گا (کیونکہ مسلمانی کی شرط ہی یہ ہر لحظہ سعی و عمل کرتے رہنا اور باحتیاط تمام اِس راہ کو عبور کرنے کی سعی کرنا ہے) جو مسلمان نہیں وہ کٹ مر کر جہنم میں جا گرے گا۔ "وغیرہ وغیرہ" بعد کے جاہل کٹ ملاؤں نے ان الفاظ کی حقیقت کو توڑ مروڑ کر صراط مستقیم کو عالم آخرت کے دوزخ کا کوئی پُل بنا دیا، اور سعی و عمل سے گریز کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لیئے اِس معنی خیز بیان کو احوال قیامت کا ایک واقعہ بنا کر اعلان کر دیا کہ اِس "پلصراط" پر سے ہر شخص گذرے گا، مسلمان اپنی قربانیوں کے دُنبوں پر سوار ہو کر سرپٹ جنت میں جا داخل ہوں گے۔ یہودی اور نصرانی وغیرہ کٹ کٹ کر دوزخ میں دھڑام سے گر پڑینگے! آج یہ سب حکایت حقیقت سے اسقدر دور ہو گئی ہے کہ ہر سلیم الذہن شخص اِس کو سُنکر بے اختیار ہنس پڑتا ہے اور مسلمانیت کو بیہودہ افسانوں کا مجموعہ قرار دے کر اس سے یکسر متنفر ہو جاتا ہے!

ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ جو خط مستقیم بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز ہو اُس پر چلتے رہنا کس قدر انتہائی احتیاط کا کام ہے اور اسمیں اِدھر اُدھر ہٹنے کی کسقدر کم گنجایش ہے۔ نہیں بلکہ جس طرح کوئی بازیگر کسی رسّی پر چلتے ہوئے تمام توجہ **عدل و توازن** قائم رکھنے میں صرف کر دیتا ہے اسی طرح کسی امت کا ہر لحظہ اپنی تمام **احتیاط قسط و اعتدال پر رہنے میں صرف کر دینا صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہو**۔ دین اسلام کا یہ اصل اصول قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (ق ۷: ۲۹) کے الفاظ سے ہی ظاہر ہے جو اِس سے پیشتر صفحہ ۲۰۱ پر آچکے ہیں۔ اصل کتاب میں آیندہ اوراق (صفحہ ۲۲۶-۲۴۶) میں صراط مستقیم کی قرآنی تعریف بصراحت تمام بیان کر دی جائے گی۔ جس کے مطالعے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ جو امت صراط مستقیم کے اِس مفہوم پر بغور تمام اور بسعی اتم چل رہی ہے اُس کا اس دنیا میں قوت اور تمکن سے رہنا اٹل ہے، اُس کا بقا فی الارض اور استخلاف قطعی ہے، کوئی دوسری قوم اُسکے بالمقابل صف آرا ہو کر اُسکو میدانِ حیات میں پچھاڑ نہیں سکتی، سب دنیاوی انعام اور افضال الٰہی اُس قوم کے شامل حال ہر دم ہیں اور رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دنیاوی تمکن ہی وہ صراط مستقیم ہے جس کی تعریف رب زمین و آسمان نے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ ۵ کے الفاظ میں کی ہے۔ اور اسی سے ہٹ کر قومیں مغضوب علیہم بن جاتی ہیں یا الضَّآلِّیْنَ میں شمار ہو کر شدید العقاب خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔ اِن آیات میں یہود و نصاریٰ کی حتماً کوئی تخصیص نہیں اور نہ مسلمان بالخصوص اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ ہیں، وہ بلاشبہ اُس وقت تھے جب وقیقہ رس خدا کے انعام اُن کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے مگر اب سب طرف قہر خدا ہے۔ ناہم نماز میں پنجوقتہ گذارش اِسی کی ہے کہ ہم کو اِس صراط مستقیم پر چلا جسپر چلنے سے تو خوش ہو جائے اور دنیاوی انعامات اور تعزّز سے مالا مال کر دے۔ یہی دعا ایک تنخواہ دار غلام کی اپنے آقا سے ہوسکتی ہے، اور اسی صلاحیت عمل کا کوئی آقا اپنے غلاموں سے متمنّی ہوسکتا ہے۔ 'اِھْدِنَا' اور 'الَّذِیْنَ' اور 'عَلَیْہِمْ' اور 'الضَّآلِّیْنَ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انعام اور سزائیں سب اجتماعی ہیں۔ اور اسی لیئے الصَّلٰوۃ خدا کے حضور میں قوم کی طرف سے ایک **متفقہ درخواست** ہے، افراد کا اپنی جماعت سے الگ ہو کر اِس دعا کو حضور خدا میں گذرانا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ کسی مسلمان کا انفراد

الْمُسْتَقِيْمَ ۙ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۱) قوم سے الگ تھلگ ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کی سعی کرنا جیسا کہ آگے چلکر اس وقت واضح ہو گا جب کہ صراط مستقیم کے متعلق سب اعمال اجتماعی ثابت کر دیئے جائینگے پیغمبر خدا صلعم نے اسی مقام نظر سے الصَّلٰوۃ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے باصرار تمام فرمایا تھا کہ جماعت کے بغیر کوئی نماز فی الحقیقت نماز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، کے الفاظ سے دنیاوی نعمتیں ہی مراد ہیں، یہ نماز کی رکعتوں میں دمبدم اُٹھنا اور بیٹھنا، یہ احکم الحاکمین کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونا، یہ گھٹنوں کے بل جھک جانا اور بار بار ناتھا رگڑنا، پھر اُٹھنا اور گڑگڑانا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ دنیاوی انعام کی امید اور اجتماعی سزا کے خوف سے تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم میں نعمت کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے مگر ماسوا اُن شاذ موقعوں کے جن کا ذکر آگے چلکر آئے گا سب جگہ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں، روحانی نعمتوں کا جنکے صحیح معانی کی تعیین بھی ازبس مشکل ہے، قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں۔ توضیح مطالب کے لیئے یہ سب موقعے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث بعض حوالوں کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیئے سیاق کلام کو دیکھنا چاہیئے۔

(الف) سورہ انفال میں ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۸: ۵۳) یعنی "یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں"۔ یہاں نعمت صاف دنیاوی راحت اور امن ہے، اور 'اَنْعَمَهَا عَلٰى' کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کی مماثلت سورہ فاتحہ کے 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' سے عیاں ہے۔

سورہ ابراہیم میں دنیاوی نعمتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ (۱۴: ۳۴) "اور لوگو! اس نے تم کو جو کچھ تم نے مانگا بقدر ضرورت دیا، اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکو گے"۔ یہی بات آیت (۱۶: ۱۸) میں ہے مگر اسکے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورہ لقمان میں کشتیوں کے سمندر میں چلنے (اور اس ترکیب سے انسان کے لیئے سہولت سفر پیدا کرنے) کو بھی نعمت الٰہی کہا گیا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۱: ۳۱) یعنی "اے مخاطب! کیا تو نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کی نعمت (احسان) کے باعث چل رہی ہیں، اور یہ اسلیئے کہ خدا تم کو اپنی قدرت کے حیرت انگیز عجوبات دکھلائے! اسمیں شک نہیں کہ عجائبات قدرت پر استقلال سے ہر غور کرنے والے (صَبَّارٍ۔ دیکھو صبر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اور نعمتہائے خدا کے صحیح معنوں میں قدردان (شَكُوْرٍ۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) شخص کے لیئے کشتیوں کے سطح سمندر پر چلنے میں علم و عمل کے بہتیرے اشارات (لَاٰيٰتٍ) موجود ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ قمر میں کنکروں کے پتھراؤ سے آل لوط کی نجات کو نعمت خدا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ (۵۴: ۳۴-۳۵) یعنی "پھر ہم نے اُس قوم پر پتھروں کی بارش کی مگر خاندان لوط کے لوگوں کو ہم صبح ہوتے ہوتے بچا لے گئے، یہ ہمارے ہاں سے آل لوط پر نعمت تھی اور جو لوگ ہمارے احکام کی قدردانی کر کے اُن کی کما حقہ تعمیل کرتے ہیں (مَنْ شَكَرَ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) انکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ سورہ قلم میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ سے نکل کر نجات پانے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اِس موقع پر بھی نعمت دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے مترادف ہے، روحانیت سے اسکو کچھ واسطہ نہیں: لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (۶۸: ۴۹) یعنی "اگر خدائے رحیم کا فضل و کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو بڑے عالوں چٹیل میدان میں پھینک دیئے ہوتے"۔ سورہ احقاف میں نعمت کا دنیاوی مفہوم ذرا واضح تر ہے۔ چنانچہ اِس نہایت دقیق آیت کے مطالب جسمیں اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں یہاں پر تمام کمال لکھ دیتے جاتے ہیں:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَ

صراط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۲) اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (۴۶ : ۱۵)

اور لوگو! ہم نے انسان کو حکم دیدیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، وہ فی الحقیقت اِس سلوک کے مستحق ہی ہیں کیونکہ تکلیف اٹھاکر ہی اسکی ماں نے اُسکو پیٹ میں رکھا، اور دردناک اذیت کے بعد ہی اسکو جنا، پھر یہی نہیں بلکہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اسکے دودھ کا چھوٹنا کہیں ڈھائی برس میں جاکر ختم ہوتا ہے (لیکن انسان وہ ناشکر اور احکام خدا سے باغی انسان ہے کہ ماں کی ان تکالیف کی کماحقہٗ پروانہیں کرتا اور طفولیت کی نادانیوں اور کم عقلیوں میں مست رہکر ماں باپ سے اینٹھا اینٹھا پھرتا ہے اور اُنکے احسان کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔ اُسکو صحیح معنوں میں ہوش نہیں آتی) جب تک کہ آخر کار وہ سن رشد و تمیز کے کمال کو پونہچکر آپ چالیس برس کی عمر کا ہوجاتا ہے (حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ) پھر جب باپ بن کر خود اُن تکالیف کو سہنے لگتا ہے تو بزبان حال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اِس بات کی توفیق دے (قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ) کہ میں تیری اِن نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کروں (اَنْ اَشْكُرَ، دیکھو شکر کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۳) جو تم نے مجھپر طفولیت میں عطا کی تھیں اور آج کر رہا ہے، اور جو میرے ماں باپ پر کی تھیں، اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ مناسب اعمال کروں جنسے تو راضی ہوجائے، اور میری اولاد کو بھی (جو ہماری میاں بیوی کی تکالیف سے بیخبر ہے) مناسب راہ پر لا (وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ)، میں تو اب چالیس برس کی غفلت کے بعد تیری ہی طرف لوٹ آیا ہوں (اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ) اور صحیح معنوں میں تیرے احکام کو پر از حکمت سمجھکر انکو تسلیم کرتا ہوں۔

(قرآن کی بلاغت یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب ادا ہوجائے اور ہر صاحب غور و فکر فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس آیۂ شریفہ کا بعینہ یہی مطلب ہے جو بیان ہُوا اسمیں انسان کی فطرت اور عادتِ مستمرہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پونہچکر حقیقت حال کا کُھلنا ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ زندگی کی اسی منزل پر استعداد تمیز حد کو پونہچ جاتی ہے اور انسان کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور اِس دنیا جہان کے کارخانے کو بنظر تعمق دیکھنے کی اہلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ خود رسول خدا صلعم کو نبوت کا خلعت بھی اسی عمر میں عطا ہوا تھا۔ فافہم وتدبر) لیکن اِس بحث سے قطع نظر، اس آیہ شریفہ میں 'نِعْمَتَ' کا مفہوم سراسر دنیاوی احسان ہی ہیں۔ روحانیت کا یہاں پر کچھ ذکر نہیں۔ سورہ یوسف میں علیٰ ہذا القیاس تاویل احادیث کے علم کو اتمام نعمت قرار دیا ہے: وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (۱۲ : ۶) یعنی "اَبھی خدا تم کو 'تاویل احادیث' کا علم سکھاوے گا اور اپنی نعمت کا تمپر اتمام کرے گا"۔ 'تاویل احادیث' کے صحیح مفہوم سے یہاں پر بحث نہیں مگر ظاہر ہے کہ تحصیل علم کو یہاں پر نعمت فرمایا ہے۔ سورہ نساء آیہ (۴ : ۷۲) میں اَنْعَمَ اللّٰهُ کے الفاظ دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے معنوں میں آئے ہیں اور وہ آیت صفحہ ۲۱۵ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر اُس سے استدلال نہیں کیا کہ وہ الفاظ بطور قول غیر استعمال ہوئے ہیں نعمت کا الٰہی مقصود اُن سے مستنبط کرنا روا نہیں سمجھا!

(ب) انسان کی ناقدرشناسی کے ضمن میں کئی جگہ لفظ نِعْمَتَ کا ذکر ہے جس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ زمر میں ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ (۳۹ : ۴۹)، یعنی "انسان کی عادت ہے کہ جب اُسکو کوئی تکلیف پُونہچے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجکو میرے علم کی وجہ سے ملی ہے"۔ سورہ حٰم السجدہ میں ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (۴۱ : ۵۱)، یعنی "جب ہم انسان پر اپنا دنیاوی فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہوجاتا ہے اور جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے"۔ سورہ بنی اسرائیل میں قریب قریب یہی مضمون ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ○ (۱۷ : ۸۳)، یعنی "...... تکلیف کے وقت آس توڑ بیٹھتا ہے"۔ اِن دونوں موقعوں پر 'اَنْعَمْنَا عَلٰى' کے الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ سورۂ زمر کے شروع میں پھر اسی دنیاوی نعمت کا ذکر ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا

الدِّین

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۳) اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ (۳۹ : ۸)، یعنی جب انسان کو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو خدا کی طرف ہمہ تن رجوع ہوکر کراہتا ہے، پھر جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا کرتا ہے تو جس مطلب کے لیئے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا اُسکو بُھلا دیتا ہے۔" سورۂ نحل میں ایک جگہ اسی قطع کی یاددہانی ہے : وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْہِ تَجْئَرُوْنَ ۝ (۱۶ : ۵۳)، یعنی "لوگو! جسقدر نعمتیں تم کو مل رہی ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو اُسی کے آگے آہ وزاری کرتے ہو۔" سورۂ ہود میں پھر اسی ناشکر انسان کا ذکر ہے، وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ (۱۱ : ۱۰)، یعنی "اور اگر اسکو کسی تکلیف کے بعد نعمتہائے الٰہی کی لذت چکھائیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری سب بدحالیاں (اَلسَّیِّاٰتُ) دور ہوگئیں، اسمیں شک نہیں کہ انسان بڑا جلد خوش ہوجانے والا اور جلد شیخی میں آجانے والا ہے۔"

(ج) دنیاوی نعمتوں کے بارے میں انسان کو خطاب کئی جگہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے؛ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ (۱۶ : ۸۱)، یعنی "لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے فائدے اور آرام کے لیئے پیدا کردہ اشیا کے سائے بنائے، اور تمہاری پناہ کے لیئے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائیں، خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اسکو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو۔" یہاں بھی صاف طور پر (نِعْمَتَ) سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا ذکر آیۂ (۱۶ : ۷۸) سے برابر چلا آیا ہے اور آگے چلکر تاکید کے طور پر پھر یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَاَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ (۱۶ : ۸۳) فرمایا ہے۔ یعنی "لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں، پھر دیدہ دانستہ اُن سے انکار کرتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اُن میں سے اکثر ناشکر (کٰفِرُوْنَ) ہیں۔" اس آیۂ شریفہ میں خدا کی عطا کی ہوئی دنیاوی نعمتوں کو **نعمت نہ تسلیم کرنیوالوں کو بصراحت تمام کافر کہا گیا ہے**، جو مسلمان آج دنیاوی نعمتوں کو ہیچ سمجھکر اس دنیا کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اُنکے لیئے یہ تہدید از بس عبرت انگیز ہے۔ اسی سورۃ میں انسان کی دنیاوی خوشحالی کو بار دگر نعمت سے تعبیر کیا ہے: وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (۱۶ : ۷۱)، "اور لوگو! اُس خدائے ذوالجلال نے ہی تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو جن کو زیادہ روزی دیگئی ہے وہ کچھ اپنی دولت اپنے پیش خدمت غلاموں اور ماتحتوں کو لوٹا نہیں دیا کرتے تاکہ آقا اور غلام آپس میں برابر ہوجائیں۔ جب وہ ایسا نہیں کرتے اور اپنے تفضل رزق کو نہایت اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اللہ کے احسانات سے منکر ہیں۔" اس مغلق آیت کے مطالب کے متعلق مدلل بحث اپنے موقع پر آئیگی، مگر صاف ظاہر ہے کہ یہاں تفضل رزق کو نعمت کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی آیت ہے؛ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ ۝ (۱۶ : ۷۲)، "اور لوگو! خدا ہی وہ کارساز حقیقی ہے جس نے تمہاری آسایش کے لیئے تم ہی میں کی بیبیاں بنائیں، اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے لیئے بیٹوں اور پوتوں کو پیدا کیا اور تم کو نہایت عمدہ رزق ارزانی فرمائے، تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی فرضی معبودوں کے لاطائل انعاموں پر ایمان رکھیں گے، اور خدا کی دی ہوئی صریح نعمتوں کا کفران کرینگے؟" یہاں بھی صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں بیویوں، اولاد، اور طیبات رزق کو نعمت کہا گیا ہے اور اُنکے عدم اقرار کو کفر پر محمول کیا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے؛ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (۳۵ : ۳)، یعنی "اے ساکنانِ زمین! خدا کی نعمتوں کو جو تم کو دی گئی ہیں یاد کیا کرو اور غور کرو کہ کیا فی الحقیقت خدا کے سوا کوئی اور وجود بھی ہے جو اس قدر طاقت رکھے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پونہچائے۔" یہاں نعمت وہ مادی وسائل ہیں جن پر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے؛ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً (۳۱ : ۲۰)

۵ نعمت بمعنی احسان: وَتِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ (۲۶ : ۲۲) میں حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرعون! کیا یہ مجھ پر احسان کرتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلامی میں لگا رکھا ہے اور انکو مزدوریاں ملتی ہیں۔"

النعمت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۴)، یعنی "کیا تم لوگوں نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے تمہارے فائدے اور استفادے کیلئے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے تسخیر کر رکھا ہے، اور اِس تسخیر کے باعث گویا اپنی ظاہری اور باطنی سب نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں"۔ یہ آیہ جلیلہ ناقابل انکار طور پر اِس حقیقت کبریٰ کی مؤید ہے کہ اشیائے فطرت سے استفادہ کرنا ہی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تکمیل ہے، گویا **نعمت کا کامل اور مکمل مفہوم خدا کی تمام بنائی ہوئی اشیاء کا جائز استعمال ہی ہے**، اِسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔ یہاں پر رُوحانی نعمتوں کے وجود کی بھی تغلیط ہو جاتی ہے اور جیساکہ چوتھی مجلد میں علم کے عنوان میں واضح کر دیا جائے گا۔ **فطرت کی اشیا کے صحیح استعمال کے اندر اور اُس کے ضمن میں ہی "رُوحانیت" کے تمام مدارج کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے**۔ اور یہی وہ اوج مرتبت ہے جس کے حاصل ہونے کے بغیر کسی قوم کا اِس دنیا میں ممکن ناممکن ہے۔ (کتاب کے عربی افتتاحیہ میں قرآن حکیم کی اِس تعلیم کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے (دیکھو صفحہ ۳۸-۴۸)

(ل) انسانوں کی طرف عام خطاب سے قطع نظر بنی اسرائیل کیطرف خدائی خطابات بھی اِسی حقیقت کبریٰ کو ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کا نعمت کا مفہوم دنیاوی افضال واکرام ہی ہے۔ سورہ ابراہیم میں حضرت موسیٰ کا قول ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط (۱۴: ۶) یعنی "ایک وہ وقت تھا کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم کو فرعون کے لوگوں کے ظلم سے نجات دی تھی، وہ تم کو غلامی میں رکھکر دردناک طور پر تکلیفیں دیتے، تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرتے کہ تم تعداد میں تھوڑے رہ جاؤ، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے کہ لونڈیاں بنکر رہیں"۔ یہاں ایک قوم کی سیاسی نجات کو نعمت خدا کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۵: ۲۰)، "اور ایک وہ وقت تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس عظیم الشان نعمت کو یاد کرو جب کہ اُسنے تم ہی میں سے پے در پے کئی پیغمبر تمہاری ہدایت کیلئے بھیجے پھر تم کو بادشاہ بنا دیا، اور وہ وہ انعامات عطا فرمائے جو دنیا جہان میں کسی قوم کو نہ دیئے تھے"۔ یہاں ایک سطح بین شخص کہہ سکتا ہے کہ انبیاء کا بنی اسرائیل میں مبعوث ہونا ایک روحانی نعمت تھی، لیکن ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ اِن انبیاء کا آنا درحقیقت اُس قوم کی اجتماعی اور دنیاوی بہتری کیلئے ہی تھا، جیساکہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کا پیش نہاد بھی بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کے مظالم سے نجات دینا، اور اُس قوم کو قانون خدا کا پابند بنا کر بادشاہ بنانا ہی تھا جیساکہ متذکرہ صدر آیت (۱۴: ۶) سے بھی ظاہر ہے بلکہ اِس آیت سے بعد کی آیتیں (یعنی ۵: ۲۱-۲۶) جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدس پر حملہ کرنے اور دشمن سے مردانہ وار لڑکر بادشاہت زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے، پیغمبری کے منتہا، اور جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کی نعمت کے مفہوم کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں۔ آگے چلکر اسی تحت المتن میں اِس واقعے کی مزید تفصیل کر دیجائے گی لیکن ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر، بشمولیت موسیٰ علیہ السلام، اُس قوم کو اِس دنیا میں متمکن اور متسلط کرنے کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور یہ اجتماعی بقا کی بشارت دینا ہی ہر مرسل کا پیغام جلیل ہوا کرتا ہے جیساکہ صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نبی اپنی قوم کے لیے یا تمام دنیا کے لیے چند روشن احکام خدا کے ہاں سے لے آتا ہے، پھر جبتک لوگ اُنپر عامل رہتے ہیں اجتماعی بقا کی بشارت اُنکو ملتی رہتی ہے، جب اُس راہ سے ہٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں، یہی سچی رُوحانیت، اور صحیح معنوں میں نعمت ہے۔ اِسی حقیقت کبریٰ کو اللہ صاحب نے سورۂ بقرہ میں دوسرے لفظوں میں واضح کیا ہے: سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ ۢ بَيِّنَةٍ ○ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲: ۲۱۱) یعنی "اے محمدؐ! تم بنی اسرائیل سے پوچھو تو سہی کہ ہم نے اُن کو کیا کچھ روشن قانون اور کتنے کھلے کھلے اور غیر مشکوک حکم دیئے تھے (اٰيَةٍ ۢ بَيِّنَةٍ)، (وہ اگر اُنپر عامل رہتے تو ہمارے خزانۂ عامرہ سے کیا کیا انعام نہ پاتے) لیکن جس قوم نے خدا کی نعمت کو اُسکے آنے کے پیچھے

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۵) بدل ڈالا تو خدا نے بھی آخر اُس قوم سے انتقام لینا ہی تھا اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت شدت سے بدلہ لینے والا ہے۔" یہاں اُن احکامِ خداہی کو نعمت کہا گیا ہو کیونکہ اُنپر عمل کرنے کا نتیجہ اجتماعی راحت تھی، اور رد کرنے کا بدلہ ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا یہی بات سورۂ بقرہ کے اس خطاب سے ظاہر ہے: يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲: ۴۷ و ۲: ۱۲۲)، یعنی "اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانے میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی، اور بالخصوص اسکو کہ میں نے تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی۔" نہیں بلکہ ایک موقع پر دنیاوی فضیلت کو دوبارہ واپس دینے کا اقرار کیا ہے بشرطیکہ احکام پر عمل از سرِ نو شروع ہو جائے۔ یا بعبارۂ اُخرٰی ماسوا کا خوف (جو فی الحقیقت تمام عصیان و عدم تعمیل کا باعث ہو) اُٹھ جائے: يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (۲: ۴۰)، یعنی "اے بنی اسرائیل! یاد کرو وہ نعمتیں جو میں نے تمہیں دے رکھی تھیں، یاد کرو کہ وہ کیونکر چھن گئیں اور میری تو یہ شان ہے کہ اگر آج میرے عہد کو پورا کرو گے تو آج میں بھی اپنے عطائے سلطنت کے عہد کو پورا کر دونگا۔ اور وہ عہد یہی ہے کہ مجکو حاکمِ اعلیٰ مانکر مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔" کسی دوسرے موقع پر اس عہد و پیمان کی جو خدائے عزّوجل نے بنی اسرائیل سے کیا تھا تصریح کر دیجائے گی، یہاں پر بحث صرف نعمت کے صحیح مفہوم سے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نعمت بادشاہت زمین ہی تھی جو اُن سے چھین لی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس فرعونیوں کے بارے میں ہو: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝[ف] (۴۴: ۲۵-۲۷)

(ھ) بنی اسرائیل سے خطاب کے علاوہ قرآن حکیم میں کئی موقعے ہیں جہاں بالخصوص قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب ہے، لیکن وہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ نحل میں رزق کی حلت اور حرمت کے بارے میں ہے: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۱۶: ۱۱۴)، "پس اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے انہیں سے پاکیزہ اشیا کو کھاؤ اور اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے تابع اور ملازم ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) تو اسکی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو (معانی شکر کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۰)۔ سورۂ احزاب میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ (۳۳: ۹)، یعنی "اے ایمان والو! خدا کی اُس نعمتِ عظمیٰ کو یاد کرو جب کہ غزوۂ خندق میں تم پر لشکر کے لشکر آ چڑھے تھے پھر ہم نے اُنکے زور کو توڑنے کے لیے اُن پر تند ہوا بھیجدی اور آندھی کے علاوہ اور مقابلہ کرنے والی قوتیں اور افواج جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔" یہاں بھی نعمت وہ خدائی تائید تھی جسکا نتیجہ دنیاوی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ (۵: ۱۱)، یعنی "اے ایمان والو! اپنے اوپر خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جب ایک گروہ نے تم پر دست تعدّی دراز کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روک دیا۔" یہاں دشمن کے حملے سے بچ جانا نعمتِ خدا ہے۔ سورۂ آل عمران میں بدر الصغریٰ کے میلے پر جو تجارتی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور جو اخلاقی فتح انکو ابو سفیان کی دھمکی سے نہ ڈرنے اور بدر میں حسب وعدہ آ دھمکنے سے ہوئی اسکے اعتراف میں ہو: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ (۳: ۱۷۴)، یعنی "پھر اسلام کا جرّار لشکر اور اُن کے بہادر سرخیل لوٹے تو اس شان سے لوٹے کہ خدا کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم سے لدے ہوئے تھے، بدر کے میدان میں تین دن رات پڑے رہنے کے باوجود اُن کا بال تک بیکا نہوا (لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ)، وہ خدا کی خوشنودی پر کاربند ہوئے تھے اور خدا بڑا ہی صاحب فضل و کرم ہے جو پل میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔" یہاں 'نعمت' کے دنیاوی مفہوم کے علاوہ 'فضل' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ قرآن کی لغت میں اس کا مفہوم بھی دنیاوی مال و دولت ہی ہے۔ سورۂ آل عمران میں راہ خدا میں اپنی جان لڑا دینے والے مجاہدین کی نسبت فرمایا ہے۔ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ اور خوش و خرم خدا کے پاس موجود ہیں، اُن مجاہدوں کو جو ابھی مارے نہیں گئے اُخروی امن کی بشارت دے رہے ہیں پھر اسکے بعد فرمایا ہے: يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (۳: ۱۷۰)، یعنی "وہ لوگ دنیا میں رہنے والے

ف یعنی "ان لوگوں کو ہماری نافرمانی کے عوض کیسے کیسے عمدہ باغات اور چشمے، کیسی کیسی کھیتیاں اور عزیز القدر مقام اور تنعم کی چیزیں جنمیں مزے لوٹا کرتے تھے چھوڑنی پڑیں۔" دیکھو صفحہ ۱۱۶۔

عنبر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) مومنوں کو خدا کے ہاں سے (مِّنَ اللّٰہِ) دنیوی انعام واکرام اور فضل و کرم کی بشارت دے رہے ہیں"۔ یہاں نعمت سے صاف دنیاوی نعمت مراد ہے کیونکہ اُخروی انعام کا ذکر پیشتر کی آیت میں آچکا ہے۔ سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کی دُوررس حکمت عملی کو فَتْحًا مُّبِيْنًا (۴۸ : ۱) کہہ کر اتمام نعمت اور صراط مستقیم کے معنی خیز القاب عطا فرمائے ہیں: وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۴۸ : ۲) یعنی "یہ معاہدہ جو بظاہر خفت آمیز معلوم ہوتا ہے کمزور مسلمانوں کے لیئے دراصل فتح مبین ہے کیونکہ ان کو اس اثنا میں اپنی قوتوں کو اور جمع کرنیکا موقع مل جائے گا۔ دشمن اپنی قوت کے غرور میں اور قوی بننے کی سعی نہ کرسکے گا، اور یہ متارکہ فی الحقیقت تم پر خدائے عزوجل کی نعمت مکمل ہوجانے کا پیش خیمہ ہوگا، اور نیز اسلیئے کہ خدا تم کو دشمن پر غالب آنیکے صراط مستقیم پر لیجائے"۔ یہاں نعمت کے سیاسی مفہوم کی توضیح کے ساتھ ساتھ صراط مستقیم کے مطالب کی بھی ایک حد تک تشریح کردی ہے۔ سورۂ آل عمران میں قرون اولیٰ کے مومنوں کے بیمثال اتحاد اور اخوت کو دوبارہ نعمت کہا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۔ (۳ : ۱۰۲)۔ مطالب صفحہ ۲۴۵ پر آچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ مائدہ میں بدن کی تطہیر اور نماز سے پیشتر ہاتھ منہ دھونے کو بھی اتمام نعمت فرمایا ہے: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (۵ : ۶) یعنی "خدا اس غسل اور تیمم کی بندش سے فی الحقیقت تم پر کوئی ناروا یا بے سبب تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ انسان ایسی اشرف المخلوقات کو ظاہری نجاست اور آلایش سے ہر طرز پنجوقتہ پاک و صاف کرنا چاہتا ہے، اور جہاں اُسنے تمہاری دنیاوی بہتری، معاشری بہبودی، اور اُخروی نجات کیلئے تم کو نہایت گرانقدر اصول سکھلائے ہیں وہاں وہ تمہاری جسمانی صفائی کا یہ چھوٹا سا اصول سکھلا کر فی الحقیقت تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اُس نگہبان حقیقی کی اس حیرت انگیز محافظت کی دل سے قدر کرو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)"۔ گویا یہاں بھی نعمت سے دنیاوی نعمت (یعنی جسمانی صحت) مقصود ہے، محض بدن کو دھو لینا کسی شخص میں روحانیت پیدا نہیں کرسکتا، اور نہ وضو سے اُس روحانیت کا اتمام پیش نظر ہے۔ بعینہ اسی نقطۂ نظر سے اِس آیۂ شریفہ سے ذرا پہلے احکام حرمت ماکولات کے ضمن میں اتمام نعمت کا تذکرہ کیا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (۵ : ۳) یعنی "آج اے مسلمانو! ہم نے معاشری اور اجتماعی اوامر و نواہی کی کامل شرح و بسط کے بعد حلت اور حرمت کے اِن نتیجہ خیز احکام کی بھی توضیح کرکے گویا تمہارے آیندہ اور مجوزہ طرز عمل کو (دِيْنَكُمْ) دنیا کے اس ابتلاگاہ سعی و عمل میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے، بلکہ ایک رو سے اپنی تمام نعمتوں کی تکمیل کردی ہے، اور تمہارے لیئے اسی تقویت انگیز اور غلبہ اندوز اسلام کو بطور راہ عمل پسند کیا ہے"۔ حلت اور حرمت کے احکام کی نتیجہ خیز حکمت اور اُنکی اہمیت کے متعلق فلسفیانہ بحث کرنے میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہ موضوع غالبًا پانچویں مجلد میں آسکیگا، مگر پوری آیت کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ مُردار شئے کے کھانے سے بچنا، اور جیسی کراہت انگیز شئے سے پرہیز کرنا، یا لحم خنزیر سی بلید اور مُضر صحت چیز کو حرام سمجھنا، یا اور باقی اشیا جنکی حرمت کی تصریح اِس آیت میں ہوئی ہے اُنکے کھانے سے گریز کرنا فی الحقیقت انسان کی معاشری اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہی ہے، اِن کو روحانیت سے قطعًا کوئی تعلق نہیں، اور اسی لیئے اتمام نعمت کا مفہوم یہاں پر بھی دنیاوی ہے۔ علی ہذا القیاس طلاق کے متعلق احکام خدا کی شرح و بسط کے بعد ارشاد ہے: وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۘ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ط (۲ : ۲۳۱)، یعنی "مسلمانو! احکام خدا کو ہنسی مخول یا بے نتیجہ اور بے مطلب باتیں (هُزُوًا) سمجھکر نہ ٹال دیا کرو، بلکہ اُن کی تعمیل خدا کے اُن بیش قیمت احسانوں کو دل میں رکھکر کیا کرو جو اُسنے وقتًا فوقتًا تم کو مناسب احکام دے کر کیئے۔ اور جو گرانقدر کتاب اُس نے تم پر اُتاری ہے بلکہ حکمت الٰہی کے جو بیمثال نکات اس نے تم کو اپنی جناب سے عطا فرمائے ہیں اور جن کے ذریعے سے وہ تم کو مناسب راہ عمل بتاتا رہتا ہے اُنکو پیش نظر رکھکر تعمیل کیا کرو"۔ یہاں بھی نعمت سے مراد وہ اجتماعی خوش حالی ہے جو احکام خدا پر کما حقہٗ عمل کرنیسے ہر قوم کو اِس دنیا میں نصیب ہوتی ہے، روحانی بہجت قطعًا مراد نہیں۔

المغضوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۷) قریب قریب یہی مضمون سورۂ مائدہ میں احکام وضو کے بعد ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۵: ۷)، یعنی "اے مسلمانو! وضو کے بارے میں اس الٰہی حکم کو بے سبب یا بے نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اُس اجتماعی راحت اور قوت (نِعْمَةَ) کو خیال میں لاؤ (اذْكُرُوْا) جو تم کو خدا کے ہاں سے دمبدم نصیب ہوتی رہی ہے، نیز اُس الٰہی عہد و پیمان کے قوت انگیز نتائج پر غور کرو جسکے ساتھ اُسنے کچھ مدت ہوئی تم کو وابستہ کر دیا تھا (وَاثَقَكُمْ بِهٖ)، اور جس کی نتیجہ خیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر تم نے بھی اُسکے مشمولہ احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی ٹھان لی تھی (اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا)، اور دیکھو! خدائے قاہر کے قہر و غضب سے ڈرکر (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اُسکے ہر حکم کی بطیب خاطر تعمیل کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کی کشمکش اور سینوں کی شش و پنج کو بھی ہو بہو جانتا ہے (عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ)"۔ اِس آیت کا ربط پہلی آیت کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے صفائی بدن کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کی غرض سے قرون اُولیٰ کے مسلمانوں کو ثبوت کے طور پہ وہ اجتماعی فائدے (نِعْمَتَ) یاد دلائے جو احکام خدا کی تعمیل کے باعث اِس سے پیشتر مل چکے تھے۔ گویا یہاں پہ ترغیب و تحریص کا بعینہ وہی رنگ ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کہے کہ فلاں کام بھی اُسی انہماک اور سرگرمی سے کرو جیسا کہ اور حکم مانتے آئے ہو، اور ذرا خیال میں لے آؤ کہ پہلے حکموں کی تعمیل کے باعث تم کو کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اِس مقام نظر سے صاف ظاہر ہے کہ یہانپر بھی نعمت سے مراد دنیاوی تمتعات ہی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علیٰ ہذا القیاس تحویل قبلہ کی بحث کے ضمن میں اسلام کی عالم آرا اُمت کے لیئے ایک مرکز کی ضرورت کو واضح کرکے فرمایا ہے: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۲: ۱۵۰)، یعنی "اور یہ تمام عالم اسلام کا ایک نقطے پر تمرکز اسلیئے ہو کہ میں اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کروں، اور تا کہ تمکو اِس دنیا میں قوت اور اتحاد کے ساتھ رہنے کا راہ راست ملجائے[1]"۔ سورۂ عنکبوت میں پھر اسی بیت الحرام کے تقدس اور فوقیت کی شان میں ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ (۲۹: ۶۷)، یعنی "اے محمدؐ! کیا دشمنانِ اسلام نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ہی نے بیت الحرام کو روز اول سے جائے امن بنا رکھا ہے حالانکہ عین اسکی چاردیواری کے باہر یہ حال ہے کہ لوگ اِن کے آس پاس سے بے دھڑک جھپٹا مارے جا رہے ہیں (اور کوئی شخص انکی دادرسی نہیں کر سکتا) تو کیا یہ لوگ لاطائل اور بے نتیجہ باتوں کو مانتے ہیں اور خدا کی اِس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے"۔ گویا خدا کا حرم کعبہ کو پر خطر ماحول کے عین وسط میں دارالامان بنا دینا نعمت الٰہی ہے اور منکروں کو جو احکام خدا کے امن انگیز ہونے پر کچھ یقین نہیں رکھتے، ایک زندہ مثال انکے گرد و پیش سے لیکر دی ہے تاکہ بطور خود غور کریں کہ خدا کیونکر خوف و خطر کے گرد و نواح میں امن و آسایش کی صورت پیدا کر سکتا ہے، اور کیونکر ایک وقف اجل، خوفزدہ اور تختۂ مشق عدو قوم میں سے ایک بارعب، صاحب وقار اور محفوظ اُمت کھڑی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں پر بھی صاف نعمت سے مراد دنیاوی امن و راحت ہی ہے۔ خود پیغمبر آخر الزمانؐ کو الٰہی ارشاد ہے: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (۶۸: ۲)، یعنی "اے محمدؐ! تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہو (جیسا کہ اہل مکہ کہتے ہیں)"۔ گویا صحیح الاعضا ہونا بھی نعمت الٰہی میں داخل ہے۔ سورۂ والیل میں یا خدا کے ہاں سے انعامات کی تقسیم کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بیان کرکے اسکے دنیاوی مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا ہے: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ (۹۲: ۱۹-۲۰)، یعنی "اے لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهٗ) کسی فرد واحد کے لیئے بھی (لِاَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِّعْمَةٍ) نہیں کہ بطور بدلہ کے دیجائے (تُجْزٰٓى) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے پروردگار جل و علیٰ (رَبِّهٖ) کی تلاش رضا کے صلے میں ملتا ہے"۔ یعنی اِس دنیا کے اندر جسکو جو کچھ مل رہا ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہا ہے۔ یہانپر اِس جلیل القدر کلیئے کی صداقت پر بحث نہیں صرف لفظ 'نعمت' سے سروکار ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (۹۳: ۱۱)، یہانپر بھی نعمت صاف دنیاوی ہے۔

(۹) اِن تمام نصوص صریحہ کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، قرآن میں چند موقعے ایسے بھی ہیں جہاں نعمت کا مفہوم بادی النظر میں

---

[1] ضمناً اس آیہ شریفہ میں تَهْتَدُوْنَ کا لفظ بصراحت تمام ظاہر کرتا ہے کہ ہدایت کا قرآنی مفہوم اتحاد ہی ہے۔ اس مفہوم کی کئی مثالیں میں نے صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں دی ہیں۔

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۸) مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، یا کم از کم اس مفہوم کے متعلق وہاں پر تاویل کی بہت کچھ گنجائش ممکن ہے۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہ کے مشہور قصے کے ضمن میں ہے: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ (۳۳ : ۳۷)، یعنی "اے محمدؐ! وہ بھی عجب وقت تھا جب تم زید بن حارثہ کو، جس پر خدا نے چند در چند احسانات کیے تھے، اور تم بھی اس پر احسان کر رہے تھے، سمجھاتے تھے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر"۔ یہاں شارحین نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بچپن سے پالا تھا، پھر غلامی سے آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن اُنسے بیاہ دی، وغیرہ وغیرہ۔ 'اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ' میں انہی احسانوں کیطرف اشارہ ہے۔ یہ سب نبوی انعامات ظاہر ہے کہ مادی اور دنیاوی تھے، تخیل کی کوئی پرواز ان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی، لیکن اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ خیال آفرینی کر کے "اسلام کی روحانی نعمت" کو انعام خدا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خدائے عزوجل نے اس آیۂ شریفہ میں حضرت زیدؓ کو اسی روحانی نعمت کا احسان جتلایا ہو مگر الفاظِ وحی کے اندر اس دعوے کی قطعًا کوئی سند موجود نہیں نہیں بلکہ جب پیغمبر خدا کے انعام و احسان کی نوعیت دنیاوی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اسی قطع کے یاد دلائے ہوں۔ ایک بے حیثیت اور بیچیز غلام کا پیغمبر عرب کی خالہ زاد بہن سے رشتہ کر دینا ہی میرے نزدیک اُس منعم بے حساب کا وہ غیر مترقبہ انعام تھا جس کو صحیح معنوں میں 'اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ' کہا جا سکتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا احسان کم از کم یہاں پر نہیں جتلایا کیوں کہ اوّلًا اس کی تخصیص صرف زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ سب مسلمان اس میں داخل تھے۔ ثانیًا اس احسان کو یاد دلانا یہاں پر اصلًا غیر متعلق ہے کیوں کہ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ سے اس کا کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اگر عورت کو طلاق دینا اسلام میں شرعًا ممنوع ہوتا تو زیدؓ کے مسلمان ہونے کا احسان یاد دلانا کچھ معنی رکھتا۔ یہاں صرف اس قدر کہا گیا ہے کہ تو دیکھ اُن احسانات کو نہ بھول جو خدا نے تمہاری ذات پر کیے، تم کو ایک ادنےٰ طبقے سے اُٹھا کر پیغمبر خدا کا کفو اور عرب کا سردار بنا دیا، خود پیغمبرؐ نے تم کو پالا پوسا، غلامی سے آزاد کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے منعم کی بہن کو طلاق دینے سے ڈر اور خدا کا خوف کر۔ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات پر اُبھارا تھا کہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے اور پوری ہمت دکھلا کر ارضِ مقدس پر حملہ کر دیں، دشمن کے بالمقابل جم کر لڑیں اور کسی حالت میں پیٹھ نہ دکھلائیں، مگر صدیوں کی یہ محکوم قوم اپنی موروثہ بزدلی اور جبن کے باعث اُس "زبردست دشمن" (قَوْمًا جَبَّارِیْنَ (۵ : ۲۲)) پر ہجوم کرنے کے لیئے آمادہ نہ ہو سکی اور لنگ عذرات پیش کر کے ٹال دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے، بنی اسرائیل کے دو جواں مرد یوشع اور کالب عام قوم کے برخلاف، اس برانگیخت میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ہمزبان تھے، اُن کی بابت ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۵ : ۲۳)، یعنی بنی اسرائیل کے اس بیہودہ عذر پر خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں (مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ)، اور اُسکا سچا تقویٰ کرنے والوں (مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ) میں سے دو شخصوں نے جن پر خدا نے خاص احسان کیا تھا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا)، کہا کہ اے نامردو! دشمنوں کی ظاہری ڈیل ڈول کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ اُنکے گرانڈیل قد دیکھکر بزدل نہ بن جاؤ (دیکھو آیۂ (۵ : ۲۲))، تم جس طرح بن پڑے چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھسو، اور جب دروازے پر قبضہ کر لیا تو بلاشبہ فتح تمہاری ہی ہے، اور یاد رکھو کہ اگر تم میں ایمان موجود ہے تو ایک دم آمادۂ سعی ہو کر نتائج کو خدا پر چھوڑ دو (فَتَوَكَّلُوْٓا)۔" تمام رکوع کا سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰهُ سے مراد وہ **ہمتِ مردانہ** اور وہ **عزمِ صمیم** ہے جو ان بندگانِ خدا کو تمام قوم کے جمود و سکون کے بالمقابل بارگاہ خدا سے عطا ہوا تھا، اور یہی وہ **قوّتِ ایمانی** تھی جسکو بعض مجمل پسند اصحاب نے 'روحانیت' سے تعبیر کیا ہے۔ ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ روحانی نعمت دراصل انسان کی اُس اخلاقی برتری، اسکے اُس علوِّ ہمت اور تربیتِ نفس کا دوسرا نام ہے جس کا نتیجہ دنیاوی تمکن اور امن ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں۔ اس آیۂ شریفہ میں یوشع اور کالب کی 'روحانیت' یا بعبارۂ اُخرٰے اُنپر خدا کا انعام یہی تھا کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبر کے

وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۱: ۵-۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) حکم کی **اطاعت** کرنا اپنا فرض عین سمجھ لیا تھا، اور اسکی تعمیل میں اپنی جانوں کو لڑا دینے سے نہیں جھجکتے تھے پس "نعمت" سے مراد یہاں پر بھی وہ **توفیق عمل** ہے جسکا نتیجہ قوم کی **دنیاوی** راحت ہی ہے، وہ کوئی اعتکافی کسرت یا تسبیحی ورزش نہیں جسکا اس دنیا میں بظاہر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ایمان اور علو اخلاق کی یہی وہ عملی اور نفع مند حیثیت ہے جس کی بنا پر خدائے عزوجل نے احکام الٰہی کے عاملوں، اور رسول کے **بالمشافہ احکام کی تعمیل کرنے والوں** کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا لقب عطا فرمایا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۴: ۶۹) یعنی "مسلمانو! تم میں سے جس شخص نے اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا، اور جس نے رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل تندہی اور خلوص نیت سے کی تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں اور مثل انکے اُخروی اجر کے مستحق ہوں گے (مَعَ الَّذِيْنَ) جنپر اللہ نے اپنا خاص احسان کیا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے (مِنَ النَّبِيّٖنَ) یا وہ 'صادق' لوگ جنہوں نے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا (وَالصِّدِّيْقِيْنَ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) یا وہ 'شہدائے' خدا جو اپنے بلا مزد اعمال سے خدا کی گواہی دیتے دیتے چل بسے (وَالشُّهَدَآءِ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵) یا وہ 'صالح العمل' لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت درست کی (وَالصّٰلِحِيْنَ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۸) اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔ 'اطاعت رسول' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک ضمنی بحث صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلعم کے اُن بالمشافہ احکام کی فوری تعمیل ہے جو آپ بحیثیت قائد اعظم یا رہنمائے اُمت وقتی اور مقامی حالات کو مدنظر رکھکر دیا کرتے تھے، اور جن کا منتہائے نظر تقویت جماعت یا غلبہ اسلام ہی تھا۔ چنانچہ یہاں پر بھی جہاد بالسیف اور ہجرت وطن کے احکام اس آیت سے پیشتر آیہ (۴: ۶۶) میں اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ کے الفاظ میں ہو چکے ہیں۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ کا محاکمہ بھی اسی قطع کے جان و مال ایثار کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ اس بنا پر مختصر الفاظ میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہاں پر بھی **وہ توفیق عمل ہے جو ایمان کا جزو لاینفک ہے اور جسکا اس دنیا میں نتیجہ فلاح قوم، اور آگے چل کر فلاح آخرت ہی**، اسکے ماسوا کچھ نہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی اوامر و نواہی کے اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعد ازاں انہیں سے چند سہل احکام مثلاً نماز روزہ کو لینے لیے پسند فرما کر اُن کی انفرادی مشق پیدا کر لی ہے، اور زہد و تورع کی اس عامیانہ شان کو 'روحانیت' فرض کر کے اپنے آپ کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا مصداق مانا ہے اُنکے لیئے یہ آیت از بس سبق آموز ہے۔ 'صدیق' اور 'شہداء' اور 'صالحین' اور 'انبیاء' کی ہمدوشی کا مقام حاصل کرنیکے لیئے **انتہائی سعی و عمل شرط** ہے، جان و مال کی **قربانی شرط** ہے، خدمت **عباد شرط** ہے وغیرہ وغیرہ، پس وہی شخص اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے جو اُن **جیسے نتیجہ خیز** اور **غلبہ اندوز، مصلح قوم اور محرک اعضا کام کر رہا ہے**۔ سورہ مریم میں 'صدیق العمل' ابراہیم (۱۹: ۴۱)، 'مخلص الاعمال' موسیٰ (۱۹: ۵۱)، اور 'صادق الوعد' اسمٰعیل (۱۹: ۵۴) علیہم السلام کے ذکر کے بعد ارشاد الٰہی ہے: وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ تا (۱۹: ۵۶-۵۸) یعنی "اے پیغمبر! ابراہیم اور موسیٰ اور اسمٰعیل کے جلیل القدر کارناموں کو یاد کرنیکے بعد اس ہماری کتاب میں ادریس کا تذکرہ بھی کرو کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ یہ کارکن شخص بھی اپنے اعمال و افعال سے اپنے ایمان کی بڑی ہی تصدیق کرنے والا (صِدِّيْقًا)، اور قانون خدا سے بڑا ہی باخبر (نَبِيًّا) تھا، اور اسی وجہ سے ہم نے اُسکو ایک نہایت بلند منصب پر سرفراز کیا تھا، (مَكَانًا عَلِيًّا)۔ اولاد آدم میں سے یہی وہ انبیاء لوگ تھے جنپر خدا نے اپنے بیحد احسان کیے، اور جو اس دنیا سے فی الحقیقت سرخرو ہو کر گئے"۔ گویا یہ عمل کے ذریعے سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھانا اور "صدیق" بننا ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سچی "روحانیت" ہی ہے۔ گوشہ نشین بنکر خدا خدا کہتے رہنا اور مخلوق سے بے نیاز ہو جانا درحقیقت نہ کوئی عمل ہے اور نہ اسمیں خلق خدا کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کی

اے پروردگار عالم اور اے نعمتوں کے بخشنے والے خدا! تو ہم سب کو اُس سیدھے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۰) بے مثال عملی زندگیوں، اُنکے اس دنیا میں عالم انگیز کارناموں، اور مخلوق خدا کی اجتماعی اصلاح کے بارے میں اُن کی اَن تھک کوششوں کو پیش نظر رکھکر ہی ربِ زمین و آسمان نے جابجا اُنپر سلام بھیجا ہے، اُنکے اعمال کو سراہا ہے، اور عوام کے سامنے اُنکو بطور نمونہ پیش کر کے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا عزیز القدر لقب دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جابجا اِن سلام بھیجنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جن کے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔

(۳) انبیائے عظام کی اسی عاملانہ حیثیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ زخرف میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ (۴۳: ۵۹)، یعنی مسیح تو فی الحقیقت ہمارا ایک حکمبردار اور کارکن غلام (عَبْدٌ)۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۔ الخ ہی تھا جس پر ہم نے اپنی جناب سے توفیق عمل عطا فرما کر خاص الخاص احسان کیا تھا (اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ)، اور یہ روح عمل اس حد تک ارزانی کر دی تھی کہ ہم نے اُسکو بنی اسرائیل کی جمود زدہ اور غافل قوم کے لیئے ایک نمونہ (مَثَلًا) بنا دیا"۔ بنی اسرائیل کے اس باعمل اولوالعزم نبیؑ پر خدائے جل وعلےٰ کے یہی وہ بے مثال انعامات تھے جن کی بنا پر سورۂ مائدہ میں حضرت کی والدہؑ پر احسان جتلایا ہے۔ یہاں پر ربط قائم کرنیکے لیئے اس سے پہلی آیت بھی نقل کر دی جاتی ہے جس سے احسان جتلانے کا سبب اور بھی واضح ہو جائے گا:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م (۵: ۱۰۹-۱۱۰)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی نہایت ہی کڑا اور کپکپا دینے والا ہوگا جب وہ مالک زمین و آسمان اور صاحب کبریاؤ جبروت خدا اپنے سب پیغامبروں اور قاصدوں کو اکٹھا کر کے (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اُن سے اپنے پیغام کے صحیح طور پر ادا کرنیکے متعلق محاسبہ کرے گا اور فرمائے گا کہ بہت خوب! آج تم اپنا اپنا بیان پیش کرو کہ ساکنانِ زمین کی طرف سے تم کو ہمارے پیغام کا کیا جواب ملا (فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (۵: ۱۰۹))، اُنہوں نے تم کو کیونکر قبول کیا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ)، اُس کا باشندگانِ زمین پر کیا اثر ہوا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اور بعد ازاں اور پیغمبروں سے صرف نظر کر کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جس کی امت نے پیغام رب العالمین کی ہیئت کو قطعی مسخ کر کے اُسکو "خدا کا بیٹا" بنا لیا تھا متوجہ ہوگا اور فرمائیگا (اِذْ قَالَ اللّٰهُ) کہ اے مریم کے بیٹے عیسےٰ! تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیئے تھے۔

سورۂ مائدہ کے دو آخری رکوعوں کے مطالب کو مربوط کرنے کا یہ موقع نہیں بلکہ پوری آیت (۵: ۱۱۰) کی شرح و بسط کر دینا ہی یہاں پر بہت کچھ پیش از وقت ہے، مگر اوقاف قرآن کے رموز کو جاننے والے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر بطور خود پہنچ سکتے ہیں کہ اس آیۂ شریفہ میں اِذْ قَالَ اللّٰهُ سے عَلٰى وَالِدَتِكَ تک ایک مستقل بیان ہے جس میں خدائے عظیم نے احتساباً بلکہ تہدید آمیز لہجے میں حضرت عیسیٰؑ کی توفیق عمل و تعہد نبوت کو اُنپر بلکہ اُن کی ماں پر بھی احسان کے طور پر جتلایا ہے۔ اِس دعوے کی تائید علامت م سے ہوتی ہے جو وَالِدَتِكَ کے بعد ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ اِسکے بعد ٹھیر جانا لازمی ہے۔ ورنہ بعد کی عبارت سے ملا کر پڑھنے سے مطالب کے بگڑ جانے (حتیٰ کہ بعض ظاہر پرست اشخاص کے نزدیک کفر کے مرتکب ہونے) کا خوف ہے! گویا تم جیسے باعمل اور کارکن شخص کا ہونا ہی تم پر خدا کا ایک احسان عظیم تھا، اور بالخصوص اُس ماں پر جسنے ایسا سپوت جنا"۔ ماں اور بیٹے دونوں کو احسان جتلانے کا سبب سولہویں رکوع کے شروع میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں پندرھویں رکوع کے بعد انبیائے جہاں کے بھرے مجمع میں فرمایا ہے کہ "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے فی الحقیقت لوگوں کو کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو"؟ حالانکہ میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل کا سردار بنایا تھا اور تمہاری ماں کو ایسا کارکن بیٹا دیا تھا۔ اکثر شارحین نے کلام خدا کے ربط کو نظر انداز کر کے آیہ (۵: ۱۱۰) میں وَالِدَتِكَ کے بعد کی عبارت کو متذکرہ صدر ٹکڑے سے ملا کر اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وغیرہ وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے۔ یہ واقعات یعنی تائید روح القدس اور کلام فی المہد وغیرہ خواہ ان کا مفہوم کچھ ہی ہو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش

راستے پر لے چل، ان لوگوں کے رستے پر جن کو تُو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۱) احسان کے عائد ہوسکتے مگر **حضرت مریم پر ان کا جتانا کچھ بے معنی سا ہے**۔ یہ آیت اس امر کی بہترین مثال ہے کہ قرآن حکیم کے اوقاف اور نشانات رکوع جو علمائے سلف نے حجاج ابن یوسف کے زمانے میں لگائے تھے کس حزم و احتیاط سے لگائے اور انکو کلام الٰہی کے صحیح مطالب پرکتنا عبور تھا۔ اس بنا پر میرا غالب گمان بلکہ یقین یہی ہے کہ آیۂ (۵ : ۱۱۰) میں بھی نعمت سے مراد حضرت کی وہ حیرت انگیز روح عمل تھی جسنے اسکو **مَثَلًا** لِّبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۴۳ : ۵۹﴾ بنا دیا تھا، اور نوعیت احسان حضرت مریم پر یہی ہے کہ ایسے جلیل الشان نبی کی ماں تھیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی بنا پر سورۂ آل عمران میں ولادت مسیح کی بشارت دینے والے 'ملائک' کا خطاب مریم علیہا السلام سے: اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۳ : ۴۲﴾ یعنی "اے مریم! اسمیں شک نہیں کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے تم کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ دنیا جہان کی عورتوں سے تمہیں اس منصب یعنی اُمّ نبیؑ بننے کے لیے پسند فرمایا ہے" قرآن حکیم کے مطالب میں مزید غور و خوض کرنے والے شاید اس نتیجے پر بھی پہونچ سکیں کہ یہ انتخاب محض بے سبب یا علی الحساب نہ ہوا تھا بلکہ خود مریم علیہا السلام کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی، اُن کا عملی ایمان، اُن کی **صدیقیت اور حکمبرداری** اس انعام و اکرام کا باعث ہوئی تھی جیسا کہ سورۂ تحریم کے اخیر میں رب بے مثال نے وَضَرَبَ اللّٰهُ **مَثَلًا** لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ میں زوجۂ فرعون (آسیہ) اور مریم علیہا السلام کی زندگیوں کو **ایمان والوں کے لیے بطور نمونہ پیش کر کے** مؤخر الذکر کے حق میں فرمایا ہے: وَ**صَدَّقَتۡ** بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ ﴿۶۶ : ۱۲﴾ یعنی "اے ایمان والو! مریم علیہا السلام کی پاکیزہ زندگی تمہارے لیے نمونۂ عمل اس وجہ سے ہے کہ نیک اور باعمل خاتون ہمیشہ احکام خدا کی بذریعہ عمل تصدیق کرتی رہی، اور اسکی بھیجی ہوئی کتابوں کو قانون خدا سمجھکر اُس پر حتی الوسع عمل پیرا رہی، اور وہ فی الحقیقت خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ایک بندی تھی" یہی توفیق عمل صحیح معنوں میں وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی بنا پر سورۂ مومنون میں عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ دونوں کو "**خدا کی نشانی**" کہا گیا ہے، وَجَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗۤ **اٰيَةً** ﴿۲۳ : ۵۰﴾ یعنی "ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو اُن کی بے لوث و باعمل زندگی کی وجہ سے خدا کی قدرت کی ایک نشانی اور اعجوبہ بنا دیا تھا" اور اسی نعمت کا ذکر آیۂ (۵ : ۱۱۰) میں ہے جس کی تشریح میں یہ سب ضمنی آیتیں پیش کی گئی ہیں۔

ان تمام حیرت انگیز شہادتوں سے جو متذکرۂ صدر عنوانات (الف-ز) میں پیش ہوئیں بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ نعمت کا الٰہی مفہوم **ہمہ تن اور بہر کیف دنیاوی ہی ہے**، کہیں اس سے مراد وہ **اجتماعی تمکن اور رحمت ہے** جو منعم حقیقی اقوام عالم کو ان کے حُسنِ عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے (الف) (۵۳ : ۸)، (۵۴ : ۳۵)، (ی) (۱۴ : ۶)، (۵ : ۲۰)، (۲ : ۲۱۱)، (۲ : ۴۷)، (۲ : ۱۲۲)، (۲ : ۴۰)، (۴۴ : ۲۷) (ھ) (۵ : ۱۱)، (۳ : ۱۷۳)، (۳ : ۱۷۰)، (۴۸ : ۲)، (۵ : ۳)، (۲ : ۲۳۱)، (۵ : ۷)، (۲ : ۱۵۰)، (۲۹ : ۶۷))، کہیں اس سے مقصود انفرادی مگر دنیاوی انعام و اکرام ہیں (الف) (۶۸ : ۴۹)، (۴۶ : ۱۵)، (۱۲ : ۶)؛ (ب) (۳۹ : ۴۹)، (۴۱ : ۵۱)، (۱۷ : ۸۳)، (۳۹ : ۸)، (۱۶ : ۵۳)، (۱۱ : ۱۰)؛ (ھ) (۶۸ : ۲)، (۹۳ : ۱۱)؛ (و) (۳۳ : ۳۷))؛ کہیں پیش نظر **بنی نوع انسان کے عام عطیات** کو یاد دلاتا ہے (الف) (۱۴ : ۳۴)؛ (ج) (۱۶ : ۸۳)، (۱۶ : ۷۱)، (۱۶ : ۷۲)، (۳۵ : ۳)، (۳۱ : ۲۰))، کہیں نعمت سے مراد اجتماعی بہتری کے لیے **تائید خدا** ہے (ھ) (۳۳ : ۹)؛ کہیں وہ **حفظ نفس** کے مرادف ہے (ھ) (۵ : ۱۱)، کہیں یہ **خانگی مصالحت، معاشری امن، یا بدنی طہارت** ہے (ھ) (۵ : ۶)، (۲ : ۲۳۱))، کہیں اسکا مطمح نظر **علم** ہے، (الف) (۱۲ : ۶))، کہیں وہ **توفیق عمل** ہے جس کا نتیجہ دنیاوی اصلاح اور اجتماعی امن ہے (و) (۵ : ۲۳)، (۱۴ : ۲۹)، (۱۹ : ۵۶-۵۸)، (ز) (۴۳ : ۵۹)، (۵ : ۱۱۰)) وغیرہ وغیرہ۔ پس سورۂ فاتحہ کے صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں بھی انہی دنیاوی اور اجتماعی انعاموں کی طرف اشارہ ہے، فرضی یا خیالی، روحانی یا اُخروی انعاموں کی طرف حتماً نہیں۔ وہی قوم صراط مستقیم پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے جو اُس **منعم بے مثال کے اجتماعی انعاموں کی طرف لپک رہی ہے**، جو اس غرض و غایت کو پیش نظر رکھکر اپنے افراد میں سعی و عمل

ﻋﻪ یہ الفاظ آیہ (۶۶ : ۱۱) میں آئے ہیں۔

اُن کی راہ نہ دکھا جو تیرے غیظ و غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور نہ اُنکی جو تیرے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۲) پیدا کر رہی ہے جو محافظِ نفس ہے، زور آور اور تنومند ہے، فاتح اور غالب ہو۔ ایسی ہی اُمت کے لیے اُخروی انعام بھی وقف ہیں، اور یہی وہ قوم ہے جسکی روحانیت اور تقوٰی، جسکا اخلاقی تفضل اور عملی تعبد اسکو رضائے خدا کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز راہ پر لیجا رہا ہے! لیکن اصل کتاب میں بعینہ اسی نتیجے پر ایک اور طریقے سے پونہچنے کی سعی کیجائے گی۔

والمَغضُوبِ عَلَيهِم، کے صحیح مفہوم کے متعلق بھی قرآن حکیم میں کئی جگہ شہادت موجود ہے۔ یہودیوں کی اجتماعی شکست و ریخت و اُن کے سیاسی انحطاط کے ذکر میں دو جگہ ہے: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲: ۶۱)، وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (۳: ۱۱۱)، یعنی اُنپر ذلت اور غربت لیس دی گئی، اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے"۔ سورۂ اعراف میں: اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۷: ۱۵۲)، یعنی جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے ان پر عنقریب غضب خدا نازل ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ذلت اُنکے دامنگیر ہو گی"۔ اور بھی جہاں جہاں غضبُ اللّٰہ کے الفاظ آئے ہیں اُن سے مراد اجتماعی انحطاط یا ہلاکت ہی ہے، اس شہادت کو یہاں جمع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مابہ النزاع محض اسقدر ہے کہ المَغضُوبِ عَلَيهِم سے مراد صرف یہودی نہیں بلکہ جس قوم کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار زائل ہو رہا ہے، جو قوم ہلاکت کے قریب پونہچ رہی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے، اُسمیں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں۔ اس امر کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کے اندر مفصلہ ذیل آیات میں ہے جنکے محاکے کی تعمیم اظہر الشمس ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (۲۰: ۸۰-۸۲)

(پہر لوگو! خروج مصر کے واقعہ عظمٰی کے بعد ہم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں موسٰی علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے اب تم جیسی جبور زدہ اور غلامی میں پلی ہوئی قوم کو ظالم کار دشمن کی مضبوط گرفت سے نجات دیدی ہے اور مقدس اور بابرکت کوہ طور (کوہ سینا) کے دامن میں تم کو جمع کر کے تم سے احکام خدا کی تعمیل، اور بشرط تعمیل تمہاری اجتماعی بہبودی کے سامان مہیا کرنے کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا ہے (وٰعَدْنٰكُمْ) اور یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی پختگی کے بعد عین قادیش کی پر فضا وادیوں میں تم کو آباد کر کے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۹۷) تم پر شیریں و رخت طرح (المَنّ) اور بٹیروں کے شکار کا مائدہ مہمانی کے طور پر نازل کر دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے اس معاہدے کی تکمیل کر سکو، تو اب تم بیفکری سے جو عمدہ روزی ہم نے تمکو دی ہے کھاؤ پیو، لیکن اس ہمارے عہد کے بارے میں جو ہم نے تم سے کیا ہے سر مو تجاوز نہ کرو (لَا تَطْغَوْا فِيْهِ) اگر ایسا کرو گے تو تمپر ہمارا غضب نازل ہو گا، اور جس قوم پر ہمارا غضب آن نازل ہوا تو جانے رہو کہ وہ قوم ہلاک ہو گئی (هَوٰى) اور یہ بھی سمجھے رہو کہ جو قوم میرے قانون کی طرف لوٹ آئی (تَابَ) جسنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (وَاٰمَنَ) اور جسنے مناسب اعمال ہی کیے (عَمِلَ صَالِحًا)، اور بعد ازیں اس راہ راست پر قائم بھی رہی تو میں اُس قوم کے حق میں بڑا پردہ پوش ہوں (لَغَفَّارٌ)۔

من یہاں پر اجتماعی موصول ہے جسکی شرح و بسط صفحہ ۲۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو قوم ہلاک ہو رہی ہو اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہو۔ یہ ایک عام اور مطلق محاکمہ قرآن حکیم کا ہے جسمیں بنی اسرائیل کی کچھ تخصیص نہیں پس اس تمام نظر سے بھی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں اس امر کی استدعا ہے کہ اسلامی اُمت اس راہ پر چلے جسپر چلکر اجتماعی ہلاکت کا سامنا ہو گویا یہ قوم کی دنیاوی حالت کا بگڑنا ہی صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کے مترادف ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر الضَّآلِّيْنَ کے مطالب بھی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور اس امر کے تتبع کی مزید حاجت نہیں رہتی کہ اجتماعی انحطاط کا واقع ہو جانا ہی صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کی حتمی تائید دو اور آیات الٰہی (۴۷: ۱۲۶) (۱۹: ۹۳) سے ہوتی ہے جو علی الترتیب صفحہ ۱۲ اور ۱۹۲ پر آ چکی ہیں اور جنکے متعلقہ حاشیوں سے ظاہر ہے کہ کسی قوم کا اجتماعی طور پر تمکن فی الارض یا تشتت نہ ہونا اور اُمت واحدہ بن کر نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کے علاوہ ایک اور معنی فقدانِ علم ہے جسکا ذکر مقدمہ کتاب صفحہ ۸۰، ۹۳، ۹۵ کے حاشیوں پر ہو چکا ہے۔

بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

"صراطِ مستقیم"

یہ تھا سچا فلسفہ اُس **نماز** کا جسکے اہم ترحصے کو خود خدائے جل وعلی نے مومنوں کی ہدایت اور آیندہ نسلوں کی رہنمائی اور اطمینان مزید کے لیئے، بطور وحی نازل کر کے قرآن کے ورقِ اوّل پر لکھدیا تھا، یہی وہ واحد، فراخور سعی، اور درخورِ طلب نصب العین تھا جو اسلام کی دنیاوی اور اخروی بہتری کے اُس بہترین مجوّزنے، دن میں پانچوقت مسلمانوں کے پیش نظر کر دیا تھا! اس **صراط مستقیم** کی دعا میں ربّ العالمین کے حضور میں نعمت کے **جلد تر** عطا ہونے کی درخواست تھی*، اسمیں اُس اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا صبرگسل اشتیاق شعلہ زن تھا، اسمیں درنگ کی بے صبرانہ ترپ، اور تعویق والتوا کا بسلانہ اضطراب تھا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ (۴ : ۱۷۶)

سو جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا، اور جم کر اُسکے قانون کی تعمیل کرتے رہے، اُنھیں عنقریب اپنی مہربانیوں اور بخششوں سے مالامال کر دے گا۔ اور اُنھیں دنیاوی مرفہ الحالی کیطرف مختصر سے مختصر، اور قریب سے قریب راستے سے لے آئیگا۔

اسمیں اوّلین فرصت پر، اور سہل تر طریقے سے، اِس معاملے کو طے کرنے کی خواہش کیگئی تھی، اسمیں گنجایش صبر اور تابِ مہلت کا انکار تھا، اسمیں ناقابلیت اور سوءِ تدبیر، نادور بینی اور غلط طریقِ عمل کی مشکلات سے

* اس آیہ کریمہ میں الفاظ یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ اِس امر کی شہادت ہیں کہ صراطِ مستقیم کا اصلی مفہوم مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستہ بھی ہے۔ دو مقامات کے درمیان سب سے مختصر راستہ خطِ مستقیم ہے، اور ایک شئے کو دوسری شئے کی طرف سیدھے راستے سے لیجانے میں اختصار اور سرعتِ نقل و حرکت دونوں مدنظر ہوتی ہیں، ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے میں لامحالہ طوالت اور دیری دونوں کا خوف لاحق ہے پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۱ : ۵-۶) کی دعا در اصل اس نعمت تک نہایت سرعت اور مختصر سے مختصر راستے سے پہنچنے کی دعا بھی ہے اور اسمیں اس نعمت کے جلد تر حاصل ہونے کا اضطراب مضمر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلوں کی یہی وہ اضطراری کیفیت تھی جو نماز کے وقت منعم حقیقی کے حضور میں انکو خشوع و خضوع کرنے، بلکہ بار بار اُٹھنے اور بیٹھنے پر بدل مجبور کر دیتی تھی۔ آج یہی اضطرار

نجات مانگی گئی تھی؛ اسمیں عام انسانی لغزشوں، اور سہو و خطا کی طویل اور دشوار گذار راہوں سے پناہ طلب کیگئی تھی۔ یہ ہر اسلامی معاملے میں حسن عمل کی استدعا، اور عطائے سہولت کی عرضداشت تھی؛ نہیں یہ ہر متنفس کی طرف سے سطح زمین کی تمام اسلامی جماعت کے حق میں توفیق عمل کی گذارش تھی: اِهْدِنَا[۵۱] الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ ریگستان عرب کے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس کی یہ جماعت صبح و شام، زوال آفتاب پر اور دن ڈھلے، رات کی خاموشیوں اور دن کی مصروف کاریوں میں، ایک مرکزی طرف قبلہ رو ہوکر، نہایت عجز و الحاح سے یہ کہا کرتی تھی کہ اے آلہ العالمین! تو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش

۵۱ ہماری تمام امت کو نعمت کا صراط مستقیم دکھا۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۱۰۵-۷) ہمنا کا صیغہ جمع کا ہے اسلیئے خطاب تمام اُمت کی طرف سے ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۴) ہر غرضمند شخص اپنے دنیاوی منعم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوکر ظاہر کرتا ہے، وہ انعام کو جلد تر حاصل کرنے اور اپنے منعم کے دل کو اقل قلیل مدت میں نرم کرنے کی غرض سے کبھی اُسکے پاؤں پڑتا ہے، کبھی اپنی پگڑی اُسکے پاؤں پر ڈال دیتا ہے، کبھی اُسکے آگے زمین پر سجدہ کرتا ہے، کبھی گرگر کر اُٹھتا ہے اور پھر ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اس تمام اضطراری عمل سے مقصود منعم کے دل کو نعمت کے فوراً عطا کرنے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور میرا یقین ہے کہ نماز کے قومے اور قعدے بھی اُس منعم حقیقی کے حضور میں اسی کیفیت دل اور اضطراب کے مظاہر تھے اگرچہ آج وہ سب کیفیت حال ہر نمازی کے دل سے اصلاً محو ہوچکا ہے۔ فَسَيُنْغِضُونَ کے سَ سے بھی، جو مستقبل قریب کے لیئے بالعموم استعمال ہوتا ہے، یہی انعام کا جلد تر عطا ہونا مترشح ہوتا ہے۔ رَحْمَةٍ اور فَضْلٍ کے دنیاوی مفہوم کے متعلق شہادتیں صفحہ ۲۱۶ کے تحت المتن میں اور چند صفحہ ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۵۲ پر گذر چکی ہیں، باقی شہادت کو خوف طوالت کے باعث نظرانداز کردیا ہے۔

يَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا میں اِلَيْهِ کی ضمیر کو بعض روح پسند اور سطح بین اصحاب نے خدا کی طرف پھیرا ہے اور اس جملے کا مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ایمان والوں کو "خدا اپنی طرف کا سیدھا رستہ دکھاویگا"۔ ادنیٰ تامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی طرف کا سیدھا رستہ' وہ ناقابل درک شے ہے کہ اُسکے صحیح مفہوم کے متعلق ایک برس بحث کرنیکے بعد بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ہم نے اِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع فَضْلٍ ظاہر کیا ہے، یہی اَز روئے قواعد صحیح تر مرجع ہے، اور اسی سے مطالب بالکل مربوط ہوجاتے ہیں۔

۵۲ یہاں پر نَا کی ضمیر اس امر کی شہادت ہے کہ صراط مستقیم کی درخواست تمام جماعت کی طرف سے ہے، انفرادی نہیں۔ اور اسی لیئے صراط مستقیم بھی لامحالہ وہ اجتماعی طریق عمل ہے جس پر چلکر جماعت کے دنیاوی انعام حاصل ہوتے ہیں جیساکہ آگے چلکر ثابت ہوگا۔ اسلامی نماز کی تمام قراءت میں جو بات غور طلب اور دلچسپ ہے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں (جسکو پیش امام اُمت کے قائم مقام ہونے کی سے بآواز بلند پڑھتا ہے درآنحالیکہ مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں) متکلم اور غائب کی سب ضمیریں جمع کی ہیں۔ باقی تمام حصص جو مقتدی دبی آواز میں بطور خود ادا کرتے ہیں سب کے سب انفرادی ہیں، اُن میں سب متکلم ضمیریں اور صیغے (ماسوا ایک کے) واحد ہیں گویا اجتماعی حصوں کو پیش امام کی زبان سے بآواز بلند کہنے اور انفرادی حصوں کو فرداً فرداً دبی آواز میں ادا کرنے کا سبب انکا اجتماعی اور انفرادی ہونا ہی ہے۔ اس مقام نظر سے ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی درخواست احمقانہ ہے یعنی ہے۔ اور نماز کو اسلامی جماعت سے الگ ہوکر، یا خانہ نشین بنکر ادا کرنے سے اُسکی اصلی غرض و غایت ایک بہت بڑی حد تک مفقود ہوجاتی ہے۔

* التحیات میں السلام علینا کی نا کی ضمیر لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک فرد کا سب اُمت پر انفرادی معنوں میں سلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ہیں جہاں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے، جہاں معاملات کی عظمت و اہمیت کے باعث کم علم اور کوتاہ بیں انسان کے لیئے اکثر اوقات حق و باطل میں تمیز، اور صحیح و غلط میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے تو دُنیا کے اس وسیع مجادلے میں اسلام کی جماعت کو حصول قوت کے سیدھے اور آسان طریقے بتا دے تو اُن میں حُسن تدبیر اور صلاح عمل کی اہلیت پیدا کرے تو اُن میں اعتصام خدا اور تسلیم، اتقا اور اتحاد کے جذبات موجزن کر دے! وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (۳: ۱۰۰-۱۰۲)[ل] تو اُن میں صبر کی توفیق اور توکل کی ہمت

[ل] اور جو لوگ اللہ کے دامن کو جم کر پکڑے رہے، (اُسکے قانون کی تن دہی سے تعمیل کر کے اُسی کا آسرا ڈھونڈتے رہے)، وہ تو صراط مستقیم پر لگ گئے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیئے راہ راست یہی ہے کہ مقام خدا سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو اور ایسا ڈر و جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اُسکے احکام کے آگے مرتے دم تک سر تسلیم خم رکھو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھُل مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور دیکھنا آپس میں تفریق ہرگز پیدا نہ ہونے دینا۔

✤ یہاں سے صراط مستقیم کی قرآنی تعریف شروع ہے۔ بعد کی آیات جو اس عنوان کے تحت میں پیش کی گئی ہیں۔ سب کی سب اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے مفہوم کی کسی ایک شق کی توضیح کر رہی ہیں۔ یہاں یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ ماسوا **ایک** مقام کے جس کا ذکر آگے چلکر کر دیا ہے، قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الفاظ (سورہ فاتحہ سے قطع نظر) اور کہیں نہیں آئے۔ سب موقعوں پر صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ بالتنوین موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الٰہی مفہوم کی صرف **ایک** شق بیان کر دی ہے، تمام و کمال مفہوم کا ادا کرنا اُس جا مقصود نہ تھا۔ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی تین شقیں یعنی (۱) **علم فطرت** کا حاصل کرنا صفحہ ۷۰۳۔ تحت المتن آیہ (۲۲: ۴۶) میں (۲) **حفظ نفس** پر کاربند ہونا صفحہ ۱۷۶۔ آیہ (۵: ۱۶) میں اور (۳) **اتحادِ امت** صفحہ ۱۸۸۔ آیہ (۲: ۲۱۳) میں بیان ہو چکی ہیں دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰۔

آیت زیر بحث (یعنی ۳: ۱۰۰) کے موضوع کی مماثلت صفحہ ۲۲۴ کی آیت (۴: ۱۷۶) سے واضح ہے۔ 'اعتصام باللہ' اور 'صراط مستقیم' کے الفاظ دونوں جگہ استعمال ہوئے ہیں اور مضمون بھی قریب قریب واحد ہے۔ آیہ (۳: ۱۰۱) سے نئے رکوع کے شروع ہونے کے باعث اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ لَا تَفَرَّقُوا یعنی اتحاد کے مضمون کو جو (آیہ ۳: ۱۰۲) میں آیا ہے صراط مستقیم کا ایک شقّی مفہوم سمجھنا دور از کار تاویل ہے، مگر ادنیٰ تامّل بھی اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ یہ محاکمہ درست نہیں۔ اولاً قرآن حکیم میں نئے رکوع کا شروع ہونا اس امر کی حتماً کوئی دلیل نہیں کہ بعد کے رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق نہیں، برخلاف اس کے کلام الٰہی کے ربط کو سمجھنے والے اشخاص خوب جانتے ہیں کہ قرآنی رکوع بسا اوقات ایک سلسلۂ استدلال کی کئی منازل کے مابین بطور وقفے کے ہوا کرتے ہیں، انکے واقع ہونے سے اُس موضوع کا انقطاع مراد نہیں ہوتا۔ اکثر موقعوں پر کئی رکوعوں میں ایک ہی تواتر بیان اور تسلسل خیال چلا جاتا ہے۔ اور بعد کا رکوع پہلے رکوع کے دعاوی کا مؤید بن کر اُس بیان کی توکید مزید یا تشریح کر دیتا ہے۔ بعینہٖ یہی بات ان دو رکوعوں میں ہے جو زیر بحث آیات کے متعلق ہیں جیسا کہ کسی آیندہ موقع پر تمام سورۃ کا مربوط ترجمہ کرتے وقت عیاں ہو جائیگا۔ ثانیاً آیہ (۳: ۱۰۲) میں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا کے الفاظ اور آیہ (۳: ۱۰۰) میں يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ کو صراط مستقیم کی ایک شق قرار دینا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعد کے رکوع میں صراط مستقیم کے مفہوم کی مزید توضیح ہی لَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ میں کی گئی ہے اور مضمون برابر ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ گویا متفقہ طور پر اعتصام بحبل اللہ کرنا، اور فرقہ بندنہ بننا نہ صرف ایمان (آمَنُوا)، اور اتقا (اتَّقُوا اللَّهَ)، اور اسلام (وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ) ہی کی ایک اہم شق ہے بلکہ صراط مستقیم کا ایک شوشہ بھی ہے۔

عطا فرما! وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ؀ (۱۴: ۱۲)؛ تو اُن میں قانونِ خدا کا صحیح علم و عمل، اور ایمان کی اٹل طاقتیں قائم رکھ! وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ (۲۲: ۵۴)، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ (۴۲: ۵۲)؛ تو ان میں ایثارِ مال کے محبت انگیز ولولے اور ایثارِ جان کا نتیجہ خیز ہیجان پیدا کر! اَمْ تَسْـَٔــلُهُمْ خَرْجًا فَخَــرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ؀ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ (۲۳: ۷۲-۷۳)؛ تو ان کو تفریق کے ہولناک نتائج اور تشتت و انتشار کی

---

۵۱ اور قاصدانِ خدا نے قوم موسیٰ سے کہا کہ ہم کیوں نہ اپنا تمام معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، اور ڈٹ کر منشائے خدا کی تبلیغ و اشاعت کریں، حالانکہ اسنے ہمارا طریق عمل ہم کو بتلا دیا ہے۔ اور ہم کیوں نہ استقلال سے اس دُکھ کو برداشت کریں جو تم نے ہم کو دیا، اور توکل کرنیوالوں کو تو یہی چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

۵۲ اور خدا لامحالہ ان لوگوں کو جو اسکے خدا ہونے پر ایمان لے آئے اور جنہوں نے اسکی تصدیق میں فرمودۂ خدا اعمال کیئے، صراطِ مستقیم کیطرف ضرور لیجائیگا۔

۵۳ اے پیغمبر! تم اس سے پہلے کیا جانتے تھے کہ کتابِ خدا کیا چیز ہے، اور کیا سمجھتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں، مگر ہم نے اس ایمان کو تمہارے اندر نور کر دیا ہے جس سے تمام اصلیت تم پر کھل چکی ہے۔ اپنے بندوں میں جسکو ہم مناسب سمجھتے ہیں اس نور کے ذریعے سے رستہ دکھاتے ہیں، اور تم تو لامحالہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی چلا رہے ہو۔

۵۴ اے محمدؐ! کیا تم اِن نابکار اور ناانجام شناس لوگوں (یعنی منافق اہل عرب) سے خرچ مانگ رہے ہو، کیا تم اُمّت کی بہتری کے لیئے انکو ایثارِ مال کے واسطے کہہ رہے ہو، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خدا کا بھیجا ہوا مال جو سچے مسلمانوں کی وساطت سے تم کو ملا ہے تمہاری اُمّت کے حق میں بہتر ہے کیونکہ وہ دردمند لوگوں نے دیا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے اور تم تو لامحالہ اِن لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی بلا رہے ہو۔

---

۴۹ صَبْر کے صحیح مطالب صفحہ ۳۹، ۴۰، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۴۳، ۱۶۲ کے حاشیوں میں بیان ہو چکے ہیں، علیٰ ہذا القیاس تَوَکُّل کے جیسے لیئے صفحہ ۱۷۸ کا تحت المتن دیکھنا چاہیئے۔ ھَدٰىنَا سُبُلَنَا سے مراد صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہی ہے گویا مصائب کو استقلال سے برداشت کرنا، ان کا جم کر مقابلہ کرنا، ان کے دفعیئے کے لیئے سعی کرنا اور بعد ازآں نتائج کے بارے میں خدا کے فیصلوں پر بہرحال اعتماد کرنا اسلامی صراطِ مستقیم کی ایک شق ہے۔

۵۰ ایمان کی کڑی شرطوں اور اسکے قوت افزا اعمال کے متعلق مفصل بحث ابھی ابھی ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اٰمَنُوْا سے مراد صرف منہ سے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کہنا نہیں بلکہ اُن جانگزا اور روح فرسا اعمال کا کرنا ہے جسکا نتیجہ غلبہ قوم ہے اور انہی اعمال کو شعار بنا لینا صراطِ مستقیم کی طرف جاتا ہے۔

۵۱ اَلْکِتٰب کے مفہوم کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ الکتٰب سے مراد قانونِ خدا ہی ہے۔ اور یہ لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے کوئی خاص کتاب الٰہی مراد نہیں۔ "تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے" اُس وقت کہنا جب کہ قرآن آنحضرتؐ پر نازل بھی نہیں ہوا تھا بے معنی ہے۔ اِیْمَان سے مراد یہاں پر بھی وہ تکیف قلب ہے جسکا نتیجہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے، منہ سے کچھ کہکر چھوٹ جانا مراد نہیں۔ اس مقام نظر سے ایمان کو جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کہا گیا ہے۔ اور بالآخر اسکو صراطِ مستقیم کی ایک شق گردانا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کی ضمیر ھُوَ کا مرجع نہ صرف اِیْمَان بلکہ اَلْکِتٰب بھی ہو کیونکہ کتاب خدا کو نور سے تشبیہ پہلے بھی دی جا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۲۶۔ آیہ (۵: ۱۵)۔

لاعلاج شکست وریخت سے بچا! وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ٥[۵۱] (۲: ۲۱۳)؛ تو اُن میں اپنی سچی ملازمت اور لاشریک عبادت کے ولولے پیدا کردے! أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۙ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ٥[۵۲] (۳۶: ۶۰)؛ تو اسلامی اُمّت کے لیے ایک منسکِ عمل، ایک طریق ملازمت، اور ایک انداز عبادت مقرر کرچکنے کے بعد اُنکو اصل قانون (اتحاد) کے متعلق سب تنازعات سے باز رکھ! لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ[+] وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ٥[۵۳] (۲۲: ۶۷)؛ تو اُن کو صورتاً اور معناً ایک مرکز پر جمع کرکے اُنکی جماعت کو قوت کا لازوال مصدر، تمرکز کا بے مثال پیکر، اور شہادت خدا کا بیعدیل نمونہ بنادے! سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ

---

[۵۱] اور کتاب خدا کے متعلق تو انہی لوگوں نے آپس میں، صریح احکام آئے پیچھے، اختلاف قائم کرلیا جن کو وہ دی گئی تھی، اور اس اختلاف کی وجہ اُن کی آپس میں ضد ہی تھی۔ پھر حسن کار وہ راہ حق، جسکے بارے میں لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان ایمان والوں (یعنی قرون اولی کے مسلمانوں) کو دکھادی، اور اللہ تو جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔

[۵۲] اے اولاد آدم! کیا ہم تمکو وقتاً فوقتاً تاکید نہیں کرتے رہے، اور کیا ہم نے تم سب کی جبلت سے اِس بات کا معنوی عہد نہیں لیا کہ دیکھو شیطان کی غلامی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت اور عملی خدمت میں لگے رہنا کہ یہی صراط مستقیم ہے، (عبادت کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نماز نہیں کیونکہ کوئی شخص شیطان کی نماز نہیں پڑھتا مقصود عملی اطاعت ہی ہے۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۶۔ اس آیت کے مطالب کا مقابلہ آیہ (۵۱: ۵۶) صفحہ ۱۱۸ سے کرنا چاہیے۔

[۵۳] لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کردیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے لیکن اصل قانون سب کے لیئے ایک ہے۔ (اور وہ اتحاد ہے) تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں۔ پس تم سب دنیا کو اپنے پروردگار ہی کی طرف بلاکر ایک مرکز پر جمع کردو اور اسی توحید کے ذریعے سے اتحاد عالم پیدا کرو۔ اسمیں شک نہیں کہ اُمم عالم کے مابین اس اتحاد معنوی کے قائم کرنے میں تم لامحالہ صراط مستقیم پر ہو۔ الامر کی تشریح کیلئے آیندہ تحت المتن کے علاوہ دیباچہ کتاب صفحہ ۳-۹ و ۳۲-۳۳ کے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔

[+] اس مشکل آیت کے صحیح مفہوم کو میں نے متذکرہ صدر تشریح میں ظاہر کرنے کی سعی کی ہے اور مطالب کو گذشتہ اور آیندہ سیاق سورۃ سے مربوط کردیا ہے۔ محولہ بالا مطالب کی صحت کا اندازہ شاید اُس وقت زیادہ صراحت سے ہوسکے گا۔ جب سورۂ حج کے داخلی ربط اور مطالب کو جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے واضح کردیا جائے گا اور حج کی آلٰہی حکمت عملی بھی ذہن نشین ہوجائے گی۔ حج بیت الحرام کے متعلق ایک ابتدائی بحث دوسری جلد میں آنے والی ہے اور وہاں پر بھی اِس آیت کے مذکورہ بالا مطالب کی تصدیق کا موقع مل رہے گا۔ یہاں پر فی الحال لفظ "مَنْسَكًا" اور لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے صحیح مفہوم سے بحث ہے۔ مَنْسَك کے معنی میں نے "نشانِ ملازمت خدا" کیئے ہیں، اور میری مراد اس سے وہ اجتماعی رسم و رسوم اور شرعی رواجات ہیں جن کے ذریعے سے روئے زمین کی ہر قوم بلالحاظ مذہب و ملت وقتاً فوقتاً معبود سے اپنے تعبّد اور تعلق کا رسمی اظہار کرتی رہتی ہے۔ بعض امتوں میں یہ مناسک حیوانی قربانیاں ہیں، بعض میں سالانہ اجتماع اور میلے ہیں، بعض میں کسی ظاہری نشان مثل قشقہ و زنار کا لگاتے رکھنا ہے، بعض میں عجیب و غریب اور ناقابل فہم رسومات ہیں جن کی اصلی غرض و غایت مرور مدت کے باعث مسخ ہوچکی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان شرعی

مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲: ۱۴۲)

تو اُن کو ابراہیم کی مخلصانہ اطاعت اور ایک منعمی کے کامل اتحادِ عمل کی طرف مائل کر: قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ

۵۱ ناسمجھ اور نادان لوگ تو یہی کہیں گے کہ بھلا محمدؐ (صلعم) کے پیرو کیوں بے وجہ اور بلا سبب اپنے پہلے قبلے سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف آ گئے، اور وہ کیا ہی معمولی سی بات تھی جس پر یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائی مول لی۔ قانون خدا کے ان نادانوں کو یہی مختصر سا جواب دے کر چپ کرا دو کہ تمہیں اس بات کی کیوں خلش ہے، خدا ہی کا مشرق اور خدا ہی کا مغرب ہے۔ وہ جو چاہے پسند کرے۔ لیکن وہ جس قوم کو چاہتا ہے، اور جس میں اہلیت دیکھتا ہے تمرکز اور وحدت کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

● اس آیہ شریفہ کے صحیح مطالب میں نے مذکورۂ بالا ترجمے میں ظاہر کر دیئے ہیں۔ شارحین نے جو کچھ لکھا ہے۔ سوال از آسماں و جواب از ریسماں کا مصداق ہے۔ سفہاء اور نادانوں کا اعتراض ہے کہ قبلہ بیت المقدس سے مکہ معظمہ کیطرف کیوں بدل دیا گیا انکو بے وقوفوں کا سا جواب دیا ہے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا۔ اسنے جو چاہا پسند کر لیا۔ عاقلوں اور سمجھ والوں کے لائق یہ جواب ہے کہ اسلام کو ایک مرکز چاہیئے تھا سو جس قوم میں خدا اہلیّت دیکھتا ہے اُسکو ایک مرکز پر آنے کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔ اگر بیت المقدس بدستور قبلہ رہتا تو یہ تمرکز ممکن نہ تھا۔ عیسائی الگ تھلگ رہ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے، یہود جدا شور مچاتے، اور وہ سچا اتحاد جو پیش نظر تھا قائم نہ ہو سکتا۔ پس بہتر یہی تھا کہ الگ مرکز بنایا جائے جس پر یہود و نصارٰے بلکہ تمام عالم مجتمع ہو سکے اور ہو جائے۔ ضمناً جواب میں اس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا کو مشرق مغرب کی کچھ تخصیص نہیں، سب اُسی کے ہیں۔ اسلیئے نہ بیت المقدس مقصود بالذات تھا نہ اب مکہ ہے جو مقصود ہے وہ تمرکز اور اتحاد ہے گویا مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ اصل قانون کی طرف رجوع کریں جیسا کہ میں نے مَنْسَكٌ کے تحت المتن کے اخیر (صفحہ ۲۳۳) میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ تحت المتن چنانچہ اِس صفحے پر بھی جاری ہے اور اس آیت کے مطالب پر غور اُس تمام تحریر کو پڑھ کر کرنا چاہیئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۸) علامات کی پابندی کسی قوم کے اُسکے اپنے معبود سے لگاؤ کا صرف ایک **ظاہری نشان** ہے، معبود کے **احکام کی تعمیل پر آمادگی** یا اُسکے بتائے ہوئے **قانون کی پابندی** اُن سے لازم نہیں آتی۔ بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ایک شخص ان رسوبات کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں **ملازم** خدا بنا رہے۔ مگر ہر رسمی نباہنے والا **غلامی** (یعنی عبادت) کا دعوےٰ اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ **اصل قانون** اور احکام کی تعمیل بھی کما حقہ نہ ہوتی رہے۔ اِس مقام نظر سے کسی مذہب کے اُس کے اپنے معبود سے اظہار تعلق کی اِن ظاہری علامات کو **’عبادات‘ کہنا قطعاً نادرست** ہے کیونکہ ’عبادت‘ آقا کے حکموں پر پیہم عمل اور اُس کی خاطر **مسلسل** تکلیف برداری ہی ہے۔ اور اِن رسوم کو بقید وقت پورا کر لینا صحیح معنوں میں **عمل** نہیں گو کہ ان کی پابندی بھی معبود کے احکام میں داخل ہو۔ قرآن حکیم نے اسی نقطۂ نظر سے اِس قطع کے وقتی اور رسمی افعال کو **’مَنَاسِكٌ‘** کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور **’عبادت‘** کا لفظ کسی شخص کے باطنی تعبّد اور اُس کی قلبی اطاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک مستقل بحث عبادت کے تحت المتن صفحہ ۱۰۵ الخ میں گذر چکی ہے۔ اسلام میں صلوٰۃ اور حج، صوم اور زکوٰۃ کے افعال، یا وہ شرعی مجالس، فقہی مراسم اور اجتماعی تیوہار جو ظہور اسلام کے بعد اُمّت میں رواج پا گئے ہیں، اور جن کے باعث مسلمان باقی نامسلمان اُمّتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، سب کے سب ’مناسک‘ میں داخل ہیں۔ اِسمیں شک نہیں کہ نماز اور حج کے ادا کرنے یا دن بھر بھوکا رہنے اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیئے ہر متنفس میں کچھ نہ کچھ اطاعت کا مادّہ موجود ہونا ضروری ہے۔ مگر رسمی نمازگذار، صائم یا حاجی وغیرہ بن جانے سے ’عبد‘ کا درجہ لازمًا حاصل نہیں ہوتا جبتک کہ **اطاعت کا کیف اِن مناسک کے ادا کرنے کے بعد بھی ہر وقت موجود نہ رہے**، اور تمام احکام قرآن کی حسب موقع تعمیل نہ ہوتی رہے۔ پس ’نُسُک‘ اور **’عبادت‘** میں صرف فی الحقیقت **کیف دل کا فرق** ہے اور جو نسک قلبی اطاعت سے ادا ہو اور حاکم کا کھٹکا پیدا کر دے وہ بلا شبہ عبادت کا ایک جزو ہے۔ مناسک اسلام کی اسی باطنی استعداد اصلاح کو مدنظر رکھکر میں نے صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو عبادات میں داخل کیا ہے، اور اصل کتاب میں بحث اُسی الصلوٰۃ پر ہو رہی ہے جو کیفیت دل کے ساتھ ادا ہو کر

رَبِّیٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۹) صحیح معنوں میں 'تعبد' پیدا ہو سکے۔ نرے قومے اور قعدے کر لینا اگرچہ مناسک میں داخل ضرور ہے لیکن عبادت' ختماً نہیں۔ قرآن حکیم نے مناسک حج کے اسی سطحی اظہار تعبد کو پیش نظر رکھکر سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا تھا کہ ان سے اصل مقصود اُس حاکم اعلیٰ کا کھٹکا ہی ہے، تو جس وقت وہ مناسک ادا ہو جائیں اصلی غرض و غایت کی طرف بیش از بیش رجوع ہو جاؤ: فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (۲ : ۲۰۰)، یعنی 'جب تم مراسم حج ادا کر چکو تو اس احکم الحاکمین کی یاد دل میں اسیطرح لاؤ جس طرح جوش محبت میں اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر اُسکا کھٹکا لگا رہے تو اچھا ہے۔' یہاں ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا نہیں بلکہ تصور خدائے عظیم کی دہک دلمیں رکھنا ہے۔ لوگ اپنے باپوں کو تسبیحیں چلا چلا کر یاد نہیں رکھتے بلکہ اُن کا خیال کرنا اُن سے دلی رسم و راہ رکھنا ہی اُن کا ذکر ہے۔ اس آیت سے ذرا پہلے ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (۲ : ۱۹۸) یعنی 'پھر جب تم عرفات سے لَوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا کھٹکا اپنے دلوں میں پیدا کرو (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ)، اور اسکو اس شدت سے دل میں لاؤ جس طرح تمہیں بتلایا ہے۔' بعینہ یہی مقصود الصلٰوۃ کے مناسک ادا کرنیکے بعد پیش نظر کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں اُس نماز کے بارے میں جو میدان جنگ میں خوف عدو کے باعث 'قصر' کر دی جائے، ارشاد ہے کہ اُسکے مناسک ادا کر لینے کے بعد وہی کیف دل میں پیدا کرو جو الصلٰوۃ کا منتہائے نظر ہے: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (۴ : ۱۰۳)، یعنی 'پھر جب میدان جنگ میں نماز کے ارکان کو افرا تفری اور گھبراہٹ میں ادا کر چکو تو اسکے بعد کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے جس طرح بھی ہو سکے خدا کا کھٹکا دل میں پیدا کر لو (کہ یہی مقصود در اصل نماز کا ہے)، پھر جب دشمن کی طرف سے بے خوف و خطر ہو جاؤ تو اُسی اصلی کھٹکے والی، اور یاد پیدا کرنے والی نماز (الصلٰوۃ) کو پھر قائم کرو (اور یہ جو میدان جنگ میں بھی تم کو نماز پڑھنے کے لیئے کہا گیا ہے اِسکی وجہ یہ ہے کہ) صاحب ایمان بندوں پر یہ پنجوقتہ حاضری بقید وقت فرض ہے' (نہ یہ کہ جب جی میں آیا اور قلب مطمئن ہوا پڑھ لی اور جب چاہا ملتوی کر دی)۔' اس آیہ شریفہ کے معانی نہایت غور طلب ہیں اور ان مطالب سے جو پیش کیئے گئے ہیں بعض اہم نتائج مترشح ہوتے ہوتے ہیں: اولاً مناسک صلٰوۃ کو انتہائی خطرے کے وقت بھی ادا کر لینا اسلیئے ضروری ہے کہ پابندیٔ وقت کا درس جو قرآن حکیم نے الصلٰوۃ کی تہ میں رکھا تھا نہ بھُولنے پائے۔ ثانیاً الصلٰوۃ 'ایمان والوں' کے لیئے 'موقوت' اسلیئے بھی ہے کہ بادشاہ زمین و آسمان کے حضور میں بروقت حاضر نہ ہونا آداب شہنشہی کے برخلاف، اور اطاعت کے منافی ہے۔ ثالثاً صرف مراسم یعنی قومہ اور قعدہ کر لینے سے نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکے بعد خدا کی ٹیس دلمیں پیدا رکھنا لابدی ہے۔ بہر نوع ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی مناسک 'عبادت' کے درجے پر اُسیوقت پہنچ سکتے ہیں جب اُن سے ذکر خدا یعنی اطاعت پیدا کرنے والی دہک صحیح معنوں میں پیدا ہو، اور یہ ذکر کا پیدا ہو جانا اُن مناسک کی رسمی تکمیل سے کہیں بہتر ہے۔ جیساکہ آیہ (۲۹ : ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ سے ظاہر ہے جو صفحہ ۲۰۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ اگرچہ مناسک کا اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے اوامر و نواہی کی تعمیل۔ اس مقام نظر سے اسلامی مناسک فی الحقیقت ایک شخص کو مطیع خدا بنانیکے اوزار یا وسائل ہی ہیں۔ بجائے خود منتہا، یا اصالتاً عمل نہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے یا ان کی وساطت سے تعبد پیدا ہو سکتا ہے مگر انکا اختیار کر لینا فی نفسہ عبادت نہیں! اگر ایک شخص کسی حاکم کے نشانات ملازمت مثل چپڑاس یا تمغہ جات، یا رنگ لباس وغیرہ اختیار کرتا ہے، اور اسکو علانیہ پہنے پھرتا ہے تو یہ ہیئت کذائی ایک رو سے اس حاکم اعلیٰ کی اطاعت کرنے کی محرک ہو سکتی ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ محض نمایش کے لیئے چپڑاس لگاتا پھرے، لیکن فی الحقیقت مطیع نہ ہو! ابراہیم علیہ السلام کی اُس دل شگاف اور زہرہ گداز دعا کا جو آپنے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی بعینہ یہی راز تھا، اور اسی لیئے مٹی اور گارے کی ٹوکریاں سر پر اٹھاتے وقت پہلی بے اختیار ٹیس جو اس اولوالعزم نبیؐ کے دل سے نکلی یہی مُسلم اور مطیع بننے کی ٹیس تھی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؁ (۶: ۱۶۲-۱۶۴) ۔ تو اُن میں تسلیم کی خُو، اطاعت خدا کا ولولہ، اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کی سچّی قدر کرنے کی قوت دے! اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً

؁ اے پیغمبر! تم علی الاعلان کہدو کہ اُس خدائے عظیم نے مجھے صراط مستقیم دکھا دیا ہے، اور وہ وہی راہ راست (دِیْنًا قِیَمًا) ہے جو ابراہیم کا تھا اور جو خالصتًہ خدا ہی کے ہو رہے تھے، اُسی کے قانون کی عملًا متابعت کیا کرتے تھے، اور اطاعت گذاری میں کسی شئے کو بھی خدا کے برابر نہ کرتے تھے (مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ)۔ اے پیغمبر! تم کہدو کہ میں تو اُس رب زمین و آسمان کے قانون کی عملی اطاعت کی طرف اس طرح جھک گیا ہوں کہ میرے سب افعال، میرا نماز میں جھکنا، میری ملازمت و اطاعت کے سب انداز (نُسُكِیْ) میری خدمت اور بندگی کے سب ظواہر (نُسُكِیْ) میری باطنی اطاعت (صَلَاتِیْ) اور ظاہری عبودیت (نُسُكِیْ) حتی کہ میرا جینا اور مرنا بھی اُسی رب العالمین کے اعلا کے لیئے ہے، اُسی کی حکومت کو لوگوں کے دلوں میں استوار کرنیکے واسطے ہے۔ اور وہ وُہ حاکم اعلیٰ ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کے برابر کوئی حکمران نہیں۔ یہی حکم مجھے اُسکے ہاں سے ملا ہے اور میں سب سے پہلے اُسکو اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں (اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

؁ مناسک کے تحت المتن میں جو اس صفحے پر جاری ہے مَیں نے آیۂ (۶: ۱۶۳) کی تشریح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ آیت حُسن اتفاق سے اسی صفحے کے ذیل میں آگئی ہے۔ آیۂ (۶: ۱۶۴) کے الفاظ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے کہ یہاں پر بھی نُسُك سے مقصود تسلیم و اطاعت ہی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کو چھوڑ کر ماسوا کی محبت میں گرفتار ہونا (مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ)، اپنی تمام قلبی نیازمندی (صَلَاتِیْ) اور ظاہری نشان ملازمت (نُسُكِیْ) اور زندگی (مَحْیَایَ) اور جان (مَمَاتِیْ) کو قانون خدا کے مطیع کر دینا اور تسلیم اپنا شیوۂ عمل بنا لینا صراط مستقیم ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۰) لَكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؁ (۲: ۱۲۸) یعنی اے حاکموں کے حاکم اور ہمارے پالنے والے خدا! تو اس ریگستان اور بیابانِ عرب کے اندر ہماری ناچیز کوششوں کو جو ہم اس چھوٹے سے اور بے حیثیت گھر کو تیرے جلیل القدر نام پر موسوم کرنیکے لیئے کر رہے ہیں، قبول کر (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا ترجمہ جو آیۂ (۲: ۱۲۷) میں ہے)، تو اِن نیک نیت مساعی کو بار آور کر، اور اے احکم الحاکمین! تو ہم کو صحیح معنوں میں اپنا حکمبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا کر جو فی الحقیقت تیرے حکموں کو ماننے والی ہو، اور ہم کو ہماری ملازمت کے نشان (مَنَاسِكَنَا) بتلا، ہماری گذشتہ واماندگیوں سے درگذر، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ تو تائب بندوں کے حق میں بڑا ہی درگذر کرنیوالا مہربان ہے"۔ اِسی **اطاعت** کے منتہا کو مدّنظر رکھکر ابراہیم علیہ السلام کے "دین قیّم" اور "ملت حنیفہ" کو دوسرے موقع پر یوں واضح کیا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؁ (۶: ۱۶۳-۱۶۴) لیکن چونکہ یہ آیات عنقریب آگے چل کر اصل کتاب ؁ میں آرہی ہیں۔ اسلیئے مطالب کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہاں پر صلاۃ سے باطنی تعبد اور نُسُك سے اُس تعبد کے ظاہری نشان مراد لیئے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے کہ از روئے قرآن وہی نماز فی الحقیقت صلاۃ ہے جس کا نتیجہ باطنی تعبد ہے ورنہ کچھ نہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اگر میرا باطن (صَلَاتِیْ) کسی کی ملازمت کر رہا ہے تو رب العالمین کی، اور اگر میرا ظاہر (نُسُكِیْ) کسی کے ملازم ہونے پر دال ہے تو خدا کے۔ اور یہی اصل دین، دین حنیف اور صراط مستقیم ہے! سورۂ حج میں احکام قربانی کی توجیہ بھی اسی **ذکر** خدا اور تسلیم کے اصل اصول پر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (۲۲: ۳۴-۳۵)۔

اے مسلمانو! تم قربانی جان کے اِن ظاہری مراسم کو احکام خدا میں شامل دیکھکر متعجب نہ ہو، ہم نے اس روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے (اُن کے مخصوص احوال کو پیش نظر رکھکر) کوئی نہ کوئی نشان ملازمت قرار دے رکھا ہے اور ہمارا مقصود اسمیں یہ تھا کہ وہ اُمتیں مویشی اور چارپایوں کے عزیز القدر اور بے مثال انعاموں کو جو خدا نے اُنہیں دے رکھے ہیں پیش نظر رکھکر، قربانیاں کرتے وقت اُس منعم حقیقی کی تڑپا دینے والی یاد اُسکا اطاعت کا پیدا

؁ چنانچہ یہ آیتیں اسی صفحے کے متن میں آگئی ہیں اور مطالب بھی اسی صفحے پر درج ہیں۔

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ ۝ (۱۶ : ۱۲۰-۱۲۲) تو ان کو دشمن کے بالمقابل کامل حفظ وامن عطا فرماکر

ملہ بے شک ابراہیم دنیا کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ خدا کے کامل فرمانبردار بندے تھے اور خالصتاً اُسی کے ہو رہے تھے۔ اور کسی شئے کو بھی خواہ وہ انہیں کتنی ہی عزیز ہو خدا کے ہم مقام نہ کرتے تھے اور بایں ہمہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنیوالے تھے۔ خدا نے انہیں منتخب فرمالیا تھا اور انہیں صراط مستقیم چلادیا تھا۔ اور ان تمام اعمال کے صلے میں ہی ہم نے اُن کو دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں سے معزز فرمایا تھا اور بے شک آخرت میں بھی وہ ہمارے معزز بندوں میں سے ہوں گے۔

† یہاں قَانِتًا لِّلّٰهِ بننا یعنی تسلیم واطاعت کو شعار بنالینا اور خدا کی دی ہوئی ہر شئے کا صحیح استعمال کرنا شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ دیکھو معانی شکر تحت المتن صفحہ ۱۳۱ صراط مستقیم ہے۔ جو شخص یا قوم نعمتہائے الٰہی کا مناسب استعمال کرتی ہے اسکی دنیا بھی درست ہے۔ اسی لیئے اس پیمبر اعظم کے بارے میں کہا ہے وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۱) کرنے والا ڈر اپنے دلوں میں وقتاً فوقتاً جمالیا کریں (لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ)، لیکن لوگوں نے اس پیش نہاد کو خیرباد کہکر قربانیوں کو نئے نئے معبودوں پر چڑھانا شروع کیا یا اُسکے اصلی مفہوم سے الگ ہو کر ان نتیجہ خیز رسوم کو بے اثر کر گئے)، تو اے مسلمانو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ تمہارا احکم الحاکمین وہی ایک خدا ہے، تم اُسی خدائے واحد کے تابع بن کر رہو (فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا)، اور اے پیغمبر! اپنے درگاہ خدا میں خشوع وخضوع کرنے والی قوم کو اجتماعی بقا اور دنیوی امن کی خوشخبری دو۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو دلائی جاتی ہے تو اُنکے دل تڑپ اٹھتے ہیں اور وہ بیش از بیش احکام خدا کی تعمیل میں منہمک ہوجاتے ہیں۔

ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ مناسک کی صحیح حکمت عملی یہی تھی کہ ان کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں شارع زمین وآسمان کی یاد پیدا ہو تاکہ لوگ احکام خدا کی طرف بیش از بیش رجوع ہوں، اُسکی ٹیس اور ڈر دل میں رکھیں، اُسکے امن فرما احکام سے غافل نہ ہونے پائیں اُسکی سزاؤں کو یاد کرکے لرزاٹھیں، اُسکے انعاموں کو خیال میں لاکر تیار عمل ہوجائیں۔ اس سے زیادہ اُن سے فی الحقیقت کچھ مقصود نہ تھا، اور جب خدائے عظیم کا دعوےٰ ہے کہ ہر اُمّت کے مناسک اُس نے بذات خود مقرر کیئے تھے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں، اُنکے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں، وہ کسی قوم کیلئے فی نفسہ مقصود بالذات شئے نہیں، وہ صرف تسلیم، ہیجان قلب اور ذکر پیدا کرنیکے آلے ہیں، جو شئے اُنسے بہر نوع مقصود ہے۔ اطاعت احکام الٰہی ہے، سعی وعمل ہے حکمبرداری اور تقویٰ ہے، احکم الحاکمین کا ڈر اور اتحاد ہے چنانچہ اسی سورۂ حج میں قربانیوں کے احکام کے ضمن میں صاف فرمادیا کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (۲۲ : ۳۷) یعنی "خدا تک نہ تو ان قربانیوں کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ اُنکے خون، بلکہ اگر کوئی شئے وہاں بروئے کار آتی ہے تو وہ تمہارا تقویٰ ہے" پس جب تقویٰ کا جزو اعظم اتحاد ہے، لَا تَفَرَّقُوْا ہے، اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے، صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا ہے، اُمَّةً وَّاحِدَةً بنے رہنا ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۵۴)، تو ارکان اُمّت کا فرض ہے کہ خدائے عظیم کے مقرر کیئے ہوئے مناسک کو اسی اتحاد قوم، اسی عبودیت، اسی حکمبرداری اور اطاعت کو پیش نہاد بناکر بالاجماع ادا کریں، انکو فی نفسہ مقصود ومنتہا نہ سمجھیں کیونکہ اصل قانون اُمّت کے افراد کے مابین اجماع واتحاد پیدا کرنا ہے، افراد قوم کے دلوں میں خدا کا ڈر پیدا کرکے انکو متحد رکھنا ہے، اس سے کمتر حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔

اس تمام بحث وتمحیص کے بعد اصل کتاب کی آیت یعنی لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲ : ۶۷)، کے معانی بالکل صاف ہوجاتے ہیں۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ مراسم عبادت جس پر دنیا جہان کی سب اُمّتیں چل رہی ہیں فی الحقیقت ہم ہی نے مقرر کیئے تھے (لیکن اُن سب کے رائج کرنے کی اساسی حکمت اتحاد بین الافراد اور تقویٰ وتسلیم خدا

دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر! وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ[۱][†] (۴۸: ۲۰) تو اُن کی ہیئت اجتماعی میں ہمیں پیغمبران جہان

[۱] اے ایمان والو! اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے جن پر تم تمام عالم کے دشمنوں کو شکست دیکر قابض ہو گے تو یہ خیبر کی غنیمت تم کو سردست دلوا دی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ دشمنوں کے دست تعدی سے تم کو بچائے رکھا۔ اور یہ سب افضال الٰہی تمہارے شامل حال اسلئے ہیں کہ ایمان والوں کو قوت ایمان کا پتہ لگ جائے اور تمہیں دشمن کے بالمقابل غلبہ حاصل کرنے کا صراط مستقیم معلوم ہو جائے۔

[†] یہ آیت بیعت رضوان کے ذکر کے عین بعد آئی ہے جہاں پر حضرت عثمان رضؓ کی افواہ قتل کے بعد پندرہ سو مومنوں نے ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلعم کیساتھ دشمن سے جان توڑ کر لڑنے کا عزم کیا تھا۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت (۴۸: ۱۹) میں خدائے عز و جل نے بصراحت مومنوں کو مال غنیمت بمقدار کثیر اور بعجلت تمام دلوانے کا وعدہ کیا ہے؛ دشمن سے بچ نکلنے کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے، اور ان سب اعمال کو صراط مستقیم کہا ہے۔ گویا اس دنیا میں بسنے کا صراط مستقیم یہی ہے کہ دشمن کے خلاف کامل طور پر حفظ نفس کیا جائے، اُن پر جب موقع جارحانہ تشدد کر کے ان کے قوے کو کمزور کر دیا جائے مسئلہ ارتقا کی شق سوئم و چہارم (صفحہ ۱۲ و ۱۳) سے اس قانون الٰہی کی مماثلت عیاں ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کی ادنیٰ حیوانی مخلوق بھی اسی شق کی پابند ہے اسی دین اسلام اور دین فطرت کی پابند ہے! جن لوگوں نے نفس کو دھوکا دیکر یا کسی خارجی طاقت کے خوف میں آکر اسلام کو بہر حال ایک امن پسند اور مرنجان مرنج مذہب قرار دیا ہے اور نبی عربی کے حیات انگیز غزوات کو بھی شدید مجبوری کے اکراہی اعمال مشہور کر کے آپ اس کر کی آڑ میں آرام کر رہے ہیں انکے لیے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں سلامتی کے رستوں کو صراط مستقیم گردانا آیہ (۱۶:۵) صفحہ ۹۰ میں آچکا ہے اور صفحہ ۲۴۴ پر پھر آئیگا۔ آیہ (۵ :۱۱) صفحہ ۱۰۸ میں بھی دیکھنی چاہیے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۲) اور اطاعت خدا ہی تھی کہ یہی اصل قانون اور اس کارگاہ جہان کا الامر ہے) تو ان لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ اور اور اقوام کو جنکو مناسک اسلام کے قبول کرنے میں اعتراض ہے، چاہیئے کہ ایک منسک اور دوسرے منسک کے مابین ظاہری فرق کو نظر انداز کر دیں اور اصل قانون کے بارے میں تم سے کوئی نزاع پیدا نہ کریں (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ)، اور وہ اصل قانون اے محمدؐ! یہی ہے کہ تم لوگوں کو صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیکر متحد العمل کر دو (وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ توحید کی یہ مشترک سطح قائم کرنے میں تم لامحالہ راہ راست پر ہو؛ ان مطالب کی صحت کی قطعی شہادت اس آیہ شریفہ کے عین بعد کی آیات سے ہوتی ہے جو مطالب کو مربوط کرنے کی غرض سے یہاں پر لکھدی جاتی ہیں؛ اس مضمون کے بعد ارشاد ہے:

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۲۲: ۶۸-۶۹)

اور اے محمدؐ! اگر اس حقیقت کشائی کے بعد بھی یہ لوگ تم سے اختلاف قائم کریں اور اپنے مناسک پر ضد سے اڑے رہیں تو تم ان سے کہدو کہ جو تفرقہ اندازیاں اور انتشار تم بنی نوع انسان میں پیدا کر رہے ہو اس سے خدا خوب واقف ہے اور وہی روز قیامت کو تمہارے مابین اُن باتوں کے متعلق فیصلہ کر دیگا جن میں تم ناحق اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

اسلام بنی نوع انسان کے اتحاد کیلئے آیا تھا (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰)۔ خدا فرماتا ہے کہ منسک بنفسہٖ کچھ شئے نہیں، وہ سب ہم ہی نے مقرر کیئے تھے کیا یہود کے مناسک اور کیا نصاریٰ کے، انکا مطلب اتحاد قوم تھا، جب یہ مطلب انسے فوت ہو گیا ہے تو انپر اڑے رہنا بے معنی ہے۔ اب یہ اسلامی مناسک ہیں جو ہم ہی نے رائج کیے ہیں انکی غرض بھی بعینہٖ وہی ہے بلکہ ایک دوسرے یہ حج کا منسک تمہاری جاہلی اور پیشینہ مراسم نماز کی ترمیم شدہ صورتیں ہی ہیں پس الامر میں نزاع پیدا نہ کرو اور متحد بنجاؤ کہ صراط مستقیم یہی ہے۔ میرے نزدیک مکہ اور بیت المقدس، چین و روم سب ایک ہیں۔ مشرق اور مغرب ایک ہے۔ زمین و آسمان ایک ہے، نہ مجھے تمہاری قربانیوں کے گوشت پونہچتے ہیں نہ خون، مجھ تک تو صرف تمہارا تقویٰ، تمہارا اتحاد عمل، تمہاری اطاعت اور خوئے تسلیم، تمہارا قلبی وجد (ذکر) اور لرزش پونہچتی ہے اور بس۔ انہی کو دیکھکر میرے سب فیصلے ہیں۔ انہی پر سزا و جزا کا سب حصر ہے! لیکن یہ جامع الانام اور عالم انگیز اسلامی مناسک آج خود رسم و رواج کی لکیر میں پڑکر وہ بے مطلب اور انتشار پرور، وہ اصنام خیز اور تفریق آراشئے بن گئے ہیں کہ ایک متنفس بھی آج انکی اس خالص حکمت عملی کا معترف نہیں رہا!

پس الامر اس کارگاہ جہان کا وہ مختص قانون اُس بے پروا خدا کا وہ خاص الخاص حکم، اُس شدید العقاب آقا کا وہ اٹل آئین عمل ہے

کی عالی ہمتی، اُن کے اخلاف کا تفضّل، اور اسلاف کی برتری بخش! وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؁۱۵ (۶: ۸۷-۸۸) تو عالمگیر غلبہ عطا فرما کر ان کے ہر فرد میں عدل دوستی اور حق پسندی کی خصلتیں برقرار رکھ! يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ؁۵۲ (۳۸: ۲۶) تو اُن میں قانونِ خدا کے احترام، اور حدودِ خدا کی رعایت سے، حمایتِ حق اور طہارتِ نفس سے، تقویٰ کے مقتدر عزائم اور ایمان کی اٹل طاقتوں سے، اعانتِ عدل اور نگہداریٔ عہد سے، وہ اجتماعیت، وہ عزم بالجزم، اور وہ قوتِ نظم و ادارت نصیب فرما، جو اسلام کے شیرازۂ اُمت کو تشتت کی شکست و ریخت سے ہمیشہ کیلئے مامون و مصئون کر دے!

قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ

۵۱ اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) یہ سب ہمارے حکمبردار رہنمایانِ خلق تھے۔ اور ہم نے ان سب کو تمام عالم کے لوگوں پر برتری دی۔ ان کو اپنی قوم کا سردار بنایا اور بادشاہت دی۔ اور نہ صرف اُنہی کو بلکہ ان کے آباء و اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بہتیروں کو اُن کے علوِ ہمت، حسنِ عمل، اور شجاعت کے صلے میں دینا جہان کی قوموں میں سرفراز کیا۔ اور ہم نے اُن کو باقی قوموں سے منتخب کر کے ممتاز کر دیا اور اُن کو دنیا میں قوت سے رہنے کا صراطِ مستقیم دکھا دیا۔

۵۲ اے داؤد! ہم نے جو تم کو اس زمین پر بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، اور خواہشاتِ نفس کا تتبع نہ کرنا کیونکہ یہی خواہشاتِ نفسانی تم کو اعتدال کے صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیں گی۔ جو لوگ عدل و انصاف کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں انکو اس دنیا میں سخت عذاب ملیگا۔ اسلیئے کہ روزِ جزا کو بھول گئے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۳۳) جس کا نام اتحاد ہے، اتحاد بین الافراد اور اتصال بین الاجزا ہے، اتحادِ عمل و اتحادِ اثر ہے۔ یہی وہ شئے ہے جس کے باعث اقتصیں چشم زدن میں تمکن کے بامِ بلند پر چڑھ جاتی ہیں، جو باعثِ قیامِ عالم اور علتِ تکوینِ کائنات ہے جو فنا و زوال کا حجاب کہتا ہے جس سے ہر شئے میں زندگی ہے۔ جس کا نہ ہونا موت و شکست کے مترادف ہے۔ یہی وہ رازِ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے شکست ناممکن، نامرادی کالعدم، اور نامرادی امکان سے خارج ہے۔ میں اليقين ہے کہ روئے زمین کے ہر مذہب و ملت کا اصل اصول یہی تھا۔ یہی وہ پیغام تھا جو سب انبیائے جہان اپنے آقائے نامدار سے لائے تھے۔ اور اسی حقیقتِ کبریٰ کو کتاب کے دیباچے میں میں نے سب مذاہب کی **الاصل** اور احکم الحاکمین کا **الامر** قرار دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ و ۳۱۔

۵۳ الظُّلُمٰتِ سے میں نے اس کتاب میں بالالتزام قانونِ خدا کے عدم تعقل کی تاریکیاں اور اجتماعی انحطاط کی نارہ بینیاں، اور النُّوْرِ سے علم و عمل کی انجام شناسیاں اور تمکن فی الارض کی روشنیاں مراد لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۵ و ۱۳۳ و ۱۷۶۔ ان معانی پر ایک فیصلہ کن بحث عنقریب اس مجلد کے اختتام پر آئے گی۔

مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۵: ۱۵-۱۶)

لوگو! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ رہ نما نور اور وہ واضح قانون (یعنی صحیفۂ فطرت کا ملخص دیکھو تحت المتن صفحہ ۶۲) آچکا ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو رضائے الٰہی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر حفظ نفس و علم اور تمکّن کے نور کی طرف لائیگا، اور اُنکو قیام و بقا کے صراط مستقیم پر ڈال دیگا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۱۰: ۲۵)

اور اللہ تو اُمتوں کو حفظ نفس اور سلامتی کے گھر کیطرف بُلا رہا ہے، اور جس قوم میں اہلیت دیکھتا ہے اُسکو تمکّن اور قیام کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

پس "صراط مستقیم" کیا تھا! تحفّظ و بقا تھا! قوم کی سلامتی تھی! اُمت کا "دار السلام" تھا! جماعت کا کامل امن اور فرد کا اضطراب عمل تھا! اتّحاد کا التہاب دروں، اور توحید کا کرداری اظہار تھا! تعبّد کا معنوی اقرار اور ملازمت کا عملی پہلو تھا!

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (۴۳: ۶۴)

اے لوگو! وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا پروردگار ہے! مولیٰ ہے! آقائے نامدار ہے: رازق ہے! شاہنشاہ ہے حاکم ہے! تو اُسی احکم الحاکمین کے غلام بنے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کی خدمت میں لگے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے قانون کی تعمیل کرو (فَاعْبُدُوْهُ) اُسی کے آگے سر تسلیم خم کرو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے سچے بندے بنو کہ یہی صراط مستقیم ہے!

عبادت کا وحدت انگیز کیف، اور اختلاف سے اجماعی گریز تھا: اتّقا تھا! اطاعت امیر تھی!

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۴۳: ۶۳-۶۴)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (۴۳: ۶۵)

---

۱۶۹ "دار السّلٰم" کے الفاظ کو لوگوں نے "بہشت" کا نام سمجھکر اس تمام آیت کو عالم آخرت میں منتقل کر دیا ہے، لیکن اس لچر تاویل کی کوئی سند نہیں۔ تیسری مجلد میں اس رکوع کا جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے بتمام و کمال ترجمہ کر کے واضح کر دیا جائیگا کہ "دار السّلٰم" ہرگز کوئی اخروی مکان نہیں۔ لیکن اگر "دار السّلٰم" جنت کے باغوں میں کوئی بارہ دری ہے تو خوش اعتقاد شارحین سے پوچھنا چاہیئے کہ پھر "سُبُل السّلٰم" جو آیہ (۵: ۱۶) میں واقع ہوا ہے کیا شئے ہے! کیا وہ بھی جنّت کی سڑکیں ہیں۔ افسوس کہ لوگوں نے قرآن حکیم کو کیسا افسانہ بنا لیا ہے!

اور جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس خدائے جلّ وعُلیٰ کے روشن اور کھلے کھلے احکام (الْبَيِّنٰتِ) لے کر آئے تو اُنہوں نے اُن کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائیو! میں تمہارے پاس یہ احکام کیا لایا ہوں، دراصل وہ عظیم الشان حکمتی اصول لایا ہوں جس کا شارح خود خدائے بیمثال ہے (جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ)۔ اور میرے آنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ میں تم پر اُن باتوں کی اصلیت واضح اور دل نشین کردوں جن میں اختلاف پیدا کرنے کے باعث تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہو، تم میں اتحاد کی مشترک سطح از سرِ نو قائم کروں، تم سب کو ملا کر ایک کردوں! پس اے لوگو! اُس شدید العقاب خدا سے ڈرو! اُسکے مشترک خوف سے متحد ہو جاؤ (اتَّقُوا)، اور سب کے سب ایک امیر کی (یعنی میری) اطاعت کرو، میرے پیچھے لگ جاؤ، وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا دونوں کا آقا ہے پس اُسی کی غلامی میں لگ کر ایک ہو جاؤ، اُسی کے سچے بندے بن جاؤ کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس اولوالعزم پیغمبر کا کچھ کہا نہ مانا، وہ آپس میں اُسی طرح اختلاف کرتے رہے، اُسی طرح فرقہ بندے بنے رہے، تو جن لوگوں نے یوں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اُن پر ہلاکت کے دردناک اور کپکپا دینے والے دن کے اعتبار سے ہزار حیف ہے۔

تمسک قانونِ خدا تھا!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۳: ۴۳)

تو اے پیغمبر! تم اس قانون کو جو تم پر وحی کر دیا گیا ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اُس پر جم کر عمل کرو۔ اس میں شک نہیں کہ تم صراطِ مستقیم پر ہو (اور لامحالہ اپنی مراد کو پہنچو گے)۔

خوفِ عذابِ الٰہی تھا! بیمِ روزِ جزا تھا!

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ[*] فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۴۳: ۶۱)

اور لوگو! اِس میں شک نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی بنی اسرائیل جیسی تفرقہ آرا اور فرقہ بند قوم کے لیئے ہلاکت اور موت کی عینی اور قطعی، آخری اور قرار واقعی دلیل تھے (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)! اُن کا آنا اور جھٹلایا جانا، اتحاد کی تبلیغ کرنا اور ناکام رہنا، یہود کے لیئے صلائے اجل تھا، پیامِ موت تھا، ہلاکت کی علی الاعلان شہادت تھی (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ پس اے لوگو! اُس روزِ بد کے آنے میں کبھی شک نہ کرو، اس سے اہلِ یہود کی طرح بے پروا نہ ہو جاؤ، لمبی تان کر نہ سوؤ (فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا)، اور میرے احکام کی تعمیل کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے! (دیکھو علم کی تعریف تحت المتن صفحہ ۸۳-۸۴-گویا حضرت کا آنا یہود کی ہلاکت (السَّاعَة) کا علم (نشان) تھا)۔

وہ صراط تھا جس پر چل کر تعزّز اور نعمت ہی، خدا کے دنیوی انعام، اور بے حساب بخششیں ہیں، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (۱: ۶)! وہ خوف تھا جس کا اٹل نتیجہ انعام واکرام ہے، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

[*] 'السَّاعَة' اور یومِ آخرت کے متعلق بحث نہ ہو چکنے کے باعث اِس آیۂ شریفہ کے صرف ایک شقّی معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کامل مفہوم کیلئے ابھی انتظار کرنا چاہیئے یا عربی افتتاحیہ صفحہ ۱۳۶ دیکھیں۔

وَّجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ[۵۱] (۴۹: ۱۳)؛ جس سے ہٹ کر قہرِ خدا نازل ہوتا ہے، اُمتیں مغضوب علیہ ہو جاتی ہیں، ذُل و مسکنت، موت و افلاس صدیوں اور قرنوں تک پیچھا نہیں چھوڑتے: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ[۵۲] (۱: ۷)؛ وہ سیاست تھی جس پر چلکر ہر سو امن ہے، امتوں اور نسلوں کا امن ہے، افراد اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور محلوں کا امن ہے! وہ "مذہبِ خدا" اور راہ مالک الملک تھی جس پر دنیا کی سب زندہ اور انعام یاب اُمتیں آج چل رہی ہیں اور اختلافِ مناسک کے باوجود، اپنے اپنے دائرے کے اندر قانونِ خدا اور "الامر" میں نزاع پیدا نہیں کرتیں، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ[۵۳] (۲۲: ۶۷)؛ نہیں! صراطِ مستقیم وہ تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک راہ تھی جس پر چلتے رہنا کمالِ حزم و احتیاط کا کام ہے، جس سے ذرا ادھر ہٹ کر ضلال ہے، شکست و انتشار کا جہنّم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، افلاس کی آہ و بکا ہے! وہ در اصل سعی اور امن، تلاش اور مقصود، طالب اور مطلوب کے درمیان وہ خطِ مستقیم تھا جس کے سوا کوئی دوسرا خط راست نہیں، کوئی سعی مشکور نہیں، کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں! وہ وہ تکیفِ قلب اور وہ ضبطِ نفس تھا جس سے قوم کے سب افراد تسلیم کے مجسمے اور سعی و عمل کے فوارے بن جاتے ہیں، جس سے سینے قانونِ خدا کی اطاعت کے لیئے یکسر کھل جاتے ہیں، جس سے دلوں کی تنگیاں اور حوصلوں کی پستیاں کالعدم ہو جاتی ہیں، ہر شخص

---

[۵۱] اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور اسی نوع کی عورت سے پیدا کیا، اب تم سب ایک ہی جنس کے ہو، اس لیئے آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو، ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو۔ اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اسلیئے بنا دیئے کہ تم ایک دوسرے سے امتیاز کر سکو ایک دوسرے کے مصالح کا نہ حریف بنو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی گروہ عزّت اور انعام کا مستحق ہوگا جو سب سے زیادہ قانونِ خدا سے خوف زدہ رہیگا۔ جو سب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ صابر، محافظِ نفس، اولوالعزم، اور متفق العمل بن کر رہے گا۔ (اَتْقٰكُمْ دیکھو اتّقا کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۵۴) اور استقلال سے احکامِ خدا پر عمل کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال سے موبمو واقف، اور تمہاری نیّتوں کو سر بسر جاننے والا ہے۔

[۵۲] ان قوموں کی راہ نہ دکھا جو تیرے قہر و غضب میں آکر ہلاک ہو چکی ہیں، اور نہ انکی جو راہِ راست سے بھٹک کر تیرے قہر و غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔

[۵۳] اے لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمّت کیلیئے خدا کی محبوبیت اور قانونِ خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جسکو وہ شعار بناتی ہے لیکن قانون سب کیلیئے ایک ہے لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں، اور وہ اصل قانون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو اپنے پروردگار ہی کی اطاعت کیطرف بلاؤ۔ اور سب کو اس ایک مرکز پر ہی جمع کر دو۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اتحادِ معنوی قائم کرنے میں تم ضرور صراطِ مستقیم پر ہو۔

دوسرے ہمقوم اور ہم جماعت فرد کے لیئے اپنی آغوش مرحبا کھول دیتا ہے، کوئی سینہ بھچا ہُوا اور تنگ ظرف نہیں رہتا، پھر محبّت اور اخوّت کی نہر سلسبیل دلوں میں چل جاتی ہے، اور اس حُسن عمل کے صلے میں امن و اُبہت کا "دار السلام" اُس قوم کے استقبال کے لیئے دوڑتا ہے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ† يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۶: ۱۲۶-۱۲۸)

اے لوگو! جس قوم کی نسبت خدا ارادہ کرلیتا ہے کہ اسکو صحیح راہ عمل دکھاوے تو اُسکے سینوں کو "الاسلام" اور تسلیم قانون خدا کے مطابق مذہب عمل کے لیئے یکسر کھول دیتا ہے، اور جسکو اپنی ہی بد اعمالی کے باعث گمراہ کردینے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اُس قوم کے سینوں کو بھچا ہوا اور تنگ کردیتا ہے، اُن میں حوصلہ عمل اور توفیق خیر مفقود ہوجاتے ہیں۔ باہمی مدد اور بھلائی کرنے کا یارا نہیں رہتا، اُن کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ احکام خدا کی تعمیل کرنا اُنکے نزدیک گویا آسمان پر چڑھنا، اور اپنے آپکو ناحق تکلیف میں ڈالنا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام کے مفید ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اُن پر خدا کی پھٹکاریوں پڑا کرتی ہے!

اور اے پیغمبر! یہ اپنے سینے کسب و عمل کے لیئے کھول دینا ہی تیرے آقائے جلیل کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے۔ یہی عین اسلام ہے، غور و فکر اور صحیح نتائج اخذ کرنے والی قوم کے لیئے ہم نے اپنے حکم کھول کھول بیان کر دیئے ہیں۔ یہی وہ قوم ہے جن کے لیئے اس دنیا کے اندر، اُنکے پروردگار کے نزدیک اُن کے اعمال کے صلے میں امن و امان کا گھر ہے، اور وہی اس دنیا میں اُس کا سچا دوست اور خبر گیراں ہے۔

کیا آج اِس پہنائے زمین کے طول و عرض میں صراط مستقیم کے اس مفہوم کے متعلق ایک شق باقی ہے جس پر اسلام کا کوئی فرد بشر چل رہا ہے؟ کیا دن بھر میں بار بار اور خوش الحانی سے دُہرانے کے باوجود کسی متنفس کو

† یہاں یَشْرَحْ صَدْرَهٗ کے بالمقابل یُضِلَّهٗ کا آنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام الٰہی کی اصطلاح میں کسی قوم کے اندر "الاسلام" پر عمل کرنے کی توفیق کا ناپید ہوجانا (دیکھو تعریف "الاسلام" تحت المتن صفحہ ۱۹۱)، احکام خدا پر عمل کرنے میں ناقابل برداشت تکلیف کا محسوس ہونا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے پہلے تشریح شدہ معانی میں نے صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن میں جمع کر دیئے ہیں، یہ ایک نئی قسط ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آج خود اِس ضلال کے مصداق کس شدت سے ہیں!

اِس بات کا احساس رہ گیا ہے کہ صراطِ مستقیم یہ ہے، نمازیں پنجوقتہ اسی کی گذارش ہیں، اسی سے ہٹ جانے کا ہر لحظہ ڈر ہے، اسی کی آرزو اور اسی کی تڑپ ہے، اسی کے لیے اُٹھنا اور بیٹھنا ہے، اسی کی درخواست میں رکوع و سجود ہیں، قومے اور قعدے ہیں، جھکنا اور سرنگوں ہوجانا ہے؟ کیا دلوں میں اسکے متعلق ذراسی چوٹ، رتّی بھر حسّ، ادنیٰ سی سنسناہٹ، یا اُردو کی سفیدی کے برابر سعی و عمل باقی ہے؟ نہیں، کیا اِس مفہوم کی آج سرے سے خبر بھی ہے! کیا گذشتہ ایک ہزار برس کے اندر ہزار در ہزار فرقہ بندیوں اور شرک آرائیوں، تفریق عمل اور عصیان امیر، عدم تمرکز اور تشتّت آرا، حُبّ نفس اور محبت مال، عبادت طاغوت اور ملازمتِ شیطان† کے مہلک اثرات کے باوجود ہر مسلمان اس زعم میں نہیں کہ وہ "دین اسلام کے صراطِ مستقیم" پر چل رہا ہے، وہ خدا کو خدا مان رہا ہے، رسول کو رسول کہہ رہا ہے، اُس کے حلال و حرام کو نباہ رہا ہے، خیر الاُمم کا رکن اعظم ہے، اسلیئے اسکو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں، کسی مزید راہ ڈھونڈنے کی حاجت نہیں۔ کیا وہ اِس مہلک گراں خوابی، کوتاہ نظری اور آشوبِ چشم کا مریض نہیں کہ دنیا کی سب انعام یاب اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال اُمّتیں اُسکی نگاہ میں ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہیں، جہنّم کی مکین ہو رہی ہیں، دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں، مگر اسلام کی لاڈلی مگر بے نوا اُمّت صراطِ مستقیم پر چل رہی ہے، 'اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ' کی مصداق ابدالآباد تک ہے! کیا آج ارضی نعمتوں کے چھن جانے کے بعد کسی "روحانی نعمتوں" کی تاویل کرکے، یا 'دار السلام' کے بے ضرر لفظ کو اسلامی بہشت بنا بنا کر دل کو تسکین دے دینا قہرِ خدا کو کم کر سکتا ہے؟ کیا صاحب القرآن ؐ کی اس حیرت انگیز اور ناقابل انکار، اس نصّی اور صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی انسانی لغت، کوئی قیاس ورائے کوئی اجماع اُمّت، کوئی یونانی حکمت، کوئی مُلّائی تاویل، یا خود ساختہ حدیث "صراطِ مستقیم" کی اس سے بہتر اور صحیح تر تشریح کر سکتی ہے؟ کیا قربانیوں کے حشر سے بکروں کے مینڈھے اور مینڈھوں کے گھوڑے بنا بنا کر اُمّت کو 'پلصراط' پر سے گذار دینا، سُنّت خدا اور قانون رب العالمین کو بدل سکتا ہے!

† یہ سب اعمال صراطِ مستقیم پر چلنے کے نقیض ثابت کر دیئے گئے ہیں (دیکھو اصل کتاب از صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۰)۔

کیا حالات حاضرہ کے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں دھول ڈالکر نصرانیوں کو مغضوب علیہ کہہ دینا اور آپ اُس غضب سے ہمیشہ کے لیئے بچے رہنا، اُس نعمت کو عالمِ خیال میں اجارے پر لے لینا، آئین زمین و آسمان میں تغییر پیدا کر سکتا ہے؟ کیا صدر اسلام کا صراط مستقیم، آجکل کے اسلام کی مانند ہی مُنہ سے خدا کہہ چھوڑنا، حلال و حرام میں فرق کرنا، سوٗر سے پرہیز کرنا، اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی خانہ بربادی کو دیکھتے رہنا ہی تھا جسکے صلے میں چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کی سرداری مل گئی تھی!

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (۶: ۱۵۲-۱۵۴)

اے محمدؐ! اِن حلال و حرام پر لغو بحثیں کرنے والوں (۶: ۱۴۶) کو کہدو کہ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ دراصل حرام کیا چیز ہے، اور تمہارے پروردگار نے تم پر فی الحقیقت کیا حرام کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اطاعت گذاری اور حکمبرداری میں خدا کے ساتھ کسی دوسری شئے کو ہم مقام نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو، اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچّوں کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تمہارے رزق کے اسباب پیدا کرتے ہیں، اور انکی روزی کے وسائل بھی ہم ہی پیدا کر دینگے۔ اور تمام ظاہری اور باطنی بداعمالیوں سے بچو، اور انسانی جان جسکا مارنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ ناحق (یعنی ماسوا جہاد کے) نہ لو۔ یہ وہ عظیم الشان معاشرتی اصول ہیں جنکا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم دنیا میں مل جلکر رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم اور بیکس شخص کے مال میں مداخلت بیجا ہرگز نہ کرو، ہاں اگر اسکے حق میں مفید ہے تو اسمیں ہمدردانہ تصرف کرو یہانتک کہ وہ اسکو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائے، اور تمام کاروبار اور لین دین میں انصاف، راست روی، اور پورے ماپ تول کو ملحوظ نظر

رکھو۔ ہم کسی شخص کو اسکی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے، اسلیئے تجارت کے متعلق اور کوئی بندشں نہیں کرتے۔ اور جب کسی کے متعلق کچھ کہو تو انصاف کو مدِّنظر رکھکر کہو، گو وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عہدِ خدا (وعدے) کے پابند ہر دم رہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اسلیئے کہا گیا ہے کہ تم اُس کے نتائج پر غور کرو۔ اور بیشک یہی میرا صراطِ مستقیم ہے، جس میں امّتوں کی سلامتی اور امن ہے، اور اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے رستوں پر نہ پڑلینا کہ تم کو امن اور حفظِ نفس کے راستے سے بھٹکا کر تمہاری طاقت کو منتشر اور جماعت کو تتر بتر کردیں۔ یہ تم کو خاص طور پر اِس لیئے کہا گیا ہے کہ تم شکست و انتشار کے خوفناک نتائج سے بچتے رہو۔

الغرض صراطِ مستقیم کی اِس شق میں بھی ایمان اور تقوے، صبر اور توکّل کے اجتماعی اغراض اور استلافی مصالح کی طرح، جماعتی استحکام، تمدّن اور سیاست کے جراثیم مخفی تھے[۱]۔ اس تمام اصلاحی ترغیب و تاکید کا مآل کار بھی مسلمانانِ عالم کو جہانگیری سے قطع نظر جہانبانی اور جہانداری کے سیاسی رموز، اور بادشاہت اور حکومت کے دقیق آداب و قواعد سے باخبر کردینا تھا: ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ (۶: ۱۵۲)۔ انصاف پسندی اور بے رُو و ریا عدل، ضبطِ نفس اور حُسنِ سلوک، حُسنِ معاملت اور اعتمادِ باہمی ہی قیامِ سلطنت کے وہ عبرت آموز اور نصیحت آمیز اصول تھے جن پر سختی سے عمل کرنا ناگزیر، اور جن سے تغافل روا رکھنا مجرمانہ خودکشی تھی: ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ (۶: ۱۵۳)[۲] خدائے بیمثال نے کلامِ پاک

---

[۱] یہ نصیحت تم کو خدا نے اسلیئے کی ہے کہ تم معاشری اور اجتماعی، سیاسی اور تمدّنی اصولوں کو سمجھ جاؤ۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۲) صفحہ ۲۴۰۔

[۲] اِن باتوں کا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہو کہ تم اس سے نصیحت اخذ کرکے اُسکے مطابق عمل پیدا کرو۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۳) صفحہ ۲۴۰۔

• ایک موقع پر احکامِ خدا کی اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو متذکرۂ صدر آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۳) سے زیادہ واضح الفاظ میں ادا کیا ہے اور انکی سیاسی حکمتِ عملی بھی بالصراحت بیان کردی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۝ (۴: ۵۸)

اے مسلمانو! خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے حوالے کردیا کرو، اِس کارگاہِ سعی و عمل میں خائن ہونے کے مجرم ہرگز نہ ہو۔ اور جب تم اپنی رعیت کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو نہایت دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا جو نصیحت تم کو کررہا ہے تمہاری معاشری اور اجتماعی ترقی کے حق میں بہت اچھی ہے کیونکہ بلاشبہ وہ اِس کارگاہِ فنا و بقا کے قانون کو بڑا سمجھنے والا (سَمِيْعًا) اور اس کی باریکیوں کو خوب پرکھنے والا ہے (بَصِيْرًا)۔

میں قرونِ خالیہ کی کئی ایک متمدن اور متسلط قوموں کی ہلاکت آفریں غلط کاریوں اور سہل انگاریوں کی مثالیں دے کر، اِن اعمال کی اہمیّت کو بصراحت تمام بیان کر دیا تھا، مگر بایں ہمہ نماز کے صراطِ مستقیم کا فوری اور پس منظر مفہوم **تقوے** کا وہی التیام آفریں اثر، اور **توحید** کا مجتمع القلوب احساس تھا: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (۶: ۱۵۴) [۵۱] متحد اور متفق قلوب کی یہ اسلامی جماعت، بارگاہِ خداوندی میں اپنے دن بھر کے جلیل القدر کارناموں کی خاموش شہادت اور حوصلہ افزا سند پیش کر کے، اپنے آپ کو سزاوارِ انعام، اور مستحقِ اجر سمجھتی تھی۔ اعلائے حق کے متعلق ان کے مخلصانہ اعمال، اور ربِّ عظیم کی غائبانہ خدمتیں، انہیں تحسین و آفریں کا بسملانہ اضطراب اور حضوریِ خدا کی اضطراری تڑپ پیدا کر دیتی تھیں۔ عمروں کے سلجھے ہوئے یہ مخلص ملازم اپنی روز روز کی نئی اور خوش کن خدمتوں کے بعد، اس نمائے نہان و عیاں کے حضور میں لپک لپک کر پہنچتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے! ان کو روئے زمین کی سلطنتیں اور حفظ و امان کی راہیں اُن کے شبانہ روز جہاد اور متواتر عمل کے صلے میں ملا کرتی تھیں: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲۹: ۶۹) [۵۲] اُنہیں اتمامِ نعمت کا راہ راست اور حصولِ قوّت کا صراطِ مستقیم، صلحِ حدیبیہ جیسی اہم حکمت عملیوں، اور فتحِ خیبر و فتحِ مکّہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے عوض میں ملتا تھا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (۴۸: ۱-۲) [۵۳]

---

[۵۱] اور مسلمانو! مختلف رستوں کا اتباع ہرگز نہ کرنا، کہ یہ تفرقہ و انتشار تم کو خدا کے امن و رستے سے ہٹا کر مضمحل کر دے گا، تمہاری ہیئت اجتماعی کو کمزور، اور قوّت کو سلب کر دے گا۔ یہ نصیحت تم کو خاص کر اس لیے کی گئی ہے کہ تم اجتماعی ہلاکت سے بچے رہو۔ سلسلے کے لیے دیکھو آیہ (۶: ۱۵۴) صفحہ ۲۴۰۔

[۵۲] اور جن لوگوں نے ہمارا نام بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیے اُن کو ہم ضرور دنیا میں امن سے رہنے کے اپنے طریقے بتا دیں گے، اور بیشک اللہ تو حسن عمل کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (مُحْسِنِينَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ جہاد کرنا سچا حُسنِ عمل ہے)

[۵۳] اے پیغمبر! یہ معاہدہ حدیبیہ کیا ہوا حقیقت میں ہم نے تم کو دشمن پر کھلّم کھلا فتح دی۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تیری اگلی اور پچھلی مصلحتی واماندگیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دے، اور دشمن کے بالمقابل تم اس دنیا میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ۔ اور تاکہ یہ آئندہ نعمتوں کے اتمام کا پیش خیمہ بنے، اور تمہیں حفظِ نفس کی حکمتِ عملی اور غلبے کا صراطِ مستقیم دکھا دے۔ (ذنب سے یہاں صاف طور پر وہ مصلحتی واماندگیاں مراد ہیں جو ہر رہنمائے قوم سے کسی اہم اجتماعی معاملے کے متعلق صراطِ مستقیم نہ ملنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔)

اُنہیں نگہبانیٔ زمین کا انعامِ عظیم ایثارِ جان، ترکِ وطن، اور شدائدِ سفر کے پیہم تحمل کے عوض میں میدانِ جنگ کی روح گسل مصائب کے بطیبِ خاطر برداشت کے صلے میں، اور اولوالامر کے احکام کی فوری اور قطعی تعمیل کی شاباش میں ملا کرتا تھا؛ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝† (۴: ۶۶-)

لیکن صراطِ مستقیم کے ان تمام شرعی اور قسمی، اِن وقتی اور مقامی معانی سے قطعِ نظر، نماز اور فاتحۃ الکتاب کے

لہ اور اگر ہم اُن کمزور ایمان والے مسلمان نما منافقوں کو حکم دیتے کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کی حمایت میں لڑادو، یا اپنے وطن سے ہجرت کر جاؤ مگر دشمن سے کمزور صلح نہ کرو تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا بہتیرے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے، اور اگر جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے کرتے تو اُن کی اپنی ہی بہتری کی بات تھی کیونکہ اُن کی جماعت اور بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتی۔ اور اس صورت میں ہم اُن کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا بدلہ دیتے۔ اُن کی جماعت غالب رہتی، اور حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم اُنکو ہم دکھا دیتے۔ پس جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو احکامِ خدا کی متابعت کے لیئے وقف کر دیا۔ اور جسنے اپنے امیرِ جماعت (رسول کریمؐ) کا کہا مانا تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں جنپر اللہ نے اپنی نعمتیں بخشیں، مثلاً وہ انبیائے کرامؑ جنہوں نے راہِ حق میں جہاد کیئے، یا وہ صادق لوگ جنہوں نے اپنے اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، یا وہ شہدائے راہِ خدا جو خدا کا بول بالا کرتے کرتے ہلاک ہو گئے، یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت کو درست کیا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں، یہ توفیقِ عمل محض اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہر شخص کی نیتِ دل جاننے کے لیئے بس ہے۔

† شارحینِ قرآن نے اِن آیات کے سیاق کو نظر انداز کر کے آیہ (۴: ۶۹) کے مطالب پر وہ عجیب و غریب اور ظلمت انگیز بحثیں کی ہیں اطاعتِ خدا و رسول کو روحانی مجاہدے فرض کر کے بہشت اور آخرت میں انبیاءؑ و صالحینؒ کی مصاحبت کے متعلق افسانوں کا وہ طومارِ عظیم مطالب کے گرداگرد کھڑا کر دیا ہے کہ انکی طرفہ نوازی کو دیکھکر بعض اوقات عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اصل کتاب میں آخری آیتیں (۴: ۶۹-۷۰) پہلے مضمون کے تسلسل میں پیش کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آیۂ (۴: ۶۶) میں بودے ایمان والے منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُنکے حوصلے اس قدر بلند نہیں کہ وہ خدا و رسول کے حکم سے اعلائے جماعت کی خاطر اپنی جانوں کو لڑا دیں، یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جہاد بالسیف کریں، حالانکہ یہ جہاد اور ترکِ وطن اُن کی اپنی بہتری کی خاطر ہی ہے، اور جماعتی حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم ہے (۴: ۶۷-۶۸)۔ آیۂ (۴: ۶۹) میں صرف اس قدر کہا ہے کہ نبی اور صدیق اور شہداء اور صالحین کا بلند مقام حاصل کرنیکے لیئے جان و مال کی ایسی ہی انتہائی قربانی کی ضرورت ہے۔ ورنہ اسکے بغیر جنت کا حاصل کرنا انبیاء و صالحینؒ وغیرہ کے برابر جا پانا محال ہے۔ صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا تھا کہ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا قرآنی مفہوم صدرِ اسلام میں رسولِ خدا صلعم کے وقتی اور مقامی احکام کی تعمیل تھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ رسولؐ جو اُنکو وقتاً فوقتاً حسبِ موقع لڑائیاں لڑنے اور مال و اولاد سے مفارقت اختیار کرنے کا حکم دیتا رہتا ہے اور وہ اِن احکام کی تعمیل سے اکثر کتراتے ہیں، اگر اِن میں اطاعتِ رسولؐ کی توفیق پیدا ہو جاتی تو اُن کے درجے بھی ایسے ہی بلند ہو جاتے جیسے کہ انبیائے کرام کے جنہوں نے اپنی تمام عمریں اصلاحِ انسانی میں صرف کر دیں، یا اُن صدیق

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کا جامع اور مانع مفہوم دراصل انبیائے اولوالعزم اور اَجلّہ رہنمایانِ زمین کی اُن مزلزل الارض اور مقلب الانام مہموں، اُنکی اُن بلند نظر اور وسیع الاثر تحریکوں، اُن لشکر انگیز اور بیخ برانداز

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۳) اور شہداء اور صالح العمل لوگوں کے جنہوں نے جماعت کی خاطر قربانیاں کیں۔ اس سے زیادہ ان آیات کا کچھ مطلب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ سے کس طرح کی معیت اور رفاقت مراد ہے۔ اسکے متعلق بحث کرنا عبث ہے۔ کیونکہ آخرت کی کیفیت کا علم خدا ہی کو ہے۔ انسان کو اسمیں پیش از وقت دخل دینے کی ضرورت نہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۴)۔ آیہ (۴: ۶۹) 'نعمت' کے تحت المتن میں صفحہ ۲۲ پر بھی آچکی ہے اور وہاں پر عیاں کردیا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ سے مراد وہ **توفیقِ عمل** ہے جو ہر با ایمان شخص کے شامل حال ہوتی ہے اور یہ **استعداد سعی و عمل کا حسب موقع موجود ہونا ہی صراطِ مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے۔**

'اَلصِّدِّیْقِیْنَ' کے صحیح مفہوم کی مکمل تشریح صفحہ ۱۱ کے تحت المتن میں آیہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۴۹: ۱۵) کے ضمن میں کردی تھی اور عیاں کردیا تھا کہ از روئے قرآن 'صدیق' وہ شخص ہے جو اپنے 'ایمان' کی **تصدیق** ہر لحظہ اور بہر حال **عمل** سے کرتا رہے۔ 'ایمان' کی اہم قرآنی شرائط بھی اصل کتاب میں بالتفصیل آچکی ہیں اور صفحہ ۱۸۳ کے تحت المتن میں جمع کردی گئی ہیں۔ 'اَلشُّھَدَآءِ' کی توضیح بھی صفحہ ۵ (۱۲۱) تحت المتن اور صفحہ ۲۰۲ کے متن میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'شاہد خدا' وہی شخص ہے جو اپنے کاموں کے ذریعے سے خدا کے **نوکر ہونے کی شہادت** ہر وقت دیتا رہے، اور جان و مال کو آقا کی خدمت میں پیش کرتے رہنا **اس نوکری کی اہم شرط** ہے (دیکھو آیہ (۲: ۱۴۳) صفحہ ۱۰۵)۔ **اَلصّٰلِحِیْنَ** کا معہود ذہنی بھی علیٰ ہذا القیاس کچھ کچھ صفحہ ۱۶۵ کے متن آیہ (۴۸: ۲۹) میں، کچھ صفحہ ۸۴ کے تحت المتن میں آچکا ہے۔ صلاحیت کی مکمل تشریح از روئے قرآن ابھی نہیں ہوئی، اور اسکی تکمیل کے لئے ابھی بہت دیر بھی ہے تاہم اس اجمال سے ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہونا (دیکھو آیہ (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸)، وہ اجتماعی اعمال کرنا جس سے قوم کے ہر عضو میں بیداری اور حیات پیدا ہو (دیکھو آیہ (۷: ۱۸۹) صفحہ ۸۴) اور **وارثِ زمین بننا** (دیکھو آیہ (۲۱: ۱۰۵) صفحہ ۸۰)، استخلاف فی الارض کا مستحق بننا (دیکھو آیہ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۸۰) وغیرہ وغیرہ **صلاح** ہے۔ آیہ (۴: ۶۹) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ 'اَلصّٰلِحِیْنَ' کا درجہ تعبّد کا کمترین درجہ ہے اور یہی عامۃ الناس کے اتباع کے لائق ہے، اس سے بلند تر درجہ 'الشُّھَدَآءِ' کا ہے جس میں مال و جان کی انتہائی پیشکش شامل ہے، اس سے بلند درجے کے لوگ 'الصِّدِّیْقِیْنَ' ہیں جن کا سعی و عمل اور بھی جانگزا اور روح فرسا ہونا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے رتبے کے لوگ جن پر خدا راضی ہوچکا ہے۔ 'النَّبِیّٖنَ' کا درجہ سب سے بلند اور منیع الحصول ہے، اسکے مفہوم کی تشریح حسن اتفاق سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق آئندہ آیات (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) (صفحہ ۲۴۵) میں آرہی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'النَّبِیّٖنَ' وہ لوگ تھے جو ایک جمود زدہ اور شکست خوردہ، ایک مضمحل اور محکوم قوم کو اپنے زہرہ گداز اور مزلزل الارض عمل سے اقل قلیل مدت میں ترقی اور امن کے فلک الافلاک تک پہنچا گئے۔ اور اب مالک کون و مکاں بھی اُن پر سلام بھیج رہا ہے۔ 'نبوّت' کی ماہیت کے متعلق میں نے چند اشارے دیباچہ کتاب (صفحہ ۲۵+۲۶) میں بھی کیے ہیں جن سے نبوّت کا کیف ایک حد تک واضح ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع کسی آئندہ بحث کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس امر کی تصدیق کہ ان آیات میں 'یُّطِعِ الرَّسُوْلَ' سے مراد صدر اسلام میں رسولؐ کے بالمشافہ یا وقتی احکام کی فوری یا حسب موقع تعمیل ہی تھی۔ اور آج جبکہ رسولؐ خدا اُمّت کے درمیان بالمشافہ حکم دینے کے لئے موجود نہیں تو اُس کا بدل **امیرِ جماعت کے احکام کی فوری اطاعت ہی ہے** اس سے کم و بیش کچھ نہیں، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ **وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** (۴: ۵۹) کے الفاظ سے ہوتی ہے جو آیات زیر بحث سے کچھ پہلے آئے ہیں اور جن میں ایمان والوں کو کہا گیا ہے کہ خدا، رسولؐ اور **امیرِ جماعت** کے احکام کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت پر زور آیات زیر بحث (۴: ۶۶-۷۰) سے دو آیتیں پہلے ان الفاظ میں دیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ

سکون کوششوں کا اجرا، تسلسل اور تکمیل ہی تھا جنکے لیئے وہ اپنی زندگیاں وقف کر گئے تھے، اور جنکی ذمہ داری کا بوجھ وہ اخلاف عالمین پر قاطبۃً چھوڑ گئے تھے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۴) تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴: ۶۴) "یعنی ہم نے آجتک کوئی رسول ہی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکے بھیجنے سے ہمارا مقصود ہمیشہ یہی رہا ہے کہ لوگ ہمارے حکم سے اُسکی اطاعت بے چون وچرا کریں، اور اگر یہ منافق بھی علیٰ ہذا القیاس اُس ظلم کے بعد جو اُنہوں نے تمہاری نافرمانی کے باعث اپنی جانوں پر کیا تھا اللہ سے معافی مانگتے اور تم بھی اس درخواست میں اُنکے شریک حال ہوتے تو اُن کو معلوم ہوجاتا کہ خدا بھی فی الحقیقت بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور ظلم کار انسان پر بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔" گویا رسول کا مقام من حیث الجماعت کسی سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ کا مقام ہے۔ اور اسکے اس دنیا میں بھیجے جانے کی غرض وغایت اکثر یہی ہوئی ہے کہ سب لوگوں کو ایک حاکم اور ایک حکم کے حلقۂ اطاعت میں لا کر منظم اور منسلک کردے، اور جب وہ آپ اس دنیا سے رخصت ہوجائے تو یہ اطاعت کا مادّہ ارکان اُمّت میں بدستور جاری رہے۔ اور اسکی بجائے اولوالامر منکم کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اس مقام نظر سے رسالت کا مقصود افراد اُمّت میں اطاعت پیدا کرنا ہے اور بس: لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴) مطاع کی ذات اس اطاعت میں مخصوص اسلیئے نہیں کہ ہر رسول اپنے اپنے وقت میں خدا کی اجازت سے لائق اطاعت ہی تھا جیسا کہ مثلاً آیہ (۴۳: ۶۳) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ سے ظاہر ہے جو اصل کتاب صفحہ ۲۳۵ پر آئے ہیں۔ رسول کے بعد وہ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹) جو اُمّت کی شیرازہ بندی اور غلبے کو قائم رکھنے کے لیئے بِاِذْنِ اللّٰهِ مقرر ہوتے ہیں۔ اس اطاعت کے اہل ہیں، اور از روئے قرآن ان کی اطاعت کرنا فی الحقیقت خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ متذکرہ صدر آیت (۴: ۶۴) کے الفاظ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے بھی ظاہر ہے کہ عصیانِ امیر درحقیقت وہ شکست انگیز شئے ہے جسکے بُرے نتائج نافرمانوں کے اپنے حق میں مضر ہوتے ہیں۔ گویا اس حکم عدولی کے باعث تمام جماعت کا شیرازہ درہم برہم ہوجاتا ہے اور بدیں بازو سب اُمّت کو موت کے گھاٹ اُترنا پڑتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۷۱ کی آیات میں عصیان رسول کو ظلم سے تعبیر کر کے صاف الفاظ میں بیان کردیا ہے کہ امیر اُمّت کی نافرمانی کرنا وہ فتنۂ عظیم ہے جسکی سزا تمام جماعت کے افراد کو بھگتنی پڑتی ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ (۸: ۲۵)۔

* قرآن حکیم کے تمام طول وعرض میں سورۂ فاتحہ سے قطع نظر صرف یہی ایک موقع ہے جہاں پر "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے الفاظ واقع ہوئے ہیں باقی سب قعوں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[ط] بالتنوین موجود ہے اور مطالب کی تنکیر عیاں ہے۔ اس نادر اور معنی خیز تخصیص اور آیات کے سباق وسیاق سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بے لوث و بیاز زندگیوں کا تمام سعی وعمل، انکی اپنی اُمّت کی خاطر مسلسل تکلیف برداریاں، اُن کے دشمنوں سے جہاد بالسیف، اُن کا ترک وطن، اُنکی قربانیٔ مال وجان، اُن کا فرعون پر غلبہ حاصل کرنا، اُنکی وادی سینا اور عین قادیش میں جماعتی تنظیم وتنسیق، اور بالآخر مسلسل تعلیم وتلقین کے بعد بنی اسرائیل ایسی غلام اور محکوم، ذلیل اور نامراد، پست اخلاق اور نامرد قوم کو اقل قلیل مدت کے اندر غالب اور متمکن، حکومت کے اہل اور بادشاہت کے لائق قوم بنا دینا ہی وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تھا جو قرآن عظیم کے رو سے اس دنیا کو نباہنے کا واحد اور سچا دستور العمل ہے۔ یہی وہ عزیز القدر اور پسندیدہ خدا لائحہ عمل ہے جسکے مطابق چلکر عرب کے پیغمبر جلیل اور سردار انبیاء نے تئیس برس کے جانگزا اور روح فرسا سعی وعمل کے بعد وہ فقید المثال کامیابی حاصل کی کہ دنیا ابدالآباد تک اس کارنامے پر سر دھنتی رہے گی۔ یہی اُسوۂ عمل اور انبیائے کرام کا

[ط] یا بعض جگہ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ہے۔ وغیرہ۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کیئے، ایک بڑا احسان یہ تھا کہ ہم نے ان دونوں بھائیوں کو اور انکی قوم کو فرعون کی مصیبت عظمیٰ سے بالآخر نجات دی، اور فرعون کے بالمقابل انکو کامیاب طریق عمل کی ہدایت دیکر اُن کی مدد کی، اور پھر آخر کار یہی لوگ غالب رہے اس کے علاوہ ہم نے انکو ایک واضح اور بلیغ فی البیان دستور العمل کتاب کی صورت میں دیا، اور انکو دنیا میں خوش اسلوبی سے اور غالب بنکر رہنے کا صراط مستقیم دکھایا، اور پھر ان دونوں بھائیوں کے عظیم الشان اعمال کا اثر انکے اخلاف میں بھی باقی رکھا موسیٰ اور ہارون پر ہمارا اور اُن کے بعد کی اُمتوں کا سلام ہو! بیشک ہم حسن عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے!

ان نتیجہ خیز، صبر آزما، اور بلند پایہ اعمال کے بعد یہ چشم انعام ہی نماز کی اصلی محرک، اور پنجوقتہ حاضری کی روح رواں تھی: تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (۳۲: ۱۶) یہ لطف و کرم کی اُمید، اور غضب خدا کا ہول ہی تھا جو اُس علۃ العلل، اُس قادر مطلق اور مسبب الاسباب خدا!

ؔ یہ وہ صاحب سعی و عمل لوگ ہیں کہ احکام خدا کی تعمیل، اور بہبودی اُمت کی جد و جہد میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، نرم و نازک بستر خدا کی تعمیل میں انکی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کی جناب میں اجتماعی ہلاکت کے خوف اور غلبۂ اُمت کے طمع سے کراہتے ہیں، اُسکے لطف و کرم کے امیدوار اور سزا سے خوفزدہ رہکر دعائیں مانگتے ہیں، اور حتی الامکان اسمیں سے جو ہم نے انکو دے رکھا ہے ایثار مال بھی کرتے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۵) تھا، نوح، ابراہیم، لوط، صالح وغیرہم علیہم السلام سب اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلتے رہے، اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلکر نعمت اور دنیوی تعزز ہے (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) اسی سے آخرت اور عقبیٰ کا چھٹکارا ہے، یہی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ۴۴ ہے، اسی سے غضب خدا کی بندش یکسر ہوجاتی ہے۔ خدا کے فرشتے اور بادشاہ زمین و آسمان سلام بھیجتے ہیں (سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ)، رب ذو المنن کی نگاہیں مہر آلود بن جاتی ہیں (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ) یہی سچا حسن عمل ہے (إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) یہی اُس آقائے نامدار کی صحیح عبادت ہے، یہی اصل ایمان اور عین اسلام ہے۔ اسی کا مطالبہ اور اسی کی درخواست پنجوقتہ دن میں تھی، اسی کی ترتیب کے اظہار میں قومے اور قعدے تھے۔ اسی عمل کو قائم کرنا أَقِيمُوا الصَّلَاةَ تھا، مگر آہ! کہ مسلمان آج اس آلٰہی اور نبوی سبق کو قطعاً بھول گئے ہیں!

ؔ ایمان کے متعلق وہ تمام قرآنی اعمال جنکا ذکر اُس وقت تک کتاب میں آچکا تھا صفحہ ۱۰۲-۱۰۳ پر جمع کر دیئے تھے انکے مطالعے سے ظاہر ہو کہ موسیٰ اور ہارونؑ پر "الْمُؤْمِنِينَ" کا لفظ کسقدر چسپاں ہوتا ہی نہیں بلکہ ان دونوں پیغمبروں کے جانکاہ اور زہرہ گداز اعمال کو دیکھکر جو انہوں نے بنی اسرائیل کو تمکن فی الارض بنانیکے لیئے کیئے، اس امر کا اندازہ ہو جاتا ہو کہ ایمان فی الحقیقت کس انتہائی سعی و عمل کا نام ہی، اور اسکا منتہائے وحید کس حد تک اس دنیا کے اندر قوت اور زور سے رہنا ہے۔ جو شخص اپنے آپکو اور اپنی قوم کو دشمن کے دست تطاول سے نجات دلا کر وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ اور وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ کا مصداق بناتا ہی وہی قرآن کی اصطلاح میں مومن ہے، کلمہ شہادت کو پڑھ کر مومن بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ ان آیات آلٰہی سے اس امر کی بھی مزید تصدیق ہو جاتی ہو کہ ایمان کا اصل نتیجہ اس دنیا میں سیاسی غلبہ ہی ہے، "روحانی غلبے" کا کہیں ذکر نہیں۔ حَسَنَات کے صحیح مفہوم پر بحث صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ میں آچکی ہو جس سے ظاہر ہو کہ الْمُحْسِنِينَ سے مراد صفحہ ۱۳۰ کی آیت (۱۱۶: ۶) کے لفظ أَحْسَنُهُمْ کیطرح یہاں بھی وہ اجتماعی جد و جہد ہے جسکا اصل نتیجہ غلبۂ قوم ہو گیا یہی سیاسی غلبہ حاصل کرنا اصلاح عمل ہے۔

کی جناب میں ان وقف عمل اور اسلام کے سچے خادموں کو ضربِ دل اور خشوع و خضوع سے آمادۂ رکوع و سجود کر دیتا تھا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝[۵۱] (۲۱: ۹۰)۔ یہ دستگیریٔ ربّ پر اعتماد، اور نصرت خدا کا یقین ہی تھا جو تملّق کی رحم آفریں اور مضطر النعام حالت میں خدا کی سچے دل سے تحمید و تقدیس کراتا :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۱-۴)

اے پروردگار عالمین! سب تعریف اور شکر نے کا مستحق تو ہی ہے۔ تو بڑا ہی رحم کرنے والا، اور بڑا ہی مہربان ہے۔ روز جزا و سزا کا بھی تو ہی حاکم ہے۔ ہم اپنے سب اعمال میں تیری ہی خدمت اور تیری ہی چاکری کریں گے، اور ہر معاملے میں تجھی سے مدد مانگیں گے۔

یہ دوستی حق پر اعتماد، اور تائید خدا کا انتظار ہی تھا کہ انعام کی آس پر سب کی سب جماعت یکدم گھٹنوں پر، اور ہاتھوں کے بل گر پڑتی! پھر اٹھتی اور بار بار گرتی! اس نماز میں روح تھی، اس میں مقصد تھا، اس میں غرض کی دلچسپی تھی، اس میں انعام کی لِم اور رکوع و سجود کی منطق تھی، اس میں ایمان کے شعلے تھے، اس میں عصبیت کی یک رنگی تھی، اس میں سچا خشوع و خضوع تھا، اس میں محبت کی جنبشیں اور مواخات کے باہمی تلاطم تھے! اس میں اطاعت کا پیہم احساس، اور نظم و نسق کا سچا سبق تھا! اس میں توحید کا عملی اور نتیجہ خیز منظر تھا! اس میں خدا کی سچی خوشامد، اور متفقہ جماعت کی اس قدر عجز و زاری کے بعد طمانیت دل اور تسکین قلب حاصل ہوتی تھی: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝[۵۲] (۱۳: ۲۸) یہی وہ مسکن روح اور مفرح قلب دوا تھی جو

[۵۱] اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ خدا کے قوت افزا اور مفید قوم اعمال (الخیرات) کی طرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت سے اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور پھر اس بیم و رجا کے تکلیف کو دل میں رکھ کر ہماری جناب میں سچا خشوع و خضوع کیا کرتے تھے۔

[۵۲] لوگو! بگوش دل سن رکھو کہ دلوں کو کامل تسلی خدا کے سچے احساس سے ہوا کرتی ہے۔

• الخیرات کے صحیح مفہوم کے بارے میں ایک طول و طویل بحث صفحہ ۱۲۴-۱۳۷ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ نیز یہ آیت بھی آئی ہے۔ متذکرہ صدر مطالب کی تصدیق کے لیے وہاں دیکھنا چاہیے۔

• صفحہ ۱۰۰ کے تحت المتن میں عبادت کا صحیح مفہوم واضح کر دیا تھا۔ نماز کے عین وسط میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار بادشاہ زمین و آسمان کے سامنے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دعوٰی پیہم ملازمت اختیار کرنے کا ہے نہ نماز پڑھنے کا۔ یہ نکتہ ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر بھی واضح کر دیا ہے۔

مشکلات کے آسان کرنے میں معین خاص ہوا کرتی تھی؛ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ [۵۱] (۲: ۱۵۳)۔ آج یہی نماز جسکے ہر قومے اور قعدے پر خدائے بے نیاز کی رگِ لطف و رحمت میں مسلسل اور متصل جنبشیں ہوا کرتی تھیں، جسکے ہر کیفِ سجود پر مُنشیانِ لطف و کرم کے قلم محشرستانِ صریر بنجاتے تھے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ [۵۲] (۱۴: ۷)، جسکی ہر تہلیل جراحتِ عشق کی بے اختیار ٹیس، اور ہر تکبیر کسی نمک بخت ناسور کی جگر شگاف چیخ تھی، جسکے ہر زمزمۂ اذان اور ہر مضرابِ دعا پر لطفِ الٰہی کے لاانتہا ساز یکدم بجنے شروع ہوجاتے تھے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ [۵۳] (۴۰: ۶۰)، جسکی جاذب القلب صدائیں پردۂ زنگاری کے اُس بے نیاز، سیر چشم، اور پُرکار معشوق کو بھی مجبور یاد اور آمادۂ جواب کردیتی تھیں؛ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ [۵۴] (۲: ۱۸۶)، فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ [۵۵] (۲: ۱۵۲)، آہ! یہی نماز آج اُمت کی بے حسّی اور ایمان کی سطحیت، مطالب کے نسیان اور مقاصد کی فروگذاشت کے باعث ایک بے معنی اُٹھک بیٹھک بنگئی ہے! غرض تو درکنار، اِسکے لفظی معانی بھی آج ننّوے میں پانچ نمازگذاروں کو میسر نہیں! اِسکی اہمیت، غرض و غایت کی ناواقفیت کے باعث روز بروز ذہنوں سے اُٹھ رہی ہے! مقصود کے فقدان اور کساد بازاری کی وحشت نے اِسمیں بے مطلبی کا تنفّر، اور بے سبب فرضیت کا اکراہ پیدا کردیا ہے؛ نصب العین کے سقوط، اور

---

۵۱ اے ایمان والو! مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال اور خدا کی سچی یاد سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا انہی کا ساتھ دیتا ہے جو مستقل رہتے ہیں (گویا اوّل مرحلہ سعی و عمل میں استقلال (الصّبر) ہے اور آخری مرحلہ دعا (الصّلوٰة) ہے)۔

۵۲ اگر تم میری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اُن کی سچی قدر کر کے میرا شکریہ ادا کرتے رہوگے تو میں تم کو اور بھی زیادہ کرونگا (شکر کے ان معانی کے لیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۸)

۵۳ اللہ فرماتا ہے مجھے بلاؤ اور درد دل سے بلاؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری درخواست کو قبول کروں گا۔

۵۴ اور اے محمّد! جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو اُن کو کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں بلکہ اگر اُس کا دل کراہنے لگے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ پس اُنکو چاہیئے کہ سرتاپا ہمارے حکموں اور اشاروں پر چلیں اور بہر حتی الوسع سعی کر کے ہم پر اعتماد بھی کریں ممکن ہے کہ انکو راہ مل جائے

۵۵ تو تم کو ہر وقت سچے دل سے محسوس کرتے رہا کرو پھر ہم بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔

طپشِ دل کے زوال نے اِسکے رہے سہے نباہنے والوں اور خدا دوستی کے بڑے دعوے داروں اور شب زندہ داروں میں ایک المناک دوریٔ دل اور پریشانیٔ خیال پیدا کردی ہے؛ اِسکا ہر رکوع و سجود، درحقیقت ایک غیر دلچسپ اور مضحکہ انگیز بیگار بن گیا ہے؛ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَۙ (۲: ۴۵) لہ بڑے بڑے رسمی اولیاءاللہ اسکو برسوں تک نباہ کر اپنے آپ کو خدا سے ویسا ہی دور پاتے ہیں جیسا کہ روزِ اول میں تھے! اُدھر مجددینِ دینِ کُہن، اور بعض شناسانِ عہدِ حاضر، اِس نماز کو یورپ کے فراعنہ کبر و تمکنت اور مبلغینِ فسق و شیطنت کے آبگینۂ تہذیب و وجاہت کو ٹھیس نہ لگ جانے کی خاطر، ازمنۂ مظلمہ کی ایک جاہلی رسم اور لغو حرکت خیال کررہے ہیں! اِسکی اذانیں محفل آرایانِ طرزِ جدید کے لطیف اور ناتحمّل دماغوں میں، بے ہنگام اور تکلیف دہ صدائیں بن گئی ہیں! یورپ کا شیوۂ حکومت آج اپنے بےمثال تمکّن اور خاموش تبلیغ سے اپنی مخصوص طرزِ تعلیم اور مصالحانہ دخل سے، اپنی باطنی بدنیتی اور ظاہر احسان سے، اصلاح کے دلفریب بہانوں اور تہذیب کے مشہور عُذروں سے محکوم مسلمانوں میں تفرنج کا رنگ پیدا کرکے، اُنکی محبوب روایات اور مہتم بالشّان شعائر کی بیخ و بُنیاد کو کھوکھلا، اور اسلام کی خانہ براندازی کا تماشا نہایت ٹھنڈے دل سے کررہا ہے! اِسکی پُرفن اشاعتی تعلیم محکوم مشرق میں مذہب اور جماعت کو عمداً کالعدم کررہی ہے۔ نئی پود کی اکثر عصبیت، اُن کے امتیازی نشان، اُنکی ملّی خصائص اور اخلاقی بزرگیاں حرفِ غلط بن بن کر مٹ رہی ہیں۔ اسلام کی مسخ شدہ تصویر کے بقیۃ الموت سب خط و خال علمِ جدید کی عاریتی اور خانہ سوز شعاع کے بالمقابل برف بن بن کر گھل رہے ہیں۔ مغرب کی شان مکر و تمکنت آج مشرق کی ہر خوبی کے متعلق اپنے معنی خیز استخفاف اور عیارانہ سکوت سے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں پر مصالحانہ احتلال کرکے اُن کو اپنے دین سے، اپنی روایات سے، اپنے اعمال سے، اپنے ابطال اور اعاظم الرجال سے، اپنے خدا سے قطعاً منقطع کررہی ہے! مرد تو درکنار، اسلام کی محفوظ اور محافظ مردِ صنفِ لطیف، یورپ کی آغوشِ لطف و مرحبا میں اِس حیاسوز

لہ اسمیں شک نہیں کہ یہ نماز ماسوا ان لوگوں کے جنکا سب بیم و امید ہمارے ساتھ وابستہ ہوچکا ہو باقی لوگوں کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

سرعت سے ہمکنار ہورہی ہے کہ ہر صاحب نظر کی نگاہیں زمین میں گڑی جارہی ہیں! نا انجام شناس مسلمان نشر و تبلیغ کے ان منقلب القلوب مرکزوں میں ایک ناقص اور سطحی، نظری اور بیکار کن علم کی پتلی سی تہ چڑھا کر تعلیم کے خوشنما تبر سے اپنی ہی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اُدھر علمائے دین کی ماتم انگیز کم علمی، علم و شہادت کے اس عہد حکومت میں اسلام کی ایک قطعاً ناقابل تسلیم اور مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہے۔ الغرض دنیائے اسلام کے اکثر اہم حصّوں میں خدائے زمین و آسمان کے اس لشکر انگیز اور جہاں کشا دین کا ہر باقی ماندہ اصول مغرب کے ائمۃ المکر کی ہشیار فریب چالبازیوں، اور مشرق کے اجلۃ الجہل کی ناروا ضد کے باعث عجب ہنسی مخول بن رہا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ (۵: ۵۷-۵۸)

ان احکام الٰہی میں اُن اعدائے اسلام کے ساتھ جو ہمارے دین کا تمسخر اُڑائیں، جو اُن کی تخفیف و توہین کر کے مسلمانوں کو اس سے بیزار کرنے کی سعی کریں، کسی قسم کی دوستی اور موالات نہ رکھنے کو اتقائے الٰہی اور ایمان پر محمول کیا گیا ہے، اور صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ گویا جو شخص یا جماعت اُن سے موالات اختیار کرتی ہو اسکے ایمان میں خلل ہے، اور اُسکے مومن ہونے کا ادّعا محض باطل ہے: (اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)۔ جو جماعت اس صورت حال کو دیکھکر بھی ایسی جماعت سے سروکار رکھتی ہے، جو اُس کے ساتھ تجارتی کاروبار یا روزانہ تعامل، مراسم حُب یا تعاون برقرار رکھنا کچھ عیب نہیں سمجھتی وہ لامحالہ شدید العقاب خدا کی دردناک سزاؤں کا کچھ خوف (اتقا) نہیں کرتی، اُسکو اس اجتماعی ضعف و شکست کا کچھ باک نہیں رہا جسکا ایسی حالت میں اُمت پر خدا کے ہاں سے نازل ہونا قطعی ہے، اور ایسی ایسا گروہ کچھ متقی بلکہ کچھ مومن نہیں۔ جو قوم اَعْلَوْنَ کے نصب العین سے پرے ہٹ رہی ہے، جسکے اعمال اُمت کی اجتماعی قوت کو ضعف پونہچا رہے ہیں، اُس کا ایماندار بنے رہنا از روئے قرآن بہت مشکوک ہے۔ مسلمانوں نے آج 'موالات' کے معانی میں بھی عافیت دہ تاویلیں پیدا کر لی ہیں حالانکہ آیہ (۵: ۵۷) سے صاف ظاہر ہے کہ اس ترک دوستی سے غرض دشمن قوم کی مُضر تلقین و تعلیم کے اثرات سے محفوظ رہنا اور ضمناً اُن کو اس ترک دوستی کے باعث انتہائی مالی اور اقتصادی نقصان پونہچا کر اپنی قوت کو محفوظ رکھنا ہی ہے۔ حفظ نفس کا اصل اصول قرآن حکیم کے ہر ورق پر لکھا ہے۔ یہی اسلام کی اصلی تعلیم ہے، یہی ایمان و تقویٰ ہے، اپنی انتہائی حفاظت کرنا اور دشمن کو انتہائی ضرر پونہچانا، اس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنے کا وہ صراط مستقیم ہے جو جریدۂ کائنات کے ہر شعبۂ بقا پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ادنےٰ مخلوق سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ مخلوق تک سب اسی پر عمل پیرا ہیں، قانون فطرت کا لُب لباب یہی ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، یہی دین اسلام ہے اور یہی دفاعی حکمت عملی الصّلوٰۃ کے قیام میں مضمر ہے! مگر اس موضوع پر مبسوط بحث کسی آیندہ صحبت میں کیجائے گی۔

اے ایمان کے دعوے دارو! اُن اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے، جن کو تم سے پہلے کتابِ الٰہی دی جا چکی ہے، جن لوگوں نے تمہارے دینِ اسلام کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، نیز اُن لوگوں کو جو خدا کے سرے سے منکر ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم سچے ایمان والے ہو تو خوفِ خدا کر کے اُن سے الگ تھلگ رہو، اور اُن سے میل ملاپ پیدا کر کے خودکشی نہ کرو! اور یہ بالتخصیص وہ قومیں ہیں کہ جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اُسکو ہنسی اور مخول بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، اور یہ اس لیئے کہ ان ناسمجھوں اور بے وقوفوں کو نماز کی عظیم الشان اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں، (یا محض تجاہلِ عارفانہ کر کے تمہارے دلوں میں اسکی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں)۔

خود مساجدِ خدا کی معنوی حالت اس ملحدانہ لاُابالیت سے کہیں ابتر ہے! اُن کے صحنوں میں دردناک خموشیاں، اور حجروں میں ہولناک ویرانیاں ہیں۔ خدا کے نام لیواؤں کی ایک تعداد کثیر ہے جس کے موت آفریں ماحول میں خانہ نشین رہکر، اس نماز کو، نہیں اس صراطِ مستقیم کی متفقہ درخواست کو (!) گھروں کے اندر ہی اندر ٹرخا لیتی ہے، لیکن ربِّ زمین و آسمان کیلیئے دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتی! سینوں کی کپٹ! اور دلوں کی سیاہی کا یہ حال ہے کہ مساجد میں حاضر ہونے کے باوجود، نماز کی جماعتی حیثیت حساً اور معناً نابود ہو گئی ہے؛ وہ سجدیں اور الٰہی دربار گاہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور دینی مواخات کی پنجوقتہ انجمنیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اسلامی بہبودی کے ہر ممکن موضوع پر بے تکلف مباحثے، اور دشمن سے عہدہ برآ ہونیکے بے خوف و خطر منصوبے سوچے جاتے تھے، وہ اعلانِ خدا کے نقار خانے آج باہمی رنج و حسد کے باعث خموشوں کے مقبرے بن گئے ہیں! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا، اور ہر دل دوسرے دل سے جُدا ہے! فرعی اختلافات ہیں، عقائد کی ہولناک تفریق ہے، الفاظ اور لغات پر فرقہ بندیاں ہیں، پیش امام کا جہل محیط ہے، بیحسی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے! پھر پریشانیٔ دل اور فکرِ معاش میں چند پے در پے سجدے ہیں، برسوں کی بھولی ہوئی باتوں کی یاد دہانیاں وسطِ نماز میں ہیں، پھر منافقت کے رسمی علیک سلیک، یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں، پھر خانۂ خدا سے نکلکر ان سجدوں کی رعونت، اور اس عبادت کا

غرور ہے! فاحش اور منکر خیالات بیش از پیش ہیں، تمام باقی وقت استیصال حریف، تھڑدلی اور تنگ ظرفی، ایذائے خلق اور مدِّ مقابل سے جھڑپ مول لینے میں صرف ہو رہا ہے گویا فلاح و نجات کا منشور ایزدی خانہ خدا کی دہلیز پر مل چکا ہے!

زبادہ ہائے صبوحی بدامنِ عصمت
چہ داغِ شرم کہ ننہادہ۔ دریغ از تو!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (۱۰۷: ۴-۷)

تو اے لوگو! حیف ہے اُن نمازگزاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض و غایت کو فراموش کر چکے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کیلئے نمازیں پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت اور اتحاد و رأفت اور رحمت کے سبق کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ انکی باہمی کپٹیں اسقدر بڑھ گئی ہیں، اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبّت تو درکنار، وہ ایک دوسرے کو روزمرّہ کے برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے!

* آیہ (۱۰۷: ۴-۵) سے ظاہر ہے کہ نماز کے ارکان ادا کر دینا اور اسکی غرض و غایت یعنی سماحت اور مصالحت بین الناس کو فراموش کر دینا وہ عمل ہے جس کی خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں، ایسی نماز محض ہو کا اور دکھلاوا ہے۔ ورنہ الصّلوٰۃ وہ نیتوں کو نیک، ارادوں کو بلند، اور حوصلوں کو فراخ کر دینے والی شئے ہے کہ اُسکے ذریعے انسان دوسرے انسان کے لیئے ہر ممکن ایثار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسا تھڑدلا اور کم حوصلہ ہو جائے کہ ادنیٰ سی سماحت (مثلاً ایک دوسرے کو روز کی برتنے والی اشیاء سے مدد دینا) بھی روا نہ رکھے۔ الصّلوٰۃ کی اس مصلح الاعمال استعداد کا ذکر سورۃ المعارج میں بھی ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ (۷۰: ۱۹-۲۳)

لوگو! اس میں شک نہیں کہ آدمی بڑا ہی کم حوصلہ اور تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اسکو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو واے وائے کرنے لگتا ہے اور اگر ذرا سا فائدہ پہنچ جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل اور خسیس بن جاتا ہے البتہ وہ الصّلوٰۃ کو قائم رکھنے والے لوگ جن کا پیش نہاد اپنی فراخ حوصلگی سے دلوں کو موہ لینا ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں اور یہ لوگ ہیں جو دم بھر کے لیئے الصّلوٰۃ کے پیش نہاد کو نظرانداز نہیں کرتے (الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ) الصّلوٰۃ پر مداومت کرنیکے یہی معنی ہیں کہ ایک لمحے کے لیئے بھی اسکی الٰہی حکمت کو بھولا نہ جائے، ہر دم نماز پڑھتے رہنا نہ ہو سکتا ہے اور نہ مقصود ہی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس زیر بحث آیات (۱۰۷: ۴-۷) میں الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سے مراد نماز کے مضمون کو بھلا دینا یا اُسکے ادا کرنے میں غفلت کرنا نہیں بلکہ نمازی بنکر نماز کے منتہا کو بھول جانا مراد ہے۔ دونوں جگہ الْمُصَلِّينَ کا ذکر ہے بے نمازوں سے بحث نہیں اور اسی لیئے آیہ (۱۰۷: ۶) میں يُرَاءُونَ کہا ہے یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر محض دکھلاوے کی۔ شارحین قرآن نے ان معنی خیز آیات کا نہایت لغو ترجمہ کر دیا ہے اور اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ† قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (۱۴۲:۴-۱۴۳)

اسلامی جماعت میں نفاق ڈالنے والے اور فرقہ بند لوگ تو گویا اپنی ظاہرداری سے خدا کو دہوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں خدا ہی اُن کی بداعمالیوں کو اُنکی نظروں میں اچھا دکھا دکھا کر اُنکو دہوکا دے رہا ہے۔ اُنکی نشانی یہ ہے کہ جب نماز کے لیئے کہڑے ہوتے ہیں تو بیدلی سے اور الکسائے ہوئے کہڑے ہوتے ہیں محض دکھلاوے کی نمازیں پڑہتے ہیں، ورنہ خدا کا احساس اُن کے دلمیں فی الحقیقت بہت ہی کم ہے۔ انہیں خدا کا یقین تو ہے نہیں، کفر اور ایمان کے بین بین کہہ مذبذب رہتے ہیں۔ نہ پورے اِدہر کے نہ اُدہر کے۔ سو جن کو خدا گمراہ کر دے انہیں کوئی مستقل طریق عمل کبھی نہیں ملتا۔

" جب اسلام کے اِس بہترین شعار، اور التیام جماعت کے اِس بہترین چارۂ کار کے متعلق مسلمانوں کی کارفرمائی کے یہ عنوان ہوں، افراد میں یہ تفریق و انتشار، اور اتحاد میں یہ سطحیت اور نمائش ہو، یہ بے توجہی اور خدائے ذوالجلال کی جناب میں پنجوقتہ یہ صریح گستاخی ہو، بندگانِ خدا میں کفر و الحاد کی یہ طرحداری اور خودداری کی یہ وضع بن گئی ہو، اللہ کے آگے ماتھا رگڑنا یہ باعث ننگ و عار، اور بے روح سجدوں میں کبر و ادعا کی یہ شان ہو، جب نصب العین مفقود، اور مدعائے سوال کالعدم ہو، نہیں، جب سائل کو

† یہاں پہر الصّلوٰۃ کا پیش نہاد وہی اتحاد اور اصلاح بین النّاس ظاہر کیا ہے۔ نفاق پیدا کرنے والے لوگوں کی بابت کہا ہے کہ نماز میں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں اسلیئے کہ الصّلوٰۃ کا مطمح نظر اتحاد ہے اور یہ لوگ تفریق پیدا کرنیکے درپے ہیں بدیں وجہ نماز اُن کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ اُن کی نمازیں بھی اسی لیئے محض دکھلاوے کی ہیں۔ یعنی غرض لوگوں کو دہوکا دینا ہے۔ یُرَآءُوْنَ کا لفظ یہاں پر آیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اِس سے مراد یہاں بھی دکھلاوے کی نماز پڑہنا مراد ہے جیساکہ پیشتر کی آیت (۶:۱۰۷) میں دعوےٰ کیا تہا۔ عبرت کا مقام ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنے لوگ ہیں جو نماز میں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں، اور از روئے قرآن وہ کس گروہ میں شامل ہیں جس کی بابت اِسکی آیتہ ذرا آگے آیا ہے: إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۱۴۵:۴) یعنی جماعت میں نفاق پیدا کرنے والے لوگ جہنم کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے۔ فاعتبروا۔

ضمناً یہاں اِس بات کا فیصلہ بھی ہو گیا کہ منافقوں کی سی نماز پڑہنا ذکر خدا قطعاً نہیں ہے (وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا) یہیں بلکہ ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا بھی نہیں بلکہ وہی خدا کا کہٹکا دل میں لگائے رکہنا ذکر خدا ہے۔

سوال کی خبر اور منعم سے سوال کا رخ بھی نہو، جب اعمال قطعاً نابود، انعام کا حسن زائل، اور سعی سے اسقدر گریز ہو تو پھر خدا سے کیا شکایت ہو کہ یہی ہے او صدیوں کی خواب آفرین مہلت، اور شوکت و احتشام کے بعد یہ ناگہاں عذاب کیا ہے!؟[1]

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ (۶: ۴۴-۴۵)

پھر جب یہ اُمت رفتہ رفتہ اُس تمام دستور العمل کو بھول گئی جو ہم نے اُنکو کبھی اچھی طرح یاد دلایا تھا۔ تو ہم نے بھی اُنکو اور مغالطے میں ڈالنے کی غرض سے اُنپر تمام دنیاوی نعمتوں کے دروازے چوپٹ کھولدیئے، یہانتک کہ جب وہ اُن نعمتوں کے نشے میں اچھی طرح مست ہوگئے اور یقین کرنے لگے کہ یہی طریق عمل فرمودۂ خدا ہے، اور ہم ہی اِس دنیا کے اندر خدا کے چاہیتے ہیں، تو ہم نے یک لخت اُنکو آدبوچا۔ اور عذاب کا آنا تھا کہ اب وہ بے آس ہیں اور ہمارے حضور میں کراہ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اُس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی اور اس پروردگار عالم کا شکر ہے کہ اِن نااہل لوگوں کا قصہ پاک ہوگیا!

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (۴۰: ۶۰)

لوگو! پروردگار فرماتا ہے کہ ہمیں پکارا کرو۔ اگر ضرب دل سے ہمیں پکاروگے تو ہم تمہاری درخواستیں بھی قبول کر لیا کرینگے لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھکر اور غرور کے مارے ہم سے سرتابی کی اُنکو ہم عنقریب ذلیل و خوار کرکے جہنم واصل کردینگے۔

لیکن الصلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق جو عبرت انگیز تنبیہی حکم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو منافقین دین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنے اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی غرض سے نازل ہوا تھا بجائے خود نماز کے فلسفے کی بہترین تشریح تھا۔ مدینے سے چار میل باہر قصبۂ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ایک

[1] ظالم کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مبسوط حاشیہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۵ پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہے کہ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ظالم قوم کی ہلاکت قطعی ہے جیسا کہ مثلاً صفحہ ۸۱ ۔ و ۱۲۱ پر آچکا ہے۔

سجد تھی جسکے محل وقوع پر پیغمبرِ اسلام نے مکے سے ہجرت کے چند روز بعد تک نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں یہ مقام تعظیمًا مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ محلہ والوں کی ایک شریر مسلمان نما جماعت نے اسلام میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایک اور جماعت اس مسجد قبا کے بالمقابل اس عذر پر کھڑی کی کہ بیماروں اور معذوروں کو آسانی ہو، مگر نماز اول کی امامت بطور افتتاح خود صاحبؐ شریعت سے کرانی چاہی کہ ضد میں کسر باقی نہ رہے۔ اللہ کے اس نکو کار و نکو سگال رسولؐ نے وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر اسی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہونگے، مگر وہ دانائے اسرار قلوب اور محافظِ اسلام خدا جسنے نماز کی بنیاد مومنوں کے تالیف قلوب اور حقیقی اتحاد کی اہم حکمت عملی رکھی تھی، جسنے نماز کو استحکام جماعت اور عالم آرا اخوت کا بہترین پیش خیمہ قرار دیا تھا، اس غیر مجاز وعدے پر برہم ہو گیا، اور ارشاد ہوا کہ جس مسجد کی وجہ بنا پراگندگیٔ امت اور تفریق جماعت ہو، جو مسجد تقوے کے حقیقی منتہا اور عبودیت کے صحیح مطمح نظر کے مخالف ہو، اور اسلامی جماعت کو اشتات و انتشار کے جہنمی گڑھے کی طرف لیجاوے اسمیں تیرا ایک لمحے کے لیئے بھی کھڑا ہونا مہلک ہے!

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹: ۱۰۷ - ۱۱۰)

* ان آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ جماعت کے اندر نفاق پیدا کرنے والے اور فرقہ بند لوگ قرآن حکیم کی مطلق اصطلاح میں ظالم ہیں، اور ایسے آیات (۸: ۱۲۸، ۵۹) و (۱۶: ۴۷) صفحہ ۸۱ یا آیت (۱۶: ۴۵) صفحہ ۲۵۴ کے روسے انکی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اس لیئے کہا ہے کہ وہ

اے محمدؐ! تمہاری اُمت کے جن منافق مسلمانوں نے آج اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی
ہو کہ اسلام کو نقصان پونہچائیں، خدا ورسول کے منکر بنیں، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کردیں، اور
ان دشمنانِ اسلام کو پناہ دیں جو اس سے پہلے خدا ورسول سے لڑ چکے ہیں، اور اگر ان سے پوچھا
جائے تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو نیکی کے سوا اور کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا، تو آج

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۵) تمام جماعت پر، اور پھر اسکی وساطت سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور نا اتفاقی کے باعث سب کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ لائق غور بات یہ ہے کہ یہاں 'ظالمین' کا اطلاق اُس جماعت پر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسماً مسلمان کہتی تھی گویا از روئے قرآن خود اسلام کے اندر فرقہ بندیاں پیدا کرنا بھی حتماً ممنوع ہے اور بلالحاظ احدے رسمی مسلمانوں کو نارِ جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ جو عافیت پسند مسلمان 'کلمہ گو' مسلمانوں کو انتہائی بد اعمالی کے باوجود نارِ جہنم سے مستثنٰی قرار دے کر آج مکر کی سندیں لے رہے ہیں اُنکے لیئے یہ آیات اور بالخصوص یہ 'نَارِ جَهَنَّمَ' کے الفاظ (۷: ۱۰۹) ازبس قابل غور ہیں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدائے عظیم نے انسانی تفرقے کو نار سے تشبیہ دی ہے، پہلا موقع كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳: ۱۰۳) کے الفاظ میں صفحہ ۱۲۴ پر گذر چکا ہے گویا تفرقہ ڈالنا یا متفرق ہو جانا جہنم کے گڑھے پر کھڑے ہونے کے مترادف ہے!

'ظلم' کی جامع ومانع اصطلاح کے الٰہی مفہوم کے بارے میں ابتدائی بحثیں مختلف مواقع پر آچکی ہیں جن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ از روئے قرآن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنا اور نامردی ظاہر کرنا 'ظلم' ہے (آیہ (۳: ۱۳۹) و تحت المتن صفحہ ۱۲۰ الخ) کچے ایمان والے اور بزدل بننا 'ظلم' ہے (آیہ (۱۴: ۲۷) و تحت المتن صفحہ ۱۴۳)، امیرِ جماعت کی نافرمانی کر کے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنا 'ظلم' ہے۔ (آیہ (۸: ۲۵) صفحہ ۱۷۱، تحت المتن صفحہ ۱۷۲ و آیت (۴: ۴۴) تحت المتن صفحہ ۲۴۴)، جماعت کے اندر تفریق و انتشار پیدا کرنا 'ظلم' ہے (آیت زیر بحث یعنی (۹: ۱۰۹)) جو قوم ان اجتماعی جرائم کی مرتکب ہے اُسکی ہلاکت کا ایک نہ ایک دن واقع ہونا قطعی ہے۔ اور اسی بنا پر هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶: ۴۷) کا محاکمہ قرآن میں بالالتزام موجود ہے۔ 'ظلم' کے الٰہی مقصود کی باقی شقیں بھی اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ لیکن اتقا بمعنی اتحاد کے بالمقابل ظلم بمعنی تفرقہ انگیزی اس استقلال کے ساتھ قرآن حکیم میں مستعمل ہوا ہے کہ اسکی کئی مثالیں آگے چلکر اس کتاب میں پیش ہونگی۔ یہاں پر گذشتہ حوالہ جات کو اسلیئے یکجا کر دیا ہے کہ آگے چلکر صفحہ ۲۶۹ پر ایک اہم آیت (۲: ۱۲۴) امامت کے منصب کے متعلق آرہی ہے اور اُسمیں الظّٰلِمِيْنَ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اس تصریح سے وہاں کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں۔

آج عالمِ اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجدِ ضرار ہیں۔ وہ سب کی سب دینِ اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ اُمت کی اجتماعی قوتوں کو منتشر کر رہی ہیں۔ ہر پیش امام اپنی اپنی دکان سجائے سرِ بازار بیٹھا ہے حتی الامکان اپنے حلقۂ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی میں منہمک ہے، جا و بیجا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہے۔ اور اپنے ہی ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بننا گوارا نہیں کرتا۔ رہنمایانِ امت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیانِ امیر فی الحقیقت وہ ظلمِ عظیم ہے جسکا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں بھی اثر کر چکا ہے۔ آج مسلمانوں کے ہر محلے میں اُمرا اور غربا کی الگ مسجدیں ہیں، ذاتوں اور پیشوں پر مسجدیں ہیں، اماموں اور پیروں پر مسجدیں ہیں، حدیث اور قرآن پر مسجدیں ہیں، آمین اور غیر آمین پر مسجدیں ہیں۔ الغرض ہر طرف ضرار ہے، تفریق بین المسلمین ہے، کفر ہے، خدا سے محاربے ہیں، رسولؐ سے لڑائی ہے، (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) دشمن خدا کی حمایت ہے! ہاں لیکن جس اُمت کے دشمن خدا اور رسول بن چکے ہوں اُسکی موت کا پیغام جلد سے جلد نہ آنے کو ہو تو کیونکر ہو!

میرے نزدیک اگر آج ان مساجدِ ضرار کا کوئی علاج ہے، اگر ان مارہائے آستین کے مہلک اور سم آلود اثر کا کوئی حکمی تریاق ہے، اگر اُمت کی اس دردناک پراگندگی اور ریزش کو اتحاد میں پھر بدلنے کی فی الحقیقت کوئی سبیل باقی رہ گئی ہے، نہیں اگر اُس شدید العقاب خدا کے زمیں برانداز ملائکہ کو زمین خدا پر

اس بات کا خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں! تم اس مسجد میں ہرگز کبھی نماز نہ پڑھنا! بلکہ کھڑے بھی نہ ہونا۔ وہی مسجد جسکی بنیاد روز اول سے ہی ائتلاف اُمت اور خوف خدا (تقویٰ) کو پیش نظر رکھکر ڈالی گئی تھی اسکی اہل ہے کہ تم اُنھیں امامت کیا کرو۔ اسی مسجد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طہارت نفس کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تو حقیقت میں دل صاف رکھنے والے لوگوں کو پیار کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنے تمام اعمال کی بنیاد خوف احکم الحاکمین اور خوشنودی خدا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ کم بخت جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تفریق و انتشار کے ایک کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر رکھ دی؛ اور جو بعد میں اُسکو جہنم کی آگ میں لے گری۔ اور اللہ تو تفریق پیدا کرنے والی ظالم قوم کو کسی مستقل طریق عمل کیطرف ہرگز راہنمائی نہیں کرتا۔ یہ مسجد جو اِن لوگوں نے تفرقہ آرائی کی غرض سے تیار کی تھی اسکے بانیوں کی بجائے خود اِنہی کے دلوں میں چور پیدا کر دیگی۔ یہاں تک کہ اِن سب کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور ایک ایک کا دشمن بنجائے گا، اور اللہ تو بڑا واقف حال اور صاحب حکمت ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۶) اُترنے سے روکنے کا کوئی مؤثر ذریعہ رہ گیا ہے تو وہی جو خود فخر رسل اور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حین حیات میں تجویز کیا تھا اور وہ یہ کہ ایسی سب مساجد کو بالاتفاق آتشین اصطباغ دے کر اُمت کو نفاق کی شیطانی آلایش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کر دیا جائے۔ اور فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ (۹: ۱۰۸) کا مصداق بن کر از سر نو وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ (۹: ۱۰۸) کا انعام حاصل کیا جائے۔ اگر نہیں تو اُمت کے منافقوں کو نَارِ جَهَنَّمَ ۗ کا اصطباغ تو آگے چلکر ملنا ہی ہے۔

لیکن بڑی بات جو متذکرہ صدر آیات ضرار (۹: ۱۰۷-۱۱۰) اور بالخصوص آیۂ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ (۹: ۱۰۸) سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے کہ ازروئے اسلام خدائے عظیم کے نزدیک **سچی طہارت دلوں کے تفریق و نفاق سے پاک صاف ہونیکی طہارت ہی ہے**، اور یہی اُسکے ہاں **محبوب بھی ہے**۔ بدنی صفائی کا ذکر اِن آیات میں حتماً نہیں آیا۔ تمام بحث صرف **تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ** کے متعلق ہو رہی ہے۔ اسلیئے طہارت کا الٰہی مفہوم صاف ہے۔ جن لوگوں نے وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ سے صرف طہارت بدن مقصود سمجھکر اپنی زندگیاں استنجاؤں کے درست کرنے اور ڈھیلوں کو نہایت خوش اسلوبی سے آرپار کرنے میں وقف کر دی ہیں۔ اور ائتلاف قلوب اور اتحاد کی اہم حکمت کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے۔ اُن کو یہ آیات بہ امعان نظر دیکھنی چاہئیں! اسمیں شک نہیں کہ بدنی صفائی اور بالخصوص طہارت ایک نہایت ضروری اور نفعمند شئے ہے۔ جسمانی صحت کا اکثر انحصار اسی پاکیزگی پر ہے، اور جن قوموں نے اس کی طرف کما حقہ توجہ نہیں کی وہ آج اسکے بُرے نتائج نہایت التزام سے بھگت رہی ہیں! بلکہ بدن صاف رکھنے والی قوموں کی عام جسمانی بہتری کو دیکھکر اُنپر رشک کھا رہی ہیں۔ لیکن بااینہمہ اِن **فروعات** کو نفس اسلام سمجھکر سارا زور انکی رسمی تکمیل پر صرف کر دینا اور اہم اوامر کے متعلق خالی الذہن ہو کر **اصل دین** سے غافل ہو جانا بھی وہ **غلو فی الدین** ہے جسکا نتیجہ آج مسلمانوں کے حق میں بُرا ثابت ہو رہا ہے۔ قرآن حکیم نے دن میں پانچوقت وضو کرنے کی حکمت کو **اتمام نعمت** کہا ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۷ - آیہ (۵: ۶))، اور ظاہر ہے کہ پاکیزگی بدن کی توفیق بھی ایک خداداد انعام ہے جو ہر قوم کو حاصل نہیں۔ قرآن کی تمام تعلیم کا نفاذ بہر نوع اور بہر حال قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ (۷: ۲۹، صفحہ ۲۰۱) اور كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴: ۱۳۵، صفحہ ۲۰۲) کی عام حکمت کے ماتحت رکھکر ہو۔ اسکے کسی امر و نہی میں قسط و اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دینا، یا اُسکی تکمیل میں حد سے متجاوز ہونا بھی فی الحقیقت اُس تعلیم کے منتہا کی تغلیط کرنا ہے۔ آج جہاں اقوام مغرب و ایشیائی مسلموں کو بعض مخفی اور دردناک بیماریاں طہارت بدن کے نہ ہونیکے باعث لاحق ہو رہی ہیں، ایک دانتوں میں لازماً مسواک نہ کرنے اور کھانیکے بعد کلی نہ کرنے ہی کا جرمانہ محکمۂ فطرت سے یوں وصول کر لیا ہے کہ

حاشیہ: اتمام نعمت [illegible]

جب تبوک سے واپس پھرے تو سرورِ کائنات صلعم نے مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد میں آگ لگا دیں!

" **امامت** جس کا جلیل القدر اور عالم انگیز منصب کسی زمانے میں **نبوّت** کا شائبہ خاص الخاص ہوا کرتا تھا جسکو اس زمین پر خوش اسلوبی سے نباہنے کیلئے **آسمان** سے تقرری ہوتی تھی! جسکا منتہائے وحید خلقِ خدا کو اس دنیا میں اسلام کے بال سے باریک اور تلوار سے سوا تیز صراطِ مستقیم پر بحفظ تمام چلائے رکھنا تھا، جسکے حاصل کرنے کی شرطِ فرید امتحانِ خدا میں کامیابی تھی! جس سندِ اعلیٰ پر ابراہیم ایسا صاحب الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸:۴۵) نبی مدّۃ العمر سعی و عمل اور روح فرسا بصیرت کے بعد متمکن ہوا تھا، جس مقامِ منیع کو ذرّیت بے زور عمل پا لینا ربّ امتحان طلب کو اپنے دوستؑ (یعنی ابراہیم خلیل اللہ) کی اولاد کے لیئے گوارا نہ تھا!

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ **إِمَامًا** ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ٥ (۲:۱۲۴)-

اور اے ساکنانِ زمین! کیا تم کو وہ لشکر انگیز زمانہ یاد ہے جب خلّاقِ زمین و آسمان اور صنّاعِ کون و مکان تعالیٰ نے بعض مہمّاتِ امور میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، اور اس آزمائش کو پیش نظر رکھکر اُنکو سخت ابتلا میں ڈالا، لیکن اُس جلیل القدر نبی کے عزم صمیم نے اُن سب امور کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا۔ تو ربّ ذوالجلال نے خوش ہو کر اپنی جناب سے حکم دیا کہ اے ابراہیم! میرے ہاں تمہارے سعی و عمل کو دیکھکر فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں تم کو ساکنانِ زمین کا امام اور پیشوا بناؤں، (تم کو یہ منصب مبارک ہو اور تم اس پر تا ابد مدید تک فائز رہو) ابراہیم نے فرط انبساط کے اضطراب میں عرض کیا کہ اے حضور! یہ منصب بدستور میری اولاد میں بھی جاری رہیگا؟ خدائے امتحان طلب نے فرمایا کہ ہمارے اس اقرار میں وہ حتماً داخل ہونگے جو ہماری اصطلاح میں ظالم ٹہیریں گے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۵۷) تمام مغرب کے دانت ہمیشہ کیلئے بگڑ گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کے احکام طہارت میں توغّل کا اکثر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہر شخص فقہ کے چند مسئلے مسائل پر عمل کر کے اپنے آپ کو پکا مسلمان سمجھ لیتا ہے اور اصل دین سے قطعاً غافل ہو گیا ہے۔ امام مسجد کے نزدیک آج مسلمانی یہی وضو کو نہایت صحت سے کر لینا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانا، ضروری بالوں کو دور کرنا، اور استنجاؤں کی نہایت بداہت و بیحیائی سے تکمیل کرنیکا نام رہگیا ہے، اسلام کی روح اُنکی تعلیم سے اصلاً نکل چکی ہے۔

* سورہ صٓ کی آیہ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸:۴۵) کیطرف اشارہ ہے۔ یعنی اے محمد! ہمارے بندوں ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کا ذکر اذکار کیا کرو کہ یہ لوگ فی الحقیقت بڑے صاحب دست و قدرت (اُولِي الْأَيْدِي)، بڑے باخبر اور صاحب علم و فضل بلند (وَالْأَبْصَارِ) تھے گویا انکے بے مثال علم و عمل کیوجہ سے انکو یہ لقب دیا۔

† جس حیرت انگیز مُلّائی نادانی اور طاغوتی تجاہل سے شارحین قرآن نے آسمانی وحی کے اِن الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے، جو حیا سوز اور شرم پاش شرطیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت پر مقرر ہونے کی بیان کی ہیں، جس درد انگیز بے رحمی سے اُنہوں نے فاطر زمین و آسمان کی نسل انسانی کی طرف

ہاں جس عہد جلیل پر صدیوں کے عزل و النواء کے بعد عرب کا اولوالعزم نبی اور آلِ ابراہیم کا بہترین رکن فائز المرام ہو کر ختم رسالت کی مُہر ابدالآباد تک ثبت کر گیا جس اوج مرتبت اور معراج اتم کا اہل نبوت کے بعد فاروق اعظمؓ جیسا عدیم المثال شخص قرار پایا تھا، جو مقام بلند کسی زمانے میں مجاہدین اسلام اور سپاہیانِ خدا کے لئے مختص ہو چکا تھا، آہ! اُس امانت عظمیٰ اور اُس موہبت کُبریٰ کو آج اُمّت کے گدیہ گر سنبھال رہے ہیں! اجل زدہ قوم کا سب سے ناکارہ، سب سے بزدل، کم حیثیت اور کم علم، فرقہ بند اور محتاج تر ظالم اِس عُہدے پر فائز القنوط ہے۔ عجز و مسکنت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جہل و جمود کا اشتہار دے رہا ہے، تفریق و انتشار کو ثواب سمجھ رہا ہے، شدید العقاب خدا کی سزا کو جزا کہہ رہا ہے، عذاب کو انعام بتا رہا ہے، اور کذب و غلط کی بیجا منادی کر کے اُمّت کو ہلاکت کے قعر عمیق کی طرف گھسیٹ رہا ہے! اُمّتِ مرحومہ کا فقدانِ فہم و عقل اِس غلط انتخاب کے بارے میں آج اِس اوجِ کمال تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ دنیاوی حکومت سے تعبّد کا اظہار حاکمِ وقت کے بڑے منظور نظر اُس کے بڑے سے بڑے کارندے، اُس کے باثر کارکن، اُسکے مشہور تر جاں باز اور سرفروش کی سیادت میں کرتے ہیں،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۸) اِس آخری مکتوب، اِس ذکرٌ لِّلعٰلَمین کی مٹی پلید کی ہے، اسکو دیکھکر اگر آسمان و زمین کپکپا اٹھیں تو کچھ عجب نہیں رسولِ خدا کی اِس نام لیوا اُمّت پر آسمان ٹوٹ پڑے تو کچھ دور نہیں! شارحین کا ایک بڑا گروہ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ کی تشریح میں اپنی حیا سوز جہالت اور مُلّائی تکبّر کے باعث اِس طرف گیا ہے کہ حضرت اپنے بدن کو خاص احتیاط سے پاک صاف رکھا کرتے تھے، زیر ناف کے بال نہایت صفائی سے دور کرتے تھے وضو کے سب ارکان خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے، داڑھی کو شریعت ابراہیمی کے مطابق کترواتے تھے، مونچھوں کو بڑھا کر نہ رکھتے تھے، ناخن ترشواتے تھے، ختنہ اُنہوں نے کرا رکھا تھا، پانی سے استنجا کرنا اُن کا شیوہ خاص تھا، اِن امور مہمہ کے علاوہ حضرت کو توحید کے کلمے اور عقائد ابراہیمی خوب نوکِ زبان تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے "ان احکام کی تعمیل ایسی عمدگی سے کی"، بدن کو زائد بالوں سے اِس خوش اسلوبی اور حکمت سے صاف کیا داڑھی ایسی خوب صورت اور متشرّع بڑھائی، اُسکی پرورش اور اُنکی بجنگی میں اسطرح دن رات مشغول رہے کہ "خدا نے رضامند ہو کر اُن کو لوگوں کا امام بنا دیا"!! اِس منصبِ اعلیٰ کو خوش بخوش منظور کرتے ہوئے حضرت نے "بتقاضائے جبلّت چاہا کہ ان کی نسل بھی اِس انعام سے محروم نہ رہے۔" خدا نے اِس رعایت کو بھی منظور فرمایا لیکن صرف ظالموں کو مستثنےٰ کر دیا"! (ایک تفسیر کے الفاظ ہیں ۱۲) چنانچہ اُسوقت سے آجتک 'امامت' کی یہ شرطیں برابر چلی آ رہی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت ہر مسجد کے حجروں میں موجود ہے (ایک تفسیر کے الفاظ ہیں ۱۲)۔ اگر مالکِ زمین و آسمان کے اوصاف میں حلم و درگذر کا ناپیدا کنار عنصر شامل نہ ہوتا تو صرف اِس آیت الٰہی کی تشریح شارحین قرآن کی سطح زمین پر سے بیخ و بنیاد اُکھیڑ دینے کیلئے کافی تھی لیکن یہ اُسکی شانِ حلیمی کا ایک مظہر ہی ہے جو اسکے باوجود فوری گرفت نہیں ہوتی اور ہر شخص جو چاہتا ہے اُسکی شان میں بے خوف و خطر بکے دیتا ہے۔ یہاں "اِبْتَلٰٓی" کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا آسمانی امتحان کوئی بڑی سے بڑی اور کڑی سے کڑی آزمائش ہوگی، کوئی صبر آزما اور تاب گسل تکلیف ہوگی، وہ آزمائش بھی لامحالہ اِس قطع کی ہوگی کہ اُنہیں پورا اُترنا (فَاَتَمَّهُنَّ) اُنکو خلق خدا کی پیشوائی اور رہبری کا اہل بناتا ہوگا، پس جب وہ ایک طولِ طویل اور زہرہ گداز سعی و عمل کے بعد قوم کو شرک کے ظلم عظیم سے نجات دلا چکے، جب قوم غفلت اور ناانجام شناسی کی

اُسی کو سرخیل اور رئیس وفد بنا کر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں، اُسیکو پیش پیش رکھکر اپنی لرزش انگیز اور دل آسا نیاز مندیوں کا اظہار کرتے ہیں، وہاں حاکمِ زمین و آسمان کی اس زبانی اور سطحی، دو دلی اور مشرکانہ عبادت گذار خانے کی غرض سے اپنی نگاہوں میں سب سے کم مایہ اور بینوا، محتاج اور ذلیل شخص کو اکرمٗ اور اتقیٰ فرض کرکے اُسکی پنجوقتہ پیشی اور عرض گذاری کے لیئے منتخب کر رہے ہیں! ہاں لیکن جس قوم کا نصب العین جہانبانی اور خداوندی، قوت اور عزت سے ہٹ کر گداگری اور غلامی، محکومیت اور خوشامد، تعبد ماسوا اور تعلق غیر کی طرف منتقل ہوگیا ہو۔ اُس کے مرشد و رہبر بالآخر یہی بھک منگے نہ بن جائیں تو اور کیا ہو!

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۟ (۷: ۱۶۲)

تو لوگو! اس اُمت میں سے ناحقیقت شناس اور اپنے اوپر ظلم کرنیوالے گروہ نے خوشحالی اور امن کے اس سرِ عظیم کو جو انکو سکھا دیا گیا تھا بدل کر کچھ اور ہی رویہ اختیار کر لیا، اور اُس تعلیم کو یکسر فراموش کر دیا تو ہم نے بھی اُنکے اس ظلمِ عظیم کی پاداش میں آسمان سے بلا اُتاری اور اُنکی سب عظمت خاک میں ملا دی۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۹) ظلمتوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنکلی اور اُنکے رہنما نے بھی قوم کی ایذا رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا، دشمن سے پیہم جہاد بالسیف کیئے، جان کھینچ کھینچکر حلق تک پہنچی مگر سعی و عمل کو نہ چھوڑا تو خدا نے بھی انکو اپنی قوم کی پیشوائی اور امامت کا منصب عطا فرمایا، بادشاہت زمین دی، نبوت سے سرفراز کیا۔ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸: ۴۵) صفحہ ۲۵۸) کے الفاظ سے یاد فرمایا وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے امامت کی اس موہبت عظمیٰ کو پا کر طبعًا یہ چاہا کہ پیشوائی خلق کا یہ منصب اعلیٰ اُنکی اولاد میں بھی برقرار رہے لیکن خدا نے ظالم قوم کو اس منصب سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔ ظلم کی بعض اہم شقوں کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تم بلاشبہ اس منصب کے اہل ثابت ہوئے ہو لیکن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنے والے اور نامردی ظاہر کرنیوالے ظالم، کچے ایمان والے اور بزدل بنے رہنے والے ظالم، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ہزیمت کی طرف گھسیٹنے والے ظالم، جماعت کے اندر تفریق پیدا کرنے والے ظالم وغیرہ وغیرہ۔ اس عہد خداوندی اور امامت کو ہرگز نہ پاسکینگے۔ بادشاہت کا منصب مجد سے وہی قوم لیتی ہے جسمیں یہ خاصیتیں نہ ہوں اور ظلم کار قوم کی ہلاکت تو ایک طے شدہ امر ہے! (دیکھو صفحہ ۲۵۶ تحت المتن)۔

صدر اسلام میں مسجدوں کے اندر امامت کا منصب بھی اسی ابراہیمی امامت کی تجدید کا ایک مظہر تھا، قرن اول کے مسلمانوں کی خدائی فوج دن میں پانچوقت کسی جلیل القدر مجاہد کی پیشوائی اور امامت میں سپہ سالار اعظمؐ کے روبرو پیش ہوتی، اُسکے آستانہ علیہ پر حاضر ہو کر اطاعت کے ولولے میں جھک جھک پڑتی، بہتر سے بہتر شخص اس رتبہ کیلئے منتخب ہوتا، مسجد نبوی کے اندر رسول خداصلعم اپنی حین حیات میں اس منصب کے فرائض خود ادا کرتے رہے، باقی مسجدوں کی امامت کیلئے اکثر وہی صحابہ کرام رہے جنکا علم و عمل بے مثال ہوتا تھا، وفات سے کچھ مدت پہلے رسولِ خداصلعم کا حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کیلئے مقرر کرنا بھی عوام کی نظروں میں اُنکے بعد اُنکے جانشین بننے کا ایما سمجھا گیا تھا۔ الغرض ان دنوں میں بادشاہت، خلافت اور امامت ایک شے تھی، خلیفہ وقت خود امام اعظم ہوتا تھا، اُسکے مقرر کیئے ہوئے امام صحیح معنوں میں اولوالامر تھے نہیں بلکہ جو شخص اولوالامر مقرر ہوتا تھا اُسپر امامت کا فرض بھی ادا کرنا ضروری تھا۔ بادشاہان سلف نے صرف ایک حد تک اس اہم رواج کی متابعت کی لیکن رفتہ رفتہ امامت کی

آج شدید العقاب خدا کی یہی آسمانی رجز مسلمانانِ جہان کو سانپ بن بن کر ڈس رہی ہے. خدا کے ناقابل بدل قول کو بدل دینے اور مشکل سے پڑھائے ہوئے سبق کو بھلا دینے کے جرم میں مسکنت کے گھٹا ٹوپ بادل سروں پر چھا رہے ہیں، اُنکی قوت اور امن کی سب کِشت زاریں وقف خزاں ہو چکی ہیں، جہانبانی کا زادِ راہ لُٹ چکا ہے، اُمت کی سب شیرازہ بندی، اُسکا تعبّد سے پیدا کیا ہوا نظم و نسق، اُسکا الصّلوٰۃ سے بنایا ہوا نظام اُسکا خوف احکم الحاکمین سے نکلا ہوا بھائی چارہ معناً کالعدم ہے! اب ہر طرف غیروں کی لتاڑ اور غلامی کی جُوت پیزار ہے، مظلومیت کی چیخیں اور لکد زنی کی کراہیں ہیں، ملک یک بیک ہاتھوں سے نکل رہے ہیں، زمین خدا تنگ ہو رہی ہے، ظالم اور نااہل مسلمان اِس پاکبازی میں مست ہے، خانۂ خدا کو ہار کر لمبی تان رہا ہے اور گھر پھونک اپنی بربادی کا تماشہ نہایت مزے سے دیکھ رہا ہے!"

مُنتہائے الصّلوٰۃ

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲:۴۵)

(اور بیشک تو سوائے اُنکے جن کا خشوع ہم سے ہیہم رہا کے باعث ہر باقی سب کے لیے بیگار ہی بیگار ہے!)

الغرض الصّلوٰۃ کی الٰہی حکمت کی تہ میں اُمّتِ اسلام کا لاینفک اتحاد تھا، باہمی رافت اور رحمت تھی، قوم کو پنجوقتہ اطاعت کا مکرر سبق تھا، شاہ و گدا کی مساوات کی یاددہانی تھی، وقت کی پابندی تھی، انہا عن الفحشاء والمنکر تھا، شب و روز خدا کی ملازمت اور اطاعت میں صرف کر کے پانچوقت آقائے نامدار کو سلام تھا، اُسکے حضور میں مودّبانہ پیشی اور غرض مندانہ حاضری تھی، اسکی خدمت میں دست بستہ عرض معروض تھی، صراطِ مستقیم* کی استدعا تھی، حصول نعمت کی گذارش تھی، بادشاہت زمین کی تڑپ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۰) ماہیت کو بھول گئے۔ آج اگرچہ خلیفۃ المسلمین سلاملیک کی رسم ادا کرنیکے لیئے مسجد ایا صوفیہ میں جاتا ہے مگر خود امامت نہیں کراتا۔ لیکن سیاسی اقتدار کے کم ہو جانیکے باعث اسکا مذہبی مقام خود اسقدر مُلّایانہ ہو گیا ہے کہ عالمِ اسلام پر اسکی شخصیت کا فی الجملہ کچھ اثر باقی نہیں رہا۔

* صراطِ مستقیم کے الٰہی مفہوم کے بارے میں جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے اُسکو یہاں پر یکجا جمع کر دیا جاتا ہے۔ صفحہ ۲۲۴-۲۴۶ کے مباحث سے ظاہر ہے کہ (۱) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بندہ نہ بننا (آیات ۳: ۱۰۰-۱۰۲) صفحہ ۲۲۶) صراطِ مستقیم ہے" (۲) توکل بخدا کر کے صبر و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا اور دشمن پر غالب آکر رہنا (آیت ۱۴: ۱۲) صفحہ ۲۲۷) صراطِ مستقیم ہے، (۳) ایمان کے اعمال (دیکھو تحت المتن

تھی، منعم علیہ بنجانے کی طمع تھی، مغضوب علیہ نہ بننے کا خوف تھا! اسی بیم ورجا کی تڑپ میں قومے اور قعدے تھے، اسی کے اضطراب میں رکوع وسجود تھے، اسی کی تڑپ میں شام وسحر، فراغت اور شغل میں، سوتے جاگتے سلام تھا، اسی اجتماعی ہلاکت کے خوف میں شب و روز سعی وعمل تھا، دنوں کو جہاد بالسّیف تھے، چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، رسیّوں سے مرمت کیئے ہوئے نیزے تھے، راتوں کو کوچ اور اسکی جناب میں کراہیں تھیں، بستروں سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰی جُنُوْبُہُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ [سلہ]

سلہ مطالب کیلیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۶۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۱) صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) اپنے اندر قائم رکھنا (آیہ (۲۲: ۵۴) و (۴۳: ۵۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۴) قوم کی بہتری کے لیئے **ایثار مال کرنا** (آیات (۲۲: ۷۲-۷۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۵) قانون خدا کے مطالب ومقاصد کے بارے میں **اختلاف** پیدا نہ کرنا (آیہ (۲: ۲۱۳) صفحہ ۲۲۸ اور آیات (۴۳: ۶۳-۶۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۶) خدا کی **ملازمت** میں شیطان کی **عبادت** کو حائل نہ کرنا (آیہ (۳۶: ۶۰) صفحہ ۲۲۸ اور آیہ (۴۳: ۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۷) **الامر** اور قانون خدا میں نزاع نہ پیدا کرنا (آیہ (۲۲: ۶۷) صفحہ ۲۲۸) صراط مستقیم ہے، (۸) **ایک مرکز** پر عملاً اور معناً قائم ہوجانا آیہ (۲: ۱۴۳) صفحہ ۲۲۹) صراط مستقیم ہے، (۹) سب اعمال انسانی کو خدا کیلیئے وقف کردینا اور ان اعمال میں کسی غیر کی اطاعت کو شریک نہ کرکے **ابراہیم علیہ السلام کی توحید** پر چلنا آیات (۶: ۱۶۲-۱۶۴) صفحہ ۲۲۹-۲۳۱) صراط مستقیم ہے، (۱۰) نعمتہائے خدا کی کما حقہٗ قدر کرنا خالصتہً **قانون خدا** کے مطیع رہنا، آیات (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) صفحہ ۲۳۲) صراط مستقیم ہے، (۱۱) دشمن کو اپنے سعی وعمل سے **بے دست وپا** کردینا، اسکے وسائل حفظ ودفاع پر **قابض** ہوکر اسکو **تباہ** کردینا، اور حتی الوسع اپنے آپ کو اسکے دست تعدی سے **بچائے** رکھنا (آیہ (۴۸: ۲۰) صفحہ ۲۳۳) صراط مستقیم ہے، (۱۲) اس دنیا کے اندر **قوت اور زور** سے رہنا، دنیا جہان سے بڑھ چڑھ کر اور **برگزیدہ** ہوکر رہنا (آیات (۶: ۸۷-۸۸) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے (۱۳) بادشاہ زمین ہوکر رعیت پر **عدل وانصاف** سے حکومت کرنا (آیہ (۳۸: ۲۶) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۴) اس دنیا کے اندر **سلامتی اور بقا** کے رستوں پر چلنا، قانون خدا کے عدم تعقل کی تاریکیوں سے نکلکر **علم وعمل کے نور** کیطرف آنا (آیات (۵: ۱۵-۱۶) صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ اور آیہ (۱۰: ۲۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۵) خدا کی عملی ملازمت اور اتقا اور **اطاعت امیر** کرنا (آیات (۴۳: ۶۳-۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے (۱۶) قانون خدا سے استمساک کرنا اور اسپر ہمیشہ چلتے رہنا (آیہ (۴۳: ۴۳) و (۴۳: ۶۱) صفحہ ۲۳۶) صراط مستقیم ہے، (۱۷) اپنے سینے سعی وعمل کیلیئے **کھول دینا** اور انکے اندر احکام خدا کی تعمیل کے بارے میں کوئی **تنگی** نہ رکھنا (آیات (۶: ۱۲۶-۱۲۸) صفحہ ۲۳۸) صراط مستقیم ہے، (۱۸) ملازمت خدا کی تعمیل میں **غیر خدا** کے حکموں کو حائل نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان، اولاد کے ساتھ رافت، **مکارم اخلاق** پر عمل، قتل سے پرہیز کرنا، **مال یتیم کی نگہداشت، پورے ماپ، پورے تول، عدل، ایفائے عہد** پر قائم رہنا اور **متحد** بنے رہنا (آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۴) صفحہ ۲۴۰) صراط مستقیم ہے (۱۹) راہ خدا میں **جہاد بالسّیف** کرنا، دشمن سے متارکہ **حفظ نفس** کی خاطر کرنا (آیات (۲۹: ۶۹) و (۴۸: ۱-۲) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے (۲۰) قوم کی بہتری اور تثبیت کیلیئے جہاد بالسّیف کرنا، **ہجرت وطن** اختیار کرنا، **اطاعت امیر** بے چون وچرا کرنا (آیات (۴: ۶۶-۶۷) صفحہ ۲۴۳) صراط مستقیم ہے، (۲۱) اور سب سے اہم یہ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اعمال کرکے ایک ذلیل اور مجبور زدہ قوم کو جابر بادشاہ کے ظلم وستم سے آزاد کرنا، اور بالآخر قانون خدا کا پابند بناکر اسکو زمین کا حکمران اور بادشاہ بنادینا وہ الصّراط المستقیم ہے جسکی تعریف سورۂ فاتحہ میں اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کے الفاظ میں کیگئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ آج وہ ان اکیس شقوں میں سے ایک پر بھی صحیح معنوں میں عامل ہیں؟ نہیں بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ مغربی قوموں کا اس صراط مستقیم پر کسقدر انتہائی عمل ہے۔ اور انکے اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ ہونے کی کیا وجہ ہے، وہ نماز کی اس دعا پر کسقدر عامل ہیں۔ جو احکام یہاں پر جلی قلم سے لکھے ہیں ان میں سے اکثر پر مغربی اقوام کا بیشتر عمل ہے۔

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳۲: ۱۶)! اسی مجموعی نعمت کی طمع میں اجتماع اُمت تھا، قیام جماعت تھا، دلوں کے اندر خوف خدا کی مشترک جنبشیں اور باہمی محبت کی مشترک لہریں تھیں، کسی کو کسی سے کچھ دریغ نہ رہا تھا، بخل، حسد، دلوں کے کینے، کم ظرفی کی رنجشیں سب مٹ گئی تھیں، مسجدیں ایک منظم اور پُرامن، ایک طاعت آموز اور عصبیت خیز انجمنیں بن گئی تھیں! اسی الصّلوٰة کا قیام اور لرزش قلب یہی تعمیل احکام خدا اور پیہم سعی و عمل، یہی اطاعت ربّ اور استجابت رسول، قربانیٔ مال اور طاعت امیر، آپس میں اتحاد اور علی التوکّل عمل قرن اوّل میں سچے مومن بننے کی نشانی تھی، اسی ایمان کا اٹل نتیجہ اُمت کی واماندگیوں پر پردہ پوشی اور اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی تھی:-

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸: ۱-۴)

اے محمدؐ! مسلمان تم سے مالِ غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہدو کہ مالِ غنیمت صرف خدا اور اُسکے رسول کا ہے، وہ جس طرح مناسب سمجھے اُسکو تقسیم کردے تو تم لوگ مالِ غنیمت کی تقسیم میں

ان آیاتِ الٰہی میں چند امور غور طلب ہیں (۱) پہلی آیت یعنی (۸: ۱) میں متحد ہو کر رہنے (وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) اور بہر نوع اطاعت امیر کرنے (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۷-۱۷۱) کو نہ صرف اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے بلکہ انکو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا ہے، گویا جو قوم متحد ہو کر نہیں رہتی اور امیر جماعت سے کسی امر کے متعلق (خواہ وہ معاملہ مالِ غنیمت ہی کا کیوں نہ ہو) نزاع پیدا کرتی ہے، اُسکا ایمان یکسر ساقط ہے۔ قرآن حکیم میں صرف چند موقعے ہیں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں، ایک اعلون بنکر رہنا ہے (دیکھو صفحہ ۷۔ آیہ (۳: ۱۳۸))، دوسرا اتقائے خدا کرنا ہے (دیکھو صفحہ ۱۷۹۔ آیہ (۵: ۱۱۲))، تیسرا یہی اتحاد اور اطاعت امیر ہے۔ باقی آیتیں جنکے اندر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ افتتاحیہ کتاب صفحہ (۱۰-۱) میں ان میں سے بعض اہم موقعوں کو یکجا کردیا گیا ہے (۲) آیہ (۸: ۲) میں آیہ (۴۹: ۱۵) کی طرح اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ آیت خود صفحہ ۱۰۳ پر آچکی ہے۔ گویا ایمان کی باقی لاینفک شرطیں صفحہ ۱۰۱ کی جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی شرطوں کے علاوہ لرزش قلب یعنی اتقائے خدا (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، اور تعمیل احکام الٰہی میں استقامت (زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا)، اور توکّل یعنی نتائج کے میں خدا پر اعتماد کرنا بھی ہیں۔ (۳) اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے الفاظ قرآن حکیم میں صرف دو جگہ آئے ہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۰)۔ ایک آیہ (۸: ۴)، صفحہ ۱۱۴ پر اور ایک زیر بحث آیہ (۸: ۷۴) میں۔ گویا ایمان کی شرط لاینفک تقویت قوم کیلئے ہجرت وطن، جہاد بالسیف یا نصرت باہمی کے علاوہ (دیکھو صفحہ ۱۱۴) اقامت الصّلوٰة اور جہاد بالمال بھی ہے (آیہ (۸: ۳)) الغرض ان تمام آیات الٰہی کو پیش نظر رکھکر ظاہر ہے کہ ایمان از روئے قرآن وحدت اُمت ہے، اطاعت امیر ہے، دنیا میں اعلون بنکر رہنا ہے، جہاد بالمال ہے، جہاد بالسیف ہے، استقامت فی السعی ہے، توکّل فی النتائج ہے، ہجرت ہے، باہمی نصرت، مساحمت اور رواداری ہے، اور ان سب کے علاوہ اقامت الصّلوٰة بھی ہے۔ چونکہ یہ سب ایمان کی لاینفک شرطیں ہیں تو ظاہر ہے کہ الصّلوٰة کو صحیح معنوں میں قائم کرنیوالے وہی شخص ہو سکتے ہیں جنمیں یہ سب باتیں موجود ہوں، لہٰذا اگر تاٰ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نہیں سکتا، فتدبر

اپنے مابین جھگڑا نہ کرو اور اُس غضب خدا سے ڈرو جو فساد کرنے والی قوم پر نازل ہوتا ہے اور اپنے
باہمی تعلقات کو درست کر کے متّحد بنے رہو اور اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان لوگ ہو تو خدا کے
حکموں اور اُسکے رسول کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اصلی ایماندار تو وہی لوگ ہیں کہ جب
خدا اُنکو یاد دلایا جاتا ہے تو اُنکے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور جب احکام خدا (اٰیٰتُہٗ) اُنکو بتلائے جاتے
ہیں تو اُن کا اُنکی تعمیل پر یقین اور آمادگیٔ عمل (اِیۡمَانًا) اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو
حتی الوسع تعمیل کے بعد نتائج کے بارے میں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ) جو اس تمام اتّحاد
اور اطاعت اور لرزش اور مصالحت اور توکّل اور سعی و عمل کو پیش نظر رکھکر الصّلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں
اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے حتی الامکان ایثار مال بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی
فی الحقیقت سچے ایمان والے ہیں، اور یہی وہ ہیں جنکے لیئے اُنکے پروردگار کے ہاں عزّو مکرمت کے
درجے ہیں، جنکی واماندگیوں اور اجتماعی بدحالیوں پر خدا کی طرف سے پردہ پوشی (مَغۡفِرَۃٌ) ہو اور جنکو
بالآخر اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی ہے۔

یہی وہ قوّت انگیز اور غلبہ اندوز الصّلوٰۃ تھی جس کا الٰہی **میثاق بنی اسرائیل** سے جب بندھا تو امت چشم
زدن میں نہال ہوگئی، اُسکی اجتماعی بدحالیاں یکسر کافور ہوگئیں، جنّات زمین قدموں پر نثار ہونے لگے جنکے نیچے
سے نہریں پھوٹ بہیں، قوّت اور حکومت، عزّت اور امن قوم کے گہوارے ہوگئے، خدا دوست بن گیا، وَلَقَدۡ
اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۚ وَ بَعَثۡنَا مِنۡہُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مَعَکُمۡ ؕ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیۡتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ
اٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ وَ عَزَّرۡتُمُوۡہُمۡ وَ اَقۡرَضۡتُمُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ لَاُدۡخِلَنَّکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۚ فَمَنۡ
کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ[1] (۵: ۱۲)۔ لیکن جب قوم اس **عہد خداوندی** کو بھول گئی، جب اُن کی

---

[1] اور لوگو! بنی اسرائیل سے عہد اُس خدائے پاک ہی نے لیا تھا اور ہم ہی نے اُنہی میں سے بارہ سردار اُنپر مامور کر دیئے تھے اور وہ خدا ہی تھا جس نے اپنا قول دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا دوست اور رفیق ہوں، اگر تم الصّلوٰۃ پر قائم رہے، الزّکوٰۃ کو دیتے رہے، میرے پیغمبروں کو منجانب اللہ یقین کر کے اُن کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہے (اٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ) وقتاً فوقتاً اُنکی بدل و جان مدد بھی کی، خدا کے احکام کی تعمیل میں اپنے آرام اور مال و اسباب کا بہترین حصّہ کاٹ کر الگ کر دیا (اَقۡرَضۡتُمُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۷-۱۳۸) تو میں تمہاری سب اجتماعی بدحالیوں کو تم سے دور کر دونگا (لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱) اور تمکو ایسے خوشگوار باغوں اور سرسبز ملکوں میں لیجا داخل کرونگا جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، پھر جس نے ان نعمتوں کے حصول کے بعد کفران خدا کیا اور اس عہد کو توڑا تو وہ راہ راست سے یکسر بھٹک گیا۔

* صفحہ ۲۶۳ کے تحت المتن میں اور نیز سورہ انفال کی آیتوں (۸: ۱-۴) کے متذکرہ صدر ترجمے میں یہ بات ظاہر کر دی گئی تھی کہ **اقامت الصّلوٰۃ** کا قرآنی مفہوم

زمینیں تنگ ہو ہو کر سخت ہو گئیں، جب مساحت اور رواداری، خوف خدا اور ہدایت، **اتقا** اور **ایمان** کا آب زلال باقی نہ رہا اور قلوب کے اندر حسد اور نفاق کا چور، کبر اور ریا کا چور، تھڑدلی اور بے مرادی کا چور، بخل اور کم ظرفی کا چور، الفحشاء اور المنکر کا چور گھر کر گیا، ہاں جب قوم خدا کے اُس دیئے ہوئے درس کو بھول گئی، جب غرضمند رہنما اور کبرائے خلق ضد اور بغاوت سے مقصود خدا کو محرّف کرنے لگے، احبار اور رہبان نے لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں، مشترک خدا کے مشترک خوف اور اطاعت کو چھوڑ کر آپ **ربّ** بن بیٹھے اور پیغام خدا میں **خیانت** کرنا قوم کا شعار بن گیا، اُسی دن سے میثاق ٹوٹ گیا، جنّات زمین چھین لیئے گئے، ذلّت اور محتاجی لیس دی گئی لعنت مُونہوں پر برسنے لگی، آوارۂ جہاں ہو گئے، مردود زماں بن گئے، قسمت بگڑ گئی، خدا دشمن بن گیا: فبما

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۴) نہ صرف رسمی نماز کی رکعتوں کو مسجد میں جا کر بصحت تمام ادا کر دینا ہو بلکہ اُن تمام اعمال (مثلاً وحدت اُمت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، ہجرت، جہاد بالسیف، استقامۃ فی السّعی، توکّل فی النتائج، نصرت باہمی، اعلویّت وغیرہ وغیرہ) کو جو ایمان کی لاینفک شرائط ہیں اپنے اندر پیدا کر کے خدا کے حضور میں حاضر ہوتے رہنا ہو۔ جو شخص مومن ہو اُسمیں اِن اعمال کا بلا حیل و حجت موجود ہونا اٹل ہو پس الصلوٰۃ کی اقامت بھی دراصل اسی کی ہو جسمیں (نماز کے علاوہ) مومن ہونے کی باقی شرائط بوجہ احسن موجود ہوں۔ سورہ مائدہ کی زیر بحث آیت (۵ : ۱۳) میں اَقَمْتُمُ الصَّلوٰۃَ کے اس مفہوم کی قطعی تائید ہوتی ہو کیونکہ موسوی شریعت کی نماز کے ظواہر اسلامی نماز کے ظواہر سے بالکل جدا تھے اور باوجود اس ظاہری اختلاف کے اَقَمْتُمُ الصَّلوٰۃَ کی مطلق اصطلاح کا استعمال اِس امر کی دلیل ہو کہ اِس میثاق سے مراد اُس **قانون کی پابندی** تھی جو الصلوٰۃ سے مقصود بالذات ہو، صرف ظواہر کی پابندی مقصود نہ تھی۔ دیباچہ کتاب صفحہ ۳۲-۳۳ میں قرآن حکیم کی اِس مطلق لغت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس اطلاق کی کئی مثالیں آگے چلکر ملیں گی۔

آیت زیر بحث (۵ : ۱۳) میں لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ اِس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ جنّت سے مراد جنات زمین ہی تھے، اُخروی جنت کا ذکر بیان پر قطعاً نہ تھا۔ عہد عتیق میں اِسی میثاق ایزدی کی جزا "اَبدی بادشاہت" لکھی ہو۔ (کتاب خروج باب ۶، آیت ۳-۸) بعض موقعوں پر اِن ابدی جنات کو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب ۷ آیت ۲۳-۲۹ میں پھر وعدہ اِسی ابدی سلطنت کا ہی، اور کتاب اوّل سلاطین باب ۹ آیت ۱-۹ میں اِس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی گئی ہو۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں دنیاوی سلطنت کا قائم ہو جانا اس امر کی شہادت ہو کہ وعدہ جنات زمین ہی کا تھا اور اسی لیئے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کی شرط بھی موجود ہو۔ خود آیہ استخلاف میں مسلمانوں کے ساتھ وعدہ بھی دنیاوی سلطنت کا تھا جیسا کہ الفاظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴ : ۵۵) صفحہ ۷ سے ظاہر ہے اور وہاں بھی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورہ فاطر میں بھی اسی قطع کا اسلوب بیان ہو؛ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (۳۵ : ۳۹) یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جسنے تم کو اس زمین میں (تمہاری سعی و عمل کو پسند فرما کر) بادشاہ بنا رکھا ہی تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد جس قوم نے قانون خدا سے انکار کیا (کفر) تو اس انکار کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اُسی کی گردن پر ہو اور قانون خدا سے منکر قوم کو تو ان کا انکار خدا کی نگاہوں میں سوائے ناراضگی کے کسی شے کو نہیں بڑھاتا اور کفران نعمت کرنیوالی قوم تو سوائے اسکے کہ روز بروز گھاٹے میں رہے کسی اور شے میں ترقی نہیں کرتی؛" الغرض اِن تمام شہادتوں کے بعد اِس امر کا ناقابل انکار فیصلہ ہو جاتا ہو کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد ہر جگہ جنات زمین ہی ہیں۔ آخرت کیلیئے الجنّۃ کی اصطلاح مخصوص ہے۔ جنّت کی قرآنی اصطلاح پر پیشتر کی بحثیں صفحہ ۱۱۵-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۴۲، وغیرہ پر گذر چکی ہیں۔ افتتاحیہ سے قطع نظر دیباچہ کتاب صفحہ ۶۶-۷۳ میں کئی مثالیں اِسی نقطہ کی

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۵: ۱۳)۔ اگر مسلمان آج اس عہدِ خداوندی کو توڑ کر لعنتِ خدا کے مستحق بنے ہوئے ہیں، اگر آج اُن سے بھی سب کچھ چھین کر اُن لوگوں کو دیا جارہا ہے جنہوں نے عمر بھر ایک رسمی نماز نہیں پڑھی، ایک اسلامی رکعت ادا نہیں کی، ایک شرعی سجدہ نہیں کیا، ایک محمدی کلمہ نہیں پڑھا تو اِسکی وجہ بھی یہی قساوتِ قلب ہے، یہی تحریفِ دین اور نسیانِ درس ہے، یہی مقاصدِ خدا میں مجرمانہ خیانت ہے، یہی الصّلوٰۃ کو معنًا اور صورتًا† بگاڑ دینا ہے، یہی خدا کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ ایسی نمازیں پانچ نہیں پانچ ہزار ہوں خدا کے نزدیک سب ضائع ہیں، ان سے ضعف کے سوا کچھ حاصل نہیں، ان کا نتیجہ ہلاکت کے کچھ نہیں، فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ (۱۹: ۵۹)۔ پس اگر آج

---

۵۱ لیکن بنی اسرائیل کے اِس میثاقِ الٰہی کو توڑ دینے کے باعث ہم نے اُن پر ذلّت و ادبار کی لعنت برسادی، اُن کے دلوں کو اپنے احکام کی تعمیل کیلئے پتھر کردیا، پھر وہ اسقدر جمود زدہ و غافل ہوگئے کہ ہمارے کلمات اور احکام کو اُنکے مناسب موقعوں سے ہٹا کر اُنکے الٰہی مقاصد میں حسب مطلب رد و بدل کرنے لگے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، مکروہ تاویل سے اپنے آرام کیلئے اُن میں معنوی تحریفیں پیدا کیں (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، اور یہی نہیں بلکہ اسی تن آسانی اور آرام پسندی کے باعث رفتہ رفتہ اِس درسِ الٰہی کے ایک اہم حصے کو بھول گئے جو اُنکو اچھی طرح یاد دلایا گیا تھا، اور اے محمدؐ! تم ان میں سے معدودے چند کے ماسوا نت نئے دن کسی نہ کسی ایسے مکار کی اطلاع پاتے رہوگے جس نے صریح خیانت اور بدمعاشی سے احکامِ خدا کے مقاصد میں رد و بدل کرکے اپنی امت کو گمراہ کیا ہو تو ان خائنوں اور مکاروں کا علاج سوا اِسکے کچھ نہیں کہ تم انسے پرے پرے ہٹے رہو (فَاعْفُ عَنْهُمْ)، اُنسے قطعًا کنارہ کشی اختیار کرو (وَاصْفَحْ) (دیکھو ان معانی کی تائید میں دیباچہ کتاب صفحہ ۱۲۰ کی آخری سطر)، خدائے عزّوجل تو انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو سعی عمل کرکے اپنی اُمت کو قوت اور عزت کے مدارجِ علیا تک پہنچا دیتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ دیکھو مُحْسِنِيْنَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ تحت المتن آیہ (۲: ۷-۱) و صفحہ ۲۴۶ تحت المتن آخری دو سطریں و آیات (۳۷: ۱۲۱-۱۲۲)۔

۵۲ پھر ان لوگوں کے بعد ایسے نابکار جانشین آئے جنہوں نے الصّلوٰۃ کو بالکل ناکارہ کردیا، اسکی حکمت کو اسقدر بُھلادیا کہ وہ بالکل ایک لا طائل شئے بن گئی (وَاَضَاعُوا الصَّلٰوةَ) اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۵) پیش کردی ہیں جنکے بغور مطالعے سے اس امر کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ جنّت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی۔ شارحین قرآن نے بادشاہت زمین پر لات مارنے اور اپنے نفس کیلئے آسانیاں پیدا کرنیکے لیئے اس سے مراد اُخروی جنّت لیلیا اور مذہبِ اسلام کو رفتہ رفتہ بے نتیجہ بناکر رہبانیت کیطرف لیگئے!

آیت زیر بحث میں فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ کے الفاظ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ گویا **ارضی بادشاہت کا کفرانِ نعمت کرنا ہی صراطِ مستقیم سے پرے ہٹنا اور صحیح معنوں میں ضلال ہے**۔ یہ مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن کے اخیر میں سورۂ فاتحہ کے لفظ الضَّآلِّيْنَ کی تشریح میں حاصل ہُوا تھا۔

---

† الصّلوٰۃ کے معنًا بگڑ جانیکے علاوہ اسکے صورتًا بگڑ جانیکے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ کے تحت المتن میں ہوچکی ہے جس سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ مساجد میں امام صاحبان کا خدا کے حضور میں نماز کو ترنم سے ادا کرنا وہ بدعتِ سیئہ ہے جو نصِ قرآن کے قطعًا برخلاف ہے، مساجد میں سُنت اور نوافل کا ادا کرنا اور اسطرح ہر خانہ خدا کے اندر بے ترتیبی اور بدنظمی کا ماحول پیدا کرنا بھی (جسکا ذکر صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہوچکا ہے) رسول خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کے برخلاف صریحًا ہے۔

اُس صادق الوعد خدا کی بتائی ہوئی الصّلوٰۃ ' وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہیں کرتی تو وہ الصّلوٰۃ بگڑ چکی ہے ، اُسکا کیف دل بدل چکا ہے ، مطمحِ نظر بدل چکا ہے ، اُسکے ادا کرنے والوں کے دل بدل چکے ہیں ، حوصلے اور جگر بدل چکے ہیں ، نصب العین بگڑ چکا ہے ، نہیں اُسکو ادا کرنے کا محرک باقی نہیں رہا ، نعمت کا پیش نہاد نہیں رہا ، خشوع پیدا کرنے والی غرض نہیں رہی ، غرض کا پیدا کیا ہوا اضطراب نہیں رہا ، صرف ڈھانچ یا الفاظ باقی رہ گئے ہیں ، اُٹھک اور بیٹھک رہ گئی ہے ، مصیبت کو کم کرنے کا ترنم رہ گیا ہے : اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (۲:۴۵) یا پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانے کے وسوسے رہ گئے ہیں یا مسح اور قصر ، غسل اور استنجا ، تیمم اور وضو کے مسئلے رہ گئے ہیں یا خدا پر احسان اور سجدوں کا اِدّعا رہ گیا ہے ، یا جنّت کے سبز باغوں کے خواب رہ گئے ہیں ورنہ نماز کا الصّلوٰۃ رہکر وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہ کرنا ناممکن ہے ! صراط مستقیم کے نصب العین کو ہر وقت پیش نظر رکھکر اُسکے لئے شبانہ روز سعی و عمل کرنا ، سعی و عمل کر کے اُس راہ رہت کی وعدہ دی ہوئی نعمت کی تڑپ میں منعم لم یزل کے حضور میں لپک لپک کر پونہچنا ، دست بستہ کھڑے ہو جانا اور نعمت کو مانگنا ، بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ اُٹھ کر بالحاح تمام مانگنا ، ماتھا رگڑ رگڑ کر مانگنا ، گھٹنوں پر جھک جُھک کر مانگنا ، اور ساتھ ہی باقی وقتوں میں صبر اور استقلال ، تکلیف برداری اور مشقت ، عزم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۶) آجکل مساجد کے اندر وضو کرنیکے لئے حوضوں اور کنوؤں ، حماموں اور غسلخانوں کا موجود ہونا بھی وہ بدعت اور تن آسانی کے شیوے ہیں جو قرنِ اوّل کی مساجد میں قطعًا موجود نہ تھے ۔ اُس زمانے میں لوگ مساجد کے اندر اپنے گھروں سے تیار ہو کر آتے اور خانۂ خدا کے اندر آجکل کی بدلحاظیاں اور بے تکلفیاں کرنا گستاخی سمجھتے ۔ فرقہ بند لوگوں نے جو اختلافات نماز کے ارکان میں از خود پیدا کر لیئے ہیں وہ اِنکے علاوہ ہیں اور آہستہ آہستہ نماز کی اصلی صورت کو بگاڑ رہے ہیں ۔ التّحیّات کے بعد اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عین حیات میں امامت کے وقت خود نہ پڑھتے تھے ۔ نہ معلوم کہ یہ درود شریف کب سے پڑھے جانے شروع ہوئے ، کس کے حکم سے ہوئے اور خود رسول خدا انکی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے ' خلع ' اور ' حفد ' کی مشہور آیتیں جو آجکل نماز عشا کے بعد وتروں میں پڑھی جاتی ہیں اگر بدستور عہد نبوت میں بھی پڑھی جاتی تھیں تو حیرت ہے کہ جمع قرآن کے وقت اُنکے کلام وحی نہ ہونے میں شکوک کیوں پیدا ہوئے ۔ الغرض ان سب امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ نماز کی ظاہری صورت بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر بگڑ رہی ہے ۔ اور یہ بگاڑ اس شئے میں پیدا ہو گیا ہے جسکی بابت ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ وہ علی التواتر قرن اوّل سے بلکہ خود نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مؤکدہ سے ہم تک پونہچی ۔ میرا یقین ہے کہ قرن اوّل والی مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز جس کی امامت رسول خدا خود کیا کرتے تھے نہ صرف اپنے کیف و حال میں ، خشوع و خضوع میں ، اصلاح قلوب میں ، تزکیہ نفس میں ، انہاء عن الفحشاء والمنکر میں ، اتحاد اور اطاعت ، مواخات اور مساحت کا نتیجہ خیز اخلاق پیدا کرنے میں اصلاً مختلف تھی بلکہ اسکے ادا کرنے کا اہتمام ، اسکی قرأت کے الفاظ وغیرہ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ ضرور آجکل کی ترنم والی نماز سے ضرور مختلف اور جداگانہ تھے !

ع‌۱ مطالب کے لئے دیکھو عنوان صفحہ ۲۶۱ ۔

اور محنت کو اپنا استعان بنا لینا وہ شیوۂ مسلمانی تھا جسپر چلکر اسلام کو چند برسوں کے اندر وہ شوکت نصیب ہوئی کہ آج اُسکو پھر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲:۴۵)۔ صاحب القرآن تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی انہی بار بار اور ضرب دل سے دُہرائی ہوئی آیتوں کی اہمیت کو اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راہ راست کے نصب العین کی ضرورت کو اسلامی اُمت پر کہکر واضح کر دیا تھا کہ خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان نہ صرف قرآن عظیم کو عطا کرنا بلکہ ساکنان زمین کے سامنے یہی سبع مثانی کا لشکر انگیز مطمح نظر دن میں پانچوقت پیش کر دینا ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ† وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵:۸۷)

اور اے محمدؐ! سب سے بڑا احسان جو ہم نے تم پر اور تمہاری اجل زدہ قوم عرب پر کیا ہے یہ ہے کہ ہم نے سورۂ فاتحہ کی بار بار دُہرائی ہوئی آیتوں کا اہم اور عظیم الشان نصب العین پیش کر کے تمہاری قوم میں حصول نعمت اور الصراط المستقیم پر چلنے کی ایک لازوال ترغیب و تحریک پیدا کر دی ہے (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُن کے دلوں میں اس نعمت کے حاصل کرنیکے ولولے پیدا کر دیئے ہیں (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ) اُنکے اندر اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے اور ہلاک شدہ قوموں (دیکھو آیات (۱۵:۷۸ تا ۱۵:۸۴) کی طرح مغضوب علیہم اور ضآلین نہ بننے کا ایک دائم اور قائم ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ ہم نے تم کو قرآن عظیم بھی دیا ہے جسکے اندر اُس الصّراط المستقیم پر چلنے کا مکمل دستور العمل درج ہے۔

یہی وہ فراخور سعی اور درخور طلب نصب العین ہے جس سے بڑھ کر انسانی جماعت کے لیئے اس دنیا کے اندر

ـ۱ اور اے لوگو! اس کارگاہ سعی و عمل میں مشکلات کا خاطر خواہ مقابلہ کرنیکے لیئے استقلال سے استعانت کیا کرو (اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ) اور حتی الوسع سعی و عمل کر کے خدا کے حضور میں گڑگڑایا بھی کرو کہ اُس حلال مشکلات کے حضور میں حاضری حوصلوں کو بڑھانے میں خاص مدد دیتی ہے اور یہ نماز تو ماسوا اُن لوگوں کے جن کا خشوع و خضوع ہم ہی سے بیم و رجا ہونیکے باعث ہو باقی سب کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

† اس آیہ شریفہ کے الفاظ خاص کر قابل غور ہیں۔ خدائے عزوجل نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی سورۂ فاتحہ کو اسقدر اہمیت دی ہو کہ رسول صلعم کو اسکے وحی کرنیکا احسان قرآن عظیم کو عطا کرنیکے احسان سے الگ جتلایا ہے، بلکہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کے لیئے اسکو باقی قرآن سے الگ کر دیا ہے۔ شارحین قرآن نے چنانچہ اس آیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی اہمیت پر ضخیم بحثیں کی ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے ایک ایک لفظ کو اپنے انہی ظن و اعتقاد کے طومار باندھکر ظلمت انگیز مناظرے پیدا کئے ہیں۔ کہیں اَللّٰه کے لفظ کو کوئی اسم اعظم قرار دیا ہے جسکو دُہرانے کے فضائل لاتعد ولاتحصٰے لکھے ہیں، کہیں الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ میں فرق بتلایا ہے، کہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر اعتقادی مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر ایک متنفس نے بھی ذہن کو کام میں لا کر اسطرف رجوع نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدائے عظیم نے کیا اہم نصب العین دن میں پانچوقت مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ایک فرد واحد کا خیال اسطرف نہیں دوڑا کہ وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس سبیل کا نام ہے اور اسکی صحیح قرآنی تعریف کیا ہے۔ میں نے متذکرہ صدر ترجمے میں اللہ صاحب کے سورۂ فاتحہ کو مثانی کہہ کر یاد فرمانے کی توجیہ، اسکے پیش کیے ہوئے نصب العین کی

کوئی نصب العین نہیں ۔ یہ اُس خدا کی زمین پر نعمت خدا کو برقرار رکھنے کا علم حاصل کرنا ہی وہ نور ہے جس سے بڑھکر نفعمند کوئی نور نہیں۔ سعی و عمل کے اس کارگاہ عظیم میں اسی علم سے بیخبر رہنا اور حصول نعمت کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں، تن من دھن وقف نہ کردینا ہی وہ ظلمت عظمیٰ ہے جس سے تاریک تر کوئی ظلمت نہیں، عزیز اور حمید خدا کا بتایا ہوا یہی وہ معزز اور محمود مقام، اور یہی وہ عزت افزا اور قابلِ ستائش صراط ہے جس سے مستقیم تر کوئی صراط نہیں ۔ اسی الصراط المستقیم کو ہر دم پیش نظر کردینے کیلئے سبع مثانی کا دُہرانا نماز میں تھا، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے خدائے عظیم کا قرآن عظیم اس زمین پر نازل ہوا تھا:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (۱۴:۱)

اے محمدؐ! یہ قرآن عظیم ایک مکتوب خدا اور حکمنامہ رب العٰلمین ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اس نیت سے بھیجا ہے کہ تم تمام عالم کو قانونِ خدا کے عدم تعقل اور اس دنیا میں نامراد اور مغضوب علیہ ہوکر رہنے کی ظلمتوں (الظُّلُمٰتِ) سے علم و عمل اور تنومند بنکر رہنے کے (النُّوْر) کیطرف نکال لاؤ اور قانون الٰہی کے عامل بناکر انکے آقائے نامدار رضا و رغبت سے انکو قوت اور عزت کے اُس صراط مستقیم کیطرف لیجاؤ جو صاحب عزت اور لائق ستائش خدا کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اگر یہ الصلوٰۃ مسلمانانِ عالم کے شرعی ملاؤں کی جہالت اور ناقرآن دانی یا مسلمانوں کی اپنی تن پروری

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۸) اہمیت، اور اسکے قرآن عظیم سے الگ ذکر کرنے کی وجہ اشارۃً بیان کردی ہے؛ اور یہ مسلمانوں کے سامنے وراثت زمین کی مہیب کبرائے اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی نعمت عظمیٰ کا لازوال نصب العین پیش کردینا یا الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ نہ بننے کا قلبی ہیجان پیدا کرکے قوم کو سعی عمل کیطرف متوجہ کردینا ہی میرے نزدیک سورۂ فاتحہ کی واحد اور بے مثال فضیلت تھی جو آج نظروں سے نہاں ہوچکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ کے تحت المتن میں صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کو یکجا جمع کردیا تھا اور اُسکا بغور مطالعہ کرنے اور اُسکے متعلق تمام قرآنی آیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر صاحبِ غور و فکر اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی تمام تعلیم کا لب لباب در اصل اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ تمام اوامر و نواہی جو دین اسلام کے اصل اصول اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے صراط پر چلانے کے صحیح اوزار ہیں اسی صراط مستقیم کی جامع و مانع اصطلاح میں داخل ہیں۔ سورۂ فاتحہ اگر اس نصب العین کو قرآن کے ورق اول پر پیش کررہی ہے تو باقی تمام قرآن اُس نصب العین کو حاصل کرنیکے وسائل بتلا رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول بھی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں اسی سورۂ کے اندر ہے۔ ایمان، اتقا، صلاح، فسق، شرک، کفر، الغرض دین اسلام کی تعلیم تمام کمال اسی اِهْدِنَا سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے الفاظ میں مضمر ہے (دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۳۹)۔ انہی معنوں میں سورۂ فاتحہ تمام باقی قرآن کا ملخص، اسپر صحیح معنوں میں حاوی، بلکہ اسکی صحیح معنوں میں تفسیر ہے۔ اسی لیئے اسکی یہ بے مثال فضیلت بھی ہے جس قوم نے سورۂ فاتحہ کے مطمح نظر کو پا لیا اور اسکے بعد اُسپر عامل ہوگئی اسکو فلاح دارین قطعاً حاصل ہے۔ اسکے ماسوا نہ اسکے اندر کوئی اسم اعظم ہے، نہ اسکو بار بار دُہرانے میں کوئی ثواب ہے، نہ اسکو صحیح طور پر پڑھ لینے کا کوئی اجر ہے، نہ اسکی ضخیم اور بے سند تشریحیں کرکے اسکے الفاظ کی وہمی فضیلتیں جتلانا خدا کو خوش کرسکتا ہے!

* یہ آیۂ جلیلہ سورۂ ابراہیم کے شروع میں واقع ہوئی ہے۔ اور صفحہ ۵۵ پر آچکی ہے۔ یہاں پر صرف اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا ہے کہ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْر سے الٰہی مراد

اور ناخدا شناسی کے باعث ایک نابکار اور ناکار برآر، ایک مضحکہ انگیز اور بے مطلب، ایک ناقوت ایذدونز اور مسکنت خیز، ایک بیگار اور مصیبت بن چکی ہے تو اسمیں قرآن اور اسلام یا خدا اور رسولؐ کا کیا گناہ ہے!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا " (۱۷:۹)

اسمیں شک نہیں کہ یہ قرآن عظیم اپنے عاملوں کو اُس راہ پر لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ رہست اور قیام آفریں ہے اور ان صاحب ایمان لوگوں کو جو ایمان کے لوازم پیش نظر رکھکر مناسب سعی و عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا اجر ہے۔

(بقیہ تحت المتن ۲۶۹) بعینہ کس قسم کی تاریکیاں اور کس قطع کی روشنی ہے۔ شارحینؒ قرآن حسب معمول اِن الفاظ سے علی الحساب "روحانیت کی روشنیاں" یا "ناخداوانی کی تاریکیاں" لے لیتے ہیں لیکن یہ سب غیر معین اور بے نتیجہ باتیں ہیں جو دراصل قرآن حکیم کو بغور مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ ہیں ایک آیت (۳۳ : ۴۳) جسمیں الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں آچکی ہے، دو آیتیں (۵ : ۱۵-۱۶) جن میں یہی الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۷۶ پر آچکی ہیں۔ صفحہ ۱۷۶ والی آیتوں سے کم از کم اسقدر مستنبط ہوتا ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے قرآن عظیم کو "نُوْرٌ" کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن وہ نور ہے جسکے ذریعے سے خدا اقوام عالم کو سلامتی، قیام فی الارض، اور بقا کی راہوں پر لیجاتا ہے اور انکو "الظُّلُمٰت" سے "النُّوْر" کی طرف نکالکر صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵ : ۱۵-۱۶) (دیکھو صفحہ ۱۷۶ و ۲۴۴) گویا اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ "الظُّلُمٰت" کا الٰہی مفہوم وہ تاریکیاں ہیں جو اقوام کو سلامتی اور بقا کے رستوں سے پرے ہٹا دیتی ہیں اور "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" والے صراط مستقیم سے ورغلا کر "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" اور "الضَّآلِّيْنَ" بنا دیتی ہیں۔ اور "النُّوْر" وہ روشنی ہے جو اقوام کو اِس دنیا میں بے خوف و خطر کردیتی ہے اور صراط مستقیم پر چلائے رکھتی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے "الظُّلُمٰت" دراصل قانون خدا کو نہ سمجھنے یا اُسپر عامل نہ ہونے کی تاریکیاں ہی ہیں اور "النُّوْر" وہ قانون خدا کا تعقل اور اُسکی تعمیل ہے جسکا نتیجہ اجتماعی دوام و بقا ہے۔ اور اسی لحاظ سے خود قرآن (یعنی قانون خدا) کو بھی "نُوْر" کہا گیا ہے۔ زیر بحث آیت (۱۴ : ۱) میں بھی یہی دونوں الفاظ آئے ہیں اور "صِرَاط" کا معنی خیز لفظ بھی وارد ہوا ہے بلکہ "صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ" کہکر کنایۃً یہ بھی کہدیا ہے کہ وہ صراط عزت اور حمد کا صراط ہے ذلت اور مغلوب ہوکر رہنے کا صراط نہیں۔ الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے ان مطالب کی قطعی اور ناقابل انکار تائید اِسی سورۂ ابراہیم کی آیت (۱۴ : ۵) سے ہوتی ہے جس میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر بھیجا کہ وہ اُن احکام کے ذریعے سے اپنی قوم کو "الظُّلُمٰت" سے "النُّوْر" کی طرف نکال لائیں اور حکم دیا کہ اِس غفلت زدہ قوم کو "ایام خدا" کی یاد دہانی کراؤ، اِسمیں شک نہیں کہ اِس یاد دہانی جہاد میں ہر مستقل مزاج (صَبَّار) عامل اور نعمت خدا کے قدردان (شَكُوْر) بندے کے لیئے بہت ارشادات موجود ہیں: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۱۴ : ۵)۔ ایک ہی سورۃ میں چار آیتوں کے وقفے کے بعد الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے مطالب کی یہ الٰہی تشریح اِس بات کی حتمی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہا گیا تھا کہ قوم کو محکومیت اور بیچارگی، خوف اور ضعف، قانون خدا کے عدم تعقل اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر بادشاہت اور امن، قوت اور عزت کے "سُبُلَ السَّلٰمِ" پر لے آؤ، اور جہاد بالسیف (اَيّٰمِ اللّٰهِ) کے ولولے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷۰)

اُن میں پیدا کر کے اُنکے اندر صبر اور استقلال، بادشاہت کی صحیح قدر شناسی یعنی حقدار اور شکر گزار بننے کا اخلاق جاری و ساری کر دو۔ یہی منتہا تھا جس کے لیئے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور یہی اُنہوں نے کر دکھایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کے سیاق میں نوح علیہ السلام وغیرہ کے بارے میں بھی وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (۱۴: ۱۵) آیا ہے، یعنی اُنہوں نے وہ ملک فتح کر لیا۔ اور ہر معاند اور ظالم گروہ منہ دیکھتا رہ گیا"۔ بلکہ (۱۴: ۲۳) میں ہے: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ (۱۴: ۲۳) یعنی عمل صالح کرنے والے ایمان دار سرسبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے، وہ جب تک خدا ان کا راضی رہے گا (باذن ربھم) اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُنکے اندر سب طرف سے یہی دعائے خیر ہو گی کہ امن سے رہو!" (ضمناً اُدْخِلَ کا ماضی کا صیغہ اس امر کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ جنّٰت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی)۔

الغرض سورہ ابراہیم کی متذکرہ صدر آیت (۱۴: ۵) الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے معانی کی صحیح تعیین حتماً کر دیتی ہے۔ اور قرآن عظیم کی بابت بھی سورہ ابراہیم کے شروع میں یہی کہا گیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اقوام کو محکومیت اور افلاس کی ظلمتوں سے نکالکر قوت اور عزت، غلبہ اور امن، بادشاہت اور جنّات زمین حاصل کرنیکے نور کی طرف جو عزیز و حمید خدا کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے نکال لاتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی دنیاوی قوت اور غلبے کو قرآن حمید میں کئی جگہ بالصراحت نور کہا گیا ہے۔ مثلاً يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۹: ۳۲) اور يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۶۱: ۸) میں جو صفحہ ۱۸۴ پر آچکی ہیں اور جہاں نور سے مراد سیاسی تمکن اور دنیاوی قوت کے سوا کچھ اور لینا ناممکن ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴) علیٰ ہذا القیاس سورہ حدید کی آیات (۵۷: ۱۲ - ۱۵) اور سورہ تحریم کی آیت (۶۶: ۸) میں يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷: ۱۲) اور نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۶۶: ۸) کے الفاظ بلکہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں اور وہاں مراد صاف یہ ہے کہ جب مسلمان جنّات زمین میں داخل ہونگے تو **بادشاہت اور غلبے کا نور اُنکے آگے آگے دوڑ رہا ہو گا**، منافق عرب جنہوں نے اس بادشاہت زمین کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکائے تھے حسرت کے مارے مسلمانوں کو کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو ہم بھی اس نور سے کچھ لے لیں اور جب جواب نفی میں ملے گا تو حجتیں کرینگے کہ کیا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیا کرتے تھے؟ پھر جواب ملے گا کہ نہیں۔ تم منتظر رہا کرتے تھے، ہمارے فتحمند ہونے میں شک کیا کرتے تھے، تم کو تمہاری من مانی آرزوؤں نے دہوکا دے رکھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت ان کا موقع آئے گا ان کا پورا مفہوم عیاں کر دیا جائے گا۔ لیکن نور کے مفہوم کے لیئے صفحہ ۷۲ کی آیت (۷: ۱۵۷) پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

تم المجلد الاول

مِن کتاب

تذکرہ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ربنا ظلمنا انفسنا وَ

ان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخسرين (الاعراف)

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا ربنا ولا تحمل

علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا

ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به وَ

اعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا على القوم

الكٰفرين (بقرہ) ربنا انك اتيت فرعون وملاه زينة واموالا في الحيوة الدنيا

ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا

العذاب الاليم (یونس) ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظلمين ونجنا برحمتك من القوم الكٰفرين (یونس)

ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا في امرنا (آل عمران) وافرغ علينا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا على

القوم الكٰفرين (بقرہ) ربنا اننا سمعنا مناديا ينادي للايمان ان امنوا بربكم فامنا ربنا

فاغفر لنا ذنوبنا وكفر عنا سياتنا وتوفنا مع الابرار ربنا واتنا ما وعدتنا

على رسلك ولا تخزنا يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد فاستجاب لهم ربهم

اني لا اضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضكم من بعض

فالذين هاجروا واخرجوا

من ديارهم واوذوا في سبيلي وقتلوا و

قتلوا لاكفرن عنهم سياتهم ولادخلنهم جنت

تجري من تحتها الانهر ثوابا من عند

الله والله عنده حسن الثواب (آل عمران)